الکرار
امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ
۱۷، انارکلی لاہور

الکرّار

مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام

کے سوانح حیات

تالیف

سیّد ریاض علی ریاض مرحوم بنارسی

تزئین

عالی جناب مولانا سیّد مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

ناشر الکرار کمیٹی برائے

امامیہ مشن پاکستان (رجسٹرڈ) ۱۷- انار کلی - لاہور

سالِ اشاعت ـــــــــــــــــــ ۱۹۷۶ء

تعداد ـــــــــــــــــــ ۵۰۰

کتابت ـــــــــــــــــــ فیض احمد

مطبع ـــــــــــــــــــ لائف پریس لاہور

ہدیہ ـــــــــــــــــــ قیمت ۔/45 روپے

ناشر ـــــــــــ الکرار کمیٹی برائے ـــــــــ امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ
۱۷ ۔ انارکلی ۔ لاہور

کتاب اور مصنّف

سید ریاض علی، سرسید احمد خان کے دورِ فکر و نظر کے ان جوانوں میں تھے جو نئے افق سے ابھرے اور انہوں نے نئے لہجے سے مذہب کی ترجمانی کی۔ جسٹس سید امیر علی، جسٹس کرامت حسین اور ابوالفضل عباسی مؤلف تاریخ اسلام کے دور میں سید ریاض علی مرحوم ایک مشہور مصنف و خطیب تھے۔ یہ دور اسلام کے خلاف پھیلتی ہوئی غلط فہمیوں کا دور تھا، انگریزوں کی حکومت کا شباب اور عیسائی مشنریوں کے حملے، غیر مسلم افکار کی یلغار میں مسلمانوں کے احساس کمتری نے دانش وروں کو للکارا وہ سامنے آئے اور اسلامی حقائق کی ترجمانی کا فریضہ ادا کرنے لگے۔ علامہ غلام حسنین کنتوری نے "انتصار الاسلام"، اور جسٹس امیر علی نے "تنقید الکلام"، اور مرزا محمد ہادی بی اے نے "سائنس آف ریلیجن" اور "تحفۃ السنہ" کی تالیف سے اپنے زمانے میں جوانوں کو تعلیم مذہب دی اور دشمنانِ اسلام کے غلط پروپیگنڈے کا مثبت جواب دیا۔ ریاض علی بنارس میں رہتے تھے انہوں نے ہندو فلسفہ و مذہب کے مقابلے میں "خصوصیات اسلام" نامی کتاب لکھی اور اسلامی عقائد و تعلیمات پر متعدد مضامین و مقالات قلمبند کر کے دینی خدمت انجام دی۔

انگریزی زبان کی برتری نے عربی و فارسی جاننے والے کم سے کم تر کر دیئے نئی نسل انگریز مصنفین کی کتابیں پڑھنے کو فیشن بنا بیٹھی۔ ان مصنفین نے تاریخ اور ثقافت کی خاص تعبیروں سے اپنے مطالعہ کرنے والوں کو نئے مسائل سے دوچار کر دیا۔ وہ اپنی تاریخ کو واقعات کی کھتونی کہنے لگے انہیں اپنے اکابر کو آج کا رہنما ماننے سے کچھ تامل ہونے لگا نتیجہ میں مولانا محمد حسین آزاد نے ادب کے مشاہیر کو خطیبانہ زورِ اور ادیبانہ قوت سے متعارف کرایا اور سیاسی و ثقافتی اشخاص کو مصورانہ شان سے "دربارِ اکبری" میں پہنچوایا ادھر شبلی صاحب نے عرب تاریخ پر قلم اٹھایا اور مشاہیر اسلام میں "ابوحنیفہ" (النعمان)، "المامون"، "الغزالی" اور "الفاروق" نامی معرکۃ الآراء کتابیں عوام تک پہنچائیں۔ ان کتابوں میں کچھ ایسا مواد اور ان کا ذہنی پس منظر کچھ ایسا تھا کہ مختلف پڑھنے والوں نے الگ الگ تاثر لیا اور ملک میں مثبت منفی تاثرات ابھرے۔ جذبات کے جوار بھاٹے اور موافقت و مخالفت کے مدّوجزر آئے چونکہ ان کتابوں کا عمومی نتیجہ شیعہ فکر و نظر کے خلاف ایک فضا

تیار کرتا تھا اس لئے پڑھے لکھے شیعہ بھی سنبھلے۔ متعدد حضرات نے ان کتابوں کے جواب لکھے، ان واقعات کی تردید کی۔ تاریخ و حدیث کے حوالوں سے اصل حقائق سامنے لائے اور تابڑ توڑ حملوں کا بھرپور جواب دے کر دم لیا۔ کچھ لوگوں نے اندازہ لگایا کہ کسی مسئلے کا حل منفی جواب کے علاوہ مثبت انداز سے بھی دیا جا سکتا ہے کیونکہ حملہ آور ایک موضوع تلاش کر چکا ہے اس موضوع کا ظاہر مثبت ہے اس کے مسائل میں دوسرے کی نفی اور دوسروں پر حملہ ایک پوشیدہ عمل ہے۔ جسے اصل موضوع کی سادگی اپنی پناہ مہیا کرتی ہے اسی بنا پر الفاروق اور اس جیسی کتابیں مسلسل چھپتی رہتی ہیں۔ برادرانِ اہلِ سنت کی ان جارحانہ کارروائیوں اور اپنے ہم مسلک افراد کی ضرورت کے پیشِ نظر دینی مسائل سمجھنے اور مذہبی رہنماؤں کی تاریخ و سیرت کے لئے نئے بدلتے تقاضوں کی روشنی میں شیعوں کی طرف سے بھی اہلِ علم و فکر نے قلم اٹھایا۔

ریاض علی صاحب نے سیرت و تاریخ میں سب سے پہلے حضرت علی علیہ السّلام پر بڑی محنت اور روشن فکری سے قلم اٹھایا اور الکرار کے نام سے سیرت امیر المومنین مکمل کی یہ کتاب ان حضرات کے لئے بڑی مسرّت کا باعث ہوئی۔ جو مغربی مصنّفین کی تصانیف پڑھتے اور نئی عینک سے پرانے واقعات دیکھنا چاہتے تھے۔ مصنف گبن اور کارلائل کی تالیفات سے متاثر تھے۔ ذہن ماضی اور فکر قدیم سے وابستہ نہ تھے۔ وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کے بڑھاپے نے انہیں اسلام کی مؤثر خدمت پر آمادہ کیا اور انہوں نے اپنے مطالعے اور فکر پختہ کار کے سہارے پانچ سو صفحے تحریر کئے۔

"الکرار" کیسی کتاب ہے؟ اس کا جواب خود مصنّف نے آخر کتاب میں لکھا ہے یہ کتاب ۱۹۱۰ء میں چھپی اور جس نے اس کا مطالعہ کیا اس نے داد دی۔ "الکرار" ایک عقلی اور منطقی کتاب ہے مصنّف نے از اوّل تا آخر عقل اور تاریخ، واقعات اور نتائج کو ہم آہنگ رکھنے کی کوشش کی ہے اس سلسلے میں ان کی زبان، عبارت اور اسلوب میں ادب کا چٹخارہ، سر سیّد کے دبستان کی استدلالی قوت سے بدل گیا ہے۔ ایک باب پڑھنے کے بعد آپ کو زورِ بیان اور اندازِ بحث اس طرح جذب کرے گا کہ پوری کتاب پڑھے بغیر بند کرنا دشوار ہوگی۔

ہم نے اس ایڈیشن کی ضرورت یوں محسوس کی :۔

(۱) ملک میں آئے دن پرانی کتابیں چھپ رہی ہیں یہ کتابیں مخصوص عوامل، خاص فضا اور بعض اہم خصوصیات کی حامل ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کی علمی میراث کی بازیافت اور محنتی مصنفوں کی تاریخی کاوشوں کا تحفظ

اور ایک اچھی کتاب کا صاحبانِ نظر کو ہدیہ۔

(۲) " الکرار" کسی عالمِ دین، مُلّا اور ادیب کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کا مصنّف عام قاری، عام مفکّر اور عام صاحب نظر افراد میں سے ہے۔ جس نے اپنی سطح پر سوچا اور ہر سطح کے آدمی سے بات کی ہے۔

(۳) " الکرار" امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت و سوانح پر نئے زاویے سے بحث و نظر کی کتاب ہے جو گذشتہ اور موجودہ دور میں متوسّط درجے کے ذہن اور نئی نسل کے دل کی بات کرتی ہے۔ اس کا لہجہ، اس کی بحث اور اس کے نتائج ممکن ہے کسی کے لئے سو فیصد قابل قبول نہ ہوں مگر اس میں جو کچھ قابل قبول ہے، وہ بہت کچھ ہے۔ مصنّف فقیہ و متکلّم و علامہ نہیں ہے اس نے اپنے طور پر سوچا اور لکھا ہے ہم نے اس کی بعض عبارتیں بعض مجبوریوں کی وجہ سے حذف کر دی ہیں لیکن اگر کہیں کوئی بات پھر بھی رہ گئی ہو تو اسے ریاض علی صاحب کا وہ زاویۂ بحث سمجھیئے جو ہماری نظر سے رہ گیا

(۴) " الکرار" جسٹس امیر علی صاحب کے انداز میں اردو کی تصنیف ہے جو انگریزی داں حضرات کے لئے خصوصی توجہ کی طلب گار ہے۔

(۵) یونیورسٹی کے وہ طلبا جو تاریخ یا سیاست پڑھتے ہیں اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے عہد پر مختلف النوع کتابوں کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اس کتاب سے بیحد مستفید ہوں گے۔

ہمیں یقین ہے کہ قوم ہماری اس پیش کش کو پسند کرے گی اور ہم اس کے بعد ریاض علی ریاض بنارسی کی دوسری وقیع کتاب "شہید اعظم" کی دونوں جلدیں چھاپنے کا منصوبہ پورا کر سکیں گے۔

۲

سیّد ریاض علی ریاض، بنارس کے رہنے والے تھے ان کا آبائی مکان محلہ چاہ مہمال حلقہ چوک میں تھا۔ انگریزی اور ہندی پر عبور تھا۔ مطالعہ کا شوق اور آریہ، ہندو، عیسائی مبلّغوں کے مقابلے میں اسلام کے حقائق بیان کرنے کا جذبہ رکھتے تھے وہ اچھے خطیب اور خوش گو شاعر تھے۔ کمشنر کے دفتر میں کسی اچھے عہدے پر ممتاز تھے لیکن اسلام کی خدمت کو اپنا فریضہ جانتے تھے۔ ملازمت سے پنشن حاصل کرنے کے بعد

وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت لکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں موصوف نے پہلے حضرت علی علیہ السلام کی سیرت و تاریخ لکھی۔ پھر امام حسین علیہ السلام اور واقعۂ کربلا پر دو مفصل جلدیں تلمبند کیں اس کی تالیف و تصنیف سے فراغت اور ان کی طباعت کے بعد وہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت لکھ رہے تھے کہ ۲ ستمبر ۱۹۴۲ء کو داعی حق کی دعوت قبول کی اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

مرحوم کی اولاد میں دو نواسے ڈاکٹر سید ریاض باقر صاحب رضوی اور جناب سید علی ریاض صاحب ایم اے کراچی میں فروکش ہیں۔

(بشکریۂ جناب سرفراز احمد صاحب سہیل بنارسی)

سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السّلام کی سیرت وسوانح حیات پر "الکرّار" نامی یہ کتاب ۱۹۱۰ء میں بنارس سے شائع ہوئی - جو ایک مدت سے نایاب تھی - اس کی دوبارہ اشاعت کی ضرورت کو بعض اہلِ نظر نے محسوس کیا اور امامیہ مشن ٹرسٹ لاہور سے مکرّر طباعت کے لئے تحریک کی - مناسب غور کے بعد مصارف کے لئے رقم کی فراہمی اور طباعت کا انتظام کرنے کے لئے الکرّار کے نام سے امامیہ مشن نے پانچ احباب کی ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی - جو علاوہ مینجنگ ٹرسٹی کے ڈاکٹر رمضان علی ماہر امراضِ چشم، این - اے - رضوی ٹرسٹی، میجر ایس - ایم - حسن سابق سفیر پاکستان و سید واجد علی شاہ آف شاہ جیونہ پر مشتمل ہے - ان حضرات نے رضاکارانہ طور پر اس کمیٹی میں شمولیت کی اور مالی امداد بھی پیش کی - طباعت کے لئے مطلوبہ کاغذ کا تقریباً دو تہائی حصّہ سیّد بابر علی صاحب سابق مینجنگ ڈائریکٹر پیکجز لاہور نے بلاقیمت عطیّے کے طور پر عنایت فرمایا -

"الکرّار" کی کتابت سے پہلے مولانا سیّد مرتضیٰ حسین صاحب صدر الافاضل نے از راہِ کرم کتاب پر اس لحاظ سے نظرِ ثانی فرمائی کہ جہاں جہاں ایسی لفظی تراکیب یا ایسے الفاظ ہوں جو زمانہ گزرنے پر زبان میں تغیّر کے ساتھ متروک یا نامانوس ہو چکے ہیں وہ قابلِ فہم کر دئیے جائیں - اس کے علاوہ صاحب موصوف نے کتاب اور مصنّف پر ایک تعارفی مقالہ بھی شاملِ اشاعت کر دیا ہے - جس میں ان حالات اور اس ماحول پر روشنی ڈالی ہے جو زیرِ نظر کتاب کی تصنیف کا سبب بنی - اس پس منظر سے واقفیت کے بعد مصنّف کے اسلوبِ تحریر اور طرزِ استدلال کی وجوہات واضح ہو جاتی ہیں - اسی مقالے میں مولانا مرتضیٰ حسین صاحب نے ریاض بنارسی مرحوم کے حالاتِ زندگی سرفراز احمد صاحب سہیل بنارسی سے حاصل کر کے شامل فرما دئیے ہیں - ان حضرات کے تعاون کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے -

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کا کام بخیر و خوبی مکمل ہو گیا ہے اور یہ امامیہ مشن لاہور کی تبلیغی کوششوں کا ایک نمونہ ہوگا - آخر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان تمام حضرات کا جنہوں نے اس کی اشاعت و طباعت میں عملی امداد فرمائی ہے شکریہ ادا کروں - ان میں اوّلین شکریہ کے حقدار جناب این - اے رضوی ٹرسٹی ہیں جنہوں نے اس کی اشاعت کے لئے مالی امداد فراہم کی اور کاغذ بھی بطور عطیّہ حاصل کیا - الحاج سیّد حسن علی شاہ کاظمی ٹرسٹی نے بطور سکرٹری الکرّار کمیٹی جملہ امور تندہی سے انجام دیئے - وحید الحسن ہاشمی مدیر پیامِ عمل نے کتابت کا بیشتر حصّہ تصحیح فرمایا - ناظم دفتر سیّد انصار حسین اور ان کے رفقائے کار نے اس کی تکمیل میں ہاتھ بٹایا - یہ ان حضرات کے علاوہ ہیں جنہوں نے مختلف طریقے سے مالی اعانت فرمائی - جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے :

(الحاج خواجہ) **حبیب علی** (ڈی - سی - ایس ریٹائرڈ) مینجنگ ٹرسٹی امامیہ مشن ٹرسٹ لاہور

الکرّار
سیّد ریاض علی ریاض بنارسی

مقدّمہ

تاریخ اگر مادرِ علوم نہیں ہے تو بہت کچھ مادرِ معلومات ضرور ہے۔ قوموں کے کارنامے۔ اُن کے علمی مشغلے۔ اخلاقی ذوق معاشرتی یک جہتیاں، ملکی اور تمدّنی تذکرے اس کا خاصہ اور مذاق قومی، عناصر قومیّت، قومی ساخت، روش اصول، مذہب زبان، رسم و رواج سب آپس میں پلٹے جاتے ہیں۔ عروج و زوال کی دلکش اور مہیب صورتیں فلسفیوں کے غور کے قابل عروج و زوال کے اسباب، ان کے مفید نتائج وقت کا عمدہ مصرف نکالتے ہیں۔ ترقیٔ خیالات کے علاوہ استعداد ادراک تاریخی بہت کچھ موجودہ اور آئندہ واقعات کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ زمانہ کے ساتھ واقعات میں جس جس طرح کے پر پُرزے لگتے گئے ہیں ان کی حقیقت بھی بغیر کسی غیر معمولی کوشش کے سمجھ میں آجائے۔

صحیح ہے کہ فن تاریخ بھی قانون ترقی تدریجی کا محکوم سمجھا جلئے۔ ہمارا یہ چاہنا کہ آج نہیں پرانی تاریخیں وہ سامان کیوں نہیں ملتے۔ جس سے ہم اس زمانہ کی نگاہ سے انہیں دیکھنے کے بعد بھی تسکین پالیں اس پر ضد کرنا ہے کہ ہر نئی صبح جو اس جلالت خیز شان سے طلوع ہوتی ہے وہ کل کی گزری ہوئی صبح ہے اور کچھ وقت کے بعد کام کے دن نے جو تاریک ہیبت زا سُلادینے والی شام کی تھی۔ وہ اس لئے تھی کہ نیند کی لہروں میں ہمارا دماغ آج دن کے خیالات اور ان کے تجربہ اور تداخل میں اپنے فطری عمل سے باز رہے اور کل کے کام سے جو اثر ہم پر پڑتے گئے تھے ان کے موافق عمل کرے۔ نئے آثار زمانے پر ظہور کرتے جاتے ہیں جو لامعلوم اسباب کا نسخہ اور ان کی پختت کا نتیجہ ہیں اور اگرچہ تاریخ اکثر اپنے کو دہراتی ہے اور اس

کے بعض اسباب ملتے جلتے بھی ہیں مگر پھر بھی کچھ فرق اور کچھ نئے اسباب ہوتے ہیں جن کا سمجھنا غور کرنے والوں کے لئے موٹے موٹے واقعات کے دیکھ لینے سے زیادہ دلچسپ ہوا کرتا ہے

اگرچہ آج کا دن کل کا دن نہیں ہے مگر آج کو کل سے وہی نسبت ہے جو زنجیر کی ایک کڑی کو دوسری سے ہوتی ہے۔ آج کا دن کل جو گذر گیا اور کل جو آنے والا ہے اس کے سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ وہ شخص جو ہزار برس پیشتر تھا آج ہزار برس کے بعد کیسے اس شخص کے ذخیرۂ معلومات کے مقابلہ کا دعویٰ کرسکتا ہے جس کے پاس نہ صرف اس کے زمانے کے واقعات جاننے اور سمجھنے کے اسباب مہیا تھے بلکہ اب ایک ہزار برس کے مختلف آثار سے بھی واقفیت حاصل کرنے کے ذرائع اس کے لئے فراہم ہوگئے تھے۔

خوش نصیب ہیں وہ قومیں جنہیں اپنے تاریخی خزانے کے محفوظ رکھنے کا موقع ملا۔ قوم اگر وہ مُردہ ہے اور اپنے اس بے بہا ذخیرے کی داشت پر توجہ کرتی ہے تو کم سے کم یہ سمجھاتی ہے کہ ہمیں اپنے مردوں سے محبت ہے وہ اُس کا علم ہو تمدن ہو اور ایسا ہی کچھ اور اگر زندہ ہے تو خیال دلاتی ہے کہ شاید اس کی بقائے قومی نہ ابھی روبہ انحطاط ہے اور نہ مائل بہ زوال۔

اگرچہ موٹے موٹے واقعات کا لکھ دینا بھی دِقتوں سے خالی نہیں ہے لیکن واقعات اور ان کے اسباب پر رائے زنی کرنا باریک باتوں پر قیاسات سے کام لینا ہے۔ یہ قیاسات اگرچہ شاعرانہ مضامین کی طرح بے سروپا نہیں ہوتے بلکہ مبنی بہ واقعات ہوتے ہیں لیکن ہر مؤرخ سے یہ امید کرنا کہ وہ صحیح قیاسات کے قابل ہے اور اس نے کافی تیز نظری اور ہوش سے واقعات کو دیکھتا ہے کس قدر فیاضانہ خوش اعتقادی ہے یا فنِ تاریخ نویسی کو بہت کم درجہ پر گھٹا دینا ہے

اسی طرح ہر مؤرخ سے یہ امید کرنا کہ اس نے واقعات کو مسخ نہیں کیا۔ بلکہ اس نے واقعات کو اصلی ہیئت میں محفوظ رکھا ہے انصاف پسندی سے کام لیا ہے یا تعصّب سے واقعات کو نئے بھیس میں نہیں دکھایا ہے ویسی ہی خوش اعتقادی ہوگی۔ مؤرخ کی روش سمجھنے کی کوشش سے دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور طلبائے تاریخ کو اپنی متانت فہم کے صرف کا عمدہ موقع مل سکتا ہے۔ تنقید اپنے اصلی مفہوم میں مفید نتائج پیدا کرسکتی ہے اور تصحیح تاریخ کے ایک تیسرے دور کا آغاز ہوسکتا ہے۔ اصول درایت محدثین اور مؤرخین کے لئے یکساں مفید ہے۔

تاریخ و فن تاریخ نویسی اور تحفظ تاریخ کے متعلق ان مختصر عام خیالات کے بعد اب مجھے یہ کہنا ہوگا کہ جزو کُل کا ایک حصہ ہے جس طرح قوم کی تاریخ کا اطلاق اُس کے ایک ایک فرد پر ہوتا ہے اسی طرح قوم کے اکثر افراد ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر تمام قوم پر دکھائی دیتا ہے۔ وہ یا تو خود بانی قوم ہیں یا کسی ایسے شخص کے پیرو۔ ان کے اقوال۔ افعال۔ انداز۔ روش۔ خاصہ طبیعت تربیت۔ اس کی نمود بہ غور سے دیکھے جانے کا فطری تقاضا کرتی ہے اور ان میں جس قدر قوت ہوتی ہے لوگوں میں ویسا ہی تاثر اور تقلید اور پسندیدگی پائی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ زمانہ اسے قوم اور ملک میں اپنے خیالات اور عمل کی قوت سے ہر جگہ موجود رہتا ہے۔

انتقال فطری کے بعد بھی بھلا نہیں دیتا اس کی اکثر باتیں جزو تاریخ ہو جاتی ہیں اور اس کی صفات ایک روشن اور بلند مینار کی طرح قائم ہو کر قوم کی رہنما ہو جاتی ہیں۔ قوم کا بیش بہا خزانہ ہوتی ہیں جسے کوئی حادثہ ارضی و سماوی فنا نہیں کر سکتا تا وقتیکہ دوسرا اس سے مضبوط قوتوں اور اعلیٰ النفس والا پیدا ہو کر اس کے ذکر کو محو نہ کرا دے اور خود اس کی جگہ نہ لے لے۔

اس طرح جہاں کسی قوم کی واقعہ نگاری عام تاریخ نویسی ہے وہاں اس کے کسی فرد کے حالات لکھنا خاص سوانح نویسی ہے جو اس فرد سے متعلق ہو۔ سوانح نویس کبھی اپنے خیالات کے سمجھانے کے لئے ایسے واقعات بھی لکھتا ہے جو بادی النظر میں اس کے ہیرو کی عین حیات سے متعلق نہ ہوں لیکن غور سے دیکھنے اور نتیجہ سمجھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ سوانح نویس نے اپنے ہیرو کے کسی خاص شعبۂ طبیعت کے سمجھانے یا اُس کے زمانے کے کسی خاص واقعہ پر اثر ڈالنے کے لئے تائیدی ثبوت کی طرح لکھا تھا اگرچہ وہ واضح حیثیت سے عین ثبوت نہ سمجھا جائے بلکہ ایسے تائیدی واقعات کا انعکاس کے لئے لکھنا خود مؤرخ کے اختیار تمیزی کا معیار ہے جس طرح تحفظ تاریخ قوم پرستی ہے اسی طرح افراد کی سوانح عمریوں کا کسی قوم میں پایا جانا ہیرو پرستی ہے جس سے اس قوم کے ممیزین کے مخصوص حالات معلوم ہوتے ہیں اور یہ سمجھنا آسان ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ کا انسان ہے۔ کسی سوانح نویس کی ایسی تصنیف بھی اپنے فلسفۂ تاریخ اور قیاسات میں متذکرہ صدر عام تاریخی مشکلات سے بری نہیں سمجھی جا سکتی۔

زمانۂ گذشتہ میں اور کسی قوم نے فن تاریخ نویسی میں زیادہ ترقی کی ہو یا نہ کی ہو لیکن مسلمان اس میں کسی سے پیچھے نہیں تھے ان کا مذہب اس قوم سے شروع ہوا تھا جسے اپنے جانوروں تک سے محبت تھی اور ان کا شجرہ رکھتی تھی علم الانساب کے ماہر اس کی نظروں میں خاص وقعت رکھتے تھے مغرور۔ بہادر قوم کے لئے شرافت نسب اُس کا مایۂ ناز تھی اور سوسائٹی میں اس کے درجہ منزلت کا ایک ذریعہ شعراء اس کی تعریف یا مذمت میں اپنی طلاقت لسانی کی داد پاتے تھے اور وہ خود میدان جنگ میں اپنے حریف کے مقابلے میں اپنی خاندانی شرافت شجاعت اور خاصۂ طبیعت کا رجز پڑھتا تھا اپنے حریف کی کسی خاندانی کمزوری پر طنز کرتا تھا اور اس کا جواب پاتا تھا بہادر یا تو اپنے کم درجہ نسب حریف کے مقابلہ کو حقارت سے رد کرتا تھا یا کسی نجیب مقابل سے قسمت آزمائی اور زخمی ہونے پر فخر کرتا تھا خود اس کے اور اس کے مقابل کی رجز خوانی اس کی سوانح عمری کا ایک جزو ہو جاتی تھی۔

ایسی قوم ناممکن تھا کہ اپنی تاریخ پر توجہ نہ کرتی وہ اگر اپنی پیشرو اقوام سے اس فن میں بڑھ نہیں گئی تو گھٹی بھی نہیں اس نے اپنی مرتب یا غیر مرتب تاریخ چھوڑی جو اس وقت کی نگاہ سے دیکھنے میں بھی بہت کچھ بکار آمد ہے۔ اگرچہ اکثر اوقات یہ معلوم کر لینا نہایت دشوار ہوتا ہے کہ فلاں مضمون کے متعلق ہمیں کس کتاب سے مدد ملے گی۔

اگر زمانۂ گذشتہ کی تاریخ بعض حیثیتوں سے موجودہ زمانے کے مؤلف یا مؤرخ کو تسکین دینے میں کمی کرتی ہے تو یہ بھی کہا

جاسکتا ہے کہ گذشتہ زمانے کی بھولی سادگی واقعات کو اس سے زیادہ صاف رنگ میں دکھاتی تھی جس قدر موجودہ زمانے کی روش واقعات کو اس طرح رنگ دیتی ہے کہ حقیقت امر کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے گذشتہ زمانے میں اگر مورخین اپنی کامیابی کو مبالغہ کی حد تک دکھاتے تھے تو اس زمانہ میں اپنی کمزوریاں پردوں میں چھپائی جاتی ہیں کمزوریوں کے نام بدلے جاتے ہیں اور وہ عین خوبی بنادی جاتی ہے جہاں تعریف ہوتی ہے وہاں سوئی کے ناکہ پر اہرام مصری سے زیادہ مضبوط عمارت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور منطقی مغالطوں کے مورچے باندھے جاتے ہیں خلاف واقع امورات ان لفظوں کے خوشنما ڈھیر میں چھپا دیئے جاتے ہیں جو غلط خیالی پیدا کرنے کے مؤید اور اصلیت نہ سمجھانے کے لئے تراشے گئے تھے۔

مسلمانوں کے بانی قوم کی رحلت کے بعد ہی اگر ان میں اختلاف نہ پیدا ہوا ہوتا توان کی اور بدنصیبیوں کے علاوہ ان کی تاریخ اس الزام سے بری ہوتی کہ تعصب اور مصالح ملکی نے واقعات یا تو دبا ئے ہیں یا ان کی شان کو مسخ کردیا ہے اور اس کے تو واضح آثار ہیں کہ کسی فریق نے اپنی مصلحت کے مضبوط اور آلودۂ تقدس کرنے کے لئے موافق احادیث کا طومار گڑھ لیا یا حدیث رسول ص کے روکنے سے یہ قوی شبہ پیدا کیا کہ شاید بیان کرنا اس کے اور اس کی مصلحت کے خلاف اثر پیدا کردیتا۔ حکومت کی یہ روش کم امید دلا سکتی ہے کہ اس کے دست نگر گروہ نے کسی ایسے شخص کے ساتھ انصاف کیا ہوگا جسے اس روش سے موافقت نہ ہوگی ایسے شخص کے متعلق یہ امید کرنا کہ اس کے حالات وضاحت کے ساتھ ملنا ممکن ہیں اور اس کے ساتھ وہ توجہ اور دلچسپی ظاہر کی گئی ہوگی جو حکومت کی موافقت یا ناموافقت نہ ہونے کے بغض کی حالت میں ہوتی بے چارا امید ہے اور یہ تو افکار محال میں داخل ہونے کے قابل ہوگا کہ اس کے حقوق کی نگرانی یا تائید میں کسی نے کچھ کہنے کی جسارت کی ہوگی۔

دشواریوں میں اضافے کی اور صورتیں یہ پیدا تھیں کہ مسلمان اپنے حاکم کو صرف دنیوی حاکم نہ سمجھتے تھے کیونکہ حاکم اپنے کو خلیفہ رسول ص کہلوانا مفید سمجھتا تھا اور اسی طرح اس کی ذات خواہ مخواہ تقدس کا مرکز بن جاتی تھی۔ عام اس سے کہ وہ خلیفہ رسول ہونے کے معیار پر پورا اترتا ہو یا نہ ہو۔ کوئی خود ساختہ بڑے خطاب کے لئے اپنے کو موزوں کر لیتا تھا۔ عام اس سے کہ امت کی عام صدا نے یہ خطاب حوالے کیا ہو یا نہ ہو۔ اب معتقدین کی نکتہ چینی تو درکنار کسی نکتہ چین کی قسمت کا تصفیہ بھی ان کی نگاہوں میں بہت دشوار امر نہ تھا۔ کسے جرأت ہوگی کہ وہ ایسے حاکم یا اس جماعت کے خلاف جس نے اپنی رفتار کے موافق مصلحت گڑھی ہو ناموافقت میں کچھ کہہ سکے اس کے بعد تھوڑا وقت چاہیئے تھا کہ وہ زمانے کی عزت کی ہوئی بات سنت خلیفہ سمجھی جانے لگے اعتقاد کا ایک عنصر ہو جائے اور معتقدین کی ایک بڑی جماعت مخالف کے خلاف ہم آہنگی سے فتوی دینے کے لئے تیار رہے۔ عرب کی جان اور تلوار اس کے گھر رہن رہتی تھی جو اس کے لئے سامان فراہم کر سکے وہ وفادار خادم کی طرح جان دے گا اور جان لے گا بغیر اس بات کی فکر کئے ہوئے کہ ہمارا یہ فعل جائز ہے یا ناجائز وہ منطقی نہ تھا سپاہی تھا امیر کا حکم اس کے ہر تقلیدی فعل کے جائز سمجھنے کا ذریعہ تھا اس کی ذمہ داری

یہی تھی کہ اسے بجالائے۔ مدبرینِ اسلام میں سے کوئی انہیں بھیڑ کہتا ہے کوئی چھدے ہوئے ناک والے اونٹ کی قطار سے مثال دیتا ہے کوئی جملی اور فرقے میں تمیز نہ ہونے پر اس کی جہالت سے خوش ہوتا ہے اور کوئی یہ سن کر کہ ابھی وہ کسی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں اپنے موافق پھیر دینے کی امید پر اطمینان سے سانس لیتا ہے۔ مدبرین کے لئے ایسے لوگ بڑے کام کی چیز ہیں اور کہیں کسی پرانی عداوت نے جوش مارا تو اسے تردد نہ ہوگا کہ ایک اونٹ یا گھوڑے کے لئے اپنا قبیلے کا قبیلہ کٹوا دے اس کا جوش انتقام اس وقت تک فرو نہ ہوگا جب تک خود یا مخالف دونوں میں سے ایک نیست و نابود نہ ہو جائے۔ عرب اگرچہ سیماب خصال ہے مگر اس کا جوش انتقام فوری نہیں ہوتا زمانے کا گزر جانا اس کے بھلا دینے کے لئے کافی نہیں ہے۔

مزید دقت یہ تھی کہ واقعات اس سرزمین تک محدود رہتے تھے اور دوسرے دیکھنے والے نہ ہوتے تھے بُعدِ مسافت اس وقت سے کہیں زیادہ تھا اگرچہ پیمائش میں فاصلہ کم ہی کیوں نہ ہو اس زمانے کے ایسے آسان وسائل قطع منازل کے لئے نہ تھے اور ان کی معدومیت ان فوائد سے محروم رکھتی تھی جو اس زمانے کو حاصل ہیں خبریں ایک جگہ سے دوسری جگہ نہایت آسان قدم سے سفر کرتی تھیں اور دور تک پہنچتے پہنچتے نہیں معلوم ان کی کیا صورت بن جاتی تھی۔

باوجود ان دقتوں کے قدیم مؤرخین نے اکثر قابلِ مدح سادگی سے کام لیا ہے اور ایسی باتیں بھی لکھ دی ہیں جو ان کی بعض روش کے خلاف اور بالبداہت ان کے اکثر خیال کی شدت کے ساتھ تردید کرتی ہیں زیادہ سے زیادہ انہوں نے الفاظ نرم کر دیے تاویل سے تسکین کر لی یا قبول نہ کرنے کے لئے خاص اصطلاحات کا ذخیرہ مہیا کر لیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ ان کی کمزوری حسن تھی انصاف پسندی تھی یا سچائی کی قوت جس نے آج تسکین کی حد تک ان کے خیالات اور لکھے ہوئے واقعات ہم تک پہنچا دیے ورنہ ہمارے پاس اس کے سمجھنے کے لئے بجز یاس کے کچھ نہ ہوتا زمانہ حال نے اس کا احساس کیا۔ یورپ کے طرزِ تحریر نے انہیں سبق دیا وہ قدیم تاریخوں کو تو نہ چھپا سکے لیکن کمزوریاں چھپانے کے لئے نہایت وسیع معنوں میں واقعات اور ان کے مفہوم میں تحریف شروع کر دی اختلاف نے زمانہ کے ساتھ ایک اور مشکل پیدا کی اور ذمہ داروں نے اس مصلحت کو گڑھنا ضروری سمجھا کہ اپنے مقلدین کو تحقیق اور تاریخی اجتہاد سے روکیں منع کریں کہ ہماری عقلیں ان باتوں کے سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ مختصر لفظوں میں مطالعہ اور معلومات حاصل کرنے کے آزادانہ شوق کا اعتقادی دھمکیوں سے گلا گھونٹا گیا ہے۔ یہ کمزوری ہے اس روش کے سمجھنے کے لئے عام مسلمانوں کو اپنے ہدایت نامہ کے اس بے تعصبانہ فقرے سے کہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" جو کسی قوم کے لئے مایہ ناز ہو سکتا ہے مدد لینا مفید ہوگا اگر اس کا مفہوم زبان سے کہہ دینے کے علاوہ عمل سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ شرعِ محمدیؐ نے امکانی تحقیق مسدود نہیں کر دی ہے بلکہ علم اور شوقِ علم کے متعلق جو ہمت افزائیاں کی ہیں وہ کوتاہ بینی کے قطعاً مخالف اور اعلیٰ مدارجِ عقل پر پہنچانے کا بہترین ذریعہ ہیں کوئی اس پر مکلف نہیں ہے کہ آنکھ بند کر کے اعتقاد کر لیا کرے اور عقل بہشت کے سبزہ زاروں میں چرنے کے لئے چھوڑ دی جائے

یا فکر کے دروازے پر اعتقاد کا دربان پیشتر سے بٹھا دیا جائے اور ہر وہ جائز بلند پروازی پر بھی قدغن لگاتا رہے کہ خبردار وہاں نہ جانا ادھر ڈگمگا جانے کا خوف ہے یہ مضر ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خیال کو متزلزل حالت میں رکھنے کی کوشش ہے۔ کیا حال ہوگا اُس عمارت کا جس کی بنیاد اچھی نہیں ہے۔

حقیقتاً شرع کو اس خیال سے کوئی ربط نہیں ہے نہ یہ بانی شرع کی ناقابل مقابلہ نورانی عقل کے ساتھ انصاف ہے۔ اختیار دیا گیا ہے کہ اعتقادی اصول میں ذاتی اجتہاد سے بھی کام لیا جائے اور سچائیوں پر غور کریں یہ دیکھیں کہ کونسی بات ماننے کے قابل یا وہ کونسا مسلک ہے جس پر ہم بے خوف چل سکتے ہیں کہ ہمیں آئندہ ٹھوکر کا خوف نہ ہو صرف سوچ لینا کہ ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے، اطمینان کے لئے کافی نہیں بلکہ سچے اطمینان کے لئے ان مقامات کو دیکھنا ہوگا جہاں خوف اور دشمن کا غالب قسترس ہے۔

پھر ایسے واقعات کے دیکھنے سے جو کتب تاریخ اور نوشتۂ قدیمہ میں ملتے ہیں رو کے جانے سے کیا غرض ہو سکتی ہے اس کے لئے جائز اور فطری شبہ ہو سکتا ہے کہ کچھ قلعے ایسے بنائے گئے ہیں جن کا قیام تحقیق نہ کرنے پر منحصر ہے وہ سلسلہ جس پر زمانہ کے گزر جانے سے ایک پرانا پردہ پڑا ہوا ہے شکست ہو جائے گا اور کچھ بچے بچائے رد کنے والے جنہیں قومی انقلاب خیال کا خوف ہے اپنے اس اثر سے علیحدہ کر دیے جائیں گے جس کی تہ ایک زمانہ سے جماتے رہے ہیں۔

لیکن یہ نہایت ہی خودغرضانہ تدبیر ہوگی کہ انقلاب خیال کے خوف سے واقعات اور تحقیق کی طرف سے چشم پوشی کی جائے یا محض امتداد زمانہ کی عزت کر کے ان دو بڑے لفظوں کی قدردانی سے جنہیں "حق اور باطل" کہتے ہیں اپنے وجود کو معطل کر دیں اور ان میں سے لائق حصول کی فکر اور جرأت نہ کریں جس طرح غلطی کا اصرار اور اس کے مخفی رکھنے کی کوشش مستحسن نہیں ہے اسی طرح اس کے مقابل خوبیوں کے حاصل کرنے کی طرف سے لاپروائی اخلاقی کمزوری ہے اور علیٰ ہذا القیاس ایک چور دل کو اور برائیوں کے لئے آمادہ کرنا اور جری کر دینا ہے۔ ہونا چاہیئے کہ خاندانی موروثی اور نفع بخش دین فروشی سے الگ ہو کر ہم بہ حیثیت ایک قاضی کے دو لڑنے والوں کی کہانی سنیں جن کی طرف پہلے سے کوئی سوء مزاجی، مروت یا سفارش نہیں ہے بلکہ صرف یہ دھن ہے کہ انصافاً فیصلہ کیا جائے جس کے امتیاز کے لئے انسان بمقابلہ عام حیوانوں کے کافی قوتوں سے مسلح کیا گیا ہے۔

کوئی کام جس پر اچھے یا بُرے کا اطلاق ہوتا ہے وہ کیسی ہی پوشیدگی سے کیوں نہ کیا جائے اسے عالم اسباب کی وہ لامعلوم مخفی اور خاموش حرکتیں جنہیں انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی لیکن جن سے مس ہونے کے لئے انسانی ذرائع مفقود نہیں ہیں ظاہر کر دیتی ہیں اور زمانہ اس کے تاریخ اور اصلیت کو اس سے زیادہ قوت کے ساتھ سمجھ لیتا ہے جس کا ظاہر کرنا کبھی سب سے کم مقصود تھا جو زمانۂ وقوع میں مجتمع قوت اور اسباب سے ظاہر نہ ہو سکا۔ زمانے کی چال بدلتی رہتی ہے جو آلائشیں کبھی واقعات کے چہرہ کا غازہ بن گئی تھیں اور اصلی ہیئت نہیں معلوم ہوتی تھی زمانہ اسے دور کر دیتا ہے وارنش اڑ جاتی ہے اور وہ اصلی صورت میں سامنے کھڑی ہو جاتی

ہے۔ ممکن ہے کہ متفقہ کوشش اور ملکی اثر ویگ کے الوں کا بیجا مصرف اتفاقات اور رفتار زمانہ کو اپنے موافق کر لے ——— لیکن اتفاقات کی رفتار بے مہار اونٹ کی رفتار ہے، اس میں کوئی ارادہ نہیں نہ وہ کسی سلسلے کا پابند ہے اور اگر ہے تو سلسلہ شناس آنکھ کا ہونا شاذ ہے وہ شکستہ اتفاقات جن کا مجموعہ کبھی موافق دکھایا گیا تھا ایک ارادے کا پابند نہیں رہتا اس کی ہیئت یکساں یا ہمیشہ ایک یا مجموعی قوت خیال اور مصلحت کی محکوم نہیں رہتی۔ اس میں تغیر واقع ہوتا رہتا ہے۔ ایسا وسیع تغیر جو انسانی گرفت سے بالاتر ہو جاتا ہے موافق اسباب پیدا کرنے کی کوشش میں غلطی سے انحطاط یا زوال شروع ہوتا ہے اور زمانہ دوسرے پہلو بھی پیش کرتا ہے اور مقابلہ کرنے والے کو اصلیت اپنا چہرۂ زیبا دکھا دیتی ہے۔

بدنصیبی سے تحقیق کی راہ میں خارج کوششوں نے اپنا اثر دکھلایا اور ایسے بہت سے ملتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کرتے آئے ہیں اگر وہ بُرا بھی ہے تو اچھا ہے بغیر اس بات کو سمجھے ہوئے کہ وہ کیا کرتے آئے ہیں۔ منصفانہ اور اصلی باتوں سے آزردہ ہوتے ہیں اور اس طرح منہ بناتے ہیں کہ گویا وہ گڑھی ہوئی باتیں سن رہے ہیں۔ جنہیں خود ان کے علمی ذخائر سے اُنس یا تعلق نہیں ہے وہ اپنے محدود وسعتی کے علاوہ اور سب کو مضمون آفرینی یا مطاعن سمجھتے ہیں اور مطلق اس پر توجہ نہیں کرتے کہ انصاف پسند اور سمجھ دار کے لئے اس سے دل پسند موقع دوسرا نہیں ہو سکتا۔ جب کہ اسے اپنی غلطی معلوم ہو اور اسے قبول کر کے اپنی اصلاح کرے وہ ایسے ممنوع کر دیے گئے ہیں کہ ان میں دریافت کرنے کا جذبہ ہی نہیں ہوتا۔

ابھی ان کی طرف نظر کرنی باقی ہے جو موافق ہیں۔ انہوں نے کچھ زمانہ تک تو اپنے کو موافق کہنے اور منہ سے بات نکالنے میں جان سے ہاتھ دھونے کی یقینی وجہ پائی اور کبھی کسی کو واقعات کے غیر مرتب ڈھیر کر دینے تک کی مہلت ملی اور اکثر نے وہ روش اختیار کی جس سے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ غلو نے تاریخی حیثیت مفقود نہیں کر دی ہے۔ مجھے ذاتی طور سے یہ کہنے میں تردد ہے کہ حقیقتاً ان کے پاس کوئی تاریخ بھی ہے اگرچہ نیم تاریخی حیثیت کی کتابیں سختیوں میں کمی کے بعد پیدا ہونی شروع ہوئیں۔ مناسب ہوتا کہ صرف اکسیر التواریخ بحار اور ناسخ التواریخ وغیرہ کو کافی سمجھ کر تسکین نہ کر لی جائے اور اردو زبان کو اپنی آئندہ زبان سمجھ کر ایک ایسی تاریخ کی تدوین کے لئے کوشش کی جائے جس کا مواد پاشان اوراق میں ملے۔

جو کچھ میں سوچ رہا تھا اس سے اس بزرگ کے حالات کو بہت کچھ تعلق ہے جس کی سوانح عمری لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ اس کتاب میں حضرت علی علیہ السلام میرے ہیرو ہیں اور مجھے ان کی ولادت سے شہادت تک کا حال لکھنا ہے۔ کہنا ہے کہ ان کی خصوصیات قومی کیا تھیں کہاں تک ان میں خاندانی اثر تھا۔ وہ اثر کیا تھا۔ دکھانا ہے کہ پیدائش سے رحلت تک وہ کن قوائے[1] مفیدہ اور مضرہ کے اثر میں رہے کیا اثر ہوا۔ اُن کی ابتدا کیسی ہوئی؟ کیوں کر پلے؟ کس نے پالا؟ کن اتفاقات میں پرورش ہوئی؟ کیونکر اور کس حیثیت کی تربیت ہوئی تربیت حاصل کرنے میں خود علیؑ نے کیا کوشش کی؟ ابتداً علیؑ کی طبیعت نے اپنے کو کیسا دکھایا اور اس کے بعد بر برابر اس میں کس

[1] عوامل و محرکات مراد ہیں۔

طرح کا تغیر ہوتا رہا ۔ حضرت علی علیہ السلام کا رہنما کون تھا ؟ اس کی ذات کا علیؑ پر کیا اثر ہوا ؟ علیؑ اپنی تمام عمر میں کن اتفاقات میں بسر کرتے رہے اور ہر موقع پر انہوں نے اپنے کو کیسا دکھایا ؟ آیا ان کے ظاہر اور باطن پر کبھی کوئی شبہ وارد کیا گیا ۔ آیا علیؑ پر ان کی عمر میں یا بعد کچھ اعتراض ہوئے وہ اعتراض کس قسم کے تھے ؟ علیؑ نے اپنے کونسے قوائے نفس کو ظاہر کیا ۔ آیا اس کا زمانے پر کوئی اثر ہوا ؟

میں اس کی سوانح عمری لکھنے والا ہوں جس کی ذات اور اسلام کے قریب ترین تعلق سے اگر کوئی انتہائی تعصب سے انکار بھی کرے یا تجاہل کی ضرورت سمجھے تو خود اس کے معتقدین کی پوری صف اس کی تردید کے لئے کھڑی کی جاسکتی ہے ۔ کل فرقۂ اسلامی اس کی خوبیوں کے مقر ہیں اگر سب دل سے ماننے والے نہیں بھی ہوں تو بہت سے زبانی اقرار سے مفر نہیں دیکھتے گو ان کی حیثیت ان مسلمانوں کی سی کیوں نہ ہو جو نماز روزہ کو واجب تو سمجھتے ہیں لیکن عملاً انہیں کوئی بحث نہیں وہ جو ان کی خوبیوں کے اقرار کے ساتھ ان کے مخالفین حقوق کی موافقت کرتے ہیں ان کی مثال شاید نمازی شراب خوار کی سی ہو جو باوجود نماز پڑھنے کے شراب کے عادی ہو گئے ہیں ۔ فوری حرکت ، عادت اور سرور اس کی مضرتوں کی طرف سے لاپرواہ کر دیتا ہے ۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ جس بزرگ کے حالات میں لکھنے والا ہوں اس کی نسبت ان باتوں کی افراط ہے جسے موجودہ زمانہ کی تعلیم اور آب ہوا آسانی سے قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں اور ہر ایسی بات پر اعتراض کے لئے مستعد ہے ۔ جس کے قرین قیاس ہونے میں ان کو شبہ ہے نظر بر ایں ہم نے قصد کیا ہے کہ اپنی تحریر کو ان واقعات تک محدود رکھیں جو انسان سے ظہور پذیر ہو سکتے ہیں اور جس کے سمجھنے میں ماننے یا نہ ماننے والے کو اعتراض کی گنجائش نہ ہو ۔ مافوق الفطرت یا ایسے امورات کا ذکر نہ کرنا جن سے ہمیں تالیف حسی نہیں اس لئے ہوگا کہ لوگ واقعات پر زیادہ قوت کے ساتھ توجہ کریں نیز اس لئے کہ ان کے ترک سے بھی ہم کوئی کمی محسوس نہیں کرتے اور کافی اطمینان سے سوچتے ہیں کہ وہ خاصہ طبیعت جو دکھایا جانے والا ہے ۔ بغیر آسمانی سفارش کے بھی اعلیٰ درجے کی مثالی حیثیت رکھتا ہے ۔ ہم کل ایسے تذکروں سے الگ رہیں گے جنہیں صرف اعتقاد سے ربط ہے ۔ جب تک رالف والڈو ٹرائن کا یہ خیال پورا نہ ہو جو انہوں نے "ان ٹیون وتھ انفنٹ" (لامحدود سے ہم آہنگی) میں ظاہر کیا ہے کہ "ہم لوگ دیکھیں گے جیسا بسرعت دیکھنا شروع کیا ہے کہ وہ بڑی باتیں جو مذہب کے متعلق کہی گئی ہیں یا اس کے سلسلے میں جو وعدے کئے گئے ہیں وہ بے معنی خیالات نہیں ہیں بلکہ سب علم طبعی کے واقعات ہیں اور ان کی بنیاد ناقابل بیان بڑے قوانین پر ہے "، مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ معجزہ اپنے عام معنی میں اور کرامات کا اثر کسی خاص شخص یا اشخاص پر کسی خاص وقت اور خاص مقام تک محدود ہوگا لیکن معجزہ نفس ہر قوم اور ہر زمانہ کے لئے یکساں مفید ہے بلکہ شاید کہیں زیادہ ۔

اے کاش مسلمانوں میں وہ اختلاف نہ ہوا ہوتا جس سے اور جس کے نتیجہ سے ہمارے ہیرو کو بہت تعلق ہے ان کا ترک کرنا نہ صرف حضرت علیؑ کی سوانح عمری کو نامکمل چھوڑنا ہے بلکہ ان کی طبیعت کے مختلف پہلو ۔ ان کی اس مشکل وقت کی معاملت اور ان کے اس برتاؤ کے بڑے اثر کو بھول جانا ہے لیکن کیسے ہی متین ۔ مہذب الفاظ میں کیوں نہ ہوں ۔ ان واقعات کا تذکرہ کرنا بعض لوگوں کو خوشگوار نہیں معلوم ہوتا ۔

قریب قریب اس مشکل مسئلہ نے متضاد شکل اختیار کرلی ہے کہ ایک فریق جس کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہے دوسرا اپنی طرح دوسرے کو بھی خاموش کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ واقعات اس طرح ملے ہوئے ہیں جن میں انفکاک ممکن نہیں۔ یہ حالتیں ایک اور مشکل سوال پیدا کرتی ہیں کہ آیا کسی کی اعتقادی ضد کسی دوسرے کی اعتقادی آزادی سلب اور تاریخی مضامین کے ذکر سے روک سکتی ہیں؟ اس حاکمانہ حیثیت کے فیصلہ کا مجھے کوئی حق نہیں ہے لیکن اسلامی حیثیت سے اخوت یاد دلانے اور سچی بات پر ناخوش نہ ہونے کے لئے کہنا میرا فرض ہے۔ تحقیقات علمی اور اختلاف انگیزی یہ دو مختلف صورتیں ہیں۔ ہر فریق کو دوسرے کے ناخوش نہ کرنے کی حتی الوسع احتیاط لازم ہے۔ ہم ان لوگوں کی رائے سے موافقت کی وجہ نہیں پاتے جو اختلاف خیال کے ذکر کو مخالفت کا پیدا کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں بلکہ ہم سوچتے ہیں کہ حقیقت امر سمجھنے اور سمجھانے کی مہذب کوشش سے مخالفتوں کے کم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ انصاف اور بے تعصبی سمجھنے اور سمجھانے والے دونوں کے لئے ضروری ہے۔

یہ باتیں کم سے کم حضرت علیؑ کے سوانح نویس کی دشواریوں کو جو گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل میں متردد ہے۔ بڑی حد تک سمجھا دیتی ہیں۔ انہیں وجوہات سے مضمون کی نوعیت کا خیال کر کے جس پر صدیوں معرکہ آرائی ہوئی حتی الوسع الفاظ کو لگام دی گئی ہے اور کسی ایلے ہوئے مؤلف اور اس کی گرماگرمی کی مطلق شاگردی نہیں کی گئی ہے۔ جس حد تک معرکہ آرائی میں مداخلت کی ضرورت ہوئی وہ ایسی ہے جس سے حضرت علیؑ کے سوانح نویس کو مفر نہیں۔ ایسی حالتیں ملیں گی جہاں خود غرضانہ ہوشمندی سے یہ دوہری چالیں چلی گئی ہیں کہ اپنے الزام کا رخ حضرت علیؑ کی طرف پھیر دیا جائے۔ ایسی غلط فہمیاں رفع نہ کرنا حضرت علیؑ کے ساتھ بے انصافی ہے اور الزامات کی حقیقت لکھنا بہت کچھ الزام دینے والوں کی حالتوں کو پوست کندہ کرنا ہے۔ وقائع نگاری کا یہ موقع اگرچہ عام مفہوم میں دل پسند نہ ہو لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس کی مشکلات اس عام نگاہ سے بھی معافی کے پروانے کو دریغ کریں۔ بہرحال ہمارے ہیرو کے متعلق چار مختلف قسم کے خیالات ہیں۔

اوّل وہ جو انہیں مجمع صفات سمجھ کر اس قدر غلو کرتے ہیں کہ ان میں صفات الوہیت شامل کرنے لگے ہیں جنہیں نصیری کہتے ہیں

دوم:- جو بعد واقعہ صفین ان کے ایمان میں مشتبہ ہوگئے۔ جنہیں مسلمان اصطلاح میں خارجی کہتے ہیں۔

سوم:- وہ جو انہیں کبھی افضل الناس بعد رسول اور کبھی خلافت ظاہری کے سلسلے کے موافق چوتھے درجہ کا خلیفہ سمجھتے ہیں اور آپس کے اختلاف کی تاویل حساب دوستاں در دل کرتے ہیں اور جن کا ذریعہ حصول اسلام یہی سلسلہ ہے جنہیں اہل سنت کہتے ہیں۔

چہارم:- وہ جو انہیں افضل الناس بعد رسول اور دینی اور دنیوی حیثیت سے رسولؐ کے حکم سے رسولِ خدا کا جائز جانشین سمجھتے ہیں اور جو اہل سنت کے خلفاء کو باستثنائے علیؑ جائز جانشین رسول دینی اور دنیوی حیثیت سے نہیں سمجھتے اور جن کا ذریعہ حصول اسلام علیؑ اور ان کے صلبی آئمہ سے ہے جنہیں شیعہ کہتے ہیں۔

اول الذکر گروہ گویا مفقود ہے۔ ثانی الذکر گروہ بھی باستثنائے عمان زنجبار جہاں ان کے وجود کی افواہ ہے۔ مفقود ہوگیا

اگرچہ ہندوستان میں آپس کے اختلاف کی زیادتی سے بعض کا اس طرف میلان ہے تیسرا گروہ وہ ہے جو حاکم گروہ تھا اور تمام دنیا میں بڑی تعداد میں موجود ہے۔ چوتھے گروہ کو اگرچہ فطری حیثیت سے کم اور کمزور ہونا چاہیئے مگر پھر بھی وہ دنیائے اسلام کے ہر گوشہ میں موجود ہے اور تمام ایران اسی کا ہم خیال ہے۔

ان پیچ در پیچ حالتوں میں جب کہ ایک طرف تاریک تعصب کا خوف اور دوسری طرف بے لگام غلو کا اندیشہ ہے۔ مؤلف نے اس مشکل مسئلہ کا حل اس سے اچھا کسی طرح نہیں پایا کہ تاریخی مواد تیسرے قسم کے خیالات میں تلاش کرے یا امر مذکورہ موافق اور مخالف دونوں کے ذخیرہ میں تلاش کیا جاسکتا ہو یا کم سے کم مخالف کے دفتر میں ضرور ہو اگر ہماری دانست میں کوئی مؤرخ کل حالات کی نسبت بے لگاؤ نہ معلوم ہوا تو ہم انہیں واقعات کا تذکرہ مناسب سمجھیں گے جن کی ذاتی لگاؤ سے بے تعلقی ظاہر ہوگی اور عقل اس کے قرین قیاس ہونے پر دلالت کرتی ہوگی۔ ہم نے مزید توضیح کے لئے اس کا بھی اہتمام کیا ہے کہ مسیحی مصنفین کے نوشتوں میں جہاں متعلق مضمون ہو درج کریں۔ اگرچہ ان کا ماخذ تاریخی قطعاً تیسری قسم کے خیالات اور واقعات میں ظفوف ہے مگر پھر بھی وہ اپنے آزادانہ اخذ نتائج میں کہیں کہیں ان سے الگ ہیں۔ جس سے دلچسپی میں اضافہ ہوگیا ہے۔

ہم پہلے واقعات لکھ دیں گے اس کے بعد اس کے پس و پیش پر نظر ڈالیں گے کہ اگر ہم سیدھی راہ سے ہٹ بھی گئے ہوں تو ناظر کو ہماری غلطی سمجھنے میں آسانی ہو۔ ہم نے ان کل کتابوں کی ذیل[1] میں فہرست دی ہے جن سے واقعات اخذ کئے گئے ہیں۔ جہاں ہم لفظ بلفظ حوالہ نہ دے سکیں وہاں استنباط خیال کر لیا جائے اگر شبہ ہو تو اصل کتاب دیکھ لی جائے جس جگہ کسی خاص فقرہ یا کسی خاص ذکر میں میں نے کئی کتابوں کا حوالہ دیا ہو اس کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ وہ کل فقرہ کل کتابوں میں بعینہٖ درج ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کل فقرہ کے مضامین ان کل کتابوں سے منتخب کئے گئے ہیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔

خوش نصیبی سے علیؑ کی سوانح عمری کی تکمیل میں مدد نیز اس وقت کے اکثر مفید مسائل کے سمجھنے کے لئے سید رضی علیہ الرحمہ کی مشکور کوششوں کی بدولت مجموعہ کلام جناب امیر دنیا میں موجود ہے جس کی شرح سے فاضل معتزلی نے کم احسان نہیں کیا ہے اور یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جو لوگ اس کے کلام جناب امیر ہونے میں شکوک[2] و اوہام پیدا کرتے ہیں وہ خود اپنے لئے ایسے اشکال عظیم پیدا کرتے ہیں جس کا کسی طرح دفعیہ نہیں کر سکتے۔" حکیم مولوی سید علی اظہر صاحب قبلہ نے مقدمہ نہج البلاغہ میں ان علماء کے اقوال لکھے ہیں اور ناموں کی فہرست دی ہے جو مجموعہ نہج البلاغہ کو کلام امیر سمجھتے ہیں۔ اس دلچسپ ترتیب سے تلاش کرنے والے کی محنت میں کمی کی ہے۔ خود جناب ممدوح نے ترجمہ[3] کا اعلان فرمایا ہے اور دہلی کے ایک ضرورت شناس خوش فکر نے ترجمہ پیش بھی کیا ہے۔ جس سے مجھے آسانی ہوئی۔

---

[1] ماخذ کی فہرست آخر میں ملاحظہ ہو۔ [2] نہج البلاغہ کے متعدد اردو تراجم پاکستان میں شائع ہو چکے ہیں جن میں موجودہ عہد میں ماخذ نہج البلاغہ پر اس قدر طویل اور وقیع کام ہو چکے ہیں جس کی مثال نہیں ملاحظہ ہو۔ استناد نہج البلاغہ امتیاز علی عرشی۔ مصادر نہج البلاغہ عبد الزہرا (۳) نہج البلاغہ کا استناد مرتضیٰ حسین اور سب سے عمدہ اسلوب و انداز میں علامہ علی نقی صاحب قبلہ کا مقدمہ ترجمہ نہج البلاغہ، مولانا مفتی جعفر حسین صاحب۔

[3] مولانا علی اظہر صاحب مرحوم کا ترجمہ اور مقدمہ "الکلام" کھجوہ میں چھپ رہا تھا۔ نیز ذاکر حسین صاحب کے ترجمہ نیرنگ فصاحت کی طرف اشارہ ہے۔

مؤلف کی مؤدبانہ خواہش یہ ہے کہ اس کا بیرو نہ اس حیثیت سے کم دیکھا جائے جیسا وہ ہے اور نہ اس سے زیادہ دیکھا جائے جو شان تاریخ میں نظر آتی ہے۔ شاید اس درمیانی تاریخی بنیاد واضح کرنے میں کم اور زیادہ دونوں طرح کے سمجھنے والوں کی طرف سے مجھے پسندیدگی کا اطمینان نہ کرلینا چاہیئے۔ نہ سہی لیکن اگر میں اس معیار سے آگے بڑھوں تو میں خود نہ سمجھوں گا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ایسا مؤلف بننے سے جس سے واقعات پیچ در پیچ ہوتے جائیں۔ میں اس سے کہیں زیادہ پسند کروں گا کہ روشنائی اور کاغذ کی بازار اس قدر گر جائے۔ جس قدر ایسی کتاب لکھنے پر صرف ہوسکتی ہے۔ میری یہ بھی دعا ہے کہ اس کتاب میں اس قدر ضروری الفاظ ہوں جس قدر ضروری مضامین ہوں۔

حضرت علیؑ کے حالات کی ترتیب دینے اور تالیف سے آسانی پیدا کرنے کی کوشش سے میری غرض یہی نہیں ہے کہ مسلمان اسے دیکھیں بلکہ اگر مسلمان ہمارے طرز تحریر کو مناسب سمجھیں اور ذکر کئے جانے والے واقعات کے شایان شان خیال کریں تو اسے دنیا کے ہر انصاف پسند اور اچھی شان نفس کے پسند کرنے والے کے سامنے پیش کریں اور کہیں کہ دیکھو اسلام میں بھی ایسا شخص گزرا ہے جو انسانیت کا بہترین نمونہ ہے اگر اس کے حالات نصیحت بخش اور انسانی طبائع کو مدارج ارتقا پر لے جانے والے ہیں تو ان سے اثر نہ لینا اور اپنے جزو عادت بنانے کی کوشش نہ کرنا اپنے مزرع آخرت کو بڑے نفع سے محروم رکھنا اور یہ کہنا ہے کہ ہم غیر قوم یا دوسرے فرقے کے کسی شخص سے جس کے اصول سے ہم کو مغائرت ہے کوئی تعارف نہیں کرسکتے وہ کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو ایسا کہنا عام نیکیوں سے لاپرواہی بھی جانے گی اور شاید یہ متعصبانہ خیال سمجھے جائیں۔

میں حضرت علیؑ کی سوانح عمری لکھنے کی مشکلات کا اندازہ کر رہا ہوں کہ یہ آسان نہیں ہے کہ شان نفس ہو یا تاریخ حضرت علیؑ کے متعلق ان نکات کو دکھا سکوں جس طرح دکھانا چاہیئے۔ میں ایک بڑے نفس۔ ایک مثالی انسان کے حالات دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اس کوشش کے لئے طبائع انسانی۔ اس کی عظیم قوتوں۔۔ ان قوتوں کے نمو اور نمود کا بڑا واقف کار چاہیئے جو اس طرح سمجھا سکے جس کے اثر کا غالب قرینہ ہے میں اس فخر اور پختگی کا دعویٰ کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ میں کوشش کی ابتدا سے خوش ہوں وہ وقت بھی آئے گا کہ اس بندۂ مافوق الانسان کی مکمل سوانح عمری دنیا کے فائدہ کے لئے کسی قابل ہاتھ اور دماغ کی بدولت تیار ہوجائے گی۔ وہ شخص اسلام اور عام انسانوں کی دلی پسند خدمت کرے گا جو اس حیرت خیز نفس انسانی کے مختلف پہلو واضح کر کے مثال کے لئے پیش کرے گا

میں اپنے کمی اسباب میں بھی تسکین پا رہا ہوں کہ میں ایک ایسے فعل کی جرأت کر رہا ہوں جو بذات خود عمدہ اور پاک ہے میری کمی قابلیت ساتھ دے یا نہ دے۔ میں قابل ہی ہوکر کیا کرتا اگر اپنی معلومات کے زعم میں منہ سے کوئی لفظ نکالنا فضول خرچی سمجھتا یا دل ہی دل میں طے کرلیتا کہ میرے سننے والے ابھی میری باتوں کے لئے تیار نہیں۔ کاش انہوں نے حکیم سنائی کے اس شعر پر توجہ کی ہوتی :-

چو علمت ہست خدمت کن چو بےعلماں کہ زشت آید ٭ گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا ٭

ہم اس کے متمنی نہیں ہیں کہ کوئی ہماری کتاب کی مبالغہ آمیز تقریظ لکھے۔ غیر ضروری الفت سے کام لے جس سے بجز اس کی زباندانی

کی داد دی جاسکے خیالات پر کوئی اثر نہ پڑے بلکہ بجائے اس کے ہم کہیں زیادہ پسند کریں گے کہ ایک گنوارا پنے بھدے - ادبیت سے دور ناتراشیدہ کند الفاظ میں حقیقت امر کو کسی طرح صاف صاف کہہ دے جس سے ہم اپنے حسن و قبح پر واقف ہو جائیں اور آئندہ اس مضمون پر قلم اٹھانے والے کے لئے ایک ہدایت نامہ موجود رہے۔ ہماری داد یہی ہے کہ کتاب خواہ مخواہ شروع سے آخر تک پڑھی جائے اور جا بجا سے چند سطریں پڑھ کر اچھال نہ دی جائے۔

ہماری خوشی اور رنج اس کتاب کے نتیجہ کے ساتھ ساتھ ہے اگر ہمیں ہماری محدود حیات میں معلوم ہوگیا تو اس فعل میں جسے "خیر" کے ارادہ سے کیا ہے۔ دُہری تسکین ہوگی۔ یعنی ایک تو خیال اچھا گو ہم نباہ نہ سکے ہوں۔ دوسرے نتیجہ اچھا۔ اگر خدانخواستہ ان چند اوراق میں جو پیش کئے جانے والے ہیں۔ ہماری غرض کے مخالف معنی پہنائے گئے تو ہمارے اصلی خیال کے ساتھ بیرحمی کی گئی۔ ہمارا خیال شاعر کی اس رباعی سے بہت کچھ ادا ہو جاتا ہے۔

شادم کہ زکس بر دل من باری نیست ٭ کس راز من و کار من آزاری نیست
گر نیک شمار ندم و گر بد گویند ٭ با نیک و بد ہیچ کسم کاری نیست

طالبِ حق :-

ریاض

چاہ مہمان شہر بنارس

فہرست اُن کتابوں کی جن سے واقعات اخذ کئے گئے ہیں

نمبر	نام کتاب	مذہب	کیفیت
۱	اعثم کوفی	حنفی	واقعات
۲	طبری فارسی	"	"
۳	روضۃ الصفا	"	واقعات و اقوال
۴	ابوالفدا	"	واقعات
۵	روضۃ الاحباب	"	"
۶	ترجمہ تاریخ ابن خلدون	"	"
۷	تاریخ الخلفاء	"	واقعات و اکثر احادیث دمترجمہ مسیح جیراجپوری
۸	روضۃ الشہداء قلمی	"	واقعات
۹	مظاہر حق ترجمہ مشکوۃ المصابیح	"	احادیث و روایات
۱۰	منہاج النبوت ترجمہ مدارج النبوۃ	"	" "
۱۱	قرۃ العیون شرح سوک المحزون	"	" "
۱۲	کتاب الامامۃ والسیاسۃ	"	واقعات سقیفہ بنی ساعدہ وغیرہ خلیفہ اول و ثانی کا مشن ابن عباس کے پاس بمصالحہ مغیرہ ابن شعبہ ۔ ان کتابوں نیز حاشیہ شفاء و شرح نہج البلاغہ و مناقب شہر ابن آشوب کے لئے ہم اپنے شہر کے علم دوست محقق فاضل مولوی السید علی سجاد صاحب قبلہ کے مخصوصیت اور خلوص کے ساتھ مشکور ہیں جناب ممدوح نے اکثر میری خاطر سے تکلیف گوارا ×

نمبر	نام کتاب	مذہب	کیفیت
۱۳	تفسیر کبیر	حنفی	واقعہ عقبہ
۱۴	صواعق محرقہ	"	فدک
۱۵	معارج النبوت	"	فدک و عقبہ و حدیث
۱۶	احیاء العلوم	"	عقبہ و حدیث نفاق
۱۷	المامون	"	خیالات متعلق اکثر واقعات ذہنی
۱۸	الفاروق	"	قصہ عبداللہ ابن عمر
۱۹	رسالہ شبلی	"	
۲۰	تاریخ اسلام	"	اس نام کی دو کتابیں ہیں ایک مؤلفہ مولوی ابوالفضل عباسی گھور کھپوری وکیل اور دوسری مؤلفہ سید امیر علی صاحب۔ جس جگہ ہم نام اور صرف مؤلف تاریخ الاسلام لکھیں ۔ وہاں مولوی ابوالفضل عباسی کی تصنیف مراد ہے فرق کے لئے جہاں ہم سید امیر علی صاحب کی تاریخ اسلام سے نوٹ کریں گے وہاں ان کا نام لکھ دیا گے ۔
۲۱	تمدن اسلام	"	واقعات اور خیالات (علامہ جرجی زیدان مصری)
۲۲	سائنس اور اسلام	"	خیالات متعلق احادیث و خلافت و اشعار ترجمہ رسالہ حمیدیہ از علامہ حسین آفندی طرابلسی
۲۳	سوانح عمری حضرت علیؑ	"	واقعات و احادیث، خیالات وغیرہ مولوی عبید اللہ امرتسری
۲۴	نظام عثمانی	"	خلیفہ ثالث اور بنی ہاشم کے برتاؤ کے متعلق خیال
۲۵	مناقب مرتضوی قلمی	"	روایات و اقوال وغیرہ
۲۶	سیرت الفاروق	"	بعض خیالات
۲۷	شرح نہج البلاغہ	معتزلی سُنی	بیعت خلیفہ اول کے متعلق خلیفہ ثانی کا خیال - ابو قحافہ کا ایک خیال بیعت

× فرمائی جس سے واقعات کے نوٹ کرنے میں مدد ملی ۔

* کے متعلق ابوسفیان اور خلیفہ اول کے مراتب کے نسبت بیعت کے بعد کی حالت ۔ خلیفہ اول و خلیفہ ثانی کا مشن ابن عباس کے پاس ابن ابی الحدید ۔

نمبر	نام کتاب	مذہب	کیفیت
۲۸	حاشیہ شفا		حکیم بوعلی سینا کا خیال اور اس کی بیان کی ہوئی حدیث
۲۹	اسپرٹ آف اسلام		مذاہب اور اکثر مؤرخین کے خیالات واقعات و خیالات ـ مؤلفہ رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب ایم اے بیرسٹر جج ہائی کورٹ کلکتہ ممبر پریوی کونسل
۳۰	تنقید الکلام فی احوال شارع اسلام		واقعات و خیالات
۳۱	تاریخ الاسلام		واقعات و خیالات
۳۲	انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا	مسیحی	گبن صاحب
۳۳	ڈیکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر	"	گبن صاحب
۳۴	سکیسیس آف محمدؐ	"	واشنگٹن اروینگ صاحب
۳۵	اپولوجی فور محمدؐ اینڈ دی قرآن	"	ڈیون پورٹ صاحب
۳۶	ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ بریف سروے آف ہسٹری	"	کارلائیل صاحب

نمبر	نام کتاب	مذہب	کیفیت
۳۷	مناقب ابن شہر آشوب	شیعہ	علیؑ کے بعض انتظام متعلق منفعت عام
۳۸	حیات القلوب	"	دعوت ذوالعشیرہ ـ وحی ـ شعب ابوطالب وغیرہ
۳۹	اکسیر التواریخ	"	ایک حدیث
۴۰	تہذیب المتین فی ذکر امیر المومنین	"	طریق خراج
۴۱	سراج المبین	"	علیؑ کی فوج کس صورت سے بصرہ پہنچی اثنائے جنگ جمل میں علیؑ کا ایک خیال
۴۲	نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغت	مجموعہ کلام جناب امیر	خلاصہ اقوال و خطبات و مترجم صحت کا ذمہ دار ہے
۴۳	مقدمہ نہج البلاغہ	شیعہ	بعض علما کے اقوال متعلق نہج البلاغہ
۴۴	اعجاز التنزیل	"	قصیدہ ہجرت ـ روایت ذعلب
۴۵	جنات الخلود	"	سنہ ولادت ـ تعداد ازواج و اولاد
۴۶	امتحان اہل الاسلام	"	رجز
۴۷	فرحت القلوب قلمی	"	بعض قضایا

علامات جو ہم کام میں لائے ہیں

! مخاطبہ یا تعجب

؟ استفہام

ـ یا جملہ ختم ہوگیا یا آخری لفظ کا سلسلہ دوبارہ اسی نشان کے پہلے لفظ سے ہوگا ـ

.... اس کا منشا ہے کہ کچھ عبارت غیر متعلق سمجھ کر حذف کی گئی ـ

"" اس نشان کے اندر کی عبارت خاص اس شخص کی ہوگی جس کا تذکرہ کیا گیا ـ

:ـ ذکر کی جانے والی عبارت کا اس کے بعد آغاز ہوتا ہے ـ

باب اوّل

حضرت امیر المومنین علی علیہ السّلام

آغوش خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

مزار سرور دو عالمؐ تک

باب اوّل

از ولادت حضرت علی علیہ السّلام تا رحلت حضرت رسولِ خدا

عام الفیل اور عبد المطلب

اس یادگار زمانہ کو جس میں مکہ کی چھوٹی سی سلطنت جمہوری کے رئیس خدا کا گھر بچانے کے لئے حبش کے مشہور بادشاہ کے مقابلے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ تیس برس گزر چکے ہیں اس حملے میں جو عام الفیل کے نام سے مشہور ہے۔ مکہ کی طرف سے عبد المطلب کعبہ کے کلید بردار تھے۔ اس عہدہ نے عامہ عرب کے جاہلانہ عقیدت میں بھی فرزند ہاشم کو اپنا پیشوا قرار دیا تھا اور وہ "معظم و محترم رئیس ان خدا پرستوں کی سلطنت کے تھے جو کعبہ کے گرد و پیش مقیم تھے۔"

ابرھہ

عام الفیل کا حملہ اور اس کا یادگار رہنا اس کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ عرب کو ہاتھی سے زیادہ تعارف نہیں ہے۔ جن متحرک پہاڑوں سے ابرہہ نے خانہ خدا ڈھانے کا قصد کیا تھا۔ عبد المطلب کی شریفانہ حمیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ حملہ آور مغرور بادشاہ کو بہ منت واپس کرتے یا دب کر شرائط صلح پیش کرتے۔ حالانکہ جس وقت یہ ابرہہ کے پاس اپنے اونٹوں کی تلاش میں گئے اور وہ جس تکلّف سے ملا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہی ایک شخص تھے جس کے کہنے کا اس پر کوئی اثر ہو سکتا تھا۔ لیکن شاہی شان و شوکت سے ان کے غیر متاثر دل نے ویسا ہی معاملہ کیا جیسا انہیں چاہیئے تھا۔

مغرور بادشاہ کے لئے یہ خوش آئند نہ تھا کہ عرب کا ایک رئیس اپنی ذاتی چیز کی خبر لینے آئے اور اس کے دبدبے سے نہ مرعوب ہو نہ خوش کن الفاظ کہے اور نہ باوجود اشارہ کے کوئی شرط پیش کرے۔ حملہ کیا گیا۔ لیکن عبد المطلب کے استقلال اور طوفان کی مناسب وقت مدد نے حملہ آوروں کو ٹھہرنے نہ دیا اور اس طرح آل ہاشم نے اس یادگار زمانہ میں اپنا سکہ جمایا۔ عرب کو جو فطرتاً شاعر اور مغرور پیدا ہوا ہے موقع مل گیا اور معاملات کی نسبت وقت کے درست اندازے کے لئے سنہ بنا لیا۔

عبد المطلب کے بعد ابو طالب کعبہ کے کلید بردار ہوئے

عبد المطلب کے بعد یہ عہدہ ان کے فرزند ابو طالب کے سپرد ہوا اور یہ بھی اپنے نامی باپ کی طرح سردار قوم مانے جانے لگے

کعبہ کی حالت اور عرب کا مذہب: ابراہیمؑ کے گوشہ عبادت پر ہر طرف ہاتھوں کے بنائے ہوئے خدا حکومت جتا

رہے تھے اور خبریں یہ بتاتی ہیں کہ عرب کی پر حوصلہ طبیعتوں نے ایک دو خداؤں پر قناعت نہ کی تھی بلکہ ۳۶۰ بتوں کے قریب در اور مزار اول میں ترتیب دے رکھے تھے۔ عرب کا بڑا حصہ بت پرست تھا کچھ فرقے عیسائی بھی تھے کچھ یہودی تھے کچھ آتش پرست یا زردشت کے پیرو بھی تھے۔ مدائن بالکل ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ شاہان ایران اکثر شیوخ کو تحائف سے خوش رکھتے تھے اور عجب نہیں ہے کہ اکثر بندۂ زر عرب جن کو قسطنطین یا خسرو کے درباروں میں رسائی حاصل ہو شاہی مذہب کی تقلید کرتے ہوں۔ صرف اسی پر عربوں کا مذہب تمام نہیں ہوتا بلکہ جیسا ابوالفدا کہتا ہے بہت سے دہریہ بھی تھے۔

دین مسیحی کی حالت اور اثر

سچ پوچھو تو عرب کا مذہب عورت تلوار روپیہ اور انتقام تھا۔ اس کے عادات اطوار۔ اخلاق اور مراسم یہ صاف بتا رہے تھے کہ ہم پر موجودہ بادشاہی مذاہب کا کوئی اثر نہیں ہے میور صاحب فرماتے ہیں کہ "عیسائیوں نے عرب کو پانچ سو برس تعلیم و تلقین کی اس پر بھی اکا دکا عیسائی کہیں نظر آتے تھے یعنی بنی حارث نجران میں بنی حنیف یمامہ میں کچھ بنی طے تیما میں عیسائی تھے باقی خیریت "عجب نہیں ہے کہ مذہب عیسوی نے دلپذیر اثر نہ کیا ہو۔" اکثر حوارین بھی اعتقاد میں راسخ نہ تھے۔ شاید یہ ضعف اعتقاد اور قصور عقل سے پیدا ہوا ہو یا خود حضرت عیسےؑ کے اقوال میں اختلاف سے پیدا ہوا ہو۔" جیسی بشپ ملین کی رائے ہے۔ دین مسیحی میں توحید کا اعتقاد کبھی ویسا کامل نہیں ہوا جیسا حضرت عیسےؑ کی الوہیت کا اور یہ قبول کیا گیا ہے کہ "فی روایات میں حضرت عیسےؑ کے اقوال و افعال جو عیسائیوں میں مشہور تھے اس ہیئت کذائی میں جواب ہے۔ دوسری صدی عیسوی کے آخر تک نہ مرتب ہوئے تھے۔" ہم نہیں جانتے کہ یہ دو صدیاں کیوں ایسی ضروری تدوین کی طرف بے توجہی سے گزر گئیں۔ یہ ضعیف اثر تھا یا کیا اس کی کوئی تسکین دہ وجہ نہیں معلوم۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ ۳۲۵ء میں جو کونسل قرار دی گئی اس میں راہبوں نے حضرت عیسےؑ کی الوہیت قائم کی، کبھی وہ خدا کے اوتار۔ خدا بشکل انسان۔ خدا کے فرزند اور نورانی جسم سمجھے گئے۔ یہ عقائد مختلف صورتوں میں تبدیل ہوتے رہے اور بیسویں صدی میں بھی مسیحی دنیا ایسے اور پر راز اعتقادی مسائل کی معترف ہے جو انسانی فہم سے بالاتر اور صرف اعتقاد کے نزدیک قابل وقعت ہے۔ حضرت مریمؑ کا بت بنے بنے نہیں رہا اور صلیب کی وقعت پرستش کی حد تک پہنچ گئی۔ دربار قیصری جس نے دین مسیحی کی اشاعت میں حرکت دے دی تھی۔ عملاً اخلاقی حیثیت سے ایسا نہ تھا جس نے قلوب انسانی کو اپنے تقدس کی عظمت سے کھینچا ہوتا۔ یا علمائے مسیحی نے عالمانہ خطاب اور پیشوائے دین کہے جانے کے حوصلہ کے علاوہ جس پر انہیں قناعت حاصل تھی کچھ خلق کی ہدایت کا کارنامہ چھوڑا ہوتا۔ رہبانیت کے میلان نے اچھے لوگوں کو مخلوقات الہی کی طرف سے متنفر کر دیا تھا جس سے یہ امید بھی نہیں کی جا سکتی تھی کہ اچھے لوگوں کی صحبت سے اچھی جماعتیں اور افراد تیار ہوں گے بقول شخصے کہ "وہ خود تو اپنی نجات اخروی سے مطمئن تھے مگر اور سب خلق اللہ کو جہنم کے حوالہ کر دیا تھا"، نہ صرف یہ تھا بلکہ مفتوحہ ممالک کا تمدن اور اخلاق اس حالت میں بھی رہنے نہ پایا جیسا کہ ان کے اثر سے پہلے تھا۔

اس سے سمجھ میں آئے گا کہ جزیرہ نمائے عرب کے وہ مقامات جہاں جہاں رومی عقاب لہراتے ہوں گے ان کی مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے کم متاثر ہوئے ہوں گے۔

دین موسوی اور اس کا اثر

اگرچہ بنی اسرائیل کی کوئی حکومت قیاصرہ کی ایسی نہ تھی لیکن بمقابلہ دین مسیحی کے انہوں نے زیادہ کامیابی حاصل کی تھی ان کی یہ کامیابی کسی مذہب کے لئے قابل رشک نہیں ہوسکتی تھی۔ مرض نفاق ان کا مہلک دشمن تھا۔ بت پرستی کے عنصر سے خالی نہ تھے ان کے عادات و اطوار کو قابل مثال ہونے کا فخر حاصل نہ تھا اور زردشتیوں سے انہوں نے ثنوی اعتقاد قرض لیا تھا جس سے دو خدا فاعل خیر و شر قرار دیئے گئے۔

دین زردشتی

مذہب زردشتی کے تابعین اپنی اخلاقی حیثیت میں اول الذکر دو مستند مذاہب سے بھی گرے ہوئے تھے اور اس کے بعض مصلحین سمجھے جانے والے لوگوں نے اکثر ایسی کریہہ باتوں کے جاری کرنے کی کوشش کی تھی جسے انسان نے کبھی پسندیدگی سے نہیں دیکھا۔

بظاہر عرب کی عادات و اطوار کے ذکر کے علاوہ متذکرۂ صدر تین مذاہب تھے جنہیں فی الجملہ رسوخ تھا اور ہمیں ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ہم کسی اور مذہب کا ذکر کریں۔ لیکن دو مذاہب اور ہیں جن کا مؤلف تنقید الکلام کی عبارت میں ہم تذکرہ مناسب سمجھتے ہیں جس سے اس وقت کے مشہور مذاہب کی عام حالت۔ اخلاق عمل اور روحانیت کا سمجھوتہ کے موافق[1] خفیف سا خاکہ کھنچ جاوے۔

مذہب ہنود

اس سوال کا جواب کہ مذہب ہنود کیا ہے کبھی جواب شافی نہ ملا اور سب سے زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ چھ مدارس فلسفہ میں سے کسی ایک کا مقر بھی ہندو ہے یعنی وجود باری تعالیٰ کا مقر ویسا ہی اس مدرسہ میں داخل ہے جیسا ملحد۔ یا موحد ویسا ہی مذہب ہنود کا ایک جزو ہے جیسا مشرک۔ کوئی وید کو قدیم کہتا ہے اور اگرچہ وہ خدا کے وجود کا انکار نہیں کرتا لیکن ساتھ ہی کہتا ہے کہ وید خود سند ہے اسے کسی مصنف کی ضرورت نہیں ہے بلکہ عملاً وید ہی کو خدا کہتا ہے۔ کوئی مادہ اور روح دونوں کی قدامت کا قائل ہے جس میں ایک کا بغیر دوسرے کے کام نہیں چل سکتا۔ بنائے طریقہ فلسفہ میں اس کے مؤلف گوتم نے ایک جگہ ایشور کا نام لیا ہے۔ طریقہ سانکھیا کا بانی کپل ملحد ہے۔ یوگ اور ویدانت کے طریقے ایک قادر مطلق تک دشوار الجھاوؤں کے بعد پہنچتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ اس تلاش میں انہوں نے چھوٹے چھوٹے مطلق العنان خداؤں کا نشان نہ چھوڑا ہو یا ہر ایک اپنے موقع پر قادر مطلق نہ سمجھا جاسکے۔

وید کے بعض مضامین

وید کے اکثر بھجن جو خداؤں کے متعلق کہے گئے ہیں یہ امر صفائی سے دکھاتے ہیں کہ عمل التجسم سے عجائبات فطرت خدا بنتے جاتے ہیں۔ ویدوں کے بہت سے خدا اس وقت کے ہیں جب کہ ایرانی اور آریہ ایک تھے۔ عبد اور معبودوں کا رشتہ ہر ایک کے فوائد پر مبنی ہے مثلاً "میں تجھے (نذر) دیتا ہوں کہ تو بھی مجھے دے"

---

[1] یعنی منصوبے اور رضا کے مطابق۔

دیادس وید کا قدیم ترین خدا ہے۔ جیسے یونانیوں کا خدا زیوس۔ رگ وید میں ایک جواری روتا ہے کہ اگرچہ وہ تباہی دیکھ رہا ہے مگر جوئے کا جادو نہیں ہٹا سکتا۔ اس میں مُردوں کی روح اسی راہ پر چلتی ہے جس پر ان کے آباو اجداد کی روح چل کر اعلیٰ ترین بہشت میں پہنچتی ہے جہاں یاما (جو ایرانیوں کا بھی خدا تھا) خدائے بہشت مع اور خداؤں کے چھتنار درختوں کے سایہ اور بانسری کی آوازوں میں سوم (جو رگ وید اور ایرانیوں کی اوستا میں بھی مذکور ہے۔ ہندی ایرانی زمانہ میں باوقعت تھا) پی رہا ہے۔ اسی قدیم ترین وید میں ایک درجن منتر دشمن اور مرض کے بھگانے کے لئے ہیں۔

متذکرہ صدر باتیں "فلسفانک ہنڈوِزم" اور "انڈین امپائر" سے اخذ کی گئی ہیں۔ جس میں سے اول الذکر میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اکثر اوپنشاد ایک دوسرے کی ضد ہیں یا اکثر خلاف تہذیب خیالات کا اظہار اور تذکرہ کرتے ہیں۔ عام حالت نقیدا لکلام کی اس خلاصہ عبارت سے سمجھ میں آئے گی۔

مذہب کی عملی حالت "بُت خانے فسق و فجور کے گھر۔ افعال شنیعہ کو مذہب نے جائز .... موت اور شہوت کے دیوتا عوام کے معبود ...... اشنزوت اور مولک کے ناچ رنگ اور شراب و کباب کے ...... جلسے اور ناموں سے اور پیرایوں سے ہونے لگے۔ ویدوں کے زمانہ میں عورتیں کشتیوں اور جوئے میں ہاری جاتی تھیں۔ سارے گھر کا کام ...... ایک عورت متعدد بھائیوں کی جورو۔ ویدوں کے واضع قانون نے عورتوں کا فرد ذلّت سے ...... اور لونڈی بنا دیا" مختصر اور متصورانہ جملہ میں "ناقص روحانیت پر مادیت غالب تھی"

عربوں کا ہندوستانیوں سے تجارتی تعلق تھا۔ خیال ہو سکتا تھا کہ شاید یہ قدیم مذہب اپنے تعلقات سے صحرا نشینوں پر کوئی اثر ڈالتا۔ لیکن یہ امید غیر ضروری ہے جب کہ بیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے ایک شہر کو اتنے بتوں کے رکھنے کا فخر ہے جس قدر ذکر کئے جانے والے زمانہ میں تمام ملک عرب میں نہ ہوں گے نیز سزا و جزا کے نامکمل عقیدے کو ہندوستان کی زرخیزی اور نعمات نے اور بھی غایت نظر سے دیکھنے نہ دیا ہوگا۔

مسئلہ تناسخ اگرچہ مسئلہ تناسخ گوتم نے ہندوستان سے لیا تھا لیکن آخر میں گوتم کی رہبانیت نے اسے تازہ کر دیا۔ ہنود اور بودھ نے ایک دوسرے پر تناسخ کا زور ڈالا۔ ہندو مکتی ہو یا بودھ کا نروان دونوں کا منشا ایک ہے کہ تناسخ سے بچنے کے لئے نیست ہو جائے۔ دونوں کے نزدیک زندگی یا ایک خواب ہے یا سلسلہ مصیبت جس سے بجز نیست ہو جانے کے مفر کی کوئی صورت نہیں ہے اس کے نزدیک خود[1] سب کچھ ہے اسی کو اپنا مرکز سمجھتا ہے اور اپنی مغفرت وہ مقصد کامل جس پر تمام ہو جانا چاہتا ہے۔ اسے خودغرضانہ مغفرت سے دوسروں کی بھلائی اور ترقی ناممکن ہے۔ عبادت گذار بودھ اپنی تسبیح میں "ناپائیداری۔ مصیبت اور بے حقیقی" کے الفاظ جپا کرتا ہے۔ اگرچہ "بودھ کے مسلک میں بڑی بڑی باتوں کا حوصلہ اور

---

[1] خود یعنی اپنی ذات

امید دلائی گئی ہے لیکن اسے کبھی یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ مذہب یا ملت کا مصداق ہو سکے یہ مسلک فقرا[1] اور گوشہ نشینوں کا ہے۔ عوام پر کبھی اثر نہ ہوا، (تنقید الکلام) پالی۔ برمی اور سنہالی کتابوں میں گوتم کے بودھ ہو جانے کے متعلق جو قصہ لکھے ہیں وہ الف لیلیٰ کی داستانوں سے کم دلچسپ نہیں ہیں نہ یہ مذہب توحید اور عملی اخلاق کا دنیا کو سبق سکھاتا ہے۔

عربوں کے حرکات اور اخلاق

عرب کی جاہلانہ حمیت جوش میں تھی اس میں انتقام کا مادہ غیر قوموں سے کہیں زیادہ تھا وہ دختر کشی کو گناہ نہ سمجھتا تھا اس کے توہمات باطلہ کی نہایت[2] یہ تھی۔ اور نہ کبھی اچھے برے کی تمیز کی طرف لگایا گیا تھا، زنا، شراب، جوا، قتل اس کے اشتغال تھے۔ اس کی شاعرانہ طبیعت کسی معشوق کے پیچھے اونٹ دوڑایا کرتی تھی یا عکاظ کے میلے میں داد کی متمنی رہتی تھی۔ یہاں یہ تو ہوتا ہے کہ اطراف و جوانب کے فرقوں سے ملاقات ہوتی تھی اور دور دراز کی چیزیں تاجروں کی مشقت سے دکھائی دیتی تھیں لیکن اگر کہیں کسی سے خفیف سی باتوں پر تلوار کھنچ گئی یا کسی نوجوان کی دست درازی کسی عورت کے موافق مزاج نہ ہوئی تو یا آلِ فلاں آلِ فلاں نے تہلکہ ڈال دیا اور میدان تفریح سیر کرنے والوں کی قتل گاہ بن گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ برسوں لڑائی قائم رکھنے کا وسیلہ ہاتھ آگیا۔ انتقام کا جوش، ستارۂ سحری کی لڑکیاں جو مسند کو ٹھوکروں سے ہٹا دینے کا دعویٰ کرتی تھیں۔ دف بجا بجا کر بھڑکاتی تھیں اور امید دلاتی تھیں کہ اگر تم نے بڑھ کر ہاتھ مارا تو تمہیں ہم سینہ سے لگائیں گے اور بھاگ گئے تو تم سے نفرت کریں گے، یہاں تک کہ ایک قبیلہ بالکل نیست و نابود ہو جاتا تھا۔

گذشتہ مذاہب کی گرد آلود حالت اثر کی راہ میں حائل تھی

اس سے ظاہر ہوگا کہ عرب کے واسطے اس کا جوش اور خفیف سا اشارہ سب کچھ تھا۔ وہ اصول، اخلاق انسانیت اور مذہب کا پابند نہ تھا۔ جن مذاہب کی اچھے اصولوں پر بنیاد ڈالی گئی تھی اور ظاہر تو یہ ہے کہ گرد و پیش کے مذاہب کے سچے اصول بھی اس قدر گرد آلود ہو گئے تھے کہ اُن میں اپنی خوبیوں کے مخلصانہ اثر ڈالنے کی قوت نہ رہ گئی تھی۔

ابتدائی اعتقاد کے موافق مصنوعات اور عناصر خدا سمجھے گئے

فطرتاً چونکہ انسان مذہب کی طرف مائل ہوتا ہے۔ عرب کو بھی اس کی ضرورت تھی کہ وہ مافوق الانسان مدد کی امید کرے۔ اس کے لئے اس نے وہی مسلک اختیار کیا جو دنیا کی ابتدائی حالت سے چلا آیا یا یوں کہیں کہ گم کردہ راہ خیالات نے جو اثر خیز صورتیں اس کے سامنے کھڑی کر دیں۔ اسکے مجموعے کو اپنا مذہب سمجھنے لگا۔ عجائبات فطرت اس کے لئے خود خدا تھے اور انہیں کے نام لات منات اور عزیٰ کی شکل میں ظاہر کئے گئے تھے۔ ان میں یہ سمجھ نہ تھی کہ اپنے کو ان بتوں کا صانع سمجھے اور خیال کرتے کہ خود وہ چیزیں جن سے وہ مرعوب ہو گئے ہیں مصنوعیت کے آثار سے خالی نہیں ہیں۔

عرب کو کمی پیداوار کی وجہ سے وہ چیزیں صرف میں لانے کی ضرورت ہوا کرتی تھی جسے اب ہم جانتے ہیں کہ وہ مصلحتاً اور حکمتاً

[1] فقرا، صوفیا، بھگت [2] یعنی عرب معاشرے کی حالت اس حد تک خراب ہو چکی تھی کہ وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔

حرام کی گئی ہیں۔ اونٹ اور بھیڑ کی اون کے کپڑے اس کے ستر پوش تھے اور ملک کے اس قانون سے کوئی متنفر نہ تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا اس کے حرم اپنے تصرف میں لائے۔

بنت اسد کعبہ کے قریب

مختصر لفظوں میں یہ تھی عرب کی ملکی، اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی حالت اور وہ تھی دنیا کے مشہور مذاہب کی صورت میں جس وقت مرحوم جوانمرد اور وطن دوست محافظ کعبہ کی بہو اور عبد المطلب کے فرزند ابو طالب۔ موجودہ متولی۔ کی بی بی بنت اسد دیوار خانہ کعبہ کے پاس غالباً اس اعتقاد سے کھڑی تھیں کہ اس عبادت گاہ کی برکت سے درد زہ میں کمی ہو جائے گی۔ بنت اسد خانہ کعبہ میں داخل ہوئی تھیں کہ وضع حمل ہوا۔ وہ بچہ پیدا ہو گیا جس کی سوانح عمری لکھی جانے والی ہے اور جس کی خدمتوں کو اپنے اس مولد سے بہت کچھ عملی تعلق ہو گا۔

مولود اور مولد

بنت اسد کو کیا معلوم کہ وہ بچہ جو ابھی ان کے شکم سے باہر ہوا ہے وہی ہے جسے خانہ کعبہ کا دوسرا منجیؑ اور اصل بچانے والا کہنا زیبا ہے۔ یہی وہ مولود ہے جس کی بہادرانہ خدمت میں نشو و نما کے جسمانی اور روحانی کے ساتھ اسلام اور دنیا کے خیالات کے ساتھ وہ کچھ کرنے والی ہے کہ اگرچہ تاریخ ہمیشہ اس کے دشمنوں کے قبضہ میں رہی لیکن اس کی خوبیوں کا محو کر دینا محال ثابت ہو گا۔

مولد کے متعلق مولود کی آئندہ خدمتوں کا انعکاس

دادا نے اس کے مولد کے اینٹ پتھر کو منہدم ہونے سے بچایا لیکن پوتے کے متعلق نہ صرف کعبہ کو شرک کے بخت دھاوے سے بچانے کی خدمت سپرد ہو گی بلکہ اس عزت کی ہوئی قدیم عبادت گاہ کا اصلی وقار قائم کرنا بھی اس کے متعلق ہو گا۔ جسم انسانی نہیں پاک ہو سکتا۔ جب تک کہ نفس اور خیال نہ پاک کیا جائے کعبہ نہیں پاک ہو سکتا تھا۔ جب تک کہ بیشمار بت جو چہار دیواری کے اندر خیالات فاسد کی طرح جمے تھے اور اس کے باہر خیالات فاسد کر رہے تھے اپنے مرکز سے نہ ہٹا دیئے جاتے۔ کعبہ کو ان سے پاک کر دینا لوگوں اور ملک کے دماغ کو ان سے پاک کر دینا تھا کیونکہ دماغ اور ملک نے انہیں اس جگہ بٹھا دیا تھا۔ ان کا زوال اعتقاد در شرک کا زوال تھا وہ بچہ جسے اس وقت خانہ کعبہ اپنی گود میں لئے ہے دکھلائے گا کہ جو کچھ دنیا کے مذاہب اور دنیا کے نامکمل اصول توحید کے ساتھ اسلام نے سلوک کیا اس کی مشکوریت کا بڑا حصہ شارع اسلام کے بعد اس سے متعلق ہے کیونکہ اسلام کی ترقیوں میں یہ تنہا جو حصہ لینے والا ہے تاریخ اسلام میں کوئی اس کے خلوص، خدمتوں اور عظمت نفس کا مقابل نہ لایا جا سکے گا۔ وہ معصوم آنکھیں جنہوں نے پہلے پہل اس عبادت گاہ کو دیکھا ہے۔ دکھانے والی ہیں کہ استاد کے بعد دنیا میں ان چیزوں سے جو حق خداوندی غصب کرنے والی ہیں اس شاگرد سے زیادہ نفرت کرنے والا دوسرا نہ ہو گا۔ معبورلات وہبل جو زبردستی خدا بنا کر بٹھا دیئے گئے تھے اگر کچھ بھی قوت رکھتے تو کبھی اس معصوم کو اپنے مرکز خداوندی سے باہر نہ نکلنے دیتے جو ان کے وجود کو صفحۂ ہستی سے ایسا پاک کرنے والا ہے کہ پھر

ان کا پرستش کرنے والا نمائش گاہ عالم میں نہ دکھائی دے گا۔

مولود کے متعلق ایک خیال

ہادی اسلام کے معجز نما وجود کے بعد یہ سوچ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ بچہ جو تین سو ساٹھ بتوں کے ماحول میں خلق ہوا ہو۔ وہ واجب الوجود کی نسبت "لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا" (اگر میری آنکھ سے پردہ اٹھ بھی جائے تو میرا یقین بڑھ نہ جائے گا) کہے جس سے بڑھ کر وجود خداوندی کا تیقن کسی موحد بندے کے الفاظ سے ظاہر نہیں ہوا۔

اسلام کی ترقی اس کے عمدہ اصول سے ہوئی

دنیا کی تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ کم ایسے مذہب ہیں جو بلا کسی شاہی امداد کے پھیلے ہوں اور انہیں ایسی ترقی اپنے اصول سے ہوئی ہو کہ سلطنت کی تائید کی ضرورت نہ رہی ہو۔ الّا اسلام جو وہاں پہنچا جہاں اس کی سفارش نہ تھی۔ مثلاً چین اور انہوں نے قبول کیا جنہیں کوئی خوف نہ تھا۔ مثلاً تاتار جو عباسی حکومت کو تباہ کر کے اسلام لائے۔ شارع اسلام کے مقابلے میں نہ کسی اور مصلح اور ہادی کو تکالیف اٹھانی پڑیں۔ نہ کسی نے یہ سرگرمی۔ صبر اور استقلال ظاہر کیا اور نہ کوئی اس درجہ کمال عقل پر دکھائی دیا جس کا اثر سوچنے والوں اور غربا پر ہوا۔

اسلام کے ذرائع ترقی کا دیگر مذاہب سے مقابلہ

درانحالیکہ اور مذاہب صاحب اقتدار لوگوں کی بدولت پھیلے۔ مثلاً یہود کو یوشع ابن نون۔ مذہب بودھ کو راجہ اشوک۔ زردشت کو دارا اور دین مسیحی کو قسطنطین اعظم کے مذہب قبول کرنے سے بڑی مدد ملی۔ بڑا فرق ہے ان دو مذاہب میں جن میں ایک کا اثر پہلے غربا پر پڑا ہو اور دوسرے کا امراء سے غرباء تک پہنچا۔

۳۰ عام الفیل یا ۵۷۰ء دیکھنے کی بات ہوگی

اسلام نے اپنے وجود کی حفاظت میں تلوار اٹھائی۔ میں بغیر اس امر پر توجہ دلائے آگے نہیں بڑھ سکتا کہ یہ دیکھنے کی بات ہوگی کہ وہ بچہ جو تیرھویں رجب ۳۰ عام الفیل میں بوقت صبح پیدا ہوا۔ جسے انسائیکلوپیڈیا تقریباً ۶۰۰ء بتاتی ہے کس طرح اپنی تنہا تلوار کن سے وقتوں میں اسلام کی حفاظت کے لئے کھینچے رہا۔

طالع

نجومی کہتے ہیں کہ اس وقت طالع مریخ تھا بعض زحل بھی کہتے ہیں۔ جس سے وہ دشمن پر تسلط۔ طول عمر اور کثرت اولاد کا مطلب نکالتے ہیں۔

طرفین سے ہاشمی لڑکا رسول کا یک جدّی بھائی

بلحاظ اس کے کہ ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم اور فاطمہ رضؓ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ یہ لڑکا دونوں طرف سے ہاشمی تھا اور شارع اسلام

سے یک جدّی ہونے کا شرف تھا اس مولود کی ولادت کے متعلق شاعروں نے بہت کچھ طبع آزمائیاں کی ہیں لیکن بلحاظ سادگی، صفائی اور واقعات سے مس ہونے کے ہم یہ شعر پسند کرتے ہیں ؎

فرزند بخانۂ خدا شد ؛ بابنت رسولؐ کتخدا شد

بچے کی حرکتیں اور آثار قوت

بنت اسد اس مولود کو لئے ہوئے گھر آئیں۔ قماط میں لپیٹا اور جھولے میں لٹا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا گیا کہ اس بچہ نے اپنے ہاتھ پارۂ قماط سے جدا کر لئے تھے اور اس زور سے ہمکتا تھا جو اتنے بڑے بچے کی بساط سے کچھ زیادہ تھا۔ ننھے ننھے ہاتھ جس طرح بدن سے مس ہوتے تھے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ اس میں اپنے ہم سنوں سے زیادہ قوت ہے۔

ابوطالبؑ۔

"بنت اسد تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ اس کے ہاتھ بالکل شیر کے سے ہیں۔"

"ہم نے اپنے باپ کے نام سے موسوم کیا ہے،"

"اور ہم زید رکھتے ہیں۔ اس شخص نے قبائل قریش کو ایک کرنے کی کوشش کی تھی۔"

ماں نے کیا نام رکھا

"مؤلف حضرت علیؑ" کا یہ قول قوت رکھتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے حیدر نام رکھا اور اس کی دلیل میں حضرت علیؑ کے رجز کا یہ مصرع پیش کرتا ہے جو خیبر میں کہا گیا تھا۔ "انا الذی سمتنی اُمّی حیدرہ"

بچے کا ایک دیکھنے والا

اب اس بچے کی ولادت کی خبر اس تیس برس کے جوان کو ہوئی۔ جسے دادا نے بستر احتضار پر ابوطالب کے سپرد کیا تھا جس کی بردباری، نیک نفسی، اعلیٰ خیالی، متصورانہ صورت اور شان نے خاندان کے بڑے لوگوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور مکے کے لوگوں میں "امین" کے معزز خطاب سے پکارا جاتا تھا۔ انسانی قوائے ذہنی اور مخفی قوتوں کی بے انتہا تعداد میں متذکرہ صدر الفاظ دو ایک خاص خیالات کے ظاہر کرنے اور سمجھانے والے اشارے ہیں جو چھپتے ہوئے اس اصلی تصور کی خفیف سی جھلک دکھانے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں۔ جنہیں کہنے والا پیش کرتا ہے۔

نہیں تو یہ شخص جو دنیا میں اس تازہ وارد بچے کے گہوارے کی طرف جا رہا ہے اس کے عظیم خیالات اور سمجھے ہوئے قدم اٹھانے والی ذوق کا نقشہ کھینچنے کے لئے ہمارے الفاظ میں قوت نہیں ہے کون جانے کہ اس اپنی دھن میں ڈوبے ہوئے "امینؐ" کے ذہن میں کیا ہے۔ اس کی روشن ضمیری نے اس کی دوربین آنکھوں کے سامنے کونسا نقشہ پیش کیا ہے اور اس بچے کے پیدا ہونے کی خبر نے کونسی للک پیدا کر دی ہے کہ یہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے اس بڑے خیال کو الگ رکھ آیا ہے۔ جس کے لئے ایک زمانے سے تیار ہو رہا ہے۔

ابھی یہ مشتاق گہوارے کے قریب پہنچا تھا کہ شوہر کے انداز اور گفتار سے خوش ہونے والی بی بی نے ابوطالب کے "شیر خصال" والے جملے کا اعادہ کرنا چاہا اور اسے مخاطب کیا۔

چچی اور بھتیجے کی گفتگو

"محمدؐ" اس لڑکے کے قریب نہ جانا۔

متین تبسّم سے ـــــــــــــــ آپ نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟

"میں نے اسد رکھا ہے اور تمہارے چچا نے زید"

"اور میں علیؑ رکھتا ہوں"

علیؑ امینؐ کی گود میں

اس وقت سے یہی وہ نام تھا جو اس بچے کی عمر کے ساتھ رہا۔ اور اسی سے بڑے بڑے واقعات وابستہ ہیں۔ بنت اسد کا بھتیجا گہوارے کے قریب پہنچا۔ ابوطالب کا راحت جان جسے واقعات تاریخ پر نظر ڈال کر محمدؐ کا راحت جاں کہنا ہوگا گود میں آ گیا اور وہ آنکھیں جو اب تک بند کہی جاتی ہیں کھل گئیں۔ بھولے چہرہ پر ہنسی آئی۔ مشتاق نے اپنی زبان ننھے سے منہ میں دے دی اور کہنے والے کہتے ہیں کہ یہی پہلی غذا تھی جو دنیا میں اس بچے کو نصیب ہوئی۔

غسل اور افسردگی

طشت اور آفتابہ طلب کیا اور غسل دینا شروع کیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ غسل دینے والے کے چہرے سے افسردگی ظاہر ہے یہ حالت اس کی مقتضی تھی کہ لوگ سبب پوچھتے۔ جیسا ہوا اور اس کا جو کچھ جواب دیا گیا وہ اس جوان کے خیال پر عکس ڈالتا ہے کہ موت اور زندگی کے مسئلہ کو وہ کس طرح حل کر چکا تھا کہ اس خوشی کے موقع پر بھی وہ اپنے آپ کو اپنے خیال کے سلسلے سے نہ ہٹا سکا۔ مستفسر کو مخاطب کر کے جواب دیا۔ "جس طرح میں آج اسے غسل[1] دے رہا ہوں میرے پیش نظر ہے کہ یہ لڑکا مجھے آخری غسل دے گا۔"

انسان کسی بات کو اثبات یا نفی میں نہیں کہہ سکتا جو آئندہ کے پردے میں چھپی ہو۔ لیکن امینؐ کا خیال اور تیقن غلط نہ تھا۔ یہ دکھایا جائے گا کہ اس بچہ نے کس حالت میں آخری غسل دیا۔ اس کے بعد جیسا روضۃ الشہداء سے معلوم ہوتا ہے یہ بچہ ابن عبداللہ کے "کنار و بغل" میں پرورش پا تا رہا۔ غالباً احاسنہ میں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ علیؑ کی پیدائش کے کچھ ہی دن قبل یا بعد امینؐ نے عربوں کو ان کا ایک اچھا عہد یاد دلایا۔ جس کا نام حلف الفضول تھا اور "یہ قدیم زمانہ میں اس لئے ہموار ہوا تھا کہ اندرون دیوار مکہ شر اور بدعتیں نہ ہونے پائیں۔ چار یا پانچ بڑے خاندانوں نے ضعفا اور مظلومین کے واسطے معاہدہ کیا۔ حضرت رسولؐ اس کے بڑے مؤید اور محرک تھے۔ آپ ہی کی سعی سے عہد نامہ حلف الفضول دوبارہ قائم ہوا" (تنقید) یقیناً اس میں عورتوں کی حفظ عصمت اور حرمت کی شرط ضرور ہوگی اور اس کے متعلق بعض مواقع پر علیؑ کی شان طبیعت دیکھنے کی ہوگی کہ اپنے استاد کے اس خیال سے کہاں تک موافقت

[1] مصنف نے ولادت کے بہت بعد کا نقشہ کھینچا ہے۔

ظاہر کی اور کہاں تک متعلق عمل کی مثالیں ملتی ہیں۔

پانچویں برس مکے کا قحط

۳۵ سنہ عام الفیل میں جبکہ حضرت علی ع پر سے پانچ برس گزر چکے تھے مکے میں بڑا قحط پڑا ابوطالب کی کثرت اولاد اور عیال داری کو اس کی ضرورت تھی کہ کوئی مددگار ان کے بوجھ کو ہلکا کردے یہ یادگار عبدالمطلب اسی طرح بے شکایت بغیر اظہار بے اطمینانی سختی برداشت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس شخص کی توجہ ان کی طرف مبذول ہوئی جس کی بے انتہا صفات میں سے مستحقین کی مدد بھی تھی۔ یہ نمونۂ ہمدردی اپنے دوسرے چچا عباس رض کے پاس تشریف لے گیا اور ان سے کہا۔

"چچا آپ مالدار ہیں ابوطالب کی مدد کیجئے"

عباس رض نے امین ص کی اس خواہش پر رضامندی ظاہر کی۔ دونوں بزرگ ابوطالب کے پاس آئے سطے یہ پایا کہ علی علیہ السلام امین ص کے سپرد ہوں۔ جعفر رض عباس کے حوالے کئے جائیں اور عقیل خاندان کے بزرگ کے پاس چھوڑ دیے جائیں۔

"آپ (رسول ص) نے اپنے عم نادار کا بار احسان اس طرح اپنی گردن سے اتارا کہ ان کے فرزند ارجمند حضرت علی ع کو اپنے ساتھ رکھا۔ ابوطالب کثیر الاولاد تھے اور اتنی مقدرت نہ رکھتے تھے کہ اس طرح ان کی پرورش پرداخت کرتے جیسا کہ ان کے شایان رتبہ تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خدیجہ سے عقد کرکے متمول ہو گئے تھے اور عباس ابن عبدالمطلب یہ دو شخص اہل مکہ سے زیادہ مستغنی تھے۔ جب اس ملک میں شدید قحط پڑا۔ تو آپ نے اپنے چچا عباس کو سمجھایا کہ ابوطالب کے بیٹوں سے ایک کو آپ متبنیٰ بنائیں۔ پس عباس رض نے جعفر ابن ابیطالب اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو اپنا فرزند بنایا"

(ابن ہشام از تنقید)

نصب حجر اسود

یہی سنہ اور امین ص کی عمر کا پینتیسواں سال تھا جس میں اس مصلح بنی آدم نے نصب حجر اسود کا دلپسند تصفیہ کرکے عربوں پر ہمیشہ کے لئے اپنا بار احسان رکھا اور انہیں دائمی خونی لڑائیوں سے بچاکر مشترکہ سب سے کام لیا اور ان پر واضح کر دیا کہ تم لوگوں کو ایک کرنے والا بجز ہمارے کوئی دوسرا نہیں ہے۔

امین ص کی حفاظت وطن

عثمان ابن حویرث ایک عرب نے قسطنطنیہ کے دربار میں دین مسیحی قبول کیا تھا اور قیصر سے روپیہ لے کر آیا تھا کہ مکہ میں یونانیوں کی حکومت کرادے۔ حضرت کے حسن سعی سے اس کا ارادہ ظاہر ہوگیا اور اسے ناکامی ہوئی (ابن خلدون) اپنے مولد و موطن کو قیاصرہ کے ظلم سے بچایا۔ یہ ایک ایسا امر عظیم تھا کہ بنی آدم کی دائمی شکرگزاری .... " (تنقید الکلام)

اثر پذیر عمر میں علی ع کی داشت

پانچویں برس کے بعد علی علیہ السلام کے متعلق واقعات کی تاریخ پھر خاموش ہوجاتی ہے

اور مؤرخ اپنی اور ناظرین کی دلچسپی کے لئے کوئی واقعہ نہیں لکھتا لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ وقت کسی کی دلچسپی کے لائق نہ ہو۔ مؤرخ کو اگر واقعات نہیں ملتے تو طبیعت شناس اس وقت کے مطالعہ کی وجہ پاتا ہے ۔ جن لوگوں نے طبیعت کی اثر پذیری اور دوسرے نفس کے اثر ڈالنے پر غور کیا ہے ۔ جن لوگوں نے اس پر توجہ کی ہے کہ لڑکپن میں اچھے یا برے عادات واطوار کا بہت جلد اثر پڑتا ہے ۔ جن لوگوں نے موجودہ حکمائے یورپ کی کتابیں بچوں کی تربیت میں پڑھی ہیں اور ان کو کہتے سنا ہے کہ اس وقت سے جب سے بچہ شکم مادر میں ہو اس کی تربیت کا خیال رکھنا چاہیئے اور والدین کو ہمیشہ اچھے انداز ۔ خوش مزاجی اور نیک نفسی سے کام لینا چاہیئے کہ یہ وقت سب سے زیادہ اثر پذیری کا ہوتا ہے اور اسی طرح ان کی حالت رضاعت اور طفلی میں انہیں ایسی صحبتوں میں رکھنا چاہیئے ۔ جہاں ان کی طبیعت برے اثر سے محفوظ رہے اور اچھی خصلتیں ان کی جزو عادت ہوتی جائیں ۔ وہ دلچسپی سے علی علیہ السّلام کے زمانہ طفولیت پر غور کرسکیں گے ۔

وہ طبائع جن کے اثر میں رہے

سب سے پہلے خاندان ہاشم کی شرافت ۔ عزت ۔ حمیت اور شجاعت سامنے آسکے گی عبدالمطلب کی حب الوطنی اور رہے غرضانہ شان سامنے دکھائی دے گی ۔ ابوطالب اپنی تیز فہمی ۔ حرمت امتیاز اور نیک نفسی ، ذہن کی پختگی اور افسرانہ ہمت سے سامنے کھڑے ہو جائیں گے ۔ بنت اسد اپنے خاندانی اثر اور خوش خلقی ، شوہر کی اطاعت کا بہترین نمونہ دکھائیں گی ۔ لیکن ان کے علاوہ علی علیہ السّلام کی خوش نصیبی سے ایک وہ تعجب خیز نفس انسانی تربیت کنندہ دکھائی دے گا ۔ جیسا زمانہ نے نہیں دیکھا اور بقول ،، جس سے سابقہ پڑا فریفتہ ہوگیا ،،

علیؑ کی طبیعت پر سب سے زیادہ کس کا اثر پڑا

کوئی نہ تھا جس پر اس کی خوبیوں کا اثر نہ پڑا اور جسے کم سنی میں بحیرہ راہب نے ملک کا آزاد کنندہ اور نجات دہندہ کہا ۔ جس کی نسبت تجربہ کار ابوطالب نے خدیجہ سے عقد کرتے ہوئے خطبہ میں کہا ،، جس سے چاہو مقابلہ کرو ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے راجح نکلے گا ،، جس سے کمسنی میں آثار جلالت ، کمالات عقلی اور محامد اخلاق ظاہر تھے اور جو اس سن میں جو علی العموم غفلت بینی کا ہوتا ہے خلق کی عادات مذموم اور ناشائستہ اطوار پر متاسف اور کارہ معلوم ہوا اور جس نے اپنے بہترین اوقات زندگی کو قوانین فطرت اور طبائع انسانی کے سمجھنے میں صرف کیا ۔ جو اپنے نفس کی تربیت ، خیال کی پاکیزگی اور تصوّر کو راہ مستقیم پر لگانے اور اس میں قوت پیدا کرنے کی فکر سے کبھی غافل نہ رہا ۔ جس کے استقلال اور نقابت حق نے سوچنے والوں کو متحیّر کر دیا اور جس کے متعلق غیر قوم کے مؤرخین نے تعصب کا عنصر ہوتے ہوئے بہترین الفاظ میں تعریف کی ۔

اب شاید مجھے یہ بھی کہہ دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ نونہال اپنے پالنے والے کے شیریں انداز ، جلالت خیز تصورات خُلق اور خدا کی محبت سے بھرے ہوئے دماغ کا اپنے بھولے اور اثر پذیر نفس پر سب سے زیادہ عکس لے رہا ہے پالنے والے کی خصلتیں اس کے خیال اور طبیعت کو اپنی طرح موڑتی ہیں ۔ خیال ایک قوت ہے اور جس کی طرف جس حیثیت سے لگایا جاتا ہے

وہ بھی اس کی طرف ویسا ہی خیال کرتا ہے اور سمع اپنے اثر کے واپس جاتا ہے۔

علیؑ اور امینؐ کی محبت کی کنجیاں

مثالاً ایسا نہیں ہے کہ زید بکر کی جانب محبت کا خیال کرے اور بکر محبت کے خیال سے متاثر نہ ہو۔ اور بکر کے متاثر ہونے سے زید متاثر نہ ہو۔ یہ امینؐ اور علیؑ میں محبت کی کنجی ہے۔ گذشتہ احسان اور پاس قرابت تھا کہ علیؑ کی طرف توجہ ہوئی۔ حسن اتفاق تھا کہ قطعاً زیر تربیت ہو گئے۔ ضرور پالنے کی محبت بڑھتی گئی۔ ضرور علی علیہ السّلام اپنے لڑکپن میں ان بچوں کے سے تھے۔ جنہیں دیکھتے ہی بے تعلق آدمی کو بھی محبت ہو جاتی ہے۔ علی علیہ السّلام اس حیثیت کے علاوہ اس محبت میں بھی شریک تھے جو رسولؐ کو عامہ خلق سے تھی لیکن ایک اور محبت تھی جس غیر ظاہر حالت کی طرف ابن عبداللہؐ کا قدم بڑھتا جاتا تھا اگرچہ وہ واضح نہ تھی اور نہ کوئی یقین تھا لیکن یہ ہو سکتا تھا کہ کسی بڑے کام کے آغاز کی امید ہو اگرچہ نظاہر اور راستہ معلوم نہ تھا اور اس غیر واضح امید نے کسی مددگار کا گذرتا ہوا سریع خیال پیدا کر کے اس بچے کی طرف نگاہ گاڑ دی ہو۔ اصلی خیال بے پختہ ہوئے یا بلا زبردست ارادہ پیدا کئے ہوئے گزر گیا ہو۔ لیکن یہ یاد رہا ہو کہ اس بچے کا بھی اس میں حصہ تھا۔ کسی مشکل یا بڑے کام کا شریک محبت کے خیال سے خالی نہیں رہ سکتا، اس خیال کی تصدیق آگے چل کر بعثت کے بعد ایک حدیث سے ہو جاتی ہے جسے صاحب مناقب مرتضوی۔ مسند ابن حنبل اور ہدایۃ السعداء کے حوالہ سے لکھتا ہے:۔ قال النبیؐ۔ اِنِّی اَقُولُ کَمَا قَالَ اَخِی مُوسٰی اِجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَہۡلِیۡ عَلِیًّا اَخِی اُشۡدُدۡ بِہٖۤ اَزۡرِیۡ وَاَشۡرِکۡہُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ” (نبیؐ نے فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰؑ نے کہا تھا۔ بارالٰہا میرے اہل سے علی علیہ السّلام کو میرا وزیر بنا کہ وہ میرا بھائی ہے اس کی وجہ سے میری پشت قوی کر اور میرے کام میں شریک کر) علیؑ سے رسولؐ کے وجوہات محبت یہیں پر تمام نہیں ہو جاتے بلکہ اس کے اسباب فراہم ہوتے جاتے ہیں کہ اس میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی جائے اگر اب تک وہ وجوہات تھے جو بیان کئے گئے تو آگے چل کر علیؑ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ کے بڑے کاموں میں مدد کا مصمم ارادہ ظاہر کر کے بےمثال عملی اخلاص، وفاداری، خدمت، اور شرکت سے اس میں قوت دی اور قرابت داری کے سلسلہ سے بالاتر ایک شان پیدا کر دی اور ہاں چل کر علی علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارتباط، وجوہات لکھنے اور کاغذ قلم کے حوالہ کئے جانے سے زیادہ عظیم ہو گیا۔ لفظوں میں ظاہر کرنے کے لئے فخر قوم السید امیر علی کے خیال اور لائق مترجم کے اس جملہ سے اچھا کوئی دوسرا فقرہ ملنا مشکل ہے کہ ان کا (علیؑ کا) نفس، مظہر اتم، نفس رسول کا تھا، (تنقید الکلام) یہ ایک ایک لفظ صحیح ہے۔ مثل اپنا مثل بناتا ہے اور مثل اپنے مثل کو کھینچتا ہے۔ یہ قانون الٰہی ہے جس سے علی علیہ السّلام کو فائدہ اٹھانے کا سب سے زیادہ موقع ملا اور آئندہ اس میں ان کے عمل سے ترقی ہوتی گئی۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک نفس عظیم بلا کسی دوسرے پر اپنا نقش کئے ہوئے دنیا سے گزر جاتا

نفس عظیم نے اثر ڈالا اور مثل تیار کیا

اگر رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابعین اور اصحاب میں سے اچھے لوگ نہ بھی گزرے ہوتے تو صرف اس شاگرد کو دیکھ کر وہ تسکین ممکن تھی جو ہزاروں اونچے درجے کے

اچھے لوگوں سے ہو سکتی ۔ اسلام ہی نہیں، بلکہ ان کل مذاہب کے لئے جنہوں نے اچھے لوگوں کی یادداشت رکھ چھوڑی ہے یا جن میں مثالی لوگ پیدا ہوئے ہیں، یہ تنہا شخص کل فخر کرنے کو کافی ہوتا جس کی مثالیں آئیں گی ۔

وحی

علی علیہ السلام کا پالنے والا[1] ایک روز حسب عادت کوہ حرا کی ایک کھری چٹان پر لیٹا پہاڑی، خاموش منتظر، فضا عرب کے صاف اور نیلے آسمان، غرضیکہ فطرت کی کل چیزوں کو جن میں بجائے خود ایک عظمت ہے دیکھ رہا ہے ۔ اس کا صاف نفس ہر اچھائی اور آسمانی نعمتوں کے قبول کرنے کے لئے کھلا ہوا ہے اور خیالات پر صحیح گرفت سے تحکم کر رہا ہے ۔ دماغ ان بڑے مسائل پر غور کر رہا ہے جو تھوڑے ہی دنوں کے بعد ہدایت خلق کے لئے اس کی زبان سے جاری ہونے والے ہیں غیر واضح آرزوئیں ہیں کہ قوم اور خلق اچھی راہ پر لائی جائے کہ دفعتہً "اللہ کی طرف" سے اس پر ایک عالم طاری ہوتا ہے اور پہاڑ کی سنجیدہ خاموشی میں اسے ایک آواز معلوم ہوتی ہے کہ کوئی کہہ رہا ہے :-

"یا ایھا المدثر ۔ قم ۔ فانذر ۔ و ربک فکبر .... (اے وہ شخص جو اپنی چادر میں لپٹا ہوا ہے ۔ اٹھ اور تنبیہ کر اور اپنے پروردگار کی بزرگی ظاہر کر) اس نئی قسم کی صدا نے اضطراب پیدا کیا تھا لیکن ساتھ ہی اس دوسری آواز نے کہا کہ :-

"اضطراب دور کر اور بنی آدم کا فرض جو تجھ پر ہے ادا کر" تسکین دی (تنقید الکلام) صاحب حیات القلوب کے نزدیک پہلی آواز یہ تھی :-

"اقراء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق" (کہ نام سے اپنے پروردگار کے جس نے پیدا کیا ۔ پیدا کیا انسان کو خون بستہ سے)

اس گوشہ نشین پر اس مخاطبہ سے عظمت خداوندی کا رعب طاری ہوتا ہے، یہ اپنے اس عالم میں دیکھتا ہے کہ ہر ذرہ نے زبان پیدا کی ہے اس کے ہر رونگٹے سے جلال خداوندی ظاہر ہے اور پہاڑی سنگریزے، چٹان، پھیلے ہوئے میدان سے جھنجھناہٹ کی صدا ملتی ہے اور یہ کل چیزیں جلالت کے اظہار میں ایک آواز سے چلا رہی ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ناقابل رکاؤ نور کا سیلاب دنیا کے ہر مقام پر لہریں لے رہا ہے اور یہ موجیں اونچے سے اونچے پہاڑ اور دور سے دور افق تک لہرا رہی ہیں ۔

وحی کے بعد کا عالم

دنیا سے اپنے لئے دل برداشتہ، گوشہ نشین، حلیم، صاف باطن ۔ دوسروں کی مصیبت پر آنسو بہانے والا امین ہے اس عالم میں پہاڑ سے اترتا ہے کہ ہر درخت اور سنگریزہ "السلام علیک یا نبی اللہ" کہتا معلوم ہوتا ہے اپنی مونس اور دلسوز خدیجہ کے پاس پہنچے، زبان کے پہلے چہرہ مبارک کے آثار نے کچھ واقعہ خوانی کی ۔ فرمایا کہ سردی معلوم ہوتی ہے ۔ چادر لپیٹ کر لیٹے تھے کہ پھر وہی پہچانی ہوئی آواز کان میں آئی "یا ایھا المدثر" اٹھے اور کانوں میں انگلی ڈال کر اللہ اکبر فرمایا معلوم ہوا کہ کل چیزوں نے جواب میں اس فقرہ کا اعادہ کیا ۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ بعثت رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے اس روز رجب کے مہینے کی ۲۷ ویں تاریخ تھی ۔

---

[1] یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ ۔

ورقہ کے نزدیک اہلبیتؑ لائق پیغمبری تھے

رسولؐ سے کل حالات سن کر خدیجہؑ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو ایک ضعیف العمر عالم تھے اور ان سے جبرئیلؑ کا حال پوچھا، کہا کہ یہ ایک فرشتہ تھا جو انبیاء پر خدا کی طرف سے وحی لاتا تھا اور ساتھ ہی تعجب سے پوچھا کہ ایسے ملک میں جہاں خدا کی پرستش نہیں ہوتی تمہیں یہ نام کیسے معلوم ہوا۔ خدیجہؑ نے جواب دیا کہ محمدؐ ابن عبداللہ نے مجھ سے کہا ہے کہ ان پر جبرئیلؑ نازل ہوئے تھے۔ یہ سن کر ورقہ نے کہا۔ "میں لوگوں میں انؐ سے زیادہ کسی کو پیغمبری کے لائق نہیں پاتا۔"

الہام

وہ لوگ جو کسی طرح ایک ایسے موجود کے جسے فرشتہ کہتے ہیں قائل نہیں ہو سکتے اور انسان اور خدا کے درمیان میں کسی تیسری چیز کو پیغامبر کی شکل میں قبول کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے الہام کی وہ شکل جسے مکاشفۂ روحانی کہتے ہیں اور جو خود اسلام میں منجملہ اقسام وحی کے ایک قسم سمجھی گئی ہے، غالباً قابل عذر نہ ہوگی۔ علی علیہ السّلام نے اسے سامعۂ باطنی کہا ہے۔ یہ کتاب اس کے لئے موزوں نہیں ہے کہ خود الہام سے بحث اور منکرین الہام کے خیال پر نظر ڈالی جائے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنکھ کان بند کر لینا اور پھر نہ دیکھنے اور نہ سننے کا عذر کرنا قابل سماعت نہیں ہے۔ ہم قوت نفس کو جاننا نہیں چاہتے۔ جاننے کی کوشش نہیں کرتے اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر بالغ جو شباب کے سرور سے واقف ہے وہ ایک ایسے بچہ کے انکار پر ہنسے گا جو اس سن کی حد تک نہیں پہنچا ہے اور اپنے میں وہ عالم نہ پا کر جو وہ کسی جوان سے سنتا ہے انکار کرتا ہے یا اس کے ناممکن کہنے کو وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھے گا۔ دوسرے یہ کہ خود انسانی تجربہ اس کی نفی نہیں کرتا جن میں بعض اوقات اس کی قلبی کیفیت ایک ہونے والی بات کا پتہ دیتی ہے یا جس میں بلا کسی پیشتر کے خیال کے انسان ایک تعبیر خیز خواب دیکھتا ہے اور وہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا خواب میں دیکھا تھا۔ یہ انسان کے نفس یا دماغ کی مخفی قوتوں کے اشارے ہیں جو اس وقت بھی لہریں لے جاتے ہیں۔ جس وقت ہم نے سچ مچ اس کی پوری نمود کی کوشش نہیں کی تھی

معیار نبوّت

تربیت نفس اور تزکیہ خیال آسان امر بھی نہیں ہے اگرچہ ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی نبی کو نبی سمجھنے کے لئے اعلان نبوّت کے قبل اور بعد کے عادات، اطوار، انداز اور اخلاق پر نظر ڈالنا ہیر" سمجھنے، چاہنے والے "کا فرض ہوگا۔ نفس پر اس کے افعال کے اثر اور وجوہات اثر پر غور کرنا ہوگا۔ ورنہ آسان ہے کہ ہر چلّانے والا نبی سمجھ لیا جائے گیا

یا مصلح کہا جائے۔

علیؑ کا دسواں برس علی علیہ السلام کے دسویں برس نے دنیا کے اعتقادات میں تغیر ڈالنے والا ایک بڑا دن دیکھا۔ جس میں ان کے استادِ کو سرکاری طور سے نبوّت کے عہدہ کے اعلان کا حکم ہوا۔ اب وہ زمانہ دور نہ تھا کہ ملحد عرب جو انسانی زندگی کو مرنے کے بعد ختم ہو جانا تصوّر کرتا تھا۔ زندگی بعد الموت کو قوت کے ساتھ سنتا اور یہ سمجھا یا جاتا کہ اس کے جسم کی فنا روح کی فنا نہیں ہے وہ سزا و جزا کا قائل نہ تھا اور یہ ایک بڑا سبب تھا جس نے اسے برے افعال سے باز نہ رکھا تھا اسے نہ نیک کام سے امید تھی اور نہ برے کام سے بجز خاص حالتوں کے جس میں اسے سوسائٹی کا خوف تھا نہ کوئی احتراز تھا یہ کہا جاسکتا ہے کہ نیکی کسی امید سے کرنا اور بدی سے کسی خوف کی وجہ سے پرہیز کرنا کوئی قابل تعریف امر نہیں ہے۔ سچ ہے ہم قبول کرتے ہیں کہ یہ کوئی بہت قابل تعریف درجہ نہیں ہے۔ لیکن اس اقرار کے ساتھ ہم بغیر کہے نہیں رہ سکتے کہ کوئی چیز اس قدر جلد بن نہیں جاتی۔ جس قدر جلد بگڑ سکتی ہے۔ اسی طرح انسان مثالی انسان ایک دن میں نہیں بن سکتا بلکہ وہ بھی قانون ارتقا کا پابند ہے اگرچہ کوئی شخص ایک ہی وقت میں بہت سی برائیوں کا مرتکب ہو سکتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ فوری یا بتدریج خباثتوں کی طرف مائل ہونے سے بچانے کے لئے بڑا خوف دلایا جائے یا اچھائی کا راستہ دکھانے اور اس پر عمل کرانے کے لئے کچھ لالچ دیئے جائیں جس کے بعد فطرت اپنا عمل کرے گی۔ یعنی جو شخص عمل تقویٰ کسی امید یا کسی خوف سے کرتا رہا ہے جب اسے عادت ہو جائے گی تو اس کا نفس خود بری باتوں سے کراہت کرے گا اور اسے کسی امید یا خوف کی ضرورت نہ رہے گی۔ یہ عملاً بہت مفید طریقہ ہے۔

محمدؐ عربی نے نظریات سے زیادہ عمل پر زور دیا محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور طریقۂ تعلیم پر غور کرنے والا سمجھے گا کہ انہوں نے کس طرح بمدارج بڑے بڑے اصول کو سہل ترین طریقے سے سمجھایا۔ سب سے زیادہ قوت (زور) جس پر دیتے تھے وہ توحید تھی جس کا سوال سب سے پہلے کیا جاتا تھا اور اس کے بعد تھوڑی تھوڑی باتوں کا عہد لیا جاتا تھا۔ مثل اس کے کہ چوری، زنا محصنہ یا غیر محصنہ، نئے پیدا بچوں کو قتل، غیبت، بدگوئی اور ان چیزوں پر تصرف نہ کرو جو تمہاری نہیں ہیں۔ خدا عالم اور قادر ہے اور اپنے بندوں سے غیر مشروط عبادت چاہتا ہے ان کی تعلیم میں بھی خصوصیت سے دیکھنے کی بات ہے کہ انہوں نے کہاوتوں کا ذخیرہ اس قدر جمع نہیں کر دیا جس قدر عمل پر زور دیا۔ جس سے عامل کو خود فائدہ ہو اور دوسرے کو فائدہ پہنچا سکے۔

جنت اور دوزخ کے مدارج اور اثر سزا اور جزا کی شکل بہشت اور دوزخ کی صورت میں اس طرح کھینچی کہ ہر بھلے کام پر دل آرام حوروں کی غارت گر ہوش صورتیں مسکراتیں اور اشارہ کرتی ہوئی معلوم دیں۔ بہشت کی صاف اور لطیف نہریں لہرا رہی ہوں اور نغمہ سنج طیور کے دلکش ترانے وجد

میں لاتے ہوں۔ اگر عذاب خدا کا خوف دلایا ہے تو اس طرح کہ آنکھوں کے سامنے دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ لپکتے ہوئے شعلے اور ناممکن القیاس اذیتیں اس کے جسم میں رعشہ ڈال دیں اور سننے والا استغفار کر اٹھے۔ اگر سننے والا اس سے نتھرے ہوئے خیال کا ہو تو اپنی کتاب سے پرجوش الفاظ اور عبارتوں میں راحت جاوید اور روحانی مسرتوں کا ایسا تذکرہ سنائے جس کے خیال میں غیر مادی لطف آئے۔ جہاں ہمیشہ ہمیشہ کی آسائش ہے۔ وہاں کے آرام کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ وہاں کے لطف نہ کوئی شاعر اپنی بلند پروازی اور دلخوش کن الفاظ میں بیان کر سکتا ہے اور نہ کوئی خیال وہاں کے اطمینان کا اندازہ کر سکتا ہے اور اسی طرح دوزخ کو عذاب الیم ناقابل برداشت تکلیفوں کا عالم بتایا۔

مادی جنت کی ضرورت

ہر شخص سزا اور جزا کے فلسفیانہ خیال کو محسوس اور اندازہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کتنے آدمی ہیں جو روح پر مادے کے مدار کو سمجھتے ہیں؟ حالانکہ ننانوے فیصدی وہ ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ ہمارے اعضائے جسمانی اور انہیں کا راحت و آرام یا تکلیف سب کچھ ہے۔ اس کے لئے بظاہر ایک انگلی اور کٹ جانے کا خوف زیادہ ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ اسے ایک بڑے روحانی صدمہ کا اندازہ کرایا جائے اور سمجھانے میں اس کے ناتربیت یافتہ دماغ اور غیر ترقی یافتہ عقل کی نذر بہت سا مفید وقت کرنا ہوگا اور پھر بھی کوئی اچھا نتیجہ نکلنا موہوم رہے گا۔

سنگدل اور صحرائی عرب کا جو خیالات فاسدہ اور اعمال قبیحہ میں آلودہ ہو رہا تھا۔ انسانیت کے اعلیٰ درجہ پر لانا اور انہیں باریک مسائل کا سمجھانا آسان کام نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی باتیں مادی شکل میں دکھائی گئی ہیں۔ جہاں استعارے سے مفر نہیں ہے۔ یہ اصول ہادیٔ عرب ہی کا نہ تھا جس پر الزام کی گنجائش ہو بلکہ ان کے پیشتر کے مذاہب نے بھی اس سے بڑھ کر مادی دلچسپیاں دکھائی تھیں اور اس کی پرجوش کوشش کی تھی کہ خیالات عمل کی مادی شکل میں جاری ہو جائیں۔

اسلام کے امید و بیم پر بلا ان مدارج پر نظر ڈالے ہوئے اگر کوئی صرف اعتراض اور الزام دہی پر آمادہ ہے تو ہم اس کی تسکین کے لئے اپنے ہیرو کا وہ لاجواب فقرہ پیش کریں گے جس کی مثال کا مذاہب عالم کو کم فخر ہوگا اور اس جیسی بے غرضی اور فرض کو فرض سمجھ کر کرنے کا پُرقوت خیال جو مؤید باعمل تھا مشکل سے ملے گا۔ جو اسلام کے بظاہر اسی قابل الزام طریقۂ تعلیم کا نتیجہ تھا اور وہ فقرہ یہ ہے۔ مَا عَبَدْتُكَ خَوْفًا مِنْ نَارِكَ وَلَا طَمَعًا مِنْ جَنَّتِكَ لٰكِنْ وَجَدْتُكَ اَهْلًا لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ: (میں نے تیری عبادت جہنم کے خوف یا بہشت کے لالچ سے نہیں کی بلکہ تجھے عبادت کے لائق پایا پس عبادت کی) غالباً یہ ہیوم یا ہیوم کے چیلوں کی توجہ کے قابل ہے۔

محمد عربی کا اثر

یہ ہادیٔ دنیا کو سقراط کا فلسفہ سمجھانے نہ آیا تھا اور نہ کوئی ایسی بات کہنے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ جسے لوگ نہ جانتے ہوں بلکہ دماغ اور اس کے خیالات کو سیدھا راستہ بتانے اور عمل کرانے آیا تھا۔

جیسا ہزار سقراط کے فلسفہ سے ممکن نہ تھا۔ وہ باتیں یاد دلانے آیا تھا جو ایک دفن کئے ہوئے خزانہ کی طرح پڑی تھیں۔ اسی کے الفاظ میں یہ قوت تھی کہ خونی اور فولادی دل والے صحرانشین سادگی، نرمی اور سچائی میں ڈوبے ہوئے فقرے سن کر بھولے بچے کی طرح رو دیتے تھے۔ اس کی قوتِ نفس تھی کہ اس کے قتل کا ارادہ کرنے والے کریم النفس کی مافوق العادت شان دیکھ کر غلام بن جاتے تھے۔ دیکھو کہ وہی قوم جو بقول سر ولیم میور کے "روحانیت کے اعتبار سے خدا جانے کس قدر مدت سے بے حس پڑی تھی" اس میں کیسے کیسے لوگ پیدا کر دیئے۔ اُن کی عادتوں پر کیسا کیسا اثر پڑا اور تھوڑے دنوں میں اس بے سر و سامان نبیؐ کی آواز کس طرح پہاڑ، دریا اور ریگستانوں میں عظمت کے ساتھ گونجنے لگی۔ عربوں کی طبیعت کا پھیر دینا جو خانہ جنگیوں سے ایک دوسرے کو نیست و نابود کر دینے کی گویا قسم کھا چکے تھے! ان میں اخوت کا پیدا کر دینا تربیت جماعت کا ایک ایسا معجزہ تھا جو محمدؐ ابن عبداللہ کے لئے مخصوص تھا۔ وہی عرب اس کے انسانیت وحدانیت، تسویۂ حقوق، اخوت اور تہذیب سکھانے والے کے نیچے کھڑے تھے اور ایام جاہلیت کے سب سے خونی دشمن کے بال بیکا ہونے پر سر دینے کے لئے تیار تھے اور اس سے بجز خوشنودی خدا کے اور کچھ نہیں چاہتے تھے۔ بدوی اور صحرائی عرب کی زبان پر وجدانی حالت میں "لا الٰہ الا اللہ" کا مختصر لیکن خدائے برحق کی یکتائی کا قائم اور اقرار کرنے والا جملہ جاری ہو گیا اور جزیرہ نمائے عرب کو پھاند کر ان قوموں کا بھی زمانہ کے ساتھ ہادی ہو گیا جو اس اصول کے لئے بھٹکتی پھرتی تھیں۔ ہمارے لئے یہ کم خوشی کی بات نہیں ہے کہ ہندو مؤرخین مثل ہر پرشاد شاستری وغیرہ کے۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے اثر کو ہندوؤں کا زمانہ اصلاح توحید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور قائلین تثلیث مشکل سے بغیر بڑے خدا کا اقرار کئے گریز کر سکتے ہیں۔ بلکہ مسیح ابن مریمؑ کو درمیانی آدمی کہنے لگے ہیں جس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

علی علیہ السلام کی سوانح عمری اور رسولؐ کے ذکر کی وجہ

یہ تھا علی علیہ السلام کا استاد جس کے حالات لکھنے کے لئے دفتر چاہئیں اور جسے ہمارے ہم قوم اور نصاریٰ مؤرخین نے قابلیت سے لکھا ہے۔ چونکہ ہمیں یہ دکھلانا ہو گا کہ شاگرد پر اس کا کیا اثر پڑا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ رواداری میں بعض خاص حالتوں کا تذکرہ کیا جائے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کا بلا علی علیہ السلام کے تذکرہ کے پانا یا علی علیہ السلام کے اس زمانہ کے واقعات کو بغیر شراکت رسولؐ تلاش کرنا سعی بے حاصل ہے۔ مسبب الاسباب کو اس ایک دوسرے کے قریبی تعلقات سے خلق کا کچھ کام لینا تھا کہ ایک حکم دے اور دوسرا بجا لائے۔ ایک اگر حکم دینے کے لئے تیار کیا گیا تھا تو دوسرا اس حکم دینے والے کی ماتحتی میں بجا لانے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

گیارہ برس کی عمر سے سولہویں برس تک

اس نبیؐ پر ایمان لانے والا پہلا مرد وہی شاگرد تھا جسے استادؐ نے گودیوں میں پالا تھا۔ یہ قیاس کر کے کہ علی علیہ السلام اپنی پیدائش کے

زمانہ سے ایک ایسے وجود کے زیر اثر تھے جو ہمیشہ اپنے عزیز اوقات، قدرت کے تماشے اور علت و العلل کے دریافت کرنے اور سمجھنے میں صرف کر رہا تھا۔ یا جو علی علیہ السلام کی ولادت کے پیشتر موحد تھا۔ تو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس نوخیز نے کبھی

علیؑ نے کیوں بت پرستی نہ کی

بت کے آگے گردن نہ جھکائی ہو گی۔ ایسا مہربان پالنے والا ساتھ ہی اس خیال کا آدمی جس قدر درستی عقیدت کا حامی ہو گا وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ خود علی علیہ السلام کا قول جو ہمیں روضۃ الشہداء سے ملا ہے کہ "میں نے سوائے خدائے واحد کے کسی کی پرستش نہیں کی" اس خیال کا مؤید ہے نیز صاحب مناقب مرتضوی حکایات ناصری کا حوالہ دے کر لکھتا ہے کہ "کرم اللہ وجہہ" کا خطاب اس لئے دیا گیا کہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا

ابو طالب نے فرزند کو نماز پڑھتے دیکھا

ایک روز استادؐ اور شاگردؑ ایک گوشہ میں اس مخصوص طریقہ سے عبادت خدا بجالا رہے تھے جو انہیں بتا دیا گیا تھا کہ دفعتہً ابو طالب پہنچ گئے اور دیکھا کہ بھتیجے کے ساتھ ان کا فرزند بھی ایک ایسے فعل میں مصروف ہے جس سے محویت عجز اور حمد خدا تو ظاہر ہے لیکن چونکہ طریقہ عبادت نیا تھا کچھ ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ کمسن پیدائشی موحد پر اپنے باپ کی موجودگی سے کوئی اثر نہ ہوا بوڑھے بہادر نے جو اپنے بھتیجے کی قابلیتوں کو خوب سمجھتا تھا باوجود اس خیال کے کہ مشرکین عرب اس انوکھی عبادت سے متوحش نہ ہوں، کوئی دخل نہیں دیا بلکہ ہر وقت مدد کے لئے تیار رہا۔

باپ اور بیٹا

پہلی مرتبہ اپنے فرزند کو نماز پڑھتے ہوئے جب دیکھا۔ تو حضرت ابو طالب نے پوچھا:۔
"تیرا کیا مذہب ہے؟" علی علیہ السلام نے جواب دیا۔

"میں ایمان لایا خدا اور اس کے پیغمبرؐ پر اور میں اسی کا پیرو ہوں"!

"اے فرزند اسی کی اطاعت کر کہ وہ تجھے نیکی کی طرف ہدایت کرے گا" (تنقید الکلام)

یہ سمجھنے کے لئے کہ حضرت ابو طالب موحد تھے دیکھو "اسنی المطالب فی نجات ابو طالب"

اسی طرح خفیہ عبادت کے وقت میں زمانہ گزرتا گیا اور اس ہونہار کی روحانی تعلیم کے ساتھ جسمانی قوت

دعوت ذو العشیرہ

میں بھی ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ رسولؐ کو "انذر عشیرتک الاقربین" کا حکم پہنچا۔ رسولؐ نے فرزندان عبدالمطلب کو شعب ابو طالب میں بلانے، نیز کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ لوگ جمع ہوئے اور جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو رسولؐ نے فرمانا شروع کیا۔

"اے فرزندان عبدالمطلب مجھے یہ گمان نہیں ہے کہ عرب میں کوئی تمہارے لئے اس سے بہتر چیز لایا ہو گا جو میں لایا

ہوں ۔ میں تمھارے لئے دین اور آخرت کی بھلائیاں لایا ہوں ۔ اس کا جواب دو ۔ اگر میں تم سے کہوں کہ دشمن صبح یا شام کو تمھارے سر پر آیا چاہتا ہے تو تم میری بات کا یقین کرو گے یا نہیں ‘‘ ؟

سب نے جواب دیا :-

’’ بیشک ۔ ہم آپ کو سچا جانتے ہیں ۔ ——————— فرمایا :-

سنو ! کسی کا خیر خواہ اس سے جھوٹ نہیں کہتا ۔ مجھے خدا نے تمام عالم پر نبی ؐ بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ سب سے پہلے میں اپنے عزیزوں اور قرابت داروں کو آخرت کے عذاب سے ڈراؤں ۔

وصی و خلیفہ

’’ جانو ، اے فرزندان عبد المطلب کہ خدا نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ کسی کو اس کے قرابت داروں میں سے اس کا وصی اور وارث مقرر کیا ۔ پس تم میں سے جو کوئی سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے گا وہ میری اُمت میں میرا بھائی ، وزیر ، وصی اور خلیفہ ہوگا ۔ مجھ میں اور اس میں موسیٰؑ اور ہارونؑ کی نسبت ہوگی ۔ جو کوئی میری بیعت اور دشمنوں کے مقابلے میں نصرت کرے گا ۔ اسے میں وصی اور خلیفہ بناؤں گا کہ میری جانب سے تبلیغ رسالت کرے اور بعد میرے میرے فرض کو ادا کرے اور میرے وعدہ کو عمل میں لائے ۔ ‘‘ (حیات القلوب)

’’ جو شخص میرے کار ہدایت میں مدد دے گا وہ میرا خلیفہ اور وصی ہوگا ‘‘ (ابوالفدا)

رسول ؐ کی تقریر اور اس کی وجہ

ضعیف العمر ، دنیا کے تجربے اٹھائے ہوئے شریف قوم عرب جو مشکل سے مشکل کام اور خونی سے خونی جنگ کے لئے اس امینؐ اور نیک نفس عزیز کے لئے مستعد ہو جاتی ۔ جوان جو اس کے اشارہ پر خارا شگاف تلواریں دشمن پر چلاتے اس سوال پر دم بخود رہ گئے ۔ کم سے کم چالیس اور زیادہ سے زیادہ اسی آدمیوں کے اس مجمع میں غیر معمولی سناٹا چھا گیا ۔ غالباً بہتیروں کے سامنے بڑے بڑے بتوں کی محبت اور واہمہ جو لامعلوم زمانہ سے ان کی قوم ، خاندان اور قبائل کا جزو عادت ہو گیا تھا ۔ سامنے کھڑا ہو گیا ہوگا اور اپنی مہیب خیالی شکل سے دھمکا رہا ہوگا ، وہ ایک وضعداری کو جسے وہ بعض اوقات کیسی ہی رکیک کیوں نہ سمجھتے ہوں ۔ دفعتہً ترک اور ایک نئی بات کا اختیار کرنا غیر معمولی قربانی سمجھتے ہوں گے ۔ کار آزمودہ دل ہر قسم کی سختیوں کے لئے آمادہ ہو جاتے ۔ لیکن وہ بڑا کام جس کے لئے یہ نیا رسول ؐ بلا رہا تھا ، ملک کے ایک جمے ہوئے عقیدہ کے خلاف کوشش تھی اور دنیا کے خیال میں کایا پلٹ کرنا تھا ۔ آسان کام نہ تھا ۔ جس کی مشکلات کے مقابلہ کے لئے کسی نے اپنے دل میں قوت نہ پائی ۔

کیا عجب ہے کہ رسول ؐ کو کچھ دیر کے لئے خیال گزرا ہو کہ میرے عزیز و اقارب میں سے کوئی میری مدد نہ کرے گا اور یہ قصد کر لیا ہو کہ ہدایت کے لئے تنہا چست کمر باندھ لوں اور صرف اسی خدا پر بھروسہ کروں جس نے

ہدایت کا حکم دیا ہے۔

پالے ہوئے کا جواب پالنے والے کو

مگر نہیں رسول اللہؐ کی یہ فکر زیادہ دیر کے لئے نہ تھی۔ دیکھئے عربوں کے مجمع میں سے ایک پختہ رنگ، میانہ قد، بڑی آنکھ والا نوجوان جس کی پیشانی پر کم کم بال ہیں۔ بقول مسٹر گبن کے "اس حیرت وشک اور حقارت آمیز خاموشی کو برداشت نہ کر سکا"، اور اپنے مضبوط پیروں سے کھڑا ہوگیا۔ رسولؐ کی نگاہیں اور کان جن میں امداد غیبی کی صدا گونج رہی ہوگی۔ اس ابھرتے ہوئے سولہ برس کے نوجوان کی طرف پیار سے اٹھیں۔ جس پر مجلس کا کوئی رعب طاری نہیں ہوتا اور صاف الفاظ میں بڑے جوش سے کہتا ہے:

"جس شرط سے آپ حکم دیں میں بیعت کرتا ہوں" (حیات القلوب)

"یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں آپؐ کے دشمنوں کو نیزے سے جواب دوں گا اور ان کی آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا۔"

(ابو الفدا) ڈیکلائن اینڈ فال)

ابھی کمسن تھا کہ اس نے نبیؐ کے کام میں شرکت ظاہر کر کے شہرت حاصل کی جس نے اس کے عوض میں اپنا ولی عہد بنایا اور (بیٹی دی دانسائیکلو پیڈیا) رسولؐ کے متصور چہرے پر خوشی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ پیار سے پشت پر ہاتھ پھیر کر کہتے ہیں "ٹھہرو شاید تم سے زیادہ عمر والے کھڑے ہوں" (حیات القلوب) مگر تین مرتبہ یہی نوجوان کھڑا ہوتا ہے اور آخر میں رسولؐ فرماتے ہیں۔ "ایھا الناس! یہ میرا وصی اور خلیفہ ہے۔"

بنو عبد المطلب یہ گفتگو (رسولؐ کی) سن کر چپ بیٹھے رہے لیکن علی علیہ السلام آگے بڑھے اور انہوں نے کہا:۔

"اے نبی اللہؐ! میں ان پر آپ کا وزیر ہوں گا"، نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کی گردن پکڑ کر اشارہ فرمایا:۔

"تمہاری جماعت میں یہ میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ ہے۔ اس کی بات مانو اور اس کی اطاعت واجب جانو"۔ (تمدن اسلام)

تم میں سے کون میرے بوجھ کے اٹھانے میں مدد دے گا؟ کون میرا وصی اور وزیر ہوگا؟ جس طرح ہارونؑ موسیٰؑ کے وصی تھے۔

مجمع حیرت سے گونگا ہوگیا اور کسی نے اس خطرناک کام کے وعدہ کو قبول کرنے کی جرأت نہ کی۔ یہاں تک کہ نوجوان اور بہادر علیؑ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مدد کروں گا یا رسول اللہ ان کے اوپر آپؐ کا وزیر ہوں گا۔ اس پر اس کریم النفس نوجوان کو بغلگیر اور سینہ سے لگا کر محمدؐ نے کہا۔ میرے بھائی اور وزیر کو دیکھ لو۔

(ڈیون پورٹ۔ اپالوجی ....)

وہ لوگ جواب تک قالب بے جان بنے ہوئے بیٹھے تھے اب تمسخر کے لئے آمادہ ہوئے اور ان میں سب سے زیادہ تیز طبیعت ابو طالب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "ابو طالب اپنے بیٹے کی باتیں سنو اور اس کی اطاعت کرو"، طامس کارلائل لکھتے ہیں:۔

..ر سب کے سب شبے اور خاموشی کے عالم میں نوجوان علی علیہ السّلام جو اس وقت تک سولہ برس کا لڑکا تھا اس خاموشی سے بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا اور سخت پر جوش الفاظ میں کہا ہم مدد کریں گے۔"

وہ مجمع جس میں علیؑ کا باپ ابوطالب بھی تھا۔ محمدؐ کا دشمن نہیں ہو سکتا تھا۔ تاہم سب لوگوں کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ آدمی اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کرنے کا منظر کہ وہ دونوں مل کر تمام دنیا کے خیالات کے برخلاف کوشش کریں گے ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی اور تمام مجمع قہقہہ لگا کر منتشر ہو گیا۔ مگر ثابت ہو گیا کہ یہ ہنسنے کے لائق بات نہ تھی بلکہ بہت گہری تھی یہ نوجوان علی علیہ السلام ایسا شخص تھا کہ کسی کو بجز اسے پسند کرنے کے مفر نہیں بجز پسند کرنے کے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔

ایک شریفانہ مزاج جیسا کہ وہ اپنے کو اس وقت اور اس کے بعد دکھاتا ہے۔ محبت سے بھرا ہوا، شجاعانہ شان والا، شیر کا سا بہادر تھا مگر باوجود اس کے اس میں ایسی نرمی، سچائی اور محبت تھی، جیسی ایک کرسچین نائٹ کے شایانِ شان ہے۔"

اگرچہ کارلائل نے کرسچین نائٹ کی مماثلت کے بعد "شایان" کا ایک وسیع لفظ کہہ دیا ہے لیکن ضرورت ہے کہ اسپرٹ آف اسلام سے سید امیر علی صاحب کا یہ فقرہ لکھا جائے۔

"مسٹر اولیسنر" کو "شولری" کا باپ کہتے ہیں لیکن علیؑ اس کی مثالی تصویر۔ مجسّم شجاعت و حمیت، رحمدل، پاک باطن اور عالم تھے۔ جن میں کوئی خوف یا شکایت نہ تھی۔ انہوں نے دنیا کو بہادرانہ عظمت کا سچّا اصول سکھایا۔"

علیؑ کی بدولت حرمت نسواں مسلمانوں اور یورپ میں

نیز اسی لائق مؤلف کی دوسری کتاب "تنقید الکلام" سے یہ عبارت نقل کی جاتی ہے۔ مغربی ممالک میں حضرت علی علیہ السلام اور ان کے صاحبزادوں نے کیسی عالی ہمتی ظاہر فرمائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حرمت نسواں کا ایک مکتوب قانون مسلمانوں میں علیحدہ مقرر ہو گیا۔ اذولیسنر (OELSNER) صاحب مؤرخ جرمن کا قول ہے کہ عزت و حمیت کا موجد عنتر ہوا۔ حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت ہمت، مروت، جود و سخا، علم و فضل، کریم النفسی، غیرت و حمیت، پاک طینتی تمام عالم میں ضرب المثل ہے۔ ان کا نفس جو مظہر اتم نفس رسولؐ کا تھا تمام عالم کے مسلمانوں پر سایہ فگن ہوا اور اس نفس قدسی کا فیض ہر زمانے میں جاری رہا۔ غزوات صلیبی جن کے باعث سے یورپ کی وحشی قوموں کو ایشیا کے ممالک اسلامیہ میں اسلام کی تہذیب و شائستگی سے قربت و اتصال حاصل ہوا اور اہل اسلام کی شوکت و جبروت و لطافت و نفاست دیکھ کر ان وحشیوں کی آنکھیں کھل گئیں....... اس کا باعث ہوئیں کہ یورپ میں عورتوں کے باب میں غیرت و حمیت پیدا ہوئی۔"

کفر سے متنفر لوگ

ایسی حالت میں جب کہ قبیلے کا قبیلہ اور قوم کی قوم ذلیل ترین توہمات میں آلودہ ہو رہی تھی۔ بعید نہیں کہ چند ایسے آزاد خیال بھی ہوں جن میں کسی وقت ان اعتقادات پر خفت ہوتی ہو اور جو اپنے

اس مختصر سے وقت میں جو بجلی کی طرح چمک کر غائب ہو گیا۔ اپنی گردنوں پر ان کمزور اعتقادی زنجیروں کی گرانی محسوس نہ کرتے ہوں لیکن چونکہ دماغ ان خیالات سے پُر تھے کہ وہ ایسے خفیف سے اشارے پر متنبہ نہ ہو سکتے تھے اور اس کا نفس جو اپنی قوتِ علویت سے ان مکروہات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ یونہی بلا توجہ اور اندازہ کے گزر جاتا تھا اور اس لئے ایک اچھے خیال کا کمزور تداخل بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں بھی کسی قدر قوت کے ساتھ دکھایا گیا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے پہلے بھی موحدین تھے۔ جنہیں حنیف کہتے ہیں۔ ہم اس سے بھی کسی قدر آگے بڑھنا چاہتے ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے غالباً کوئی وقت ایسا نہ گزرا ہو گا جس میں موحدین نہ ہوں اگرچہ اکا دکا کیوں نہ ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ بنی اسرائیل اور دین مسیحی نے باوجود قوت اور توحید کے عنصر کے کیا اثر ڈالا تھا کہ دس یا پانچ غریب حنیف سے کوئی امید کی جاتی۔ جنہوں نے رہبانیت اختیار کی تھی اور گویا اس امر کا اعلان کر دیا تھا کہ "ہمارے پاس آنے کی اجازت نہیں ہے"

ہادیؑ کی پیشگوئی یا ضرورت کا احساس

ایسی حالت میں جو شب تاریک کی طرح جزیرہ نمائے عرب پر چھائی ہوئی تھی۔ یہ پیشین گوئی کی جا سکتی تھی کہ ایک ہادیؑ پیدا ہوا چاہتا ہے یا اس سے غالباً کوئی انکار نہ کرے گا کہ پیدا ہونے کی ضرورت تھی۔ وہ کوئی کیوں نہ ہوتا۔ مسلمانوں کی تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اکثر وہ لوگ جو کشمکش اور تعلقات دنیاوی سے کنارہ کشی اختیار کر کے گوشۂ عافیت میں بیٹھے تھے اور ان اعتقادات اور عادات کی صدائیں ان کے کانوں تک پہنچی تھیں۔ گو وہ خود کسی طریقے سے عبادت کیوں نہ کرتے ہوں اور ان کے خیال خدا کے متعلق کیسے ہی نامکمل اور غبار آلود کیوں نہ ہوں۔ اکثر یہ خبریں دیا کرتے تھے کہ ان کی کتب مقدسہ یہ بتا رہی ہیں کہ ایک نبیؐ پیدا ہونے والا ہے

بجز محمدؐ عربیؐ کے کسی دوسرے نے جرأت نہ کی

بجز محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی کا نام نہیں جانتے جس نے ایک وسیع خطۂ ارضی اور مخلوقات الٰہی پر رحم کیا ہو اور اپنی بے سروسامانی میں بلا کسی منفعت ذاتی بلا خواہش منصب کے کسی کو یہ جرأت ہوئی ہو۔ یہی اس وقت کے آدمی تھے جو لا الٰہ الا اللہ کہلوانے کھڑے ہو گئے اور فروعات میں وہ باتیں پیش کیں، جس سے مخلوقات الٰہی با امن و آسائش بسر کر سکے۔ عبد اور معبود کا صحیح رشتہ قائم ہو۔ عبد اور عبد کے تعلقات واضح ہو جائیں اور عبد "خود" کے فرائض کو سمجھ کر "لا تفسدوا فی الارض" کا پابند ہو جائے کارلائل کی یہ چند سطریں توجہ کے قابل ہیں جو ہم اعجاز التنزیل سے نقل کرتے ہیں۔

"محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ ہرگز خیال نہیں کر سکتے کہ وہ صرف ایک شعبدہ باز اور تہی باطن شخص تھے اور نہ ہم ان کو ایک حقیر، جاہ طلب اور دیدہ دانستہ منصوبے گانٹھنے والا کہہ سکتے ہیں۔ جو سخت و کرخت پیغام اس نے دیا بہرحال وہ ایک سچا اور حقیقی پیغام تھا۔ اگرچہ وہ ایک غیر مرتب کلام تھا مگر اس کا مخرج وہی ہستی ہے۔ جس کی تھاہ کسی نے نہیں پائی۔ اس شخص کے

نہ اقوال ہی جھوٹے تھے اور نہ اعمال اور نہ خالی از صداقت نہ کسی کی نقل و تقلید تھی۔ حیات ابدی کا ایک نورانی وجود تھا جو قدرت کے وسیع سینے سے دنیا کو منور کرنے نکلا تھا اور بے شبہ اس کے لئے امر ربانی یونہی تھا،،

خیر البشر

فرائض و حقوق عباد کو خواہ شخصی ہوں یا نوعی اس حذاقت سے مقرر فرمایا جس سے ثابت ہو گیا کہ ان کی عقل اکمل عقول تھی اور نہ صرف اپنے زمانہ میں آپ خیر البشر تھے جیسا سر ولیم میور صاحب نے تسلیم کیا ہے بلکہ سب زمانوں میں تھے،، (تنقید......) اس کا ذکر کرتے ہوئے کہ فلاسفۂ یونان کنہ ذات باری اور حقیقت انسان سمجھنے میں دونوں کو چھوڑ بیٹھے مارس صاحب کا حسب ذیل قول تنقید الکلام سے نقل کیا جاتا ہے۔

" کوئی چیز عیسائیان روم کو اس ضلالت و غوایت کے خندق سے نہیں نکال سکتی تھی جس میں وہ گر پڑے تھے۔ بجز اس آواز کے جو سرزمین عرب میں غار حرا سے آئی۔ اس آواز نے اعلاء کلمۃ الحق دنیا میں کیا جس سے یونانی انکار کرتے جاتے تھے اور اعلاء کلمۃ اللہ اس پیرایہ میں کیا۔ جس سے بہتر ممکن نہ تھا۔،،

بیشک کچھ لوگ تھے جو اپنے عقائد اور ملک کی ناگوار فضا سے متنفر تھے۔ لیکن خود ان کا دماغ اور خیال ایسا تربیت یافتہ اور ترقی خیز قوتوں میں اس طرح بسر کیا ہوا نہ تھا جس سے وہ کوئی دلپسند نمود کی جرأت کر سکتے۔ اور جب ہادی ص کی بے لگاؤ اور صاف آواز نے انہیں پکارا تو وہ اپنے ملک اور قوم اور جز و عادت عقیدہ سے پیچھا چھڑا کر اس کے پیرو ہو گئے۔

کفار رسول ص کو ان کے ارادہ سے پھیرنا چاہتے ہیں

زمانہ گزرتا گیا کچھ لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور اس کے ساتھ ہی جس قدر دین میں ترقی ہوئی اسی قدر دشمنوں کی تعداد میں ظاہرا" اضافہ ہوا۔ کفار قریش نے وفد بھیجے خزانہ، حسین عورت اور افسری کا لالچ دیا کہ ہادی ص اپنے دین کی تبلیغ نہ کرے لیکن رسول ص ان سب چیزوں کو حقارت سے رد کرتا ہے اور اس وقت بھی انہیں صرف خدا کی اطاعت اور اپنی رسالت کے اقرار کی دعوت دیتا ہے۔ کفار جسمانی تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ برا بھلا کہتے ہیں۔ پتھر مارتے ہیں خدا کا پیغامبر ص ہر تکلیف پر شکر کرتا ہے اور ان سے بجائے اپنی جسمانی تکلیفوں کی شکایت کے خدا کی راہ پر آنے کی استدعا کرتا ہے۔ ماں باپ کے سکھائے ہوئے لڑکے ہاتھوں میں سنگریزے لیے ہوئے نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر پھینکتے ہیں۔ صابر "خود" کی تکلیفوں کو دوسرے کی ہدایت کے جوش میں بھول گیا ہے۔ راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں۔ لیکن نبی ص تکلیف دینے والوں کو خدا کی راہ پر آنے کے لئے پکارتا ہے۔

علیؑ کا خطاب قصم

صاحب ماتم کدہ جنگ احد کا ذکر کرتے ہوئے طلحہ ابن ابی طلحہ کو علی ع کے مقابل لاتا ہے اور وہ سامنے پہنچ کر کہتا ہے۔ " پہچانا میں نے تجھے اے قصم،، علی ابن ابراہیم امام جعفر صادق ع سے

روایت کرتا ہے کہ طلحہ نے اس لئے علیؑ کو قصم کہا کہ جب علیؑ کو طفلان قریش کی ایذا رسانی معلوم ہوئی تو آپ نے رسولؐ سے خواہش ظاہر کی کہ جب آپ گھر کے باہر تشریف لے جایا کریں تو ہمیں بھی ساتھ لے لیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ نے یہ درخواست منظور فرمائی۔ ایک روز رسولؐ اللہ صلعم کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ علیؑ ابن ابی طالب بھی ساتھ تھے کہ لڑکے موافق معمول سنگ انگنی کرنے لگے۔ علی علیہ السلام نے دو ایک کو زمین پر لٹا دیا۔ لڑکے روتے اور یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ "قصمنا علی" (علی نے ہمیں زخمی کیا) اس روز سے علی کا نام قصم ہو گیا۔ صاحب حیات القلوب نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

سوق عکاظ ہو یا ذوالمجاز کا میلہ ہر جگہ ہادیؑ عالم مع اپنے جوشِ ہدایت کے موجود تھے۔ ایک مرتبہ کوہ صفا پر زمانۂ حج میں تشریف لے گئے اور اپنی رسالتؐ اور دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ لوگ جمع ہو گئے اور دھمکی کی صورت اختیار کی رسولؐ کوہ مروہ پر تشریف لے گئے مگر مشرکین کا محاصرہ کرنے والا گروہ زیادہ ہوتا گیا اور اسی موقع پر پتھر سے روئے مبارک زخمی بھی ہوا۔ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کوہ ابوقبیس پر تشریف لے گئے مگر یہاں بھی دشمنوں سے مفر نہ تھی۔ کفار سنگ انگنی کرنے لگے۔ یہ خبر خدیجہ اور علی علیہما السلام کو ہوئی۔ یہ لوگ بیتابانہ دوڑے اور رسولؐ اللہ کو گھرا ہوا دیکھ کر چشم پرآب ہو گئے۔ شام ہو گئی اور تاریکی شب میں رسولؐ اللہ گھر تشریف لائے۔

علیؑ سپر بنے ہوئے تھے

جب مشرکین کو علم ہوا تو انہوں نے گھر کا محاصرہ کر دیا اور یہاں بھی پتھر برسانا شروع کیے علی علیہ السلام اور خدیجہ رضہ سپر بنی ہوئی تھیں۔ اور زخمی ہونے کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ آخر انہیں مخاطب کر کے رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا۔ "اے قریش تمہیں شرم نہیں آتی کہ نجیب ترین عورت کے گھر پر پتھر پھینک رہے ہو" اس پر مشرکین کو شرم آئی اور وہ سب واپس گئے۔

رحمۃ للعالمینؐ

بعض اصحاب نے کفار کے تعدی اور ظلم کی شکایت کی۔ حضرت شکایت پر ناخوش ہوئے اور فرمایا:۔ "میں بد دعا دینے اور عذاب نازل کرانے نہیں آیا ہوں بلکہ میں اہل عالم کے لئے رحمت ہوں۔ میری قوم نادانی سے ایسا کرتی ہے۔"

شعب ابوطالب اور علی علیہ السلام کی خدمت

بعثت کو چھ برس گزرے تھے کہ مشرکین قریش کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں اور حضرت ابوطالب کو اپنے بھتیجے کی عزیز جان کا اس قدر خطرہ ہوا کہ شعب ابوطالب میں پوشیدہ کیا۔ محافظ صرف دروں کی محافظت پر اپنا فرض تمام نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ تھوڑے وقفہ کے بعد رسولؐ کو اس جگہ سے جہاں وہ کچھ دیر سے ٹھہرے تھے، ہٹا کر اپنے فرزند علیؑ کو وہاں چھوڑ دیتا تھا اور رسولؐ کے لئے ایک نئی محفوظ جگہ تجویز کرتا تھا کہ اگر مشرکین پہلی جگہ کی خبر پا کر وہاں پہنچ بھی جائیں تو بھتیجا محفوظ رہے اور بیٹا قربان

ہو جائے (حیات القلوب) کم وبیش دو برس[1] تک بنی ہاشم محصور رہے لیکن نہ ان سختیوں نے رسولؐ کو اپنے فرض سے باز رکھا اور نہ بنی ہاشم کے گروہ نے رسولؐ کی حفاظت سے ہمت ہاری۔ آخر مشرکین نے محاصرہ اٹھالیا اور رسول اللہؐ نے پھر لوگوں کو دعوت دیدی

۵ سنہ بعثت ہجرت حبشہ

اس درمیان میں رسولؐ کو اپنی مختصر جماعت کے نیست ونابود ہونے کا اندیشہ ہوا اور لوگوں کو جعفر ابن ابی طالب کی ماتحتی میں حبشہ روانہ کیا۔ نجاشی بادشاہ حبش سے اس مشہور باپ کے بیٹے نے نئے دین کے متعلق جن ولولہ خیز لفظوں میں تعریف کی وہ اس نئے دین کی خوبیوں کا خلاصہ تھا اور ہادیٔ عالم کے بینظیر اثر کا بہترین ثبوت تھا۔

یہ زمانہ رسولؐ اور اصحاب رسولؐ پر کیسا گزر رہا تھا۔ اس کے متعلق سر ولیم میور کی یہ عبارت توجہ کے قابل ہے :۔

"پیغمبرؐ اسلام اس طرح اعدا کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے اور فتح مبین کے منتظر تھے اور ظاہراً بے یار ومددگار تھے اور ان کے اصحاب کا چھوٹا سا گروہ گویا شیر کے منہ میں تھا۔ تاہم آپ کو اس قادر مطلق پر بھروسہ تھا جس کا رسولؐ آپ اپنے تئیں سمجھتے تھے اور آپکے پائے ثبات میں یک سر مو لغزش نہ ہوتی تھی۔ غرض اس عالم مصیبت وتنہائی میں آپ ایسے عالی مرتبہ وجلیل الشان معلوم ہوتے ہیں کہ کتب مقدسہ سماویہ میں آپ کا عدیل ونظیر کوئی نہیں دکھائی دیتا۔"

۳ سنہ قبل ہجرت رحلت ابوطالب

بقول مؤلف تمدن اسلام اور ابن خلدون ہجرت نبوی سے تین برس قبل حضرت ابوطالب نے انتقال فرمایا۔ یہ ایک اور وجہ ہوئی جس سے کفار قریش کی ایذارسانی کے حوصلے بڑھ گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو حضرت ابوطالب کے سپرد کیا تھا۔ لیکن حضرت ابوطالب نے بظاہر کسی کے سپرد نہیں کیا۔ لیکن سچ پوچھ ایسا نہ تھا کہ کسی کے سپرد نہ کیا ہو۔ علیؑ نے رسولؐ کی حفاظت میں اپنے باپ کی سرگرمی دیکھی تھی۔ جانتے تھے کہ وہ ہمیں خطرے کے موقع پر رسولؐ کی حفاظت کے لئے کام میں لائے۔

ابوطالب

اگرچہ خود ابوطالب کا فرزند ان وجوہات سے جو بیان کئے گئے رسولؐ کی خدمت اور حفاظت کے لئے سب سے پہلے مستعد تھا۔ لیکن اپنے باپ کی رحلت کے بعد فی نفسہ یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ان کی خدمت اور حفاظت میں اور زیادہ سرگرمی ظاہر کی جائے۔ جس سے رسول اللہؐ ابوطالبؑ کی شفقتوں کو بھول جائیں اور انہیں اپنی حفاظت کا تردد نہ ہو۔ اس موقع پر بھی جب کہ اصحاب کو رسول اللہؐ نے ہجرت کا حکم دیا۔ ابوطالب کا فرزند ہر لحظہ رسول اللہؐ کے ساتھ تھا۔

قبول دین کی شرائط

عرب کی یہ شان طبیعت خصوصیت سے دیکھنے کے قابل ہوگی کہ ابن خلدون کے مطابق بعضوں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ "اگر تم رسول ہوتے تو اس طرح پیر گھسیٹتے نہ چلتے"۔ بعض اس شرط پر اسلام لانے کا وعدہ کرتے تھے کہ ہم کو "ملک وحکومت دیدو" اسی کتاب میں ابن اثیر سے نقل کیا ہے کہ :۔

[1] تقریباً تین سال

خلیفہ بنانا خدا کے اختیار میں ہے

جس وقت آپ نے بنو عامر کو دعوت دی تو کسی نے کہا "اگر ہم تمہاری متابعت کریں اور اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے مخالفین پر فتح یاب کرے تو کیا ہم کو اپنے بعد خلیفہ بناؤ گے؟ آپ نے فرمایا :- یہ کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جیسا وہ چاہے گا کرے گا" یہ سن کر جواب دیا :-

"اس وقت تو ہم تمہارے لئے اپنی گردنیں عرب کے سامنے کر دیں اور پھر جب تم کامیاب ہو تو دوسرے لوگ صاحب حکومت ہو جائیں -"

ہجرت تیرہ برس بعد بعثت یکم ربیع الاول پنجشنبہ

یہی مؤرخ اور دوسرے بھی لکھتے ہیں کہ رسول ص اپنے متعلق حکم باری تعالیٰ کا انتظار کر رہے تھے - جب تنہا بھی اپنے اس عزیز وطن میں رہنا نہ ملا - جہاں حکم ربانی کی پہلی صدا سنی تھی اور اس خاک پر دشمنوں نے کمر سیدھی نہ کرنے دی - جہاں نشو و نما ہوئی تھی اور قتل کرنے کی سازشیں اس قدر پختہ ہو گئیں کہ بہت سے قبائل کا ایک ایک شخص اس لئے طلب کیا گیا کہ بنی ہاشم خون کا ایک سے دعویٰ نہ کر سکیں اور یہ سب شریک قتل ہوں - تو اب رسول ص کو کوئی چارہ نہیں رہ گیا - یہی اسباب تھے جنہوں نے رسول ص کو سچی حالتوں کے امتیاز کے قابل بنا دیا تھا اور وہ مختلف قسم کے اثر کو ان کی اصلی ہیئت میں دیکھ اور سمجھ سکتے تھے - عام اس سے کہ کسی نے انہیں واقف ہو کر مطلع کیا ہو یا نہ ہو - اب تک خطرے کا خیال اس قوت سے نہ پیدا ہوا تھا کہ ہجرت کے سوا چارہ نہ تھا - لیکن اب بغیر اس کے مفر نہ تھی - دشمن سمجھ رہے تھے کہ ان کے وہ خیال جو آپس کے ہم خیال لوگوں کی مشورت تک محدود رہیں رسول ص کو نہیں معلوم ہیں - انہیں خیال کی قوت اور نفس کی اثر پذیری اور قوت گرفت کی خبر نہ تھی - وہ (اشارہ و) قانون الٰہی کو نہیں جانتے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم واقف تھے اور اپنے نفس کو اس قابل بنا یا تھا کہ خیالات کا انعکاس صحیح شان سے ہوا کرے -

امانت داری کی سچی مثال

رسول ص لوگوں کی حالت پر افسوس کرتا ہوا اس سرزمین کو نامعلوم مدت کے لئے وداع کرتا ہے جسے راہ پر لانے کے لئے اپنے کو وقف اور راحتوں کو قربان کر دیا تھا - یہ دیکھنے کی بات ہے کہ اس زمانے میں بھی باوجود اس کے کہ کفار قریش اعتقادی صورت میں جانی دشمن تھے مگر معاملت میں انہیں ایسا اعتبار تھا کہ اپنی امانتیں رسول اللہ کے پاس رکھ جاتے تھے اور یہ ہادی ص باوجود اس کے کہ انہیں کی بدولت عزیز وطن سے نکل رہا تھا مگر اپنے کو واقعی امین ثابت کرنے کے لئے ایسے وقت میں بھی اپنے فرض کو نہیں بھولتا اور اپنے معتمد شاگرد کو امانتیں سپرد کر کے واپس کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور غالباً دشمن کی توجہ ہٹانے کے لئے حکم دیتا ہے کہ تم میری بردیمانی اوڑھ کر میری خوابگاہ پر سو رہو - بقول ابن خلدون :- " جناب ص موصوف حکم باری سے علی ع ابن ابی طالب کو اپنی خوابگاہ میں سلا کر مکان کے باہر آئے "

شاگرد اس مخدوش موقع پر رسول کا حکم بجا لا رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ اس طرح کھڑکی سے نکل گئے جس طرح حضرت داؤدؑ (تنقید الکلام)

علیؑ امین کے امین

رسول خدا نے علیؑ کو اپنی جگہ سونے اور مشہور سبز چادر اوڑھنے کا حکم دیا۔ دیوار قد آدم اونچی تھی۔ مشرکین اکثر دیکھتے تھے اور ایک شخص کو چادر اوڑھے ہوئے لیٹا دیکھ کر سمجھتے تھے کہ رسول آرام کر رہے ہیں اور اکثر پتھر بھی پھینکتے تھے۔ جو حضرت علی علیہ السلام پر جا گرتے تھے۔ گھر کے محاصرے کے بعد قاتل درآنہ گھر میں داخل ہوئے "لیکن بجائے اپنے شکار کے نوجوان علیؑ کو متانت اور تسلیم و رضا سے اس موت کا منتظر دیکھا جو ان کے سردار کے لئے تجویز کی گئی تھی، اس قدر اظہار اخلاص نے ان خونیوں میں رحم پیدا کیا اور علی علیہ السلام سے تعرض نہ کیا گیا" (ڈیون پورٹ)

علیؑ کا تعجب خیز اطمینان اور اخلاص

کفار قریش خانہ رسول میں داخل ہو گئے اور کسی کو چادر اوڑھے ہوئے سوتے دیکھ کر خوش ہوئے کہ آج امیدیں بر آئیں گی۔ لیکن دفعتہً ان کی ساری امیدیں استعجاب اور یاس سے بدل گئیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بجائے رسول کے ایک نوجوان چادر سے منہ نکال کر اطمینان سے دیکھ رہا ہے۔ کفار نے پوچھا۔ محمدؐ کہاں ہیں؟" اس کا جواب دیا گیا "تم نے میرے سپرد نہیں کیا تھا میں نہیں جانتا کہاں ہیں" ناتجربہ کار دل کے لئے یہ دہشت ناک وقت جس میں ہر طرف خونی چہرہ اور چھپی ہوئی تلواریں دکھائی دیتی ہوں گی اس اطمینان کی امید نہیں دلا سکتا تھا جو علی علیہ السلام سے ظاہر ہوا۔ مشرکین کی جھلاہٹ اور علیؑ کی متانت یہ سمجھے ہوئے الفاظ بڑے مزے کی باتیں ہوں گی۔ جس وقت وہ اپنے اس بڑے ارادے میں ناکام ہو کر شرمندہ واپس ہوئے ہوں گے اور یہ فرض ادا کرنے پر جس قدر مسرور رہے ہوں گے۔ اس موقع کے متعلق ہم اعجاز التنزیل سے علی علیہ السلام کے اشعار نقل کرتے ہیں۔

علیؑ کے اشعار ہجرت کے متعلق

وقیت بنفسی خیر من وطی الحصیٰ ؛ ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر

ترجمہ:۔ میں نے اپنی جان کے عوض میں اس عالی مرتبت شخص کو بچایا۔ جو پاؤں سے پتھریوں یا کنکریوں کے روندنے والوں اور خدا کے پرانے گھر اور اس جگہ کے طواف کرنے والوں میں سب کا نام حجر ہے سب سے افضل ہے)

رسول الٰہ خاف ان یمکروا بہ ؛ فنجاہ ذوالطول الالٰہ من المکر

(خدا کے رسولؐ کو اندیشہ ہوا کہ دشمن ان کو شر پہنچائیں گے پس خدا نے جو بڑا قدرت والا اور صاحب فضل و کرامت ہے اس پیغمبر کو ان کے شر سے بچا لیا)

نبات رسول اللہ فی الغار آمناً ؛ موقی وفی حفظ الالٰہ وفی ستر

(پس رسولؐ خدا نے غار میں امن سے رات کاٹی دشمنوں سے بچے ہوئے خدا کی حفاظت اور اس کے حجاب قدرت میں)

اقام ثلاثاً ثم زمّت قلائص	(تین دن وہاں ٹھہرے پھر ناقوں کو مہاریں دی گئیں جو ایسے تیز رفتار تھے کہ
قلائص یفرین الحصی این ما تمضی	ہر طرف پتھر اور کنکریوں کو روندتے چلے جاتے تھے)
وبتّ اراعیهم متی یثبتوننی	اور میں نے دشمنوں کے حملے کے انتظار میں رات کاٹی اور مجھے زخمی یا گرفتار نہ کر سکے
فقد وطّنت نفسی علی القتل والاسر	کیونکہ بے شبہ قتل و قید سے نہ ڈرنا میری جبلّی عادت ہے۔
اردت به نصر الاله تبتّلاً	یہ میں نے ہر چیز سے قطع نظر کر کے محض خدا کے دین کی امداد کی نیّت سے کیا اور
واضمرته حتی اوسّد فی قبری	آئندہ بھی یہی ٹھان لی ہے، جب تک کہ قبر میں تکیہ لگا کر نہ لیٹوں۔

یہ اشعار جہاں واقعۂ ہجرت کی تاریخ بیان کر رہے ہیں۔ وہاں شاعر کی طبیعت پر تیز روشنی ڈالتے ہیں اور بہت سے پہلو واضح کر دیتے ہیں۔ ان اشعار میں واقعات نہایت سلاست اور پرجوش شان سے بیان کئے گئے ہیں اور پڑھنے والے کو ہر شعر میں بیقرارانہ خوشی کا عالم معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ کا صرف نام نہیں لیا گیا ہے بلکہ گراں قدر لفظوں میں تعریف بھی کی گئی ہے اور نہایت واضح اور پوری شان سے اس پس و پیش کا نقشہ کھینچا ہے جو مشرکین کے داخل ہونے اور گفتگو کے قبل اور اس کے بعد تھا اور اتفاقاً اپنے متعلق بھی شعر کی روا روی میں یہ کہہ گئے ہیں کہ خوف نہ کرنا میری جبلّی عادت ہے۔ جواب ایک مستند شان کا واقعہ ہے لیکن یہی باتیں نہ تھیں جس پر توجہ دلائی گئی بلکہ یہ مقدمہ تھا اس آخری شعر کا جو لکھا گیا ہے۔ یہ خیال نہیں ظاہر کیا جا سکتا تھا جب تک کہ اس کے مقدمات وہ نہ ہوتے۔ جنہیں ناظر پڑھ چکا۔ حضرت علی علیہ السّلام ظاہر کرتے ہیں کہ میں نے کسی ایسی غرض سے اپنے کو فدیہ نہیں بنایا جس کا "خود" سے تعلق ہو۔ بلکہ ہر چیز سے قطع نظر کر کے آمادہ ہوا (جس سے خودغرضی کا کوئی تعلق ہو) نفس اور خیال کی یہ آمادگی ایک ارادے کے لئے تھی اور وہ نیّت محض یہ تھی کہ خدا کے دین کی حمایت کی جائے۔ حضرت علی علیہ السّلام کا یہ ناقابل مثال ایثار نفس ایک بے غرضانہ اخلاقی شوق پر مبنی تھا یہ اس وقت ایک بزرگ کے اعمال حسنہ کی پسندیدگی سے پیدا ہوا تھا اور اس کے لئے سامان قتل مہیا دیکھ کر تیار ہو گئے تھے کہ اپنے کو قربان کر کے ایک ہدایت کرنے والے پر سے بلا ٹال دیں کہ وہ خلق اللہ کی بھلائی کے لئے زندہ رہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے مشہور حواری سینٹ پیٹر کا ایسا ہی موقع دیکھنے کے قابل ہوگا جب وہ مسیحؑ کے پیرو ہونے کے شبہ میں گرفتار کیا گیا اور اس نے جان بچانے کے لئے نبی اللہؑ کو ان کی شان کے خلاف لفظوں سے یاد کیا یا پیرو ہونے سے انکار کیا۔

کیوں ایسا عمل و اخلاص ظاہر ہوا

حضرت علی علیہ السّلام کو رسول اللہؐ کا دنیاوی مُوَقت معلوم ہے، کسی بڑی سلطنت کے ولیعہد ہونے کی امید نہیں ہے۔ یہ بھی خیال نہیں ہے کہ کوئی ہمارے اس فعل کی تعریف کرے گا۔ قتل ایسے شخص کے لئے گوارا کیا ہے جس کا دشمن ملک کا ہر سنگریزہ ہے اور جس کے قتل کے لئے تمام

قوم چھری تیز کئے ہے۔ اپنے کو ان جاہل دماغوں کے سپرد کرتا ہے جو صرف خیال قتل سے پُر ہیں۔ اُن تلواروں پر جھونک دیتا ہے جو گنہگار یا بے گناہ کو نہیں پہچانتیں۔

یہ اسی نور کے دھوئے ہوئے دل کی صحبت کا اثر تھا جس کا فدیہ ہونا اس کے لئے زندگی سے زیادہ عزیز ہے جس کی بدولت حضرت علی علیہ السلام کا یہ جملہ ہم مناقب مرتضوی سے نقل کرتے ہیں، آج دنیا میں موجود ہے اور بہت کچھ اس موقع پر روشنی ڈالتا ہے:۔ قال امام المعصومین ان الذی نظرت فی عالم الملکوت فلم اجد شیئاً غیری وقد غاب "(میں وہ شخص ہوں جس نے عالم ملکوت کی طرف اپنے تصوّر کو مصروف کیا۔ پس اپنے سوا کسی کو نہ پایا بہ تحقیق کہ غیر غائب تھا)

جسے مسئلہ انا الحق یا وحدت وجود سے کوئی نسبت نہیں

حضرت علی علیہ السلام اپنے کو ایک متصورانہ عالم میں پاتے ہیں۔ جس میں ان کا دماغ اور خیال ایک روحانی عالم کی سیر کر رہا ہے۔ وہ افکار اور رازِ نہیں جن کا خیال آدمی کو ہر وقت ملفوف رکھتا ہے، پیش نگاہ نہیں ہیں۔ نفس اپنی فطری شان سے اپنا کام کر رہا ہے اور کوئی اس کے آزادانہ عمل میں حارج نہیں ہے۔ اس کے اس مسلسل اور متین بلندروی کا ادراک غیر معمولی اطمینان اور راحت محسوس کر رہا ہے اور اس بڑے اور نا متناہی خزانے سے قرب اور اتصال جس کا یہ ایک نہایت مختصر سا نمونہ ہے۔ وہ عالم طاری کر رہا ہے جس سے اپنی مادی زحمتوں کا وہم بھی نہیں آتا۔ بھول گئے ہیں کہ ہم اس کے علاوہ بھی کوئی چیز ہیں جو بلا کسی ظاہری آہٹ کے ایک غیر مادی کثرت اور عظمت کی انتہا کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ دیکھ رہے ہیں کہ ہم ان آلوں سے نہیں بڑھ رہے ہیں جنہیں ہم مادی عالم میں صرف کرتے ہیں۔ اگرچہ اس وقت کی سیر کا ایک کروڑواں حصہ بھی ہمارے اعضاء جسمانی طے نہیں کر سکتے۔ نفس مادہ پر غالب آتا ہے۔ نفس اور ایک ذات عظیم کا قریبی تعلق معلوم ہوتا ہے۔ صحیح رشتوں کا سمجھنا اپنی اپنی قوتوں کو آہستہ آہستہ پیش کرتا ہے۔ ذات عظیم کی لامحدودیت اور قدامت کا خیال خود بخود پیدا ہوتا ہے "خود" کے جزو قدرت اور غیر فانی ہونے کا خیال اب اس کا نتیجہ ہے۔ دیکھتا ہے کہ کل وہ صفتیں جیسے نفس بلند اور عظیم ہونا ہے اس ذاتِ عظیم کے نور کی کرنیں ہیں جو ممدوح پر کسی حد تک پڑی ہیں تو اسے ہر چیز کے قدیم اور باقی نہیج کی صفتوں کے علاوہ ایسے نفس کی قدر ہوتی ہے جس پر ایسا عکس پڑا ہے۔

جب اسے اس مرکز حیات اور اس کی صنعت۔ قدرت اور محبت کا خالص ادراک ہوتا ہے۔ جس میں بنانے اور بگڑنے کی قوت ہے تو اسے استغنا ہو جاتی ہے اور جب وہ کسی کو اپنا ہم خیال یا اپنے سے اچھا پاتا ہے تو پھر اس کے لئے فنائے جسمانی کا قبول کر لینا ویسا ہی آسان ہے جیسا اپنے خیال کے لئے تکلیف اٹھانا۔

حضرت علی علیہ السلام کا قتل ہو جانے کے لئے بے خوف بلا عذر، بلا جھجک سو رہنا اور ان کی بلند خیالی کی گرفت،

متذکرہ صدر بے مہار تخیل سے کہیں بالاتر تھی جسے خاموش سنیئے اور خاموش لطف اٹھائیے۔

حضرت علی علیہ السلام کے اس حسن عمل کی یہی انتہا نہ تھی جس سے تصور کیا جا سکے کہ ایک مرتبہ کسی خاص جوش سے ایسا کر گزرے بلکہ اسی وقت یہ کہہ رہے ہیں کہ "آئندہ بھی یہی ٹھان لی ہے "جب تک کہ قبر میں تکیہ لگا کر نہ لیٹوں"، علیؑ اپنے اس شعر میں اپنے والد کی زبان سے بول رہے تھے۔ جان دینے اور فدیہ کی تیاری کے عالم میں گویا ایک لذت تھی۔ جس کے حصول کے لئے تمام عمر کوشش کرتے رہیں گے۔ آئندہ یہ دیکھنے کی بات ہوگی کہ حضرت علی علیہ السّلام کا یہ دعویٰ کوئی دل خوش کن فقرہ نہ تھا بلکہ ان کی عمر کا ہر لحظہ اس کا ثبوت تھا۔ اس خیال کے لوگوں کا دنیا کے عقائد کو الٹ پلٹ کر دینے کا ارادہ کرنا ذاتی اغراض اور اوچھے حوصلوں پر مبنی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے علاوہ کوئی تصفیہ کرنا مشکل ہوگا کہ وہ خیال جس نے کمر ہمت بندھوا دی تھی اور یہ ادائے فرائض کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ نہایت پاک تھا۔

محاصرہ کے بعد مشرکین کی کوشش

مشرکین کی آمادگی، دشمنی اور مصمم ارادۂ قتل اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رسولؐ کو بستر پر نہ پا کر اپنی کوششیں ختم کر دیں بلکہ نقش قدم تلاش کرتے ہوئے سراغ میں چلے اور راس غار تک پہنچے۔ جس میں رسولؐ مخفی تھے اور حضرت ابوبکر بھی ساتھ ہو لئے تھے۔ سر غار پر مشرکین کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکر پر قرآن میں ذکر کئے جانے کے قابل گھبراہٹ طاری ہوئی، تسکین نازل کی گئی اور رسول کو یہ کہنا پڑا کہ "نہ ڈرو خدا ہمارے ساتھ ہے"، نزول تسکین میں دو فریق مختلف ترجمہ بیان کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ رسولؐ پر نازل ہوئی، کوئی کہتا ہے کہ دونوں پر اور کوئی کہ صرف ابوبکر پر۔ بہرحال حضرت ابوبکر پر تسکین نازل کئے جانے کا یقیناً اس سے اچھا موقع نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ان کی بے اختیارانہ گھبراہٹ غار کے باہر ہو کر دشمنوں کو رسول کی موجودگی کا یقین دلاتی اور پھر نتیجہ سوچنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ رسولؐ کے قلب مطمئن کے لئے اس کی ضرورت نہ تھی بلکہ ضرورت حضرت ابوبکر کی تسکین کی تھی کیونکہ ان کا چپ نہ کرایا جانا رسولؐ کے لئے باعث خوف تھا۔

رسولؐ کے سر کے لئے انعام

خدا بیشک ساتھ تھا، ان مشرکین کے لئے جنھوں نے یہاں تک پہنچنے کی تکلیف گوارا کی تھی آسان تھا کہ وہ غار کے اندر بھی جا کر تلاش کر لیتے لیکن انہیں ناموجودگی کا یقین ہو گیا اور وہ واپس آئے۔ لیکن اس طرح کہ سر مبارک کے لئے سو اونٹ کا انعام مقرر کیا۔ عرب کے لئے یہ معمولی انعام نہ تھا۔ شاعری ہو یا عشق، میدان جنگ میں حملہ ہو یا مثالیں[1]۔ اسے ہر جگہ اونٹ دکھائی دیتا ہے اور بغیر اس کے وہ ایک قدم نہیں چل سکتا۔ لوگ سراغرسانی کے لئے آمادہ ہوئے اور سراقہ ایک شخص تلوار کھینچے ہوئے قریب پہنچ گیا۔ جب کہ رسولؐ مدینہ کی طرف چلے جا رہے تھے، دوبارہ حضرت ابوبکر چلائے کہ اب ہم قتل ہوئے اور رسولؐ نے فرمایا۔ ڈرتے کیوں جاتے ہو خدا ہم کو بچائیگا (تنقید الکلام)

---

[1] ضرب الامثال۔

قاتل پر رحم

سوار سر پر آگیا - اس کا گھوڑا الف ہوگیا اور وہ زمین پر گرا - رسولؐ کی قوت نفس نے دور رکھا - اثر کیا سوار پر ہیبت طاری ہوئی اور معافی کا خواستگار ہوا - آسان تھا کہ مرعوب دشمن ہلاک کر ڈالا جاتا - شاید اب صرف حضرت ابوبکر اس کے لئے کافی ہو جاتے مگر رسول اللہؐ انتقام کے لئے پیدا نہ ہوئے تھے بلکہ ہدایت اور معاف کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے - شان رحیمی ظاہر ہوئی - اس کے عہد کو قبول کر کے کہ وہ کسی سے رسول اللہؐ کی سمت روانگی ظاہر نہ کرے گا رہا کر دیا

"ہجرت کے بعد تین دن علیؑ مکہ میں رہے کہ جو چیزیں رسول اللہؐ کے پاس امانتاً رکھی تھیں انہیں واپس کر دیں" (انسائیکلوپیڈیا)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بعد روانگی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کی امانتیں جو آنحضرت صلعم کے پاس تھیں اور جن کو جو کچھ آپؐ نے دینے کو فرمایا تھا، دے کر مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے "، (ابن خلدون)

مؤلف - اس موقع پر رسول اللہؐ کے اعلان دعوت ذوالعشیرہ کے دوبارہ پڑھ جانے کی سفارش شاید بیجا نہ ہوگی

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :- میں آپؐ کی تلاش میں روانہ ہوا - ایک ایک منزل میں آپؐ کی خبر دریافت کرتا تھا حتیٰ کہ منزل عرج میں آپؐ کو پالیا - " (ترجمہ نہج البلاغہ)

حضرت علی علیہ السلام پہلے قبا میں پہنچے جو مدینہ سے جنوب میں دو میل کے فاصلے پر ہے - چھالے پڑے ہوئے پیروں کو ہمت نے آگے نہ بڑھایا - مدینہ پہنچے اور اس پالنے والے کی زیارت کی - جس سے شاید اپنی عمر میں پہلی مرتبہ کئی روز کے لئے جدا ہونے تھے - رسول اللہؐ کے دستِ شفقت نے تمام تکالیف بھلا دیں اور اس کے بعد پھر خدمتوں کے لئے تیار ہوئے جن کا ذکر آنے والا ہے -

علامہ مجلسی علیہ الرحمتہ کے موافق حضرت رسول اللہؐ نے قبا پہنچ کر توقف فرمایا - اس لئے کہ ابو واقد کی معرفت حضرت علیؑ کو فوراً چلے آنے کا حکم دیا تھا اور غالباً یہ غرض تھی کہ جب حضرت علی علیہ السلام مع حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور دیگر عورات کے پہنچ جائیں، اس وقت داخل مدینہ ہوں - ابو واقد جس وقت خط لے کر پہنچا - حضرت علی علیہ السلام نے مومنین کو ہجرت کرنے اور موضع ذی طوی میں جمع ہونے کے لئے کہا اور خود مع حضرت فاطمہ علیہا السلام، فاطمہ بنت اسد، فاطمہ بنت زبیر بن عبدالمطلب اور امین پسر ام امین کے روانہ ہوئے - ابو واقد دشمنوں کے خوف سے اونٹوں کو تیز لے جاتا تھا - حضرت علی علیہ السلام نے کہا - "اے ابو واقد عورتوں کے ساتھ مدارا کر اور ان کے اونٹوں کو آہستہ لے چل - کہ وہ کمزور ہوتی ہیں " ، اب اونٹوں کو ہموار راستوں سے لے چلے - حضرت علی علیہ السلام حمد خدا میں شعر پڑھتے جاتے تھے - علامہ کے موافق آٹھ کفار نے روکا - لیکن علیؑ ہونے حارث ابن امیہ کے غلام کا شانہ زخمی کیا اور سب بھاگ گئے - منزلوں پر نماز پڑھتے اور حسن سلوک کا لحاظ کرتے ہوئے پہنچے - حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اب کلثوم بن ہدم کے مکان سے مدینہ تشریف لائے -

سنہ ۱ ھ

ہم نہیں جانتے کہ ان بڑے انتظامات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ نے مدینہ میں کئے۔ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق کیا خدمتیں سپرد تھیں۔ لیکن رسول اللہ کا ایک فرمان خود آئندہ علیؑ کے ایک حکم اور ہماری کتاب کے ایک قابل ذکر واقعہ پر اثر ڈالے گا جس کا لکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے :-

رسول صلعم کے احکام غیر اقوام اور ان کے مذاہب کے متعلق

" یہود جو ہماری حکومت اسلامیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمام ذلتوں اور اذیتوں سے بچائے جائیں گے اور ہماری امت کے ساتھ مساوی استحقاق ان کو ہماری نصرت وحمایت اور حسن سلوک حاصل رہے گا...... سب ساکنان یثرب مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم سمجھے جائیں گے اور وہ اپنے اعمال مذہبی کو ویسی آزادی کے ساتھ بجالائیں گے۔ جیسے مسلمان اپنے رسوم دینی کو بجالاتے ہیں...... سب سچے مسلمان اس شخص سے بیزار رہیں گے جو کسی گناہ، ظلم یا ناانصافی یا شقاوت کا مرتکب ہوگا اور کوئی شخص کسی مجرم کی حمایت نہ کرے گا گو وہ اُس کا کیسا ہی عزیز قریب ہو۔" (تنقید الکلام)

سلسلۂ اخوت

آپس کے اخلاص اور تعلقات قوی کرنے کے لئے حضرت رسول اللہ نے اپنے اصحاب میں سے ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا۔ چنانچہ ابوبکر عمر کے، عثمان عبدالرحمٰن بن عوف کے بھائی بنائے گئے لیکن خصوصیت سے دیکھنے کی یہ بات ہوئی کہ علیؑ کو کسی کا بھائی نہ فرمایا۔ موقع خواہ مخواہ حضرت علی علیہ السلام کے سوچنے کا تھا اور جب یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ کا یہ فعل اسلامی حیثیت سے جماعت کے قوی کرنے کا اقدام ہے اور مواخات سے خوشگوار تعلقات پیدا کر رہے ہیں تو اپنے لئے اس وقت تک کی استثنا سے افسردہ ہونا فطری امر تھا۔ طبیعت شناس رسول صلعم نے دیکھ لیا۔ اب وہ وقت دور نہ تھا کہ اس استثنا کا راز کھولا جاتا۔ رسول خدا نے (غالباً مسکرا کر) علیؑ سے افسردگی کا سبب پوچھا اور انہوں نے جواب دیا :-

علیؑ رسول صلعم کے بھائی

" یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس قابل نہیں ہوں کہ کسی کا بھائی بنایا جاؤں ؟"

رسول صلعم نے فرمایا :-

" تو دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے" (تاریخ الاسلام و روضۃ الصفا) سیوطی بھی اس کے قائل ہیں۔

(ایضاً مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح)

رسول صلعم اپنا مثل بنا رہے تھے

غالباً اب اس استثناء سے پہلے جس قدر پہلے مغموم تھے خوش ہونے والا کوئی دوسرا علی علیہ السلام سے زیادہ نہ ہوگا۔ ایک موقع تھا کہ رسول خدا کسی کو اپنا بھائی کہلواتے۔ اب موقع تھا کہ اس فرض کو ادا کرتے اور اپنے کو اس کا بھائی کہتے۔ نہ پیشتر کا اعلان صرف کوئی رسمی فعل تھا

اور نہ اس وقت کا اظہار لفظوں کا نیا صانہ صرف، بلکہ توقعات کی گہری جڑ پکڑے ہوئے خیال تھا جو مفید مواقع پر ظاہر کئے جاتے تھے۔ ضرور طبیعت شناس رسولؐ مناسبتیں دیکھ کر رشتہ قائم فرما رہا تھا۔ کون تھا جسے رسولؐ خدا سے مناسبت ہوتی بجز اس شاگرد کے جسے رسولؐ خدا گہوارے سے اپنا مثل بنا رہا تھا۔

ہم نہیں جانتے کہ کیوں رسولؐ خدا نے اباحفصہ کو ابن ابو قحافہ ہی کا بھائی بنایا اور اسی طرح ابن عوف کو ابن عفان کا۔ لیکن آگے چل کر ایک زمانہ آنے والا ہے۔ جس میں طبائع کے میلان کی صحیح گرفت کا اندازہ کیا جا سکے گا اور اس وقت یہ تصفیہ آسان ہوگا۔ جب رحلت رسولؐ خدا کے بعد علیؑ تنہا دکھائی دیں گے کہ رسولؐ خدا نے طبیعت شناسی اور نسبت دینے میں ایک ایک رنگ طبیعت کو علیحدہ کر دیا تھا یہ کوئی اتفاقی فعل نہ تھا جو رسولؐ خدا سے عمل میں آیا بلکہ سمجھا ہوا ارادی عمل تھا۔

۲ھ عقد علیؑ عمر شریف ۲۱ برس پانچ مہینہ بقول صاحب قرۃ العیون

ہجرت کا دوسرا سال شروع ہو گیا۔ یہی وہ مبارک سن تھا جس میں مؤرخین کو اتفاق ہے کہ رسولؐ خدا نے اپنی پارۂ جگر کا عقد جنہیں واقعات دیکھ کر ذکیہ۔ طاہرہ کہنا بہت کچھ کہنا نہ ہوگا۔ علیؑ سے کیا جب یادگار خدیجہ رضی کی عمر سولہ سے انیس تک پہنچی تو کہا گیا کہ ابن قحافہ نے خطبہ کی التجا کی۔ لیکن جواب دیا گیا کہ وحی کا انتظار ہے۔ اباحفصہ نے بھی قسمت آزمائی کی۔ لیکن بدستور سابق جواب دیا گیا۔ اصحاب کو خلجان رہا۔ اگرچہ اس کے بعد کسی کو اس بڑے انعام کی خواستگاری کی جرأت نہ ہوئی۔ شرف کا خیال ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا کر رہا ہوگا کہ آخر فاطمہؑ کے متعلق رسولؐ خدا کا کیا خیال ہے اور کسے بسر کرنے کا ارادہ ہے۔ یہی خیال اکثر لوگوں میں تھے اور اس کے حل کرنے کے لئے علیؑ کے پاس گئے۔ ان سے کہا کہ تم کیوں نہیں فاطمہؑ کی استدعا کرتے علیؑ اپنے اسباب ظاہری کی کمی پر نظر ڈالتے ہیں مگر اصرار اس کمی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

علیؑ درخواست کے لئے آمادہ ہوئے

یہ وہ وقت ہے کہ رسول اللہ خانہ اُم سلمہ میں تشریف رکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے دق الباب کیا۔ دروازہ کھولا گیا۔ علیؑ آج شرمائے ہوئے ہیں۔ غالباً رسولؐ اللہ سے آنکھ چار نہیں کرتے۔ صورت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں سکتے۔ اس نئی حالت سے رسولؐ اللہ کا یہ سمجھ لینا کہ شاید علی علیہ السلام بھی وہی خواہش لائے ہیں جو پیشتر ظاہر کی جا چکی ہے، زیادہ مشکل نہ تھا۔ علیؑ نے ابھی کچھ نہیں کہا۔ رسولؐ خدا مشتاق ہیں لیکن ابھی اجازت کلام نہیں دی ہے۔ خاموشی میں علیؑ کچھ کہہ رہے ہیں۔ رسولؐ خدا سمجھ رہے ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ وقت دلچسپ تھا۔ علیؑ کی سانس وزنی ہو گئی تھی۔ رسول اللہ محبت سے اپنے شاگرد کا حجابانہ تغیر دیکھ رہے تھے۔ ضرورت نہ تھی کہ علیؑ سے سوال کرنے کے بعد سمجھتے اور منظوری یا نامنظوری ظاہر کرتے۔ لیکن یہ ضرور تھا کہ علیؑ کا بوجھ ہلکا کر دیتے

اظہار مطلب کی اجازت دی گئی۔ علیؑ نے رسولِ خدا کی عنایتوں کے ذکر کی ابتدا کی۔ شروع سے آخر تک ان الطاف کو بیان کیا جو رسولِ خدا نے ظاہر فرمایا تھا۔ وہ بھی ڈرتے ڈرتے کہا۔

اظہار خیال کا رسولؐ پر اثر

چشم دید گواہ اس وقت صرف حضرت اُم سلمہؓ ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت علیؑ نے خطبہ فاطمہؑ کی التجا کی۔ رسول اللہؐ کے چہرۂ اقدس پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے اور سوال کیا

"یا علیؑ تمھارے پاس ضروریات کے لئے کیا ہے"؟

"یا رسول اللہؐ میرے پاس ایک تلوار کفار سے جہاد کرنے کے لئے، ایک زرہ حفاظت جسم اور ایک ناقہ بار برداری کے واسطے موجود ہے۔ یہی میرا اسباب دنیا ہے۔"

"تلوار کفار سے جہاد کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ناقہ بار برداری کے لئے لازمی ہے۔ تم اپنی زرہ فروخت کر ڈالو"

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نے اپنی زرہ چار سو درہم پر ابن عفان کے ہاتھ فروخت کر ڈالی اور روپیہ رسول اللہؐ کے حوالے کر دیا۔ ضروری چیزوں کا خریدنا اصحاب کے سپرد ہوا اور حضرت اُم سلمہؓ کو عروس کی آراستگی کا حکم دیا گیا۔ مؤلف تاریخ الاسلام لکھتا ہے کہ "عمر اور ابوبکر خواستگار ہوئے لیکن علی علیہ السّلام کو ترجیح دی گئی۔"

رسولؐ کی منظوری کا اعلان علیؑ کرتے ہیں

رسول اللہؐ کی منظوری کے بعد علی علیہ السّلام مسجد میں آئے۔ بلالؓ مؤذن کو اصحاب کی طلبی کا حکم دیا گیا۔ لوگ جمع ہوئے۔ علیؑ کو خطبہ پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ علیؑ نے خدا اور رسولؐ کی حمد و ثنا کے بعد ظاہر کیا کہ نبی کریم نے اپنی دختر نیک اختر کا عقد ہمارے ساتھ منظور فرمایا۔ علیؑ کے خطبہ کے بعد رسول اللہؐ نے خطبہ شروع فرمایا۔ خدا کی تعریف کی۔ عامۂ ناس کو نکاح کی ترغیب دی اور اس کے بعد علی علیہ السّلام کو مخاطب کر کے پوچھا کہ آیا تمہیں چار سو مثقال کا مہر منظور ہے۔ علیؑ کی رضامندی پر رسول اللہؐ نے فرمایا:۔

دُعا

جمعکما اللہ اَشتاتکما وسعد جدکما وبارک علیکما واخرج منکما کثیرًا طیبًا۔ ترجمہ (خدا تمہاری پریشانیوں کو رفع کرے سعادت تمہارے نصیب میں یاوری دے تمہیں برکت ہو اور تم سے بہت سی پاک اولادیں پیدا ہوں)

"روایت ہے بریدۂ اسلمی سے کہا پیغام بیجا دشتہ کا ابوبکر اور عمر نے فاطمہؑ سے پس رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذر کیا اور فرمایا کہ وہ چھوٹی ہے اور ایک روایت میں آیا ہے۔ تسکت۔ پس چپ ہو رہے۔ حضرتؐ اور شاید یہ محمول ہو اور معنی ایک بار سکوت کیا ہو اور دوسری بار میں یہ فرمایا ہو کہ وہ چھوٹی ہے۔ پھر پیغام بھیجا علی علیہ السّلام نے۔ پس نکاح کر دیا حضرتؐ نے فاطمہؑ کا علیؑ سے۔ نقل کیا نسائی نے ...... کوئی کہتا ہے کہ اُم ایمن نے علی علیہ السّلام سے کہا کہ تم

کیوں نہیں .... کہا شرم کہ یہ کلام حضرتؐ سے .... حضرت نے سنا اور عقد ۔ "مظاہر الحق" ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح

ماہ عقد میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن تواتر روایات سے رجب میں واقع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ رسولؐ خدا گھر میں تشریف لے گئے۔ دوبارہ زن وشوہر میں اخلاص کی دعا کی اور آپ علیؑ کے لئے ایک حجرہ مقرر فرمایا۔ اصحاب کی دعوت ہوئی۔ جہیز کی چیزیں قابل توجہ ہیں کیونکہ مشکل سے ان ضروری چیزوں میں کمی کی جاسکتی تھی۔

سامان جہیز

ایک قطیفہ جس سے پورا جسم بھی نہیں چھپتا۔ ایک چکی۔ ایک توا، دو مشک۔ چار تکیے جن میں سے ایک میں روئی اور دوسرے میں لیف خرما بھری تھی اور دو بستر تھے۔ ان دنیا سے دل برداشتہ اور بیجا آلودگی سے الگ بندوں کی ضرورت کے لئے یہ جہیز کافی تھا۔

عقد کا مزید اثر

"صاحب تنقید الکلام کی یہ عبارت توجہ کے قابل ہے۔ آپ (حضرت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیٹے صغیر السن مر گئے مگر حضرت علی علیہ السلام کی محبت میں آپ اپنے فرزندوں کے غم بھول گئے اور ان کا عقد اپنی دختر نیک اختر فاطمہؑ سے کر دیا۔ جس سے محبت وجان نثاری کا سلسلہ طرفین سے خوب مضبوط و مستحکم ہو گیا۔"

"فاطمہؑ اُن چار خواتین میں سے ہیں جنہیں رسول خدا کامل سمجھتے تھے۔ ولادت ۶۰۶ء میں ہوئی اور پندرھویں برس علیؑ سے عقد ہوا۔ جنہوں نے اُن کی حیات میں دوسرا عقد نہیں کیا۔" (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

صاحب روضۃ الصفا حضرت عائشہ رض سے روایت کرتا ہے کہ "کسی کو حرکات و سکنات، حسن سیرت، اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ میں فاطمہ زہراؑ سے زیادہ مشابہ بہ رسولؐ نہ پایا۔"

عقد کی حیثیتیں فاطمہؑ کا کفو بجز علیؑ کوئی نہ تھا

اگرچہ بظاہر یہ عقد نہایت ہی سادہ تھا۔ لیکن اس کی اکثر حیثیتیں ایسی ہیں جو اس کی ظاہری شان سے کہیں مقتدر دکھاتی ہیں۔ فاطمہؑ بنت رسولؐ اس وقت نہ صرف قبائل عرب میں سب سے اعلیٰ قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھیں بلکہ اب ان کا باپ مدینہ کی چھوٹی سی سلطنت کا دنیاوی فرمانروا بھی تھا۔ نہ صرف دنیاوی حاکم بلکہ دینی حاکم کی شان اس میں مقدم تھی۔ اب یہ اعتراض سے بالاتر ہے کہ اس موقع کے لحاظ سے نسبت کا عام خیال پیدا ہونا اور اسے افتخار سمجھنا کوئی تعجب خیز چیز نہیں ہو سکتی تھی۔ بیٹی زہد و تقویٰ میں باپ کے قدم بقدم تھی اور ان حیثیتوں پر نگاہ کر کے یہ فطری خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس انعام کے لئے مستحق شخص کا تلاش کرنا رسولؐ کا مقدم خیال تھا۔ موقع تھا جس نے سوشل، ملکی اور اخلاقی حالتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ یہ دیکھنے کی بات ہے۔ اگرچہ رسولؐ خدا کا ملکی اقتدار اس وقت تک بہت کچھ محدود تھا۔ لیکن ایسا محدود جس میں وسعت کی گنجائش تھی اور اب وسعت کی امید کی جاسکتی تھی۔ رسولؐ خدا کی اولاد ذکور میں کوئی باقی نہ رہا تھا اور جو فطری نتیجہ نکل سکتا تھا

وہ یہی تھا کہ آئندہ فاطمہؑ کی اولاد رسولِ خداؐ کی وارث ہوگی۔ رسولِ خداؐ نے علی علیہ السّلام کو کیوں منتخب کیا؟ اس لئے کہ سوشل حیثیت سے وہ اور رسولؐ برابر تھے۔ ایک درخت کی دو شاخیں تھیں۔ رہ گئی مذہبی اور ملکی حیثیت۔ رسول اللہؐ کی ملکی حیثیت مذہبی حیثیت سے پیدا ہوگئی تھی۔ رسول اللہؐ نے علیؑ کو نہ صرف لڑکپن سے پالا تھا۔ بلکہ اپنا شاگرد خاص بھی بنایا تھا۔ علی علیہ السّلام نے مردوں میں سب سے پہلے رسول اللہؐ کی دعوت قبول کی اور دعوت ذوالعشیرہ میں بڑی جرأت سے کار رسالت میں مدد دینے کا وعدہ کیا۔ خوف کے مواقع پر اکثر جان نثاری کی خالص آمادگی ظاہر کی۔ امانتیں ادا کیں۔ نہ صرف یہ کہ علیؑ کے باپ ابوطالب نے رسول اللہؐ کی خدمت میں مخدوش مواقع پر کبھی پہلوتہی نہیں کی۔ علی علیہ السّلام کی اخلاقی حالت کا رسولِ خداؐ سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ حیثیتیں تھیں۔ جن پر نگاہ کرکے نہ علیؑ کے مقابلے میں کوئی کھڑا ہوسکتا تھا اور نہ رسولؐ کسی دوسرے کو منتخب کرسکتے تھے۔ مناقب مرتضوی کی یہ حدیث جو اس میں فردوس الاخبار سے نقل کی گئی ہیں۔ ہمارے خیال کی موید ہے کہ "قال النبیؐ لو لم یخلق ۔ علیا ما کان لفاطمۃ کفوا" (اگر خدا نے علیؑ کو پیدا نہ کیا ہوتا تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا)

آئندہ زمانہ میں ان حیثیتوں کا کہاں تک خیال کیا گیا

یہ وجوہات تھے جن سے رسولؐ نے فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے کیا اور یہ خدمتیں تھیں جو عقد تک علی علیہ السّلام سے ظاہر ہوئیں۔ ابھی خدمت کا میدان وسیع ہے اور اسی طرح ملکی اختیارات کا اسلام کے ہاتھ میں آنا ممکن۔ یہ دیکھنے کی بات ہوگی کہ آئندہ ان باتوں میں کہاں تک پیچیدگی ہونی چاہیئے اور کہاں تک زمانہ نے پیچیدگی قائم رکھی۔

ہم بغیر سوچے نہیں رہ سکتے کہ امیدواران عقد نے ان باتوں پر غور نہ کیا ہوگا۔ لیکن آئندہ یہ دیکھنے کی بات ہوگی کہ اس ناکامی کے بعد دوسری شکل کا ایسا ہی پرقوت اقدام دو امیدواروں سے سرزد ہوا۔ یعنی اگر یہ ممکن نہ تھا کہ رسول اس شرف سے ممتاز کرتے اور آئندہ یہ امتیاز ملکی حقوق کے حاصل کرنے کی تائید ہوتا تو یہ ممکن ثابت ہوا کہ اپنی لڑکیاں رسول کے عقد میں دے کر آئندہ کی امید رکھی جائے اگرچہ امیدیں اس طرح پوری ہوئیں لیکن نہ اس صفائی سے جس سے کامیاب، صفائی، اور اخلاقی جرأت سے اپنے فعل کے جواز کا معترف ہوتا۔

طعنے

عقد کے چوتھے روز رسولِ خداؐ نے فاطمہؑ کے پاس جاکر علیؑ کا حال دریافت کیا۔ دختر رسولؐ نے علیؑ کی تعریف کی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "عورات قریش غربت کا طعنہ دیتی ہیں"، رسول اللہؐ نے دختر نیک اختر کو دنیا کی کم مائیگی سمجھا کر فرمایا۔

"تیرا شوہر دنیا میں سب سے اچھا مرد ہے"، فرمانبردار بیٹی نے خوشی سے نصیحت قبول کی۔ رسول اللہؐ نے شوہر کو ناخوش نہ کرنے کی تاکید اور ہمیشہ اطاعت کرنے کا حکم دے کر علی علیہ السّلام کو بلایا اور کہا۔ یا علیؑ اگر تم نے فاطمہؑ کو خوش رکھا تو گویا

مجھے خوش رکھا"

مقابل طعن اور علیؑ کا جواب

ایک مرتبہ ایک یہودی نے علی علیہ السلام کو طعنہ دیا کہ تو معدن فضل اور شجاع ترین عرب ہے تو نے کس غریب کی لڑکی سے عقد کیا۔ اگر میری لڑکی کی خواستگاری کرتا تو میرے گھر سے تیرے گھر تک جہیز کے اسباب سے اونٹ سے اونٹ ملا رہتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا "ہماری نظر مال پر نہیں ہے بلکہ خوشنودی خدا چاہتے ہیں۔ ہمارا فخر مال سے نہیں ہے بلکہ اعمال سے ہے۔"

ابو تراب

ابو تراب کے خطاب کی یہ وجہ ہوئی کہ غزوہ ذوالعشیرہ میں ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے علی علیہ السلام کو طلب کیا مگر آپؑ نہ ملے۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاش کرنے نکلے تو دیکھا کہ علیؑ ایک درخت کے نیچے خاک پر رخسار رکھے ہوئے سو رہے ہیں۔ رسولؐ قریب پہنچے اور فرمایا:۔ "قم یا ابو تراب" طبری کے موافق اسی وقت فرمایا کہ "بدترین شخص وہ ہے جو تجھے دشمن رکھے" آخر میں علیؑ اس لقب سے مشہور ہو گئے۔ ابن خلدون کے موافق رسولؐ مخالفین سے عہد لے کر واپس آئے۔

غزوہ کدر میں علیؑ علمدار

"غزوہ کدر میں بنو سلیم سے جنگ کرنے کی غرض سے حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوئے۔ لوائے اسلام علیؑ کے ہاتھ میں تھا۔" (ابن خلدون)

بدر ۲ھ

ابوجہل نے قسم کھائی تھی کہ جب تک بدر نہ پہنچیں، شراب نہ پئیں گے۔ خوشبو نہ لگائیں گے اور اکثر وہ قبائل جن سے رسول اللہؐ سے عہد تھا۔ انہیں اس نے ورغلا کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ اسلام کی چھوٹی جماعت کے لئے مشرکین کا پر جوش اجماع مضر تھا۔ علی علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ کچھ اصحاب ہمراہ لے کر دشمن کی خبر لیتے رہیں اور ایک کنوئیں کو جو نواح بدر میں تھا اپنا مرکز قرار دیں۔ جان نثار اصحاب اس ہونہار افسر کی ماتحتی میں چلے۔ دشمنوں کے دو سقے گرفتار کئے اور انہیں رسول اللہؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس کے بعد رسول اللہؐ نے حوض کھود کر پانی سے بھر دینے کا حکم دیا۔ دشمن بھی اس کنوئیں سے پانی کے خواستگار ہوئے۔ مسلمان مانع ہوئے لیکن رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔

دشمن اس فکر میں تھا کہ جو جماعت اس کے اعتقاد کے خلاف زور پکڑتی جاتی ہے اسے نیست و نابود کر دے۔ مسلمان گزرتی ہوئی سختیوں، جلاوطنی اور توہین اور سب سے بڑھ کر دشمن کی قوی جماعت سے بچنے کے لئے اگر ایک جان توڑ لڑائی کی فکر میں ہوں تو بعید نہیں ہے۔ اب تک کوئی بڑی لڑائی نہ ہوئی تھی۔ جس کی فتح و شکست سے اسلام کی قسمت کا فیصلہ کیا جا سکتا بدر کی لڑائی بہ نسبت گزشتہ مہموں کے بڑے پیمانہ پر تھی اور اپنے قومی وجود کے قائم رکھنے اور دھاک بٹھانے کے لئے مسلمانوں پر ضرور تھا کہ وہ ایک سخت لڑائی لڑیں۔ صف آرائیاں ہوئیں اور اسلام کے لئے موت اور زندگی کی لڑائی

شروع ہو گئی۔ پُرجوش دشمنوں میں سے عتبہ بن ربیعہ پہلا شخص تھا جو صف لشکر سے باہر نکلا۔ اس کے بعد اس کا بھائی شیبہ اور لڑکا ولید بھی باہر آیا۔ رسول ص کی فوج سے تین انصار باہر نکلے جن کے نام معاذ، معوذ اور عوف بتائے جاتے ہیں۔ قریش کے جاہلانہ جمیعت والے بہادروں کو جب معلوم ہوا کہ ان کے مدمقابل نسب میں کم درجہ کے لوگ ہیں تو انہیں واپس کر دیا اور رسول اللہؐ سے اپنے کفو کے خواستگار ہوئے۔ رسول خدا نے اب حمزہ رض، عبیدہ بن الحارث اور علی ع کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔

علی ع کی دست بدست جنگ

عتبہ حمزہ رض کے مقابل، شیبہ عبیدہ رض کے برابر اور ولید علی ع کے سامنے آیا اور ان چھ صاحب نسب لوگوں کی لڑائی دین اور کفر کے قائم کرنے کے لئے جاری ہو گئی۔ عرب کے مشہور مبارز حمزہ رض نے اپنے مقابل کو خون میں نہلا دیا۔ لیکن عبیدہ شیبہ کے ہاتھ سے زخمی ہوئے۔ علی ع نے ولید یعنی معاویہ کے خالو کو قتل کیا۔ دیکھا کہ عبیدہ شیبہ کے ہاتھ سے زخمی ہوتے ہیں۔ وہی تلوار جو ولید کا کام تمام کر چکی تھی، شیبہ پر چمکی اور یہ بھی خاک پر ڈھیر ہو گیا۔ اس طرح آج کا سخت دن ہاشمیوں کے ہاتھ رہا۔ اب دونوں طرف سے عام لڑائی شروع ہو گئی۔ علی ع جو آئندہ زمانہ میں شجاع ترین عالم مشہور ہونے والے تھے آج ان کے اظہار شجاعت اور شرکت جنگ کا پہلا موقع تھا۔ بقول مؤلف تاریخ الاسلام "علی ع کے اوسط بدن، میانہ قد اور چستی پر لوگ عش عش کرتے تھے" انتہائی جوش جنگ میں تند ہوا نے کفار کو خوف زدہ کیا۔ مسلمان تائید ایزدی سمجھے اور جان توڑ حملہ کیا ابوجہل مع اپنی قسم کے مارا گیا اور ابوسفیان بھاگ گیا۔ دشمن کے ستر آدمی مارے گئے۔ جن میں چھتیس کو دین اسلام کے پرجوش اور نوجوان مبارز نے قتل کیا۔ جن لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا وہ معمولی آدمی نہ تھے جن کا قتل مشرکین کی بنیاد کا سدباب تھا ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

ان افسروں کے نام جو علی ع کے ہاتھ سے مارے گئے

عاص ابن سعد، حنظلہ بن ابوسفیان برادر معاویہ، طعیمہ بن عدی، نوفل بن خالد زمعہ بن الاسود، عمر ابن عثمان عم طلحہ بن عبداللہ، عثمان و مالک برادر طلحہ، منبہ بن الحجاج السہمی وغیرہ جن کے قتل نے کفار کی حرارت فرو کر دی۔

دشمن اور علی ع

اثنائے جنگ میں علی ع نوفل کے سامنے گئے۔ نوفل علی ع کو دیکھ کر اپنے ایک رفیق سے کہنے لگا۔ "کوئی شخص ہمارے قصد سے آ رہا ہے۔"

"ہاں۔ یہ علی ع ابن ابی طالب ہیں"

میں بقسم کہتا ہوں کہ مارنے والوں میں میں نے اس سے زیادہ شریف نہیں دیکھا۔" نوفل علی ع کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اس بڑے دشمن کے اپنے شاگرد کے ہاتھوں قتل ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ بقول مصنف تمدن اسلام "اس جنگ میں سب سے زیادہ پر جوش اور کوشش کرنے والے صرف دو تھے ایک علیؑ ابن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی اور دوسرے حمزہ رضؓ ابن عبد المطلب"۔

تمدن اسلام اور تاریخ الاسلام کے علاوہ بدر کے واقعات پر روضۃ الصفا اور ابو الفدا وغیرہ شاہد ہیں۔

۳ھ ولادت امام حسنؑ

۳ھ میں علی علیہ السلام کا وہ فرزند پیدا ہوا جو حلم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چربہ کہا جاتا ہے۔ خُلقِ حسنی مشہور بات ہے جسے اسلام کا ہر پڑھا لکھا جانتا ہے۔ اس بزرگ کی امن پسندی نے زمانہ کو ایک بڑا سبق سکھایا۔ لیکن دیکھا یہ گیا کہ اگر یہ لوگ اپنے کو بزورِ شمشیر بچانے کی آمادگی نہ بھی ظاہر کریں تاہم زمانہ زہر کے تلخ جام سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ انہیں لوگ سبز قبا اور شبرؑ بھی کہتے ہیں یہ بہ عقائد شیعہ دوسرے امام ہیں ان کی لاش بعد شہادت بروضہ رسولؐ میں دفن نہ ہو سکی۔ ان کے جنازہ پر تیر بارانی کا واقعہ مشہور عالم ہے۔ جنازہ کے ساتھ یہ سختی اس لئے ظاہر کی گئی تھی کہ بنی ہاشم انہیں پہلوئے رسولؐ میں دفن کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور مخالفین جن کا یہ قول تھا کہ نبوت اور خلافت ایک خاندان میں نہیں رہ سکتی یہ نہ چاہتے تھے کہ نانا اور نواسے کی قبر ایک جگہ دیکھ کر لوگوں میں ان کی قربت اور قرابت کا خیال قوت کے ساتھ پیدا ہو اور لوگ ان کی کس مپرسانہ حالت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

جنگ اُحد میں علیؑ علمدار

اسی سال ابو سفیان نے پہلے سے بڑے پیمانہ سامان جنگ درست کیا۔ اس دفعہ اس کے پاس تین ہزار آدمی تھے۔ جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ ان کے علاوہ تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے بھی کہے جاتے ہیں۔ رسولؐ اللہ مدینہ میں تھے کہ عباس کا خط آیا جس میں انہوں نے دشمن کی تیاری کی خبر دی تھی۔ رسولؐ اللہ ایک ہزار جانباز مہیا کر سکے جن میں ایک سو زرہ پوش تھے۔ حضرتؐ کے لشکر میں تین علم تھے۔ ایک سعد بن عبادہ، دوسرا حباب بن منذر اور تیسرا علم خاصہ بدر کے ہیرو کے ہاتھ میں تھا۔ یہ لشکر کوچ کرتا ہوا پندرھویں شوال کو کوہ احد کے قریب پہنچا۔ رسولؐ اللہ نے نہایت دور اندیشی سے عبد اللہ ابن جبیر کو پشت کی ایک گھاٹی کا محافظ قرار دیا اور حکم دیا کہ فتح و شکست کی حالت میں وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے کیونکہ اس طرف سے دشمن حملہ کر سکتا تھا اور اس وقت لشکر اسلام کا عقب کمزور ہو جاتا۔

دو علمداروں کی جنگ

ابو سفیان کے لشکر کے نامی افسر خالد ابن ولید اور عبد اللہ ابن ربیعہ تھے۔ طلحہ ابن ابی طلحہ کو کبش الکتیبہ کے خطاب سے مشہور تھا، قریش نے اپنا علمدار بنایا تھا۔ لڑائی شروع ہو گئی اور دشمنوں کی فوج کا نامی علمدار آیا اور تھوڑی دیر میں طلحہ کے پاؤں کاٹ دیئے۔ لیکن دشمن ابھی ناتمام ہوا تھا کہ علیؑ میدان جنگ سے چلے گئے۔ جب میدان سے اس طرح آنے کا سبب پوچھا گیا تو کہا کہ دشمن نے مغلوب ہو کر امان چاہی تھی اور پاؤں کٹنے

سے مجبور ہو گیا تھا۔ اس لئے میں نے اسے قتل نہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا (روضتہ الصفا)

علیؑ کا شجاعانہ لطیفہ

طبری کہتا ہے:۔ طلحہ ابن عبداللہ علمدار لشکر کفار جو نہایت مرد شجاع تھا۔ حضرت علیؑ ابن ابیطالب کے سامنے آکر اور شمشیر آبدار کو گھما کر کہنے لگا:۔

" تم مسلمان کہتے ہو کہ ہمارے مقتولین جہنم میں جائیں گے اور تمہارے مقتولین بہشت میں۔ دیکھو میں اب تمہیں بہشت میں بھیجے دیتا ہوں "

علیؑ نے جواب دیا:۔

" بسم اللہ ایسا ہی کر "

دونوں میں تلوار چلی طلحہ گرا اور کہنے لگا:۔

" اے میرے چچا کے بیٹے اب میرے حال پر رحم کر "

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ " میں تجھ پر رحم کروں گا اور تجھے جہنم میں نہ بھیجوں گا۔ " (تنقید الکلام وحیات القلوب)

قریش کے بہادر سپاہی جھلا جھلا کر علم ہاتھ میں لیتے ہیں لیکن مبارزان اسلام کے ہاتھوں قتل ہو جاتے ہیں۔ جن میں زیادہ علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوتے ہیں۔ دشمن میں کمزوری آتی گئی اور وہ مال واسباب چھوڑ کر پیچھے ہٹنے لگا۔ مسلمان لوٹ میں مشغول ہو گئے اور انہیں غنیمت حاصل کرتا ہوا دیکھ کر ابن جبیر کے رفقاء رسولؐ اللہ کا حکم بھول گئے اور خود بھی درہ کی محافظت چھوڑ کر لوٹ میں مشغول ہو گئے۔ خالد ابن ولید پشت پر تھا اس نے موقع خالی دیکھ کر عقب سے حملہ کر دیا۔

فتح شکست میں بدل گئی

اس دفعتہً حملے نے غافل مسلمانوں کو گھبرا دیا اور خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ رسولؐ نے ایک ایک کا نام لے کر پکارنا شروع کیا لیکن اپنی جان کے خوف سے کسی نے توجہ نہ کی۔ مشہور ہے کہ صرف حسب ذیل آدمی جن کی تعداد چودہ ہے، رہ گئے۔

ابو بکر ابن قحافہ، عبدالرحمٰن ابن عوف، سعد وقاص، زبیر بن عوام، طلحہ ابن عبداللہ، ابو عبیدہ جراح، حباب بن منذر، ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہیل ابن حنیف، سعد ابن عبادہ، محمد بن سلمان، علیؑ ابن ابی طالب۔ جب لڑائی اور زور سے ہونے لگی اور مسلمانوں کی قلیل جماعت دیکھ کر کافروں کے حوصلے بڑھے تو ان چودہ آدمیوں کے ثبات میں بھی فرق آگیا اور اب صرف حسب ذیل آٹھ آدمی رہ گئے۔

آٹھ آدمی

طلحہ، زبیر، ابودجانہ، حارث، حباب بن منذر، عاصم، سہل، علی علیہ السلام۔

ان جان نثاران اسلام نے قسم کھائی کہ ہم لوگ نہ بھاگیں گے اور رسولؐ پر نثار ہو جائیں گے۔ دشمنوں کے

بڑھے ہوئے حوصلوں کے مقابلے میں یہ مختصر جماعت قابل شمار نہ تھی لیکن یہ ضرور تھا کہ اسلام کی قطعی شکست کو رد کے ہوئے تھے۔
جب ہر طرف سے دباؤ پڑنے لگا تو ان لوگوں کی ہمت میں بھی لغزش پیدا ہوئی اور یہ لوگ بھی میدان سے غالباً بہ مجبوری ہٹنے لگے۔
بہادر ابو دجانہ کو زخم داری کے عالم میں علیؑ میدان جنگ سے اٹھا لائے اور رسول اللہؐ کے پاس ڈال دیا۔ اس عالم میں جب کہ ہر طرف سے قتل کے لئے تلواریں اٹھی تھیں۔ دیکھنے والا کہہ سکتا تھا کہ ضرور آج ہادیٔ عالم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

رسولؐ اللہ کا نازک موقع اور علیؑ

رسولؐ اللہ اس وقت داہنے بائیں زخمداری کی حالت میں نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ صرف ایک فرد کی خون میں ڈوبی ہوئی تلوار اس موج خیز دریا کو روک رہی ہے۔ موقع نہایت مخدوش تھا۔ کوئی امید نہ تھی کہ اسلام آج باقی رہ جائے گا۔ ایک تھکا ہوا ہاتھ کب تک روکتا اگرچہ اس میں تائید ایزدی کی امید سے ہر لحظہ پھرتی پیدا ہوتی جاتی تھی۔ بقول مؤلف تاریخ الاسلام جب علیؑ کو رسولؐ اللہ کا خیال آتا ہے تو دیکھتے ہیں کہ ان کے قریب کوئی نہیں ہے۔ یہ آتے ہیں اور رسولؐ اللہ کہتے ہیں

رسولؐ کا سوال اور علیؑ کا جواب

"یا علیؑ تم کیوں نہ بھاگے؟"
یہ اکیلا مسلمان جواب دیتا ہے۔ "یا رسول اللہ کیا ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا۔ واللہ قدم پیچھے نہ رکھوں گا، جب تک فتح نہ ہو جائے یا مارا نہ جاؤں"۔ بقول صاحب قرۃ العیون شرح سرور المحزون فرمایا۔ "یا رسول اللہ مجھ کو ساتھ تمہارے اقتدا ہے نہ بھائیوں کے"
اس وقت علی علیہ السلام کا یہ پرجوش جواب بہت ہی قابل وقعت ہے۔ جب کہ سردار اور اس کے اس سپاہی کے علاوہ میدان میں کوئی نہیں ہے۔ اسلام کے لئے سردار اور سپاہی دونوں کا ثبات اور استقلال قابل فخر ہے اس وقت کیا رسولؐ اللہ کو علیؑ کی محبت پیدا ہو رہی ہوگی۔ کیا فاطمہؑ کا خیال آیا ہوگا۔ کیا حضرت علی علیہ السلام کو اس بے مثال جرأت نمائی کے صلہ میں امید دلائی ہوگی کہ تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنی فوج کا سردار بناؤں گا۔ نہیں۔ اس کا وقت نہ تھا۔ ہادیٔ عالم دیکھ رہا ہوگا کہ دنیا میں وہ تنہا ہاتھ جو نصرت اسلام کے لئے اٹھا ہوا ہے کہیں زخمی نہ ہو جائے۔ وہ سینہ جس میں حفاظت اسلام کا ذخیرہ ہے۔ کہیں نیزہ سے چھید نہ دیا جائے اور وہ قدم جو ثبات دین کے لئے میخ آہنی کی طرح زمین میں گڑے ہیں کہیں قلم نہ ہو جائیں۔ علی علیہ السلام کے چہرہ، سر سینہ اور پیروں میں اس قدر زخم لگے تھے کہ بمشکل کھڑے ہو سکتے تھے اور قدم تھرا رہے تھے۔

دشمن کا متواتر حملہ

دشمن کے پہلے دستے کا افسر ہشام ابن امیہ بڑھا۔ محافظ اسلام کا ہاتھ اس کے لئے کافی ہو گیا اور جب یہ بہادر اس کی فوج کی طرف بڑھا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ دوسرا دستہ عبداللہ ابن عبداللہ جمحی کی ماتحتی میں بڑھا۔ علی علیہ السلام کی تلوار سے عبداللہ کا بھی یہی حال ہوا۔ بشر ابن مالک عامری بڑھا اور اسلام کے سپاہی

نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اس کی خون کی سی سرخ نگاہ۔ جنگ سے باخبری اور خون آلود تلوار کھچی ہوئی دیکھ کر کوئی قدم بڑھانے کی جرات نہیں کرتا۔ میدان کے طوفان کو تھما ہوا دیکھ کر علیؑ پھر رسُول اللہؐ کے پاس آتے ہیں اور سوال فرماتے ہیں:۔

"یا علیؑ کیا تم بھی سن رہے ہو۔ کوئی فرشتہ کہہ رہا ہے۔ لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار"

یہ سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس کی زبان پر کلمۂ شکر جاری ہوا۔ مسلمانوں کا حال اس وقت

مُسلمان کہاں تھے

مولوی شبلی صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوگا کہ "قاضی ابو یوسف صاحب نے خود حضرت عمر کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گزرے اور پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا گزری، میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہو گئے"۔ اگر مولوی صاحب نے حضرت عمر کے عربی کلام کا لفظی ترجمہ "میرا خیال" کیا ہے تو کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت عمر میدان جنگ سے اس قدر دور ہو گئے تھے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کسی امر کا یقین کرنے کے قابل تھے اور نہ موقع کی تفتیش سے صحیح حال معلوم کر سکتے تھے بلکہ قیاس سے مدد لیتے تھے۔ مولانا یہ بھی لکھتے کہ علامہ بلاذری کے نزدیک حضرت عمر ان لوگوں میں تھے جو اُحد کے دن بھاگ گئے تھے لیکن خدا نے انہیں معاف کر دیا۔ بعض معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے میدان جنگ سے اپنے چلے جانے کی حالت کو مضحک لفظوں میں ظاہر کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں ہیثم بن طلیب اپنی مسند میں لکھتا ہے کہ ابو بکر کہتے تھے۔ "اُحد کے دن سب نے رسُول اللہؐ کو چھوڑ دیا اور واپس آنے والوں میں سب سے پہلا میں تھا"۔

روضۃ الصفا کے موافق حضرت سید سے عریض پہنچے اور تین دن سے پہلے تشریف نہ لائے۔ جب مسلمانوں کو جو جنگ گاہ کے قریب تھے، یہ معلوم ہوا کہ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں۔ کیونکہ اثنائے جنگ میں ایک زخم سے حضرتؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی تھی۔ تو وہ پھر جمع ہونے لگے۔ مسلمانوں کے دوبارہ اجتماع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو زندہ دیکھ کر ابو سفیان آئندہ سال کے وعدہ پر چلا گیا۔

احد کے متعلق صاحب تنقید الکلام کی عبارت ذیل توجہ کے قابل ہے۔

"اب چند ہی اصحاب آپ رسول اللہؐ کے گرد رہ گئے تھے اور قلب لشکر سے آپ بالکل جدا ہو گئے تھے۔ پس کفار نے متواتر اور شدید حملے آپؐ پر شروع کئے۔ احباب وفادار جلد جلد شہید ہو کر آپ کے سامنے گرتے جاتے تھے۔ گو آپ کے زخموں سے برابر خون جاری تھا مگر ان جان نثاروں کو اس عالم میں بھی آپ نہیں بھولے اور اس وفادار کو دعائے خیر دی۔ جس نے آپ کی پیشانی مبارک سے خون کو پاک کیا۔ لیکن خدا نے فضل کیا کہ حضرت علیؑ چند بہادروں کو لئے ہوئے عالم ہراس میں قلب لشکر میں لڑ رہے تھے...... جب انہوں نے دیکھا کہ ہمارے بھائی بند میدان جنگ کی دوسری سمت اب تک لڑ

رہے ہیں تو وہ قلب لشکر کفار میں گھس گئے اور وہاں تک گھسے چلے گئے جہاں پر بعض مجاہدین جانباز اب تک آپ کو کفار کے حملوں سے بچا رہے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو زندہ دیکھ کر آپ کی جان میں جان آئی اور بڑی جانبازی کر کے وہ آپ کو احد کے اوپر چڑھا کر لے گئے اور وہاں پہنچ کر پھر دم لیا۔ حضرت علی علیہ السلام اپنی سپر میں ایک جھیل سے پانی لائے اور ان حضرت کے روئے مبارک پر اور زخموں پر چھڑکا اور اپنے اصحاب کو نماز ظہر بیٹھے بیٹھے پڑھائی۔"

حضرت علیؑ کا رجز

علی علیہ السلام کی بہادرانہ شان اس وقت دیکھنے کے قابل ہے جب کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نبی اللہ کی شہادت کی خبر سن کر کوہ احد پر تشریف لائی ہیں اور رسولؐ کو زخمی دیکھ کر ایک ریشمی کپڑا جلا کر زخم سر میں بھر رہی ہیں علی علیہ السلام فاطمہؑ کو اپنی خون آلود تلوار دھونے کے لئے دیتے ہیں اور حوالے کرتے وقت کہتے ہیں۔ " اے فاطمہؑ لو یہ ناپاک نہیں ہے اور میں بزدل نہیں ہوں۔ اے فاطمہؑ میں نے فی الحقیقت رسولؐ خدا کی نصرت اور خدائے رحیم کی خوشنودی کے لئے جنگ کی ہے"، یہ سن کر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فرماتے ہیں " اے فاطمہؑ یہ تلوار لے لو اور تمہارے شوہر نے تمام حقوق جو اس پر تھے، ادا کئے اور خدا نے صنادید قریش کو اس کے ہاتھ سے قتل کر دیا"(سراج المبین و حیات القلوب)

مقتولین کی تعداد، شہادت حمزہؓ

اس جنگ میں رسولؐ کے لشکر کے ساٹھ سے ستر آدمی اور کفار کے تئیس آدمی مارے گئے ان میں سب سے زیادہ اثر خیز موت حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلب کی تھی جو دھو کے میں قتل ہوئے۔ یہ وہ بزرگ تھے کہ بقول ابن خلدون " قریش کو حمزہ ابن عبدالمطلب کے ایمان لانے سے ایک تشویش پیدا ہو گئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب مسلمانوں کو تکلیف دینا آسان نہیں ہے"، اس جنگ میں مشرکین کے تیس[۳۰] مقتولین میں سے بارہ علیؑ علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوئے اور کل مؤرخین اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ علیؑ نے اس جنگ میں کل مسلمانوں سے زیادہ جرأت دکھائی اور راہ خدا میں سولہ زخم کھائے۔ طبری کے موافق جب لڑتے لڑتے علی علیہ السلام کی تلوار ٹوٹ گئی تو رسولؐ اللہ نے تلوار عطا فرمائی اور فرمایا۔ لافتی الا علی......۔ رسولؐ اللہ نے علی علیہ السلام کو بغل گیر بھی کیا۔

رسولؐ کا معنی خیز مخاطبہ

صاحب مناقب مرتضوی شاہ عبدالحق دہلوی کی جذب القلوب سے نقل کرتا ہے کہ رسولؐ اللہ شہدائے احد کو سلام کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ ہیں جن کی صحابیت پر قیامت تک گواہی دوں گا۔ اس پر ابن قحافہ نے کہا:۔

"یارسولؐ اللہ، کیا ہم صحابی نہیں ہیں؟"

فرمایا "ہو۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ میرے بعد کیا کرو گے"!

علی علیہ السلام کی حالت

علی علیہ السلام بہت زخمی تھے۔ رسولؐ اللہ ایک روز دیکھنے گئے اکثر زخم اتنے بڑے تھے

کہ ان میں تپتی دی جاتی تھی۔ زخمداری کے عالم میں انہیں لیٹا ہوا دیکھ کر رسول اللہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ جو خدا کی راہ میں تکلیف اٹھائے اس کے لئے خدا ثواب کرامت فرماتا ہے۔ یہ سن کر علی علیہ السلام کا دل بھر آیا اور کہا۔ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے آپ کی طرف سے پشت نہیں پھیری۔ لیکن افسوس ہے کہ کیوں شہید نہ ہوا، اور باوجود اس زخمداری کے یہ سن کر کہ ابو سفیان نے حمراء الاسد میں لڑنے کا وعدہ کیا ہے۔ ساتھ جانے کی آمادگی ظاہر کی۔

بنی نضیر ربیع الاول ۴ھ

یہود کے قبیلہ بنی نضیر نے رسولؐ سے بدعہدی کی۔ رسول اللہ نے ان کا محاصرہ کیا۔ قلعہ مضبوط تھا۔ بہادران اسلام کو پندرہ روز گزر گئے لیکن مطلب برآری نہ ہوئی۔ اسی درمیان میں کسی تیر انداز نے رسول اللہ کے خیمہ پر تیر چلایا۔ قرۃ العیون میں اس کا نام غرور تبایا گیا ہے۔

علیؑ غائب ہو گئے

اسی رات کو علی علیہ السلام لشکر سے غائب ہو گئے۔ لوگ متوحش ہوئے اور رسول اللہ کو اطلاع کی۔ رسول اللہ کو یقیناً یہ اندیشہ نہ تھا کہ علی علیہ السلام اس معرکہ سے چھوڑ کر چلے گئے ہوں گے کیونکہ سرایا اور غزوات میں ان کی وفاداری اور شجاعت کا یقین ہو چکا تھا۔ یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ مبادا کسی خطرے میں گرفتار ہو گئے ہوں مگر علیؑ کی باحواسی جرأت اور خدا پر اعتماد کا ایسا یقین تھا کہ انتشار کی کوئی وجہ نہ معلوم ہوئی۔ رسول اللہ نے لوگوں کو جواب دیا۔

علیؑ سر لے کر حاضر ہوئے

"میں دیکھتا ہوں کہ وہ تم لوگوں کے کسی مشکل کے انجام دینے کو گئے ہیں۔" تھوڑی دیر میں لوگوں نے دیکھا کہ علیؑ چلے آرہے ہیں۔ رسول اللہ کے قریب پہنچ کر ایک سر اُن کے قدموں پر ڈال دیا۔ رسول اللہ نے پوچھا:۔ "یا علیؑ یہ کس کا سر ہے؟"

عرض کی۔

"یا رسول اللہ یہ اسی کا سر ہے۔ جس نے آپؐ کے خیمہ پر تیر چلایا تھا۔"

"اسے کیوں کر قتل کیا؟"

علیؑ کمین میں تھے

اے نبی خدا۔ میں اسے بہادر سمجھ کر تلاش میں رہا اور سوچا کہ مبادا یہ کسی وقت مسلمانوں کو غافل پاکر قتل نہ کر ڈالے۔ اس لئے میں کمین گاہ میں بیٹھا۔ مجھے اپنے خیال کی تصدیق ہوئی۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ تلوار لئے مع نو آدمیوں کے آرہا ہے میں نے اس پر حملہ کر کے قتل کر ڈالا اس کے رفقا بہت نزدیک ہیں اگر اجازت ہو تو وہ بھی مغلوب ہوں"

رسول اللہ نے علیؑ کی ماتحتی میں سہل ابن حنیف اور ابو دجانہ کو مع آٹھ آدمیوں کے روانہ کیا۔ اس متلاشی جماعت نے ان نو آدمیوں کو گھیر لیا۔ جنگ ہوئی اور سب قتل ہوئے۔ سر رسول اللہ کی خدمت میں لائے گئے۔ بنی نضیر نے محاصرہ سے تنگ آکر

صُلح کرلی

ولادت حسینؑ ۴ھ

۴ھ میں اس مظلوم کی ولادت ہوئی جس کے عبرت خیز واقعات آج بھی دنیا کو متاسف کر رہے ہیں۔ زمانہ ان کے اور ان کے رفقاء کا استقلال اور حق روی ممدوح اور ان کے دشمنوں کی بے رحمیاں مذموم سمجھتا ہے۔ نانا نے جس دین کے رواج دینے میں سختیاں اٹھائیں۔ نواسہ نے اس کی بقا کے لئے جو مشتبہ ہو رہی تھی۔ نہر فرات پر اپنے رفقاء کو راہ خدا میں صدقہ ہو جانے دیا۔ لیکن اپنے اس اصرار حق سے پیچھے نہ ہٹے جس نے زمانے کو ان کی طرف متوجہ کر دیا اور لوگ یہ سوچنے لگے کہ محافظ دین حقیقت میں وہ لوگ نہیں ہیں جو حکومت کر رہے ہیں۔ بے شبہ اگر امام حسینؑ بیعت کر لیتے تو ابن معاویہ کے افعال کی پسندیدگی کی سند گویا خاندان رسالت کے ایک مستند رکن سے مل جاتی اور جو لوگ دمشق کے دربار کی ماتحتی میں تھے انہیں اس کا خیال بھی نہ ہوتا کہ ہمارے حاکم کے علاوہ بھی کوئی شخص ہے جسے رسولؐ سے کوئی تعلق یا دین کا ذمہ دار ہے وہ بلا تردید یزید کی پیروی کرتے اور اسے برا نہ سمجھتے امام حسینؑ کی شہادت ۶۱ھ میں میدان کربلا میں ہوئی جس پر ان کے ہمدرد آج تک نوحہ خوانی کرتے ہیں اور جو جوش غم ہے وہ ایسا نہیں ہے جس میں کمی کا اندیشہ ہو۔ اگرچہ امام حسینؑ کی یاد اور ان کے سمجھنے کے لئے جو عام طریقے جاری ہیں۔ ہم اسے پسندیدگی سے نہیں دیکھتے لیکن یہ بغیر کہے نہیں رہ سکتے کہ امام حسینؑ کے ساتھ بے انصافی ہوگی۔ اگر ان کے قدرشناس انہیں بھول جائیں یا ان کی خوبیوں کو بلا ذکر بھولے جاویں۔ امام حسینؑ عقائد شیعہ میں تیسرے امام ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال

اسی سال حضرت فاطمہ بنت اسد نے سرائے فانی کو وداع کیا۔ رسول اللہؐ نے ان کی لاش کو جس طرح مخاطب کیا وہ ان کی منزلت اور رسول اللہؐ کی قدر دانی کا اعلیٰ ترین ثبوت ہے

بنی مصطلق ۵ھ

حضرت رسولؐ خدا مدینہ میں تشریف رکھتے تھے کہ حارث بن ضرار قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی آمادگی جنگ کی خبر ملی۔ مسلمانوں کا لشکر آراستہ کیا گیا اور مہاجرین کا علم حضرت علی علیہ السلام کے حوالے ہوا لڑائی شروع ہوگئی اور یہودیوں کے ایک بڑے افسر کو جس کا نام مالک تھا۔ مع اس کے لڑکے کے علیؑ نے میدان جنگ میں قتل کیا۔ دشمنوں کا علمدار لشکر بھی انہیں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کا ایسا اثر پڑا کہ دشمن پر خوف طاری ہوگیا اور وہ میدان سے بھاگ گئے

حدیث افک

اس غزوہ کے متعلق ایک واقعہ ہماری کتاب میں اس لئے قابل ذکر ہے کہ اس کا اثر بہت کچھ آئندہ زمانہ پر ہوا جو ذکر کیا جانے والا ہے۔ اس غزوہ میں حضرت عائشہ بھی ہمراہ تھیں۔ وہ واپسی کے وقت پیچھے رہ گئیں پیچھے رہ جانے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ایک گردن بند گر گیا تھا اسے تلاش کر رہی تھیں۔ ملنے کے بعد سوچتی رہیں کہ جب کوئی ہمیں تلاش کرنے آئے گا تو اس کے ساتھ چلے جائیں گے۔ یہاں آپ کو نیند آگئی۔ صفوان ابن معطل اسلمی جو ساقہ لشکر مقرر تھا جب اس مقام پر پہنچا اور انہیں سوتا ہوا دیکھا تو اونٹ بٹھا دیا اور سوار کر کے خود مہار ناقہ تھامے چلا۔ اس واقعہ کے متعلق لوگوں نے کچھ طنز آمیز کلام

کرنے شروع کئے۔ غالباً ان کا اعتراض اس خیال پر مبنی ہو کہ کیوں نہ حضرت عائشہ نے اپنے پیچھے رہ جانے کی اطلاع کی۔ جس سے یا تو کوئی ان کے ہمراہ چھوڑا جاتا یا کسی دوسرے کو تلاش سپرد کی جاتی۔ ملک دشمنوں کا تھا مبادا ان کی اس دوسری غفلت سے کہ سو بھی گئیں بھاگا ہوا دشمن آتا اور گرفتار کر لیتا۔ رسول اللہؐ کے کسی آدمی کی نگاہ نہ پڑتی۔

کنیز کا اظہار

طعنہ کی خبر رسول اللہ کے کانوں تک پہنچی اور ہادیٔ عالم نے عام اجازت دے دی کہ جسے جو کچھ کہنا ہو، کہے۔ لوگوں کا خیال سننے کے بعد رسول اللہؐ نے بریرہ کو جو حضرت عائشہ کی کنیز تھی، طلب کیا اور اس کا اظہار شروع ہوا۔ شوخ طبیعت یا محض سادہ مزاج کنیز نے کہا:۔ "اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ صرف کم سنی کی وجہ سے سو جاتی ہے اور بکری آ کر خمیر کھا جاتی ہے۔"

اب رسول اللہؐ نے علیؑ کی رائے پوچھی جس کا انہوں نے جواب دیا:۔

"یا رسولؐ! آپ کو اس غم سے خلاصی کے لئے دوسری عورت کرنے کا اختیار ہے اور عورتیں بہت سی ممکن ہیں۔"

رسولؐ کچھ روز تک برخاستہ خاطر تھے۔ آخر میں اس واقعہ کا تصفیہ حضرت عائشہ کے مخالف نہ ہوا۔ علیؑ کی اس رائے کا جو اثر عائشہ پر پڑا۔ یہی ہماری کتب سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ (از طبری و روضۃ الصفا وغیرہ)

صلح حدیبیہ

چھ برس گزر گئے تھے کہ مکی نبی نے اس معبد کی زیارت نہ کی تھی۔ جس کے مجاور اس کے آباد اجداد تھے۔ آپ نے خراش ابن امیہ کو اپنے اس اظہار مطلب کے لئے قریش کے پاس سفیر بھیجا لیکن خلاف قاعدہ قریش نے سفیر کو گرفتار کر لیا۔ کچھ زمانے تک گفتگو رہی۔ آخر بلا حصول مدعا اسے رخصت کر دیا۔ اب رسول اللہؐ نے ابن الخطاب سے کہا کہ تم جا کر کہو کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہیں ہے بلکہ زیارت خانہ کعبہ مقصود ہے۔ لیکن انہوں نے اس خیال سے کہ وہاں کے لوگ ان کے دشمن تھے اور قتل کا خوف تھا انکار کر دیا۔ اور ابن عفان کی نسبت صلاح دی۔

مؤلف سیرۃ الفاروق نہ جانے کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ "حضرت عمر اپنی جان کا خوف نہ کرتے تھے بلکہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی نیا جھگڑا نہ کھڑا ہو" میں اس مخصوص جھگڑے کو نہیں جانتا جو انہیں کے لئے کھڑا ہو سکتا تھا۔ بڑی رد و قدح کے بعد رسول اللہؐ نے نرمی سے اہل مکہ کی شرط صلح قبول کر لی۔ جس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر کفار میں سے کوئی ان کے پاس چلا جائے تو اسے واپس کر دیں اور اگر رسول اللہ کے پاس سے کوئی ان کے پاس چلا جائے تو کوئی تعرض نہ کریں۔ اس شرط کے متعلق حضرت عمر کی برافروختگی اور طعنہ ایک مشہور واقعہ ہے۔ ابتدا سے آج تک مؤرخین نے اس کی قابل داد کوشش کی ہے کہ ان کے الفاظ اور انداز کو ادب کے احاطہ کے اندر لے آئیں۔

ابو الفدا کا یہ پُر حجاب جملہ توجہ کے قابل ہے کہ یا رسول اللہ یا تو آپ خدا کے رسول نہیں ہیں یا ہم لوگ مسلمان نہیں۔ کبھی کہا

صلح سے عزت کھوتے ہیں۔" ابوالفدا اس ہیئت پر بھی قناعت نہیں کرتا بلکہ کمال درگزر سے اسے "گرم جوشی اسلام" پر محمول کرتا ہے۔ گرم جوشی سے اسلام پر توجہ کرنے والوں کے لئے یہ روایت مفید ہوگی۔ جو میں انسائیکلوپیڈیا سے نقل کرتا ہوں کہ سہیل ابن عمر وغیرہ وکلائے قریش جس وقت عہدنامے میں رسول اللہ کو رسول اللہ لکھنے سے انکار کر رہے تھے۔ سعد ابن عبادہ اور اسید بن حضیر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "یا لکھو یا تلوار فیصلہ کرے گی"۔ مولوی شبلی صاحب نے حدیبیہ کے متعلق حضرت عمر کے قول کو ایک خوش ذائقہ لطیفہ و مکالمہ کی شکل میں بنا دیا ہے لیکن تاہم اس سے مفر نہ ہوئی کہ حضرت عمر کی گفتگو اور انداز گفتگو کو خلاف ادب نہ سمجھتے۔ یہ صلحنامہ مسلمانوں کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوا اور آخر میں بقول مؤلف تاریخ الاسلام "حضرت عمر صلح کے زیادہ خلاف تھے اور نادم بھی تھے"، اور بقول صاحب سیرۃ الفاروق "آنحضرتؐ کے منشا کے خلاف چاہنے پر اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اس کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا عہد کیا۔"

علیؑ رسولؐ کے میر منشی

اس صلح نامہ کے وقت حضرت علی علیہ السّلام رسولؐ کے میر منشی تھے۔ جب مشرکین نے لفظ "محمدؐ رسول اللہ" سے انکار کیا تو منصف مزاج رسولؐ نے اس فقرے کے کاٹ دینے کا حکم دیا۔ جس طرح مشرکین قریش "رسول اللہ" کے لفظ کو بوجہ ایمان نہ لانے کے قبول نہ کر سکتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؑ بوجہ مسلمان ہونے اور رسالت کا اقرار کرنے کے کاٹ نہ سکتے تھے۔ رسولؐ نے خود اپنے ہاتھ سے قلم زد کیا۔ یہ واقعہ رسول اللہ کے اس میر منشی کے ایک واقعہ کی پیشین گوئی تھی جو آج سے قریب تیس برس بعد وقوع میں آیا۔

جنگ احزاب یا خندق

بنی نضیر کو جب اپنی بدعہدی کی وجہ سے جلاوطن کر دیئے گئے تھے۔ پھر اپنے گھر آنے کا خیال پیدا ہوا۔ انہیں اس سے بہتر کوئی راہ نہ معلوم ہوئی کہ اپنے امرا کو مکہ کے سرداروں کے پاس بھیج کر مدد طلب کریں۔ ایسا ہی ہوا اور کعبہ میں قسم کھائی گئی کہ جب تک زندہ رہیں گے لڑائی سے ہاتھ نہ اٹھائیں گے قبائل جمع ہونے لگے اور دس ہزار کی تعداد سے مدینہ کی طرف کوچ کرتے ہوئے چلے۔ اس فوج میں بنی نضیر کے علاوہ بنی کنانہ، غطفان اور قبیلہ بنی قریظہ بھی تھے۔ جب رسول اللہ کو اس بڑی تیاری کی خبر ملی تو اپنے ساتھ تین ہزار آدمی لئے اور کوہ سلع کے دامن میں جو قریب مدینہ ہے۔ سلمان فارسی کی صلاح سے دشمن اور اپنے درمیان ایک خندق کھود دی۔ یہ لڑائی احزاب کے علاوہ خندق کے نام سے مشہور ہو گئی۔ خبریں ہیں کہ شدت محاصرہ سے کم ایسے لوگ تھے جو ایمان میں متزلزل نہ ہو گئے۔ لوگوں کی حالت دیکھ کر رسول اللہ نے دعا کی۔ جس سے کرب اور اضطراب ظاہر تھا۔

عمر ابن عبدود

دشمن کا نامی سپہ سالار عمرو ابن عبدود جو بدر میں زخمی ہو کر نکل گیا تھا۔ آج اپنی بہادری کے جوہر دکھانے صف سے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب، نوفل بن عبد اللہ

اور ضرار بن خطاب گھوڑے اڑاتے ہوئے چلے۔ بیچ میں ایک چھوٹی سی خندق دیکھ کر گھوڑے کو تازیانہ مارا اور لشکر اسلام کی طرف آگیا۔ اس کی بہادری کی یہ شان بہت مؤثر تھی۔ یہ تمام عرب میں بہادری کے لئے مشہور تھا۔ اس پشت دپناہ کفار نے جوش میں آکر رجز پڑھا اور لشکر اسلام سے اپنا مقابل چاہا۔ لشکر اسلام کے بہادر جنہوں نے بہادر ابن عبدود کی شہرت سنی تھی۔ بقول روضۃ الصفا

"سرہا در پیش افگندہ خشک بالیستادند"

حضرت عمرؓ ایک قصہ بیان کرتے ہیں

اور اسی مؤرخ کے موافق حضرت عمر نے ایک قصہ بیان کیا کہ کس طرح عمرو ابن عبدود ایک مرتبہ ان کے قافلے کے ساتھ تھا۔ ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور اس نے بجائے سپر کے بچہ شتر ہاتھ میں اٹھالیا۔ اس سے بہت ممکن ہے کہ رہی سہی جرأت بھی ختم ہوگئی ہو۔ بقول مؤلف تاریخ الاسلام "تین مرتبہ حضرتؐ نے اصحاب سے پوچھا اور تینوں مرتبہ علیؑ بولے۔ حضرت نے تلوار باندھی۔ زرہ پہنائی اور عمامہ رکھا۔" "تین مرتبہ ابن عبدود نے نہایت سخت جملہ سے بہادران اسلام کو جھنجوڑنا چاہا تھا کہ "کیا تم میں کوئی مرد نہیں ہے؟" وہی تصم جو رسول اللہ کو طفلان قریش کی سنگ افگنی سے بچانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس وقت اسلام پر سے اس دلخراش طعن کو رفع کرنے کے لئے کھڑا ہوگیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ لشکر اسلام کا سناٹا اس وقت تک قائم رہتا۔ جب تک وہ خود ذلیل کرنے کے لئے تنہا تمام لشکر پر حملہ کر دیتا۔ درانحالیکہ اس کی پشت پر لشکر اسلام سے تین حصہ زیادہ لشکر مدد کے لئے موجود تھا کیا کرتے رسول اللہؐ بجز اس کے کہ یا خود لڑنے جاتے اور یا علیؑ کو بھیجتے سپاہی کے ہوتے ہوئے افسر کو میدان میں جانے کی ضرورت نہ تھی۔

رسولؐ کی دعا

علی علیہ السلام کو بھیج کر دعا کی کہ "بار الٰہا اس کی مدد کرنا۔ تو نے عبیدہؓ کو بدر میں اور حمزہؓ کو احد میں اٹھا لیا۔ اب میرے پاس صرف علیؑ رہ گیا ہے اس کی حفاظت کرنا۔"

اسلام کا یہ بہادر سپاہی پا پیادہ جلد جلد سامنے پہنچا۔ مغرور سوار علیؑ کو اس طرح آتا دیکھ کر گویا آنکھوں سے مؤلف حملہ حیدری کا یہ شعر ادا کرتا ہے کہ:۔ ترجمہ: کو دکان پوے پوے آمدی ٭ پیادہ بہ چوگان وگوئے آمدی

علی اور عمرو ابن عبدود

علیؑ عمرو ابن عبدود کو مخاطب کرتے ہیں۔ کیا تیرا یہ قول ہے کہ اگر تجھ سے کوئی شخص تین سوال کرے تو تو ایک کو قبول کرے گا؟"

"ہاں" عمرو ابن عبدود نے جواب دیا۔

"تو میرا پہلا سوال یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ" دشمن نے منظور نہ کیا تو پھر کہا۔ "اگر تجھے پہلی شرط منظور نہیں ہے تو تو واپس جا اور رسول اللہ نے قبائل کا جو انتظام کیا ان میں دخل نہ دے"

زنان قریش مجھے دن بجا بجا کر گالیاں دیں گی اور تو نے کبھی سنا ہے کہ کوئی شخص اپنی نذر ادا کر سکے پھر اس کے انجام

دینے مانع رہے ۔" (بدر سے بھاگنے کے وقت اس نے نذر کی تھی کہ جب تک انتقام نہ لیں گے۔ سر میں تیل نہ ڈالیں گے اور خوشبو نہ لگائیں گے وغیرہ)

"تو پھر تیسری شرط یہ ہے کہ تو بھی پیدل ہو کے لڑ۔ کیونکہ میں پیدل ہوں اور تو سوار ہے ۔"

..... "ہنس کر بھتیجے واپس جا کہ ابو طالب سے مجھے دوستی تھی۔ میں تیرا خون اپنے ہاتھ سے بہانا نہیں چاہتا۔ دوسرے تو ابھی کمسن ہے۔ بہادروں سے لڑنے کے قابل نہیں ہے، کسی دوسرے کو بھیج۔ مجھے شجاعان عرب سے اس درخواست کی) امید نہ تھی ۔۔

لڑائی شروع ہوئی

بہادر دشمن کو اب غصہ آگیا۔ لیکن غصے میں بھی اپنی شرط کو نہ بھولا۔ اور اتر کر گھوڑے کو ایک ہاتھ میں پے کر دیا۔ خوفناک سختی سے شمشیر زنی ہونے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ ردّ و بدل میں اس قدر گرد اڑی کہ یہ دونوں بہادر غائب ہوگئے اور آپس میں ستر ہاتھ چلے۔ دونوں طرف کے بہادر رُکی ہوئی سانس سے ان دونوں جنگجو شیروں کی لڑائی پر نگاہ جمائے تھے کہ عمر کی تلوار زوروں میں علی علیہ السلام کے سر پر پڑی اور پورا زخم آیا۔ زخم کھا کر بہادر کو مطلق ہراس نہیں ہوا اور خود بھی وار کیا اور عمرو ابن عبدود کا سر دور جا گرا۔ زخمی شیر نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور لشکر اسلام کے خوف زدہ سپاہی سمجھے کہ علی علیہ السلام نے فتح پائی۔

علیؑ پر کئی نے حملہ کیا

زخمی مجاہد ابھی زخم سر پر باندھنے بھی نہ پایا تھا کہ ضرار ابن خطاب اور ہبیرہ ابن ابی وہب نے حملہ کر دیا۔ لیکن جس وقت ضرار کی نگاہ زخمی شیر سے چار ہوئی، خوف سے بھاگ گیا۔ ہبیرہ بن ابی وہب کچھ دیر کھڑا رہا اور ذوالفقار سے زخمی ہوا۔ زخم کھا کر غالباً عاجزی سے اس نے زرہ پھینک دی اور یہ بھی چل نکلا۔ نوفل ابن عبداللہ رہ گیا تھا۔ عمرو ابن عبدود کو قتل اور اپنے رفقا کو بھاگتا ہوا دیکھ کر یہ بھی نہ ٹھہر سکا اور جس طرح گھوڑا پھند اکر آیا تھا اسی طرح واپس جانا چاہا۔ لیکن خندق میں گر پڑا۔ اب مسلمانوں کو بھی جرأت ہوئی اور اس پر لب خندق سے پتھر برسانے لگے۔ اُسنے عاجز آکر خندق میں سے شور کیا کہ ذلت سے پتھر نہ مارو بلکہ مجھ سے لڑو۔ علی علیہ السلام خندق میں اترے اور اسے قتل کر ڈالا۔

عمرو ابن عبدود کے قتل کا دشمن پر اثر

ہبیرہ اور ضرار وغیرہ نے لشکر میں آکر عمرو کے قتل کی خبر دی۔ پرانے دشمن ابوسفیان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ معرکے سے روگرداں ہوگیا اور عضیف میں جا کر دم لیا عمرو ابن عبدود کے مارے جانے سے جس کی وجہ سے دس ہزار کی پشت قوی تھی۔ گویا اس نبیؐ کے دین اور مسلمانوں پر سے بلا ٹلی۔ یہ سوچنا تکلیف دہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا جو کچھ علی علیہ السلام کی ہمت سے ہوا، تو نہیں معلوم کس مدت کے لئے رسولؐ کا ابھرتا ہوا دین دب جاتا اور یقیناً مکی جلاوطن نبیؐ کو مدینے میں بھی رہنے کی جگہ نہ ملتی۔ خندق کی شکست کے بعد اسلامی ترقی رخصت ہو جاتی اور بہت دنوں کی کوشش اصحاب کی تساہلی اور بددلی کی بدولت ضائع ہو جاتی۔ آج کا مخدوش دن بھی جس میں تمام شرک

تمام ایمان کے مقابل تھا۔ بدر اور احد کی طرح ہاشمیوں کے ہاتھ رہا۔ علی علیہ السلام نے عمرو ابن عبدود کا سر اٹھایا۔ رسول اللہ کے پاس آئے اور قدموں پر ڈال کر یہ چند اشعار پڑھے۔

عبد الحجارة من سفاهة رأئه ؛ لا تحسبن الله حاذل دینه ؛

وعبدت رب محمد بصواب ؛ دینه یا معشر الاحزاب ؛

رسولؐ کی پُر معنی داد

رسول اللہ نوازش اور التفات کے بعد فرماتے ہیں:۔

لمبارزة علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامه (ترجمہ) علی علیہ السلام کی روز خندق کی لڑائی میری امت کے تا قیامت اعمال سے افضل ہے۔

روضۃ الصفا کے موافق حضرت عمر اور حضرت ابوبکر نے اس وقت علی علیہ السلام کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ان روایات کے موافق جو یہ کہتے ہیں کہ محاصرہ ایک مدت تک جاری رہا۔ علیؑ کے متعلق یہ خبریں ہیں کہ آپ شب کو گرد لشکر گشت کرتے تھے اکثر خندق کے اس پار چلے جاتے تھے اور کبھی کبھی قریش کے کسی سپاہی سے جنگ بھی ہو جاتی تھی۔

جب میدان خالی ہو گیا تو عمر ابن عبدود کے مارے جانے کی خبر سن کر اس کی بہن لاش پر آئی۔ لیکن قریب پہنچ کر جب اس نے دیکھا کہ دستور عرب کے موافق قاتل مقتول کا اسلحہ نہیں لے گیا ہے اور عمرو کی زرہ اس کے جسم پر ہے تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ "ما قتله الا کفو کریم" (اسے اس شخص نے قتل کیا جو معزز ہمسر تھا) اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ علی علیہ السلام کی تلوار سے مارا گیا ہے تو اس نے یہ دو شعر کہے۔

۱- لو کان قاتل عمرو غیر قاتله ؛ ۳- لاکن قاتله من لا یعاب به ؛

۲- لکنت ابکی علیه واخر الابد ؛ ۴- من کان یدعی قدیما بیضة البلد ؛

اگر عمرو کا قاتل سوا اس قاتل کے ہوتا تو میں ہمیشہ اس پر رویا کرتی لیکن اس کا قاتل وہ ہے جن کے نسب میں کوئی عیب نہیں ہے اور وہ ہمیشہ شہر کا سردار پکارا گیا ہے۔

بنی قریظہ

اس فتح کے بعد رسول اللہ مدینہ واپس تشریف لائے۔ نماز ظہر کی تیاری کر رہے تھے کہ بنی قریظہ کی آمادگی کی خبر ملی۔ ہادئ عالم نے فوراً مدینہ میں منادی کرا دی کہ لوگ قلعۂ بنی قریظہ کے سامنے نماز عصر پڑھیں علی علیہ السلام علمدار لشکر ہوئے اور اصحاب پیچھے پیچھے چلے۔ جس وقت یہ علمدار لشکر قلعہ کے سامنے پہنچا۔ لوگوں نے فصیل سے آواز دی "دیکھو قاتل عمرو آ رہا ہے"، اس آواز کو سن کر علی علیہ السلام نے غیر مفتخرانہ بلکہ متشکرانہ جملہ ادا کیا کہ:۔

الحمد لله الذی اظهر الاسلام وقمع الشرک والظلام "(خدا کا شکر ہے کہ اسلام ظاہر ہوا گمراہی اور شرک کا استیصال ہو گیا)

لطافت لحاظ

کفار نے فصیلوں سے رسول اللہؐ کی شان میں سوئے ادب کے الفاظ استعمال کئے۔ جانبازوں کو ان کی زبان بند کرنے کا اختیار نہ تھا کیونکہ وہ قلعہ بند تھے لیکن قاتل عمرؑ علم کو ابو قتادہ انصاری کے حوالے کر کے رسول اللہؐ کی خدمت میں جاتا ہے اور عرض کرتا ہے :۔

" یا رسول اللہؐ آپ یہودیوں کے قلعہ کے پاس نہ جائیں وہ بہت جلد ذلیل ہوں گے۔"

" کیا تم نے ان سے ایسے الفاظ سنے ہیں جو میری ایذا کے باعث ہوں گے؟"

" ہاں اے نبی خدا "

پچیس روز تک محاصرہ رہا۔ اس درمیان میں علی علیہ السلام اکثر قلعہ کے گرد گشت کرتے رہے۔ کبھی کبھی تیر اور پتھروں سے لڑائی ہو جاتی تھی مگر قلعہ میں داخل ہونے کی کوئی راہ نہ نکلتی تھی کہ یہود پر خوف طاری ہوا اور قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

بنی سعد مہم علیؑ کے سپرد فدک پر پہلی نظر

معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی سعد یہودان خیبر کی مدد سے جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ رسول اللہؐ نے علیؑ کی ماتحتی میں اس مہم کے سر کرنے کے لئے سو آدمیوں کی جماعت فدک بھیجی۔ اس خیال سے کہ مبادا دشمن ان کی فوجی نقل و حرکت سے واقف ہو جائے۔ علیؑ دن کو قیام اور رات کو کوچ کرتے تھے۔ راستہ میں ایک آدمی گرفتار کیا گیا اور اس سے بنو سعد کا حال پوچھا۔ اس نے اس شرط پر حال بتانا منظور کیا کہ اس کی ذات محفوظ رہے۔ سردار لشکر نے اسے منظور کیا اور اپنے ساتھ لے کر دفعتاً دشمن پر جا پڑے۔ بنو سعد نے لڑنے کی جرأت نہ کی اور بھاگ گئے۔ اس لڑائی میں پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں قبضہ میں آئیں علی علیہ السلام مالِ غنیمت لے کر واپس ہوئے۔

معرکۂ خیبر

اس سال ضرورت پوری ہوئی کہ خیبر کے یہود کو جو ہمیشہ قبائل کو جنگ کے لئے ابھار تے رہتے تھے، سزا دی جائے۔ ان کی وجہ سے ہر خدشہ تھا۔ چنانچہ ایک ہزار چار سو کی جماعت سے رسولؐ نے کوچ کیا اور قلعہ گھیر لیا۔ یہود پیشتر سے آمادہ تھے۔ مسلمانوں کے قلعہ گیری کی کوششوں کو انہوں نے حتی الوسع دفع کرنا چاہا لیکن مسلمان کئی قلعوں پر قابض ہو گئے۔ یہودیوں کے پاس صرف قلعۂ قموص رہ گیا لیکن یہ بہت مضبوط تھا۔ مسلمانوں کی کئی روز کی کوششیں بیکار ہوئیں۔ مولوی شبلی صاحب الفاروق میں تحریر فرماتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں خیبر کا ایک مورچہ حضرت عمر کے متعلق لکھتے ہیں۔ لیکن یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے کہیں سند نہیں پائی۔ ہم نہیں جانتے کہ کسی سند کا نہ پانا آیا اس وجہ سے ہے کہ خیبر کے متعلق حضرت عمر سے کوئی خدمت نہیں لی گئی یا ان کی ان ناکامیوں کے اخفا کی غرض سے ہے جو بعض تاریخوں میں پائی جاتی ہے۔

مشہور لوگوں کی ناکامی

ابن جریر طبری حضرت ابوبکر اور عمر کے پسپا ہونے کا تذکرہ کرتا ہے۔ روضۃ الصفا کے مرافق حضرت عمر

دو بار اور حضرت ابوبکر کا ایک بار جانا بیکار رہا۔ ابوالفداء دلچسپ قوت سے کہتا ہے کہ ابوبکر خوب لڑے۔ عمر اس سے زیادہ لڑے۔ لیکن جب رسولؐ کو خبر ہوئی کہ قلعہ فتح نہیں ہوا تو کہا کہ "کل بوقت صبح اس شخص کو علم دوں گا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں کیونکہ وہ شخص بڑا حملہ آور بہادر ہے"، مولوی شبلی صاحب یہ لکھتے ہوئے کہ "کل اس کو علم دوں گا جو حملہ آور ہوگا"، تحریر فرماتے ہیں:۔

قضا و قدر نے یہ فخر علی علیہ السلام کے لئے اٹھا رکھا تھا"، مجھے اس جملے سے یہ سوچ کر کم خوشی نہیں ہوئی کہ مسلمانوں کا وہ مسئلہ قضا و قدر جس سے بڑے بڑے پولیٹیکل کام نکالے گئے تھے۔ اس صدی میں اچھے موقع پر کام آگیا کونسی صورت تھی علیؑ کے افتخار کے تخفیف کی جب کہ وہ الفاروق میں ایسے موقع پر پہنچ گئے۔ جہاں وہ بجا۔ یہ اپنے ہیرو کے دوسرے کی تعریف پر مجبور تھے؛ بجز اس کے کہ بے بسی سے قضا و قدر کے مخفی ہاتھوں پر اقرار کرتے۔ میں اسے ان کی توجہ کی فروگذاشت نہیں کہہ سکتا کہ کسی کی کوئی مخصوص تعریف اتفاقاً یا خود بخود نہیں ہوا کرتی بلکہ حسن عمل ہوتا ہے جو تعریف کراتا ہے۔ قضا و قدر کو اس سے کوئی ربط نہیں ہے۔ قضا و قدر کا مصرف اگر ایسا ہی آسان ہے تو یہ ایسے مواقع پر بھی نہایت آسانی سے استعمال ہوسکتا ہے جو قضا و قدر کے ایسے مقربین کے لئے دلپسند نہ ہو

"جسے رسولؐ علم دیں گے وہ خدا اور رسولؐ کا دوست اور خدا اور رسولؐ اس کے دوست ہوں گے"

حضرت رسول مقبولؐ کچھ علیل تھے۔ مسلمانوں کا قموص سے پسپا ہونا ایسے موقع پر دلپسند نہیں ہوسکتا تھا۔ حضرتؐ نے مجاہدین کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

"لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللہ ورسولہ"، (اسے علم دوں گا جو بڑا لڑنے والا ہے اور بھاگتا نہیں۔ وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ اور خدا و رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں۔)

رسولؐ نے کسی کا نام نہیں لیا تھا بلکہ اس شخص کی صفتیں بیان کی تھیں جسے دوسرے روز لشکر اسلام کا علم دیا جانے والا ہے جسے علم دیا جائے گا۔ وہ رسولؐ کی زبانی پہچنوا دیا گیا ہے کہ دیکھو یہ بہادر دوست خدا ہے۔ یہ ایسا خطاب تھا کہ مسلمان اپنی تمام دولت اور کیا عجب ہے کہ جان بیچ کر حاصل کرتے۔ اصحاب کی بے چینی ابن الخطاب کے اس جملہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ "امارت کی ہوس مجھے کبھی ویسی نہیں ہوئی جیسی اس روز ہوئی۔"

سعد ابن وقاص کی جدت

سعد ابن وقاص کی یہ روایت نہایت مفرح ہے کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچ کر دونوں زانو کے بل دھم سے گر پڑے اور پھر کھڑے ہوگئے کہ رسول اللہؐ متوجہ ہوں اور اپنا بڑا وعدہ شاید

ہمارے ساتھ پورا کریں۔ ان وقاص کی بے چینی اگرچہ قابل رحم ہے مگر یہ خیال نامناسب تھا کہ رسول اللہؐ کسی کو بھول جاویں گے اور کسی کی قابلیتوں سے درگزر کر کے اپنے انتخاب کو قضا و قدر کے متعلق کر دیں گے۔ وہ رسولؐ جو انسانی جزو مد خیالات کے مطالعہ میں عمر صرف کر چکا تھا۔ محرکات نفس سے واقف تھا۔ وہ ان اشخاص کی طبیعت اور قابلیتوں کو خوب جانتا تھا جو اس کے خیمہ کے سامنے کرار اور دوست خدا بننے کے شوق میں سینہ تانے کھڑے تھے۔

آشوب چشم سے علیؑ کا موقع

وقت حوصلہ کرنے اور نہ کرنے والے دونوں کے لئے دلچسپ تھا حوصلہ کرنے والا امید میں تھا اور نہ کرنے والا انتظار میں کہ دیکھیں کون کرار اور دوست خدا ہے۔ لوگوں کو پورا یقین تھا کہ رسول اللہؐ کا مطلب علی علیہ السلام سے نہیں ہے کیونکہ کئی روز سے وہ سخت آشوب چشم اور درد میں مبتلا تھے۔ علی علیہ السلام کو جب رسول اللہؐ کی اس مشہور حدیث کی خبر ملی تو ان کی زبان پر یہ صابرانہ اور مظہر قناعت در رضا جملہ جاری ہوا:۔

"اللھم لا معطی لما منعت ولا مانع لما اعطیت" (خداوندا کسی کو کوئی چیز نہیں مل سکتی جسے تو نہ دے اور کوئی منع نہیں کر سکتا اس چیز کو جسے تو عطا کرے۔"

قیامت کا وقت ہوگا جب رسولؐ وعدہ پورا کرنے اپنا سفید علم لئے ہوئے خیمہ سے برآمد ہوئے ہوں گے۔ ہر شخص کو تجویز سننے کا اشتیاق ہوگا۔ پلک نہ جھپکتی ہوگی۔ سانس رکے ہوئے، آنکھ اور کان کو رسولؐ کی طرف مخاطب کئے ہوں گے۔ رسول اللہؐ کسی کی طرف مخاطب نہیں ہوئے اور پوچھتے ہوں گے:۔

رسولؐ علیؑ کو پوچھتے ہیں

"علیؑ کہاں ہیں؟"

دفعتہً اس سوال پر ہر طرف سے شور ہوتا ہے:۔

"یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ علیؑ آشوب چشم میں مبتلا ہیں انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔"

مگر رسولؐ اپنے حکم پر بلا ان آوازوں کی طرف توجہ کئے ہوئے اصرار کرتے ہیں۔ علی علیہ السلام اسی حالت میں حاضر ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ رسول اللہؐ کے لعاب دہن کی برکت سے علیؑ کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ علیؑ اس روز سرخ جبہ پہنے تھے اسلام کا مرکز نگاہ علم رسول اللہؐ نے ان کے حوالے کر دیا۔

علی علیہ السلام کسی طرح کیوں نہ اچھے ہوئے ہوں ہم کو اس سے بحث نہیں کونسا معجزنما واقعہ ہوا۔ ہم اس کی ماہیت اور حقیقت نہیں جانتے۔ تاریخیں علیؑ کی اس حالت اور اس طرح صحت یابی کا تذکرہ کرتی ہیں۔ اب علیؑ آشوب چشم لے کر گئے یا جوش ایمان یا رسول اللہؐ کے ایسے شخص کی زبانی دوست خدا اور کرار سننے کا اطمینان اور خوشی۔ دعا کی برکت یا کس طرح اچھے ہو گئے۔ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے نہ اسے ہمارے مضمون سے زیادہ تعلق ہے جو کچھ ہمارے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ علیؑ گئے۔ کرار یہ علم رسول اللہؐ سے لے

کر پوچھتا ہے۔ کب تک لڑوں؟

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"جب تک وہ وحدانیت خدا کا اقرار نہ کریں۔" پھر فرماتے ہیں "اگر تیری بدولت ایک شخص کی ہدایت ہو تو تیرے ہزار اونٹوں کی خیرات سے بہتر ہے۔"

علیؑ قلعہ کے سامنے

نیا خطاب پانے والا مجاہد روانہ ہوا اور اس نے نشان فوج قلعۂ قموص کے سامنے گاڑ دیا۔ قلعہ کے ایک دیدبان نے اس سرخ جبہ والے علمدار کو دیکھ کر پوچھا:۔

"اے علمدار تیرا نام کیا ہے"

"میں علیؑ ابن ابیطالب ہوں"

دیدبان پر علیؑ کی بے افتخارانہ متانت، نگاہ، شہرت اور شان کا ایسا اثر پڑا کہ اس نے قبل ابتدائے جنگ بڑے زور سے چلا کر کہا "اے اہل قلعہ اب تم مغلوب ہوگے"

حارث

قلعہ سے ایک نامی پہلوان جس کا نام حارث تھا، مقابلے کے لئے باہر آیا اور تھوڑی دیر میں اس نے دو مجاہدوں کو قتل کر ڈالا۔ علمدار لشکر اسلام کو خاموشی کی تاب نہ رہی اور اس کے شیر سے حملہ کے بعد سب نے حارث کو اپنے خون میں لوٹتا ہوا دیکھا۔ قلعہ میں حارث کا بھائی مرحب بھی تھا۔ جس کی شجاعت کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا تھا۔ یہ اپنے بھائی کے قتل ہونے کی خبر سنکر غصہ میں باہر آیا اور جوش شجاعت میں رجز پڑھنے لگا:۔

"قد علمت خیبر انی مرحب ۔ شاکی السلاح بطل مجرب"۔ (تمام خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔ آلات حرب میں صاحب شوکت تجربہ کار اور دلیر ہوں")

اس کی رجز خوانی سن کر علی علیہ السلام نے جواب دیا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ ۔ ضرغام آجام ولیث قسورہ"۔ (میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدرؔ رکھا ہے میں بہادری کے جنگل کا شیر درندہ ہوں)

میدان میں مرحب کی قسمت اپنے بھائی حارث سے اچھی نہ تھی۔ حارث کو قتل کرنے والی تلوار مرحب کے خود پر پڑی اور قدبوس زمین پر چمکنے لگی۔ اس کے قتل کرنے کے بعد شیر اب دوسرے شکاروں کی طرف متوجہ ہوا اور سات افسروں کو قتل کیا اثنائے جنگ میں فصیل قلعہ سے کسی نے بھاری پتھر پھینکا۔ جس کی وجہ سے علی علیہ السلام کی سپر گرگئی اور ایک دوسرا دشمن اٹھا کر بھاگا۔ اب اس سرفروش راہ خدا کے غصہ کی انتہا نہ تھی۔ کے خندق کے اس پار گئے اور قلعۂ قموص کے دروازے پہنچ گئے۔ جوش

کے عالم میں دروازے پر ہاتھ ڈال دیا اور خیبر کا مشہور دروازہ جسے آٹھ آدمی کی متفقہ کوشش درکار ہوتی تھی۔ اکھڑ کر علی علیہ السلام کے ہاتھ میں آگیا اس موقع کو خدائے سخن فردوسی اپنے مشہور قصیدہ میں لکھتا ہے:-

شہے کہ تا زدو انگشت در زخیبر کند　　برآمد از پئے اسلام صد ہزار انگشت

ابن عساکر اور جابر ابن عبداللہ سے ابن اسحاق نے مغازی میں علی ؑ کے درِ خیبر کو ہاتھ میں لینے کا تذکرہ کیا ہے، "تاریخ الخلفا"

جذبہ کی قوت

وہ لوگ جو اس کے قائل ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھ خدا کی مدد تھی اور درِ خیبر کے اکھیڑ لینے میں قوت ایزدی کا علی علیہ السلام کے ہاتھ سے ظہور ہوا۔ انہیں اس واقعہ سے تردد نہ ہوگا۔ لیکن جو لوگ اس کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے ذاتی یا سمعی تجربے میں ہوگا کہ انسان بعض اوقات جوش میں ایسے کام کر گزرتا ہے۔ جسے وہ خود اپنی معمولی حالتوں میں نہیں کر سکتا۔ جذبہ، جوش اور غصہ میں اکثر ایسی قوت آجاتی ہے کہ چار آدمیوں سے تنہا کا سنبھلنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر ان اسباب پر غور کیا جائے جن حالتوں میں علی ؑ نے درِ خیبر کو اکھیڑ لیا۔ جو مسلسل جوش ایمانی کو بڑھانے والے تھے تو ایک ایسے فعل کا ظہور جسے معمولی وقتوں میں نہیں کر سکتے تھے ایسا نہیں ہے کہ قرین قیاس نہ ہو علی ؑ کا یہ جملہ جو خیبر کشائی کے متعلق ہمیں مولوی عبیداللہ امرتسری کی "سوانح عمری" سے ملا ہے کہ "ما قلعت باب خیبر بقوۃ جسمانیہ لاکن بقوۃ رحمانیہ" (میں نے درِ خیبر کو قوت جسمانی سے نہیں اکھیڑا بلکہ قوت رحمانی سے) ظاہر کرتا ہے کہ علی علیہ السّلام نے اپنی اس وجدانی حالت، جوش ایمان اور قوت روحانی کا تذکرہ صاف لفظوں میں کیا ہے۔ جو قوت اور تائید رحمانی سے الگ نہیں ہے۔ ان قوتوں کا ایک قوی جسم کو ایسی مدد دینا جو معمول سے بادی النظر میں زیادہ ہو، محال کے الزام کے قابل نہیں ہے۔

اس کے علاوہ خود ہمارے زمانے میں ایک سے زیادہ ایسے آدمی ہیں۔ جو تعجب خیز وزن اٹھاتے ہیں جو بہت سے آدمیوں کی مشترکہ قوت سے بھی ممکن نظر نہیں آتا یا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ درانحالیکہ وہ کسی جوش سے ایسا نہیں کرتے بلکہ صرف مشق بہم پہنچاتے ہیں اور تربیت جسمانی کے علاوہ کوئی اور تحریک ان میں موجود نہیں ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قوت کے وہ افعال جو آج ظاہر ہوتے ہیں۔ تیرہ سو برس پیشتر پر جوش اسباب میں کوئی ان سے زیادہ تعجب خیز کام کر جائے۔

الامان کی آواز نے علی ؑ کا ہاتھ روک دیا

اپنے مشہور بہادروں کے قتل اور اس حیرت انگیز قوت کے مشاہدے سے اہل قلعہ حواس باختہ ہو گئے اور الامان کا شور بلند کیا۔ وہ بے پناہ ہاتھ جس کے روکنے کی کسی بہادر کو تاب نہ تھی۔ امان کی آواز کے ساتھ ہی رک گیا۔ رسول اللہ کی اجازت سے انہیں اس شرط پر امان دی گئی کہ ہر شخص ایک اونٹ غلہ اپنے ساتھ لے کر قلعہ سے چلا جائے اور کل اسباب مسلمانوں کے لئے چھوڑ دے۔ دشمن نے اس شرط کو غنیمت سمجھ کر قبول کر لیا اور خیبر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

گریۂ شادی

خیبر کی فتح کے بعد جب علیؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس گئے تو ہادیؑ اسلام نے علیؑ کی آنکھوں اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا "تمہاری سعی مشکور اور مشہور بہادری کی مجھے اطلاع ہے۔ اور میں راضی ہوا" یہ سن کر شکرگذار دل بھر آیا اور کہنے والے کہتے ہیں کہ فاتح خیبر کے رخسار پر اشک کے قطرے ڈھلک آئے آنکھوں میں آنسو دیکھ کر رسولؐ نے پوچھا:-

"یا اخی یہ گریہ شادی ہے یا گریہ غم؟"

"یا رسول اللہ کیوں کر خوشی سے آنکھوں میں آنسو نہ آجائیں کہ آپ اور خدا دونوں خوش ہیں"

گبن لکھتے ہیں: "رسول اللہ نے علیؑ کی مثال سے اپنے رفقاء کے اعتقاد اور جرأت میں ہمت دلائی اور اسے شیرِ خدا" کا خطاب دیا۔

علی علیہ السلام کی مختلف حرکات نفس کے سمجھنے کے لئے ایک خیبر کی جنگ کافی ہے۔ فرض ادا کرنے کے لئے علالت سے لاپروائی تسلیم و رضا، فرمانبرداری، جوش ایمان، امان طلبی پر رحم، خوشنودی خدا کا تذکرہ سن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جانا۔ یہ کل حالتیں بتاتی ہیں کہ یہ تعجب خیز آدمی کن متضاد قوتوں کا نمونہ اور مظہر تھا۔ قاتل سپاہی کو رحم سے کیا بحث ہے؟ سپہ سالار کو خطاب اور انعام سے بحث ہے نہ کہ رضائے خدا کے خالی خولی جملہ سے علیؑ کے دل میں خدا کی محبت اس طرح سرایت کر گئی تھی کہ صرف اس کی رضا رُلا دینے کے لئے کافی تھی۔ خوشنودی خدا ہی ایک وہ چیز تھی جس کے لئے یہ اپنے ہر جسمانی اور روحانی آرام کو صدقہ کر سکتے تھے اور ہر ایسے موقع پر لاپروائی سے جان دینے کے لئے مستعد ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ زخم کھانے اور اسلام کی پشت پناہی سے ان کے لئے صرف ایک حوصلہ رہ گیا تھا جو "خوشنودی خدا" پر تمام ہو جاتا تھا۔

فتح خیبر کا ایک دوسرا نتیجہ

فتح خیبر سے ایک دوسرا فائدہ مرتب ہوا کہ وہ قومیں جن کے سر میں جنگ آزمائی کے سودے تھے اور یہود ان خیبر سے مدد کی امید دار رہا کرتی تھیں۔ ٹھنڈی ہو گئیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ نے فدک میں رہنے والی قوموں کے پاس بقولِ علیؑ اور بقولے محیطہ ابن مسعود کو بھیجا۔ جن سے اب تک کوئی خاص گفتگوئے مصالحت نہ ہوئی تھی تو پہلے ان لوگوں نے قاصد کو سخت جواب دیئے لیکن جب فتح خیبر کی خبر سنی تو اپنے ایک رئیس کو بھیج کر نصف پیداوار پر صلح کر لی۔

فدک خالصتہً رسول اللہ کی ملک تھا

فدک کے نسبت ابوالفدا کہتا ہے۔ "ایسا ہی اہل فدک سے معاملہ ہوا تھا۔ مگر اتنا فرق ہے کہ فدک خالصتہً رسول اللہ کی ملک میں تھا اور خیبر تمام مسلمانوں کا تھا۔ کیونکہ بدوں حاجت سواروں اور فوج کشی کے پیادہ پا مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔" پھر زمانۂ عثمان میں

کہتا ہے "ایک سبب یہ بھی تھا کہ باغ فدک جو میراث بی بی فاطمہؑ کا تھا وہ مروان نے چھین لیا تھا یہ ایک باغ رسول اللہ کا تھا اس کو جناب فاطمہؑ نے رسول اللہ سے میراث میں پایا تھا۔" معاملہ فدک کے متعلق روضۃ الصفا کی یہ عبارت ہے اور معارج النبوۃ کا مضمون بھی بالکل وہی ہے۔

آیت ذی القربیٰ حقہ کی بنا پر فدک کی دستاویز

"جبرئیل نازل شد کہ خدا می فرماید کہ حق خویشاں بدہ۔ رسولؐ فرمود خویشاں کیانند۔ گفت فاطمہؑ پیغمبرؐ فاطمہؑ را خواند و حجتے نوشت و آں وثیقہ بود کہ بعد از وفات رسول اللہؐ پیش ابوبکر آورد و گفت این کتاب رسولؐ خدا است کہ برائے من و حسنؑ و حسینؑ نوشتہ است"

سید امیر علی صاحب اپنی تاریخ الاسلام میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔ "فدک کا باغ جو پیغمبر صلعم کی ملکیت تھا اور مروان نے غصب کر لیا تھا آنجنابؐ کی اولاد کو واپس کر دیا۔"

دُلدُل علیؑ کو دیا گیا

منقوقس جریح ابن متی بادشاہ مصر نے رسول اللہ کے پاس تحفۃً اکثر چیزیں بھیجیں منجملہ اس کے ایک خچر بھی تھا۔ جس کا نام دلدل تھا اسے رسول اللہ نے علیؑ کو بخش دیا۔ (ابو الفدا)

فتح مکہ

حدیبیہ کی صلح میں شرط تھی کہ دس برس تک آپس میں جنگ نہ ہو لیکن ابھی زمانۂ صلح گزرا بھی نہ تھا کہ قبیلہ بنی خزاعہ پر جو رسول اللہ کے زیر حفاظت تھا۔ قریش کے بنی بکر قبیلہ نے حملہ کیا۔ اس سے رسول اللہ کو مداخلت کی ضرورت ہوئی۔ اب رسول اللہ کے پاس کافی سامان اور قوت تھی کہ وہ مرکز بت پرستی کو شرک سے پاک کرتے۔ یقیناً وہ قوت جو اسلام کو اس کے قبضہ سے حاصل ہوتی وہ اور کسی صورت سے حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ کیونکہ یہ عبارت گاہ جسے مشرکین نے مورتوں کے لئے غصب کر لیا تھا اگر اسی طرح چھوڑ دی جاتی تو قبائل عرب کے ان اعتقادات میں جو یہاں کے خداؤں کے متعلق تھے کوئی کمی نہ ہوتی اور مرکز قائم رہتا جس سے خدا کی یکتائی کو ہمیشہ بتوں کے دھادے کا خوف رہتا۔ رسول اللہ پوری شان سے مکے میں داخل ہوئے۔ جس حالت میں کہ ابو طالب کا راحتِ جاں اپنے پر قوت ہاتھ میں اسلام کا جلالت نشان علم لئے تھا۔ اس وقت کی علمداری کے متعلق مجھے صاحب حیات القلوب کی یہ روایت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ سعد ابن عبادہ مہاجرین کا علم لئے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں سے حضرت عباسؓ ابو سفیان کو مسلمانوں کی فوج کا گزرنا دکھا رہے تھے، جب سعد قریب پہنچے تو ابو سفیان سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اے ابو حنظلہ آج لڑائی کا دن ہے،" اور اپنی قوم کو آواز دی کہ "اے اوس اور خزرج آج تم اپنے خون طلب کرو گے" ابو سفیان یہ سن کر صفیں چیرتا ہوا رسولؐ کے پاس پہنچا اور رکاب کو بوسہ دے کر سعد کا قول نقل کیا۔ ابو سفیان ڈر گیا تھا اور رسول اللہ نے اس خوف سے کہ مسلمان اپنے داخلے کو قتل و غارت سے نہ بدل دیں۔ علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم علم لے لو اور نہایت نرمی سے مکے میں داخل ہو۔ دنیا

کے تمام فاتحانہ داخلوں میں یہ داخلہ اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ جس میں بجز خاص مخدوش دشمنوں کے جن کی تعداد چار یا پانچ تھی، کسی سے تعرض نہ کیا گیا۔

بہن اور بھائی

علامہ مجلسی نے اسی ضمن میں ایک نہایت مؤثر قصہ نقل کیا ہے کہ حضرت ام ہانی خواہر جناب امیرؑ نے کچھ افراد بنی مخزوم کو امان دی۔ علیؑ کو معلوم ہوا اور وہ فولاد میں ڈوبے ہوئے ان کے گھر گئے اور آواز دی کہ جسے پناہ دی ہو باہر نکال دو۔ لوگ کانپ گئے۔ حضرت ام ہانی باہر نکل آئیں اور کہا کہ اے بندۂ خدا میں ام ہانی رسول اللہؐ کے چچا کی لڑکی اور علیؑ کی بہن ہوں۔ میرے گھر سے چلا جا۔ پھر علیؑ نے اصرار کیا اور حضرت ام ہانی نے کہا کہ اے شخص میں رسول اللہؐ سے تیری شکایت کروں گی۔ علیؑ نے چہرہ سے خود ہٹا دیا اور اب بہن پہچان کر لپٹ گئی۔ اور کہا فدا ہوں۔ میں نے رسول اللہؐ سے شکایت کرنے کی قسم کھائی ہے۔ علیؑ نے کہا جاؤ اور اپنی قسم پوری کرو۔ رسول اللہؐ وادی میں کھڑے ہیں۔ ام ہانی تشریف لے گئیں اور کہا یا رسول اللہؐ آج علیؑ سے کیا کچھ نہیں دیکھا۔ رسول اللہؐ نے سن کر فرمایا۔ میں نے امان دی جسے تم نے امان دی۔ حضرت فاطمہؑ نے فرمایا اے ام ہانی علیؑ کی شکایت کرنے آئی ہو۔ درآنحالیکہ انہوں نے خدا و رسول اللہؐ کے دشمنوں کو دھمکایا ہے۔ حضرت ام ہانی نے معذرت کی اور رسول اللہؐ نے فرمایا:۔

"خدا علی علیہ السلام کی کوششوں کی جزائے نیک دے کہ وہ راہ خدا میں کسی کی رعایت نہیں کرتا۔"

کعبہ سے بتوں کا تخلیہ

چھوٹے چھوٹے بتوں کے تخلیہ کے بعد بڑے بتوں کے ہٹا دینے کی ضرورت ہوئی جو کعبہ کی زیادہ زمین پر قابض تھے اور چھوٹے خداؤں سے زیادہ بلند جگہ پر بیٹھے تھے۔ جہاں ہاتھ پہنچنا مشکل تھا۔ رسول اللہؐ نے علیؑ کو حکم دیا کہ وہ کاندھے پر سوار ہو کر بت شکنی کریں۔ لیکن علیؑ پاس ادب سے ہچکچاتے ہیں اور اس بات کی استدعا کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ ان کے کاندھے پر پائے اقدس رکھیں۔ رسول اللہؐ کے لئے یہ کوئی افتخار کی بات نہ تھی کہ وہ علیؑ کے کاندھے پر سوار ہوں اور نہ رسول اللہؐ کا یہ منشا تھا ان کی غرض علیؑ کی سربلندی تھی اور یہ دکھانا منظور تھا کہ یہ عزت اس شخص کو دی جا سکتی ہے۔ جس نے ان کے کام کو ایسے خلوص سے انجام دیا ہو اور اپنی خدمتوں میں ممتاز ہو۔ رسول اللہؐ کے لئے یہ حکم دے دینا آسان تھا کہ لوگ سیڑھیوں کے ذریعہ سے تھوڑی دیر میں اونچے سے اونچے بت کو زمین تک پہنچا دیں اور متفقہ کوششیں خانہ کعبہ کو صاف کر دیں مگر رسول اللہؐ دکھانا چاہتے تھے کہ خدا کے اس خاص کام کو وہی انجام دے سکتا ہے جسے اس فعل میں زیادہ دلچسپی ہو اور جس نے اس کے لئے عمر وقف کر دی ہو۔ جس نے خدا کے دین کے جاری کرنے کا ابتدا میں وعدہ کیا ہو اور مدد کے لئے ہر وقت مستعد رہا ہو۔ چنانچہ وہ قدم جو دعوت ذوالعشیرہ میں پہلے پہل مدد کے لئے کھڑے ہوئے تھے جس نے احد میں ثبات دکھایا تھا جو خندق میں اس وقت بڑھا تھا جب کہ سب کے قدم گڑ گئے تھے وہ چھالے پڑے ہوئے پاؤں جو مکہ سے

مدینے کی ہجرت میں سوچ گئے تھے ۔ وہ جو بردبیابانی کے اندر پھیلے تھے اور وہ قدم جو قلعۂ قموص کے سامنے اس وقت جمے تھے جس وقت بہادروں کے قدم اکھڑ گئے تھے ۔ کتف مبارک پر جگہ پاتے ہیں اور شاعر کہتا ہے :۔

زہے نقش پائے کہ بر دوش احمدؐ زمہر نبوت مقدم نشیند !

علیؑ اور رسولؐ کی خوش وقتی

وہی بچہ جو ۳۰ عام الفیل میں پیدا ہوا تھا اب ۸ھ میں قریباً تیس برس کی عمر میں اپنے مولد کو ان چیزوں سے پاک کر رہا تھا جو عام ہادیان خلق اور خصوصاً اس کے استادؐ کے نزدیک باعث گمراہی معلوم ہوتی ہیں اور جن کا مسکن اب اس زمانہ کی عزت کئے ہوئے مکان میں ہونا قطعاً ناموزوں تھا وہی استادؐ اور شاگردؑ جن پر لوگ ہنستے تھے، آج دنیا کو دکھا رہے ہیں کہ دیکھو حکم خدا پورا ہوا اور جو کچھ ہم نے کہا تھا پورا کر دکھلایا ۔ رسولؐ اللہ اپنے کام کو انجام پاتا ہوا دیکھ کر اطمینان کے تبسم سے علی علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہیں :۔

" یا علیؑ تم اپنے کو کس جگہ پاتے ہو ؟ "

" یا رسول اللہؐ اس وقت میرا دماغ عرش پر ہے ۔ "

" جو کچھ تمہارا مطلب تھا حاصل ہو گیا " علیؑ ہنستے ہوئے کود پڑے اور کہنے لگے :۔

" یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ میں اتنی اونچی جگہ سے کودا مگر مطلق چوٹ نہ آئی ۔ "

" کس طرح چوٹ آتی کہ تمہیں فرشتے سنبھالے ہوئے تھے "

تیاری کا افشائے راز

مولوی عبیداللہ امرتسری " سوانح عمری " میں تحریر فرماتے ہیں ،، اسباب نزول میں اس آیۂ کریمہ کے کہ اے وہ لوگ کہ ایمان لائے ہو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت پکڑو اور دوستی سے ان سے مت ملو ، بیان کرتے ہیں کہ عمر بن صفی بن ہشام بن عبد مناف کی ایک لونڈی مکہ سے مدینہ میں آئی ۔ ان دنوں رسولؐ اللہ فتح مکہ کی تیاری کر رہے تھے ۔ رسولؐ اللہ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا مسلمان ہونے آئی ہے اس نے انکار کیا ۔ پھر مسلمان ہوئی ۔ بنی عبد مناف نے اسے روپیہ اور کپڑا دیا ۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے دمکہ کی طرف رسولؐ اللہ کی تیاری دیکھ کر) مکہ والوں کو اپنی حفاظت کرنے کے لئے ایک خط لکھا اور اس لونڈی کو دس دینار اجرت دی کہ یہ اس خط کو مکہ والوں کے پاس پہنچا دے ۔

علیؑ گرفتاری کے لئے

جبریل علیہ السلام نے رسولؐ اللہ کو خبر دی ۔ رسولؐ اللہ نے اس کی گرفتاری کے لئے علیؑ کو منتخب کیا اور زبیر و مقداد کو ساتھ کیا ۔ لونڈی حلیفہ میں ٹھہری اسے ان لوگوں نے گرفتار کیا اور تلاشی لی ۔ جب خط نہیں ملا تو چھوڑ دینے کا قصد کیا مگر علیؑ نے کہا ۔ رسولؐ اللہ نے جھوٹ نہیں کہا ہے ۔ بیشک اس کے

پاس خط ہے۔ یہ کہہ کر تلوار نکالی اور قتل کی دھمکی دی۔ لونڈی پر خوف طاری ہوا۔ اور اس نے مُوباف سے حاطب کا خط نکالا۔ محمد بن طلحہ شافعی کہتے ہیں کہ صرف علیؑ کے عزم سے یہ خط ملا،، ابوالفدا نے اس کنیز کا نام سارہ بتایا ہے۔ جان ڈیون پورٹ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ صرف بھیجنے والے کا نام حالب ابن بطن کہتا ہے جو نام کی غلطی ہے۔ صاحب حیات القلوب نے بھی یہ قصہ نقل کیا ہے۔

حضرت عمر کو رسولؐ کے ارادے سے ناواقفیت

ابن خلدون کے مطابق ابوسفیان حضرت عمر کے پاس گیا کہ وہ رسول اللہؐ سے اس کی سفارش کر دیں۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ رسول اللہؐ کا کیا ارادہ ہے تو میں ابھی نپٹ لیتا۔،، ابوسفیان اب حضرت علیؑ کے پاس گیا اور حضرت علیؑ نے جواب دیا۔ "اس بابت میں کچھ گفتگو نہیں کر سکتا جس میں رسول اللہؐ نے کچھ قصد کر لیا ہے،، اسی مؤرخ نے ایک مرتبہ حضرت عمر کی تلوار نیام سے نکل آنے اور دوسری مرتبہ صرف صورت دیکھ کر خوف سے ابوسفیان کے ایمان لانے کا دلچسپ تذکرہ کیا ہے۔

خالد ابن ولید اور بنی جذیمہ

خالد ابن ولید ۸ھ میں اسلام قبول کر چکا تھا۔ اسے رسول اللہؐ نے ایک گشتی جماعت کا امیر مقرر کر کے بعض قبائل کی طرف بھیجا مگر جنگ کرنے سے قطعاً ممانعت کر دی۔ قبیلہ بنی جذیمہ کے پاس پہنچ کر اس جنگجو عرب میں جاہلیت کا خون دوڑ گیا۔ اس کے چچا فاکہہ کو کسی وقت بنی جذیمہ نے قتل کر ڈالا تھا۔ خالد اس وقت اپنے میں انتقام لینے کی قوت پا رہا تھا۔ اگرچہ بنی جذیمہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن خالد نے بہانہ ڈھونڈ کر ان کے بہت سے آدمی قتل کر ڈالے۔ جب اس ظلم کی خبر رسول اللہؐ کو پہنچی تو ان پر ناقابل بیان تکلیف کا عالم طاری ہوا۔ نبیؐ خدا نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:-

"بارِ الٰہا! تو خوب جانتا ہے کہ میں بری الذمہ ہوں۔ خالد نے تیرے رسولؐ کے حکم کی نافرمانی کی،،

علیؑ رفع شکایت کے لئے

اس کے بعد رحیم اور رسولؐ نے بہت سا روپیہ علیؑ کے حوالے کیا کہ وہ بنی جذیمہ کو خون بہا دے کر راضی کریں۔ علیؑ اس حکم کے موافق گئے اور مقتولین کے ورثاء کو دیت ادا کی اور اس تقسیم کے بعد جس قدر روپیہ بچ گیا۔ مزید تالیف کے لئے وہ بھی بانٹ دیا۔ بنی جذیمہ راضی ہو گئے اور جب علیؑ رسول اللہؐ کے پاس آئے تو نبیؐ نے اپنی خوشنودی ظاہر فرمائی (ابوالفدا و روضۃ الصفا)

اسی مقام کو صاحب تنقید الکلام نے تاریخ ابن ہشام، ابن اثیر اور طبری جلد ۳ سے ان لفظوں میں نقل فرمایا ہے:-

"راوی کہتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے اخلاق و جود و سخا سے ہر شخص کا دل خوش ہوا اور سب نے ان کو دعائے خیر دی اور جب حضرت علیؑ وہاں سے پھر کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرتؐ نے بھی نہایت مدح و ثنا کی اور بہت شکریہ ادا کیا۔،،

جس کام کو علیؑ نے بحسن و خوبی انجام دیا اس سے رسول اللہؐ کس قدر خوش ہوئے ہوں گے۔ وہ اس سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ قبائل عرب کی طرف سے رسولؐ کو اطمینان کلی حاصل نہ تھا اور برابر چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی۔ ان قبائل سے جو زیر حفاظت تھے کسی قسم کا ناملائم برتاؤ دوستوں کو بھی دشمن بنا دیتا۔ درانحالیکہ رسول اللہؐ دشمنوں کو دوست بنا رہے تھے۔ دوسرے یہ کہ کیا فائدہ ہے کسی کمزور قبیلہ کو کسی زبردست کے زیر حفاظت آنے کا اگر اس کی جان و مال محفوظ نہیں ہے۔ بنی جذیمہ کی یہ فریاد بغیر رنگ لائے نہیں رہ سکتی تھی۔ دشمنوں کو موقع ملتا کہ وہ مبالغے سے تشدد کی خبریں مشتہر کرتے اور رسولؐ کو موردالزام قرار دیتے۔ نیز یہ کہ غریب بنی جذیمہ بے گناہ تھے۔ رسولؐ کو کس قدر صدمہ ہو گا کہ کسی بے گناہ پر ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ظلم ہو جو ان کا آدمی مشہور ہے اور جس نے ان کی عطا کی ہوئی قوت کا برا مصرف کیا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ ملکی اور اخلاقی حیثیت سے بنی جذیمہ ایسے خوش کئے جاتے کہ وہ اس ناگوار ظلم کو بھول جاتے۔ کام مشکل تھا۔ علیؑ نے اسی طرح انجام دیا جیسی رسول اللہؐ کی خواہش تھی۔

جنگ حنین

فتح مکہ کا یہ اثر ہوا کہ وہ قبائل جن سے اب تک کوئی مصالحت نہ ہوئی تھی، رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن ہوازن اور ثقیف یہ دو قبیلے اب تک علیحدہ رہے اور لڑنے کے لئے چار ہزار آدمی جمع کئے۔ ان کی تیاریوں کی خبر سنکر رسول اللہؐ بھی روانہ ہوئے۔ کہا گیا ہے کہ اس لڑائی میں ہر قبیلے کا جدا جدا علم تھا سعد ابن وقاص، خالد ابن ولید اور عمر ابن الخطاب جنھیں خیبر کے روز علم کا غیر معمولی اشتیاق تھا۔ آج ان کے ہاتھوں میں بھی جھنڈے لہرا رہے تھے۔

دشمن کی گھات

دشمن کے سمجھدار سردار مالک بن عوف نصری نے اپنی فوج کو پیشتر سے کمین میں بٹھا دیا تھا اور جب مسلمان زد پر آ گئے تو یہ مخفی مقامات سے نکلے اور درزوروں میں حملہ کر دیا۔ مسلمانوں میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔ دشمن کے حملے سے خوف زدہ ہو گئے۔ احد کے پرانے قدم یاد آ گئے۔ اور اس طرح بھاگے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی۔ رسول اللہؐ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم تھے اور ان کا پرانا علمدار اپنے جبلی استقلال سے اسلام کے نشان کی عزت افزائی کر رہا تھا۔ علیؑ کے علاوہ عباس ابوسفیان ابن حارث ابن عم رسولؐ (ابوسفیان ابن حرب نہیں) اور عبداللہ ابن مسعود رہ گئے تھے۔ رسولؐ پکار کر کہہ رہے تھے "انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب"، یا اصحاب السمرہ (جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی اس کا نام سمرہ تھا) مگر کوئی اس صدا کی طرف توجہ نہیں کر رہا تھا۔ مؤلف تاریخ الاسلام کے نزدیک متذکرہ صدر چار آدمی رہ گئے تھے۔ روضۃ الصفا کے مطابق ان چار آدمیوں کے علاوہ جعفر، ربیعہ، قثم اور فضل بن عباس۔ اسامہ ابن زید ان کے بھائی اور ان کی ماں ام ایمن کے بھائی تھے۔ ابوالفدا کے مطابق مسلمان اس طرح متفرق ہوئے کہ ایک دوسرے سے غافل تھے

علیؑ نے ایک مشہور سپاہی کو قتل کیا

رسول اللہؐ کے حکم سے عباس نے اپنی بلند آواز سے پکارا۔ اور ان کی صدا سن کر سو کے قریب انصار جمع ہوئے اور لڑائی ہونے لگی۔ دشمن کا ایک سپاہی ابو جرول نہایت ہی قوی الجثہ اور بہادر تھا۔ یہ اگرچہ نہایت ہی طویل القامت تھا۔ اس پر بھی ایک اونٹ پر بیٹھ کر میدان میں آیا اور مقابل چاہا اصحاب کو توقف ہوا حضرت علیؑ گئے اور اسے قتل کیا۔ نتیجہ جنگ مسلمانوں کے موافق ہوا۔

کفار کا ایک گروہ طائف کی طرف بھاگا۔ رسول اللہؐ نے بھی مع اپنے علمداروں کے ادھر ہی کا قصد کیا۔ ایام محاصرہ میں علیؑ کو گشت کا حکم دیا گیا۔ یہ کچھ سپاہی لے کر گئے اور نواح طائف کو بتوں سے پاک کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک آدھ قبائل سے برائے نام جنگ بھی ہوئی اور یہ کامیابی کے ساتھ واپس آئے۔ بقول صاحب قرۃ العیون " جب آپ کی نظر برکت اثر حضرت علی علیہ السلام کے چہرۂ سعادت بہرہ پر پڑی تو آپ نے تکبیر کہی اور ان سے خلوت کی اور خفیہ راز کی باتیں کیں۔ جب بہت دیر ہوئی۔ تب صحابہ رضوان اللہ علیہم نے کہا کہ آج عجب راز در راز آپ نے اپنے چچا کے بیٹے سے کہے کہ اس طرح آپ اور دل سے نہیں کہتے ہیں۔ فرمایا۔ " میں خود اپنی طرف سے اسے راز نہیں کہتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ کو امر کیا تو میں اس سے راز کہتا ہوں۔ "

رسول اللہؐ علیؑ سے سرگوشی کرتے ہیں

اثنائے محاصرہ میں ایک مرتبہ حضرت رسول اللہؐ نے علیؑ کو بلا کر دیر تک بصیغۂ راز باتیں کیں۔ اس پر ابن الخطاب نے عرض کیا۔

" یا رسول اللہؐ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) علیؑ سے راز کی کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ " آپؐ نے فرمایا:۔

" یا عمر میں نے نہیں کہا بلکہ مجھے حکم خدا یہی تھا "

" مجھے خوف ہے کہ یہ اعتراض مثل حدیبیہ نہ ہو! " (روضۃ الشہداء نے بھی قریب قریب یہی مضمون لکھا ہے۔ جس کی سند ترمذی سے دی ہے) " روایت ہے جابرؓ سے کہ بلایا آنحضرتؐ نے علیؑ کو دن غزوہ طائف کے پس سرگوشی کی ان سے پس کہا لوگوں نے یعنی منافقوں نے یا عوام صحابہ نے۔ البتہ تحقیق دراز ہوئی، سرگوشی آنحضرتؐ کی ساتھ چچا کے بیٹے اپنے کے پس فرمایا۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں خاص کیا ہے ان کو ساتھ سرگوشی کے لیکن اللہ تعالیٰ نے سرگوشی کی ان سے۔ مظاہر حق

۹ھ حاتم طائی کی دختر کے ساتھ علیؑ کا برتاؤ اور اس کا اثر

قبیلہ طے میں فلس کا ایک مشہور بت خانہ تھا۔ رسول اللہؐ نے علیؑ کی ماتحتی میں ڈیڑھ سو سوار دے کر اس کی ویرانی کا حکم دیا۔ علیؑ نے اس مہم کو بھی انجام دیا۔ عدی ابن حاتم طائی جو یہاں کا سردار تھا، بھاگ گیا اور اس کی بہن گرفتار ہوئی علیؑ اسے بحفاظت رسولؐ کی خدمت میں لائے اور رسول اللہؐ نے اسے رہا کر دیا۔ یہ رحمدلی اور اچھا برتاؤ دیکھ کر عدی ابن

حاتم جو شام چلا گیا تھا، واپس آیا اور اس نے اسلام قبول کیا۔

غزوۂ تبوک

اسی سن میں رسول اللہ کو ضرورت ہوئی کہ تبوک کی جنگ کے لئے آمادہ ہوں اس لئے کہ قیصر روم کی تیاری جنگ کی خبر ملی تھی۔ اس مرتبہ بجائے اس کے کہ کسی دوسرے شخص کو مدینہ میں قائم مقام چھوڑتے اور اپنے مشہور سپہ سالار کو ساتھ رکھتے۔ خود اسی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام چھوڑا۔

علیؑ بجائے ہمراہی فوج کے مدینے میں قائمقام

علیؑ کی بہادرانہ خدمتوں سے قریب قریب کل بڑی بڑی لڑائیاں جن میں اسلام کی موت اور زندگی کا فیصلہ تھا۔ فتح ہوئیں۔ کوئی لڑائی جس میں رسول اللہ ہوں اس میں قیاس کیا جانا آسان تھا کہ علیؑ کو ضرور ساتھ لیا ہوگا مگر اس مرتبہ ایک حکم کے ساتھ انہیں روکا تھا۔ لوگ متعجب ہوئے۔ تاریخ ان آثار سے خالی نہیں ہے کہ اکثر بنی ہاشم رسول اللہ سے قریش کے عدم مخلصانہ برتاؤ کی شکایت کرتے تھے۔ جس سے ظاہر تھا کہ آپس میں بعض کو بعض سے صاف دلی کی کمی کی شکایت کی تھی۔ اس مرتبہ نیابت کے ملنے سے لوگوں کو تعجب ہوا۔ اس کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں۔ یا تو ان کا تعجب اس امر پر مبنی تھا کہ وہ ہر جنگ میں علیؑ کی موجودگی نہایت ضروری سمجھتے تھے کیونکہ ان کا اخلاص، ان کی وفاداری اور جانبازی اب کوئی پوشیدہ امر نہ تھا بلکہ جزیرہ نمائے عرب میں مشکل سے کوئی مقام رہ گیا ہوگا۔ جہاں ان کی بہادرانہ خدمتوں کی خبریں نہ پہنچ گئی ہوں اور وہ یہ امر مشہور کرنا چاہتے ہوں گے کہ رسول اللہ نے علیؑ کو اب اپنی نظروں سے گرا دیا۔ یا یہ دیکھ کر کہ علیؑ کی ان صفتوں کے بعد جب لوگوں پر یہ بھی واضح ہو گا کہ اب انہیں رسول اللہ نے اس حالت میں کہ ان کا اقتدار ایک صاحب اختیار حاکم کا بھی ہو گیا ہے۔ اپنا جانشین بنانا شروع کیا ہے جو گویا پرانے وعدوں کی تصدیق ہے تو انہیں ضرورت ہوئی کہ وہ اس وقت کے بڑے عہدے کو فوجی افسری سے کم درجہ کا دکھا کر لوگوں کے خیال میں انقلاب اور تخفیف پیدا کریں۔

علیؑ کی پُرمحبت ادا

سرفروش راہ خدا، جانباز اسلام، سب سے پہلے جان دینے کے لئے مستعد ہو جانے والے، دشمنوں کے ریلے میں قدم جمائے رکھنے والے، اپنی خدمتوں کا عوض نہ چاہنے والے، کمزور بچوں اور عورتوں پر رحم کرنے والے، الامان کی صدا پر ہاتھ روکنے والے، رضائے الٰہی پر صابر اور اس بہادر نے جس کی شان شجاعت کی تعریف کرتے تھے، یہ کریہہ طعنے سنے۔ دل میں ہادئ عالم کی محبت جوش مارنے لگی۔ خلوص نے بے چین کر دیا۔ دشمنوں کے طنز نے تکلیف دی۔ جن کی غرض جھوٹی بدگمانیاں پھیلانے کی تھی۔ کسی کو اپنا قائم مقام چھوڑ کر گویا یہ دریافت کرنے کے لئے روانہ ہوتا ہے کہ یا رسول اللہ کیا یہ لوگ سچ کہتے ہیں؟

سچے خلوص اور یگانگی کی سچی ادا تھی۔ جس میں حکومت کرنے سے صفائی اچھی معلوم ہوئی۔ حکومت سے علیؑ کی نظروں میں یہ

زیادہ تھا کہ بدگمانیوں کی نفی اور رسول اللہؐ کے اخلاص کی تصدیق ہو جائے۔ محبت سے بھرا ہوا دل سچائی اور صاف دلی کا نمونہ قدم مارتا ہوا روانہ ہوا اور موضع جرف میں ہادیٔ عالم کی موجودگی کے نشان دینے لگے۔ بیتابانہ قدم بڑھاتا ہوا رسول اللہؐ کے پاس پہنچا۔ صورت گویا یہ سوال کر رہی تھی کہ :۔

" کیا کبھی ہم نے آپ کے حکم سے سرتابی کی۔ کیا ہم بھی کبھی آپ کو خوف کے موقع پر تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کیا ہم نے کبھی آپ کے کسی فعل پر اعتراض کیا۔ کیا ہم سے کبھی کوئی عذر صادر ہوا۔ کیا آپ نے ہمارے نفس، انداز اور فعل میں کوئی چھپی ہوئی برائی پائی۔ کیا آپ کو شبہ ہو گیا کہ ہم آپ کے ادنیٰ اشارہ پر جان دینے کے لئے مستعد نہ ہو جائیں گے ؟ "

رسول اللہؐ انسانی طبیعت کا عالم ملاحظہ فرماتے ہیں کہ دشمن کے خباثت نفس کے حملوں نے اس کے شاگرد کی بے لوث طبیعت پر تکلیف کا عالم پیدا کیا ہے۔ قرینہ غالب ہے کہ ہادیٔ عالم کو خود ضروری معلوم ہوا ہو کہ وہ اپنے اور اس شاگرد کے رشتے کو صاف لفظوں میں ظاہر کرنے کا موقع دیں یقین زیادہ دور نہیں رہتا۔ اگر رسول اللہؐ کے ان الفاظ پر جو اس موقع پر کہے گئے غور کیا جائے۔ رسول اللہؐ یہ فرمانے کے بعد کہ وہ ایسا کہنے والے جھوٹے ہیں،" آگے بڑھتے ہیں کہ :۔

رسولؐ کا جواب مناسبت موسیٰؑ و ہارونؑ

اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسےٰ الا انہ لانبی بعدی (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہ ہو جو ہارونؑ کی موسیٰؑ کے نزدیک تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)

اس موقع کو مترجم تاریخ طبری ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے " من ترا بجائے خویش داشتم۔ بجانمان خویش بنشانیدم۔ وایں ہا بتو سپردم و تو ہمن ہمچنانی کہ ہارون بموسیٰ علیہ السلام بود۔۔۔۔۔۔ باز علی را بمدینہ فرستاد " علامہ جلال الدین سیوطی نے اس روایت کو سعد ابن ابی وقاص کی زبانی بیان کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ اسے دونوں شیوخ نے ذکر کیا ہے۔ ابوالفدا کی عبارت یہ ہے " وہ لوگ جھوٹے ہیں میں تم کو اپنے پیچھے اپنا خلیفہ بنا کر آیا ہوں۔ تم جاؤ اور میری خلافت کرتے رہو۔ کیا تم راضی نہیں ہو اس بات پر کہ تمہارا رتبہ وہ ہو جو ہارونؑ کا رتبہ تھا نزدیک حضرت موسیٰؑ کے "۔ ابوالفدا نے طعن کرنے والوں کو " کفار " کے خطاب سے یاد کیا ہے اور روضۃ الصفا نے " منافقین " کے لفظ سے اور موسیٰؑ و ہارونؑ کی حدیث متذکرہ صدر لفظوں میں لکھی ہے۔ اسپرٹ آف اسلام میں بھی یہ تذکرہ ہے۔ انسائیکلوپیڈیا اور مسٹر گبن نے لکھا ہے کہ علیؑ کو " دوسرے موسیٰؑ کا ہارون " کہا :۔

مزید انعکاس کے لئے یہ بھی کہہ دینا ہوگا کہ حضرت رسول اللہؐ کبھی روانگی کے وقت یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ وہ کس ارادے سے روانہ ہو رہے ہیں، برخلاف جنگ تبوک کے، تبوک زیادہ دور تھا اور موسم شدت گرما کا تھا۔ نیز منافقین کے علاوہ دیگر قبائل کی طرف سے اطمینان کلی نہ ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں جب کہ اعلان کر دیا تھا۔ راہ کی دشواریاں تھیں۔ بغاوت کا اندیشہ تھا۔ اور

دار النبوت سے زیادہ زمانہ تک دور رہنا تھا زیادہ ضروری تھا کہ قائم مقام تجویز کرنے میں کمال احتیاط فرماتے ۔ اختتام ۸ھ یا ابتدائے ۹ھ تک علیؑ کی ذات جیسا حجاز اور عرب پر اثر ڈال چکی تھی ۔ وہ اس نتیجہ نکالنے کے لئے کافی تھی کہ شرائط حفاظت رسول اللہ کی اسپرٹ قائم رکھنے کے لئے ایسے مخدوش وقت میں علیؑ سے بہتر اور قوی شخص دوسرا نہیں ہے ۔ جس کی حیثیت ایک مفید عُنصر تھی ۔

سریۂ وادی الرمل یا ذات السلاسل

رسولؐ اللہ کو خبر دی گئی کہ کچھ عرب وادی الرمل میں جمع ہوئے ہیں اور وہ مدینہ پر شبخون مارنا چاہتے ہیں ۔ یہ مقام مدینے سے پانچ منزل پر واقع تھا حضرت رسولؐ اللہ نے ابوبکر ابن ابو قحافہ کو ان کی سزا کے لئے روانہ کیا (بعض مؤرخین اہل سنت نے حضرت ابوبکر کے افسر مقرر کئے جانے کے تذکرہ تک قناعت کی ہے اور بعض نے صرف عمرو عاص کو افسر بتایا ہے اور حضرت ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ جراح کو ان کے ماتحت قبول کیا ہے)

اصحاب کی ناکامی

دشمن ایسی جگہ تھا جہاں بہت سے درخت، تھے اور حملہ اور فوج کو ان کی سکونت نہ معلوم ہو سکتی تھی سپہ سالار نے اس کا خیال نہ کیا اور جب ان کی فوج موقع پر پہنچ گئی تو دشمن نے انہیں کامیابی سے دور رکھا ۔ رسولؐ اللہ نے ان کے بعد ابن الخطاب کو روانہ کیا ۔ لیکن چونکہ ان کا طریقہ بھی پہلے بھیجے ہوئے افسر سے زیادہ ہوشمندانہ نہ تھا ۔ ان کی فوج کا بھی وہی نتیجہ ہوا ۔ عمرو ابن عاص باوجود جنگی فطانت کے بھی اسر برنہ ہو سکا ۔ آخری مرتبہ علی ابن ابیطالب بھیجے گئے ۔ علامہ مجلسی نے بیان فرمایا ہے کہ بڑی لڑائیوں میں جناب امیر علیہ السلام ایک عصابہ باندھ لیتے تھے ۔ جس وقت اس مخدوش جنگ میں جانے کے وقت عصابہ طلب کیا تو حضرت فاطمہؑ موقع کو نازک سمجھ کر چشم پُرآب ہو گئیں اور رسولؐ اللہ نے تسکین دی ۔ روانگی کے وقت علیؑ ایک سرخ گھوڑے پر سوار تھے ۔ بردِ یمنی کاندھے پر ڈالے تھے اور نیزہ خطی ہاتھ میں تھا ۔ گذشتہ ناکام افسر بھی ان کے ساتھ روانہ کئے گئے ۔ علیؑ نے معمولی راہ ترک کر دی اور رات کو کوچ کرنا شروع کیا ۔ عمرو عاص نے ابوبکر اور عمر سے شبخون مارنے کی صلاح کی ۔ ان لوگوں نے علیؑ سے تذکرہ کیا ۔ مگر انہوں نے اس مشورہ کو منظور نہ کیا ۔ سپہ سالار لشکر آگے آگے جا رہا تھا اور فوج کی نقل و حرکت سے فتح کی قوی امید پائی جاتی تھی عمرو عاص نے کبھی ظاہر کیا کہ جس طرف سے علیؑ جا رہے ہیں ۔ ادھر درندوں کا خوف ہے مگر علیؑ نے توجہ نہ کی اور کبھی اس نے فوج میں بد دلی پھیلانی شروع کی اور خوف زدہ کرنا چاہا لیکن مجاہدوں کو اپنے افسر کی بہادری، اس کی ہمدردی اور دیکھ بھال سے ایسا اطمینان تھا کہ کسی نے اس کی باتوں پر توجہ نہ کی ۔ ہم نہیں جانتے کہ سچ مچ یہ ابن عاص ہی کی ریشہ دوانی تھی یا اور بھی کچھ لوگ اس کے شریک تھے اور زمانہ نے صرف اسی کو قربانی کا جانور بنایا ہے ۔

دشمن کی شکست

بہر حال جب علی علیہ السلام دشمنوں کی حد میں پہنچ گئے تو انہوں نے نہایت خاموشی سے اپنی فوج بڑھائی اس قدر احتیاط منظور تھی کہ بات کا جواب نہ دیتے تھے اور حکم دیا تھا کہ جانوروں کا منہ باندھ دو۔ صبح ہوئی، تیار ہوئے اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ اس دفعہ دشمن کے بھاگنے کی باری تھی کیونکہ وہ شخص مقابلہ کے لئے آیا تھا جس نے میدان جنگ سے نہ بھاگنے کی گویا ہمیشہ کے لئے قسم کھا رکھی تھی اور اس کا کسی فوج کے ساتھ ہونا یہ معنی رکھتا تھا کہ ضرور فتح اسی طرف ہے۔ وہ جگہ جو تین مرتبہ دشمنوں کے شان نکالنے اور بہادر بننے کے لئے موزوں معلوم ہوئی تھی۔ اب وہاں اس سردار کی باحواسی اور بہادری کے ساتھ فوجی قابلیت نے انہیں ٹھہرنے نہ دیا اور میدان صاف ہو گیا۔ علامہ مجلسی کے مطابق رسول اللہؐ نے سریہ وادی الرمل کی صبح کو سورۂ والعادیات تلاوت فرمایا جو اس وقت نازل ہوا تھا۔

رسول اللہؐ نے اس فوج کی روانگی کے وقت مسجد احزاب تک مشایعت کی تھی اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان کا پرانا معین سریہ فتح کر کے آ رہا ہے تو اصحاب کو استقبال کا حکم دیا اور خود آگے آگے تشریف لے چلے۔ مہذب افسر نے اپنے آقاؐ کو آتا دیکھ کر گھوڑے سے کودنا چاہا۔ لیکن ہادی برحق جس کے دین کے لئے یہ فاتح کوشش کرتا رہا ہے اور جس کی جماعت کی عزت کو نازک مواقع پر قائم کرنے کے لئے اکثر دوڑ پڑا ہے، ان پیار بھرے لفظوں میں حکم دیتا ہے:

"اے بھائی سوار ہو کہ خدا و رسولؐ تجھ سے خوش ہیں۔"

اس کے بعد پھر وہی بزرگؐ اپنے اس مددگار کی انکساری اور خدمت دیکھ کر جس کی طبیعت شناسی سے انکار نہیں کیا جا سکتا وہ جسے دنیا کے ادیان کا متعصب آدمی بھی بڑے لوگوں میں شمار کرتا ہے۔ وہ مقنن جس کے وسیع اصول تیرہ سو برس گزرنے کے بعد آج تک موافق فطرت انسانی ہونے کی وجہ سے ضروریات کے لئے پورے اور کافی معلوم ہوتے ہیں وہ موحد جس نے توحید کے سچے اصول سکھانے پر بھی "ماعبدناک حق معرفتک" کہہ کر اس کی دشواریاں بتا دیں۔ فرماتا ہے:۔

مشابہت عیسیٰؑ

"اگر مجھے اپنی امت کے گروہ سے خوف نہ ہوتا کہ جو کچھ مسیح ابن مریم کے لئے کہا جاتا ہے۔ ایسا ہی کچھ تیری شان میں بھی کہیں گے تو میں تیرے لئے کچھ کہتا کہ تو جس طرف سے گزرتا لوگ تیرے قدم کے نیچے کی خاک اٹھاتے۔"

اکسیر التواریخ میں مشابہت عیسیٰؑ کی حدیث احمد بن حنبل سے نقل کی گئی ہے۔ روضۃ الصفا نے وہی کہا ہے جو ہم نے لکھا ہے۔

حدیث کی وسعت

ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ نے اس موقع پر تشبیہ تک قناعت کی ہے اور وہ نہیں فرمایا جو کہنے کی خواہش تھی لیکن جو کچھ فرمایا وہ اس سے کہیں زیادہ تھا جو غالباً کل اصحاب کے لئے کہا ہوگا

یہ تشبیہ اور تعریف بحیثیت ایک سپہ سالار کے نہ تھی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ مسیح ابن مریم بحیثیت سپہ سالار کے مشہور نہ تھے بلکہ ان کا حلم، ان کا تقدس، ان کی محبت اور انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی کہنا وہ صفتیں تھیں جن سے وہ متصف ہیں رسول اللہ جانتے تھے کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت ان کے معتقدین میں بعض الفاظ کی وجہ سے بہت ہی نامقبول مبالغہ پیدا ہو گیا علیؑ کی تعریف ان لفظوں میں کیا جانا جو ناسمجھوں کی برداشت کے باہر ہو اور آئندہ غلو کے ہاتھوں بھلائی سے زیادہ برائی پیدا کرے اس مثال کی وجہ سے خوف دلا رہی تھی۔ مگر پھر بھی ان لفظوں سے علیؑ کے تقدس اور عظمت نفس پر تیز روشنی پڑ گئی اور رسول اللہ کے پیرو ان کی روحانیت کو اعلیٰ درجہ پر سمجھنے کا زبردست اشارہ پا گئے۔

یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ علیؑ کو ایک نبیؑ کے وصی سے مناسبت دیتے ہیں اور دوسری مرتبہ ایک جلیل الشان نبیؑ کی مشابہت سے یاد کرتے ہیں۔ بچہ ایک دن میں بوڑھا نہیں ہوتا بلکہ اسے درجے طے کرنے ہوتے ہیں۔

یوم نحر ۹ھ

یوم نحر کو اونٹ کی قربانی ہوتی ہے۔ رسول اللہ مکہ تشریف نہیں لے گئے بلکہ حضرت ابوبکر کو قربانی کے اونٹ دے کر روانہ فرمایا اور سورۂ براۃ پڑھنے کا حکم دیا۔ لیکن دفعتہً رسول اللہ کے خیال میں حکم خدا سے تغیر ہوا اور ابھی حضرت ابوبکر بقول ابوالفدا ذوالحلیفہ اور بقول روضۃ الصفا عرج تک پہنچے تھے کہ ان کے کان میں ناقۂ رسول اللہ کی صدا آئی۔ نماز صبح کا وقت تھا انہوں نے دیکھا کہ سوار دوش رسولؐ ناقۂ رسولؐ پر آ رہا ہے اور کہتا ہے:-

"یا ابن ابی قحافہ سورۂ براۃ ہمیں دو کہ اس کے پڑھنے کا حکم ہوا ہے"۔

"اس کا کوئی سبب ہے"

تبلیغ رسالت رسولؐ کریں یا جو ان میں سے ہو

رسول صلی اللہ کو حکم ہوا ہے کہ تبلیغ رسالت تم کرو یا جو تم میں سے ہو" بقول مؤلف تاریخ الاسلام "قربانی رسولؐ کی جانب سے ان کا عزیز کرے"، بقول ابوالفدا " یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق راہ ہی میں سے مراجعت کر کے پیغمبرؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ کیا میرے بعد کوئی حکم نیا آسمان سے نازل ہوا ہے۔ آپ نے ارشاد کیا کہ نہیں کوئی نیا حکم صادر نہیں ہوا بلکہ اصولی بات یہ ہے کہ عہدہ احکام کے پہنچانے کا میرا ہے اگر میں نہ ہوں تو کوئی شخص جو قریب میرا ہو وہ ادا کرے"

علیؑ خانۂ کعبہ میں

رسول اللہ کا ناقہ سوار خانۂ کعبہ میں داخل ہوا۔ اب تک یہ دستور تھا کہ کفار خانۂ کعبہ میں برہنہ حج کرنے آتے تھے۔ علیؑ نے داخل ہو کر تلوار کھینچ لی اور حکم دیا کہ جو شخص خانۂ خدا میں برہنہ داخل ہو گا قتل کیا جائے گا۔ اس دھمکی کا یہ اثر ہوا کہ سب نے کپڑے پہن لیے اور اس متبرک مقام کی عزت قائم ہو گئی۔ مؤلف تنقید الکلام کے لفظوں میں جو احکام حضرت علیؑ نے پڑھے وہ یہ تھے:-

احکام جو پڑھے گئے

" اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ برہنہ ہو کر طواف کرے جس شخص سے رسول اللہ نے کوئی عہد و پیمان کیا ہے وہ عہد اس وقت تک نافذ و قائم رہے گا جب تک کہ اس کی میعاد ختم ہو۔ باقیماندہ لوگوں میں سے ہر شخص کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے کہ اپنے ملک میں پھر جائے۔ اس میعاد کے بعد کسی شخص کا کوئی فرض رسول اللہ پر باقی نہ رہ جاویگا سوائے ان لوگوں کے جن سے مصالحہ کیا گیا ہے۔ "

اصطلاح میں یہ فرمان ابراء نامہ کہا جاتا ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق حضرت علی علیہ السلام سورہ برات کی دس آیتیں روز عرفہ عرفات میں اور شب عید کو مشعر الحرام، روز عید میں جمرہ کے قریب اور ایام تشریق میں منیٰ کے پاس باواز بلند پڑھتے رہے۔ اور ان چاروں احکام کا اعلان فرماتے رہے۔ علیؑ نے رسول اللہ کی طرف سے قربانی کی اور کاموں کے انجام دینے کے بعد مدینہ واپس آگئے۔ خبریں کہتی ہیں کہ رسول اللہ کو علیؑ کی نسبت مشرکین سے اندیشہ تھا اور جب ابوذرؓ نے تشریف آوری کی اطلاع دی تو جناب رسول خدا نے کمال مسرت سے استقبال کیا۔ سورۂ برات یا ابراء نامہ پڑھے جانے کے متعلق صاحب تنقید الکلام کا حسب ذیل خیال ہے۔

" یہ گمان کرنا بالکل غلط ہے کہ اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے کوئی سورۂ قرآن مجید تلاوت کیا تھا۔ غالباً اس فرمان یا ابراء نامہ کے بعض مضامین کا ماخذ بعض آیات سورہ توبہ ہیں مگر اس سورۃ میں مختلف واقعات کا ذکر ہے جو مختلف زمانوں میں ہوئے تھے۔ لہٰذا اس کا قیاس مقتضی نہیں ہے کہ حضرت علیؑ نے اس سورہ سے اپنی تقریر اخذ کی "

اکثر تاریخیں سورۂ برأت کے پڑھنے اور ان مشترک احکام کا بھی ذکر کرتی ہیں۔ جو تنقید الکلام کے ابراء نامہ کی عبارت کے مطابق ہے۔ اس لئے یہ قطعی فیصلہ کرنا غیر ضروری ہے کہ سورۂ براۃ نہیں پڑھا گیا یا ابراء نامہ کا پڑھنا تصور کیا گیا جب کہ احکام کا مفہوم قریب قریب ایک ہے۔ اگر تصفیہ عام تاریخی قیاس کے اقتضا پر موقوف ہے تو تواتر کا خیال کر کے یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ سورۂ براۃ اور ابراء نامہ ایک دوسرے کے بعد پڑھا گیا۔ مفسرین متفق ہیں کہ سبب نزول اول آیات سورۂ برأۃ کا مشرکین کی بدعہدیاں تھیں۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ ابتدائی دس آیات پڑھی گئی ہوں اور ان کی وضاحت چار احکام سے کی گئی ہو۔

سورۂ برأۃ اور اس کی روشنی

ہمیں افسوس ہے کہ یوم النحر کا واقعہ بھی بلا اعتراض نہیں گزرا۔ اس لئے کہ فریق ابوبکر اور علیؑ ہیں۔ تاویل کرنے والوں کی کوشش بہت کچھ بجا ہیں اس لئے کہ سیدھے سادے اس واقعہ کو مان لینا ان کے لئے مضر ہے اور اکثر حالتوں کا نہ صرف ان کے خلاف فیصلہ کرنے والا ہے بلکہ بعض ایسی باتیں بھی تجویز کرتا ہے جو انہیں نہتا کر دیں گی۔ مثلاً عہدہ لے لئے جانے سے ایک غیر معمولی توہین ہے۔ دوسرے حضرت ابوبکر بمقابلہ علیؑ کے عزیز نہ تھے۔ باوجود ان کل کوششوں کے جو سرزد ہو چکی تھیں۔ حضرت عائشہؓ اب ازواج رسولؐ میں داخل ہیں۔

تیسرے اگر رسول موجود نہ ہوں تو تبلیغ رسالت ان کا عزیز کرے۔ یہ آئندہ علالت کے زمانہ میں امامت مسجد کے مشہور تذکرہ کو ختم کر دیتا ہے اور ظاہر کر دیتا ہے کہ رسول اللہ کے پاس علیؑ کے موجود ہوتے ہوئے کسی دوسرے کا امامت مسجد کرنا علیؑ اور دونوں کے علم سے باہر تھا۔ چوتھے اگر یہ تھا کہ رسول اللہ کی ناموجودگی میں عہدہ احکام کے پہنچانے کا رسول اللہ کے عزیز کی طرف منتقل ہوتا تھا یا بقول مؤلف تاریخ الاسلام "اچھا ہے" تو دنیا سے رسول اللہ کی ناموجودگی میں وصایت اور خلافت پر ان کے عزیز کا نائب ہونا کیوں نہ ولیا ہی اچھا ہوا اور رسول اللہ کے بعد ایسے امور ہیں جس میں لوگ مشتبہ ہوں یہ کیوں نہ سند سمجھا جائے جیسا غیر رسمی طور پر ہمیشہ سمجھا گیا۔

مترجم ابن خلدون غالباً سب سے پہلا شخص ہے جو اس واقعہ کی ہیئت کذائی بدل دینے کا استغاثہ کر رہا ہے اور جن قدیم مؤرخین نے اسے اصلی حیثیت سے قبول کیا ہے ان کا سخت شاکی ہے۔ خود اسی نے ابن خلدون اور ابن اثیر کی زبانی لکھا ہے کہ علیؑ نے ذوالحلیفہ میں سورۂ براۃ لے لیا۔ کبھی کہتا ہے کہ آیات کے ساتھ روانہ کیا۔ کبھی یہ کہتا ہے کہ آیات بعد کو نازل ہوئیں۔ ابوبکر واپس آئے۔ جس موقع پر حضرت ابوبکر سورۂ براۃ حوالہ کر دیتے ہیں۔ لائق مترجم ایک سوال حضرت ابوبکر کی زبانی پیش کرتا ہے کہ "تم امیر ہو یا مامور" جس کا جواب حضرت علی علیہ السلام دیتے ہیں کہ "مامور" مترجم اپنی تمام کوشش اور گزشتہ مؤرخین کی غلطی کا مدار اس عبارت کو قرار دیتا ہے کہ "ثم اردف النبی ابابکر بعلی ابن ابی طالب نامرہ ان یوذن ببراۃ" (پھر نبیؐ نے ابوبکر کے پیچھے علیؑ کو بھیجا پس حکم دیا ان کو کہ لوگوں کو براۃ سنا دو) اور اس کے بعد کہتا ہے کہ ان کے بھیجنے کی اور غرض تھی اور علیؑ کے بھیجنے کی اور یعنی ابوبکر امیر حاج اور علیؑ سورہ پڑھنے اور قربانی کرنے پر مامور ہوئے تھے۔

امیر حاج ہونے کا تصفیہ ابوالفدا یا روضۃ الصفا کی روایت اعلام الورے یا خود اس کی عبارت سے ہوتا ہے کہ ابوبکر واپس آئے یعنی سورہ براۃ حوالے کرنے کے بعد انہوں نے مکہ جانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اب اگر بفرض محال ان کے ساتھ تین سو آدمیوں کی جماعت تھی۔ جنہیں حج کرانے کا حکم ہوا تھا تو سوال یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کی واپسی کے بعد ذوالحلیفہ میں بیٹھے رہے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ کے پاس واپس گئے، یا علیؑ کے ساتھ حج کرنے گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ گروہ اگر ان کے ساتھ تھا حج کرنے کی نیت سے جا رہا تھا۔ علی علیہ السلام مکہ جا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر مدینہ واپس ہو رہے تھے تو اب فطری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حاجی علیؑ کے ساتھ ہو لئے گئے نہ وہ ذوالحلیفہ میں رہے ہوں گے اور نہ مدینہ واپس ہونے ہوں گے۔ جس کی تائید تنقید الکلام کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ بھی حجاج کے ساتھ رسول اللہ کا یہ حکم لے کر گئے"، یا جیسا ابوالفدا نے حضرت ابوبکر کی رسول اللہ کے پاس واپسی کے بعد لکھا ہے کہ "بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیق حج کو تشریف لے گئے" جس سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکر حج کرانے تشریف لے گئے یا ان کے ساتھ اس وقت حاجیوں کا کوئی گروہ تھا۔ اس سے سمجھنا آسان ہوگا کہ سورہ براۃ حوالے کر دینے کے بعد حضرت ابوبکر کا امارت یا ماموریت والا غیر فطری سوال خود بخود دسوخت ہو جاتا ہے۔ مؤرخین نے

سورۂ براءۃ لے جانے والے کے فرائض اور اس کے اہتمام کا جس طرح تذکرہ کیا ہے وہ کہیں سے مشتبہ نہیں ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر کے حج کرانے اور حاجیوں کو مناسک حج کی تعلیم دینے کے واقعات اور اظہار اس قدر خاموش غیر واضح اور مشتبہ ہیں جنہیں قبول کرنے کی آسانیاں بہت دور ہیں۔ نیز یہ کس قدر غیر معمولی معلوم ہوتا ہے کہ دو کاموں کے لئے تو رسول اللہؐ ایک بھیجے ہوئے شخص کو معزول کر دیں۔ اور وہ اس وجہ سے کہ رسول اللہؐ کا کام ان کا عزیز کرے۔ لیکن مناسک حج کا تعلیم کرنا اس سے مستثنیٰ رکھا جائے ہمیں مترجم ابن خلدون کی تمام کوششوں سے ہمدردی ہے۔ لیکن اس نے ایک ایسے واقعہ کی ہمدردی چاہی ہے جس کی کامیابی کے لئے قسمت کا اچھا موقع تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے اپنی روش خیال کے مخالف مؤرخین کی رائے کو "فاش غلطی" اور "بازیچۂ اطفال" سے زیادہ وقعت دینا مناسب نہیں سمجھا ہے۔ یہ سب تصفیہ کے عدم اعتدال اور مؤرخین کے ہمارے موافق ہونے کا ثبوت ہے

ترمیم حکم کی ضرورت

رسول اللہؐ کو ترمیم حکم کی ضرورت یقیناً حضرت ابوبکر صدیق کی طبیعت میں عدم قوت اور استقلال کے تجربے سے ہوئی تھی۔ جب کہ موقع یہ تھا کہ ایک کھرا حکم دشمنوں کے مجمع میں بغیر کسی فوجی تائید کے پڑھا جاتا۔ میرا یہ خیال اسی قدر مبنی بر واقعات ہے۔ جس قدر ان روایات سے متاثر ہے کہ امامت مسجد کے لئے حضرت عائشہؓ اپنے پدر بزرگوار کی کمزوری طبیعت کی قائل ہیں اور دوسرے کی سفارش کرتی ہیں۔ عام اس سے کہ میں عین روایت اور اس کی مصلحت کو کسی نگاہ سے کیوں نہ دیکھتا ہوں۔

مباہلہ

نجران کے کچھ عیسائی مدینہ آئے اور نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن رسولؐ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ان لوگوں سے عثمان ابن عفان اور عبدالرحمٰن ابن عوف سے بیشتر کی شناسائی تھی۔ عیسائیوں نے ان لوگوں سے رسول اللہ کی بے توجہی کی شکایت کی۔ ضرور ان لوگوں کو رسولؐ کی اس غیر معمولی شان پر عجب ہوا ہوگا لیکن کوئی وجہ ان کی سمجھ میں نہ آئی اور یہ لوگ انہیں لئے ہوئے علیؑ ابن ابیطالب کے پاس آئے۔ علیؑ نے دیکھ کر کہا کہ رسول اللہؐ کے مخاطب نہ ہونے کی یہ وجہ تھی کہ تم لوگ سونے کی انگوٹھیاں اور ریشمی کپڑے پہنے تھے۔ دوسری مرتبہ یہ لوگ بلا ان آرائشوں کے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اب رسول اللہؐ نے ان سے گفتگو کی اور اسلام پیش کیا۔ ان لوگوں نے انکار کیا اور طے یہ ہوا کہ آپس میں مباہلہ ہو۔ جو جھوٹا ہوگا اس پر خدا اپنا غضب نازل کرے گا۔ جسے قرآن نے بھی ذکر کیا ہے اور مباہلہ کرنے والوں کو "ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم" میں محدود کیا ہے۔

رسولؐ کے ساتھ کون لوگ تھے

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:۔ مسلم میں سعد ابن ابی وقاص کی سند سے ہے کہ جب یہ آیت کہ (ہم لوگ اپنے لڑکے ......) نازل ہوئی تو رسولؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو جمع کیا اور کہا کہ "بار الٰہا یہ میرے اہل بیت ہیں"

اہل بیت کی تخصیص

ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ کمبل اوڑھے تھے اس میں فاطمہؑ، علیؑ اور حسنینؑ داخل ہوئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بارالہا یہ میرے اہل بیت ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

مولوی سید امیر علی صاحب اسپرٹ آف اسلام میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اہل بیت در سولؐ کے، گھر کے لوگ۔ یہ ایک خطاب ہے جو بالعموم علی و فاطمہ علیہما السلام ان کی اولاد اور ان کی نسل کو دیا جاتا ہے۔ اس لقب سے ابن خلدون انہیں اکثر ملقب کرتا ہے ...... سنائی کہتا ہے۔ جز کتاب اللہ و عترت ز احمدؐ مرسل نماند۔ یادگارے کوتواں تا روز محشر داشتن "۔ مظاہر حق میں ہے "حاصل یہ کہ اطلاق اہل بیت کا ان چار تن پاک پر شایع اور مشہور ہے (علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ کیلئے اس طرح روانہ ہوئے کہ دونوں نواسے داہنے بائیں خود بیچ میں پشت پر حضرت فاطمہؑ اور سب کے آخر میں حضرت علی علیہ السلام ابن ابیطالب تھے۔ نصرانی عالم نے دریافت کیا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والا کس شان سے آرہا ہے اور جب معلوم ہوا کہ اولاد میں حسنینؑ، عورتوں میں فاطمہؑ اور نفس میں علیؑ ہیں تو اسے خوف طاری ہوا کہ اگر رسول اللہ کو اپنے سچے ہونے کا یقین نہ ہوتا تو ہرگز اپنے ایسے عزیزوں کو غضب خداوندی کے لئے آمادہ نہ کرتے اور مباہلہ سے انکار کر دیا لیکن ہزار حلہ صفر اور ہزار رجب میں چند زرہیں اور گھوڑے بطور جزیہ دینے کے اقرار پر صلح کر لی۔

تجسیم عدد

اس واقعہ کے متعلق ہم مؤلف تاریخ الاسلام کے اس نقرہ کے الفاظ اور انداز خطاب کے شاکی ہیں کہ "در غالباً پنجتن کا مضمون اس واقعہ سے اخذ کیا گیا ہے۔" ہم نہیں سمجھتے کہ اسے کیوں ان مضحکہ خیز الفاظ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ درانحالیکہ اگر اخذ بھی کیا گیا تو کوئی شرعی یا اخلاقی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ حقیقتاً "پنجتن" کا لفظ اس قدر "مضمون" نہیں ہے جس قدر واقعہ ہے اور اس متبرک تعداد کو جو اہل بیت کے خطاب سے محدود کی گئی تھی، مجسم کرتا ہے۔

۱۰ھ علیؑ یمن بھیجے گئے

اس سنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ کو یمن بھیجا کہ وہ قبائل ہمدان کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔ علیؑ کے جانے کی وجہ بقول ابن خلدون اور "سوانح عمری" یہ ہوئی کہ پہلے رسول اللہ نے خالد ابن ولید کو بھیجا تھا مگر چھ مہینے تک ان کا رہنا بے سود ہوا۔ اب علیؑ دعوت اسلام کے لئے بھیجے گئے انہوں نے لوگوں کو جمع کیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو پڑھا اور حاضرین کو عذاب خدا سے ڈرایا۔ ہمیں افسوس ہے کہ علی علیہ السلام کی وہ تقریر جو اس وقت کی گئی تھی ہم تک نہ پہنچی۔ ضرور بڑی اثر خیز ہو گی۔ جسے سنکر ایک دن میں

ہمدان کا بڑا قبیلہ اسلام لایا۔ علیؑ نے قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی رسولؐ اللہ کو خبر دی اور بقول ابن خلدون رسولؐ اللہ نے سجدہ شکر ادا کیا اور تین بار اسلام علی ھمدان فرمایا نہ صرف قبیلہ ہمدان اسلام لایا بلکہ تمام "اہل یمن جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔

حجۃ الوداع

حضرت رسولؐ اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لئے آمادہ ہوئے۔ ابن خلدون کے موافق رسولؐ اللہ نے حضرت علی علیہ السلام کو نجران میں صدقات جمع کرنے کے لئے بھیجا تھا مگر وہ بھی مکہ میں آ ملے اس سال رسول اللہ کے ساتھ جس قدر مجمع تھا اس کے پیشتر حج کے لئے کبھی نہ ہوا تھا۔ یہ حج اس وجہ سے کہ ہادیؐ عالم کا اس کے بعد موقع نہ ملا حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ حج سے فارغ ہو کر رسولؐ واپس تشریف لا رہے تھے کہ مقام خمؐ میں پہنچے۔ اس جگہ کی نسبت الخزیمی کی موافقت سے ابن خلکان لکھتا ہے:۔

خُم کا جغرافیائی مقام تین میل جحفہ سے آگے

خمُ ایک گھاٹی کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان اور جحفہ کے قریب ہے۔ یہاں ایک گڑھا (غدیر) ہے۔ جس کے قریب رسولؐ اللہ نے مناجات کی۔ یہ اٹھارھویں تاریخ کا واقعہ ہے۔ اسی روز عید غدیر کی خوشی ہوتی ہے (از ا ہسٹری آف اسلام)

رسولؐ اللہ اس مقام پر پہنچے تھے کہ انہیں حکم ہوا۔ " یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس "۔ (اے رسولؐ پہنچا دے اس چیز کو جو ہم نے تیرے اوپر نازل کی اگر تو نے نہیں پہنچایا تو گویا تو نے رسالت ادا نہیں کی خدا تجھے لوگوں سے بچائے گا)

اسناد

حلیۃ الاولیا اور تفسیر ثعلبی میں براء بن عازب سے نقل ہے کہ رسولؐ اللہ ٹھہر گئے۔ میدان صاف ہوا اور اس خیال سے کہ حاضرین کی بڑی جماعت انہیں دیکھ سکے۔ پالان کا منبر بنایا۔ علیؑ کو اپنے قریب رکھا اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہا " الست اولی بالمومنین من انفسھم "، (کیا میں نفس مومنین پر ان کے نفس سے اولیٰ نہیں ہوں؟) سب کے اقرار پر فرمایا:۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ وانصر من نصرہ " (روضۃ الصفا) (ومناقب مرتضوی)

" حافظ ابن مردویہ مناقب میں عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ عہد رسولؐ میں اس آیہ کو اس طرح پڑھتے تھے کہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین .... عن ابی ھریرہ قال سمعت رسول اللہ انہ قال من صام یوم الثامن عشر من ذی الحجہ کان لہ ستین شھرا و ھو یوم الذی اخذ فیہ النبیؐ بید علی بغدیر خم فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ "۔

(اس حدیث کی صحت میں صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ " انہ رواہ عن ثلثون صحابیا " (مناقب مرتضوی)

"عن البراء بن عازب قال فی قوله تعالٰی یا ایھا الرسول ..... ای بلغ من فضائل علی نزلت فی غدیر خم فخطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال من کنت .... فقال عمر بخ بخ یا علی اصبحت مولائی ومولیٰ کل مومن ومومنۃ" (ابونعیم والثعلبی از سوانح عمری)

"احمد۔ ابوطفیل کی سند سے ہے (ابوطفیل عامر بن واثلہ بن عبداللہ صحابی جو مسلم کے موافق سنہ ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے) کہ علیؑ نے مسجد کے سامنے لوگوں کو جمع کر کے کہا۔ میں برائے خدا ہر مسلمان سے پوچھتا ہوں کہ کیا غدیر خم کے روز رسولؐ خدا نے جو کچھ کھڑے ہو کر کہا وہ نہیں سنا؟ اس وقت تیس آدمی کھڑے ہو گئے اور شہادت دی کہ رسول اللہؐ نے کہا ہے کہ "جس کا میں دوست ہوں اس کے علی علیہ السلام دوست ہیں اے خدا اُس کا دوست ہو جس کا علیؑ دوست ...." (تاریخ الخلفا)

"رسولؐ امیر المومنین علی را بہ نجران فرستاد او از نجران احرام گرفتہ بہ مکہ آمد۔ در عرفات خطبہ کرد و ہمہ کارہائے دین تمام کرد خدا آیت فرستاد" (طبری)

"علیؑ یمن سے آ گئے تھے رسول اللہؐ نے نصیحتیں کیں۔ اسی روز آیہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا نازل ہوئی ...... حضرتؐ نے یہ بھی کہا تھا کہ قرآن اور اہل بیت یہ دو چیزیں ہیں ...... منشا قرآن ضروریات زندگی اور اہل بیت سمجھانے کے لئے۔ گھر والے عموماً فیضیاب ...... یہ بھی کہا تھا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ ......" (تاریخ الاسلام)

اس فعل کے بعد رسول اللہؐ اپنے خیمہ میں آئے۔ علی علیہ السلام کو دوسرے خیمہ میں بھیجا اور لوگوں سے مبارک باد دینے کو کہا چنانچہ ابا حفصہ کا "بخ بخ لک یا علی" ایک مشہور فقرہ ہے (روضۃ الصفا)

اس واقعہ کے متعلق صاحب تاریخ الاسلام لکھتا ہے:۔

"یہ سب باتیں اس طور پر کی گئیں جیسے کوئی وصیت کرتا ہے۔ اس میں کلام نہیں۔ اُدھر دس بارہ برس میں ہوش سنبھالنے کے بعد ایسے کام ہوئے اور اشاعت اسلام میں ایسی مدد ملی کہ آنحضرتؐ کے نزدیک یہ بہت ہی ممتاز اور پیارے تھے جو خونی تعلق آنحضرتؐ کو ان کے ساتھ تھا۔ اس سے قطع نظر کر کے دیکھئے۔ جب بھی مسلمانوں کی جماعت میں علیؑ سے زیادہ کوئی دوسرا بہمہ صفت موصوف نہ تھا۔ شجاعت، تہور، امیدوں کے دن، عنفوان شباب، راستی، اتقا، دانشمندی، سخاوت، توکل، اسلام کے جاں نثار، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان قربان کرنے والے۔ جس پہلو سے دیکھو یہ شخص اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ ان کو پیغمبری کا درجہ نہیں ملا۔ ورنہ ہارونؑ نے موسیٰؑ کے ساتھ اتنا نہیں کیا جتنا علیؑ نے محمدؐ کے ساتھ کیا۔ انگریز مؤرخ بھی اس ہیرو یعنی مرد میدان کے از حد مداح ہیں اور بعض مسلمانوں نے تو گویا ان کی محبت کو جزو ایمان سمجھ رکھا ہے (تاریخ الاسلام)

واقعات کا غلط تاثر

مولوی السید امیر علی صاحب اسپرٹ آف اسلام میں تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ رسول صؐ نے ولیعہد نامزد نہیں کیا۔ لیکن یہ واقعات کا ایک غلط تاثر ہے کیونکہ اس کی کافی شہادت ہے کہ رسول اللہؐ نے اکثر مرتبہ ولیعہدی کے لئے علیؑ کی طرف اشارہ کیا۔ خصوصاً حجۃ الوداع کی واپسی کے موقعہ پر اس جگہ جسے خم کہتے ہیں، ٹھہر گئے اور مجمع میں جو الفاظ استعمال فرمائے۔ اس سے ان کے ارادہ ولیعہدی میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ انہوں نے فرمایا "علیؑ کی نسبت مجھ سے وہ ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ خداوندا ان کے دوستوں کا دوست ان کے دشمنوں کا دشمن ہو، ان کی مدد کر جو اس کی مدد کریں۔ ان کی امیدوں کو منقطع کر جو اس سے بیوفائی کریں۔

"حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اثنائے راہ مراجعت میں جب غدیر خم کی منزل میں نزول فرمایا۔ ارشاد کیا :- الستم تعلمون انی اولیٰ بالمومنین من انفسھم جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرتؐ نے تین مرتبہ فرمایا...... قالوا بلیٰ ..... یعنی کہا سب نے کہ ہاں تم اولیٰ بالمومنین من انفسھم ہو.....

قرآن اور اہل بیت کے متعلق رسولؐ کی وصیت

ایک روایت میں آیا ہے...... جانو تم کہ میں نے درمیان تمہارے دو امر عظیم چھوڑے کہ ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے..... قرآن اور میرے اہل بیت۔ دیکھو تم احتیاط کرو کہ میرے بعد ان دونوں سے کیا سلوک کرو گے اور رعایت حقوق ان کا کس کیفیت سے کرو گے اور وہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ برلب حوض کوثر مجھ تک پہنچیں گے اس وقت فرمایا۔ خدا میرا مولا ہے اور میں تمام مومنین کا مولا ہوں۔ بعد اس کے ہاتھ حضرت علی مرتضیٰؑ کا اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا۔ اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ یعنی اے پروردگار جس کا میں مولا ہوں پس علیؑ مولا ہے اس کا اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ اے پروردگار دوست رکھ تو اس کو جو دوست رکھے علیؑ کو اور ایک روایت میں یہ زیادہ آیا ہے کہ وانصر من نصرہٗ واخذل من خذلہ اے پروردگار یاری دے اسے جو یاری دے علیؑ کو اور مخذول کر اسے جو چھوڑے علیؑ کو اور پھیر دے حق کے تئیں ساتھ علیؑ کے جس طرف پھرے علیؑ اور آیا ہے کہ ملاقات کی حضرت علیؑ سے حضرت عمر نے بعد اس حکایت کے اور کہا گوارا ہو اور شاد ہو اے ابوطالب کے فرزند کہ صبح کی تم نے اور شام کی اور ہوئے تم مولا تمام مومنین کے کیا مرد کیا عورت...... جان لو کہ اس حدیث میں نہایت فضل اور عظمت اور جلال و تکریم ہے علی مرتضیٰؑ کے تئیں اور تحریص و ترغیب ہے مومنوں کے تئیں اوپر محبت و موالات اس مولا کے اور اجتناب و احتراز ہے بغض و عداوت سے اس کی جیسا کہ اور حدیث میں آیا ہے کہ دوست نہ رکھے گا علیؑ کے تئیں مگر مومن صادق اور دشمن نہ رکھے گا مگر منافق کاذب...... اور یہ حدیث صحیح ہے اور اس کو روایت کیا ہے جماعت کثیر نے ترمذی اور نسائی اور احمد۔ اور طرق اس کے کثیر ہیں اور روایت کیا ہے اس کو جماعت کثیر

نے صحابیوں سے اور گواہی دی ہے انہوں نے یعنی اصحاب نے اوپر اس بات کے جس وقت کہ نزاع کی گئی۔ علی مرتضیٰؑ سے ایام خلافت میں اور التفات نہیں اس شخص کے قول پر جس نے سخن کیا ہے اس روایت کی صحت میں...... (مناہج النبوت)

مشکوٰۃ المصابیح میں بعد حدیث بیان کرنے کے ...... ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک منبر بنایا یا لاانول کا اور اس پر چڑھ کر فرمایا...... "، اس کے بعد کل باتیں احادیث متذکرہ صدر کی طرح بیان کی گئی ہیں۔ قرۃ العیون شرح سرور المحزون میں بھی یہی احادیث قریب قریب انہی لفظوں میں ہیں۔

شیخ کے خیالات

متذکرہ صدر تینوں کتابوں نے شیعوں کے اس خیال کا جواب کہ "ایسی دعا نہیں ہوتی مگر امام معصوم مفترض الطاعت کے لئے...... پس امت پر یہ نص صریح ہے ان کی خلافت پر" زیادہ تر شیخ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ سے دیا ہے۔ شیخ کے خیالات یہ ہیں:۔

۱۔ اگر مولےٰ بمعنی اولیٰ ہے تو یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اولیٰ سے "امامت" مراد ہے۔

۲۔ علی علیہ السلام دلیل کیوں نہ لائے۔

۳۔ صحابہ کیوں بھول گئے؟

۴۔ اگر صحابہ برے تھے تو اعتراض رسولؐ پر ہے کہ ان کی صحبت میں ایسے لوگ تھے۔

صاحب قرۃ العیون کے خیالات

صاحب قرۃ العیون کے حسب ذیل خیالات ہیں۔

(الف) عقل تجویز نہیں کرتی کہ صحابہ نے چھپایا ہو۔

(ب) مراد امامت فی الحال نہیں بلکہ امامتِ مآل اور وقت بیعت کرنے لوگوں کے ان سے امامت پر ہے بعد آئمۂ ثلاثہ۔

(ت) رسولؐ نے صحابہ کا حق خلافت ظاہر کر دیا تھا۔

سوالات ابن حجر کے جواب

سوال (۱) بفرض محال اگر اولی سے "اولیٰ بامامت" مراد بھی نہ سہی تو ایک اولیٰ مستند کو خلافت یا امامت کے وقت اولیٰ پر کیوں نہ ترجیح دی جائے۔ درانحالیکہ اگر صرف اولیٰ کا لفظ "اولیٰ بامامت" ہونا لازم نہیں ٹھہراتا تو ادائے لفظ اولیٰ کے پس وپیش کے واقعات اور عمل کہنے والے کا کوئی دوسرا منشا بجز اولیٰ بہ امامت ہونے کے ظاہر نہیں کرتے۔ اس بحث کو ہم آگے لکھیں گے اور قصۂ قرطاس کی بحث کے ایک حصہ سے بھی کچھ روشنی پڑے گی۔

۲۔ یہ سوال پہلی اور تیسری خلافت میں دیکھنے کا ہوگا کہ علی علیہ السلام دلیل لائے یا نہ لائے۔ دلیل لانے کے وقت کہا گیا کہ تم مسلمانوں کے فیصلے کے خلاف بات کرتے ہو۔

(۳) ایسا نہ تھا کہ سب بھول گئے ہوں۔ تذکرے آئیں گے کہ کون سے مواقع پر علی علیہ السّلام کی افضلیت اور استحقاق کا بڑے بڑے اصحاب نے زبانی اقرار کیا۔ اس کے بعد ابھی یہ کہنا ہے کہ لوگوں کے عوصلوں اور فوائد نے تجاہل کیا تھا۔ جس کے تذکرہ خاص مباحثوں میں آئے ہیں۔ مثلاً جنگ مانعین زکوٰۃ و شورش زمانہ خلیفہ ثالث۔ اکثر صحابہ نے تصرف یاد رکھا بلکہ دوسروں کی یاد دہانی کے لئے اس موضوع پر اشعار تصنیف کئے۔

یہی جواب صاحب قرۃ العیون کے سوال اوّل کا ہے۔ نیز یہ کہ واقعات کے سامنے عقل کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ انسان کے نفس (ضمیر) کا تغیّر عقلاً ممکن اور تجربۃً ثابت ہے۔ بعض کی مصلحت تھی کہ اقرار نہ کیا جاتا اور سچائی کی قوّت تھی کہ بعض کے منہ سے نکل جاتا۔

(۴) منقصت کسی طرح رسولؐ کی طرف راجع نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے، رسولؐ ہدایت کر سکتے تھے، نہ یہ کہ کسی میں اپنی عادت ساری و جاری کر دیتے۔ لوگوں کو اختیار تھا کہ وہ رسولؐ کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے یا نہ اٹھاتے اگر مؤلف قرۃ العیون کا خیال صحیح ہے تو معاذ اللہ خدا پر خالق ہونے کی وجہ سے زیادہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس نے ایسے بندے پیدا کئے جو گناہ کرتے ہیں حالانکہ کوئی عاقل، بندہ کے گناہ کا خدا کو ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔

مؤلف قرۃ العیون کا جواب

(ب) اس کی وجہ نہیں بتائی گئی کہ کیوں امامت فی الحال نہیں ہے اور بعد آئمہ ثلاثہ کیوں امامت کا اعتقاد کیا گیا ہے؟ تعطّل اور التوا کی صرف حضرات ثلاثہ کی مداخلت سے ضرورت سمجھی گئی ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہے جب کہ خلفائے ثلاثہ کا کوئی حق مداخلت ثابت نہیں ہے۔

(ت) اگر صحابہ کا حق خلافت ظاہر کر دیا گیا تھا۔ تو اجماع، شورے وصیت نامہ اور حکم کی ضرورت نہ تھی۔ عملاً ایسا ہونا اصحاب ثلاثہ کے اظہار حق کی نفی ہے۔

دوستی مولا سے مراد ہے

اس موقع پر ہم رسالہ "امامت تاریخی حیثیت سے"، کی تھوڑی سی عبارت نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

"یہاں ہم اس پرانے اعتراض کو قائم کر کے سوال کرتے ہیں کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض علی علیہ السّلام کی دوستی کے لئے حاجیوں کو اس قدر تکلیف دی تھی؟ اور کیا یہ دوستی ہی تھی جس کے لئے حضرت عمر ایسے شخص جو اسلام کے ایک بڑے فرقے کے نزدیک اکثر حیثیتوں سے ممتاز ہیں۔ خیمہ میں مبارک باد دینے گئے تھے؟ اور کیا اس وقت یا اس سے پیشتر حضرت علیؑ سے دشمنی تھی کہ انہوں (حضرت عمر) نے مبارک باد دینے کے وقت کہا کہ آپ میرے اور عام مومنین اور مومنہ کے مولا (دوست کے معنی میں) ہو گئے؟ کوئی نہیں کہتا کہ حضرت عمر اور علیؑ سے اس کے پہلے کوئی ایسی بد مزگی ظاہر ہوئی ہو

جس کی وجہ سے حضرت عمر کو ان الفاظ کے فرمانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ گو آخر میں ایسے الفاظ ہوئے جن کے اثبات کے متعلق ویسا ہی یقین کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اس وقت نفی کا۔

پس اگر بد مزگی نہ تھی تو حضرت عمر کا "دوستی" پر مبارک باد دینا کیا معنی؟ اور ان جیسے شخص نے یہ بیکار فعل کیوں کیا؟ اگر ایسا ہوتا تو ہرگز خیال نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عمر جو پہلے دشمن تھے وہ اپنی ہی دوستی کے موقع پر علیؑ کو جا کر مبارک باد دیتے کہ چونکہ مجھ سے تم سے دوستی ہو گئی۔ اس لئے تمہیں مبارک باد دینے آیا ہوں۔ یہ جس قدر لطافت تہذیب کے خلاف ہے۔ اسی قدر کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے کیونکہ علیؑ نے اپنی دشمنی کسی سے ظاہر نہیں کی تھی بلکہ وہ لوگ تھے جو برخلاف معلوم ہوتے تھے۔ ایسی صورت میں علیؑ کو حق تھا کہ خود وہ مبارک باد دیتے کہ تم میرے دوست ہوئے، بہ نسبت اس کے کہ خود لوگ انہیں اپنی دوستی کی مبارک باد دیتے۔!

وہ ایک عام مجمع میں رسولؐ کا بھائی اور وزیر کہا گیا تھا اس کے لئے یہ کوئی مایۂ ناز امر نہ تھا کہ اس پر لوگ اپنی دوستی کی مبارکباد دیں۔ جس میں خود ان کی شان نکلتی ہے اور نہ رسولؐ کا یہ منشا تھا کہ لوگ اپنے اوپر فخر کریں اور نہ کسی تاویل اور رادعائے "دوستی" کرنے والے نے یہ لکھا کہ جہاں "دوستی" علیؑ کے لئے مایۂ ناز تھی وہاں اور لوگوں کے لئے بھی تھی کیونکہ مبارک باد دینے میں ان کی بھی شان رہ گئی۔ اگر شان جتانے نہیں گئے تھے بلکہ جس طرح علیؑ کی دوستی ان کے لئے مفید تھی تو صرف انہی لوگوں کو مبارک باد دینے کی ضرورت اور وجہ نہ تھی بلکہ علیؑ بھی انہیں مبارک باد دینے لوگوں کے لئے بھی ویسے ہی سامان ہوتے جیسے علیؑ کے لئے مہیا کئے گئے تھے۔ لیکن یہ نہ تھا۔ لوگ تھے جنہوں نے مبارک باد دی، اور علیؑ تھے جن کے پاس گئے۔ یہ حالات کہہ رہے ہیں کہ علیؑ کے سامنے انہوں نے اپنی آن کو مغلوب کر دیا ہے اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ جسے یہ مبارک باد دینے گئے تھے اسے کچھ نیا اختیار اور خطاب دیا گیا تھا۔

صرف علیؑ کو مبارک باد

دوست ہرگز نہیں بنایا گیا تھا اور نہ برابر کا برتاؤ ہوتا نہ کہ تعظیماً مسرت کا۔ اگرچہ اظہار مسرت صرف ظاہری اور تھوڑی دیر کا کیوں نہ ہو۔ اگر حضرت عمر سے دشمنی تھی تو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ میں خوش ہوں کہ برسوں کی دشمنی کا آج تصفیہ ہو گیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہتمام کہہ رہا ہے کہ جو کچھ تھا، علی علیہ السلام کے لئے تھا۔ علی علیہ السلام اس مجمع کے ہیرو تھے جو کچھ رسولؐ کا مقصود تھا علیؑ کی ذات سے تھا نہ عام لوگوں سے۔ اگر اس مجمع میں پرانی عداوتوں کا تصفیہ کیا گیا ہوتا تو مبارک باد دینے والوں کے کچھ قول ہوتے۔ کچھ اپنی پرانی ناچاقیوں پر اظہار تاسف ہوتا، کچھ انکساری برتی جاتی، کچھ لوگ عذر کرتے کہ خواہ مخواہ کی شہرت اور ریشہ دوانی تھی۔ ہم ہرگز آپ کے دشمن نہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ نہ تھا۔ لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ آپ

ہمارے اور ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہیں۔ اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید علیؑ تمام ایمان لانے والوں کے دشمن تھے کیوں کہ اگر یہ نہ تھا تو ایسا کہا جانا سخت بے معنی جملہ تھا اور مومنین تو مومنین سخت ترین مشکل اور لطیفہ یہ ہے کہ غریب مومنہ بھی علیؑ کی عداوت سے نہ بچی تھیں!

بدمزگی کی مثال

تاریخ اگر کسی ظاہری عداوت کے متعلق کچھ کہتی بھی ہے تو صرف یہ کہ خالد ابن ولید یا ان کے ایماء سے بریدہ اسلمی نے رسول اللہ سے ایک کنیز کے متعلق حضرت علیؑ کی شکایت کی تھی اور جب آنحضرتؐ نے جھڑکا تو یہ خاموش ہو گئے اور معاملہ قطعاً رفت وگذشت ہو گیا اور بریدہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معافی مانگی۔ لیکن اس کا کہیں وجود نہیں کہ حضرت علی علیہ السّلام اور کچھ لوگوں میں جو اصحاب رسول تھے، کسی وجہ سے ناچاقی ہو گئی تھی اور وہ ایسی تعداد میں تھے کہ حضرت رسولؐ کو اتنے بڑے مجمع میں تصفیہ کی ضرورت محسوس ہوئی؟

دلیل کے اجزا

اب یہ تاویل، ان لغت دانوں کی مضمون آفرینی میں کوئی شبہ پیدا نہیں کرتی کہ جب یہ واقعہ علیؑ کی تائیدِ خلافت میں پیش کیا گیا اور جب اسے اس کے کاٹنے میں تردّد ہوا تو "مولا" کے حقیقی معنی کو جو اس موقع کے لئے ہو، بدل سکتے تھے، ابن ولید کی شکل کو عام مسلمانوں کی بدمزگی ظاہر کر کے اور پھر رسولؐ کے جملے سے دعا کے فقرے کا لفظ محبت لے کر ایک بھلی چنگی دلیل بنا لی۔

ولیعہدی کے بارے میں بادشاہوں کا عمل

وہ تاریخ دان ناظر، جس نے ولیعہدی کے موقع پر بادشاہوں کے طرزِ عمل کو دیکھا سنا ہے، غور کرے کہ کیا یقیناً ولیعہدی کے اعلان کے بعد مبارک بادیں نہیں دی جاتیں اور دوستی کی قسمیں نہیں لی جاتیں۔ ایسی دوستی کی قسم کے معنی وہ نہیں ہوا کرتے، جیسے ہم دن بھر میں کئی درجن دوست بنا لیا کرتے ہیں یا جیسے ہمارے سینکڑوں دوست ہوا کرتے ہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہوا کرتے ہیں کہ لوگ اس کی مخلصانہ خدمتیں بجا لائیں۔ بغاوت آمیز خیالات کو دور رکھیں، وفاداری کریں اور بجائے اس کے کسی دوسرے کو کھڑا کر کے وصیت کرنے والے کی خواہش کی مخالفت نہ کریں بلکہ اسے اس نگاہ سے دیکھیں جیسے وصیت کرنے والے کی خواہش تھی اور جو اس قائمقامی سے اس کی غرض تھی

اعلان دعوت ذوالعشیرہ کی تکمیل

اب ہم پورے یقین سے کہیں گے کہ رسولؐ نے علیؑ کو "مولا" سیّد المطاع کے معنوں میں کہا تھا اور رسولؐ کا یہ عام آخری اعلان اس منصب کی تکمیل اور اطلاع کے لئے تھا جس کی ابتدا دعوت ذوالعشیرہ میں ہوئی تھی۔

رسولؐ کا فرض

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بالفرض اپنی رحلت کا ٹھیک وقت نہیں بھی جانتے تھے، تو انہیں خیال کرنا چاہئے تھا کہ ممکن ہے کہ ہمیں اب کم جینا ہوا اور وہ دین جو ناقابل مثال تکلیفیں اٹھانے کے بعد جاری

ہوا ہے کہیں غلط فہمیوں اور خود رائیوں کے ہاتھوں کمزور نہ ہو جائے۔ ایک بادشاہ تو اپنے آخری وقت میں جس سلطنت پر وہ حکمران تھا یہ کرتا ہے کہ اپنا ایک ولیعہد بناتا ہے۔ کتنی عوامی تقریبوں کی ترتیب اور ان نمائشوں میں رعایا کے جم غفیر کے لئے دلچسپیاں پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ اسے اکثر پیدائش کی خوش نصیبی سے سلطنت مل جاتی ہے۔ صرف انتظام کی وجہ سے محبت مل جاتی ہے اور فرض کی گرانی اپنے بعد بھی رعایا کے انتظام اور نگہداشت کا خیال دلاتی ہے۔ کیا رسول اللہ، معاذ اللہ ایسے بے خبر اور امت کی طرف سے ایسے غافل تھے کہ جس دین کے لئے پتھر کھائے، تکلیفیں اٹھائیں، فاقے کئے، برا بھلا سنا، شعب ابو طالب میں نیدر ہے، ہجرت کی، جس دین کا ایک ایک کام پورا کیا، جس امت کی دینی اور دنیاوی بہبود کے لئے ایک قانون مرتب کر گئے۔ خاندانوں کو قبیلہ اور قبیلوں کو ایک قوم بنا گئے اور مصالح دے گئے کہ کوئی شخص جو اس قانون کا ساتھ دینے والا ہو۔ اگرچہ آب و ہوا، زبان، مراسم اور ساخت کے لحاظ سے کیسی ہی نوعیت کا کیوں نہ ہو، تعجب خیز طریقے سے ایک ہو جائے۔ وہی رسولؐ اپنی اس امت کو بلا کسی قابل اعتماد نگہبان کے بے مہالہ چھوڑ جائے تاکہ خود سری اس ناگوار تفرقے کا باعث ہو جو لپسندیدگی سے بہت دور ہو؟

متضاد خیال

متضاد خیال ہے کہ جو تفرقہ کو تو حدود الٰہی سے نکال دے اور خود ہی حدود الٰہی کو تفرقہ کے ہاتھوں پامالی کے لئے چھوڑ جائے۔ حالانکہ اس کے اکثر اوقات یہ خیالات افراد امت پر ظاہر ہوئے کہ "نہیں معلوم میرے بعد کیا کرو گے" جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا نہ تھا کہ رسولؐ اپنے بعد اپنی امت کے خیال سے غافل ہوں۔ تائیداً یہ فقرہ بھی یاد دلانے کا ہے کہ "ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی"، کہ اگر تم ان سے تمسک کرو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ کیا دوسرے معنی میں گمراہ ہونے کے بجز اس کے کہ وہ صحیح راستہ جو منزل پر پہنچاتا ہے اس سے بھٹک جانا، مختلف راہوں پر جانا۔ مختصر لفظوں میں یہ بھی ایک استعارہ ہے۔ حدود خداوندی کی شکست اور تفرقہ کی طرف میلان کا جو اس فقرہ سے ظاہر ہے کہ "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" (سب لوگ خدا کی رسی کو پکڑ لو اور منتشر نہ ہو) یا جیسے علامہ حسین آفندی نے ابو داؤد سے بروایت عرباض ابن ساریہ نے نقل فرمایا ہے کہ "جو تم میں سے زندہ رہے گا، عنقریب ایک بڑا اختلاف دیکھے گا۔" یا ایسی ہی اور حدیثیں ہیں

متواتر اعلان کے بعد عملی کارروائی

شاید یہ مثالیں اب رسول اللہ پر سے اس الزام کو رفع کر دیں گی کہ ایسا نہ تھا کہ رسول اللہ کو اپنے بعد اپنی امت کا خیال نہ تھا اور وہ پیش آمد جو علی علیہ السلام کے متعلق متذکرہ صدر اور اس کے بیشتر کے مواقع پر ظاہر ہوئی اور وہ جن نمایاں خدمتوں کا نتیجہ تھیں اس شک کو بھی مرتفع کر دیں گی کہ ایسا تھا کہ رسولؐ نے اپنے خیال کو عملی حیثیت سے عام موقع پر ظاہر نہ کیا ہو اور صرف زبانی باتوں پر قناعت کی ہو۔ یا ایک ایسے

شخص کو اس بڑے کام کے لئے تجویز کیا ہو جو اس کے قابل نہ تھا بلکہ ایک ایسے شخص کا انتخاب تھا جو اس کام کے لئے کیا بحیثیت تقدس، کیا بحیثیت خدمات اور کیا بحیثیت خاندانی قربت و مراتب کے کسی شخص کو اپنے حقوق کے مقابلے میں للکار سکتا تھا۔ مسلمان کا یہ بھولا پن قابل رحم ہے کہ وصایت کے متعلق رسول کا حکم نہ ہونے کے دعوے کو ان سے سنتے ہیں جو یہ کہنے کے بعد خود اپنے کو خلیفۂ رسول ظاہر کرنا مناسب سمجھتے تھے۔

مولیٰ "سید المطاع" ہے

مولوی عبید اللہ صاحب امرتسری "مولےٰ" کے لغوی معنوں کی فہرست دے کر آخر میں "سید المطاع" یا "اولےٰ" کو اس موقع کے لیے قبول کر کے لکھتے ہیں :-

"یہ کہنا کہ جناب امیر حجۃ الوداع میں شریک نہ تھے یا حدیث متواتر نہیں یا مولا کے معنی متعین کرنے میں چون وچرا بالکل جنون ہے جو اکثر تعصب کے بڑھ جانے سے پیدا ہوتا ہے۔"

کسی شاعر نے اس موقع کے لئے نہایت ہی معقول شعر کہا ہے کہ ؎

عبث در معنی من کنت مولا میروی ہر سو ؎ علیؑ مولا بہ آں معنی کہ پیغمبر بود مولا

رسم کے مطابق اعلان، مبارک باد اور دعا

خود حسان ابن ثابت نے قصیدہ پڑھا اور رسول اللہ نے تائید روح القدس کی دعا دی۔ اب یہ سمجھنا آسان ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ مختلف مقامات کے لوگ منتشر ہو جاتے مد رسول اللہ کا یہ اہتمام کرنا اور لوگوں کو مخاطب کر کے ان کے سامنے اپنے نفس کے اولیٰ ہونے کا سوال کرنا اور اس کے بعد فرمانا کہ "جس کا میں مولی ہوں اس کے علیؑ بھی مولا ہیں"، اور اس کے بعد دعا مانگنا کوئی نتیجہ بجز اس کے نہیں نکالتا کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے ان کے مولا ہونے کا اعلان کیا اور اعلان سرداری کے بعد ان کی محبت کی دعا مانگی جو اسی قدر ضروری ہے جس قدر مبنی بر رسم بھی ہے۔ اس طرح بڑا مجمع رسول اللہ کا یہ آخری فعل دیکھ کر اپنے اپنے گھروں کی طرف واپس ہوا۔

بنو عامر نے جو کچھ اپنے لئے چاہا، رسولؐ اور خدا نے اسے علیؑ کے لئے چاہا

آپ کو یاد ہو گا کہ ہم نے بنو عامر کو دعوت اسلام دیے جانے پر ان کا یہ فقرہ لکھا ہے کہ اسلام لانے کے عوض میں "ہمیں ملک و حکومت دیدو"، کوئی کہتا تھا کہ کیا "ہمیں اپنے بعد اپنا خلیفہ بناؤ گے"، اور رسول اللہ جواب دیتے تھے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جیسا وہ چاہے گا کرے گا، رسول اللہ نے کئی مرتبہ علیؑ کی وصایت اور خلافت کا اعلان فرمایا اور چونکہ رسولؐ اعلان وصایت و خلافت کو حکم خدا پر موقوف سمجھتے تھے عام اس سے کہ کوئی "ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" کی ہر حالت کا قائل ہو یا نہ ہو لیکن اس خاص مسئلہ کے متعلق شبہ نہیں رہتا کہ رسول اللہ نے اسے حکم خدا سے کیا۔ درانحالیکہ وہ حکم خدا جو قطعی اعلان کے متعلق ہے اگر کسی کی دانست میں صاف

نہ بھی ہوتا تاہم حکمِ خدا کے بعد رسول ص کا فعل اس کی تاویل میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ خیمہ اور مبارک باد رسول اللہ کے اعلان کا تتمہ تھا۔

واقعۂ غدیر کا اثر

اب ہم بنو عامر کے دوسرے جواب پر توجہ دلانے کے لئے مجبور ہیں کہ "اس وقت تو ہم تمہارے لئے اپنی گردنیں عرب کے سامنے کر دیں اور پھر جب تم کامیاب ہو تو دوسرے لوگ صاحب حکومت ہو جائیں"

افسوس ہے کہ بنو عامر کا یہ فقرہ ایک قسم کی پیشنگوئی ہو گیا۔ جس کے آخری الفاظ کا جذبہ اکثر لوگوں میں پایا پایا گیا اور جس نے آخر میں اسلام کے لئے وہ کچھ کیا جو سخت ترین دشمن بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے اظہار کے آثار اور کوششوں کی گہری قوت اگرچہ قبل سے معلوم ہوتی ہے لیکن یہ آثار متواتر ظاہر ہونا شروع ہوتے ہیں۔ جب لوگوں میں واقعۂ غدیر دیکھ کر رسول اللہ کے ارادہ کا یقین اور اپنی کامیابیوں سے یاس ہوتی ہے، جس کے تذکرے اب زیادہ دور نہیں ہیں۔

صاحب حیات القلوب نے دو مخصوص واقعات لکھے ہیں جو بہت کچھ اس جذبے والی جماعت کا اعلان وصایت کے متعلق خیال ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے بعد ہم اُن کے اس حکم کو جو وصایت علی ع کے متعلق ہے ہرگز نہ مانیں گے

واقعۂ عقبہ اور ایک خوفناک عہد نامہ

ان میں سے ایک واقعۂ عقبہ ہے جس میں رسول اللہ کے قتل کرنے کی چودہ آدمیوں نے کوشش کی اور جنہیں رسول اللہ اور حذیفہ رض نے پہچانا۔ مدینہ پہنچ کر ان آدمیوں نے کچھ اور آدمیوں کو ملا کر ایک عہد نامہ تیار کیا۔ جس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ خلافت کس طرح چلائی جائے گی اور جس شخص کے پاس یہ دستاویز رکھی گئی اسے امین کا خطاب دیا گیا۔ مجھے حق حاصل نہیں ہے کہ میں اس شیعہ مصنف کی تحریر کا دیگر فرقِ اسلامیہ پر قبول کرنے کا اس طرح دباؤ ڈالوں، جس طرح لکھا گیا ہے۔ لیکن شاید مجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ یہ دیکھنے کی بات ہوگی کہ جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ آئندہ واقعات کی روشنی میں کس قدر صحیح یا غیر صحیح معلوم ہوتا ہے اس پر توجہ کرنا ہر دیکھنے والے کا فرض ہو گا۔

واقعۂ عقبہ کو صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے[1]۔

منافقین نے قتل رسول ص کا قصد کیا جب کہ حضرت جنگ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ وہ پندرہ آدمی تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں اس بات پر عہد کیا کہ حضرت جس وقت شب کو وادی میں عقبہ پر چڑھیں اس وقت آپ کو سواری سے گرا دیں عمار یاسر رض ناقہ کی مہار تھامے تھے اور حذیفہ رض پیچھے سے ہنکار رہے تھے۔ حذیفہ رض کو اونٹوں کی آہٹ معلوم ہوئی اور ہتھیاروں کی جھنکار سنی۔ مڑ کر دیکھا کہ کچھ لوگ نقاب سے منہ چھپائے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ دور ہو، دور ہو اے دشمنانِ خدا پس وہ سب بھاگ گئے۔

احیاء العلوم غزالی جلد چہارم صہ ۵ کی عبارت میں احتیاط سے عنان داری کی گئی ہے۔

[1] دیکھئے تفسیر کبیر، مطبوعہ مصر مطبع عامر یہ شرقیہ مصر، جلد چہارم صہ ۴۲۴

حضرت عمر کا سوال

"عمر بہت مبالغہ کرتے تھے، اپنے قلبی حالات کی تفتیش میں یہاں تک کہ پوچھا کرتے تھے حذیفہ رضؓ سے کہ آیا وہ ان میں کچھ اثر نفاق کا پاتے ہیں؟ اس لئے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے مخصوص کیا تھا۔ حذیفہ رضؓ کو علم منافقین کے ساتھ"

تین غیر مفید اختلاف

معارج النبوۃ رکن چہارم باب دوازدہم وقائع سنہ ۹ھ صد ۲۹۱ میں کیفیت عقبہ خفیف تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔ اس میں عمار رضؓ عقب سے ناقہ کے ہنکانے والے اور حذیفہ رضؓ کو مہار تھامنے والا لکھا ہے اور منافقین کی تعداد چودہ اشخاص لکھی ہے۔

بہرحال واقعہ عقبہ میں تین غیر مفید اختلاف ہیں کہ یہ بعد حجۃ الوداع ہوا یا بعد تبوک پندرہ شخص تھے یا چودہ۔ عمار رضؓ پیچھے تھے یا آگے۔ لیکن نفس واقعہ کہ کچھ لوگوں نے حضرت رسولِ خداؐ کو ناقہ سے گرا دینا چاہا ویسا ہی سالم ہے۔ اب رہی یہ بات کہ آیا حجۃ الوداع یا تبوک کے اختلاف سے منافقین کے حملہ کی نیت پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ میرے خیال میں مطلق نہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ تبوک ہو یا حجۃ الوداع دونوں میں رسول اللہؐ نے علیؑ کی وصایت اور خلافت کا اعلان کیا تھا۔ اگرچہ اعلان تبوک ویسا عملی نہ تھا جیسا اعلان حجۃ الوداع تھا۔ منافقین اگر رسول اللہؐ کے اس تبوک والے اعلان کو اس وجہ سے ناقابل برداشت سمجھے ہوں گے کہ ان کی افواہوں کے خلاف رسول اللہؐ نے ایک واضح اعلان کر دیا تو یہ صحیح انہیں انتظار کرنا مشکل ہو گیا ہوگا اور یہ شبہ پیدا ہونا فطری تھا کہ کہیں رسول اللہؐ اس غیر رسمی یا بغیر کسی نمائش کے اعلان کو مزید یہ اعلان رسمی (مثل واقعہ غدیر) نہ کر دیں۔ اگر منتظر ہوں گے تو ان کا حملہ بعد واقعہ غدیر ہوگا۔ لیکن چونکہ اس کتاب کے لکھنے سے ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ ہم مفید واقعات شیعہ کتابوں سے لکھیں اس لئے ہم اس موقع پر واقعہ عقبہ کا ہونا بعد جنگ تبوک قبول کر سکتے ہیں کیونکہ نفس مضمون میں اس اختلاف سے کوئی کمی نہیں ہوتی

حضرت عمر کے نفس سوال کا راز

ہم احیاء العلوم کی عبارت اور اس کی احتیاط کے بدل معترف ہیں۔ بادی النظر میں دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ حضرت عمر کی انتہائی سادگی تھی کہ وہ اپنی نسبت دریافت کرتے تھے۔ لیکن معترض اس مفہوم سے زیادہ قوی شبہ "ملزم نفس" کا پیش کرے گا۔ ایسے معترض کو یہ فقرہ کہ:۔ "باللہ یا حذیفہ انا من المنافقین" جو معنی بیان امام ذہبی میں بتایا گیا ہے اور مدد دے گا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کون سا خیال زیادہ قابل قبول ہے۔ نیز یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ ہادی عالمؐ نے حذیفہ رضؓ کو منافقین کے نام ان کی حالتیں یا خیالات بتائے ہوں گے "مخفی اثر" کا جان لینا نہ بتایا ہوگا۔ اس لئے اگر حضرت عمر نے حذیفہ رضؓ سے کچھ دریافت کیا ہوگا تو یہ کہ آیا میرا نام اس فہرست میں ہے یا نہیں؟ نہ یہ کہ مجھ میں "نفاق کا اثر" پایا جاتا ہے یا نہیں۔ قلبی تفتیش اگر اصلاح کی نیت سے کی جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی اچھی بات نہیں۔

ہو سکتی۔ نہ اس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت عمر اس نیت سے نہ کرتے تھے۔ لیکن اہم ترین راز یہ ہے کہ حضرت عمر اپنے قلب کی تفتیش میں حذیفہ کی مدد چاہتے ہیں اور ایک دوسرے پیچیدہ سوال کا موقع دیتے ہیں کہ کیوں کر ایک شخص کے قلبی حال سے دوسرا بہ نسبت اس کے زیادہ واقف ہو سکتا ہے یا اس کا کہنا کیوں زیادہ مستند ہو سکتا ہے اور خود حضرت عمر کو اس سوال کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ دیکھنے والے کے لئے سوال کے وقت حضرت عمر اور حذیفہ کی تیز نگاہ سے صورتیں دیکھنا ایک نہایت ہی دلچسپ نظارہ ہوگا!!!

ہم صاحب حیات القلوب کے عہد نامہ والے واقعہ کا جسے حذیفہ رضہ نے اسماء بنت عمیس رضؓ (جو کسی وقت حضرت ابوبکر کی بی بی تھیں) کی سند سے ایک انصاری سے بیان کیا۔ کسی غیر شیعی کتاب سے حوالہ نہیں دے سکتے اور اس کی صحت یا عدم صحت کے لئے ناظر کو صرف واقعات مابعد پر توجہ دلانے اور اس سے نتیجہ اخذ کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔

اسلام اور عناصر تفرقہ

اب تک ہم نے اسلام کی یک جہتی کا پہلو دکھایا اور انحصاراً اس پہلو کو پیش کرتے رہے جو اتحاد کے باعث تھے۔ لیکن سخت ضرورت ہے کہ ہم مختصر لفظوں میں اس جماعت کا بھی ذکر کریں جس پر جماعتِ اسلام کا بظاہر اطلاق ہوتا تھا۔ لیکن اسی کی بدولت آئندہ اسلام کا شیرازہ منتشر ہو گیا یا بندھا ہوا گلدستہ بکھر گیا۔ ورنہ بعد کے ان واقعات کے سمجھنے میں آسانی نہ ہوگی جو حیرت خیز تفرقہ کے باعث ہوئے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان رسالت پر ایک قوم برابر ان کی مخالف تھی اور برابر اپنی جماعت کے لوگوں سے رسولؐ کو ایذائیں پہنچانے اور اسلام کو ہر طرح سے کمزور کرنے کی کوششوں میں سرگرم تھی لیکن ان سب مغویانہ کوششوں پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت غالب آتی رہی۔ یہاں تک کہ مخالفین کو ایک بڑی جماعت سے رسول اللہ کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی بار بار ضرورت ہوئی۔ یہ بھی ہونے والا تھا کہ مخالفت کرنے والے اپنی ان آخری کوششوں میں ناکام رہتے اور اسلام کی تلوار غالب آتی۔ جو کچھ لڑائیوں کا حال ہم لکھ چکے ہیں اس میں مؤرخین اسلام نے کہیں اس کے ظاہر کرنے میں کوتاہی نہیں کی کہ حضرت علی علیہ السلام ان کل لڑائیوں میں سب سے زیادہ سرگرم تھے اور شجاعت دکھاتے تھے۔ لیکن صرف سرگرمی اور شجاعت کا ذکر کر دینا حالت کے صحیح سمجھانے کے لئے کافی نہ ہوگا بلکہ یہ کہنا ہوگا کہ دشمنوں کے بڑے بڑے سردار علی علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہونے تھے۔ یہ وجہ طبیعتوں میں خوف ناک انتقامی جوش پیدا کرتی جاتی تھی اگرچہ علی علیہ السلام کی جرأت اور رسولؐ اللہ کی تائید سے کسی کو ان کے خلاف کسی سازش کا موقع نہ ملتا تھا۔

اقسام

صرف یہی نہ تھا بلکہ رحلت رسولؐ تک ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان صرف حجۃ الوداع میں دکھائی دیتے تھے ان کی کس قدر تعداد ہوگی اس کا سمجھنا آسان نہیں ہے اگرچہ یہ قیاس کرنا مشکل نہیں ہے کہ حجاز اور عرب کا کوئی

مقام ایسا نہ تھا جہاں مسلمان نہ ہوں بجز تھوڑے ذمیوں کے اس بڑی تعداد کو دیکھ کر یہ یقین کر لینا کہ یہ سب ویسے ہی پکے اور سچے مسلمان تھے ۔ جیسا رسول اللہ نے بنانا چاہا تھا ۔ سخت خوش اعتقادی ہوگی جو کسی جماعت کے افراد پر نظر ڈالنے سے سمجھ میں آجائے گا ۔ ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ کچھ زمانے کے بعد پکے اور رسول اللہ کی خواہش کے مطابق سچے مسلمان ہو جاتے ۔ لیکن دفعتہً ان کا اپنے پرانے تاثرات سے دستبردار ہو جانا یا قطعاً بھول جانا ناممکن امر تھا اگرچہ وہ عملاً بھولے ہوئے معلوم ہوتے تھے جو اسلام کا سب سے بڑا معجزہ تھا نہ کہ جب زخم ہرے ہونے کے اسباب اور تازہ کر دینے والے لوگ موجود تھے جو عامۃ الناس کو انہیں اپنے مفید مطلب پھیر دینے میں تامل نہ کرتے تھے اور یہ لوگ اسلام میں داخل تھے ۔ درانحالیکہ اکثر اُن کے عزیز حالت کفر میں تھے اور رسول اللہ ص کے خلاف تلواریں اٹھاتے تھے ۔ چونکہ اسلام ان کے ذہن پر غالب آگیا تھا ۔ کفر کی طرف واپس نہیں جا سکتے تھے ، لیکن نہ ایسے ہو گئے تھے کہ اپنے مشرک بھائیوں کے قتل پر متاسف نہ ہوتے یا کیسی ہی مشکل پڑتی ۔ لیکن خوف کے موقع پر جان دیتے اور رسول اللہ کو چھوڑ کر نہ بھاگتے ۔

کچھ وہ لوگ تھے جو لالچ سے ساتھ ہو گئے تھے اور رسول اللہ ص بطور تالیف قلب انہیں مال غنیمت سے اکثر اس لئے زیادہ حصہ دیتے تھے کہ عنایتیں انہیں راسخ الاعتقاد بنا دیں اور رفتہ رفتہ وہ دین میں آنحضرت ص کی خواہش کے مطابق حد پر آجائیں ۔

ایک اور جماعت تھی جو حالت کفر میں علی ع کی تلوار سے بہت سے داغ اٹھا چکی تھی اور آخر میں دیکھ رہی تھی کہ نہ اب ہم انتقام لینے پر قادر ہیں اور نہ اب باآسانی اپنے مذہب پر قائم رہ سکتے ہیں ، انہیں اب بھی یاس ہو چکی تھی کہ ہم اپنی پرانی حالت پر واپس نہیں جا سکتے ۔ اس لئے اس سے بہتر کوئی راہ نہ دیکھتے تھے کہ فاتح اسلام کے دسترخواں کے ریزوں سے اپنا پیٹ بھریں ۔

نہایت مفید نکتہ

اس طرح وہ لوگ جب اسلام میں داخل ہو گئے تو انہیں یہاں بھی اپنی جماعت اپنے اعتقاد پر تو نہ ملی لیکن طبیعت کی بہت سی ملتی ہوئی حیثیتوں میں یکسانی نظر آئی ۔ ظاہر ہے کہ کسی نئی جماعت میں خالص لوگ اس قدر نہیں ہوتے ۔ جس قدر اس کے خلاف ہوتے ہیں ۔ رسول اللہ کی خالص مختصر جماعت ان کی تعلیم کے جوہر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں منہمک تھی ۔ درانحالیکہ یہ تسکین نہ پانے والی بڑی جماعت بظاہر اسلام میں داخل ہونے پر بھی اپنے بہت کچھ پرانے خیال کے قائم رکھنے کا ادعا کرتی تھی ۔

دو ایک دوسرے کی ضد جماعتیں

مختصر جماعت میں رسول اللہ ص کی (جسے ہم نے خالص کہا ہے) ہمدردی ہونا فطری امر تھا لیکن اس دوسری بڑی جماعت میں بھی ہمدردی ہونا ویسا ہی تھا اگرچہ وجوہات میں اختلاف تھا اور ہمدردی کے اخلاقی درجے میں بھی بڑی مغایرت تھی ۔

ایک اور جماعت تھی جس کی نسبت اگرچہ ابتداءً اسلام لانے کی غرض پر غور کرنا غیر ضروری ہو لیکن اس میں شبہ نہیں کہ کچھ دنوں

کے بعد اسلام کی ملکی فتوحات نے اس جماعت میں خود غرضی کے جذبے پیدا کئے اور ان جذبوں نے علیؑ پر رسول اللہؐ کی جائز شفقتیں دیکھ کر حضرت علیؑ کی طرف سے حسد پیدا کیا۔ کیونکہ یہ شفقتیں رسول اللہؐ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے لئے وہی سفارشیں تھیں۔ جن کی امید میں اکثر لوگ رہا کرتے ہوں گے۔ جیسے آئندہ زمانے نے صاف ظاہر کر دیا۔ ہم کو مسرت ہے کہ امام غزالی نے اس مفید پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔ جس سے ہمارے علاوہ اور لوگوں کو بھی انقلاب طبیعت سمجھنے میں آسانی ہوتی ہیں اس قدر اور سفارش کروں گا کہ اس انقلاب کے آثار کسی قدر پیشتر کے زمانے سے دیکھے جائیں۔

رسول اللہؐ کا موقف

اس بڑی جماعت کو اپنے قوی ہونے کا رفتہ رفتہ خیال پیدا ہونے لگا۔ آخر میں اس کے بھی دو حصے ہو گئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارک تک بظاہر اس کا کوئی عملی اثر نہ دکھائی دیا۔ اسی طرح وہ دوسری جماعت بھی خاموش بیٹھی رہی۔ جب تک پہلی اپنی خوش بختی سے کامیاب رہی یہاں تک کہ یہ دوسری جماعت اپنی کثرت کی وجہ سے کامیاب ہو گئی۔ رسول اللہؐ بھی اس سے باخبر تھے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ یہ جماعت تعداد میں بہت ہی قوی ہے، سختی کا موقع نہ پاتے تھے۔ مثالاً رسول اللہؐ نے مخدوش مواقع جنگ پر چھوڑ جانے والوں کو کوئی سزا نہ دی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سچ مچ مخلصین کی کمی ہے یا واقعہ عقبہ کے بعد حذیفہ رض کے اس سوال پر کہ منافقین کے قتل کا حکم دیجئے۔ رسول اللہؐ کا یہ فرمانا کہ "اگر منافقین قتل کئے جائیں تو لوگ یہ کہیں گے کہ پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب کو قتل کرنا شروع کیا"، بہت کچھ اسی مصلحت پر مبنی تھا اور یہی لوگ تھے جن کے لئے "وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" کہا گیا تھا۔

یہی مثالیں نہیں ہیں جس سے اس وقت کی حالت سمجھ میں آ جائے بلکہ کچھ پیشتر گزر چکیں، کچھ رحلت رسولؐ تک لکھی جائیں گی عام اس سے کہ ہم خاص طور سے اس پر توجہ دلانا مصلحت سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ تاریخ اسلام کی سیر کرنے والے کو رحلتِ رسولؐ کے بہت دن بعد تک اس کے آثار دکھائی دیں گے۔

علیؑ نے کوئی پارٹی تیار نہ کی

بعض تیز طبیعت لوگوں نے اس بڑی جماعت (پارٹی) کو اپنے موافق کر لینا مفید سمجھا اور ان اسباب سے فائدہ اٹھا کر جو علیؑ کے مخالف تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب انہیں کوئی خوف نہ رہا تو اس طرح حضرت علیؑ کو اس طرح جکڑ بند کر لیا کہ انہیں جنبش کرنے کی گنجائش نہ رہی حضرت علی علیہ السلام کو ان کی نیک نفسی نے اس کی ضرورت نہ بتائی تھی کہ وہ رسول اللہؐ کے بعد کے لئے کسی مخصوص حالت کے توہم سے کوئی جماعت یا پارٹی تیار رکھتے۔ درانحالیکہ ان کے خلاف جماعت کو اسباب نے پیشتر سے آمادہ کر رکھا تھا۔ جب وقت آیا اور علیؑ کو پس و پیش نظر ڈالنی پڑی تو انہیں اپنے پاس بجز معدودے چند کوئی نظر نہ آیا اور دوسری طرف جم غفیر دکھائی دیا۔

جس طرح سب لوگوں کا اسلام میں داخل ہوتے ہی پکا ایماندار کہا جانا خلاف عقل ہے، اسی طرح ان اسباب کو جو

جو رحلت رسولؐ کے ساتھ ہی دکھائی دیئے۔ فوراً فراہم ماننا ویسی ہی خوش اعتقادی ہوگی۔ متذکرۂ صدر سطروں کا سمجھنا ہم ناظرین کے بہترین نیک رجحاناتِ انصاف کے حوالے کرتے ہیں اور پوچھنا چاہتے ہیں کہ تبوک ہو یا حجۃ الوداع اس میں کیوں سازشیں کی گئیں ؟ اور کونسی دوسری وجہ ہو سکتی تھی ، بجز اس کے کہ متذکرۂ صدر رذی جماعت اپنے عزیزوں کے قاتل کو رسول اللہؐ کے بعد ان کا خلیفہ نہ دیکھ سکتی تھی یا بنو عامر کے خیال سے موافقت ظاہر کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔

قلبی حالت عام نہیں ہوا کرتی

یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ ایسے لوگ جو نفع کی غرض سے ساتھ ہو گئے تھے یا جن میں اسلام کے ملکی اقتدار کو بڑھتا ہوا دیکھ کر حکومت کا خیال پیدا ہوا تھا یا جو سچے دل سے اسلام کے شریک نہ تھے اور موقع بینی یا مصلحت سے ساتھ تھے۔ چند حضرات کے علاوہ جو اپنے اعتقاد کی وجہ سے انگشت نمائی سے دور تھے اور باقی لوگ اصحاب رسولؐ کے ذیل میں سمجھے جاتے تھے یا چند آدمی ہوں گے جو ان کے پورے گروہ سے واقف ہوں گے۔ ان کے علاوہ سیدھے سادے مسلمانوں کو ان کا علم نہ ہوگا ، نام کی حاضر باشی جسے خدمات سے کوئی تعلق نہ تھا ، مخدوش کاموں کے انجام دینے اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے سے کہیں آسان تھی اور دوسرے ایک مفید اثر دیکھنے والوں پر یہ پڑتا تھا کہ ان کا خواہ مخواہ موجود رہنا ان کی صحابیت کی دلیل تھا ، جن میں سے بعض کو ان کے سامانوں نے جو پیشتر سے مہیا کئے گئے تھے ، وقت پر مدد دے کر کامیاب بنا دیا۔

اعلیٰ عہدہ کسے دیا جاتا ہے ؟

ہم یہ نہیں کہتے کہ کوئی صحابی رسولؐ نہ کہا جائے ہم یہ نہیں کہتے کہ کوئی وزیر اعظم کے خطاب سے مشرف نہ ہو ، یا وکیل مطلق نہ سمجھا جائے۔ لیکن یہ جس قدر فطری ہے اسی قدر موید تاریخ ہے کہ اعلیٰ عہدہ اور امتیازی نشان اعلیٰ خدمتوں کی بدولت ملا کرتا ہے۔ ان کاموں میں جو رسول اللہؐ کی تاریخ میں خصوصیت کے ساتھ بعض مفید خدمات با وقعت دکھائی دیتے ہیں وہ یا تو ان خطوط کا بحیثیت سفیر رسول اللہؐ بادشاہوں کے پاس لے جانا ہے جو بغرض دعوت اسلام بھیجے گئے تھے یا ملکوں سے عہد نامہ کی شرائط طے کرنے کے لئے جانا ، یا سرایا اور غزوات میں نام کرنا یا دینی امور کی انجام دہی اور ہدایت اسلام کے لئے مامور ہونا تھا یا کون تھا جس سے کسی امر میں رسول اللہؐ کی مخالفت ظاہر نہ ہوئی اور وہ ہمیشہ رسول اللہؐ کے اعتبار کا شایان ٹھہرا۔ یہ باتیں ان لوگوں کے دیکھنے کی تھیں جو رسولؐ کے بعد زندہ رہے۔ لیکن کچھ زمانے کے بعد جب وصایت رسولؐ کا ماننا ہر مسلمان کا ایک مقدس فرض ہو گیا تو اس میں

رسولؐ کے بعد کیا دیکھنا ہوگا

ایک بات کے دیکھنے کا اور اضافہ ہوا۔ وہ یہ کہ کس نے رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد اپنے کو کیسا دکھایا اور اس کے عشق و محبت یا صحابیت کا دعویٰ انحراف اور عدم خلوص سے مشتبہ تو نہیں ہو گیا۔ جس سے مسلمانوں کو اس کے خلیفہ رسولؐ سمجھنے اور اطاعت کرنے میں کراہت نہ ہو۔

مشکل حالت میں اہل بیت کی سخاوت

حسنینؑ علیل ہوگئے اور حضرت علی علیہ السلام نے ان کی صحت یابی میں تین روزے رکھنے کی نذر کی۔ حسنینؑ اچھے ہوگئے اور تمام گھر نے روزہ رکھا۔ افطار کے لئے تین صاع جو مہیا کئے گئے۔ روٹیاں پکائی گئیں۔ افطار کا وقت تھا کہ دروازے پر ایک مسلمان مسکین نے آواز دی۔ علی علیہ السلام نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور حضرت فاطمہ زہراؑ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"اے صاحب مجد ویقین یا بنت خیر الناس! کیا تم اس خراب حال محتاج کو نہیں دیکھتیں جو دروازے پر کھڑا ہوا ہے اس کی آواز دردناک ہے، وہ بھوکا ہے اور ہم سے بھوک کی شکایت کرتا ہے۔ ہر شخص اپنے فعل میں مختار ہے"

زکیہ نے فرمایا کہ اے ابن عم! میں نے آپ کا حکم سنا۔ اس کی اطاعت کروں گی۔ اس فقیر کو کھانا کھلادوں گی۔ اس وقت کچھ پرواہ نہ کروں گی۔ جب میں ایک بھوکے کو سیر کروں گی تو مجھے امید ہے کہ نیکوں میں میرا شمار ہوگا، جنت میں داخل ہوں گی اور حق شفاعت بھی مجھے دیا جائے گا۔"

دوسرے دن دوسرے صاع کی روٹیاں تیار کی گئیں۔ آج پھر دروازے پر ایک یتیم نے آواز دی۔ اس کی آواز سن کر حضرت علی علیہ السلام حضرت فاطمہؑ سے مخاطب ہوئے۔

"اے فاطمہؑ! کریم سردار قوم کی بیٹی! اور اس نبی کی بیٹی جو ہرگز برا نہیں۔ دیکھیے یہ یتیم خدا نے ہمارے پاس بھیجا ہے جو شخص آج اس پر رحم کرے گا وہ رحیم سمجھا جائے گا۔"

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:۔

"اے علیؑ میں اسے بھی دوں گی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنے عیال پر ترجیح دوں گی اگرچہ وہ بھوکے ہیں اور میرے بچے بھی ہیں"

تیسرے روز ایک اسیر آیا۔ آج بقیہ حصے کی روٹیاں تیار کی گئی تھیں۔ علی علیہ السلام نے کہا۔

"اے فاطمہ! اے نبی کی بیٹی اور سردار مرسلین کی صاحبزادی! دیکھیے، یہ ہادی برحق نبیؐ کا قیدی ہے اور غل زنجیر میں مقید ہے۔ اسے شدت کی بھوک ہے جو آج کھلائے گا نزدیک خدا کے بلند رتبہ بزرگ کے کل پائے گا"

آج بھی سب نے اپنا اپنا کھانا سائل کے حوالے کر دیا۔

مولوی ہارون صاحب ممتاز الافاضل (مؤلف شہید اسلام) نے اس واقعے کو ۲۵ ذی الحجہ سنہ ۹ھ میں لکھا ہے اگرچہ یہ واقعہ نہایت ہی مستند ہے جس پر آیہ "و یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا" شاہد ہے لیکن مجھے اس تاریخ کے قبول کرنے میں تردد ہے۔ ۱۸ ذی الحجہ تک حضرت رسول مع حضرت علی ابن ابی طالب مقام خم

میں تھے۔ ۲۵ ذی الحجہ تک حضرت کا مدینہ پہنچنا مشکل تھا۔ حسنین کا بیمار ہونا، نذر کیا جانا، صحت پانا، ایفائے نذر سب کچھ ۱۰ سے ۲۵ تک ہو گیا ہو۔ بہرحال تاریخ کی عدم صحت واقعہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔

فاطمہ و علی کی حالت اور انجام

"سوانح عمری" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ابن عباس سے ہے اور شمعون یہودی سے جو قرض لیا گیا تھا، اس میں پر درد تصویر کھینچی ہے کہ جب حضرت علی، حسنین کو لئے ہوئے رسول اللہ کی خدمت میں گئے تو رسول اللہ نے ان کا غیر حال دیکھ کر سبب پوچھا اور جب حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ پشت پیٹ سے لگی ہوئی ہے اور آنکھیں گڑھے میں چلی گئی ہیں۔ اس وقت جبرئیل اہل بیت کے لئے یہ آیت لائے "وہ لوگ کہ کھلاتے ہیں اپنے حب سے مسکین اور یتیم اور اسیر کو"

رسول اللہ نے دروازے بند کرنے کا حکم دیا

انہیں دنوں میں رسول اللہ کا حکم ہوا کہ ہر شخص سوائے علی کے مسجد کی طرف والا دروازہ بند کر دے کیونکہ "مجھے اس کی صحبت سے گریز نہیں ہے اور نہ اسے میری صحبت سے" جن اصحاب کے دروازے مسجد کی طرف تھے انہیں یہ حکم ناگوار ہوا۔

ابا حفصہ کی درخواست نامنظور ہوئی

ابا حفصہ نے اس بات کی اجازت چاہی کہ مسجد کی طرف صرف ایک سوراخ رہنے دیں کہ رسول اللہ کی آمد و رفت دیکھ سکیں۔ لیکن یہ درخواست بھی نامنظور ہوئی اور فرمایا: "کہ دروازوں کا بند رکھنا اور کھلا نہ رکھنا حکم خدا سے ہے۔"

مظاہر الحق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے "عمر نے درخواست کی کہ اپنی دیوار میں ایک روزن چھوڑ دیں تاکہ دیکھ لیا کریں آنحضرت کو اس وقت کہ آویں مسجد میں، پس فرمایا آنحضرت نے کہ نہ چھوڑیں اگرچہ مقدار ناکہ سوئی کے ہو۔" (روضۃ الصفا مناقب مرتضوی، نسائی و حاکم از سوانح عمری)

سنہ ۱۱ھ

گو حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علیل ہو گئے۔ مگر نصرانیوں کی بے عنوانیوں کی خبر پا کر اسامہ ابن زید کو لشکر کا امیر کیا اور موتہ کوچ کر جانے کا حکم دیا۔ خصوصیت کے ساتھ ابن ابو قحافہ، ابن عفان اور ابن الخطاب اور علی کو بھی۔ ابن خلدون نے ماتحت لکھا ہے اگرچہ حضرت علی کا نام اور تاریخوں میں نہیں ملا۔ لیکن آخر میں جب کوچ کرنے کی اجازت دی گئی تو یہی مورخ لکھتا ہے کہ علی اور عباس کو رسول اللہ نے تیمارداری کے لئے رکھ لیا باقی روانہ ہوئے"

درخواست تیمارداری نامنظور ہوئی

روضۃ الصفا کے موافق حضرت ابوبکر نے بھی تیمارداری کے لئے حاضر رہنے کی خواہش کی۔ لیکن رسول اللہ نے نامنظور فرمایا صاحب مدارج النبوت نے اس واقعے کو ان الفاظ میں لکھا ہے "ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی

کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ میں چاہتا ہوں کہ آپؐ کی تیمارداری کروں اور شرائط خدمت بجالاؤں۔ فرمایا۔ اے ابوبکر اگر میں تیمارداری بغیر اہل بیت کے کسی کو فرماؤں تو مصیبت ان کی زیادہ ہوگی"

خاص توجہ حالت

لشکر جرف پہنچا۔ رسول اللہؐ کی علالت بڑھتی جاتی تھی۔" ابن خلدون کے موافق " ابوبکر وغیرہ آتے اور دیکھ جاتے تھے"۔ جب رسول اللہؐ کو معلوم ہوا کہ لوگ اُسامہ کی ماتحتی میں جانے کے خلاف ہیں تو باوجود سخت علالت کے عباس اور علیؑ کے کاندھوں پر سہارا دے کر مسجد میں تشریف لائے۔ درانحالیکہ پائے اقدس زمین پر مستقیم نہ پڑتے تھے۔ لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا " مجھے معلوم ہوا ہے کہ اُسامہ کی امارت میں لوگوں نے کلام کیا ہے جیسے اس کے باپ کے ...... اگر باپ تھا تو بیٹا بھی ...... جاتے جاؤ"۔ اُسامہ نے کوچ کا حکم دیا (ابن خلدون) صرف یہ نرم الفاظ نہ تھے بلکہ " جَهِّزُوا جیش الاسامہ لَعَنَ اللہ من تخلّف عنہا " بھی فرمایا تھا اور یہ فرمانے کا قرینہ بھی تھا۔

ہمیں تاریخوں نے بتایا ہے کہ اسامہ نے کُوچ کرنے اور روانہ ہونے میں تخلف نہیں کیا اور ان کی نیت میں شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں دکھائی دیتی۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کل لشکر تساہلی کر رہا تھا جو اسامہ کی ماتحتی میں تھا بلکہ ان لوگوں میں جنہیں خصوصیت کے ساتھ اسامہ کی ماتحتی میں روانہ ہونے کا مورخین نے تذکرہ کیا ہے دو بزرگ قوت کے ساتھ مشتبہ ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کیوں خصوصیت کے ساتھ انہیں روانگی کا حکم دیا تھا؟ ہم تھوڑی دیر میں ذکر کریں گے۔ یہی لوگ تھے جنہیں کسی قدر رسول اللہؐ کے قریب سے خبریں پہنچنے کی امید تھی۔ انہیں میں سے ایک بزرگ نے اسامہ کی امارت میں کلام بھی کیا تھا اور انہیں کے آنے اور دیکھ جانے کا ابن خلدون نے تذکرہ بھی کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ معلوم تھا یا نہیں کہ ان کے علاوہ کچھ لوگ ہیں جنہیں کلام ہے۔ ہم نہیں جانتے لیکن بیشک باوجود روانگی کے سخت حکم کے انہیں کوچ نہ کرتا ہوا اور مدینہ میں دیکھ کر یہ قیاس کیا جانا آسان تھا کہ مبادا کچھ اور لوگ اسی طرح اور بھی موجود ہوں اور روانہ نہ ہوئے ہوں۔ لیکن یہ بات صاف ہے کہ آخری حکم دیا جانا انہیں کی موجودگی کے علم سے تھا بلکہ رسول اللہؐ کا اہتمام اور عزم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سعد ابن عبادہ وغیرہ کو اس پر مقرر فرمایا کہ لوگوں کو گھروں سے بلا کر اسامہ کے لشکر میں بھیجو۔

توقف کے متعلق سوال

اُسامہ کے لشکر نے دو چار منزل بھی قدم آگے نہ بڑھایا، ہم نہیں جانتے کہ بقیہ لشکر کہاں تک الزام میں شریک ہے۔ لیکن یہ سوچنا آسان ہے کہ ایک لشکر بہت سے سپاہیوں سے مل کر بنتا ہے۔ اُسامہ نے دیکھا ہوگا کہ بعض وہ لوگ جنہیں رسول اللہؐ نے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے، تساہلی

کرتے ہیں تو اسے توقف کی ضرورت ہوگی اور جب اس سے یہ سمجھ میں آجانے والی بات کہی گئی ہو گی کہ رسول اللہؐ کی اس سخت علالت میں کوچ کرنے کی جلدی مناسب نہیں تو ممکن ہے کہ اس نے توقف کیا ہو۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی علالت دیکھ کر کسی توجہ گر کے خیال نے بعض مخلصین کو روانگی میں عجلت کرنے سے روکا۔ اگرچہ سخت ترین حکم دیا گیا تھا۔ یہ بھی غور طلب امر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قطعی حکم روانگی کے بعد تخلف کرنے والے رسولؐ کے سامنے نہ جاتے ہوں گے لیکن انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بڑھتی ہوئی اطلاع پہنچتی رہنا قریب کے مددگاروں سے ممکن ہوئی ہوگی۔ اب حل طلب یہ امر ہے کہ یہ اخلاص اور محبت تھی رسول اللہؐ کی جس سے یہ روانہ نہ ہوئے یا کوئی اور مخفی وجہ تھی۔ اس کے سمجھنے کے لئے میں بھی کسی قدر توقف کرتا ہوں اور عجلت مناسب نہیں سمجھتا۔ اس کے بیان کا مناسب موقع بہت دور نہیں ہے۔

قصہ قرطاس

اب ہم ایک نہایت ہی نازک قصہ کے قریب آگئے ہیں۔ جس پر زمانہ دراز سے معرکہ آرائیاں ہوتی چلی آئی ہیں۔ جس میں دیکھنے کی یہ بات ہے کہ اس مستند واقعہ کے اعتراض کا جواب دینے کے لئے ہر زمانہ کی تراش خراش اور نئے پن کے ساتھ محافظت کرنے والوں کو مستعدی کی ضرورت ہوتی ہے۔ واقعہ قصہ قرطاس ہے

رسولؐ کی خواہش ہدایت سے اختلاف

قصہ یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے بقول ابن خلدون "چار روز وفات سے پہلے" بہت کچھ پندو نصائح فرمائے۔ مسائل کے جواب دیئے اور اس کے بعد فرمایا "میرے پاس کاغذ دوات لاؤ، میں کچھ لکھ دوں کہ بعد اس کے گمراہ نہ ہو"، لوگوں نے دوات قلم کے لانے اور نہ لانے میں اختلاف کیا۔ عمر نے کہا ہمارے لئے قرآن مجید کافی ہے جو ہمارے پاس ہے اور بیشک اس وقت آپ کے درد زیادہ ہو رہا تھا"۔ ...... آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ پیغمبروں کے پاس شور وشغب کا کام نہیں"...... "اس کے بعد پھر درد کی ایسی زیادتی ہوئی کہ بیہوش ہو گئے"۔ مترجم ابن خلدون نوٹ میں لکھتا ہے کہ یہ قصہ بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباس مذکور ہے۔ اس قصہ کے متعلق دو فریقوں کا اعتقاد ظاہر کرتے ہوئے لکھتا ہے "عام قاعدہ ہے کہ لوگ اپنے اعزا کو تکلیف نہیں دیتے۔ علاوہ اس کے عمر نے یہی کہا کہ قرآن مجید ہمارے لئے کافی ہے" اور یہ بہت درست ہے جو امور دارکان دین ہیں وہ سب قرآن مجید میں مذکور رہیں جیسا کہ اس واقعہ سے تین مہینے پیشتر آیہ "الیوم اکملت لکم سے ظاہر ہوتا ہے...... عمر پر الزام لگانا اپنے مبلغ علم و استعداد کو ظاہر کرنا ہے۔"

مؤلف تاریخ الاسلام لکھتا ہے۔ "دوات قلم لاؤ میں تمہارے لئے کچھ لکھ دوں کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو

لوگ بیماری کی حالت سمجھے اور پوچھا تو صرف اس قدر کہا کہ میں جس حالت میں ہوں وہ تمہارے خطاب سے اچھا ہے......
عمر فاروق نے لوگوں سے کہا۔ رہنے بھی دو بیمار کو تنگ نہ کرو۔ حسبنا کتاب اللہ..... حضرتؐ نے فرمایا کہ پیغمبروں کے سامنے ایسی گفتگو بیجا ہے میرے سامنے سے اٹھ جاؤ"

مولوی شبلی صاحب الفاروق میں فرماتے ہیں :۔

"آپؐ نے وفات سے پہلے قلم دوات طلب کیا اور فرمایا کہ "میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہوگے" اس پر حضرت عمر نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "آنحضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے" حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہ بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ روایت میں "ہجر" کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان ہیں فرماتے ہیں یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی و سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بستر مرگ پر ہیں اور امت کی ہمدردی و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے۔ یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی۔ اس لئے اس میں خطا و سہو کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے۔"

حضرت عمر ہی نے ارشاد رسولؐ کو ہذیان سے تعبیر کیا

"طرّہ یہ کہ بعض روائتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا۔ نعوذ باللہ"

مولوی شبلی صاحب مسلم و بخاری کی حدیث یا راوی پر شبہ کی سفارش کرتے ہیں

چونکہ حضرت عبداللہ ابن عباس کی عمر تیرہ چودہ برس کی تھی اس لئے مروایت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ ممکن ہے کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے۔ لیکن اس کو سمجھنا چاہیئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر کی گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

کہا بعضوں نے۔ "در چاہا تھا کہ معین کر دیں ایک کو اصحاب میں سے واسطے خلافت کے تا واقع نہ ہو نزاع ان میں.... پس کہا عمر نے کہ تحقیق غالب ہے آنحضرتؐ پر بیماری اور تمہارے پاس ہے قرآن کفایت کرتی ہے تم کو کتاب اللہ

ناختلف اهل البیت - اور حضرت عمر کو مقصود اس کہنے سے تخفیف و آسائش دینی آنحضرت صلعم کو تھی، وقت سختی درد و بیماری کے اور جان لیا تھا انہوں نے کہ یہ حکم حضرت کا وجوب و جزم کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کی مصلحت کے لئے ہے اگر کریں تو مختار ہیں اور نہ کریں تو وہ جانیں ...... جب دیکھا کہ بعضے راغب نہیں ہیں جیسے کہ عمر اور جو کہ موافق ان کے تھے ترک کیا لکھنا"....

علیؑ کو خلیفہ نہ ہونے دینا کیوں نہ مقصود سمجھا جائے

"دعویٰ کرنا شیعہ کا کہ مقصود کتابت سے وصیت کرنا واسطے علی مرتضیٰ اور خلیفہ کرنا ان کا تھا۔ یہ خالی تناقض سے نہیں ہے اس لئے کہ یہ خود کہتے ہیں کہ غدیر خم میں خلیفہ کرنا ان کا نص قطعی سے ثابت ہوا، پس جب ہو چکا تھا تو کیا احتیاج لکھنے کی تھی...... ابن عباس کہتے ہیں کہ تحقیق مصیبت کامل وہ حال ہے کہ ہوا حائل اور مانع درمیان پیغمبر خدا کے اور درمیان اس کے کہ لکھیں ان کے لئے یہ نوشتہ بسبب اختلاف ان کے اور شور و شغب ان کے۔ کاش کہ وہ اختلاف اور غل نہ کرتے تا حضرت کچھ لکھتے کہ سبب ہدایت کا ہوتا۔ پس تھے ابن عباس مائل طرف خلاف اس چیز کے کہ کہی عمر نے اور ا انہوں نے کہ تابع تھے ان کے اصحاب میں سے ...... پھر روئے ابن عباس اتنا روئے کہ تر کر دیا ان کے آنسوؤں نے سنگریزوں کو کہ وہاں پڑے تھے"۔ (مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح)

مسلمانوں کے لئے یہ واقعہ پر حرارت عنصر سے بنا ہے جس میں ان کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کئے جانے کا ذکر ہے۔ جس سے بحث یا اعتراض کرنے والے اور جواب دینے والے بھی محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ گرماگرمی انہیں حد پر نہ رکھ سکی۔ ہمیں اب ضرورت نہیں ہے کہ کسی اور مؤرخ کا قول یا خیال نقل کریں لیکن یہ بھی سخت ترین فرض ہے کہ حتی الوسع اپنی کتاب کے ناظر کو مغالطے سے بچائیں۔ ہم اس بحث کو اسی سلسلہ سے شروع کرتے ہیں۔ جس طرح ہم نے درج کیا ہے۔

واقعہ کے سمجھنے میں مدد

ابن خلدون نے یہ لکھ کر کہ کاغذ و دوات طلب کرنے کے پہلے بہت کچھ پند و نصائح کئے اور بہت سے مسائل کا جواب دیا۔ بارادہ یا بے ارادہ آئندہ واقعات کے سمجھنے میں مدد دی ہے۔ یعنی ان واقعات تک جب تک کہ رسول اللہ عام ہدایت فرماتے رہے نہ کسی نے سننے میں عذر کیا اور نہ کسی سے کوئی قابل شکایت حرکت سرزد ہوئی۔ نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری پر رحم کر کے کسی نے یہ عرض کیا کہ رسول اللہ حالت مرض میں کلام کرنے کی تکلیف نہ فرمائیں، نہ کسی نے رسول ؐ کو یاد دلایا کہ آپ دین کے کامل ہونے کا حکم خدا سے اعلان کر چکے اب ہمیں آپ کی نصیحتیں سننے کی ضرورت ہے اور نہ آپ کو کلام کرنے کا منصب۔ کیونکہ آپ کا مشن اس اعلان کے بعد ختم ہو گیا۔ اب آپ کو نبی سمجھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے نہ کسی نے درد غالب ہونے یا معاذ اللہ ہذیان بکنے کی گل افشانی کی۔

انقلاب طبیعت کب پیدا ہوا

بلکہ یہ سنتے ہی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کاغذ و دوات طلب کرتے ہیں اور طلب کرنے کی یہ غرض ہے کہ کچھ لکھ دیا جائے جس سے امت آئندہ گمراہی سے بچے ۔ دفعتہً سننے والوں کی طبیعتوں میں انقلاب پیدا ہوگیا اور یہ انقلاب گستاخی کی اس حد تک پہنچ گیا ۔ جسے سُن کر ہر سننے والا کہہ دے گا کہ کہنے والے کے دل میں ہرگز کوئی عزت یا محبت رسولؐ کی نہ تھی اور ہرگز وہ محمد عربیؐ کا پیرو نہیں سمجھا جاسکتا ۔ محافظت کرنے والوں کے لئے قسمت کا یہ کوئی اچھا موقع تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اگرچہ تاریخ ہمیشہ ان کے تابع فرمان رہے ۔ لیکن تاہم وہ کسی ایسے شخص کا نام نہیں بتا سکتے جس نے کاغذ قلم دوات کے لانے یا نہ لانے میں کوئی اختلاف کیا ہو اور اس پُراخلاص اظہار خیال کی جرأت کی ہو جس سے حضرت عمر مسلمانوں کی خاص توجہ اور تعریف کے مستحق ہیں ۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کیسے کسی کو اس خیال سے باز رکھ سکیں گے ۔ جس سے مفر کی کوئی دوسری راہ نہیں کہ یہی بزرگ تھے جنہوں نے اختلاف کیا اور یہی تھے جن کے منہ سے بانی اسلام کی شان سے بہت دور الفاظ خارج ہوئے ۔ حضرت عمر کی مصلحت کی تائید میں یہ کہنا قرین انصاف ہوگا کہ بیماری کی حالت سے فائدہ اٹھا کر شدت درد یا ہذیان کہہ دینا عام خیالات کو دفعتہً غلط راستے پر لگانے کے لئے انہیں اس سے زیادہ کارآمد الفاظ کا ملنا دشوار تھا ۔ اگرچہ یہ بات ہی دوسری ہے کہ حضرت عمر کو اس کہنے کا کہاں تک حق تھا یا ان کا کہنا کہاں تک اچھا یا بُرا تھا جب کہ انہیں شدت کے ساتھ اسلام کا اقرار تھا ۔

کیوں بے جوڑ بات سوجھی

اب تصفیہ طلب یہ امر ہے کہ قلم دوات طلب کرتے ہی حضرت عمر کو ایسی بے جوڑ بات کیوں سوجھی ؟ یا جو کاغذ قلم دوات طلب کرتا ہے اس کی نسبت اس وقت شدت مرض کا ہونا یا ہذیان یہ کیسے تصوّر کیا جاسکتا ہے ؛ حالانکہ طلب کرنے سے نہ صرف حواس بلکہ لکھنے کا ارادہ بھی ظاہر ہے اور خود طلب کرنے والے نے اور وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ ہم آئندہ کے لئے کچھ لکھنا چاہتے ہیں ۔ حضرت عمر ان الفاظ اور لحن الخطاب سے اپنی اسلامیت یا رسول اللہ کی محبت اور پاس ظاہر کررہے تھے ۔ یہ بھی دوسری بات ہے بلکہ حل طلب یہ امر ہے کہ جس لکھنے سے آئندہ مسلمانوں اور دنیائے اسلام کو فائدہ پہنچتا وہ حضرت عمر کے اس قدر مخالف طبع کیوں ہوا ۔

ہدایت نامہ لکھنے کی خواہش کیوں اس قدر حضرت عمر کے خلافِ مزاج ہوئی

اس جگہ مؤلف تاریخ الاسلام کی یہ عبارت اور خیال توجہ کے قابل ہے ۔

" جب علیؑ کی خلافت پیش ہونے کے لئے مرجّح دلائل کی ضرورت ہوئی تو کہا گیا کہ وصیت نامہ لکھنے کے لئے

کاغذ مانگا گیا تھا اور عمر بن خطاب مانع ہوئے ۔ آخر زمانہ میں حضرت علیؑ کی شان میں جو اقوال آنحضرتؐ کے تھے ان کو اس خیال سے ملا کر سوچا جائے تو ایک بات ہو سکتی ہے ۔

آثار اور موافق حالتیں سمجھنے میں مدد دیتی ہیں

کسی امر کی نسبت یقین نہیں کیا جا سکتا تا وقتیکہ وہ امر واقع نہ ہو جائے ۔ اگرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ آثار اور موافق حالتیں بھی یقین سے بہت دور نہیں رکھتیں یا یقین کی پیشگوئی کراتی ہیں ۔ اس صورت میں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنے نہ پائے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ اس وقت ظاہر نہ ہونے پایا ۔ یہ کہنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور علیؑ کی خلافت کے لئے وصیت نامہ لکھتے یقینی نہ ہوگا لیکن اس حیثیت کی کمی کو آثار اور موافق حالتیں پوری کر دیں گی ۔ حضرت عمر کے الفاظ ان کی صورت اور ان کی آواز ان کے مکنون خاطر کو معمول سے زیادہ ظاہر کر رہے ہیں ۔ یہ الفاظ وہ شخص کہہ سکتا ہے جو دیر سے بھرا بیٹھا ہو ۔ کوئی شبہ ہو اور وہ شبہ خوف تک پہنچ گیا ہو ۔ جس کے متعلق اظہار خیال کے لئے اس شخص کو اپنے حواس اور زبان پر قابو رکھنے کی قوت نہ رہی ہو ۔ خوف یا شبہ یا قابو نہ رہنے کا درجہ اس سے سمجھ میں آئے گا کہ یہ سب رسول اللہؐ کے متعلق تھا ۔ ہدایت کے انتظام کے لئے تھا ۔ پھر بھی الفاظ اور ان کی بو اب تک ہر زمانہ میں پہنچی ہے

کونسا امر مخالف ہو سکتا تھا

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا رسول اللہؐ گذشتہ احکام و سنن کے متعلق تاکید لکھتے اور یہ لکھنا حضرت عمر کے مخالف ہو سکتا تھا؟ نہیں ، نماز روزہ ، حج ، زکوٰۃ وغیرہ کی تاکید ایسی نہ تھی ۔ جس سے حضرت عمر یا اور کوئی اس غیر معمولی شدت سے مخالفت کی وجہ پاتا نہ ان احکام کے بجالانے میں کوئی خوف یا ذاتی فوائد کو کسی طرح کا نقصان پہنچتا تھا ۔

رسولؐ کیا لکھتے

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ ایسا لکھتے جس سے حضرت عمر یا ان کی جماعت کو اگر کوئی ہو ، کسی قسم کا نقصان پہنچتا تھا ۔ یہ خیال ہی کیوں پیدا ہوا کہ رسول اللہ کچھ ایسا لکھتے جو ان کے یا ان کی جماعت کے فوائد کے مخالف ہوتا ۔ رسول اللہؐ کیوں لکھتے ؟ کیوں علیؑ ہی کے لئے لکھتے ! یا اس کے آثار ہیں کہ اگر بفرض محال رسول اللہؐ علیؑ کے لئے کچھ لکھتے تو وہ حضرت عمر کے خلاف ہوتا؟

اب ان الفاظ کو دہرانا جو دعوت ذوالعشیرہ سے اس وقت تک رسول اللہؐ نے علیؑ کے لئے فرمائے تھے اپنا اور ناظر کا وقت ضائع کرنا ہے ۔ اب تک جو فرمایا تھا جسے سننے والوں نے سنا تھا اور بہت ممکن تھا کہ ایک حافظہ کی چیز بنکر ہر شخص اپنے خیال کے موافق تحریف کرتا یا اپنے رنگ میں رنگتا ، زبانی کہنے سے لکھنا زیادہ مستند ہے اگرچہ اس میں تحریف ممکن ہے علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ دو متعلق جماعتوں میں سے ایک صاحب اختیار ہو ،

اب اگر رسولؐ خدا حضرت علی علیہ السلام کے لیے کوئی وصیت نامہ لکھتے تو اس سے حضرت عمر کا مقصد اور کوئی استحقاق ساقط ہو جاتا، اور اس وقت اور بھی کوئی جائز وجہ اپنے حقوق قائم کرنے کی نہ رہتی۔

علیؑ کے متعلق لکھنے کے قرائن

رسولؐ کا کچھ لکھنا اور اس کے مخالف ہونے کا خیال رسولؐ خدا کے بار بار علیؑ کی خلافت کے قوی اشارے سے تھا جس میں ہر مرتبہ قوت کا اضافہ ہوتا جاتا تھا اگر ایک مرتبہ اپنی وصایت اور خلافت کا مشروط اعلان کیا تو حضرت علی علیہ السلام کا دعوائے تائید سن کر پہنچوایا۔ اس کے بعد جب بہت سی خدمتیں دیکھیں تو نہ صرف وصایت کا اعلان کیا بلکہ موسٰیؑ و ہارونؑ کی تمثیل بھی دی۔ اور اس کے بعد حجۃ الوداع میں مراسم جانشینی بجا ادا کئے۔ ان ترقیوں کے بعد اب کوئی اور بات بجز اس کے نہ رہ گئی تھی کہ آخری عذر اور حجت رفع کرنے کے بعد لکھ بھی دیتے۔ قرآن لکھی ہوئی کتاب تھی۔ اہل بیت کے لئے لکھنا باقی تھا۔ اعلان بار بار کر چکے تھے۔ آخری وقت کچھ لکھنے کی خواہش ظاہر فرمانا اور ساتھ ہی قرآن کا نام لیا جانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیت ہی کے لئے کچھ لکھنا چاہتے تھے اور اہل بیت میں حضرت علیؑ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا وصی نہیں ہو سکتا تھا، نہ ہونے کے قابل تھا۔ اگرچہ ذاتی طور پر جس طرح ہمیں یقین ہے کہ بیشک حضرت علیؑ کی خلافت کا وصیت نامہ لکھتے۔ اسی طرح یہ بھی یقین ہے کہ ہرگز یہ دستاویز کام نہ آتی۔ جب کہ فدک کی دستاویز کے مقابلہ کے لئے حضرت ابوبکر کو ایک حدیث یاد آگئی۔ اسی طرح اس دستاویز کے لئے دو چار حدیثوں کا یاد آجانا صرف ذرا سی زبان کو حرکت دے دینا تھا اور بس ایک مرتب جماعت اس کے قبول کر لینے میں کوئی عذر نہ کرتی۔

رسولؐ خدا کیوں لکھتے

رسولؐ خدا اس لئے لکھتے کہ وہ قوم جس کو قوم بنانے اور راہ پر لانے کے لئے ناقابل بیان تکلیفیں اٹھائی تھیں، گمراہ، منتشر اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے اور ان کی ہدایتیں ان کے بعد خود رائی سے ضائع نہ ہو جائیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلط خیالوں سے بچنے کی راہیں بتائی تھیں۔ غلط خیالوں کا پیدا ہونا نہیں رکا تھا اگرچہ کوشش کی تھی۔ بیشک رسولؐ دین کے کامل ہونے کا اعلان کر چکے تھے لیکن فی نفسہ دین کی تکمیل کا اعلان یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ مجموعہ قوانین اسی طرح سمجھ بھی لیا گیا تھا اور عمل بھی ہونے لگا تھا اور آئندہ کسی دیکھنے والے یا مشتبہ امور میں فیصلہ کرنے والے کی ضرورت نہ باقی رہ گئی تھی۔ کیا دنیاوی حکومتوں کا یہی قاعدہ ہے کہ صرف حکم دینے اور قانون مرتب کرنے پر اکتفا کرتی ہیں اور کوئی شخص اس کے لئے مقرر نہیں کرتیں کہ وہ یہ دیکھے بھی کہ آیا مقنن کی خواہش کے موافق قانون پر عمل بھی ہوتا ہے یا نہیں؟

آئمہ حدیث اور علی علیہ السلام

اس لئے علیؑ ہی کے لئے لکھتے کہ مقاصد اسلام کو ان سے زیادہ کسی سے مدد نہ ملتی

تھی، ان سے زیادہ کسی پر اعتبار نہیں ہو سکتا تھا، ان سے زیادہ کسی سے محبت نہ کر سکتے تھے۔ اس شخص سے زیادہ اسلام کا جاننے والا نہ تھا جس کے لئے رسول اللہؐ "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" فرما چکے تھے۔ ان کے دیکھنے اور ان کے ذکر کو عبادات فرمایا تھا اور جس کی نسبت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ "رسولؐ کے صحابہ میں سے کسی کی صفت میں ویسا ہم کو نہیں ملا جیسا علیؑ کے بارے میں"۔ یا جیسا تاریخ الخلفاء میں اس کے علاوہ لکھا گیا ہے کہ "طبرانی اور ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ خدا نے اکثر مواقع پر صحابہ کی مذمت کی۔ لیکن جہاں حضرت علی علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے وہاں ہمیشہ پسندیدگی ظاہر فرمائی ہے"۔ یا جس کے فیصلے اعلیٰ ترین ہونے کے خود حضرت عمر قائل تھے۔

معیار حضرت علی علیہ السلام کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا جن کے لئے ترمذی میں ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ "ہم لوگ منافقین کو علیؑ کی عداوت سے پہچانتے تھے"۔ سچ مچ رسول اللہؐ نے یہ نہایت آسان اور بہترین معیار تعلیم فرمایا تھا اور انصاف کیا تھا۔

آثار اور نتائج سے امتیاز اس کے آثار ہیں کہ حضرت علیؑ کے لئے رسول اللہ کا کچھ لکھنا حضرت عمر کے خلاف ہوتا جس شان سے رسول اللہ کو حضرت علیؑ سے راز کہنے کا طعنہ دیا گیا تھا اس کے کوئی دوسرے معنی بجز حسد کے نہیں ہیں۔ جس سرگرمی سے حضرت علیؑ سے بیعت طلب کرنے تشریف لے گئے تھے اور بیعت نہ کرنے پر قتل کی دھمکی دی تھی۔ اپنی رحلت کے وقت اپنا خلیفہ بنانے کے لئے جن لوگوں کا نام لیا تھا اور جو مکالمہ ابن عباس سے ہوا تھا اس کا یہ فقرہ جسے مولوی شبلی صاحب نے بھی الفاروق میں نقل فرمایا ہے کہ "تمہاری قوم نے نہ چاہا کہ نبوت و خلافت دونوں تمہارے خاندان میں رہیں جس سے تم اپنی قوم پر فخر کرو لہٰذا قریش نے خلافت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنی طرف سے خلیفہ بنایا اس کارروائی میں قریش ثواب پر ہیں اور نیک توفیق پائی"۔ صاف ان کی مصلحت کو ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق کوئی اشارہ حکم یا عمل حضرت عمر کے خیال کے موافق قابل پیروی نہ تھا جب کہ وہ قریش کی کارروائی کو صواب اور نیک توفیق سے یاد کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی معلوم ہے کہ قریش میں کون لوگ خاندان نبوت میں خلافت کے نہ رہنے دینے کے لئے سب سے زیادہ کوشاں تھے جو تنگ کرنے والے ہیں۔

برافروختگی کے وجوہات جو بتائے گئے ہیں اب کوئی شبہے کی گنجائش نہیں رہی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حواس میں تھے، ان لوگوں نے جنہوں نے کہ حضرت عمر کے ان غیر محتاط لفظوں کی محافظت کرنے کا گویا روز الست سے حلف اٹھایا ہے کوئی وجہ نہیں عمر ایسی اچھی بات کے کرنے سے کیوں مانع ہوئے۔ مترجم ابن خلدون نے گھر کی طرح سمجھانے کے لئے

فرمایا ہے کہ "عام قاعدہ ہے کہ لوگ اپنے اعزا کو تکلیف نہیں دیتے۔ علاوہ اس کے عمر نے یہی کہا نا کہ قرآن مجید ہمارے لئے کافی ہے"، ہم بھی مترجم کی طرح اس کے قائل ہیں کہ اعزا کو بیماری کے وقت ان سخت الفاظ سے تکلیف نہیں دیتے جیسی دی گئی"، لیکن اس عام قاعدے کو ہم اس کے گھر کا قاعدہ سمجھیں گے۔ اگر تکلیف دینے سے اس کی یہ مراد ہے کہ اگر کوئی مرتا ہوا عزیز وصیت کرے تو اسے اپنے بعد کے ایسے امورات کے انتظام سے جسے وہ عالم احتضار میں ضروری سمجھ رہا ہے، روک دیں۔ اگر دنیا اس کے خیال کی پیرو ہوتی تو آج لغت میں وصیت یا وصیت نامہ کے لفظ کا وجود نہ ہوتا بلکہ اس کے برخلاف کیسی ہی ناتربیت یافتہ قوم کیوں نہ ہو آخری وصیت کی عزت کرتی ہے۔

لائق مترجم کفایت قرآن کے جملہ کو "بہت درست" کہتا ہے اور دلیل میں اعلان تکمیل پیش کر کے شاید یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی غرض قرآن کی چند جلدیں شائع کر دینے سے تھی یا کہ رسول اللہ صلعم کو معاذ اللہ یہ یاد نہ تھا کہ وہ امت کو کلام الٰہی حوالے کر چکے ہیں جسے حضرت عمر نے یاد دلا کر احسان کیا۔

حسین آفندی کے نزدیک احادیث سے تمسک کی ضرورت

اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ علامہ حسین آفندی کے کچھ خیال درج کریں:۔

"میں نے بعض لوگوں کو جو نظر کے قاصر اور کم فہم ہیں اور اپنے آپ کو علماء محققین کے زمرے میں شمار کرنے پر فخر کیا کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم اس شے کو لیں جس کی قرآن شریف میں تصریح موجود ہے اور اس سے مطلب یہ ہے کہ جو اشیاء احادیث نبویہ میں داخل ہوئی ہیں وہ ان کو نہیں لیتے اور نہیں مانتے اور یہ رائے محض فاسد اور اس امت کے علماء اعلام کی نظر میں بالکل باطل ہے۔ کیونکہ نص قرآنی اور ان احادیث میں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں جس طرح کہ ہم کو یعنی امت محمدیہ کے لوگوں کو یہ حکم ہے کہ قرآن شریف میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے ساتھ تمسک کریں۔ اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو احادیث ثابت ہیں ان میں جو لفظ وارد ہوئے ہوں ان کو بھی اپنا مُستمسک ٹھہرائیں اور اس بات پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے اور سنت مطہرہ کے تمسک کرنے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کی پیروی کرنے پر دلالت کرنے والی بکثرت آیات قرآنی موجود ہیں چنانچہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے "اور میری رحمت ہر جگہ ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے سو اب میں اس کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ نبی امّی کا اتباع کرتے ہیں۔ جسے وہ توریت وانجیل میں اپنے پاس لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں اچھے کاموں کا حکم کرتا ہے اور برے کاموں سے منع کرتا ہے۔ ..... پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور جنہوں نے کہ اس کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کی

اور اس نور کی پیروی اختیار کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی فلاح پانے والے ہیں)

" اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت قرآن شریف میں موجود ہے (وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی) پس اگر ان کے علاوہ اور آیتیں قرآن شریف میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کے اتباع کے واجب ہونے پر دلالت کرنے والی نہ ہوں تو یہ کیا کم ہیں کیا ہم قرآن کو بغیر حدیث کی مدد کے سمجھ سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ان احادیث میں جو آپ سے صحیح طور پر ثابت ہیں۔ اس امر کی تصریح کردی ہے کہ ہمارے ذمہ جو احادیث آپ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) لائے ہیں ان کا لینا بھی ضروری ہے اور صرف قرآن پر انحصار کرنا اس بات کو مستلزم ہوگا کہ ہم اپنے دینی احکام میں قاصر ہو جائیں کیونکہ تمام احکام کو فقط قرآن شریف کے سمجھ لینے تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جو احادیث اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں ان میں سے بعض یہاں مذکور ہوتی ہیں۔ ابو داؤد اور ترمذی میں بروایت مقداد رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سنتے ہو مجھے خدا کی جانب سے کتاب (قرآن شریف) دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کی مثل (اور کچھ) سنتے ہو عنقریب کوئی شکم سیر شخص (........) اپنی مسند پر بیٹھ کر کہے گا کہ اس قرآن کو لو پس جو کچھ اس میں تمہیں حلال ہے اس کو حلال جانو اور جو کچھ تم اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو اور بلا شک اللہ کے رسول کا حرام کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کا حرام کرنا "

" اور ابو داؤد میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں میں کھڑے ہوئے پھر فرمانے لگے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگا کر یہ سمجھتا ہے، یہ گمان کرتا ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے سوائے اس کے اللہ نے کچھ حرام نہیں کیا۔ سن لو کہ بیشک میں نے (اچھی باتوں) کا حکم کیا اور نصیحت کی اور بہت سی اشیاء پر آگاہ کر دیا کہ وہ قرآن کے مثل بلکہ اس سے بھی زائد ہیں "۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں اگر ہم ان سب کو نقل کریں تو بہت طوالت ہو جائے اور جس قدر ہم نے نقل کر دی ہیں اتنی ہی کافی ہیں...... "

احادیث رسولؐ کے متعلق ابا حفصہ کی عام مصلحت

مزید عکس کے لئے صاحب سیرۃ الفاروق کی یہ عبارت بھی توجہ کے قابل ہوگی کہ "حضرت عمر کی روایت حدیث کی مخالفت صرف ان کی قلت روایت ہی سے نہیں ظاہر ہوتی بلکہ وہ اس کی علانیہ طور پر مخالفت کرتے تھے اور دانستہ حدیثوں کی کثرت کو رد کرتے تھے۔ کوفہ اور عراق جانے والوں کو وصیت کہ ان کو داخل کوفہ کو (حدیثوں میں نہ پھنسا لینا۔ "

تائید سے کیا اخذ کرنا چاہیئے

تکمیل دین کے اعلان کے بعد جو رسولِ خدا بقول مترجم ابن خلدون تین مہینہ تک زندہ رہے تو اب اسے ہرگز اس عقیدہ کے

موافق رسول صؐ کو رسولؐ نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ باجے میں جو ہوا بھری ہوئی تھی اور اس سے جو خوش آئند گانا پیدا ہوتا تھا ، ختم ہوگئی ۔ اب وہ اس وقت تک کے لئے بیکار ہے جب تک اس میں دوبارہ ہوا نہ بھری جائے ۔ اسی طرح دین کے کامل کر دینے کے بعد نبیؐ میں نبوت کا کوئی عنصر نہ رہ گیا تھا اور نہ اب اس کا کوئی مشن تھا تا وقتیکہ اکملت لکم دینکم کے ایسے قائل کو دوبارہ اعلان نبوت کا یقین نہ ہوتا

اگر حضرت عمر کی تقریر صلح پسندانہ تھی تو رسولؐ نے کیوں جھڑکا

اگر حضرت عمر نے ایسی ہی صلح پسندانہ تقریر فرمائی تھی تو حضرت رسول اللہؐ کا یہ فرمانا "کہ میرے پاس سے چلے جاؤ پیغمبروں کے پاس شور و شغب کا کام نہیں" ، معاذ اللہ ۔ نہایت ہی نامناسب تھا دوسرے مترجم کے خیال کے متعلق دوسری دشواری یہ ہے کہ حضرتؐ اس وقت بھی اپنے کو پیغمبر فرما رہے ہیں ۔ شاید وہ لوگ جو دفن رسولؐ میں شریک نہ تھے اسی خیال کے تھے کہ تکمیل کے اعلان کے بعد منصب نبوت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے ساقط ہو گیا !

ابن خلدون کے اس فقرہ کی بے انتہا متانت بھی توجہ کے قابل ہے جہاں اس نے یہ لکھا ہے کہ "عمر نے کہا کہ ہمارے لئے قرآن مجید کافی ہے جو ہمارے پاس ہے اور بیشک اس وقت آپؐ کے درد زیادہ ہو رہا تھا" کس طرح نصف جملہ حضرت عمر کی زبان سے ادا کر کے ان کے دوسرے اس نصف جملہ کو کہ "اس شخص پر درد غالب ہے" ...... زرم کر کے اپنے ذمہ لے لیا ہے ۔ ہم نہیں جانتے کہ ابن خلدون کو فن تاریخ نویسی کے علاوہ طب میں بھی کوئی دخل تھا ؟ جس سے وہ اپنے نصف فقرہ کو اس یقین سے کہہ رہا ہے کہ گویا وہ مریض کے پاس بیٹھا ہوا اس کی حالت دیکھ رہا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "میرے پاس سے ......" اسی کے موافق سب کچھ سننے اور فرمانے کے بعد درد کی زیادتی سے بیہوش ہو جاتے ہیں ۔

رسولؐ کی بیہوشی کے متعلق ایک سوال

کیا اس وقت رسول صؐ کی بیہوشی حضرت عمر کے نفرہ کی تکلیف سے تھی ؟ جب ہمیں حضرت عمر کی نیت اس نفرہ کے کہنے کے وقت نہ معلوم ہوئی ۔ جو آئندہ زمانہ میں ظاہر ہو گئی اور جب ان کی حفاظت کرنے والوں نے کوئی معقول وجہ بتانے کی کوشش نہ کی ۔ جب رسول اللہؐ کی ہدایت سے صرف روزہ نماز کی تاکید نہ ہو سکتی تھی ۔ جس سے حضرت عمر کو خوف ہوتا اور جب قوی ترین قرائن ہیں کہ حضرت علیؑ کے متعلق اعلان اور عمل رسمی کو مصدق بہ وصیت نامہ کر دیتے تو اب اس یقین سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا کہ حضرت عمر کی برافروختگی کی کوئی دوسری وجہ نہ تھی ۔

اگر یہ یقین تھا کہ رسولؐ علیؑ کے لئے نہ لکھتے تو لکھنے دینا مخالفین کے موافق تھا

اس خیال نے کہ یہ یقینی امر نہیں ہے کہ رسول اللہؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے کچھ لکھتے۔ علیؑ کی خلافت کے متعلق لکھنے والوں کے دعوے کو اس قدر کمزور نہیں کیا۔ جس قدر علیؑ کے متعلق نہ لکھنے والوں کے دعوے کو۔ کیونکہ اگر رسول اللہؐ کا یہ منشا نہ تھا کہ وصیت نامہ لکھتے تو انہیں لکھنے دینا حضرت علیؑ کے مخالفین استحقاق کی عین خواہش کے موافق تھا۔ بہرحال اور کچھ ظاہر ہو یا نہ ہو لیکن یہ سب سے زیادہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر کے موافق کچھ نہ لکھتے۔

ایک افسوسناک نتیجہ

اب ہم مترجم ابن خلدون کے اس فقرہ پر توجہ دلا کر "عمر پر الزام لگانا اپنے مبلغ علم واستعداد کو ظاہر کرنا ہے" ایک افسوسناک نتیجہ کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جو حضرت عمر کے مشہور فقرہ نے پیدا کیا۔

مسٹر گبن اپنی کتاب ڈکلائین اینڈ فال آف رومن امپائر میں لکھتے ہیں:-

" اس وقت جب کہ اللہ کے رسولؐ کے حواس ظاہری طور سے زائل ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک الہامی تحریر لکھنے یا لکھوانے کے لئے قلم دوات طلب کی جو تمام الہامات پیشین کی تکمیل سمجھی جائے اس بات پر جھگڑا ہونے لگا کہ آیا انہیں قرآن کے سند کی برطرفی کی اجازت دی جائے۔

مسیحی مؤرخ اسلامی تاریخوں کا آلہ تھا

سچ پوچھو ہم اس مسیحی مؤرخ کو الزام دیں جو ان اسلامی تاریخوں کے ہاتھ میں ایک آلہ تھا۔ جنہوں نے حضرت عمر کی حفاظت کا اس قدر التزام کیا ہے۔ جس قدر اپنے صلی ہادیؐ کی توہین کا خیال نہیں کیا۔ نقل کرنے اور اپنی عبارت میں لانے کی حالت میں بھی اس مؤرخ نے خیال نہیں کیا کہ جس شخص کے حواس ظاہری طور سے زائل ہو چکے ہوں۔ وہ نامہذب سرکشی اور جھڑکنے کی کب فکر کرے گا؟ یا اسے یہ حس اور خیال ہی کیوں ہو گا کہ لوگوں کی گفتگو گستاخانہ اور سرکشی آمیز ہے؟ جو کچھ اس مؤرخ کو اسلامی تاریخوں سے معلوم ہوا، اس سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رسول اللہؐ پیشتر کے قرآن کو منسوخ کر کے ایک نیا رسالہ حوالہ کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ رسول اللہؐ نے آخری زمانہ میں بھی "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی" فرمایا۔ جس سے نہ صرف قرآن کے اپنے بعد چھوڑنے بلکہ اس کے تمسک سے گمراہی سے بچنے کو بھی ظاہر کر دیا۔ اس سے کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ رسولؐ قرآن کے کسی حکم میں کوئی تصرف کرنا چاہتے تھے۔ نہ خود یہ مفہوم ہدایت نامہ لکھنے کے لئے قلم دوات طلب کرنے سے ظاہر ہے بلکہ بدقسمتی سے

"حسبنا کتاب اللہ" اور اس کے بعد والے فقرہ کا نتیجہ ہے یا ایک خلاف واقعہ خیال ہے جو دوسرے غلط خیال سے پیدا ہوا اور اسی مصلحت کا نتیجہ ہے کہ حضرت عمر کے اس قول کو مختلف نرم صورتوں میں دکھاؤ اور واقعہ کو کفایت قرآن اور رسول اللہؐ کی شدت مرض کا تذکرہ کر کے تمام کر دو۔ کیونکہ اگر حضرت عمر کے خیال کے موافق شدت مرض ہر حالت میں مضبوط نہ پکڑی جائے گی تو الزامات سے بچنے کے لئے کوئی سپر نہ رہے گی۔ کاش! ان مسلمانوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی اتنا ہی خیال ہوتا۔ جس قدر حضرت عمر کا خیال کرتے رہے کہ آئندہ یہ بدنما دھبہ وہ بالمسادات تقسیم کر دیتے اگرچہ خالص اسلام اسے بھی اسی کراہت سے دیکھتا جیسا وہ اس وقت دیکھ رہا ہے اور اس طرح دیکھنے میں تاریخ اور عقل اسے مدد دے رہی ہے۔

مؤرخانہ فرض کی یاددہانی

ہم مؤلف تاریخ الاسلام کو اس کے اس فقرہ کی صورت گری پر "کہ رہنے بھی دو بیمار کو تنگ نہ کرو" مؤرخانہ فرض اور انصاف یاد دلاتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں اس واقعہ کو الفاروق میں پڑھ کر معلوم ہو گا کہ اسے بقول مؤلف ابن عساکر، ابن سعد، بیہقی، مسلم، بخاری سب نے نقل کیا ہے اور چند اور مؤرخین کے اقوال کو اس خیال سے کہ "گرمی محفل سے رنگ مبالغہ آجاتا ہے" ترک کر دیا ہے اب تک اس واقعہ کے متعلق کسی نے یہ شبہ نہیں کیا کہ یہ واقعہ نہیں ہوا بلکہ جس قدر تاویلیں ہوئیں وہ اس پر کہ رسولؐ جو بات جس وقت کہتا ہے آیا وہ سب الہامی ہوتی ہیں یا نہیں؟ کبھی "ھجر" کے لفظ پر لغتیں لڑتی رہیں اور بقول مولانا شبلی "یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ پیغمبرؐ سے ہذیان ہونا ممکن ہے" ان کی دانست میں محض اس وجہ سے استدلال نہیں ہو سکتا کہ راوی نے وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ آنحضرت ہوش میں نہیں ہیں" آگے چل کر اس میں بھی کمزوری معلوم ہوئی اور اس خیال سے کہ حضرت عمر کی گستاخی اور حضرت رسولؐ خدا کے ہذیان کا خیال ہوتا ہے۔ اس لئے مسلم اور بخاری کی حدیث کو مشتبہ نہ سمجھنا کوتاہ نظری ہو گی۔ یہ دلیل بھی کافی نہ تھی اور سب سے آسان ترکیب اس واقعہ کے ختم کر دینے کی یہ بتائی گئی کہ راوی غلط سمجھ لیا جائے۔ جس طرح یہ عبارت کہ "حاضرین میں سے بعضوں نے کہا...... حالانکہ مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ کس نے کہا وہ بعض نہ تھے بلکہ خاص شخص تھا۔ ممکن ہے کہ بعضوں نے تائید کی ہو۔

مغالطہ

یہ کہنا کہ راوی نے وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ آنحضرتؐ ہوش میں نہیں ہیں"، نہایت ہی بھدا مغالطہ ہے۔ وہ واقعات ہی نہیں پیدا کئے گئے تھے۔ جب سے آنحضرتؐ کے ہوش میں نہ آنے کا گمان کیا جائے بلکہ یہ حضرت عمر کی سودمزاجی کی کاشت تھی۔ جس نے خوش اعتقادوں میں یہ خیال پیدا کیا اور انہیں مطلق پس و پیش پر نگاہ ڈالنے کی تزئین نہ ہوئی جس سے وہ سمجھ لیتے کہ یہ آنحضرتؐ کی بیہوشی تھی یا کسی

اور کی بدحواسی۔

یہ کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہذیان کا الزام لگایا جائے تو یہ ان لوگوں کا اعتقاد ہوگا جو سوال از آسمان اور جواب از ریسماں کے مرتکب ہوں گے یا جو واضح غلطیوں کی محافظت میں بلا دیکھے ہوئے کہ پیچ پر پیچ کوئی ایسا جواب ہے یا نہیں جس پر عقل مسخرنہ کرے، گھٹنے ٹیکے ہوئے ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ "حضرت عمر کی گستاخی" یہ میرے خیال میں بجائے کسی کتاب میں لکھنے کے چپکے سے کان میں کہنے کی تھی۔ کیونکہ اگر یہ علم سینہ سے علم سفینہ ہوگیا تو ہر شخص جو کچھ بھی پڑھا لکھا اور صاحب عقل سلیم ہے۔ فطری حسِ تفتیش سے کتابوں کے ورق الٹے گا اور جب وہ اس تجویز سے الگ ہوکر اپنی رائے قائم کرے گا جو الفاروق میں لکھی گئی ہے تو شاید اسے مروت کا موقع نہ ملے گا۔

رسولؐ کے صاف حکم راوی کو کسی تمہید کی ضرورت نہ تھی

اب اس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ "واقعہ کی پوری ہیئت" متذکرہ صدر فقرہ کا خلاصہ ہے جو کچھ ہم اس بحث کی ابتدا میں لکھ چکے اس سے یہ امر مشتبہ نہیں رہتا کہ رسول اللہؐ کے ایک صاف اور صریح حکم میں راوی کو کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ رنگ آمیز بیاں کرتا یا تمہید، دعویٰ اور دلائل سے ایک رسالہ لکھ ڈالتا۔ شاید "واقعہ کی پوری ہیئت" اور وہ واقعات چھوڑ دینے سے جس سے آنحضرتؐ کی بیہوشی کا خیال ہو۔ مؤلف الفاروق کا یہ مطلب ہے کہ راوی نے حضرت عمر کی برافروختگی کے پورے اسباب اور وجوہات کیوں نہ بیان کئے۔ جس سے حضرت عمر کے فقرات کا قیمہ کرنے اور پیپا لگانے کی مؤرخین کو ضرورت نہ ہوتی۔ بفرض محال اگر ایسے اسباب پیشتر سے نہ بھی ہوتے جو نفس کسی کی مخالفت کا یقین دلاتے تو کسی کا کوئی لفظ یا جملہ جو ناملائم شان اور ہیئت سے ادا کیا گیا ہو۔ اسے اس کے پیشتر مشتبہ ہونے سے بری نہیں کرسکتا۔

ایک دوسری مشکل

لیکن مشکل یہ ہے کہ حضرت عمر کبھی خوش مزاجی کے لئے مشہور نہ تھے جیسا خود مولانا نے اقرار کیا ہے کہ حضرت عمر تند مزاج تھے۔ صحابہ رسولؐ کے متعلق خردہ گیریاں کرتے تھے یا جیسا ابن الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں یہ ذکر کرتے ہوئے کہ عمر فطرتاً سخت مزاج اور درشت طبیعت تھے کہا ہے "جیسا گذرا وہ لفظ جو انہوں نے مرض رسولؐ میں کہا تھا اور مثل ان لفظوں کے جو انہوں نے صلح حدیبیہ میں کہا تھا اور خدا جزا دیتا ہے نیت پر اور نیت ان کی سب نیتوں میں ظاہر اور خالص تھی"۔ یہ اگر خوش نیتی تھی جس کی اس قوت سے حفاظت کی گئی ہے تو ہم ابن ابی الحدید کی روح کو یقین دلاتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ کے نہ ماننے والے کمال حسن نیت سے ان کے متعلق وہ الفاظ صرف کرتے ہیں جو ماننے والوں کے لئے باعث مخالفت ہیں۔

تشریح

پس اگر وہ وجوہات پیشتر سے بھی نہ ہوں۔ جس سے ظاہرا الزام لگایا جاسکے تو کسی کا فوری تغیر جس کا پیدا ہونا فطری ہے اسے اس وقت کے بے اختیارانہ وجدان سے بری نہیں کر سکتا اور اس کے بعد سوچنے والوں کا کام ہوتا ہے کہ وہ بات کا تجزیہ کریں۔ سمجھیں کہ ایسا کہنے والا پیشتر سے بھرا بیٹھا تھا۔ اگرچہ اسے پیشتر سے بھرے بیٹھنے کے وجوہات نہ بھی معلوم ہوں۔ ایک دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ آنحضرت ص کی بیہوشی کو موضوع اور حضرت عمر کے قول کو دلیل قرار دے کر وہ اس امر سے لوگوں کو دور ہٹا دیتے ہیں کہ حضرت عمر کی شان خطابت الفاظ اور برافروختگی کے وجوہات پر غور کریں۔

حضرت عمر کے موافق مؤرخین سے معترضین کی باز پرس میں کوئی کمزوری نہ ہوگی اگر صحیحین کی حدیث کو مشتبہ کر کے اس کے اس بڑے خطاب سے کوئی ٹکڑا نوچ لیا جائے بلکہ معترضین کے لیے یہ ایک معاملہ تاریخ ہو جائیگا ان کی امیدیں بڑھ جائیں گی کہ ہر مرتبہ ایک ایسا ہی اعتراض دوسرے سوراخ کی سفارش کرے گا اور آئندہ مضبوط سمجھائی ہوئی فصیل کی اینٹوں کا ایک غیر مرتب ڈھیر دکھائی دے گا۔

کسی راوی کو مشتبہ کرنے کی خواہش ہے

یہ بھی خصوصیت کے ساتھ توجہ کے قابل ہے کہ اس راوی کو مشتبہ سمجھنے کی سفارش کی جا رہی ہے۔ جسے خود مؤلف الفاروق "صحابی دریائے علم کہتے تھے" اس سفارش میں "اجماع" کی وقعت بھی نظر انداز کر دی گئی ہے کہ جسے اصحاب رسول ص اس تقدس سے دیکھتے تھے، صرف تنہا رائے نے اس لئے مشتبہ کر دیا ہے کہ وہ "واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا"۔ یہ تو خیر علم ادب کے خزانہ کے لئے جواہر کا ایک ٹکڑا ہے مگر غرض یہ ہے کہ اس لئے مشتبہ سمجھا جائے کہ اس نے حضرت عمر کے خلاف ایسی الزام دینے والی روایت کی جرأت کی۔ پیسح تو ہوا ہے کہ ابن عباس کو مشتبہ سمجھ لینا کونسی بڑی بات تھی۔ جب حضرت عمر کی حفاظت کے لئے تمام الزام رسول ص کی طرف سیدھا کر دیا گیا۔

ابن عباس رض کا مؤقف

واقعات چھوڑ دینے کا دوسرا پہلو ابھی باقی ہے۔ وہ یہ کہ ابن عباس نے وہ وجوہات کیوں نہ بیان کیے جس سے حضرت عمر کی برافروختگی سمجھ میں آجاتی؟ ابن عباس مدبر تھے۔ واقعات اور حالتیں دیکھ رہے تھے۔ اس کی حالت کا پوست کندہ کرنا تھا جو خلیفہ یا خلیفہ کا عقل کل یا اس کے بعد کا خلیفہ رسول ص تھا یہی کمال ہے کہ یہ حدیث بیان کر دی اور یہی معجزہ ہے کہ لنگڑی لولی حیثیت سے آج بھی ہم تک پہنچ گئی۔ جس کے شکستہ اور منتشر اجزا کا تلاش کرنا ایک سخت کام ہوگیا۔ حالت کے اوصاف سمجھانے کے لئے ہم پھر ابن عباس رض اور عمر کے مکالمہ کا وہ ٹکڑا پیش کرتے ہیں جو ہم نے اختتام باب دوئم میں لکھا ہے۔ جس میں حضرت عمر نے ابن عباس رض

کو آئندہ بحث سے روک دیا۔ جس میں ان کی ذاتیات پر قوی عکس پڑتا تھا۔ تاہم ابن عباس رضؓ کی اس حالت نے بہت کچھ کہہ دیا جسے ہم نے مظاہر الحق سے نقل کیا ہے ۔

کمسی عمر کی آڑ

اس پر بھی تھوڑا زور نہیں لگایا گیا ہے کہ ور چونکہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی عمر تیرہ چودہ برس کی تھی اس لئے روایت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے ،، اگر ہم اسے مان بھی لیں کہ عبداللہ ابن عباس کا سن وہی تھا جیسا کہا گیا ہے تو یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ اتنا بڑا بچہ زبردستی کسی شخص کو برا مشہور کرنے کے لئے ایسی غلط افترا پردازی کرے گا۔

ناممکن القیاس تخصیص کی کیا ضرورت تھی

اب ہر شخص کا ذاتی اجتہاد ہوگا کہ ایک تیرہ برس کے لڑکے کو حضرت عمر سے کیا عداوت تھی ۔ اب تک یہ موقع نہ تھا کہ ان پر بنی ہاشم کے غصب حقوق کا الزام لگایا گیا ہو یا انہوں نے خمس وغیرہ سے محروم کرنے کا فتویٰ دیا ہو۔ دوسرے یہ کہ انہیں کے ساتھ تخصیص کی کیا ضرورت تھی ؟

اگر غلطی ہوتی تو ابن عباسؓ خود تردید کرتے

فطرت نے ابن عباسؓ کو اسی سن پر تمام نہیں کر دیا بلکہ وہ اس پُر تاسف اور جوش خیز واقعہ کے دیکھنے کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہے اگر انہیں شبہ ہوتا تو ان کے تقدّس سے بہت ممکن تھا کہ وہ اپنی ایک غلط روایت کی آپ ہی تردید کرتے دوسرے یہ کہ واقعہ کی نوعیت ایسی نہ تھی جو بغیر مشہور ہوئے رہ جاتی ۔ اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس وقت حاضرین کتنی ہی کم تعداد میں کیوں نہ ہوں۔

دیگر اصحاب رسولؐ نے کیوں تردید نہ کی

نیز یہ کہ اگر ایسا ہوتا کہ ابن عباس رضؓ نے غلط روایت کی تھی تو اس وقت اصحاب رسولؐ کو اس کی تردید اور تحقیق کا کافی موقع تھا اور تاریخ اس عنصر سے خالی نہ ہوتی اور اس بحث میں واقعہ پر استعجاب اور نعوذ باللہ کہنے کے عوض میں سب سے پہلے صحابہ کے وہ اقوال درج کئے گئے ہوتے جو ابن عباس کی تردید میں ہوتے لیکن کہیں اس تکذیب کا وجود نہیں پایا گیا۔ ایک لڑکے کا بیان کرنا اور بھی خیال دلاتا ہے کہ اگر مسن لوگ خاموش بھی رہ گئے اور مصالح نے کچھ کہنے نہ دیا تو ایک لڑکے کو اس کے بیقرار مقتضائے سن نے خاموش نہ رہنے دیا۔

بعض کے نزدیک بھی رسولؐ کا منشا تعین خلافت کا تھا

مظاہر الحق سے ناظر کو بعض کا یہ خیال معلوم ہوا کہ کاغذ طلب کرنے سے رسول اللہ کا منشا تعین

خلیفہ کا تھا، حضرت عمر نے جو کچھ کہا اس سے کسی طرح یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ رسول اللہ کو تسکین دینے کے لئے لفظ فرما رہے تھے۔ ورد کے الزام سے رسول اللہ ص کی تردید خواہش کی گئی مگر تسکین دی گئی۔ مؤلف مظاہر الحق نے صرف حسن اعتقاد سے حضرت عمر کا مقصود تسکین سمجھا۔ درانحالیکہ ایسا سمجھنے کے لئے کوئی لفظ اور مرقع نہیں ہے۔ نہیں معلوم حضرت عمر نے یہ کیسے جان لیا کہ حضرت رسول خدا کا حکم "وجوب اور جزم کے لئے نہیں ہے"۔ نہیں معلوم کہ شیعوں کے دعوے میں تناقص کیسے پیدا ہو گیا؛ خم غدیر کے اعلان کے بعد وصیت نامہ اس کی تائید ہوتا نہ کہ تناقص پیدا کرتا؛ کسی بات کو دوبارہ لکھ تاکید ہے نہ کمزوری! آخر میں ابن عباس رض کی حالت جو مظاہر الحق سے لکھی گئی ہے خصوصیت سے ناظر کی توجہ کے قابل ہے۔

خود علیؑ نے کیوں کاغذ قلم مہیا کر دیا

ابھی ایک سوال یہ ہے کہ جب بات ایسی ضروری تھی تو خود حضرت علیؑ نے کیوں نہ کاغذ قلم مہیا کر دیا کہ وہ ہدایت نامہ مرتب ہو جاتا؟ لیکن سوال یہ ہے کہ لکھتا کون؟ علیؑ۔ اب سوال یہ ہے کہ جب اس قدر مخالفتیں صرف لکھنے سے تھیں تو لکھے ہوئے کو کون مانتا اور اس پر یہ اعتراض کیوں نہ کیا جاتا کہ رسولؐ نے نہ لکھا نہ لکھوایا یہ سب خود علیؑ کا لکھا ہوا ہے؛ رسول اللہؐ کو اس کی خبر نہ تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے پاس سے لوگوں کو ہٹوا چکے تھے کون تھا جو گواہ ہوتا، ہوتا بھی تو لکھا پڑھا ہوتا؛ اور وہ آئندہ بھی دربار خلافت کے زر سرخ سے اپنی گواہی کا انکار نہ کر جاتا؛ تمام بنی ہاشم اور ان لوگوں کی گواہی جن کی طبیعتیں ان کی طرف مائل سمجھی گئی ہوں بیکار ہوتیں۔ اس کا اثر اسی وقت زائل ہو گیا۔ جس وقت مخالفت کی گئی۔ نیز یہ واضح نہیں ہے کہ حضرت علیؑ اس وقت کہاں تھے۔ اگر تھے تو ایسے شور و شغب کے وقت انہوں نے بیمار کی حفاظت ضروری سمجھی۔ یا رسولؐ کا حکم دینا مخالفت اور تخلیہ کا حکم۔ یہ سب اس قدر کم وقت میں ہوا کہ وقت نہ ملا۔ یا حضرت علیؑ تیمارداری کی کسی اور فکر میں تھے اور اتفاقاً کچھ دیر کے لئے موجود نہ تھے۔

مخالفت کا دائمی اثر

ایک مناسب وقت پر ایسی پختہ ہدایت کا روک دیا جانا اسلامی نگاہ سے ایسا گناہ تھا جسے کوئی نیکی دھو نہیں سکتی اور نہ صرف اس وقت کے مسلمان محروم کئے گئے بلکہ اس کے بعد ابدالآباد تک جب تک کوئی مسلمان پیدا ہو گا اسے اس واقعہ پر تاسف کا جائز حق ہو گا۔ جس میں رسولؐ کی اس کوشش کو روک کر کہ ایک مرکز قرار دینے سے آئندہ افتراق نہ ہو، افتراق کی ایک مضبوط بنا ڈالی گئی۔ ابن عباس کا رونا اسلام کے ساتھ سچی ہمدردی تھی!

عیادت کا جواب

بیماری میں جب اور زیادتی ہوئی تو لوگوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ زیارت کے لئے آنے کی اجازت دی جائے مگر رسول اللہ ص نے جواب کہلوایا کہ "میری بیماری کی تکلیف کم ہے بہ نسبت تمہاری موجودگی کے" (ابو الفدا)

اس سے ظاہر ہوگا کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمانوں نے کس قدر خوش کیا تھا کہ وہ اس کی اجازت بھی نہیں دیتے کہ دروازوں سے لوگ زیارت کریں۔ کبھی تیمارداری کی درخواست منظور نہیں فرماتے۔ آخر وقت یہ بھی نہیں چاہتے کہ وہ انہیں دیکھنے آئیں کیونکہ ان کی موجودگی کی تکلیف بیماری سے زیادہ تھی۔ ہم مورخین خصوصاً ابوالفدا کی اس عمداً یا سہواً فروگذاشت پر توجہ دلاتے ہیں کہ اس نے ان لوگوں کے نام نہیں لکھے جن کی درخواست پر رسول اللہ نے یہ فرمایا تھا۔ کیا رسول اللہ ان سے بجائے کسی ہمدردی کے یہ امید کرتے تھے کہ یہ دیکھنے آرہے ہیں کہ دنیا سے گزر جانے میں کتنی دیر ہے؟ ہم سفارش کریں گے کہ ہمارے اس آخری فقرہ کو ناظر آئندہ واقعات سے ربط دے گا اگر اسے کوئی مناسبت دکھائی دے۔

اسی زمانے میں ایک مرتبہ گھر میں سے خبر آئی کہ رسول اللہ میں اٹھنے کی قوت نہیں ہے۔ خبر نے یہ بھی کہا تھا کہ ابوبکر امامت مسجد کریں لیکن اس کے بعد ہی رسول اللہ تشریف لائے اس طرح سے کہ علیؑ اور عباس پر تکیہ کئے ہوئے تھے۔ ابوبکر اپنے فعل سے باز رہے اور رسول اللہ نے نماز ختم کی۔

" ابن خلدون نے لکھا ہے اس کے بعد ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم۔۔۔۔۔۔۔۔ ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے کہ آنحضرتؐ درد کے خفیف ہو جانے سے باہر تشریف لائے۔ ابوبکر نے پیچھے ہٹنے کا قصد کیا۔ آپ نے کندھا پکڑ کے دبا دیا ان کو جگہ سے ہٹنے نہ دیا اور خود ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے، تا آنکہ ابوبکر نے نماز ختم کی۔ "

مؤلف تاریخ الاسلام کا قول ہے:۔

" ابوبکر کو امامت مسجد۔۔۔۔۔ لوگ سمجھے کہ۔۔۔۔۔۔ خلیفہ۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ کوئی قیاس نہیں "

صاحب مناقب مرتضوی کہتا ہے کہ امامت مسجد کا حکم رسول اللہ کی طرف سے نہ تھا بلکہ حضرت عائشہ کے ایما سے تھا کیونکہ اگر رسول اللہ کا حکم ہوتا تو خود باہر تشریف نہ لاتے۔

صاحب حیات القلوب نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ نے ابوبکر کو بوجہ علالت رسولؐ خدا لشکر اسامہ کے ساتھ جانے سے روکا اور جب مرض کی زیادتی ہوئی تو ابوبکر کو نماز پڑھانے کے لئے کہلوایا۔ جب یہ مسجد میں گئے تو لوگوں نے کہا کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔ اس پر بلال نے کہا۔ ٹھہرو میں دریافت کرآتا ہوں۔ یہ گئے اور فضل ابن عباس سے ملاقات ہوئی۔ فضل نے پوچھا کہ ابوبکر جیشِ اسامہ کے ساتھ نہیں گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ کو خبر دی گئی اور آنحضرت یہ خبر سن کر مسجد میں تشریف لے گئے۔

قابل توجہ اعثم کوفی بھی متذکرہ صدر خیال کے موافق ہے۔ اس پر مزید روشنی خود سقیفہ بنی ساعدہ میں اس سوال سے پڑے گی۔ ہم بھی مناقب مرتضوی اور اعثم کوفی کے ہم خیال ہیں اور ابن خلدون کی تاریخ میں دیکھنا

چاہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اگر رسول اللہ ص کی طرف سے نماز پڑھانے پر مامور کیے گئے تھے تو انہیں قبل نماز ختم کرنے کے کس چیز نے پیچھے ہٹا دیا؟ کیا انہیں بھی یہ خیال تھا کہ اگر امامت کا حکم رسول ص کی طرف سے ہوتا تو وہ اس شدت مرض میں اس تکلیف سے باہر تشریف لانے کا قصد نہ کرتے۔

کندھے کا لطیفہ

اس فقرہ سے اور دلچسپی بڑھ گئی ہے کہ رسول اللہ نے کندھا پکڑ کے دبا لیا ہے اور بغل میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔ کندھا دبانا اس لئے خلاف عقل ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مشکل سے اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکتے تھے اور سہارے سے اس طرح آئے تھے کہ پائے اقدس لٹک رہے تھے کندھا دبانے والے کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے بالائی حصۂ جسم کا حصۂ زیریں پر زور دے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت ظاہر ہے۔

مزید حسرت

حکم دینے کے بعد رسول اللہ کا تشریف لانا اس کا مقتضی نہ تھا کہ وہ پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کرتے بلکہ اگر ہم ابن خلدون کی جگہ ہوتے تو یہ لکھتے کہ رسول ص آخری وقت میں یہ حسرت پوری کر رہے تھے کہ ایک مرتبہ ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ حالانکہ ان کی نسبت جیش اسامہ کے ساتھ کوچ کرنے کا حکم واپس نہیں لیا گیا تھا

امام اور ماموین نے نیت توڑ ڈالی

طبری میں یہ دیکھنا مفید ہوگا کہ جب حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود علالت مسجد میں تشریف لائے تو لوگوں نے امامت ابوبکر کی نہ صرف نیت توڑ ڈالی بلکہ خود حضرت ابوبکر نے بھی نماز توڑ دی۔ یہ قطعًا منافی ہے اس خیال کے کہ لوگوں یا خود حضرت ابوبکر کو اس کا یقین تھا کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت نماز کا حکم دیا ہے۔

حضرت علیؑ اور رسول اللہ ص کی وصیتیں

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اللہ ص نے اپنی بیماری کی حالت میں حضرت علیؑ سے جو بالیں پر بیٹھے رہتے تھے، پوچھا کہ میری ایک وصیت قبول کرو گے اور اثبات میں جواب پانے پر بلالؓ کو حکم دیا کہ میری تلوار، خود، زرہ، ناقہ اور کپڑے کا وہ ٹکڑا جس کو میں گرسنگی کے وقت شکم پر باندھتا تھا، لے آؤ۔ چیزوں کے آنے پر حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ میرا یہ اسباب خاصہ تیرے متعلق ہے، کسی کو آئندہ اس میں مضائقہ نہ ہوگا۔ حضرت علیؑ اسے مہاجر و انصار کے سامنے لے گئے (مناقب مرتضوی)

حیات القلوب میں اس واقعہ کی پر درد تصویر ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری وقت حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

ایک یہودی کا کچھ روپیہ میرے ذمہ باقی ہے اسے ادا کر دینا۔ میرے بعد تمہیں بہت سے صدمے پہنچیں گے تمہیں چاہیے

کو گھبرا نہ جانا اور صبر اپنا شعار کرنا۔ جب یہ دیکھنا کہ لوگ دنیا کی طرف مشغول ہو گئے تو تم آخرت اختیار کرنا۔" (مدارج النبوت وغیرہ)

حضرت علیؑ اپنے کو رسول اللہؐ کے عوض پیش کرتے ہیں

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری وقت اعلان کیا کہ اگر میں نے کسی کو تکلیف پہنچائی ہو تو مجھ سے انتقام لے۔ عکاشہ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہؐ، مجھے آپؐ کی ایک چھڑی لگ گئی تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آمادہ ہوئے کہ عکاشہ انتقام لے۔ حضرت علیؑ نے اُس سے کہا کہ مجھے چھڑی مار لے (طبری) عکاشہ نے پشت مبارک پر بوسہ دیا اور در گزرا۔

"...... بعد اس کے فرمایا کہ میرے بھائی علی مرتضےٰؑ کو بلاؤ۔ علی مرتضےٰؑ آئے اور حضرتؐ کے بالین پر بیٹھے اور سر مبارک حضرتؐ کا اپنے زانو پر اُس جناب نے رکھا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ فلاں یہودی...... اس سے اسامہ کے لشکر کے سامان کے واسطے قرض لیا تھا ادا کر دینا۔"

(مدارج النبوت)

باب دوم

و رسولِؐ خدا کے بعد

و مصطفےٰؐ را بے کفن بگذاشتند

و سقیفہ بنی ساعدہ اور قضیۂ فدک

باب دوم

رسول اللہؐ کے بعد

مصطفےٰؐ را بے کفن بگذاشتند !

ہادیٔ عالمؐ، عالم قدس کی طرف رحلت فرماگئے۔ رحلت رسولؐ کا ذکر سنتے ہی ہر مسلمان یا ہر شخص عام اس سے کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو یا نہ ہو، خود بخود سمجھے گا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جنازہ ایسے عام اظہارِ اندوہ اور بڑے مجمع سے اٹھا ہوگا۔ جیسا مشکل سے کوئی جنازہ اٹھا ہوگا۔ عام اصول کے موافق بقیہ مسلمین نے بنی ہاشم خصوصًا اہل بیت خصوصًا حضرت فاطمۃ الزہراؑ کو ایسے باپ کا پُرسہ دیا ہوگا اور کوئی ساتھ ہو یا نہ ہو، وہ لوگ جنازہ کے ضرور ساتھ ہوں گے۔ جنہیں اسلام کی تاریخوں نے اسلام کا رکن قرار دیا یا بانیٔ اسلام کا بڑا چاہنے والا کہا ہے دیر نہیں ہے کہ ناظران لوگوں کے نام سن لے جو دفن رسولؐ میں شریک تھے۔ اور دور نہیں ہے کہ پُرسے اور ہمدردی کے وہ الفاظ سن لے جو حضرت فاطمہؑ زہرا کو دیے گئے۔

انتقال اور مدّت دفن

بقول ابن خلدون رسولؐ نے دوشنبہ کو انتقال فرمایا اور نصف شب چہارشنبہ کو دفن ہوئے بقول ابوالفدا چوتھے روز دفن ہوئے۔ بقول ابن خلدون ؎ انتقال رسولؐ کے وقت ابوبکر اپنے عیال کے پاس سنخ میں گئے ہوئے تھے،، بقول ابوالفدا حسب ذیل لوگ دفن رسولؐ میں شریک تھے۔

دفنِ رسولؐ میں شرکا آنحضرتؐ کی پیشین گوئی پوری ہوئی

علیؑ، عباسؓ، فضلؓ ابن عباس۔ قثمؓ ابن عباس اسامہؓ ابن زید، شقرانؓ، ابوطلحہؓ انصاری۔ حضرت علیؑ غسل دے رہے تھے۔ ابوطلحہ قبر کھودتے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی لاش کو حضرت علیؑ اور قثم نے قبر میں آتارا (ابوالفدا) اور بقول روضۃ الصفا حضرت علیؑ آخر شخص تھے جو قبر سے نکلے۔

کفنانے کے وقت حضرت علیؑ نے فرمایا

جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کفنانے لگے تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:۔

"میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپؐ کی وفات سے نبوّت، وحی، آسمان کی خبریں منقطع ہو گئیں۔ آپ مصیبت پہنچانے

کے لئے مخصوص ہوئے جیسے کہ اپنے غیر کی مصیبت سے ہمیں مطمئن کر دیا...... اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے۔ جزع و فزع سے منع نہ فرماتے تو ہم اس مصیبت پر مجرائے اشک کا پانی انتہا کو پہنچا دیتے...... میرے ماں آپ پر فدا ہوں، اپنے پروردگار کے سامنے ہمارا بھی ذکر فرمائیے گا۔ ہمیں اپنے دل میں فراموش نہ کر دیجئے گا" (نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغت)

ان آٹھ آدمیوں کے علاوہ اور لوگ کہاں تھے؟

اب دلچسپ سوال یہ ہے کہ لوگ آخر تھے کہاں؟ اس جگہ طبری کی یہ عبارت ملاحظہ طلب ہے:۔

"ابوبکر دست عمر بگرفت و بیرون آمد۔ علی رضی اللہ عنہ با دیگراں ہمانجا بنشست و تدبیر شستن و کفن و قبر حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم می کردند و بہ تہیہ اسباب آن مشغول بودند۔ پس ابوبکر و عمر و عبیدہ بقبیلہ سقیفہ بنی ساعدہ رفتند کہ مجموع انصار آنجا بودند (تاریخ طبری فارسی ج ۴ ص ۴۳۵)

"ابوبکر نے اہل بیت سے کہا کہ غسل و کفن تمہارے متعلق ہے اور خود ابو عبیدہ کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے" (روضۃ الصفا)

عمر وغیرہ ادھر (سقیفہ بنی ساعدہ گئے) اور علیؑ وغیرہ تجہیز و تکفین پر متعین ہوئے" (ابن خلدون) ابوبکر اور عمر ایک دوسرے کو لے جاتے ہوئے انصار کے پاس پہنچے" (تاریخ الخلفاء)

محرومیت کا صدمہ کھا گیا

جب حضرت ابوبکر وہاں (سقیفہ بنی ساعدہ) سے لوٹے تو سرور عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم دفن ہو چکے تھے اس لئے شرکت جنازہ سے محروم رہے جس کا قلق ان کو تا مدت العمر باقی رہا" (سوانح عمری)

بے خبری میں شوریٰ

واشنگٹن ارونگ لکھتے ہیں:۔

جس وقت فاطمہؑ کے گھر میں یہاں کے واقعات سے بے تعلق تھے ان لوگوں نے شوریٰ کی ترکیب اختیار کی جس سے حضرت علیؑ کے حقوق برباد ہو گئے۔ یہ قریش کے حسد پر مبنی کیا جاتا ہے جو عبدالشمس کی اولاد میں تھے اور جنہیں خوف تھا کہ اگر حضرت علیؑ کے حقوق کا لحاظ کیا گیا تو اختیار خلافت مثل خانہ کعبہ کی مجاوری کے ہمیشہ کے لئے آل ہاشم میں رہ جاوے گا" پھر لکھتا ہے۔

ابوبکر کے حقوق کی کس نے تائید کی

ابوبکر کے حقوق کو ان کی بیٹی عائشہ نے بہت زور دے کر پیش کیا جن کا مسلمانوں میں بہت اثر تھا اور جنہیں اپنے باپ کے لئے ویسا پر جوش غبطہ نہیں ہوا تھا جس قدر حضرت علیؑ کی نفرت کی وجہ سے، کیونکہ انہوں نے عائشہ کی نسبت ایک الزام سننے کی توجہ کی تھی"

جائز لیکن غیر صریح تاسف

مؤلف تاریخ الاسلام اس واقعہ کے متعلق جائز تاسف لیکن کسی قدر غیر صریح الفاظ میں لکھتا ہے :-

" افسوس خاندان نبوت بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہ سکا - ابھی حضرت دفن نہیں ہوئے تھے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت پر بحث شروع ہوگئی "

مولانا شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

مولوی شبلی صاحب کا تعجب

"یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت کر لی جائے ۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہؐ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو عشق و محبت کا دعوائے ہو ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بند و بست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آجائے تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت عمر و ابوبکر) سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں - اس فعل کی ناگواری اور زیادہ نمایاں ہوتی ہے جب یہ دیکھا جائے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا - یعنی حضرت علیؑ و خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور ان کو آنحضرتؐ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی - "

آگے چل کر فرماتے ہیں "ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں یہ سچ ہے کہ حضرت عمر و ابوبکر وغیرہ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفۂ بنی ساعدہ چلے گئے ، یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے بارے میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ ہی نہیں پیش آیا تھا - یہ سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی علیہ السلام سے بھی بزور منوانا چاہا - گو بنی ہاشم نے بآسانی ان کی خلافت تسلیم نہیں کی ، لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں :-

مولوی صاحب کی تنقیحات

کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا ؟ کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفۂ بنی ساعدہ گئے ؟ کیا حضرت علیؑ اور بنو ہاشم ، خلافت کی فکر سے بالکل خالی تھے ؟ ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہئیے تھا ، یا نہیں ؟

اس پُرغم سانحہ کے یہ اسباد تھے جو لکھے گئے اور اس کے متعلق وہ خیالات تھے جو درج کئے گئے

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس واقعہ پر ایک درد سے دیکھنے والے کی طرح نظر ڈالیں۔

نامعلوم الاسم مخبر اور مقام

مولوی شبلی صاحب مسند ابو یعلی کو نہایت مستند قرار دے کر لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر ابوبکر اور عمر کو انصار کی کارروائیوں کی اطلاع دی۔ یہ بھی ابن خلدون سے معلوم ہو چکا ہے کہ رحلت رسولؐ کے وقت ابوبکر بالین رسولؐ پر نہ تھے۔ نہ یہ معلوم کہ کب تشریف لائے۔ نہ یہ معلوم ہے کہ مخبر نے کہاں اطلاع دی نہ یہ معلوم ہے کہ وہ مخبر کون شخص تھا۔ جو کرایہ دے کر شحنہ بٹھایا گیا ہو کہ اگر انصار کسی قسم کی کوشش کریں تو ہمیں اطلاع دینا۔ یقیناً یہ مخبر کسی دوسرے کا نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ اس نے کسی اور کو بھی اطلاع دی ہو۔ ابوبکر ہوں یا عمر یا ابوعبیدہ جراح، یقیناً رسولؐ کے پاس بھی نہ تھے کیونکہ اگر رسولؐ کا یہ حکم کہ "میری بیماری کی تکلیف کم ہے بہ نسبت تمہاری موجودگی کے"، اگر ان لوگوں سے کوئی خصوصیت نہ بھی رکھتا ہو تاہم بجز تیمارداروں کے کوئی دوسرا شخص اس کے بعد آخری گھڑیوں میں نہیں ہو سکتا تھا

کم قرینہ ہے کہ مخبر تجہیز و تکفین کرنے والوں کے پاس پہنچا ہو

اس سے غرض یہ ہے کہ ابو یعلی کا آدمی بہت کم قرینہ ہے کہ اس جگہ تک بھی پہنچا ہو جہاں چند آدمی رسولؐ کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے یا فکر کر رہے تھے۔ تاریخوں خصوصاً تاریخ الخلفاء نے جہاں یہ تذکرہ کیا ہے کہ یہ خبر سن کر" ابوبکر اور عمر ایک دوسرے کو لے جاتے ہوئے انصار کے پاس پہنچے"، یہ تذکرہ چھوڑ نہ دیا ہوتا۔ اگر کچھ اور لوگ اس ہیئت سے روانہ ہوئے ہوتے۔ جس طرح یہ لوگ تین کوس کی مسافت طے کرتے ہوئے گئے تھے اور نہ کہیں یہ تذکرہ ہے کہ مخبر کی زبانی یہ معلوم ہوتی ہے کہ انصار اس کوشش میں ہیں۔ ابوبکر، عمر یا ابوعبیدہ جراح نے اہل مدینہ کو کوئی اس کی اطلاع دی کہ تم سب لوگ مجموعی حیثیت سے چل کر انصار کی اس فکر کو باطل کردو۔ اس سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ ہرگز وہ شخص کسی دوسرے کا مخبر نہ تھا۔ تاریخوں نے نہ کسی ایسے مشہور یا غیر مشہور شخص کا تذکرہ کیا ہے جو ان کے ساتھ گیا ہو اور نہ کسی ایسے شخص کا تذکرہ کیا ہے جو کچھ دیر بعد اس خبر کی تصدیق اور کارروائیوں کے دیکھنے کے لئے روانہ ہوا ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ یا ان لوگوں کو جو تجہیز و تکفین رسولؐ میں شریک تھے، مطلق ان کل کارروائیوں کی خبر ہی نہ تھی۔

سپردگی کا لطیفہ

روضۃ الصفا، طبری یا ابن خلدون کا یہ کہنا کہ ابوبکر وغیرہ دفن رسولؐ اہل بیت کے سپرد کر کے سقیفہ بنی ساعدہ گئے۔ متذکرہ صدر و نیز آئندہ واقعات سے کس قدر ہنسنے کے قابل ہے جسے خود ان لوگوں نے لکھا ہے۔ اس وقت جو آسان سمجھ کر دیا گیا۔ اُس پر انہیں یہ بھی خیال نہ ہوا کہ وہ آئندہ اس کی آپ ہی تردید کریں گے۔ ابن خلدون نہیں معلوم، "متعین ہوئے"، سے کیا چاہتا ہے اگر اس کا منشا ہے کہ رسولؐ نے وصیت کی تھی؟ تاہم علیؑ کے اس تعین سے حضرت ابوبکر کی طئی مسافت کا جواز نہیں ہوتا۔ اگر اس کا یہ منشا ہے کہ چلتے چلاتے حضرت

ابوبکر فرماتے گئے اور علی علیہ السلام نے ان کے حکم تعین کو منظور کر لیا تھا۔ تو انہیں اپنی خلافت تلاش کرنے کے لئے اتنی دور جانے کی زحمت گوارا فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ایک ایسا زبردست امیدوار خلافت حکم پا رہا تھا اور حضرت ابوبکر حکم دے رہے تھے۔ صرف اس قدر اور لکھ دینے کی ضرورت تھی کہ حضرت علیؑ نے شکریہ بھی ادا کیا اور سب لوگوں نے یہیں انہیں خلیفہ قبول کر لیا تھا۔ پھر ان ناقابل جواب سختیوں کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی جو حضرت علیؑ سے بیعت کے لئے کی گئیں یا تاریخ الخلفا کو یہ لکھنا چاہیئے تھا کہ "علیؑ نے کہا ہم لوگ اس بات پر خفا ہیں کہ ہماری رائے نہیں لی گئی" یا ابن خلدون ان شکایتوں کا تذکرہ ہی نہ کرتا جو حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر سے کیں۔ اگر سقیفہ اور دفن دونوں آدمیوں نے آپس کے سمجھوتہ سے اپنے ذمہ کر لیا تھا

راز ایک دوسرا راز یہ ہے کہ تین کوس آنے اور تین کوس جانے میں لامحالہ کم سے کم تین گھنٹے صرف ہوئے ہوں گے۔ یہ لوگ کسی سواری پر نہ گئے تھے۔ دو کوس فی گھنٹہ جوان آدمی مشکل سے چل سکتا ہے نہ کہ پچاس اور اس سے زیادہ عمر کا آدمی۔ اگر سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہو چکے ہوتے تو سعد بن عبادہ کا اتنی دیر میں امیر بنا لینا مشکل نہ تھا۔ کیونکہ یہ پیشتر ہی سے رئیس قوم تھے اور انصار نہ صرف اس وجہ سے بلکہ اس خیال سے بھی کہ یہ رسول اللہؐ کے نزدیک ممتاز تھے، آپؑ عزت کرتے تھے، ایسے مقام اور ایسے وقت میں جہاں کوئی مخالف نہ تھا۔ اتنی دیر میں خلافت اور ریاست کا اعلان کر دینا مشکل نہ تھا۔ اصل واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہی انصار کو رحلت رسول کی خبر معلوم ہوئی ان میں سے کسی یا کئی نے خلافت کا عام سوال پیش کیا ہوگا اور رائے یہ ہوئی ہوگی کہ سب لوگ اس معاملہ کو ایک جگہ جمع ہو کر سمجھیں۔ مخبر یہ حالت دیکھتے ہی سر پر پیر رکھ کر بھاگا ہوگا اور یہ تین اور غالباً صرف تین مہاجر اس وقت پہنچے ہوں گے۔ جس وقت انصار نے جمع ہو کر گفتگو شروع کی ہوگی اس سے بھی یہ امر واضح ہوتا ہے کہ پیشتر سے مشتبہ ہونے یا اس خیال سے کہ انصار نے مقصد اسلام کو جو مدد دی ہے اس سے کہیں، دعوائے خلافت نہ کر بیٹھیں۔ ان کی خبر لیتے رہنے کے لئے ایک مخصوص آدمی مقرر کیا گیا تھا۔

یہ اس مقدس مجمع میں جانے کا مقدمہ تھا جس نے اسلام کی آئندہ قسمت کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اب ہم خاص مجمع کی معرکہ آرائیوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ لیکن اس کے پہلے کچھ اور کہنا ہے اور حالت کے سمجھانے کے لئے ایک قول مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت سے پیش کرنا مفید ہوگا

"انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ کہا کوئی روز بہتر اور نورانی اس روز سے زیادہ نہ تھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور بدتر اور ظلمانی تر اس روز سے زیادہ کوئی نہیں جس روز اس عالم سے در پردہ ہوئے اور ہنوز رسول خدا کے دفن سے ہم فارغ نہیں ہوئے تھے کہ دل ہمارے پھر گئے اور پردہ ہمارے اوپر پڑا ایسا کہ انکار کیا ہم نے اپنے دلوں کے تئیں"۔ روضۃ الصفا میں بھی یہی روایت ہے۔

مخبر کا نام

صاحب روضۃ الصفا نے "مخبر ایک مشہور شخص کو بتایا ہے جو مدبّر مشہور تھا۔ اس کا نام مغیرہ ابن شعبہ تھا۔ مغیرہ نے انصار کے ارادہ کی خبر عمر کو دی۔ عمر نے ابوبکر سے کہا اور اس کے بعد "ہر دو باتفاق آنسرور آفاق را تنہا گذاشتہ روبجانب سقیفہ بنی ساعدہ آوردند و ابوعبیدہ جراح در عقب ایشاں رواں شد"

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے۔ جس پر روضۃ الصفا اور اعثم کوفی متفق ہیں کہ رحلت رسولؐ کے بعد ہر محلہ میں لوگ جمع ہوئے اور باتیں کرتے تھے ان پر منافقین اور غیر مسلمین کی بغاوت سے انتشار پیدا ہوتا تھا۔ ایک جگہ جہاں ابوالہیثم ابن تیہان ابوبکر اور دیگر مہاجر و انصار جمع تھے، یہ طے پایا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مشورہ کر کے خلافت رسولؐ طے کی جائے۔ اسے ان لوگوں نے منظور کیا اور دوسرے روز وہاں جمع ہوئے۔ اس جگہ کے متعلق تاریخ الاسلام میں سیّد امیر علی صاحب فرماتے ہیں :۔ "اپنے آقا و مولا کی وفات سے متیقن ہو کر مسلمانوں نے عام ماتم برپا کر دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ جمہور کا خلیفہ کون ہو۔ آنجنابؐ نے اکثر دفعہ حضرت علیؑ کو خلیفہ کرنے کا اشارہ کیا تھا مگر کوئی ضابطہ مقرر نہیں فرمایا تھا۔ اس بات سے ذاتی طمع اسلام پر غالب آگئی اور بعد کے زمانہ میں اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں اور مذہب میں رخنہ پڑ گیا۔ اس وقت حضرت علیؑ خلیفہ بنا دیئے جاتے تو مسلمانوں میں تباہی بخش خوں ریزیاں ظہور میں نہ آتیں" اس کے بعد مترجم تاریخ الاسلام بریکٹ میں لکھتا ہے۔ "مسٹر جسٹس امیر علی کے اس فقرہ سے سنت والجماعت کو رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے انھوں نے ذاتی خیال ظاہر کیا ہے اور ساتھ ہی اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ وہ اثنا عشریہ ہیں" یہ باتیں مظہر ہیں کہ کہاں تک آپس کے مفاد سے اہل بیت نے تجہیز و تکفین اپنے ذمہ لی تھی یا بقول ابن خلدون متعلین ہوئے تھے اور یہ لوگ ان کے پاس سے سقیفہ بنی ساعدہ گئے تھے بلکہ اصل واقعہ معلوم ہوتا ہے کہ مدبّر مغیرہ ابن شعبہ نے جس کے تذکرے آنے والے ہیں ان لوگوں کو سمجھا کر روانہ کیا اور اگرچہ یہ نہیں معلوم کہ کیا خاص بات بتائی تھی یا کچھ بھی بتائی تھی۔ لیکن ہم تھوڑی دیر میں ایک خاص امر پر توجہ دلائیں گے کہ آیا اس سے ابن شعبہ کی عقل ٹپکتی ہے یا نہیں ؟ یہ واقعہ کہ پیشتر سے مہاجر و انصار میں ایک جگہ تصفیہ کرنا قرار پایا تھا۔ نہ صرف سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات کے خلاف بلکہ بادی النظر میں بھی بناوٹ سے خالی نہیں ہے۔ جس کی گزشتہ آثار تردید کر رہے ہیں۔ یعنی نہ جسے مخبر کی خبر سے کوئی ربط ہے نہ حضرات شیخین کے بہ تعجیل روانہ ہونے سے اور نہ ان مباحث کی شان سے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئے

اوس و خزرج کا مجمع

اب ہم اس مجمع کی خاص باتوں پر توجہ دلاتے ہیں جو خصوصاً اوس و خزرج سے مرکب تھا۔ سب سے پہلے خزیمہ بن ثابت جنھیں ذو الشہادتین کہتے ہیں، کھڑے ہوئے

اور انصار کی خدمات کا اظہار کر کے اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر انصار نے یک بارگی سعد ابن عبادہ کی امارت پر رضامندی ظاہر کی۔ اُسید ابن حضیر نے قریش کی وکالت کی۔ لیکن انصار نے ناپسند کیا۔ اس پر بشیر ابن سعد نے جو قبیلۂ اَوس سے تھا، نہایت پُر معنی بات کی۔ "کہ امروز خلافت بہ قریش مسلم داریدکہ بہ افتاد شما باشد واگر برخلاف ایں بود شکل شما باشد" (اعثم کوفی) باتیں یہاں تک پہنچی تھیں کہ عویم ابن ساعد جن کی شان میں آیہ "فیہ رجال یحبون ان یتطھروا" کا نازل ہونا کہا گیا ہے، کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:۔

خلافت کو خاندان رسالت میں رکھنے کی خواہش

سب سے پہلی قوم جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تلوار اٹھائی تم تھے اور سب سے پہلے جو ان کے دوست اور اقربا کے ساتھ خلاف کرے گا وہ تم ہو گے۔ خلافت کو خاندان نبوت میں چھوڑ دو اور اس نفاق سے ہاتھ اٹھاؤ" ابوبکر وغیرہ پہنچ گئے۔

حضرت ابوبکر کی خواہش اپنے دو ہمراہیوں کے لئے

حضرت ابوبکر نے جواب میں ان کے فضائل اور خدمات کا اقرار کیا۔ لیکن اس کے بعد مہاجرین کی تعریف شروع کی۔ اس کے بعد کہا کہ عرب بجز قریش کے کسی کی امارت پر راضی نہ ہوں گے اور پھر کہا کہ ہم تمہارے لئے ان دو بزرگوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرتے ہیں۔ تم خواہ عمر ابن خطاب یا ابوعبیدہ جراح سے بیعت کر لو۔

امامت نماز کا قضیہ

ثابت ابن قیس کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ "تمہیں نہ چاہیئے کہ صدیق کو گناہ سے نسبت دو" اور جب لوگوں نے پوچھا کہ کیسے؟ تو جواب دیا "جب تم کہتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم پر نماز میں مقدّم کیا، جب کہ وہ زندہ تھے اور اس کی دلیل قرار دیتے ہو کہ انہیں اپنا خلیفہ کیا اگر ایسا ہے تو ابوبکر نے گناہ کیا۔ اس وجہ سے کہ باوجود اس کے کہ نبی نے انہیں ایک کام پر مقرر کیا تھا مگر وہ اس سے بچ رہے تھے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ یا تم معصیت میں گرفتار ہو رہے ہو کہ اس چیز کی گواہی دیتے ہو جسے انہوں نے نہیں کیا۔"

ثابت کی دلیل قبول کی گئی اور حضرت ابوبکر نے کوئی اعتراض نہ کیا

یہ سُن کر "مہاجرین نے ثابت کی دلیل کو قبول کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی علالت کی وجہ سے نیابت کا حکم دیا تھا وہ صرف نماز کی امامت تھی کیونکہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور صدیق کو معلوم ہوا تو وہ صف اوّل میں چلے آئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے جا کر امامت کی وہ نماز رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی نہ صدیق کی" ———— حباب نے جو قبیلہ خزرج سے تھا کہا:۔

"اگر مہاجر تمہاری امارت پر راضی نہیں ہوتے تو تم اپنا امیر بنالو وہ اپنا امیر بنالیں"

حضرت ابوبکر کو خوف ہے کہ عرب خاندان رسالت میں سے کسی کو چاہیں گے

ابوبکر نے کہا:۔ "اے حباب تم نے بات ٹھیک نہیں کہی، عرب تمہاری امارت پر راضی نہ ہوں گے اور جب تم نہ ہرگے تو خاندان نبوت میں سے کسی کو چاہیں گے۔ یہ اختلاف جو تم امت میں پیدا کر رہے ہو، دین اور دنیا کے خلل کا باعث ہوگا"۔ (اعثم کوفی)

حضرت ابوبکر امارات اور وزارت کا سمجھوتہ پیش کرتے ہیں

بقول روضۃ الصفا حضرت ابوبکر نے انصار سے کہا:۔ "وظیفہ آنکہ امارت بنام ما باشد و وزارت بنام شما بے مشورت شمائیچ مہمی تمشیت نہ پذیرد"

افضلیت پر علیؑ کو پیش کرتے ہیں ان کی ناموجودگی میں حضرت عمر نے جلدی سے بیعت کرلی

جب مہاجرین نے بمقابلہ انصار افضلیت کا ذکر کیا تو بقول طبری انصار نے کہا:۔

"تو پھر علی علیہ السلام سے بیعت کرلو کہ وہ پسر عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔"

"عمر ڈرے کہ اختلاف ہوگا ابوبکر سے کہا ہاتھ بڑھاؤ کہ تم سے بیعت کریں"۔ (طبری)

"وآں روز خواص بیعت کردند"۔ (روضۃ الصفا) مہاجران وقبیلہ اوس بر نجستے تمام باصدیق بیعت کردند وخزرج را حجالتے تمام روئے داد"۔ (روضۃ الصفا) پہلے پانچ آدمیوں نے بیعت کی"۔ (الفاروق) بشیر ابن سعد جو قبیلہ اوس میں سے تھا۔ حضرت ابوبکر کی بیعت پر سبقت کرنے والا تھا۔ حباب نے جو خزرج سے تھا، کہنے لگا:۔

قبیلہ خزرج اوس کے حسد کا تذکرہ زبان پر لاتا ہے

"اے بشیر تجھے کیا ہوا کہ تو نے اپنے پسر عم، سعد ابن عبادہ سے حسد کیا"۔

"میں نے حسد نہیں کیا لیکن یہ نہ چاہا کہ مسلمانوں کا حق ان سے نکال لوں"۔ (اعثم کوفی)

اس مجمع کے حالات آپ کو بتائیں گے کہ ہرگز کوئی کسی کا منتظر نہ تھا۔ گفتگو چھڑی ہوئی تھی۔ نہ انصار سے کہا گیا کہ تم نے باوجود معاہدہ کے تقدیم کی نہ انصار نے اس کے جواب میں کہا کہ تم نے خواہ مخواہ دیر کی۔ مگر اصل معاملہ اب تک یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مغیرہ ابن شعبہ نے کسی طرح کوئی خبر یا کران کو روانہ کیا۔ اسی طرح یہ بھی قطعاً غلط ہے کہ جس وقت مہاجر وانصار سقیفہ بنی ساعدہ میں گفتگو کر رہے تھے، بنی ہاشم تصفیہ خلافت کے لئے حضرت فاطمہؑ کے گھر میں

جمع ہوئے تھے، مغالطہ بہت معمولی ہے۔ جب دیکھا گیا کہ اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں ہے کہ کیوں سیّد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاش چھوڑ کر تصفیہ خلافت میں مشغول ہوئے تو تجہیز و تکفین یا معمولی پرسے کے لئے جمع ہونے کو جس کا بنی ہاشم کو رسم دنیا کے موافق سب سے پہلا حق تھا کہ وہ حضرت فاطمہؑ اور علی علیہ السلام کے پاس جاتے، اپنی خلافت کی فکر کے لئے جمع ہونا بتایا۔

مولوی شبلی صاحب اسے اس طرح یاد فرماتے ہیں کہ جس طرح حضرت عمر وغیرہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر سقیفہ چلے گئے۔ حضرت علی علیہ السلام بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع تھا۔ سقیفہ میں حضرت علی علیہ السلام کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم والم میں مصروف اور ان کو اس پُردرد موقع پر خلافت کا خیال نہ آسکا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجر و انصار جمع تھے اور ان دونوں گروہوں میں سے کوئی حضرت علی علیہ السلام کے دعوے کی تائید نہ کرتا۔ کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکر پیشوا التسلیم کرتے تھے،، ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ حضرت علی حضرت فاطمہ کے گھر تشریف نہ لے گئے ہوں گے۔ کیونکہ مورخین اس کے مقر ہیں کہ سیّد عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افسوس کرنے والا حضرت فاطمہؑ سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ اس کا کوئی مستحق نہ تھا کہ وہ زکیّہ طاہرہ کو تسکین دیتے اور حضرت علی علیہ السلام اگر حضرت فاطمہؑ کے گھر تشریف نہ لے جاتے تو پھر کیا تسخیٔ جاتے۔

بیشک بنو ہاشم کا مجمع بھی ہوگا کیونکہ انہیں بہ نسبت مہاجر و انصار کے نہ صرف دین بلکہ پاس قرابت سے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیادہ خیال تھا کہ وہ موجود رہتے اور حضرت فاطمہؑ کو پرسہ دیتے مارہ گیا یہ خیال بھی تھا! کسی چیز کا خیال کرنا جب تک وہ عمل کی شکل میں نہیں ہے کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگر انہیں اس کا خیال نہ ہوتا کہ ہم احق ترین ہیں۔ خلافت کے لئے تو ایک دوسرا الزام یہ لگایا جاتا کہ اگر حضرت علی علیہ السلام اپنے کو مستحق خلافت سمجھتے تھے تو انہوں نے اس کا خیال کیوں نہ کیا اور ظاہر کیوں نہ کیا۔

خیال کی مماثلت سمجھا یا جانا اپنے کو تسکین دینا ہے

لفظ ،، خیال ،، پر اس جگہ خاص زور دیا گیا ہے یہ اس گروہ کے خیال کو جو سقیفہ بنی ساعدہ میں تھا اور اس خیال کو جو حضرت علی علیہ السلام میں تھا، مماثل کرنے کی کوشش ہے، جسے ہم غلطی کہیں یا نہیں لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ اپنے کو اس مماثلت سے نامناسب تسکین دی جاتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا خیال بنی ہاشم کے اس مجمع میں جو ولیسا ہی مجمع کہا گیا ہے، جیسا بنی ساعدہ میں تھا کہیں ظاہر نہیں ہوا۔ جس سے یہ سمجھا جائے کہ وہ کسی طرح بحیثیت خلیفہ منبر پر

چڑھ جانے کی جلدی میں ہیں یا کوئی سدھا ہوا آدمی ساتھ ہے کہ وہ ذرا سے مخدوش موقع پر جلدی سے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا کر اور لوگوں کی بھی بیعت کی راہ بتائے، نہ علی علیہ السلام کے گھر بنی ہاشم کے مجمع سے یا حضرت علیؑ کے حضرت فاطمہؑ کے گھر جانے سے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن وکفن میں کوئی کمی واقع ہوئی۔ ورنہ قابل مؤلف الفاروق ہی پہلا وہ شخص ہوتا جو یہ لکھتا کہ "یہ بھی سچ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام بنو ہاشم کے مجمع میں پہنچ کر اس طرح اپنی خلافت کی کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ ہی نہیں پیش آیا تھا۔"

فطری حق کا فرق

خیال کی دوسری مماثلت کا نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ اگر بفرض محال حضرت علی علیہ السلام بنو ہاشم کے مجمع میں جو تصفیہ خلافت کے لئے جمع ہوا ہو۔ اپنی خلافت کے قبول کئے جانے کی جلدی بھی کر رہے تھے تو انہیں فطری حق تھا، ان کی خدمتیں کہتی تھیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متواتر اعلان ان سے کہتا تھا کہ تم ادعائے خلافت کرو۔ درانحالیکہ جس طرح ہم علی علیہ السلام کے مخالفین حقوق کی تاریخوں سے یہ سب باتیں علی علیہ السلام کے لئے ثابت کرتے ہیں اگر انہیں شیخین کے لئے یہ سب ہماری تاریخوں سے ثابت کرنا پڑے تو ان کے پاس ان کے لئے بجز حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کے جو مؤید بہ سورۂ تحریم ہوں گی اور کوئی تائید نہ ہوگی، نہ کہیں کوئی سفارش ملے گی۔

سب سے زیادہ زور حضرت علی علیہ السلام کے نہ جانے کا یہ دیا گیا ہے کہ مہاجر اور انصار کوئی ان کے دعوے کی تائید نہ کرتا اور پھر ایک زبردست "کیونکہ" ہے کہ "مہاجرین حضرت ابوبکر کو پیشوا تسلیم کرتے تھے"، جو اسناد ہم دے چکے اس سے یہ دعویٰ غلط ہو گیا کہ انصار تائید نہ کرتے۔ رہ گئے مہاجر۔ مؤلف الفاروق نے نہایت احسان کیا ہوتا۔ اگر وہ مہاجرین کی ایک فہرست دیتا جو سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود تھے۔ باستثناء عمر و ابو عبیدہ جراح کے جو خاص مقصد برآری کے لئے ساتھ رکھے گئے تھے اور غضب کا دعویٰ تو یہ ہے کہ نہ صرف بنی ساعدہ میں پیشوا تسلیم کر لیا تھا بلکہ کرتے تھے، کہتا ہے کہ ابتدائے ہجرت سے یہی حال تھا

حضرت ابوبکر کی پیشوائی کے لئے پس بینی

ہم اس سوال کے لئے مجبور ہیں کہ پس بینی سے کام لیں اور دیکھیں کہ اسلام کی کیا خدمتیں کی تھیں۔ جس سے مہاجرین انہیں پیشوا تسلیم کرتے تھے کیا اس وجہ سے کہ غار میں ان سے کمال اطمینان قلب ظاہر ہوا تھا۔ جس سے رسولؐ معرض ہلاکت میں گرفتار ہونے سے مطمئن ہو گئے؟ کیا سراقہ پر حملہ کر کے اس کو زمین پر دے مارا تھا؟ کیا احد کے ثبات نے مسلمانوں کی نگاہ میں کوئی وقعت قائم کی تھی؟ کیا خندق میں کوئی شان کا موقع تھا؟ کیا بدر اور خیبر میں کوئی کارنمایاں کیا تھا؟ کیا حنین اور وادی الرمل میں نام ہوا تھا؟ کیا سورہ براۃ پڑھنے کے قابل ٹھہرے تھے؟ کیا اسامہ کے لشکر کو ان سے کوئی مدد ملی تھی؟ ان سوالات پر نظر ڈال کر سمجھنا کہ اس وجہ سے مسلمانوں نے انہیں

شروع سے اپنا سردار سمجھا ہوگا مشکل ہے تاوقتیکہ یہ نہ سوچا جائے کہ صرف مشہور قرابت کسی کی اُن تمام خدمات پر بالاتر ہے۔ اگر ظاہر ہوئی ہوں۔ شاید ہمیں ان کے قبل اسلام کی ریاست اور امارت پر نظر ڈالنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر ایسا تھا کہ مہاجر انہیں سردار سمجھے تھے تو یہ روایت پیش کیوں نہ کی گئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد کل مہاجرین نے حضرت ابوبکر کے پاس وفد بھیجا کہ آپ آیئے ہم بیعت کے لئے تیار ہیں۔ اتنے بڑے دعووں کی کیا ضرورت تھی۔

حضرت علیؑ کی پیشوائی کے لئے پس بینی

اس کے عکس میں اس سوال پر نظر ڈالنی ہوگی کہ آیا مہاجرین حضرت علی علیہ السلام کو پیشوا تسلیم کرتے تھے؟ مجھے کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مسلمانوں کے جسم کی جو بی اس آسان فتح سے بنی تھی جو علی علیہ السّلام کی بے خوف اور مخلصانہ شجاعت سے حاصل ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ نہ تھا کہ وہ افسر فوج مقرر ہو کر مہاجرین والانصار کو میدان میں لے گئے ہوں۔ مؤلف الفاروق کے لئے شاید یہ خوشی کا موقع نہ ہو کہ اس زمانہ کے سوانح نویس مولوی عبید اللہ امرتسری نے کیوں "سوانح عمری" میں شرف النبوۃ میں ابی سعد کی سند سے علیؑ کو شیخ المہاجرین والانصار کہا۔

قابل توجہ حالت

ہم نے اب تک جو کہا وہ اس مفہوم میں تھا کہ انسان کس کو اور کیوں سردار بنا سکتا ہے۔ مثلاً کوئی مُوحّد کہے کہ جس کی پرستش کی جانی چاہیے وہ ان ان صفات کا ہو لیکن اس کا ایسا سمجھنا اس کی نفی نہیں کر سکتی کہ بُت بھی خدا سمجھے جاتے ہیں۔ ایک قابل پرستش خدا کا معیار بُت پرستی کا سدباب کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ کس طرح اور کن صفات کا انسان قابل سرداری ہے لیکن ایسا کہا جانا کسی کو روک نہیں سکتا کہ وہ کسی ایسے شخص کی پیروی نہ کرے۔ جس میں سرداری کے صفات مطلق نہ پائے جاتے ہوں۔

اتار چڑھاؤ

بہرحال اب عویم ابن ساعدہ کی تقریر کے بعد حضرت ابوبکر کی تقریر توجہ کے قابل ہے اور اس میں خصوصیت کے ساتھ نیچے اترنا مستحق تعریف ہے۔ جس میں حفظ ترتیب کا پورا خیال کیا گیا ہے مہاجرین کی تعریف ہوئی ہے۔ انصار کے بعد جس میں کامل اہتمام کیا گیا ہے کہ انہیں کسی طرح کی شکایت کا موقع نہ ہو اور اس کے بعد مہاجرین میں قریش چنے گئے ہیں اور قریش میں وہ دو شخص جنہوں نے مدینہ سے یہاں تک مفید وقت صرف اور راستہ ساتھ ساتھ طے کیا ہے۔ لیکن یہ دلیل چونکہ امامت مسجد کا حکم ہوا تھا اس لئے وہ خلیفہ قبول کئے جائیں، کاٹ دی گئی حالانکہ یہ خود مشتبہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حکم دیا ہوگا جس نے رفاقتِ اسامہ میں حکم رسولؐ کی تعمیل نہیں کی اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی بات جس میں حضرت ابوبکر کے لئے اس دلیل سے تحریک کی گئی تھی تاریخ میں نہیں لائی گئی ہے۔ مہاجر اب قریب قریب مصلح ہو گئے تھے اور خود حباب بن منذر جو ایک مضبوط اور رشدائے

قوم آدمی معلوم ہوتا ہے، سمجھ گیا تھا کہ لوگ انصار کو خلافت رسولؐ سے دور رکھنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب کوئی بات انصار کے سمجھانے کے واسطے لائی جانی چاہیئے تھی۔ جس سے ایک صلح پسندانہ تصفیہ ہو جاتا۔ اس لئے ان سے کہا گیا کہ دیکھو ہمیں امیر بنالو اور تم وزیر ہو جاؤ۔ اور اس کے بعد دھمکی تھی کہ اسے منظور نہ کرو گے تو لوگ خاندان نبوت میں سے کسی کو چاہیں گے، جس سے ہمارے اور تمہارے مقاصد دل کے دل ہی میں رہ جاویں گے۔ حضرت ابوبکر کی امارت اور وزارت کا قصہ بشیر ابن سعد کی تقریر سے پیدا ہوا تھا کہ " امروز خلافت بہ قریش مسلم دارید کہ باختیار شما باشد و اگر برخلاف این بود مثل شما باشد" یہ فقرہ نہایت پر معنی تھا کہ قریش کو آج خلافت دے کر ان پر احسان رکھو کہ وہ تمہارے زیر اثر رہیں اور وہ کسی موقع پر بلا اعتراض تمہارے حوالے کر دیں اور اگر وہ تمہارے حوالہ نہ بھی کریں تو تمہارا معاملہ ان سے برا ہو گا۔

اوس و خزرج کا پرانا اختلاف زندہ کرنا مفید تھا

ہم نہیں جانتے کہ یہ خود اس کا آزادانہ فقرہ تھا یا اس پر ایسا کہنے کا اثر ڈالا گیا تھا کہ آئندہ امارت اور وزارت کا سوال پیدا کیا جا سکے گا۔ بشیر ابن سعد قبیلہ اوس کا آدمی اور دوسری طرف حباب قبیلہ خزرج کا آدمی تھا۔ اوس اور خزرج کا حسد اور جنگ آزمائیاں مشہور ہیں۔ جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی تعلیم نے سکون پیدا کر دیا تھا۔ مدبرین کے لئے آسان تھا کہ ایسے مفید عنصر کو اپنے موافق کر لیتے۔ جیسا ہوا اور تاریخوں نے یہ لکھا کہ "قبیلہ اوس بر بنتے تمام باصدیق بیعت کردند و خزرج را خجالتے تمام روئے داد"۔ یہ بھی اس طرح کہ پہلے دن خواص نے بیعت کی۔ جن کے نام حضرت عمر، ابو عبیدہ جراح، اسید ابن حضیر اور بشیر ابن سعد ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اتنے آدمیوں کی بیعت خلیفہ کے لئے مفید نہ تھی اور اس کے بعد بشیر ابن سعد پر جس طرح آئندہ عنایتوں کی بوچھاڑ کا وعدہ کیا گیا ہو گا کہ تم قبیلہ اوس کو ہماری بیعت کے لئے آمادہ کرو، زیادہ سوچنے کی بات ٹھہری۔ دوسرے دن خزرج سے انتقام لینے کے لئے نیز اس امید سے کہ وزارت امارت سے زیادہ بری نہیں ہے۔ قبیلہ اوس نے موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا ہو گا۔ اگرچہ وہ حباب کی دانست میں حسد ہی کیوں نہ ہو۔ میرے نزدیک اس مصلحت کے پیچھے مغیرہ ابن شعبہ تھا۔ جسے اور نازک مواقع پر بھی خلفاء نے مدد کے لئے بلایا ہے۔ جسے ہم ذکر کریں گے۔

حوصلے کا ترک کرنا وصی رسولؐ کو اوجھل نہ رکھتا

بیشک خاندان نبوت ویسا ہی مخدوش تھا جس ہیبت سے حضرت ابوبکر نے نام لیا۔ حضرت ابوبکر یا انصار امارت کے عام حوصلے سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اگر یہ حوصلہ نہ ہوتا تو یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ کسے خلیفہ رسولؐ سمجھنا چاہیئے یا کس کا خلیفہ ہونا موید بہ اقوال اور عمل رسولؐ ہے اور اس کا سمجھ لینا جہاں انصار کو حوصلہ خلافت سے معذور رکھتا۔ وہاں کسی دوسرے

کے دعوے کو بھی کاٹنے کے لئے مستعد کر دیتا اور اس سے حضرت ابوبکر یا ان کے رفقاء ویسے ہی مایوس ہو جاتے، جیسے انصار اپنے کو معذور سمجھتے۔

انصار کا مہاجرین کو الزامی جواب

موقع دور نہ تھا معلوم ہوتا ہے کہ عامہ مہاجرین کا دعوائے افضلیت کسی قدر قوی الاثر تھا۔ انصار بھی اس کے جواب کے لئے تیار تھے ان کا یہ کہنا کہ پھر علی علیہ السلام سے بیعت کر لو، ایک الزامی جواب تھا کہ اگر تم بوجہ مہاجر ہونے کے انصار پر افضلیت کا دعوٰے کرتے ہو تو علیؑ مہاجر اور قریش کے اعلیٰ ترین قبیلہ ہاشم اور پسر عم رسولؐ ہیں، ان سے بیعت نہ کی جائے۔ موقع نہایت مخدوش تھا۔ خاندان نبوّت کا نام لینا اس قدر مخدوش تھا، جس قدر علی علیہ السلام کا نام لے دینا اور اس زبردست دلیل سے جس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اب جواب میں صفائی یا عدم صفائی سے مستثنیٰ ہونے کی حد پر پہنچ گئے تھے۔ کیونکہ جائز بحث اور منصفانہ فیصلہ سے خوشگوار امیدیں ختم ہوتی جاتی تھیں۔ حضرت عمر کے ہاتھ نے بڑھ کر مشکل کشائی کی اور سچ پوچھو تو ان سے زیادہ کسی کو ہاتھ بڑھانے کا حق بھی نہ تھا صیغہ اخوت کس دن کام آتا۔ جو وعدہ بشیر ابن سعد سے کیا گیا تھا وہ ایک مدبرانہ اقدام تھا۔ اس کی وفا کا حضرت عمر سے زیادہ کوئی مستحق نہ تھا۔ اس موقع پر ہم واشنگٹن ارونگ کے خیال کو لکھ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ "عمر کے ان کل معاملات کی حکمت عملی جو پہلی نظر میں عالی ہمتی معلوم ہوتی ہے اس پر یہ بیہودہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ مکّاری اور خودغرضانہ تھی۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ خلیفہ بہت دنوں زندہ نہ رہیں گے اور آخر میں وہ خلیفہ ہوں گے"

واشنگٹن ارونگ کو عالی ہمتی کے لفظ کے استعمال کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی ہے کہ اگرچہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کی بیعت کی خواہش کی لیکن انہوں نے اسے منظور نہ کیا اور حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی اگر واقعات صرف اسی قدر ہوتے کہ حاضرین نے برضا و رغبت خلافت کا انتخاب انہیں دو اشخاص پر چھوڑ دیا ہوتا تو ہم نہ صرف حضرت عمر کے اس فعل کو عالی ہمتی کہتے۔ بلکہ حضرت ابوبکر کے فعل کو بھی کہ انہوں نے باوجود اس کے کہ وہ خود بھی ایک منتخب تھے۔ لیکن حضرت عمر کے بیعت کی خواہش کی۔ لیکن واقعات صرف اسی قدر نہیں ہیں اور نہ یہ ہیں کہ حضرت عمر نے اس وقت بیعت کی جس وقت حضرت ابوبکر نے ان سے بیعت کے لئے کہا تھا۔ بلکہ اس موقع پر جب کہ مہاجرین کی افضلیت کا دعویٰ ایک الزامی جواب سے کاٹ دیا گیا تھا اور اب مہاجرین کو امارت اور وزارت دونوں سے محرومیت کا خوف ہو گیا تھا۔ اگر یہ کسی کی دانست میں اب بھی عالی ہمتی ہو۔ تو سوال یہ ہے کہ انہیں صرف عالی ہمتی کے لحاظ سے یہ اختیار تھا کہ اپنے کو بمقابلہ حضرت ابوبکر دستبردار کر دیتے نہ یہ کہ بلا شوریٰ اور اجماع بیعت کر لیتے۔ انہیں حق نہ تھا کہ ایک ایسا امر جس میں رائے ہو رہی تھی اور انہیں صرف حضرت ابوبکر کے متعلق صلاح دینے کا حق حاصل تھا، اسے بلا لحاظ رائے مبدّل بہ عمل کر دیتے۔

اگر یہ بمقابلہ حضرت ابوبکر عالی ہمتی تھی تو بمقابلہ اور لوگوں کے جو اس مسئلہ پر غور کر رہے تھے، کمال حق تلفی تھی جس کی ناجوازی حباب بن منذر کے ان اقوال سے "گویا اے انصار میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے بچے ان لوگوں کے دروازوں پر کھڑے ہوئے جام آب طلب کر رہے ہیں اور انہیں نہیں ملتا۔ ظاہر ہے اور حضرت ابوبکر کمال خلق سے جواب دیتے ہیں کہ وہ اے حباب ہم سے ہمارے ابنائے جنس سے ایسی امید کرتے ہو"؟

منظوری یا نامنظوری کا تعلق مجلس شوریٰ سے تھا

اسی طرح حضرت ابوبکر کی یہ عالی ہمتی کہ وہ حضرت عمر سے بیعت کے لئے کہتے ہیں اس سے تمام ہو جاتی ہے کہ حضرت عمر کے ہاتھ بڑھا دینے کے وقت پہلا فرض یہ سمجھتے ہیں کہ بیعت لے ہی لیں اور کسی سے صلاح نہ پوچھیں کہ بھئی تم منظور بھی کرتے ہو یا نہیں؟ اگر سچ مچ صفائی معاملت تھی تو انہیں اس بیعت لینے کا کوئی حق نہ تھا جس وقت خلافت کی منظوری یا نامنظوری ایک جماعت سے تعلق رکھتی تھی!

راز شوریٰ کھل گیا

اب اس کے متعلق ہمیں کچھ کہنا نہیں ہے کہ "یہ مکاری اور خود غرضانہ تھی"، یا نہ تھی۔ اس کے متعلق بھی کچھ کہنا نہیں ہے کہ "آخر میں وہ خلیفہ ہوں گے" جسے تاریخ نے بڑے بڑے لفظوں میں لکھ رکھا ہے اور مسئلہ اجماع پر غور کرنے والوں کے لئے ایک راز ہے کہ وہی خلیفہ جو مسئلہ اجماع کا ایسا حامی ہو اور اپنی خلافت کی تائید سمجھتا ہو، اُس نے باوجود مسلمانوں کے اختلاف کے بلا اجماع اپنے اس بیعت کرنے والے کو کیوں از روئے وصیت نامہ خلیفہ کر دیا جس نے خلافت ایک طرف اور وزارت یا کچھ نہیں، دوسری طرف میں بمقابلہ خلافت یا کچھ نہ ہونے کے وزارت کو قبول کیا جو بالآخر خلافت پر منتہی ہوئی۔

کیوں ناموجودگی میں حضرت علیؑ کا نام لیا گیا

اب ہم ناظر کو صرف یہ توجہ دلائیں گے کہ ایسے موقعے اور فضا میں جہاں حوصلے لڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف اور تائید میں جماعتیں تھیں۔ کیوں علی علیہ السلام کا نام لیا گیا؟ ظاہر ہے کہ وہاں حضرت علیؑ نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ وہاں بنی ہاشم نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ وہاں کوئی حضرت علیؑ کا وکیل نہ تھا۔ ہم غلطی کریں گے اگر یہ کہیں کہ کوئی مطلق حضرت علیؑ کا وکیل سقیفہ بنی ساعدہ میں نہ تھا۔ جیسا ہر تاریخ دان واقف ہے کہ کوئی شخص حضرت علیؑ کا نمایاں وکیل نہ تھا۔ بیشک شخص نہ تھا۔ لیکن چیز تھی اور وہ ان کی دلپذیر اور دلوں کی تہ میں جمی ہوئی افضلیت تھی۔ جو بلا کسی سفارش کے ایسے موقعے پر جب کہ ہر شخص اپنے اپنے لئے میدان داریاں کر رہا تھا زبانوں پر آگئی

پامالی حق انکار حق نہیں ہے

کمزوریوں سے برائی کر جانا بھلائی کا انکار نہیں ہے، اپنے حوصلوں کے مقابلے میں حضرت علیؑ کا خلیفہ نہ بنانا ان کی افضلیت کا انکار نہیں ہے یا ان کے

استحقاق کو عملی طور پر منفی کردینا یہ معنی نہیں رکھتا کہ ان کے حق خلافت کا انکار کیا گیا تھا بلکہ ان کی احقیت اور افضلیت کا وہ فطری اور بے لوث اقرار ہوا تھا، جیسا باوجود مددگاروں کے پورے طائفے کے کسی کو نصیب نہ ہوا تھا۔ اور اسی آزادانہ اقرار کا خوف تھا کہ حضرت عمر کو بیعت کر لینے اور حضرت ابوبکر کو قبول کرنے میں کوئی عذر نہ ہو۔ کیونکہ درصورت ایسا نہ کرنے کے یہ خطرہ سامنے موجود ہو گیا تھا کہ "خاندان نبوت میں سے کسی کو چاہیں گے۔"

مولوی شبلی صاحب کے سقیفہ والے مضمون میں بلحاظ الفاظ یہ دیکھنے کی بات ہے کہ جس طرح قصۂ قرطاس لفظ "بظاہر" اور تعجب سے شروع کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہ مضمون بھی "بظاہر" اور تعجب سے شروع کیا گیا ہے اور ترقی یہ ہے کہ ایک مقام پر اردو علم وادب کے لئے "تعجب پر تعجب" کا فقرہ ضرب کیا گیا ہے۔

مولوی صاحب سے یہ تعجب مرتفع ہو جاتا اگر انہوں نے ان لوگوں کے واقعات کو جو عشق ومحبت کا دعوے کرتے تھے ایک غیر متعلق شخص کی نگاہ سے دیکھا ہوتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لاش کو بے گوروکفن چھوڑ جانے کے موقعے پر زیادتی نہ ہوتی۔

مہروماہ اسلام بجز رسولؐ اور علیؑ کے تیسرا پیدا نہیں ہوا

اسلام کا مہروماہ بجز رسولؐ وعلی علیہ السلام کے کوئی دنیا میں خلق نہیں ہوا۔ اگر علی علیہ السلام کے قبول کرنے میں تردد ہے تو کم سے کم یہ کیا ہوتا کہ آسمان اسلام کا کوئی ٹکڑا ان کے لئے مخصوص کر دیا ہوتا جس کے مہروماہ علیؑ کے علاوہ حضرات کہے گئے ہیں۔ کیونکہ عامۂ اہل اسلام انہیں مہروماہ کے کچھ قریب بھی سمجھنے کی وجہ نہیں پاتے۔ یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ واقعہ تاریخی میں ہوئے یا نہ ہونے کا قیاس کیا گیا ہے۔ لیکن آخر میں تعجب اور قیاس نے یقین کے لئے جگہ خالی کردی اور کہنا پڑا کہ "یہ سچ ہے کہ الخ" لیکن واقعہ کی دلچسپی یہیں تک ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس میں اس فقرہ سے کہ "ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب وسیر سے بظاہر اس قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں" اور جان آجاتی ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مولانا اس خیال کو جو کتب وسیر سے پیدا ہوتا ہے، بغیر تسلیم کئے رہ سکے۔ اس سے شاید یہ مفہوم ہے کہ واقعات سے کسی قسم کے خیال پیدا ہونے کو تسلیم کرنا عین واقعہ کا تسلیم کرنا نہیں ہے اور اس وجہ سے فرماتے ہیں کہ "حقیقت میں ایسا نہیں ہے" اور اس کی دلیل میں عوز طلب مسائل قائم کرتے ہیں، جن میں پہلا یہ ہے کہ "کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا؟ ہم نے مانا کہ یہ سوال حضرت عمر وغیرہ نے نہیں چھیڑا۔ لیکن سوال بعینہٖ ایسا ہے کہ اگر ہم کسی کے ساتھ کسی جرم میں گرفتار ہوں اگرچہ اس جرم کے لئے آمادہ کرنا ہمارا فعل نہ ہو بلکہ

شرکت جرم مستوجب سزا ہے

صرف شرکت ہو تو ہم اپنی برائت میں یہ سوال پیش کریں کہ ہم نے یہ نہیں کہا تھا

کہ تم جرم کرو لیکن چوں کہ ایک یا کئی شخص آمادہ ہی تھے، ہم بھی شریک ہو گئے اور ہمارا یہ کہہ دینا ہماری رہائی کے لئے کافی ہو جائے، درآنحالیکہ ان کا ابتداً نہ چھیڑنا آخر میں چھیڑنے والوں سے کئی ہاتھ آگے بڑھ گیا۔

دوسری تنقیح "کہ کیا یہ لوگ اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے؟" پہلی تنقیح کی ایک دوسری صورت ہے۔

کوئی گود میں اٹھا کر نہیں لے گیا نہ کسی نے وکیل بنا کر بھیجا

ہمیں افسوس ہے کہ کہیں الفاروق میں یہ نہیں کہا گیا کہ فلاں فلاں شخص ان حضرات کو زبردستی گود میں اٹھا لے گئے تھے یا مسلمانوں کا کوئی گروہ ان سے التجا کر رہا تھا کہ للّٰلہ ہماری طرف سے آپ وکیل ہو کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جائیے اور موقع مل جائے تو اپنے لئے بیعت بھی لے لیجئے ہم بھی پھر بیعت کر لیں گے۔ ہمیں یہ نہیں معلوم ہوا کہ اگر یہ لوگ اپنی خواہش سے نہ جاتے تو اپنی خواہش کے خلاف لے جائے جاتے۔ ہوسکتا ہے کہ ان حضرات نے اپنے لئے اپنی خواہش اپنی زبان سے نہ ظاہر کی ہو۔ لیکن خواہش اپنی ہی زبان سے نہیں ظاہر ہوا کرتی بلکہ اظہار خواہش کے بہت سے ذرائع ہیں۔ جن میں سے ایک شکل بھی تھی کہ وہی تین آدمی جو ساتھ ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے، خواہش خلافت کو اپنے ہی حلقہ میں اچھال رہے تھے اور کسی چوتھے آدمی کا نام نہیں لیا گیا۔

اگرچہ مہاجر دعوائے افضلیت پیش کرسکتے تھے تو حضرت علیؑ کا ایسا ہی دعوی کیوں نہ سنا جائے

اگر خلافت عام مسلمانوں کا حق ہے تو پھر انصار سے خوف اور مہاجرین کے تفوق یا معرکہ آرائیوں کی ضرورت نہ تھی اگر کسی وجہ سے مہاجر انصار سے اچھے تھے تو ہم یہ کیوں نہ دیکھیں کہ بنی ہاشم بھی یہ دعوائے پیش کرنے کا حق رکھتے تھے یا نہیں؛ جیسا خود حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا جس کا ذکر آئے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ نہ مہاجر انصار سے نہ انصار مہاجر سے راضی تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ بنی ہاشم اپنی طرف سے خلیفہ مقرر کریں تو پھر کوئی خلیفہ نہ ہوتا اور اگر ہونا لازمی تھا تو وہی ہوتا، جسے فیصلہ اور منصفانہ مباحثہ کے بعد لوگ منتخب کرتے۔

کیا سقیفہ بنی ساعدہ کا مجمع مسلمانوں کا نمائندہ مجمع تھا؟

منتخب کیسے کرتے اس لئے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کا مجمع ہی ایسا نہ تھا جو مسلمانوں کا ریپریزینٹیٹو (نمائندہ) مجمع کہا جاتا۔ تین چار مہاجر اور بقیہ انصار کا ہونا اجماع کی حد کے اندر نہیں آسکتا۔ درآنحالیکہ وہ لوگ جن کی رسولؐ نے اکثر تعریفیں کیں اور ان سے کسی قسم کی شکایات نہ ہو، اس مجمع میں نہ تھے؛ بنی ہاشم جن کے گھر سے اسلام نکلا تھا اور جن کی خدمات نے اسے قوت بخشی تھی۔ اس مجمع سے بے خبر تھے اور کوئی وکیل ان کا موجود نہ تھا۔ ابوسفیان جو بنی امیہ کا سردار تھا اس مجمع میں

نہیں دکھائی دیتا۔

غیر مفید خیال ہم سے کہا جائے گا کہ ایسے نازک وقت میں جب کہ حضرت ابوبکر وغیرہ روانہ ہوئے تھے انہیں اس کی فرصت نہ تھی کہ وہ کل لوگوں کو اکٹھا کر کے لے جاتے ۔ ایسا کہنا زیادہ مفید نہیں ہے ۔ کیونکہ اگر یہ خیال تھا کہ ہمارے جاتے جاتے انصار خلیفہ نہ بنالیں تو ان کا خلیفہ بنالینا مفید نہ ہوتا اور عامۂ مسلمین ان کے اس غیر اجماعی انتخاب کو قبول نہ کرتے اور یہ کہتے کہ ہم تمہاری ان کل کارروائیوں سے واقف نہیں ہیں، بلکہ اس کے برخلاف ان کا ایک مجمع تقویت اور عمدہ فیصلے کا باعث ہوتا۔ بفرض محال وہ یہ نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ کر سکتے تھے کہ بحث میں انصار کو روک دیتے اور کہتے کہ تاوقتیکہ مسلمانوں کا پورا مجمع نہ ہو ہم اس مسئلے پر بحث نہیں کر سکتے ۔ انصار کی ضد پر حضرت ابوبکر جب یہ کہہ سکتے تھے کہ پھر تلوار کھچے گی تو ان کا عامۂ مسلمین کی دھمکی سے روک دینا اور زیادہ محفوظ اور منصفانہ تھا۔ لیکن کہیں کوئی تاریخ نہیں کہتی کہ ان حضرات نے کوئی ایسی کوشش کی یا اور کسی کا نام لیا بجز رفقاء کے۔ اس کے کوئی دوسرے معنی بجز اس کے نہیں ہو سکتے کہ اگر یہ اپنی خواہش سے یا خواہش کے لئے نہیں گئے تو کسی دوسرے کی خواہش سے یا خواہش کے لئے نہیں گئے۔

مغالطے کا جواب تیسری تنقیح ہے کہ کیا حضرت علی علیہ السلام اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے خالی تھے "؟ ہم اس کے متعلق لکھ چکے، اس قدر اور کہنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ مجمع بنو ہاشم جو حضرت فاطمہؑ کے گھر میں تھا، اپنے میں سے کسی کے خلیفہ بنا لینے کا اس وقت خواہشمند تھا تو بہت آسان تھا کہ وہ کسی کی خلافت پر بیعت کر لیتا اور جس طرح حضرت ابوبکر نے اپنی بیعت کے لئے علی علیہ السلام کو بلوایا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام بھی اسی طرح بلواتے یہ بات دوسری ہوتی کہ کس کے ساتھ زیادہ لوگ ہو جاتے ۔ جس کے متعلق کچھ کہنا صرف قیاسی ہوگا۔ مولوی صاحب حضرت علیؑ کی فکر خلافت کی دلیل میں یہ روایت لاتے ہیں، جسے ہم نے بھی مشکوٰۃ المصابیح میں دیکھا ہے اور صحیحین کی سند دی گئی ہے کہ رسول صؐ کے آخری وقت عباس نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ پوچھ لو کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ جس کا انہوں نے جواب دیا کہ میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر حضرتؐ نے انکار کر دیا تو پھر کوئی امید نہ رہے گی۔ اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عباس کو معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلیفہ نامزد کیا یا نہیں۔ جن میں نفی زیادہ قوی ہے اور دوسرے یہ کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے خلیفہ ہونے کی امید میں تھے، جسے انکار کے خوف سے نہ پوچھ کر قائم رکھا۔ یہ کہنا کہ عباسؓ کو معلوم نہ تھا، ان کے ان واقعات اور اقوال کو جھٹلاتا ہے جو انہوں نے علی علیہ السلام کے متعلق کہے اور جن سے حنفی کتابیں مملو ہیں۔

علیؑ کو خود پوچھنے کی ضرورت نہ تھی جب کہ سب کچھ رسولؐ کہہ چکے تھے

یہ کہ حضرت علی علیہ السّلام کو امید تھی ؛ بیشک یقین تھا ۔ امید تو نہایت کمزور چیز ہے ۔ حضرت علی علیہ السّلام کو پوچھنے کی ضرورت نہ تھی ۔ جب کہ بغیر پوچھے متواتر رسولؐ نے ان کی وصایت اور خلافت کا اعلان کیا تھا ۔ اب ہم بغیر تنقید اور روایت کے ٹکڑے کئے ہوئے بغیر اس کی صحت وسقم پر نظر ڈالے صرف یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر کتابوں میں حضرت عائشہ یا حضرت ابوبکر وغیرہ کی زبانی منقول ہو کہ علی علیہ السّلام نے پوچھا اور رسولؐ نے ان کی خلافت سے قطعاً انکار کر دیا تو کیا حضرت علی علیہ السلام کے موید حقوق کے لئے یہ روایت کافی ہوگی اور اس پر اس روایت اور ایسے راویوں کے قول کا ماننا انصافاً فرض ہوگا ؟ اگر ایسا ہی ہے تو روضۃ الاحباب کی یہ روایت کہ علی خلیفتی علیکم فی حیاتی وفی مماتی فمن عصاہ فقد عصانی جو حضرت ام المومنین ام سلمہ رضوان اللہ علیھا کی زبانی منقول ہے اور جس کی حضرت عائشہ نے تصدیق کی کیوں نہ قبول کی جائے ۔ دوسرے یہ کہ یہ سوال ہی غیر متعلق ہے جب کہ موقع یہ ہے کہ آیا وہ لوگ جو بقول مولوی صاحب " اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں ، ان کا باوجود دعوائے عشق ومحبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لاش کو بے گور وکفن چھوڑ کر چلا جانا قابل الزام ہے یا نہیں ؟

غیر متعلق سوال کی غرض

اس موقع پر خواہ مخواہ یہ سوال پیدا کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ازل سے ابد تک خلافت کی فکر سے خالی تھے یا نہیں ؟

اس کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ تجہیز وتکفین رسولؐ میں جہاں جہاں علیؑ کا نام آیا ہے وہ ضرور چھیل دیا جاوے اور ان لوگوں کا نام اس جگہ قائم کیا جائے جو تجہیز وتکفین میں شریک نہ تھے یا جو سقیفہ بنی ساعدہ میں معرکہ آرائیاں کر رہے تھے اس جگہ ہم مولوی عبیداللہ امرتسری کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں :۔

علیؑ کی خواہش خلافت کی وجہ

" اس میں شک نہیں کہ حضرت امیرؑ ہمیشہ اپنی خلافت کے خواہاں رہتے تھے اور ان کی خواہشیں نہ اس غرض سے تھیں کہ ان کو دنیوی سلطنت حاصل ہو جائے بلکہ اس کا منشاء یہ تھا کہ امور خلافت میں کوتاہی جو بہ تقاضائے بشریت اکثر خلفا سے ظہور میں آتی رہتیں ، احیاناً بھی وقوع میں نہ آئیں " ہمیں خیال ہے کہ وہ لوگ جو عصمت انبیاء یا عصمت امام کے قائل نہیں ہیں وہ " تقاضائے بشریت " پر ہمیں ٹوکیں گے یا کہیں گے کہ تقاضائے بشریت علیؑ و دیگر خلفاء میں جزو مشترک تھی ۔ بہرحال اس فقرے یا دونوں فریق کے مدارج تقاضائے بشریت پر بھی اگر ہم کو تاریخی حیثیت سے نظر نہ ڈالنے دی جائے ۔ تاہم سوال افضلیت اس کی جگہ ہمارا پورا موئید ہے جس کے وہ قائل ہیں جو سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت لینے گئے تھے ۔

ایک سوال کے مختلف پہلو

چوتھی تنقیح کہ "ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر نے کیا وہ کرنا چاہیئے تھا یا نہیں"، ایک مزید استفہام ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ سوال وراثت کے متعلق ہے ؟ (سیاسی، ملکی ہے یا اخلاقی ؟

اگر متعلق بہ وراثت ہے تو ہم دیکھیں گے کہ زید مر گیا ہم کو اس کی جائیداد سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے فطری حق دار موجود ہیں۔ ہم اس کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کر لیتے ہیں۔ ہمارے قبضہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جائیداد میں ترقی ہوتی ہے۔ لیکن جائیداد کی ترقی یہ سوال اٹھا نہیں دیتی کہ ہم ہوتے کون تھے جو ناجائز قبضہ کر لیتے ؟ یا ہمارے زمانے کے قبضہ کی ترقی نے یہ کیسے یقین دلا دیا کہ جائز حق دار کے زمانے میں انہیں اسباب میں ترقی نہ ہوتی ؟ بفرض محال نہ بھی ہوتی لیکن یہ الزام کر ترقی نہیں کر سکا، الزام دینے والے کو اس کا مالک نہیں بنا سکتا۔

اب اگر یہ خالصاً ملکی و سیاسی ہے ؟ مثلاً جیسے طلبائے تاریخ نے دیکھا ہو گا کہ زمانہ متوسط یا خود زمانہ حال سے ایک آدھ صدی پیشتر کسی کا بادشاہ ہو جانا اکثر جائز سمجھا گیا ہے۔ جب تک دوسرا شہ زور اسے تخت کے نیچے نہ کھینچ لے، تو شاید وہ لوگ جو انہیں خلیفہ رسولؐ کہتے ہیں، اپنی آپ ہی تردید کریں گے۔ اگرچہ واقعی امر یہی ہے کہ جو اصول برتا گیا وہ اس سے کسی طرح اچھا نہ تھا۔

ہم کب نیک نیتی سمجھتے ؟

"چاہیئے تھا یا نہیں"، میں ایک اخلاقی شان یہی ہے، جس کو قانون وراثت اور ملکی اصول بالعموم جائز نہیں سمجھتے۔ اسے یہ سمجھنا کہ اخلاق جائز رکھے گا، اخلاق کا برا مفہوم ہو گا۔ موقع تھا جس میں اخلاقی شان آسکتی تھی اگر واقعی کوئی خطرہ تھا اور یہ لوگ نیک نفسی سے اسلام کے سر سے بلا ٹالنے گئے تھے اور بلا کسی ایسی کوشش کے جس پر خود غرضی کا الزام لگایا جاتا یا باوجود ایسی کوشش کے جس پر اخلاقی خود غرضی کا الزام نہ لگایا جا سکتا۔ اگر انہیں خلافت مل گئی ہوتی اور انہوں نے رفع شر کے لئے قبول کر لی ہوتی اور اپنی غلطی معلوم ہونے پر دستبردار ہو کر عام جواز کے حوالے کیا ہوتا تو ہم سے بڑھ کر کوئی ان کی نیک نفسی، فدائے اسلام اور اخلاقی شان کا معترف دوسرا نہ ہوتا لیکن افسوس کہ موقع کے پہلے، موقع کے وقت اور موقع کے بعد جس قدر پہلو ہیں، وہ کسی طرح نیک نفسی یا عدم خود غرضی کا یقین دلانے کے لئے کافی نہیں ہے۔

مزید ار بظاہر اور بباطن

ان غور طلب تنقیحات کے بعد اب اس سوال کی جرأت کی جا سکتی ہے کہ جب مولانا "اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب و سیر سے بظاہر اس قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے"، تو اب بباطن کونسا ذریعہ رہ گیا ہے جس سے یہ کہنے کی گنجائش ہو کر "لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے"، بجز اس خیال کے کہ ہم باوجود کل

ممکن دلیلوں کے ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔"

خاندانِ رسالت میں جھگڑے ڈالے گئے

مؤلف تاریخ الاسلام سے ہم صرف اس قدر کہنا چاہیں گے کہ "خاندان رسالت مستثنےٰ نہ رہ سکا" اس سے بادی النظر میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس خاندان کے لوگ کسی شورش کے باعث ہوئے؟ حالانکہ ظاہر ہے کہ کوئی ہاشمی کسی شورش کے مقام پر نہ تھا۔ مؤرخ کا یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے خاندان رسالت میں بھی جھگڑے ڈالے جو مفہوم اس کی عبارت میں صاف نہیں ہے۔

اسلام قوی ہوا یا ضعف کی بنیاد پڑی

ابوبکر خلیفہ ہوگئے ان کا خلیفہ ہونا اجماع سے تھا یا نہ تھا؟ اسے ہم کچھ اور لکھیں گے اب ہم یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ اس کے بعد اسلام پر سے بلا ٹلی حقیقت میں یہ کارروائی قوت کے ساتھ اسلام کے تفرقے کا باعث ہوئی؟

کن لوگوں نے بیعت نہ کی

بنی ہاشم، زبیر، عتبہ بن ابی لہب، خالد بن سعید بن العاص، مقداد ابن عمر، سلمان فارسی ابوذر، عمار یاسر، براء بن عازب، ابن کعب حضرت علیؑ کے ہمراہ رہے اور ان لوگوں نے بیعت نہ کی، ابوسفیان جو بنی امیہ سے تھا، الگ رہا (ابوالفدا)

عتبہ بن ابی لہب نے چند شعر اس مضمون کے کہے "میں نہ جانتا تھا کہ خلافت اور حکم اولاد ہاشم سے جاتا رہے گا۔ اور ابوالحسن کو بھی جو سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ قرآن اور سنن کو خوب جانتے تھے اور جس نے آخر وقت میں رسولِ خدا کو غسل دیا اسے خلافت نہ ملے گی، بلکہ ایک اور ہی شخص کو مل جائے گی (ابوالفدا)

سرگروہ انصار

سعد ابن عبادہ نے بیعت سے تخلف کیا۔ پس ان سے بوجہ شاذ ہونے کے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کی گئی، اپنی حالت پر چھوڑ دیئے گئے (ابن خلدون) سعد نہ نماز میں شرکت اور نہ بات کرتے تھے (ابن خلدون)

خالد ابن سعید شام کے عامل تھے۔ لیکن ابوبکر نے انہیں معزول کر دیا "اس وجہ سے کہ انہوں نے بعد وفات آنحضرتؐ چند روز تک بیعت سے تخلف کیا تھا اور علیؑ و عثمان رؤسا بنی عبد مناف کے پاس گئے تھے (ابن خلدون)

ابوسفیان بن حرب نے علیؑ سے کہا کہ اگر تم اپنی خلافت کا دعویٰ کرو تو میں مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں۔ بقول ابن ابی الحدید معتزلی ابوسفیان نے علیؑ سے کہا،، اس امر خلافت میں تم پر وہ گروہ غالب آگیا ہے جو قریش میں سب سے ذلیل ہے"

"جب انصار دبے تو مہاجرین نے وقت کو غنیمت سمجھا جو لوگ موجود تھے ان میں سرسری انتخاب ہوگیا۔ اس وقت حضرت علی علیہ السلام بھی موجود ہوتے تو کیا ہوتا؟ اس کا جواب دینا مشکل ہے۔ لیکن یہ ظاہر بات ہے کہ تمام اصحاب و اہل بیت کو جمع کر کے امر خلافت کا طے کرنا مناسب حال نہ تھا۔ جلدی میں جو کچھ ہوا، اچھا ہوا (تاریخ الاسلام)

جب خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی تو گو فوری طور پر صدیق اکبر پر اتفاق عام ہوگیا لیکن بنو ہاشم دیر تک اپنے ادعا پر رُکے رہے ان کو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس دونوں ہوا۔" (المامون)

افتراق ناظر نے ملاحظہ کیا کہ اوس اور خزرج جن کی خونریز لڑائیاں مشہور تھیں اور جنہیں اسلام کی برادرانہ شفقت نے ایک کر دیا تھا پھر سقیفہ بنی ساعدہ سے علیحدہ ہو گئے اور حسد کا الزام لگایا گیا اور چونکہ انصار کا وہ حصہ جو ساتھ ہو گیا تھا۔ اس پر بھی تاریخ میں حضرت ابوبکر کی وہ عنایت نہیں معلوم ہوتی۔ جیسے عمر ابوعبیدہ جراح یا خالد ابن ولید وغیرہ پر تھی۔ اس سے قیاس کیا جانا دشوار نہیں ہے کہ اوس بھی آخر میں خزرج کے خیال سے زیادہ دور نہ ہوں گے۔ یعنی جہاں اس واقعہ نے اوس اور خزرج میں علیحدگی پیدا کر دی۔ وہاں اوس اور خزرج ان مہاجرین کی جماعت سے جو خلافت چلا رہے تھے حسن طبیعت پر نہ تھے۔ بنی ہاشم کا پر اثر اور شریف ترین قبیلہ جو ایام جاہلیت میں بھی حکومت کا خوگر تھا اور جس نے اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی نہ صرف علیحدہ بلکہ اس بے اصولانہ طرز حکومت سے قلباً متنفر تھا۔ بنی امیہ کا گروہ جو بنی ہاشم کے بعد ایام جاہلیت میں بلحاظ قوت دوسرے درجہ اور کبھی بلحاظ ثروت غالباً زیادہ تھا۔ علیحدہ تھا۔ جو ابوسفیان کے قول سے ظاہر ہے اس کا یہ کہنا کہ ہم علی علیہ السلام کی مدد کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ علیؑ کی محبت سے نہ ہو۔ یہ آن دار عرب یہ نہ دیکھ سکتا تھا کہ اس سے کم درجہ نسب یا منزلت کا آدمی حاکم ہو۔

علیؑ کا خلیفہ ہونا کس لئے مفید تھا علی علیہ السلام کو خلیفہ بنانے میں دو خیال تھے ایک تو یہ کہ بنی ہاشم کی مانی ہوئی سرداری دوسرے قبائل کے لئے باعث شرم نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ قبیلہ بنی ہاشم اس حادثہ خلافت کے قبل عرب کا ملکی اور روحانی حاکم تھا۔

بعض متخلفین بعیت بعیت نہ کرنے والوں میں مقداد، سلمان فارسی، ابوذر، عمار یاسر خصوصیت کے ساتھ دیکھنے کے قابل ہیں یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کی نسبت "ترمذی اور الحاکم نے بریدہ کی سند سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "خدا نے مجھے چار آدمیوں کی محبت کا حکم دیا اور پوچھنے پر فرمایا کہ علی علیہ السلام ان میں سے ایک ہیں (یہ تین مرتبہ ارشاد کیا) اور مقداد، ابوذر اور سلمان" (تاریخ الخلفا) طبری کے مطابق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کا تذکرہ فرماتے وقت کہا "اصدق قصھم ابوذر" تعمیر مسجد کے وقت عمار یاسر کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا اور کس طرح کی شفقتیں کیں اس سے ہر وہ شخص جسے روایات اور تاریخ میں مذاق ہے، واقف ہے اور جن کا جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ہونا حق کے پہچاننے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت علیؑ کی حیرت خیز علیحدگی

اگر دنیا کا کوئی شخص حضرت ابوبکر کی خلافت کا منکر نہ ہوتا۔ تاہم مسلمانوں کو خصوصاً ان مسلمانوں کو جو حدیث غدیر سے حضرت علی علیہ السلام کی محبت سمجھتے ہیں اور جیسا قرۃ العیون شرح سرور المحزون میں تحفہ اثنا عشریہ سے نقل کیا گیا ہے کہ "اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ محبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فرض ہے۔ مثل محبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اور یہی مذہب ہے۔ اہل سنت والجماعت کا"، غور کرنا چاہیئے کہ کیا وجہ تھی علیؑ کی علیحدگی کی؟ کوئی سوچے یا نہ سوچے لیکن کسی مذہب کا آزاد خیال وہ مؤرخ جسے اسلامی تاریخ سے ربط ہے جب ان واقعات پر نظر ڈالے گا اور جب حضرت علی علیہ السلام کو ان تمام حیثیتوں سے جو ذکر کی جا رہی ہیں یا جو تاریخ میں اب بھی محفوظ ہیں، دیکھے گا تو اسے اس تعجب خیز انقلاب پر تھوڑی حیرت نہ ہو گی۔ جس میں حضرت علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد گرفتار ہوئے۔ حضرت علیؑ کا انکار نہ ایک وجدانی اور فوری انکار تھا بلکہ متواتر اور قوت دار اور سمجھا ہوا انکار تھا ورنہ انہیں خلفاء کے گزر جانے کے بعد بھی یہ ضرورت نہ ہوتی کہ وہ اتباع سنت "شیخین" سے انکار کرتے۔ درآنحالیکہ اقرار سے خلافت ملتی تھی۔

قصہ قرطاس اور سقیفہ بنی ساعدہ کا ربط

میں چاہوں گا کہ اعتقادی فضا سے بلند ہونے والے آزاد خیال مؤرخ سوچیں گے کہ جس کی عملی ابتدا ہدایت نامہ نہ لکھ دینے سے ہوئی تھی۔ واقعہ سقیفہ کو اس کی تکمیل کتنا زیبا ہو گا یا نہیں؟ آج اسلام کے بیشمار فرقے اسی کا نتیجہ ہیں یا نہیں؟ یا اسلام کے قیمہ کئے جانے کے اسباب اصلی کچھ اور تھے؟

آیا حضرت ابوبکر اجماعی خلیفہ تھے یا اجماع حکم رسولؐ سے تھا؟

جو مثالیں ہم نے دیں وہ حضرت ابوبکر کے خلیفہ مقرر کئے جانے کے متعلق ہوں، یا اختلاف سے منسوب۔ بتاتی ہیں کہ حضرت ابوبکر کہاں تک اجماعی خلیفہ تھے یا انہوں نے اپنی آخری گھڑیوں میں کہاں تک اجماع کی پیروی کی۔ اگر سچ مچ اجماع حکم رسولؐ سے تھا۔ بلکہ اجماع امت کا مفہوم تو اسی وقت ختم ہو گیا۔ جس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ "الائمۃ من قریش" رسولؐ کی حدیث ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ خود اس مفہوم اجماع کی جانی دشمن ہے کہ مسلمان اپنی رائے سے کسی کو خلیفہ بنالیں کیونکہ اس حدیث نے اجماع کے مفہوم کو قطعاً محدود کر دیا اور آزادی رائے سلب ہو کر ایک محدود دائرہ میں آ گئی۔ یا جمہوریت کھچ کر شخصیت کے تابع ہو گئی۔ ابن ابی الحدید یہ تذکرہ کرتے ہوئے کہ عمر نے ابوبکر کی بیعت کو ناگہانی ہونا اور ان کے شر سے خدا محفوظ رکھنا کہا ہے کہتے ہیں کہ یہ صرف ان کی تیز زبان اور درشت طبیعت تھی۔ ورنہ وہ ادب کرتے تھے۔ ہمیں ابن ابی الحدید کی سفارش یا ادب کرنے سے بحث نہیں ہے۔

بلکہ بیعت کے ناگہانی ہونے سے غرض ہے۔

عام اظہار حقوق کا فائدہ

ہم مؤلف تاریخ الاسلام کی اس عبارت کو کہ تمام اصحاب اور اہل بیت کو جمع کر کے طے کرنا مناسب حال نہ تھا حیرت سے دیکھتے ہیں۔ اس کی انصاف پسندی سے بعید ہوگا کہ وہ اس صفائی معاملت سے دور کار روائی کو مناسب حال کہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ "جلدی میں جو کچھ ہوا، اچھا ہوا" کیوں نہ دیر آید درست آید اس موقع پر یاد دلایا جائے جس سے امید تھی کہ ہر شخص کو اگر اظہار حقوق اور خیال کا موقع دیا جاتا تو آئندہ شکائتوں کی وجہ باقی نہ رہتی۔

ایک مؤلف کی دو کتابوں پر ایک مبحث میں اختلاف

یہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ المامون کے اس فقرہ کو کہ "اتفاق عام ہوگیا" الفاروق کے اس جملے سے کہ پہلے پانچ آدمیوں نے بیعت کی، کہاں تک ربط ہے اور "اتفاق عام ہوگیا" میں "فوری طور پر" نے اور بھی دلچسپی پیدا کر دی جو معجزہ رسول کے لئے بھی نہ ہوا تھا۔

کیونکر بیعت کرائی گئی

سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد کس طرح لوگوں سے بیعت لی گئی اس کے لئے ہم خاص طور سے ابن ابی الحدید کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے اس مقام کو محفوظ رکھا۔ یہ قصہ براء ابن عازب سے نقل کیا گیا ہے جو بنی ہاشم کے پاس اکثر جایا کرتے تھے یہ کہتے ہیں:

تھوڑی دیر کے بعد ہم نے سنا کہ قوم سقیفہ بنی ساعدہ میں ہے اس کے بعد دوسرے کہنے والے کو سنا کہ ابوبکر کی بیعت کر لی گئی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ مع ایک جماعت اصحاب سقیفہ کے چلے آرہے ہیں۔ وہ کسی کی طرف سے نہیں گزرتے مگر یہ کہ اس کو دبا دیتے ہیں اور ہاتھ اس کا بڑھا کر ابوبکر کے ہاتھ سے مَس کر دیتے ہیں۔ وہ چاہتا ہو یا نہ چاہتا ہو پس میرے ہوش گم ہوگئے ———— یہ لطیفہ بھی لکھا ہے:

ابو قحافہ کا لطیفہ

ابی قحافہ سے کہا گیا کہ تمہارے صاحبزادے خلیفہ ہوگئے انہوں نے آیت پڑھی اللھم مالک الملک الخ اس کے بعد پوچھا کہ کیسے خلیفہ بنایا؟ تو کہا گیا کہ ان کے سن کی وجہ سے (یہ سن کر) کہا تو میں اُن سے زیادہ سن دار ہوں" ابوبکر کے بوڑھے باپ کا تعجب اور قول خصوصیت سے ان لوگوں کے دیکھنے کے قابل ہے جنہوں نے زمانہ رسولؐ سے ان کے اسناد خلافت کا اہتمام کیا ہے۔

علیؑ کے ساتھ برتاؤ

اب ہم ناظر کو اس پر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور ان کے گروہ نے حضرت علیؑ کے ساتھ کیا کیا اور کیوں کیا؟

"ابوبکر نے اب عمر کو علیؑ کے پاس بایں ارادہ بھیجا کہ جو لوگ اہل بیتؑ میں سے ہمراہ ہیں انہیں مع حضرت علیؑ کے حضرت

فاطمہؑ کے گھر سے نکال دو اور اگر نکلنے سے کچھ انکار کریں تو لڑنا۔ یہ تھوڑے سے لوگ لے کر بہ ارادہ گھر پھونکنے کے گئے حضرت فاطمہؑ سے ملاقات ہونے پر آپ نے پوچھا :۔

"کیا ہمارا گھر پھونکنے جاتا ہے ؟" ___ کہا :۔

" البتہ گھر پھونک ڈالوں گا نہیں تو تم بھی ابوبکر صدیق سے بیعت کرو۔ جس بیعت میں تمام امت داخل ہوئی۔ تم بھی داخل ہو جاؤ " (ابوالفدا)

علیؑ سے بیعت لینے کے لئے مسلح گروہ آگ لکڑی کے ساتھ خانۂ رسولؐ کی طرف

" اس خیال سے کہ حضرت علیؑ کی جانب سے خوف تھا۔ ابوبکر نے عمر سے خواہش کی کہ وہ فاطمہؑ کے گھر کی طرف مسلح گروہ کے ہمراہ بڑھیں۔ انہوں نے جا کر مکان کو گھیر لیا۔ حضرت علیؑ نے تکرار کی کوشش کی۔ لیکن عمر نے قتل اور آگ سے دھمکایا۔ جس پر حضرت فاطمہؑ نے حقارت سے کہا :۔

" اے پسر خطاب ، یقیناً تو ایسی زیادتی نہ کرے گا۔ "

میں بیشک ایسا کروں گا جب تک تم لوگ اور لوگوں کی موافقت نہ کرو گے ،،

لیکن حضرت فاطمہؑ کی وفات تک حضرت علیؑ اپنی آن اور حقارت آمیز غصہ سے کنارہ کش رہے۔ اس کے بعد بیعت کی اور اثنائے بیعت میں ان کے کمی اخلاص اور اعتبار کی شکایت جو بلا ان کی موجودگی کے انجمن شوریٰ میں دکھایا گیا یہ ایسی شکایت تھی جو بالکل بیجا نہ تھی۔ ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ علیؑ ان کے جواب سے راضی ہو گئے لیکن واقعی دل سے ایسا نہ تھا اور وہ متنفر ہو کر وسطی عرب میں چلے گئے ،، (سکسیرس آف محمدؐ)

علیؑ کی دلیل

ذیل کا مفہوم با عبارت روضۃ الصفا، روضۃ الاحباب، اعثم کوفی اور تاریخ الاسلام میں ملے گی :۔

ابوبکر نے بہت سے لوگوں کو علیؑ کے پاس بھیج کر طلب کیا۔ جب حضرت علیؑ آئے تو ان سے سوال بیعت کیا گیا اور انہوں نے اس کے جواب میں کہا :۔

" تم نے جو انصار پر مہاجرین کی عزت قائم کی ہے وہی دلیل میری مہاجرین پر ہے " ___ عمر نے جواب دیا :۔

" ہم نہ چھوڑیں گے جب تک بیعت نہ کرو گے "

علیؑ نے کہا :

" ہم کو اس کا کب اندیشہ ہے جب تک ذرا سی جان بھی باقی ہے اپنے حق سے انکار نہ کریں گے " ابوعبیدہ جراح نے کہا تیری افضلیت اور سبقت اسلام سب پر روشن ہے تو اہل بیت میں سے ہے۔ تیرا حق زیادہ ہے۔ لیکن ابوبکر کی بیعت پر سب نے اتفاق کیا تو بھی موافقت کر " ___ حضرت علیؑ نے جواب دیا :۔

"اے عبیدہ وہ بات نہ کر جو سچ سے علیحدہ ہو، خدا نے جو عزت خاندان رسالتؐ کو دی ہے اسے دوسرے کے گھر منتقل نہ کر۔ ہمارے گھر میں قرآن نازل ہوا۔ معدن علم دین و سنن سید المرسلین ہم ہیں۔ شریعت اور مصالح ملت کو ہم اوروں سے اچھا جانتے ہیں۔ اپنی طبیعت کے موافق نہ کر کہ تجھے نقصان ہوگا" ________ بشیر ابن سعد کہتا ہے :۔ "یا علیؑ، صدیق کی بیعت کے پہلے اگر تم اپنا حق ظاہر کرتے تو دو آدمیوں (غالباً ابوبکر و عمر) سے زیادہ کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ لیکن چونکہ تم گھر میں بیٹھے رہے تو سب کو خیال ہوا کہ تمہیں رغبت خلافت نہیں ہے۔ اب یہ باتیں لوگوں کے عقیدے کے خلاف ہوں گی۔ لوگوں نے اس خوف سے کہ مبادا دین رسولؐ میں خلل پڑے ابوبکر کی بیعت کر لی"، حضرت علیؑ نے جواب یوں فرمایا :۔

"اے بشیر کیا تو اسے پسند کرے گا کہ میں رسولؐ کی لاش بے غسل و کفن چھوڑ کر ریاست کی فکر میں دوڑتا؟"

ملک الشعرا فیضی کے لفظوں میں :۔ امامے کہ روزِ وفات پیمبر ۔ خلافت گذارد بہ ماتم نشیند

اب ابوبکر ان لوگوں کی مدد کو آکر کہتے ہیں :۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم مخالفت کرو گے تو میں ہرگز قبول نہ کرتا۔ اب اگر بیعت کرو تو مناسب ہے تو تم پر کوئی تکلیف نہیں ہے" ________ حضرت علیؑ بغیر بیعت واپس گئے۔

علیؑ کے نزدیک خلافت اہل بیت سے کیوں لی گئی

کتاب الامامت والسیاست میں ابن قتیبہ دینوری کہتے ہیں :۔ بعد اس کے کہ علیؑ لائے گئے ابوبکر کے پاس اور وہ اس وقت کہہ رہے تھے انا عبد اللہ واخو رسولہ " پس کہا گیا ان سے کہ بیعت کرو ابوبکر سے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس امر کا تم لوگوں سے زیادہ سزاوار ہوں۔ میں تم لوگوں کی بیعت نہ کروں گا۔ حالاں کہ تم لوگوں کو میری بیعت کرنی چاہیئے۔ تم لوگوں نے اس امر کو انصار سے لیا اور حجت لائے تم ان پر قرابت رسولؐ کے ساتھ اور لیتے ہو ہم اہل بیت سے محض غصب کے طور پر۔ یا نہیں گمان کیا تم لوگوں نے انصار کے باب میں کہ تم اس وجہ سے ان سے زیادہ مستحق ہو کہ رسولؐ تم میں سے ہیں پس ان لوگوں نے تمہارے سامنے گردن جھکا دی اور تمہیں حکومت سپرد کر دی۔ پس اب ہم بھی ویسی ہی حجت تم پر قائم کرتے ہیں جیسے انصار پر تم نے کی۔"

ابن قتیبہ نے بھی حضرت علی علیہ السّلام کی گفتگو کے درمیان میں عمر اور ابو عبیدہ کی تقریر لکھی ہے اور علیؑ نے اس کے جواب میں یہ پُر معنی فقرہ کہا ہے کہ "اس طرح دودھ دوہو کہ تمہیں بھی اس کا ایک حصّہ ملے اور ان کے لئے مضبوط کردو کہ وہ کل تمہیں لوٹا دیں گے"، یہ بھی لکھا ہے کہ پہلے حضرت عمر لکڑیاں لے کر گئے اور واپس آئے اس کے بعد صلاح ہوئی کہ مہلت

دینی چاہیے اور ایک شخص جس کا نام قنفذ تھا، دوبارہ بھیجا گیا اور حضرت فاطمہؑ نے اعلیٰ صوت (بلند آواز) سے فرمایا :۔

" یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے بعد ابو قحافہ اور عمر سے کیا کیا نہیں دیکھا " اس پر قنفذ اور اس کے ہمراہی رونے لگے ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اب سوائے حضرت علیؑ کے سب نے بیعت کی ۔ دربار خلافت میں حضرت علی علیہ السلام کے اس سوال پر کہ :۔

" اگر ہم بیعت نہ کریں گے تو کیا کرو گے "؟ عمر نے کہا :۔

" گردن ماریں گے " اور اس کے بعد ابوبکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم کچھ حکم کیوں نہیں دیتے جس کا انہوں نے جواب دیا :۔

" جب تک فاطمہؑ ان کے پہلو میں ہیں ہم کبھی مجبور نہ کریں گے "

کوئی مثل علامہ جلال الدین سیوطی یہ لکھتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے گھر سے حضرت علیؑ کو بلایا اور انہوں نے شکائتوں کے بعد ان کی تعریفیں شروع کر دیں ۔ کوئی کہتا ہے کہ چالیس دن کے بعد بیعت کی ۔ کوئی کہتا ہے کہ چھ مہینے کے بعد بیعت کی ۔ جس سے مراد شاید رحلت سیّدہ ہو ۔

اختلاف کے معنی

کیا اس سب کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حضرت علیؑ نے کبھی بیعت نہ کی ؟ اور جب دیکھا گیا کہ علیؑ بزور شمشیر خلافت لینے کے لئے آمادہ نہیں ہیں بلکہ اس وصیت کے پابند معلوم ہوتے ہیں کہ " جب لوگ دنیا کی طرف متوجہ ہوں تو تم دین کی طرف متوجہ ہونا " تو ان پر ایک ایسے امر کا زور نہیں دیا گیا جس سے انہیں کراہت کا نہ ہونا حیرت انگیز ہوتا اور ایسی کراہت پر مجبور کرنا آخری ذرائع پر متوجہ ہونے کے لئے انہیں مجبور کرتا جو کسی طرح مناسب مصلحت نہ تھا ۔ انہیں کیا ضرورت تھی اس کی جب حضرت علی علیہ السلام مخالفت پر آمادہ نہ تھے کہ وہ خواہ مخواہ ایک رسمی فعل کی تکلیف دیتے جس پر مجبور کرنا مخدوش تھا ۔ اس وقت نیز بعد کے زمانہ کی مثالیں شاذ نہیں ہیں کہ اکثر لوگ بیعت نہ کرتے تھے اور ان سے تعرض نہ ہوتا تھا ۔ کسی مؤرخ کا قول نقل کرنا کہ حضرت علیؑ نے بیعت کی، میرا اقرار نہ ہوگا بلکہ ناظر کو اس مفہوم پر توجہ کرانی ہوگی ۔ جس کے دکھانے کے لئے میں نے عبارت نقل کی ۔ مؤرخین نصاریٰ کو اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا جو اسلامی تاریخوں نے اسے بتایا ۔ تاہم وہ " مجبوری " اور نارضامندانہ بیعت واقعات پر نظر ڈال کر لکھ گئے ہیں جو کسی طرح بیعت نہ کرنے سے اچھی تھی ۔ مؤرخین نصاریٰ کے ذرائع معلومات سمجھانے کے لئے ہم صاحب سیرۃ الفاروق کے یہ الفاظ پیش کرتے ہیں " گبن .... مؤرخ اعظم جو فتوح شام واقدی کے پیرو ہیں ۔ سر ولیم میور اور گلبن وغیرہ جو طبری اور ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ کے معتقد اور خوشہ چیں ہیں "

کسی نے علیؑ کے ادعائے افضلیت کی تردید نہ کی

ان کل باتوں میں خصوصیت کے ساتھ دیکھنے کا یہ امر ہے

کہ علیؑ کے ادعائے افضلیت کی کسی نے تردید نہ کی بلکہ ابوعبیدہ جراح نے خصوصیت کے ساتھ انہیں ان صفتوں سے یاد کیا غالباً یہی خیال ماخذ ہو۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح کی اس تقریر کا کہ کبھی مفضول فاضل سے مقدم کر دیا جاتا ہے اس وجہ سے کہ شاید مفضول فاضل سے کسی امر خاص کو مثل امورات سیاست کے اچھی طرح انجام دے سکتا ہو۔ لیکن یہ کس قدر غلط ہوگا کہ مفضول

غیر مبنی بہ تجربہ قیاس

صرف اس خیال سے کہ وہ شاید بعض امورات کو فاضل سے اچھی طرح انجام دے سکے، مقدم کر دیا جائے اور فاضل کو اپنے فضل کے دکھانے کا موقع بھی نہ دیا جائے۔ یہ قیاسی تقدم اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک مبنی بہ تجربہ نہ ہو۔

کس طرح نام دیا گیا

بشیر ابن سعد کا فقرہ خصوصیت کے ساتھ توجہ کے قابل ہے جہاں وہ مخالفت کرنے والوں میں دو مخصوصوں کا نام لیتا ہے یا اس سے غرض یہ ہے کہ تمہاری خلافت کے نہ قبول کرنے والوں کی ایسی خفیف تعداد ہوتی یا دو آدمیوں سے ان دو آدمیوں کی طرف اشارہ تھا جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اس کا یہ فقرہ کہ تم چونکہ گھر بیٹھے رہے اس سے سب کو خیال ہوا کہ تمہیں خلافت کی رغبت نہیں ہے، ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت کا مسئلہ خود بخود پیدا ہوا لیکن افسوس کہ بجز ہاتھ بڑھا دینے والی وجہ کے اور کوئی دوسرا اسبب معلوم نہ ہو سکا کہ کن ذرائع سے یہ ذکر محو کرایا گیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بڑی مدد حضرت علیؑ کے موجود نہ رہنے سے ملی اور موقع غنیمت سمجھا گیا۔ ہم بہت کچھ مؤلف تاریخ الاسلام کے اس فقرے کے ساتھ ہیں کہ اس وقت علی ابن ابی طالبؑ بھی موجود ہوتے تو کیا ہوتا، اس کا جواب دینا مشکل ہے“۔ یہ بھی غور کے لائق ہے کہ حضرت علیؑ کے اس پُر جوش فقرے پر جس سے بالارادہ یا بے ارادہ الزام ٹپکتا تھا کہ ”کیا تو اسے پسند کرے گا کہ میں رسولؐ کی لاش کو بے غسل و کفن چھوڑ کر ریاست کی فکر میں دوڑتا“۔ حضرت ابوبکر نے یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ ”اگر بیعت کرو تو مناسب ہے ورنہ تم پر کوئی تکلیف نہیں ہے۔“

یہ سمجھنے کے لئے کہ آیا اس کارروائی کے بعد انہیں مطلق اس بات کی فکر بھی یا نہ تھی کہ لوگ ہمارے فعل کے جواز یا عدم جواز کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ اعثم کوفی کی یہ روایت مدد دے گی۔

خلافت کے قرار ہونے کے بعد جب انصار باہر نکلے تو عبدالرحمٰن ابن عوف نے ان پر طعن کیا کہ تم نے انصار کو مہاجرین پر فوقیت دی۔ ان میں سے ایک شخص زید ابن ارقم نے جواب دیا:۔

”اے پسر عوف! اگر علیؑ رسولؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول نہ ہوتے تو تم سب کا کام ناتمام رہ جاتا“

ابن عوف نے زید کے اس جواب کو حضرت ابوبکر سے بیان کیا اور انہوں نے جواب میں کہا:۔

”ذکس ت طعن و کان نا سیا؟ :۔ مستغنی بودی ازیں باز خواست چوں کار بمراد ماست“

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کے متعلق بعض نصاریٰ مؤرخین کے یہ اقوال ملاحظہ طلب ہیں:-

"رسولؐ کے بعد اسلام کی افسری کا دعویٰ حضرت علیؑ کو زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا"۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

"اگر قرابت کی وجہ سے تخت نشینی کا اصول حضرت علیؑ کے موافق ابتدا سے مانا جاتا تو وہ برباد کن جھگڑے نہ ہوتے جس نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں غوطہ دیا"۔ (از اسپرٹ آف اسلام)

حضرت علیؑ ۶۵۵ء میں تخت خلافت پر بٹھائے گئے جو حقیقت کے لحاظ سے بیس برس قبل، رسولؐ کی رحلت کے بعد ملنا چاہیئے تھا"۔ (بریف سروے آف ہسٹری)

علیؑ اپنے ہموطنوں سے بلند مرتبہ

سب سے زیادہ ممتاز امیدوار علیؑ تھے کیونکہ یہ رسولؐ کے ابن عم اور داماد تھے اور حضرت فاطمہؑ سے ان کی جو اولاد تھی۔ صرف وہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار رہ گئی تھی"۔ (سکیسس آف محمدؐ)

"حضرت علیؑ کی خصلت، خاندان اور قرابت انہیں اپنے ہموطنوں سے زیادہ بلند مرتبہ ٹھہراتی تھی اور عرب کے خالی تخت کے لئے ان کا حق جائز ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ ابن ابوطالب خود اپنے حق سے خاندان ہاشم کے سردار اور شہر کے علاوہ کعبہ کے متولی تھے۔ نبیؐ اب زندہ نہ تھے لیکن زوج فاطمہؑ ان کے باپ کی میراث اور دعا کی امید کر سکتے تھے۔ عرب اکثر اوقات عورتوں کی حکومت سے راضی رہے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں نواسوں کو گود میں پالا تھا اور منبر سے لوگوں کو دکھا دیا تھا کہ "یہ سید جوانانِ بہشت اور میری عمر کی امید ہیں"۔ ان میں شاعر، سپاہی اور ولی ہونے کی صفتوں کا مجموعہ تھا۔ ان کی عقل اب تک اخلاقی دینی ضرب المثل سے معلوم ہوتی ہے۔ ان کا ہر دشمن وہ تلوار سے لڑے یا زبان سے ان کی جرأت اور فصاحت سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ دعوت (اعلان نبوت) کے پہلے گھنٹے سے تجہیز و تکفین کے آخری کام تک اس عالی ہمت دوست نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ چھوڑا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خوشی سے اپنا بھائی، ولیعہد اور دوسرے موسیٰؑ کا ہارونؑ کہا۔ ابن ابی طالب کو لوگوں نے آخر میں طعنہ دیا کہ اپنے فائدے کے لحاظ کے لئے اپنے حق کا اظہار نہیں کیا۔ جس سے کل رقابت ختم ہو جاتی اور حکم خدا سے ولیعہدی پر مہر ہو جاتی۔ لیکن اس غیر متوقع مرد میدان کو اپنے اوپر اعتبار تھا۔ سلطنت کا حسد اور مخالفت کا خوف ممکن تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے کو معلق رہنے دیتا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر علالت کو پُر .... عائشہ نے جو حضرت علیؑ کی دشمن اور ابوبکر کی بیٹی تھیں، محصور کر لیا تھا"۔ (ڈکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر) خصوصیت سے متذکرہ صدر آخری سطروں میں مسٹر گبن حقیقت امر سے حیرت خیز قربت رکھتے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے حضرت علیؑ کے عدم توہم کے نسبت لکھا ہے۔ ابھی ابھی ہم نہج البلاغت سے حضرت علیؑ

کا خیال پیش کریں گے۔ ایک اور نہایت متصورانہ فقرہ ولیعہدی کے متعلق ارادہ رسولؐ کے معلق رہنے کا امکان ہے اور اس کے بعد آخری سطر میں اس کے اسباب وجوہات بتائے گئے ہیں۔ اس کے متعلق ہم لکھ چکے۔ اگر ہمارے اشارات غیر واضح بھی ہوں تو مسٹر گبن کی آخری سطر میں ہمارے خیال کو وضاحت اور قوت کے ساتھ پیش کریں گی۔

اسلام کی بڑی حیرت خیز بات

رسول اللہؐ کے بعد حضرت علیؑ کا خلیفہ نہ ہونا اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں سب سے بڑھ کر حیرت انگیز بات ہے۔ ہم نے مانا کہ رسول اللہؐ نے حضرتؑ کے لئے کچھ نہ کہا یا علیؑ کی خلافت کا کبھی اعلان نہ کیا اور جس قدر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور احادیث حضرت علیؑ کے متعلق ملتی ہیں سب مبہم۔ لیکن اس کے بعد سوال یہ ہوگا کہ پھر ہم ان لوگوں کے متعلق جو رقیب کہے گئے ہیں ایسے ہی حسن ظن کے لئے کونسی وجہ پاتے ہیں اور کیا ضرورت ہے کہ ہم اس بے اصولانہ اور مشتبہ بہ خود غرضی، اگر ہم متیقن کسی کی خاطر سے نہ کہیں۔ کارروائی کو کیوں مذہبی تقدس میں آلودہ کریں۔ سمجھ لیں کہ جو کچھ ہونا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات تک ہو چکا۔ لیکن یہی سمجھنے تک سوال حل نہیں ہو جاتا بلکہ مشکلات میں اور اضافہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اسلام جو ایک مجموعہ قوانین ہے وہ ہمیں انہی دو طریقوں سے ملا ہے جن کی انتہا ابوبکر اور ان کی جماعت یا علیؑ اور ان کی جماعت پر ہوتی ہے۔ اب ہم اگر ان دونوں طریقوں کو آلودۂ نفسانیت اور دیگر اغراض ملکی سے متاثر سمجھ کر ترک کر دیں تو تاریخ ہو یا فقہ۔ قانون وراثت ہو یا اخلاق عام۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات اور اقوال ہوں یا قرآن کا مفہوم۔ ان سب کے لئے ہر شخص کو اجتہاد کرنا پڑے گا اور اسلام کا ہر متنفس بجائے خود ایک جداگانہ روش کا مذہب پیدا کرے گا۔ تقلید اور مجمع بندی پھر انہیں فتنوں کو پیش نظر کر دے گی۔ جس خیال سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دونوں گروہ کی تقلید ترک کر دی گئی تھی۔

کیا کرنا ہوگا

نتیجے پر پہنچنے کے لئے لامحالہ رسولؐ کے بعد باعث افتراق وجوہات پر غور کرنا ہوگا اور یہ سمجھنا ہوگا کہ اس کے قبل کے وہ واقعات جن پر مصالح ملکی کا اثر نہیں معلوم ہوتا اور ان کے مسخ ہونے کا اندیشہ کم ہے یا جو باوجود صدیوں مصالح ملکی میں دفن رہنے کے آج بھی کسی فریق کے لئے خاص سفارش کرتے ہیں، ان سے کس طرح حقیقت امر کا انتخاب کیا جائے جو بہت کچھ ان دونوں فریق کے اقوال وافعال اور ان کی زمانہ رسولؐ کی تاریخ اور واقعات کے تیز نگاہ سے دیکھنے سے ممکن ہے۔ کام آسان نہیں ہے، لیکن ناممکن بھی نہیں ہے۔ دشوار سمجھ کر ترک کرنا تو ایک خیالی خدا و رسولؐ اور اسلام کا سامنے کھڑا کرنا ہوگا یا کورانہ تقلید دونوں باتیں مضر ہیں۔

قابل توجہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک اور غور طلب امر یہ ہے کہ کس طرح خلیفہ کو خانہ رسولؐ کا محاصرہ کرنے اور آگ لکڑی کے لے جانے کے لئے اتنے آدمی مل گئے۔ درآنحالیکہ رسول اللہؐ

کا کفن بھی تین چار روز میں میسر نہ ہوا ہو گا یا اس بے حقیقت وقت نے کیسے حضرت علی علیہ السلام کے اتنے دشمن پیدا کر دیئے کہ وہ دربار خلافت میں جانے کے لئے مجبور ہوں یا قتل ہونا گوارہ کریں، معجزہ نہ تھا۔ ایک دن کا کام نہ تھا بلکہ ایمان لانے والوں کے جو درجے اور تقسیم ہم لکھ چکے ہیں۔ اسی میں اس کا راز ہے۔ ورنہ ناممکن نہ تھا کہ کیسی ہی زبردست مصلحت کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت کرتے ہی ایسی بڑی تعداد سے لوگ رسولؐ کا گھر گرم کرنے کے لئے مل جائیں۔ جن کے افسر فاضل مؤلف الفاروق کے آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ میں سے ایک بزرگ ہوں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری شفقتیں اور تقدس، احسانات اور جلالت محو کرا دی جائے۔ مصلحت ملکی تھی۔ لیکن ایسی مصلحت جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مٹانے گئی تھی۔ جو قرآن کی اس آیت کو لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ" جلانے گئی تھی۔ آج خانۂ رسولؐ تھا کل قرآن کیوں نہ ہوتا پھر رسول خانہ خدا کیوں نہ ہوتا؟ جو ہوا۔

علیؑ کے مقابلے میں ایک حقدار کھڑا کرنے کی کوشش مغیرہ ابن شعبہ کی ایجاد مصلحت

جو کچھ اب ہم لکھنے والے ہیں یہ ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ۔ اور ابن قتیبہ کی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں پایا جاتا ہے۔ ابن قتیبہ نے صرف اس کمیٹی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جسے ابن ابی الحدید نے واقعۂ ذیل کی وجہ بتائی ہے:۔

"ابوبکر، مغیرہ ابن شعبہ کے پاس گئے۔ مغیرہ نے کہا کہ کیا تمہاری صلاح ہے کہ عباس کے پاس چلو اور اس امر میں ان کا بھی اور ان کی اولاد کا حصہ قرار دو۔ یہ حجت ہو گی علیؑ اور بنی ہاشم پر جب کہ عباس تمہارے ساتھ ہوں گے۔ پس گئے ابوبکر، عمر اور ابو عبیدہ یہاں تک کہ عباس کے پاس پہنچے .... (ابوبکر نے کہا) ہم کو خبر پہنچی ہے ان طعنوں کی جو طعن کرنے والے اجماع مسلمین کے خلاف کرتے ہیں اور تم کو آڑ قرار دیتے ہیں۔ یا تم خود اس میں داخل ہو۔ جس میں عام لوگ داخل ہوئے ہیں یا رد کو ان لوگوں کو جس طرف وہ مائل ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے لئے اس امر میں ایک حصہ قرار دیں۔ جو تمہارے اور تمہارے بعد کے لئے ہو۔ اس واسطے کہ تم عم رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو۔ اگرچہ لوگوں نے تمہاری اور تمہارے اصحاب کی منزلت سمجھی لیکن اس امر خلافت کو تم سے پھیر دیا۔ اے بنی عبدالمطلب اپنی جگہ پر قرار لو۔ اس واسطے کہ رسولؐ تم میں سے بھی ہیں اور ہم میں سے بھی"

——————— اس کے بعد عمر نے کہا:۔

ہاں واللہ یہ مناسب ہے ہم اس واسطے نہیں آئے ہیں کہ ہم کو تم سے کوئی حاجت ہے۔ لیکن ہم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ تمہاری وجہ سے اس امر پر کوئی طعن ہو۔ جس پر عام لوگوں نے اجماع کر لیا ہو پس گھیر لیں گی مشکلات تم کو اور ان کو۔ پس اپنے اور لوگوں کے لئے غور کرو"

——————— عباس نے کہا:۔

" پس رسولؐ نے لوگوں پر ان کے امر کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنے لئے انتخاب کریں۔ اس طور سے کہ حق کو لئے ہوں نہ حق سے علیحدہ ہوں۔ بسبب خواہش نفس کے۔ اگر بسبب رسولؐ کے تم نے اس کو طلب کیا ہے تو تم نے ہمارا حق ناحق لیا اور اگر مومنین کے ذریعہ سے لیا ہے تو ہم بھی مومنین میں سے ہیں اور سب میں مقدم ہیں۔ اور اگر یہ امر تمہارے لئے ثابت ہوا ہے مومنین کے ذریعہ سے تو وہ تمہارے لئے کیونکر ثابت ہو سکتا ہے درانحالیکہ ہم کارہ تھے۔

جو کچھ کہ ہم کو دینا چاہتے ہو اگر وہ تمہارا حق ہے تو ہم کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور اگر مومنین کا حق ہے تو تم کو اس کے متعلق فیصلے کا کوئی اختیار نہیں ہے اور اگر ہمارا حق ہے تو ہم بعض کو چھوڑ کر بعض پر اکتفا نہیں کر سکتے۔ یہ جو تم نے کہا کہ رسولؐ ہم اور تم دونوں سے ہیں تو رسولؐ وہ درخت ہیں جس کی ہم ٹہنیاں ہیں اور تم ہمسایہ ہو" ________ ابوبکر وغیرہ چلے گئے

مشورے کی دوبارہ کوشش

ابن ابی الحدید کے موافق حضرت عباس نے حضرت عمر کا یہ جواب دیا جو ابن قتیبہ نے نہیں لکھا:۔

" تمہارا یہ قول کہ تمہیں خوف ہے لوگوں کا ہمارے باب میں پس اس کا تو تم نے پہلے ہی سے (سامان) کر لیا ہے اور خدا مددگار ہے ہمارا"۔ ابن ابی الحدید نے مغیرہ کی صلاح اور عباس کے پاس جانے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ جس روز ابوبکر خلیفہ ہوئے اسی شب کو ابوذر سلمان اور ابن ہشیم وغیرہ نے ایک کمیٹی کی کہ مہاجرین میں خلافت کے متعلق دوبارہ مشوریٰ ہوا اور جب خلیفہ وغیرہ کو یہ معلوم ہوا تو مغیرہ کی صلاح لی گئی۔

یہ واقعہ کہ وہی ابن ہشیم جسے روضۃ الصفا نے رحلت رسولؐ کے وقت لکھا ہے کہ خلافت کے لئے مشورہ کرنے کے حامی تھے وہی اس طرز عمل کے مخالف تھے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں برتا گیا، بتاتا ہے کہ اصحاب رسولؐ اس سے موافق نہ تھے اور پھر مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ اگر حضرت ابوبکر نے واقعی اس وقت خلافت قبول کر کے بقول مؤلف تاریخ الاسلام ایسا کام کیا

کیا یہ صحیح موقع نازک تھا

"جس کا احسان تمام مسلمانوں کی گردن پر ہے"، تو ان کی صفائی معاملت اور الزام سے اپنی گلو خلاصی کے لئے اس سے کوئی بہتر موقع نہ تھا کہ جب اصحاب رسولؐ و بنی ہاشم اور بنی امیہ کی مقتدر جماعت ان کے مخالف تھی تو وہ پھر سے انتخاب پر رضامندی ظاہر کرنے میں تردد نہ کرتے اگر واقعی موقع ایسا نازک ہوتا کہ جس کا رد کرنا احسان کے مفہوم میں آ سکتا تھا تو یہ اصحاب رسولؐ اور خصوصاً بنی ہاشم جو اسلام کے بُرے وقتوں میں اپنا خون بہاتے رہے، ہرگز اس تجویز پر آمادہ نہ ہوتے۔ جس سے دین میں کسی قسم کے خلل کا اندیشہ ہوتا۔ صورت معاملہ کو سمجھنے کے لئے ان کے پاس ہم سے زیادہ اسباب تھے۔ واقعہ ان کے پیش نظر تھا۔ درانحالیکہ ہم مختلف رنگوں میں رنگے ہوئے واقعات کتابوں میں دیکھتے ہیں اور ایک مؤرخ کے (انداز میں) اسباب سے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں

صفائی کا خیال تدبیر ملکی سے روکا گیا

صفائی معاملت کا خیال اس سے اور مشتبہ ہو جاتا ہے کہ یہ خبر سُن کر بجائے اس کے کہ حضرت ابوبکر وغیرہ نے ان لوگوں کو بلا کر یا ان کی انجمن میں جا کر دوبارہ شوریٰ نہ کرنے کے وجوہات اور مصالح ظاہر کیے ہوتے، قطعاً ملکی چالوں اور ڈپلومیٹک مشن سے تردید کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

مغیرہ ابن شعبہ کی صلاح ملکی حیثیت سے نہایت پختہ تھی اس نے ان حقدار کے مقابلے کے لئے ایک دوسرا حق دار کھڑا کرنے اور اسے اپنے موافق کرنے کی کوشش کی جو عوام کو دکھا کر پہلے حق دار کے رد حقوق کے لئے مفید ہو۔ اس کے لئے خلیفہ وظیفہ مقرر کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے، جو نہ صرف اسے بلکہ نسلاً بعد نسل ایک لامعلوم مدت تک دیا جاتا رہے گا۔ اس موقع اور اس کی فیاضی کو وہ لوگ خصوصیت سے دیکھیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ فدک کا نہ دیا جانا اس مصلحت سے تھا کہ اب تک مسلمانوں کے امورات کے انتظام کے لئے خلافت کے پاس سامان کی کمی تھی۔ پالیسی کی ساخت کے لئے فیاضی ممکن تھی، حق دار کا حق دینا ذرائع سلطنت میں کمی کا باعث ہوتا؛ یا نہ دنیا مدد کرتا؟ یہ فیاضی ان لوگوں کی توجہ کے قابل ہے جو اہل بیت رسالت کو خمس نہ دیے جانے کی مصلحت کے اس لئے حامی ہیں کہ "یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کی قرابت داروں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے اور گو ان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو اور گو وہ کتنی ہی دولت مند اور غنی ہو جائیں تاہم یہ رقم علیٰحدہ ملتی رہے گی،" اصول تمدن کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ بجائے خود ایک ملکی پنشن تھی جو اہل بیت رسالت کے لئے رسول اللہ کی طرف سے خدمات کے صلے میں مقرر کی گئی تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جب مصلحت میں تغیر ہوا تو ضرورت تھی کہ اس اصول کے مٹانے کے لئے کوئی مخالف مصلحت گھڑی جاتی اور اس کے جواز کے لئے کچھ کہا جاتا۔ اب تو ضرورت اس کی تھی کہ حامیان حکومت کو پنشن دی جاتی۔

ملکی وفد کی حیثیت

جن لوگوں کو سیاسی زبان اور اس کی ساخت میں تھوڑی بھی مہارت ہے ان کے لئے یہ سمجھنا دشوار نہ ہو گا کہ حضرت ابوبکر کی کوشش بری کوشش نہ تھی۔ کم سے کم وہ اپنی تقریر کی آمد میں بڑے نر تھے جب کہ انہوں نے دھمکیوں سے شروع کی اور اس طرح مرعوب کر کے اپنے موافق کر لینا چاہا ان کا یہ فقرہ کہ "تم کو آڑ قرار دیتے ہیں" ان کی کُل تقریر میں استادانہ تھا جس میں ان پر سیدھا الزام نہیں لگایا ہے اور ایک سوراخ چھوڑا ہے جدھر سے وہ نکل کر انکار کریں کہ استغفر اللہ ہم ہرگز ان معاملات میں طعن کرنے والوں کے شریک نہیں ہیں۔ انکار کی سفارش نہایت قوی تھی اس کے بعد جو دو پہلو پیش کئے گئے کہ یا داخل ہو یا رد کو ایک تیسری بات کا موقع دیتے ہیں کہ یا تو نیوٹرل رہو۔ یعنی موافق یا مخالفت کچھ نہ ہو۔ کیونکہ اگر صرف داخل ہونا کہتے تو ردکن اس کا فطری نتیجہ تھا۔ درانحالیکہ یہ کہنا کہ "دریا ردکو"، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ جو تمہاری آڑ

پکڑتے ہیں ان کا ساتھ نہ دو۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ تم داخل بھی ہو، یعنی ہماری موافقت بھی کرو۔ اس کے بعد موافقت کرنے کے لئے وظیفہ کا لالچ دیتے ہیں اور ایک نہایت زبردست "اس واسطے" استعمال کرتے ہیں کہ تم عمّ رسولؐ ہو۔ یہ فیض عنایت کرنے کی شان میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ عمّ رسولؐ ہونے کی وجہ سے تمہارا وظیفہ اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ تم دختر رسولؐ اور ان کے داماد اور بھائی کے مقابل کھڑے ہو جاؤ اور ان کے حق طلبی کے دعوے کی تردید کرو۔

اسی پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ یہ کہہ کر کہ "امر خلافت کو تم سے پھیر دیا" یاس پیدا کر کے اپنی پیش کش پر گر پڑنے کا سہارا دیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ "اے بنی عبد المطلب اپنی جگہ قرار کرلو" ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے دھمکایا ہے یا ان کی گزشتہ عظمت اور اپنی شرائط پیش کرنے کے موقع کو دیکھ کر متانت سے انتقام لیا ہے یا ان کی آزادانہ روح حکومت کو اپنا موقع دکھا کر کھیلا ہے، یا باوجود اختیار نکل جانے کے ان کی آن پر مدبرانہ تبسم کیا ہے۔

آخر کا فقرہ برادرانہ سمجھوتہ کا پیش کیا گیا ہے جس کو اس قدر پالیسی سے ربط نہیں ہے جس قدر قانون وراثت سے کہ "رسولؐ تم میں سے بھی ہیں اور ہم میں سے بھی"، یہ فقرہ اس قدر اس وقت کی ڈپلومیٹک مشن کے لحاظ سے قابل تعریف نہیں ہے جس قدر گزشتہ تدبیر کے اعتبار سے کہ اس کا پیشتر سے سامان کیا گیا تھا کہ موقع پر ایک دلیل لائی جا سکے۔

حضرت عمر نے جو کچھ کہا وہ لحن الخطاب کے لحاظ سے مضر تھا۔ ان کے تلفظ میں وہ متانت اور لوچ نہ تھا جو حضرت ابوبکر کی تقریر میں ظاہر تھا۔ حضرت عمر کی تقریر رشتہ کی قطع کرنے والی تھی جو بلحاظ آغاز مصلحت کے نہایت خلاف تھی۔ ان کی تقریر بمقابلہ حضرت ابوبکر کے زیادہ تحکمانہ تھی۔ جسے سن کر جلد اثر قبول نہ کرنے والا آزاد خیال ویسا ہی جواب دیتا اور یہ غرض کہ موافق اثر ڈالا جائے، فوت ہو جاتی۔ حضرت عمر کا پہلا ہی فقرہ نہ صرف غلط بلکہ متعین خوش وقتی کے قابل تھا اور ان سے آنکھوں آنکھوں میں پوچھا جا سکتا تھا کہ اگر کوئی حاجت نہ تھی تو قدم رنجہ فرمائی کی کیا ضرورت تھی؟ درانحالیکہ نئی نئی خلافت کے بہت سے کام منتظر ہوں گے۔ اور پھر اس کے بعد خلیفہ کو اس قدر طویل تقریر کی جس میں غرض کا حمل معلوم ہوتا تھا کیا حاجت تھی؟ ان کے آخری فقرات واضح دھمکیوں سے پُر تھے۔

عباس تردید کرتے ہیں

عباس کی تقریر کی آمد ویسی ہی غیر متاثر ہے جیسی بنی ہاشم جیسے حاکم قوم کے ایک مقتدر فرد کی ہونی چاہیئے تھی۔ ان کی تقریر کی شان کہتی ہے کہ وہ سقیفہ بنی ساعدہ کے خلیفہ سے بات نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کے مخاطب ابن ابو قحافہ تھے۔ انتخاب کے متعلق اس فقرہ سے اور کیا زیادہ سیدھا وار ہو سکتا تھا کہ "حق کو لئے ہوں نہ اپنی خواہش نفس کی وجہ سے علیحدہ ہوں"، اس کے بعد کا فقرہ استفہام الزامی ہے جس سے اس طرز عمل کی تردید کی گئی ہے جس کے مفید مطلب اقرار لینے کے لئے تکلیف کرنے کی ضرورت ہوئی تھی۔ یہ عباس کی وسعت فہم پر دال

ہے کہ انہوں نے ابوبکر کے دعوے کو چیر کر کئی حصوں پر تقسیم کر دیا اور زبردست دلیلوں سے اس کی تردید کی۔ ان کے مقابلے میں اپنے کو احق اور مومنین میں مقدم کہا جو عین واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر عباس کے مقابلے میں عزیزداری کی وجہ سے خلافت رسول کا دعویٰ نہیں کر سکتے اور نہ مومنین کو ان پر تقدم ہو سکتا تھا۔ کیونکہ یہ خود مومن اور عزیز رسول ہیں۔ اسی طرح ان کی خلافت کے عدم جواز کو اپنی کراہت یا عدم دخل و شرکت کی وجہ سے ثابت کرتے ہیں، جو رد اجماع ہے۔ عباس کا یہ جواب کہ "اگر وہ حق تمہارا ہے تو ہم کو ضرورت نہیں اور اگر مومنین کا ہے تو تم کو اس کے متعلق فیصلے کا کوئی اختیار نہیں" ان کے مشن کو جڑ سے کاٹ رہا تھا، کیسے کہتے کہ ہمارا حق ہے، جب کہ دور کا بھی حق نہ تھا اور جب ان کا حق نہ تھا تو عباس کو ان کے احسان کی ضرورت نہ تھی اور اگر تھا تو انکار کر کے مشن کو ختم کر دیا تھا۔

اگر بقول حضرت ابوبکر کے وہ مومنین کے بنائے ہوئے خلیفہ تھے تو انہیں اس پُر راز طریقہ سے اس امر میں تصفیہ کی ضرورت نہ تھی۔ معاملہ عامۂ مسلمین کے سامنے رکھ کر فیصل کیا جاتا۔ ان کی یہ دلیل حق اور اجماع دونوں کی تردید کر رہی تھی۔

تیسری شکل اس مسئلہ کی یہ تھی کہ "اگر ہمارا حق ہے تو ہم بعض کو چھوڑ کر بعض پر اکتفا نہیں کر سکتے"۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ "دو تم سے ایک جزو لے کر ہم اپنے کل حق سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ تمہیں دینے کا کوئی اختیار یا حق نہیں ہے"، عباس نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حضرت ابوبکر کا رشتہ صاف کر رہے تھے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت قائم کر کے یا تو یہ کہہ رہے تھے کہ ہم خسر ہیں یا یہ کہہ رہے تھے کہ ہم قبیلہ بنی تیم سے ہیں جو قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہیں اور بنی ہاشم بھی قبیلہ قریش سے ہیں۔ اس لئے ہمیں رسول اور بنی ہاشم سے نسبت ہے۔ واقعی اقلیدس انہیں محروم نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر عرب کا کوئی فقیر حضرت ابوبکر سے آکر عرض کرتا کہ چونکہ ہم اور تم بوجہ اولاد آدم میں ہونے کے ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ہمیں بھی اپنی جائیداد سے نسبت دو، تو شاید حضرت ابوبکر اس غریب عزیز سے بری طرح پیش آتے اور مطلق کسی نسبت کا خیال نہ کرتے اس دعویٰ کے ساتھ نہایت ممکن ہے کہ کوئی فقیر دنیا کے کسی بڑے بادشاہ سے اپنے کو نسبت دیدے۔ ظاہر ہے کہ ایسی نسبت دینے والا کیا سمجھا جائے گا۔

اس سے بڑھ کر اور کیا سچی اور پُرطنز بات ہو سکتی تھی کہ اگر رسول درخت تھے تو ہم اس کی شاخیں ہیں اور تمہاری نسبت وہ ہے جو سایہ کو کسی جسم سے ہوا کرتی ہے۔

کامیابی یا ناکامیابی

اب مجھے ناظر سے یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ مغیرہ ابن شعبہ کی خود ساختہ مصلحت اور حضرت ابوبکر کے ڈپلومیٹک مشن میں کامیابی ہوئی یا نہیں؟

اب تک ہم نے جس قدر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد کے واقعات لکھے وہ یا تو تاریخی تھے یا تاریخی واقعات پر نظر تھی۔ جس سے یہ مقصود تھا کہ واقعات یقینی حد تک سمجھ میں آجائیں۔ اب ہم ان کے متعلق خود حضرت علی علیہ السلام کے اقوال اور خیالات لکھتے ہیں جن کا ان کے خطبات سے خلاصہ کیا گیا ہے۔

تاخیر کے معنی اپنے حق سے دستبرداری نہ تھی

"پیغمبرؐ کی وفات کے بعد ہم نے جہاد اور احقاق حق میں تاخیر کی اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اغیار اس کے مستحق تھے اور ہمیں وہ حق نہیں پہنچتا تھا۔"

اے سننے والے خبردار ہو جا کہ فلاں شخص نے پیراہن خلافت کو زیب تن کر لیا حالانکہ وہ خوب جانتا تھا اور اسے اچھی طرح یقین تھا کہ خلافت کے لئے میرا وہ مقام ہے اور مجھے اس سے وہی نسبت ہے جو آسیا کو قطب آسیا سے مجھ سے علم کا ایک متلاطم دریا نکل رہا ہے اور میرے علم و منزلت کا پایہ وہ رفیع و بلند ہے۔ جہاں پہنچتے ہوئے شاہین تیز پرواز کے پر جلتے ہیں جب ابن ابی قحافہ نے اس پیراہن کو ناحق اپنی زینت بنالیا۔ تو میں نے اپنے اور اس خلافت کے درمیان پردہ ڈال دیا اور اس معاملہ میں غور کرنا شروع کیا کہ اپنے بریدہ اور شکستہ ہاتھ سے اس پر حملہ کروں یا اس ظلمت و تاریکی پر صبر کروں۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس واقعہ پر میرا صبر کرنا بہت ہی بہتر اور نہایت ہی عقلمندی ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میری میراث کس طرح تاراج و غارت ہو رہی ہے .... مجھے کس زمانہ میں یہ تردد و شک لاحق ہوا تھا کہ میں اس جماعت کے اوّل اور پیشوا کا مصاحب اور ساتھی بن جاؤں یہاں تک کہ اس جماعت کے ایسے لوگوں سے مقارن ہوں۔ جب خود ابوبکر ہی کی فصاحت اور معیت مجھے پسند نہ تھی جو ان کا پیشوا تھا تو ان کا شریک مشورہ ہونا مجھے کیوں کر پسند ہوتا؛ میری شان و قدر علم و فضل و حکمت و اخلاق کے درجے بہت اعلیٰ ہیں۔ جاہلوں کے مشورہ میں شریک ہونا مجھے گوارا ہو سکتا ہے لیکن جب یہ لوگ زمین کی طرف اترے۔ مجبوراً میں بھی ان کے ساتھ اترا اور جب یہ اونچی اڑان پر گئے۔ مجھے بھی ہمراہ رہنا پڑا۔ مجھے تو ان کا رام کرنا اور انہیں ہدایت کا راستہ دکھا دینا مطلوب تھا۔ جیسے اہلی کبوتر جنگلی کے ساتھ پرواز کر کے اسے اپنا کر لیتا ہے۔"

یہ خطبہ شقشقیہ کا خلاصہ تھا۔ شقشقیہ اسے کہتے ہیں جو حالت مستی میں اونٹ کے منہ سے ایک چیز نکلتی ہے اور پھر منہ میں چلی جاتی ہے۔ اس تقریر میں ابن عباس مخاطب تھے اور نہایت جوش اور اثر کے عالم میں شروع کیا گیا تھا حضرت اس وقت خلیفۂ ظاہری بھی تھے۔ حضرت فرما ہی رہے تھے کہ قاصد نے ایک خط دیا اور اس کے ملاحظہ میں مشغول ہو گئے۔ ختم کرنے کے بعد جب ابن عباس نے دوبارہ تقریر فرمانے کی استدعا کی تو کہا یہ شقشقیہ تھا جو نکل گیا۔ ابن عباس کو افسوس رہا کہ جس ارادہ سے یہ شروع کیا گیا تھا وہ ظاہر نہ ہونے پایا ــــــــــ دوسرے خطبے میں فرماتے ہیں ؛۔

بارِ الٰہا میں تجھ سے اس گروہ قریش کے لئے انتقام طلب کرتا ہوں۔ کیونکہ ان لوگوں نے میرے رحم کو قطع کیا اس حق پر مجھ سے تنازعہ کرنے کے لئے جمع ہو گئے۔ جس کا میں ان سے زیادہ مستحق تھا۔ مجھ سے کہنے لگے کہ بیشک یہ خلافت تیرا حق ہے اگر تو اسے لے لے مگر اب تو حق یہی ہے کہ تجھے اس سے روک دیا جائے۔ اب تو نہایت ہی رنج و الم کی حالت میں صبر کر اور نہایت متاسفانہ طریقہ سے مر جا۔ اب میں نے نگاہ دوڑائی تو اہل بیت کے سوا کسی کو اپنا معین و مددگار اور دشمن کو

دور کرنے والا نہ پایا۔ مگر میں نے ان کی موت سے بخل کیا۔ کدورت آمیز آنسو بہانے والی آنکھوں کو بند کر لیا۔ دلی سوزش بجھانے کے واسطے لعاب دہن پی کر رہ گیا اور غصہ فرو کرنے کے لئے ایسے ناگوار طریقے سے صبر کیا جو درخت حنظل سے بھی زیادہ تلخ اور تیز چھریوں کی برش سے زیادہ قلب کو اذیت پہنچانے والا ہے" فرماتے ہیں:-

"جب آپ کا انتقال ہو گیا تو آپؐ (رسولؐ) کے بعد مسلمانوں نے امر خلافت میں تنازعہ کیا۔ قسم خدا کی ہرگز میرے دل میں یہ بات نہ تھی۔ مجھے اس کا گمان بھی نہ تھا کہ اہل عرب اس امر خلافت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے اہل بیت سے زائل کر دیں گے۔ نہ مجھے یہ خیال تھا کہ حضرتؐ کے بعد مجھے اس خلافت سے دور کر دیں گے۔" یہ آپ نے اپنے خلافت کے زمانہ میں اہل مصر کو لکھا تھا)

معاملہ فدک

خاندان رسالتؐ کے متعلق حضرت ابو بکر کے زمانے کا دوسرا افسوسناک واقعہ معاملہ فدک ہے۔ فدک کا تعارف ہم زمانہ رسولؐ میں کرا چکے ہیں۔ قیاس آسان تھا کہ اگر اولاد رسولؐ خلافت سے محروم رکھی گئی تو یہ جائز سمجھا گیا ہو گا کہ فدک ان سے نہ لیا جائے جو گویا وسیلۂ رزق تھا۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مال بنی نضیر اور فدک وغیرہ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات میں مسلمانوں پر صدقہ کیا تھا وہی کہتے ہیں کہ یہ صدقہ "بعد از نفقۂ عیال تھا" (مشکوٰۃ المصابیح) حالانکہ وہ وقت اور وہ حکم جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک کو مسلمانوں پر صدقہ کیا ہو۔ کبھی دلیل میں پیش نہیں کیا گیا برخلاف اس کے روضۃ الصفا، ابو الفداؔ اور معارج النبوۃ سے جیسا ہم لکھ چکے یہ صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ کے نام دستاویز لکھی اور جیسا ملاحظہ طلب ہو گا کہ حضرت ابو بکر نے اپنی تائید میں زکیہؑ طاہرہؑ کے دعوے کے وقت ہرگز اس کی دلیل پیش نہیں کی کہ مسلمانوں پر قطعۃً فدک صدقہ کیا گیا ہے۔

ابن حجر مکی صواعق محرقہ (مطبوعہ مطبع میمنہ مصر صد ۲۲) میں فرماتے ہیں :-

گواہی قبول نہیں کی گئی

"بیشک ابو بکر رحیم تھے اور مکروہ جانتے تھے کہ تغیّر دین اس چیز میں جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ گئے ہوں۔ پس آئیں فاطمہؑ اور کہا بیشک رسول اللہؐ نے مجھے عطا کیا ہے فدک، تو کہا ابو بکر نے کہ کوئی گواہ تمہارا ہے۔ پس گواہی دی حضرت فاطمہؑ کی طرف سے حضرت علیؑ اور ام ایمن نے۔ تو ابو بکر نے کہا کہ کیا ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے تم مستحق ہو جاؤ گی؟"

"...... ذکر کیا ہے بخاری نے اپنی سند سے کہ حضرت فاطمہؑ و عباس آئے ابو بکر کے پاس طلب کرتے ہوئے میراث اپنی ارض فدک اور سہم خیبر میں تو کہا ابو بکر نے سنا ہے میں نے کہ رسول اللہؐ فرماتے تھے۔ لانورث ما ترکناہ صدقۃ انما یاکل آل محمد فی ھذا المال"۔ واللہ قرابت رسولؐ خدا کی محبوب زیادہ ہے مجھ کو اس سے کہ صلہ رحمی کروں میں اپنی قرابت سے

ابوبکر کی اولاد ان کی وارث ہو لیکن دختر رسول، رسولؐ کی وارث نہ ہو

پس آئیں بنت رسول اللہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ ابوبکر کے نزدیک اور میراث طلب کی، میراث نہ دی ابوبکر نے، پس کہا حضرت فاطمۃ الزہراؑ نے۔ اے ابوبکر اگر تو مرجائے کون وارث ہوگا تیرا؟ کہا صدیق نے کہ میرے اہل اور اولاد وارث ہوں گی۔ حضرت فاطمہؑ نے کہا پھر کیا سبب ہے جو میں وارث نہ ہوں اپنے باپ کی؟ کہا ابوبکر نے کہ سنا ہے میں نے رسولؐ خدا سے کہ نہیں ہوتی ہم کو میراث،، (مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت) اسی کتاب میں اس بات پر تعجب کرتے ہوئے کہ حضرت فاطمہؑ غضب ناک ہوئیں:۔ "بہ تحقیق ثابت ہوا ہے، راضی ہونا فاطمہؑ زہرا کا صدیق سے مرض موت میں ان کے روایت کی بیہقی نے شعبی سے کہ ابوبکر صدیق نے عیادت کی فاطمہ زہراؑ کی مرض موت میں اور کھڑے ہوئے ان کے دروازہ پر اور کہا علی مرتضیٰ نے کہ یہ ابوبکر ہے جو اذن طلب کرتا ہے تم سے، فاطمہ زہراؑ نے کہا تم دوست رکھتے ہو اس بات کو کہ میں اذن دوں اسے؟ علی مرتضیٰ نے کہا ہاں۔ پس اذن دیا فاطمہؑ نے اور آئے ابوبکر۔ پس راضی جانا ابوبکر نے فاطمہؑ کے تئیں کذا فی کتاب الوفا اور ریاض النضرہ اور لایا ہے کہ آئے ابوبکر فاطمہؑ کے نزدیک اور اعتذار کیا پس راضی ہوئیں حضرت زہراؑ ان سے اور راوزاعی سے لائے ہیں کہ کہا باہر آئے ابوبکر اور کھڑے ہوئے فاطمہ زہراؑ کے دروازہ پر گرم روز کے درمیان اور کہا نہ جاؤں گا میں یہاں سے جب تک راضی نہ ہو مجھ سے پس راضی ہوئیں" اخرجہ السمان فی کتاب الموافقۃ۔،،

فاطمہؑ نے اذن نہ دیا، فاطمہؑ نے منہ پھیر لیا اور جواب سلام نہ دیا

ابن قتیبہ کتاب الامامۃ والسیاستہ میں لکھتے ہیں:۔ " کہ عمر نے ابوبکر سے چلو ہم لوگوں کے ساتھ فاطمہؑ کے یہاں اس لئے کہ ہم نے ان کو غضب ناک کیا ہے پس دونوں شخص گئے اور اجازت چاہی فاطمہؑ سے ان کے پاس حاضر ہونے کی۔ لیکن انہوں نے اذن نہ دیا تو دونوں صاحب حضرت علیؑ کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کی اور وہ ان دونوں شخصوں کو حضرت فاطمہؑ کے پاس لے گئے اور جب یہ دونوں بیٹھے ان کے پاس تو انہوں نے ان لوگوں کی طرف سے منہ پھیر کر دیوار کی طرف کر لیا۔ ان لوگوں نے سلام کیا۔ حضرت فاطمہؑ نے جواب بھی نہ دیا۔ پس ابوبکر گویا ہوئے اور کہا:۔

" اے حبیبہ رسول اللہ قرابت رسولؐ کی زیادہ محبوب ہے مجھے اپنی قرابت سے اور آپ میرے نزدیک میری بیٹی عائشہ سے زیادہ محبوب ہیں اور میں دوست رکھتا تھا اس روز جس روز آپ کے والد نے انتقال فرمایا ہے کہ میں مرجاتا اور ان کے بعد باقی نہ رہتا۔ آیا آپ سمجھ سکتی ہیں کہ میں آپ کو اور آپ کے فضل و شرف کو پہچان کر پھر بھی آپ کا حق نہ دوں اور آپ کو میراث رسولؐ سے محروم رکھوں۔ آگاہ ہو جیسے کہ میں نے آپ کے والد رسولِ خدا سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے:۔ لانورث ما ترکناہ صدقۃ پس فاطمہؑ نے کہا اگر میں تم دونوں سے رسولِ خدا کی حدیث بیان کروں تو اس کا اقرار کروگے

www.kitabmart.in

اور اس پر عمل کرو گے دونوں صاحبوں نے کہا ہاں؟

فاطمہؑ حدیث بیان کرتی ہیں اور ابوبکر وغیرہ تصدیق کرتے ہیں

پھر فرمایا قسم دیتی ہوں میں تم کو اللہ کی۔ آیا نہیں سنا ہے تم نے رسولؐ اللہ سے۔ کہ فرماتے تھے:۔ رضاء فاطمۃ من رضائی وسخط فاطمۃ من سخطی فمن احب فاطمۃ ابنتی فقد احبنی ومن ارضا فاطمۃ فقد ارضانی ومن اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی ۔ دونوں صاحبوں نے کہا ہاں سنا ہے ہم نے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ پس کہا فاطمہؑ نے، پس میں گواہ کرتی ہوں اللہ اور ملائکہ کو کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا اور مجھ کو راضی نہیں کیا اور اگر رسولؐ اللہ سے ملوں گی تو تمہاری ان سے شکایت کروں گی۔ پس کہا ابوبکر نے کہ ہم پناہ مانگتے ہیں خدا کی اس ناراضی اور تمہاری ناراضی سے اے فاطمہؑ پھر ابوبکر نے رونا شروع کیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ روح ان کی نکل جائے اور سیدہؑ یہی کہہ رہی تھیں کہ واللہ بددعا کیا کروں گی تیرے لئے ہر نماز میں۔"

محمود رافعی نے نوٹ میں لکھا ہے:۔ "اے حبیبۂ رسولِ خدا ہم نے غضب ناک کیا تم کو میراث میں تمہاری رسولؐ سے اور تمہارے شوہر کے بارے میں، پس جواب دیا سیدہؑ نے کہ تیرے اہل تیرے وارث ہوں اور میں محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وارث نہ بنوں"

عمر ابن عبد العزیز نے فدک واپس کیا

مؤلف تاریخ الاسلام فرماتے ہیں:۔

" باغ فدک کو حضرت ابوبکر صدیق کے وقت میں فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارث پیغمبر کی بنیاد پر طلب کیا تھا۔ خلیفۂ اوّل نے دینے سے انکار کیا اور کہا پیغمبر کی کوئی ملکیت نہ تھی جس پر ارث جاری ہو۔ .... عمر ابن عبد العزیز نے ورثا حضرت فاطمہؑ کو بلا کر حوالے کر دیا"، پھر فرماتے ہیں:۔

"اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ عمر ابن عبد العزیز نے خلیفہ اوّل سے مخالفت کی۔ یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دن اب ایسے نہ تھے کہ کروڑوں روپیہ لوگوں کو حصہ دے دیا جاتا تھا۔ اگر آلِ رسولؐ کو ایک باغ بلا وجہ دے دیا گیا تو نہ دیئے جانے سے کہیں اچھا ہوا۔"

معاملہ فدک میں غلطی ہوئی

مولوی عبید اللہ صاحب امرتسری فرماتے ہیں:۔

" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجتہد تھے مگر معصوم نہ تھے اور بوجہ " المجتہد قد یخطی و قد یصیب "، ان سے فدک کے معاملے میں خطائی الاجتہاد واقع ہو گئی"

خالصہ میں قسم کی ضرورت ہوئی

مولانا شبلی صاحب فدک کے متعلق پہلے یہ آیت تحریر فرماتے ہیں:۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شئ قدیر (یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو ان لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اس پر اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلّط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے)

اس آیت کو پڑھ کر حضرت عمر نے کہا تھا کہ "وکانت خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"، اس کے بعد فرماتے ہیں "حضرت عمر خالصہ سمجھتے تھے لیکن اس قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا"، اسی پر قناعت نہیں کی ہے بلکہ "وقف" بھی کہا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کی جائیداد کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ مملوکہ خاص اور مملوکہ حکومت"، علیؑ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یہ نہیں ہوا کہ ان کی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسینؑ وعباس وغیرہ......... بلکہ صرف حسنؑ کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں "غرضیکہ یہ عام اور مسلّم قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب سے حاصل ہوتی ہے وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی، اس کی گویا دلیل نہیں فرمایا ہے۔ "آدھا فدک خاص رسول اللہؐ کا تھا۔ آنحضرتؐ اس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے یعنی فدک آنحضرتؐ کا تھا۔ آپؐ اس میں سے خرچ کرتے تھے اور فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے اور ان کے بیواؤں کی شادی کرا دیتے تھے۔"

قضیۂ فدک جس کے تاریخی الفاظ ناظرین ملاحظہ فرما چکے، مختصر لفظوں میں اس طرح تولا جا سکتا ہے کہ جب فدک بغیر کسی قسم کی جنگ آزمائی کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں آ گیا تو اس قانون کی رو سے کہ چونکہ مسلمانوں کو اس کی فتح میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرکت سے کسی قسم کی کوشش نہ کرنی پڑی تھی جس سے انہیں اس پر قسم قسم کا دعویٰ ہوتا۔ اس لئے نہ صرف قانون بلکہ مسلمانوں پر بھی یہ بڑا فرض تھا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی عقل اور جن کی کوشش اور جن کی ذات سے عربوں کے دن پھرنے لگے تھے۔ مفلس، مالدار اور صحرائی ایک متمدن قوم جانتے تھے، اس جائیداد کا خالص مالک بن جائیں۔ جس پر مسلمانوں کو حقوق کا بہانہ نہ تھا بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی کوششوں اور اثر سے قبضہ میں آ گیا تھا۔

قرآن کا اعلان

قرآن کا اس معاملے میں لوگوں کو مخاطب کرنا اور پیغمبرؐ کی جائیداد پر مسلّط ہو جانے کا ذکر کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ ان کو نہ صرف کسی قسم کے دعویٰ سے روکا ہے بلکہ متنبہ بھی کر دیا ہے کہ یہ صرف پیغمبر کا ہے۔ نہ صرف روکا اور آمادہ کیا ہے بلکہ ایک متین قانونی اعلان بھی ہے جو کسی خاص وقت سے متعلق نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ پیغمبرؐ کا تسلّط بالاستمرار مقصود ہے۔ یہ بھی مخفی نہیں ہے کہ کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جس پر تسلّط سے تولیت مقصود ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا قبضہ نہ ہو جس سے انہیں اس جائیداد پر ہر طرح کا اختیار حاصل نہ ہو۔

کم سے کم اگر یہ خبریں کہ پیغمبرؐ نے فدک کے متعلق حضرت فاطمہؑ کے نام وثیقہ لکھا۔ معترض کے نزدیک کسی وجہ سے یقین

کے قابل نہ بھی ہوں تو وہ انہیں ایسی ہی آزادانہ کسی دلیل سے رد کرنے کا اپنے پاس سامان نہیں دیکھتا۔ اگر یہ شہادت کا واقعہ نہ بھی ہوتا، تاہم شہادت عرفِ عام ہو گی جو بہ نسبت مدعا علیہ کے مدعی کے زیادہ مفید ہو گی کہ ایسے سوچنے کے وجوہات تھے کہ ارضِ فدک پر صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حق ہے، عامہ مسلمین کو اس پر کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ ورنہ وثیقہ لکھے جانے کے واقعہ کا اصل اور کوئی دوسرا خیال نہ ہو سکتا تھا۔ قبضہ کے بعد یہ فطری اقدام معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اکلوتی صاحبزادی کی آئندہ آسائش کے لئے ایک باضابطہ اور ناقابل عذر تحریر چھوڑ جاتے۔ اس خبر نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دستاویز لکھی جو مؤید بحکم قرآن ہوا، اور بھی قوت آتی ہے۔ جب یہ بھی محفوظ ہے کہ یہ دستاویز مدعا نے اپنے ثبوت میں پیش بھی کی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مدعا علیہ نے جو خود اس موقع پر قاضی بھی تھا۔ اس دستاویز کی تردید نہیں کی۔ مدعی نے دو گواہ پیش کئے، مدعا علیہ کا کوئی گواہ نہ تھا۔ اس پر بھی مدعی کا دعویٰ اس لئے قبول نہ کیا گیا کہ اس کے گواہ ایک مرد اور ایک عورت تھی، نہیں معلوم مدعا علیہ قاضی نے دنیا بھر کے قانون شہادت کے خلاف گواہوں کی تعداد پر کیوں اس قدر زور دیا۔ حالانکہ ایک معتبر اور ثقہ گواہ کافی ہوتا ہے۔ اس وقت ایک گواہ حضرت علیؑ تھے اور دوسرے اسامہ ابن زید کی ماں، جن کی ماتحتی میں مدعا علیہ کو کوچ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ کیا دنیائے اسلام کو بجز مدعا علیہ کے ان گواہوں کے ثقہ ترین ہونے میں کوئی شبہ ہوا۔ کیا خود مدعی کی تنہا شہادت اس حیثیت سے کافی نہ تھی۔ انصاف پسندی یہ کہتی ہے کہ حضرت ابو بکر اس مقدمہ کو اجماع مسلمین کے تصفیہ پر چھوڑ دیتے اور خود فیصل نہ کرتے۔ لیکن شاید یہ مصلحت نہ ہو اور اگر بفرضِ محال مدعا علیہ کے اس قدر گواہ بھی ہوتے، جتنے لوگ اسے بادشاہ سمجھتے تھے تو کیا ایسے گواہوں کی گواہی جو دیکھ رہے ہیں کہ مدعا علیہ بادشاہ ہے، دعویٰ شدہ کے واپس کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ انصافاً کسی دوسرے فیصلہ کرنے والے کے سامنے قابل قبول ہو سکتی تھی؟

تنہا زبان جو اپنے موافق ہے

اسی طرح مدعا علیہ کا حدیث لا نورث اپنے ثبوت میں لانا جو ان سے اور صرف ان سے سنی گئی (یہ حدیث حضرت ابو بکر سے منقول ہے، جسے تاریخ الخلفاء میں ابو داؤد سے نقل کیا ہے) کیا کسی طرح قابل قبول ہو سکتی ہے۔ مدعی نے اس حدیث کی دو طرح تردید کی۔ ایک تو مدعا علیہ کے اقرار پر کہ میرے بعد میری اولاد وارث ہو گی، کہا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ میں اپنے باپ کی وارث نہ ہوں۔

کیا رسول ہونا حق بشری کو زائل کر دیتا ہے

مدعی کا یہ کہنا اس عام قانون کی بنیاد پر تھا کہ مرنے کے بعد اس کی اولاد وارث ہوتی ہے۔ رسول خدا کے اس قانون سے مستثنےٰ نہ تھے، رسالت نے انہیں حق بشری یا قاعدہ بشری سے مستثنےٰ نہ کر دیا تھا۔

خفیہ حدیث کی قرآن سے تردید

دوسری دلیل یہ بھی جو خود رسول خدا کے عطا کئے ہوئے قرآن سے لائی گئی

کہ وَوَارِثَ سلیمانُ داؤدَ ، داؤد کے وارث سلیمان ہوئے اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی دوسرے نبی کا وارث ہوا۔ یعنی یہ اس کی تردید ہے کہ "ہم گروہ انبیاء"...... کم قرینہ ہے کہ مسلمان قرآن کے سامنے ایک خفیہ حدیث کو قبول کریں گے، جسے صرف مدعا علیہ اپنے ثبوت میں لایا تھا۔ جو منافی قرآن اور منافی اخبار ہے اس نبی کے متعلق جس نے یہ قانون قرار دیدیا تھا کہ اولاد اپنی جائیداد کی وارث ہوتی ہے یہ کہنا کہ اس قانون کا عمل اس پر نہ تھا غیر قوموں کو اس نظریہ پر منسوانا ہے۔ تعجب ہے کہ حضرت عمر نے باوجود اپنی مشہور قرآنیت کے حضرت ابوبکر کی حدیث کی مخالفت مفید نہ سمجھی۔

کیوں رضامند کرنا چاہا

واقعات اسی پر تمام نہیں ہو گئے بلکہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ مدعی کا ثبوت قوی اور مدعا علیہ کے فعل کا عدم جواز ثابت ہوتا گیا۔ کیا ضرورت تھی مدعا علیہ کو کہ وہ مدعی کے ناراض ہونے سے اس کی رضامندی کی کوشش کرتا؟ ہم بتائے جائیں گے کہ یہ اپنی غلطی کا اقرار کرنا نہ تھا۔ ایسا کہنے والے پہلے "اعتذار" کے الفاظ پر غور کریں گے جو تاریخوں میں محفوظ ہے۔ یہ بھی کہا جائے گا کہ ان کا راضی کرنا اس بات پر تھا کہ وہ مدعی کو باوجود اس کے دعوے کے قبول نہ کرنے کے دختر رسولؐ سمجھتے تھے۔ اس کے مقابل ہم کہیں گے کہ یہ ایک مصلحت ملکی کیوں نہ سمجھی جائے کہ جب دختر رسولؐ کو ناراض دیکھا تو اس خیال سے کہ عامۂ مسلمین پر اس کا برا اثر نہ پڑے، دکھایا کہ ہم معذرت کرنے گئے تھے۔ یہ اس قدر تقدس کی نیت سے نہ تھا جس قدر اپنی نامقبولیت کے انسداد کے لئے اور اس کے بعد ایک مسلمان کی نگاہ سے دیکھیں گے کہ اگر دختر رسولؐ سمجھتے تھے تو کیا اس کی یہی شان تھی کہ اس کے دعوے کی سچائی میں شبہ کیا جاتا جو صرف دعویٰ نہ تھا بلکہ بہترین ثبوت کے ساتھ تھا؟

نواسی کا بیٹا، پرنانا کا مخالف

عمر ابن عبدالعزیز حضرت عمر کی نواسی کے بیٹے تھے، کم امید ہے کہ بلا وجہ اپنے پرنانا کے محسن کو جن کے محسن ان کے پرنانا بھی تھے، اپنی اس کارروائی سے لوگوں کی نگاہ میں نہ صرف اپنے وقت بلکہ آئندہ زمانے میں بھی قابل الزام ٹھہراتے یا اپنے اس فعل سے ان کل اعتراضات اور الزامات کی تصدیق کرتے جو...... فدک سے پیشتر اور بعد لگائے گئے تھے یا لگائے جاتے۔

الجھن

حضرت ابوبکر نے کوئی ثبوت اس کا نہ دیا کہ نبی جو کچھ چھوڑتا ہے وہ صدقہ ہے بلکہ اس پر زیادہ زور دیا کہ اس کا انتظام اس کے متعلق ہوتا ہے جو نبیؐ کے بعد اس کا خلیفہ ہوتا ہے۔ معاملے کو بجائے سلجھانے کے اور الجھا دیا حضرت فاطمہؑ انہیں رسولؐ کا خلیفہ کب سمجھتی تھیں کہ وہ انہیں ان کی خاص جائیداد کا وارث سمجھتیں، بلکہ اس کا مفہوم یہ تھا کہ چونکہ ہم اس وقت قوی ہیں اس لئے تمہارا حق کسی انصاف سے ہماری قوت پر غالب نہیں آسکتا۔

مؤرخین کی مشکلات

صورت قضیہ اور جواب حضرت ابوبکر اور ان کے کچھ بعد کے زمانے میں وہ تھی جو بیان کی گئی

گزشتہ مؤرخین نے اس وجہ سے کہ وہ حضرت ابوبکر کو خلیفۂ رسول سمجھتے ہیں - ان کی اس حدیث کو ضعیف، مزیب وغیرہ نہیں سمجھا بلکہ جو معیار انہوں نے عام احادیث کے قبول کرنے کا لکھا تھا - اس سے تجاوز کرکے اس وجہ سے کہ یہ حدیث ایک غیر معمولی شخص کی زبانی ہے، اسے فوراً حسن یا صحیح سمجھ لیا ورنہ ان کے پاس حضرت فاطمہؑ کے دعوے کے رد میں کوئی دلیل نہیں ہے بعض نے اس قضیہ کو مشکل کہہ کر گلو خلاصی کرلی - بعض خطائی الاجتہاد کے قائل ہوگئے کیونکہ یہ ارادی غلطی کے مقابلے میں آسان تھا - اگر کسی نے اسے صدقہ بھی قرار دینے کی کوشش کی تو اس سے انکار نہیں کرسکا کہ وہ اہل وعیال کے نفقہ کے بعد صدقہ سمجھا جاتا تھا جو اگرچہ ایک دوسرے کا ضد خیال ہے مگر غلطی پر ویسا پورا اصرار نہیں ہے جس کی طرف متوجہ کرنا اب وقت نہیں ہے

کمزور ہوائیں ٹھمکیاں دینا اپنا ہاتھ دکھاتا ہے

ہم اصول تمدن اور زمانے کی ترقی کے منکر نہیں ہیں ہم اس کے بھی مقر ہیں کہ زمانہ اصلی واقعات کو عجیب وغریب ہیئت میں پیش کرنے کی کافی مہارت پیدا کرتا جاتا ہے اور اب اظہار خیال یا واقعات کو پیچ در پیچ کردینے کے لئے علم وادب کی جھولی خالی کردی جاتی ہے اور مشکل سے کوئی لفظ رہ جاتا ہے جو نہ صرف کردیا گیا ہو لیکن کمزور ہوائیں ٹھمکیاں دینا اپنا آپ ہاتھ دکھاتا ہے -

دوستی دشمنی نہیں ہوسکتی - دے دینا نہ دینے کی ضد ہے اور اسی طرح ضبط کرنا حوالگی کا عکس قابل مؤلف تاریخ الاسلام کو اس پر غور لازم تھا کہ عمر ابن عبدالعزیز کا فدک حوالہ کردینا حضرت ابوبکر کے ضبط کرنے سے کیوں کر مخالف نہ تھا - مؤلف نے اپنی نادر اور مفید کتاب میں اپنے اس حیرت خیز دعوے کی دلیل پیش نہیں کی بلکہ آگے بڑھ کر ایک دوسری صورت سمجھنے کی پیش کی ہے کہ "مسلمانوں کے دن اب ایسے تھے کہ کروڑوں روپیہ لوگوں کو حصہ دے دیا جاتا تھا - آل رسولؐ کو ایک باغ بلا وجہ دے دیا گیا تو نہ دیئے جانے سے کہیں اچھا ہوا" لائق مؤرخ کی تحریر سے ایک یہ مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دن برے ہوں تو زبردستی کسی کا حصہ لے کر ان پر تقسیم کردیا جاسکتا ہے - "اب" کا لفظ یہ خیال دلاتا ہے کہ چونکہ اس وقت فراخ دستی تھی، دے دینا مصلحت ملکی کے خلاف نہ تھا بلکہ مفید تھا حالانکہ جس وقت فدک پر قبضہ کیا تھا - تنگدستی کی وجہ سے مصلحت اس کی مقتضی نہ تھی کہ وہ دیا جاتا - بحث کی یہ شاخ حدیث نورث کو قلم زد کرکے صرف مصلحت ملکی کو پیش نظر کرتی ہے جو ان طریقہ وبحث کے خلاف ہے جو حضرت ابوبکر نے پیش کیا تھا - دوسرا سوال یہ پیدا ہوگا کہ آیا عام مصلحت ملکی جو اس بے انصافی کی طرف منجر ہو، کبھی پسندیدگی سے دیکھی جائے گی -

عمر ابن عبدالعزیز کی مصلحت کس مفہوم میں تھی

عمر ابن عبدالعزیز کی واپسی اچھا ملکی اثر پیدا کرنے کی غرض سے دور ہے بلکہ انہوں نے بنی فاطمہؑ کا حق سمجھ کر انہیں واپس کردیا

زمانہ گزر چکا تھا کہ فدک نے شورش پیدا کی ہوگی اور زمانہ نے ہی مٹا بھی دی ہوگی۔ عمر ابن عبدالعزیز تک اس کے آثار بھی نہ ہوں گے کہ انہیں اس نرمی سے مفید اثر پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی۔ بنی امیہ یا بنی مروان کے زمانے میں سادات کا معاملہ ایسا نہ تھا کہ ان سے کوئی ملکی خوف ہوتا اور اس وجہ سے ملکی عطایا کا التزام کیا جاتا۔

آیا بلاوجہ واپس کیا

اب سوال یہ ہے کہ آیا فدک کا دینا بلاوجہ تھا؟ بلاوجہ سمجھنے کی ہمیں وجوہات دکھائی نہیں دیتیں اگر عنایت کرنی ہی تھی تو پرانی پالیسی کی خواہ مخواہ تکذیب اور بنی فاطمہؑ کے گزشتہ دعوے اور حق کی تصدیق کیوں کی۔ اسلامی جھنڈا اس وقت پرانی دنیا کے قریب قریب کل ممالک میں لہرا رہا تھا۔ کوئی دوسرا خطہ، قصبہ، موضع، شہر دے کر ان پر عنایت کا اظہار کیا جا سکتا تھا اس خطہ سے کیا خصوصیت تھی؟

عمر ابن عبدالعزیز کی حالگی صرف اس عام فقرے سے تمام نہیں ہو جاتی کہ "دے دیا گیا تو نہ دینے سے اچھا ہوا"۔ بلکہ اچھے اور برے کے لفظ کو حضرت ابو بکر اور عمر ابن عبدالعزیز کے متضاد افعال کے اندازہ میں محدود کر دیتا ہے۔ اس موقع کے لئے لیس بینی فطری ہے۔ جب کہ عمر ابن عبدالعزیز کے فعل کو ایک جزو تاریخ سے تعلق تھا۔ اکثر حالتوں میں دینا نہ دینے سے اچھا ہوتا ہے لیکن یہ قضیہ ایک معاملہ خاص تھا عام حالت سے اسے تعلق نہ تھا۔

مولوی شبلی صاحب اقرار فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بھی فدک کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائیداد خالصہ سمجھتے تھے ضرورت تھی کہ خالصہ کی کوئی مستند تعریف لکھی جاتی، جس سے کامل احتیاط کی گئی ہے۔ اب اس کے بعد ان کا دو "اس قسم" کا سمجھنا جو ذاتی ملکیت نہ ہو، اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ حقیقت میں ایسا تھا۔ خدا ہی جانے کہ اس نے اس آیت میں جس سے اس خطہ ارضی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائیداد قرار دیا تھا "قسم" کا ذکر کیوں سہو کیا یا اس نے اس کا تصفیہ حضرت عمر پر چھوڑا ہو کہ آیت کی کمی کو اپنے طرز عمل سے پورا کر دیں کیونکہ مولانا کو حضرت عمر کا نہ سمجھنا او "قسم" ان کے طرز عمل سے معلوم ہوا ہے۔ جسے وہ مفہوم آیت پر مرجح سمجھتے ہیں۔ کوشش میں "قسم" اور نہ سمجھنے پر اکتفا نہیں ہوئی بلکہ جب اغراض کے پوری ہونے کے لئے ناکافی ٹھہری تو یہ جائیداد "وقفی" بھی کہی گئی ایسا سمجھے جانے کی بھی کوئی دلیل نہیں لائی گئی۔ کوئی آیت، کوئی حدیث، کوئی دستاویز اس ثبوت میں پیش نہیں کی گئی کہ وہ خدا یا رسولؐ کی طرف سے وقف کی گئی تھی۔ یا مسلمانوں نے کوئی جائیداد اپنے قوت بازو سے کما کر یا خاندانی جائیداد کو وقف کر کے رسولؐ کے نام تولیت کی تھی بلکہ اس کا ثبوت صرف یہ ہے کہ رسولؐ چونکہ اس میں سے فقرا پر کچھ تقسیم فرماتے تھے اس لئے یہ جائیداد خالصہ تھی بلکہ وقفی تھی۔

کیا کسی آمدنی سے خیرات کرنا اس آمدنی کو وقفی قرار دیتا ہے

سوال یہ ہوگا کہ کیا کوئی جائیداد جس پر کوئی قابض ہو اور وہ اس کی ملکیت قرار دی گئی ہو

اس میں سے کچھ خیرات کرنا اس جائیداد کو وقفی ٹھہراتا ہے ؟ نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اس جائیداد کے علاوہ کچھ خیرات کرتے ہوں تو جن آمدنیوں سے وہ خیرات کرتے تھے، اس لئے یہ وقفی تھی۔ اہل عالم کو جو اپنی اولاد کی آسائش اور آئندہ مدد کے لئے جائیدادیں حاصل کرتے ہیں، مفلوج کردے گا اور آئندہ خیرات کا نام سن کر دور بھاگیں گے جو ان کی جائیداد کو ان کے ورثا کے قبضہ سے نکال کر وقفی قرار دے گی۔ نہ صرف یہ بلکہ وقفی جائیداد سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیرات کرنا بیرحمی سے ان کی شان سخاوت پر حملہ ہے۔ مولانا نے خود اپنی تحریر پر توجہ نہیں فرمائی کہ وہ خیرات بھی اس خاص مد میں سے کرتے تھے تو صرف بنی ہاشم پر۔ یعنی بنی ہاشم کے علاوہ کسی دوسرے کو اس جائیداد کے کسی نفع سے تعلق دینا نہ چاہتے تھے، بھولے سے جو دلیل اپنے لئے پیش کی گئی تھی، وہ ہمارے موافق نکل آئی۔ مولانا کو اس کی فکر نہ چاہیئے کہ پھر فدک ایک ایک سہم، دو دو سہم اعزا پر تقسیم ہوتا۔ بنی ہاشم آپس میں سمجھ لیتے۔ اس وقت بحث خلیفہ اور اہل بیت رسول ؐ سے ہے نہ اہل بیت رسول ؐ کا تقسیم ترکہ، اس کا جواب مل سکتا تھا کہ اگر ہم اپنی جائیداد کی آمدنی میں سے اپنے غریب اعزا پر کچھ تقسیم کریں تو ہمارا کچھ تقسیم کرنا ہمارے غریب اعزا کو بمقابلہ ہماری اولاد کے حق دار نہیں ٹھہرا سکتا۔ بنی ہاشم اگر ایسا سمجھتے تو انہیں آپس میں لڑ لینے کا اختیار تھا اور جب تاریخ نے آپس کی ایسی نزاع کا تذکرہ نہیں کیا تو ایک خیالی نظیر کا بیسود ہونا مولانا ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔

ہمیں بادشاہ کی جائیداد کی دو قسموں کے قبول کرنے میں زیادہ عذر نہیں ہے۔ جہاں یہ دو قسمیں ضروری سمجھی جاتی ہوں مثلاً سلطنت مغلیہ میں مملوکۂ خاص جائیداد کے زیادہ آثار نہیں ہیں۔ درانحالیکہ یورپ میں مملوکہ حکومت کے علاوہ جائیداد ہوتی ہے جو قانونی حصہ داروں پر تقسیم ہوتی ہے۔ یہ اصول کہ ایک بادشاہ کے بعد اس کا قائم مقام ہے۔ اس کی عام سلطنت کی طرح مملوکۂ خاص کا مالک ہوتا ہے، عام ضروری اصول نہیں ہے اگر ہو بھی تو ان مقامات پر برتا جاتا ہے، جہاں خاندانی اصول انتقال سلطنت میں پایا جاتا ہے نہ اس جگہ جہاں کی سلطنت کے جمہوری ہونے کا دعویٰ ہو، عالم کے ادیان اور حکومت کے طریقوں میں اس قدر اختلاف ہے۔ جس سے کوئی عام اصول قرار دینا اپنے کو مشکل اعتراضات کے لئے آمادہ کرنا ہوگا۔ مثلاً دین مسیحی صرف بڑے بیٹے کو وارث قرار دیتا ہے اور در صورت کسی خاص وصیت نہ ہونے کے دوسرے لڑکے اگر ہوں بھی تو کچھ نہیں پا سکتے۔ یہ مثال اسلام کے قانون وراثت کے موافق نہ ہوگی جس میں اولاد کا ترکہ بڑے بیٹے تک محدود نہیں ہے۔ اگرچہ شخصی سلطنت اسلامی میں حکومت بڑے ہی بیٹے کو کیوں نہ دی جاتی ہو۔ ایسا کرنا کہ ضرور بڑے بیٹے کو سلطنت دی جائے۔ خود اسلامی سلطنتوں ہی میں ہر جگہ نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً ٹرکی یہاں بھی لامحالہ ایک مرحوم سلطان کی ذاتی جائیداد ان کے لڑکوں پر تقسیم ہوگی۔ اگر کہیں ہوتا بھی ہے تو اس لحاظ سے کہ بڑا بیٹا چھوٹے سے زیادہ سمجھ دار اور انتظامات کا زیادہ اہل ہوتا ہے۔ اسلام بڑے بیٹے

کے حاکم ہونے پر اس کے دوسرے بھائیوں کو جائیداد خالصہ کے حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ اورنگ زیب نے تو خود تمام سلطنت کے حصص اپنے لڑکوں پر تقسیم کر دیئے اور اپنی جائیداد خالصہ کے متعلق اپنے بعد بھی وصیت کرنے کا اختیار رہا کہ اس طرح تقسیم اور صرف کی جائے۔ نظر برایں، یہ اصول اگر ممکن کی حد کے اندر لایا جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تمام دنیا باوجود اپنے اختلافِ مذہب اور رسم و رواج کے اس پر عمل بھی کرتی ہے، جہاں مملوکہ خاص کا قاعدہ ہو۔ وہاں کا یہ قاعدہ اس جائیداد کی فطری تقسیم کی راہ میں حارج نہیں سمجھا جا سکتا۔ تاوقتیکہ دوسرے حقداروں کے محروم کرنے کے لئے حکومت کی قوت صرف نہ کی جائے اگر اس اصول کا عام ہونا کہیں ہو بھی سکتا ہے تو شخصی سلطنتوں میں نہ ان ممالک میں جن کے جمہوری ہونے کا دعویٰ ہے۔ مثالاً امریکہ، فرانس، ارجنٹائن وغیرہ میں نہیں سنا گیا کہ کسی پریذیڈنٹ کی کوئی جائیداد خالصہ قرار دی گئی اور دی بھی گئی تو وہ اس کے بعد اس کے قائم مقام پریذیڈنٹ پر منتقل ہو گئی۔ عقل کی بات نہیں ہے کہ تھوڑی مدت کے لئے قوم ایک جائیداد کو خالصہ قرار دے۔ جس وقت تک کہ وہ حاکم ہے اور دوسرے پریذیڈنٹ کے آتے ہی وہ جائیداد جو خالصہ قرار دیدی گئی تھی۔ اس سے چھین کر نئے پریذیڈنٹ کو دے دی جائے۔ درانحالیکہ اب اسے سخت ضرورت ہے۔ اب اگر یہ مثال دی بھی جائے کہ کوئی جائیداد قوم کی خوشنودی کی وجہ سے اسے اپنی حیات تک دے دی گئی تھی تو یہ ہمارے دعوے کو اس وقت تک کمزور نہ کریگا کیونکہ یہ ایک بیّن شکل ہے، جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ فدک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تک خالصہ تھا اور ملکیت ذاتی نہ قرار دیا گیا تھا۔

کیا خلیفہ کے اختیارات جمہوری تھے

جمہوری مثال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ٹھیک نہیں اترتی۔ اس لئے کہ ان کے اختیارات قطعاً شخصی تھے، ان کے بعد کے خلفاءؓ اگر ادعائے جمہوریت رکھتے بھی ہوں تو صرف انتخاب کے متعلق نہ اختیارات کے متعلق، قرآن اور حدیث کی پابندی انہیں جمہوریت کے مفہوم میں نہیں لا سکتی۔ جس طرح کسی بادشاہ کا عقل اور گزشتہ تجربہ کارانہ نصائح پر عمل کرنا اسے جمہوری بادشاہ نہیں کہلوا سکتا۔

قوم کو رسولؐ کے متعلق کوئی حق مرجح حاصل نہ تھا

جب رسول اللہؐ ایک جمہوری بادشاہ نہ تھے تو ان کی قوم کو کسی خطۂ ارضی کا ان کے متعلق کرنے یا نہ کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا بلکہ خود رسولؐ تھے، جنہیں اس تمام جائیداد پر حکم کرنے کا اختیار تھا جو ان کے قبضے میں آئے۔ لوگوں سے اسی بنا پر اعلان کر دیا گیا کہ تم اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے، یعنی تمہیں اس پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ہماری کوششوں کی بدولت ہے۔ یہ کہنا ملکیت خاص قرار دینے کا دعویٰ ہے۔ جس کی کبھی تردید نہیں ہوئی

حسنؑ کی غلط مثال دی گئی

حضرت علی علیہ السلام کے بعد امام حسن علیہ السلام کا خلیفہ ہونا دلیل میں لانا یہ بھول جانا ہے کہ انتخاب جمہوری قاعدہ سے نہ تھا بلکہ شخصی اصول تھا کہ باپ کے بعد اس کا بیٹا وارث ہوا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ امام حسنؑ بجز اس جائیداد کے جسے حضرت علیؑ نے وقف کر کے انہیں متولی بنا دیا تھا اور کسی جائیداد پر قابض ہوں اور انہوں نے اپنے دوسرے بھائیوں کو حصہ دینے سے انکار کر دیا ہو۔ اگر تاریخ اس کا اشارہ نہ بھی کرتی ہو کہ امام حسنؑ نے اپنے بھائیوں میں کوئی تقسیم کی نہ کسی تقسیم کا ہونا آپس کی رضامندی کی نفی نہیں کرتا یا اس کا ثبوت نہیں ہے کہ اور بھائیوں نے انتظام بڑے بھائی کے قبضہ میں نہ رہنے دیا اور تقسیم منافع پر راضی رہے جو اکثر مقامات پر ہر زمانہ میں اصول رہا۔ ایسا ہونا یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ منتظم جائیداد قابض تھا دوسروں کو کسی قسم کا اختیار وراثت نہ تھا حالانکہ تاریخ نے عمر ابن علیؑ کے حصہ مانگنے کا ذکر کیا ہے۔ نیز امام حسین علیہ السلام کا اپنی جائیداد میں سے قثم ابن محمد ابن جعفر کو اپنی زمینداری سے قسم ارضی میں کچھ دینا لکھا ہے :

اولاد عثمان پر تقسیم حصص کے وقت کیوں نہ اعتراض کیا گیا

اگر یہی اصول تھا کہ ایک جمہوری حاکم کے بعد دوسرا حاکم حکومت کے ساتھ جائیداد خالصہ پر بھی حاکم ہو جاتا ہے تو حضرت علیؑ کے اس فعل پر کیوں نہ اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے عثمان کے قتل کے بعد ان کی جائیداد کو باستثنائے مال حکومت ان کی اولاد پر تقسیم کر دیا۔ قابل مؤلف الفاروق کی تمدنی تحقیق کے موافق عثمان کی اولاد کو کچھ نہ ملنا چاہیئے تھا۔ حضرت علیؑ کا سنت پر عمل کرنا اور کسی کے لئے مفید ہو یا نہ ہو، ان لوگوں کے لئے ضرور مفید ہوا۔ لیکن اس پر اعتراض کی کیا ضرورت تھی جب بقول خلیفہ اوّل نتیجہ ان کے موافق ہوا، جس عالی ہمتی سے فدک پر قبضہ کیا گیا۔ وہ قانون شخصی یا جمہوری یا اور کسی ایسے اصول سے اس دائرہ تمدن میں نہیں آسکتا، جسے انصاف سے تعلق ہو۔

ایک زمین کی خاطر اعتراف، احسان نبیؐ سے انکار

اب ہم اس عبارت کو کہ "غرضیکہ یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب سے حاصل ہوتی ہے، مملوکۂ خاص نہیں ہوتی" ناظر کے تصفیہ کے لئے ان ریمارک کے ساتھ چھوڑتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ عام اور مسلم قاعدہ (جس کی وضاحت سے احتیاط کی گئی) کیونکہ زیر بحث فدک سے متعلق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی جائیداد اس وقت مملوکۂ خاص نہ ہو۔ لیکن یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ یا اس کا کوئی خاص ٹکڑا مملوکۂ خاص نہ قرار دیا جائے یا کیسے جسارت ہو سکتی ہے کہ وہ مملوکۂ خاص کئے جانے کے حکم سے مخالفت کرے یا کون ایسا ناحق شناس ہو گا کہ ایک ایسے بادشاہ کے کسی جائیداد کے مملوکۂ خاص قرار دینے پر (اگرچہ وہ بذریعہ بادشاہت حاصل ہوئی ہو) عذر کرے جو ہمیشہ ترقی اور

منصفانہ نگہداشت حقوق میں مصروف رہا۔ کس کی غیرت اور احسان شناسی اس کی مقتضی ہوگی کہ ایسے بادشاہ یا امام یا نبی کی اولاد اپنے فطری حقوق سے محروم رکھی جائے۔

دوبارہ یہ عبارت حکم قرآنی سے ملانے کے قابل ہے۔ جس نے فدک کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مملوکہ خاص جائیداد قرار دی ہے جسے حضرت عمر نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائیداد خالصہ فرمائی، جسے خود مؤلف نے لکھا ہے کہ "آدھا فدک خاص رسول اللہ کا تھا"، کیا یہاں یہ کہنا قرین عقل ہوگا کہ یہ ویسا خاص تھا جو عام ہوا کرتا ہے۔ فدک کے متعلق قابل مؤلف الفاروق کی بحث بہت کچھ نیمے دروں نیمے بروں مفہوم سے تعلق رکھتی ہے۔ کہیں نہایت گول گول لفظوں میں بات کی گئی ہے۔ کہیں ایک اصول دوسرے اصول سے خلط ملط کر کے دلیل میں لایا گیا ہے۔ کہیں عام اور خاص حالتوں کی حد بندی سے اعراض کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس قضیے کی بحث میں متقدمین کے مقابلے میں نمایاں جدت سے کام لیا گیا ہے۔ آخر میں حکیم مجدالدین سنائی کے یہ اشعار پُرلطف ہوں گے۔ جن میں قابل حکیم ایک عام اور مسلم قاعدہ بیان کر رہا ہے اور جسے علاً ایسا دیکھنے کا زیادہ اتفاق ہوا ہوگا۔

گویند چو پیغمبر مارفت ز دنیا	میراث خلافت بہ فلاں داد ز بیگاں
نے نے، ملکے ملک بہ بیگانہ نداد وست	رو، دفتر شاہاں جہاں جملہ تو برخواں
با دختر و ابن عم و داماد و دو فرزند	میراث بہ بیگانہ دہد، ہیچ مسلماں؟

مسلمان کیا تصفیہ کرتے

قضیہ فدک کو ختم کرتے ہوئے ہم ان مسلمانوں سے جو ہماری کتاب اس وقت دیکھیں گے جس وقت تک اس کا وجود رہے گا۔ حال اور استقبال میں سوال کریں گے کہ اگر دختر رسولؐ آپ کے سامنے اُس طرح استغاثۂ فدک فرمائیں، جس طرح ابن ابو قحافہ کے سامنے کیا تو آپ کیا تصفیہ کرتے؟

مؤلف مصلحت کی پابندی کر رہا ہے

ہم نے اسامہ ابن زید کے لشکر کے متعلق جلدی نہ کرنے میں ان لوگوں کی مصلحت اختیار کی جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علیل دیکھ کر روانہ ہونا مناسب نہ سمجھا۔ بادی النظر میں کسی لشکر کے ساتھ روانہ نہ ہونا شجاعت سے دور امر معلوم ہوتا ہے یا جس سے یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ شرکت نہ کرنے والا جنگ کی سختیوں اور زخموں یا مار بے جانے کے خوف سے شریک نہ ہوا۔ وزارت کا لفظ مجھے یقین دلاتا ہے کہ زیر بحث حضرات کو کبھی زخم سے کوئی اُنس نہ تھا یا تو ان کا عہدہ یا بخت و اتفاق انہیں ہمیشہ زخم سے دور رکھتا رہا یا قضا و قدر نے یہ فخر انہیں کے لئے مخصوص کیا تھا۔ میں ناظر کو یقین دلاتا ہوں کہ روانہ ہونے سے میری غرض یہ نہیں ہے کہ کسی پر کمی شجاعت کے الزام کا عکس ڈالوں۔ اس امر میں میری کوشش

تحصیل حاصل ہے۔ میری دانست میں اس وقت زخم کے خوف سے ایک علیحدہ قسم کا خوف تھا جس سے لوگ روانہ نہ ہوئے جس کا تصفیہ اس سوال سے ہوگا کہ آیا ان کا شدتِ مرض رسولؐ میں روانہ نہ ہونا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت سے تھا۔

رسولؐ کی محبت کا جواب دینے کے لئے کسی مضمون پر بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ صرف ہادیٔ عالم کے بے گور و کفن جنازہ پر ایک مرتبہ اشک آلود نظر ڈال کر محبت کرنے والوں کو لاش کے قریب دیکھنا ہوگا اور بس یہی جواب دے چکا۔ دعویٔ محبت قطع ہوگیا۔ تیمارداری یا ایسے وقت علیل ہادیؐ کو نہ چھوڑنا کسی اچھے خیال سے نہ تھا۔ اب لامحالہ اس کے عکس جانب نظر ڈالنی ہوگی۔

کیوں رسول اللہؐ نے انہیں خصوصیت سے لشکر اُسامہ کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ کیا رسول اللہؐ اپنی زندگی کو قریب ختم دیکھ کر ہر ایسے شخص کو جسے وہ مخدوش سمجھتے تھے، اپنے اور اپنے دار النبوت اور دار الحکومت سے دور رکھنا چاہتے تھے کہ آئندہ اس انتظام میں جو ان کی خواہش کے موافق تھا، اندیشہ نہ ہو؟ کیوں انہیں میں سے کسی کا نام ماتحتی کی مخالفت میں ظاہر ہوتا ہے؟ کیوں انہیں میں سے ایک شخص تیمارداری کی خواہش میں رسولؐ سے صاف جواب پاتا ہے؟ کیوں دروازے اور سوراخ تک بند کر دیئے جاتے ہیں؟ کیوں انہیں میں سے ایک شخص رسولؐ کے دیئے ہوئے قرآن کو کافی سمجھ کر رسولؐ کی ضرورت اور احکام سے استغنا ظاہر کرتا ہے؟ کیا ان باتوں نے رسول اللہؐ کو متنفر کر دیا تھا؟ اور وہ نہ چاہتے تھے کہ پس دیوار کوئی کان اور کوئی آنکھ ان کے افعال دیکھنے یا باتیں سننے کے لئے رہے؟ کیا اس سے جاسوسی کا انسداد کیا تھا؟

لاجواب تاویلیں

بعض لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کی لاجواب تاویلیں کی ہیں کہ نصف جملہ "جھزو جیش الاسامہ" تک ٹھیک ہے اور اس کے بعد لعن کرنا متخلفین پر ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت ہے تو علیؑ بھی اس میں شریک ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ لعنت کے لفظ کی قوت اور اثر لفظ "جھزوا" تک موقوف ہے، سامان کر دیا گیا۔ ساتھ جانا نہ جانا حکم لعنت میں نہیں ہے۔

استثنا

وہ لوگ جو حضرت علیؑ کو شریک کرتے ہیں وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ حضرت علیؑ کا نام شاذ تاریخوں میں ہے اور دیگر صحابہ کا نام عموماً پایا جاتا ہے۔ جس سے یہ قوی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ رفع الزام کے لئے حضرت علیؑ کا نام بھی ٹھونس دیا گیا ہے۔ درانحالیکہ ساتھ جانے سے حضرت علیؑ کے نہ جانے اور مدینہ میں رکھنے کے مواقع زیادہ قوی ہیں اگر ہم بحث کے لئے یہ مان لیں کہ حضرت علی علیہ السلام بھی اس حکم عام میں شامل تھے تو اس عام حکم کے دینے والے نے حضرت علیؑ اور عباس کو اپنی تیمارداری کے خاص حکم سے مستثنیٰ کر دیا تھا یا اپنے حکم عام کو حضرت علیؑ اور عباس کے لئے منسوخ کر دیا تھا۔

آراستگی کی غرض

اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا اسامہ کی درستی اور آراستگی سے رسول اللہؐ کا یہ مطلب تھا کہ وہ صرف ایک آراستہ لشکر اپنی علالت اور آخری وقت دیکھ کر خوش ہو جائیں؟ یا یہ مطلب تھا کہ بار برداری کے جانور، رسد، ہتھیار یہ سب موتہ کی طرف بھیج دیئے جائیں کوئی آدمی نہ جائے؟ اسی کے لئے یہ کوشش تھی کہ ۲۰ صفر سے نشان فوج دیا۔ اسی کی کوشش یہ تھی کہ باوجود سخت علالت، تخلف کرنے والوں سے بیزاری اور دھمکانے کے لئے مسجد میں تشریف لائے اور اسی کی فکر تھی کہ اسامہ ابن زید مع کچھ آدمیوں کے جرف میں قیام کیا اور فوج کو کوچ کا حکم دیا اگر صرف تجہیز سے غرض تھی تو پھر افسری ماتحتی کا جھگڑا کیوں تھا؟

تخلف

ہادیؐ نے آخری دم تک کوچ کا حکم دیا مگر اس حکم روانگی سے تخلف کیا گیا۔ اس لئے تخلف کیا کہ رسولؐ کے بعد ایک بڑا کھیل کھیلنا تھا! اب ابن خلدون کی یہ عبارت کہ "ابوبکر وغیرہ آتے اور دیکھ جاتے"، صاف ہو جاتی ہے۔ ہم اس میں اس قدر اور اضافہ کریں گے کہ "رسولؐ کی رحلت میں اب کتنی دیر باقی ہے"

رحلت رسولؐ کا اہل بیت پر اثر

متنازعہ فیہ امور نے ہمیں بھی رحلت رسولؐ کا اثر بھلا دیا اور ہم نے اہل بیتؑ رسالت کا خاص تذکرہ نہیں کیا جو اس غم میں ملتا ہے۔

"کہتے ہیں کہ حضرتؐ کی رحلت کے بعد حضرت فاطمہ زہراؑ کو کسی نے ہنستے نہیں دیکھا۔"

خصوصاً فاطمہ زہراؑ اور علی مرتضےٰؑ سب سے زیادہ مصیبت زدہ، بے کس اور زار و نالاں تھے اور امام حسنؑ اور امام حسین علیہ السلام کے منہ کی طرف نگاہ کرتے تھے اور یتیمی پر اور ان کی نامرادی پر نالاں و گریاں تھے۔"

"علی مرتضےٰؑ نے تھوڑا مشک اور حنوط اپنے فرزندوں کو سونپا اور وصیت کی کہ اس کو میرے کفن میں دینا کہ رسولؐ خدا کے حنوط کا بچا ہوا ہے"، اور روایت ہے کہ جب رکھے گئے حضرت قبر میں نہ معلوم ہوا لوگوں کو کہ کیا پڑھا لوگوں نے، پس پوچھا ابن مسعود سے۔ پس امر کیا ابن مسعود نے ان کو کہ پوچھو تم علیؑ مرتضیٰ سے پس فرمایا علیؑ مرتضیٰ نے کہ پڑھو تم کہ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما......

ذکر کیا ہے اس کے تئیں شیخ زین الدین مراغی نے اپنی کتاب میں جس کا نام تحقیق النصرہ ہے اور لائے ہیں کہ علی مرتضیٰؑ حضرت کے جنازہ کی جانب کھڑے ہوئے اور کہا اے پیغمبرؐ گرامی سلام اور رحمت اور برکات خدائے برتر کی اوپر آپ کے نازل ہو، اے پروردگار گواہی دیتا ہوں میں کہ اس رسولؐ اکرم نے پہنچایا جو کچھ نازل ہوا ان پر اور شرائط نصیحت اپنی امت سے بجا لائے اور راہ خدا میں جہاد کیا، یہاں تک کہ غالب گردانا اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے تئیں۔ اے پروردگارا! ہم کو ازاں جملہ گردان کہ پیروی ان کی کریں ہم جو کچھ ان پر نازل ہوا اور جمع کر ہم کو اور ان کو قیامت کے روز۔ لوگوں نے آمین کہا" مناہج النبوت

"جب آئے اصحاب دفن کے بعد فاطمہؑ زہرا کے نزدیک کہا فاطمہؑ زہرا نے کس طرح تمہارے دلوں نے یاری دی کہ ڈالی خاک تم نے رسولؐ خدا پر۔ کہا ہاں یا بنت رسول اللہؐ یا زہراؑ ہم بھی اسی خیال میں گئے تھے اور اندوہ ناک تھے ہم، لیکن کیا کریں حکم شرع سے چارہ نہیں۔ بعد ازاں آئیں حضرت فاطمہؑ زہرا باپ کی قبر پر اور ایک مٹھی خاک قبر سے لے کر اپنے دونوں چشم گریاں پر ڈالی اور کہا۔

ماذا علی من شم تربۃ احمدؐ ان لایشم مدی الزمان غوالیا

صُبّت علیّ مصائب لو انّھا صُبّت علی الایام صرن لیالیا

کیا ہے اوپر اس شخص کے جس نے سونگھا تربت احمدؐ کے تئیں۔ یہ کہ نہ سونگھے نہایت زمان غوالی غول سے بھرتی ہیں اوپر میرے مصیبتیں بہ تحقیق کہ وہی مصائب اگر یں ایام پر تو ہو جاویں راتیں۔

"جس وقت میرا شوق زیادتی کرتا ہے میں آپ کی قبر کی زیارت کرتی ہوں۔ درانحالیکہ جب آپ جواب نہیں دیتے تو نوحہ اور شکوہ کرتی ہوں اور روتی ہوں۔ اے خاک کے آرام پانے والے آگاہ ہو میرے رونے سے۔ مجھے تیرا یاد کرنا تمام مصیبتوں سے محبوب ہے اگر تو خاک میں میری نگاہ سے غائب ہے تو میرے دل محزون سے غائب نہیں ہے۔"

علیؑ کا شغل بعد رسولؐ

جس وقت خلیفہ نے حضرت علیؑ کو اپنی بعیت کے لئے بلوایا تھا تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ میں قرآن کے جمع کرنے میں مشغول ہوں اور عہد کیا ہے کہ جب تک اس کام سے فارغ نہ ہوں گا، عبا کاندھے پر نہ ڈالوں گا۔

علیؑ نے کس طرح قرآن جمع کیا

"ابو داؤد کہتا ہے کہ علیؑ نے قرآن جمع کیا، جس طرح نازل ہوا تھا۔ محمد بن سیرین کہتا ہے کہ اگر وہ کتاب ملتی تو اس سے بہت نفع ہوتا،" ——— ابوطفیل

حضرت علیؑ کا قول لکھتا ہے:۔

"مجھ سے قرآن پوچھو، تحقیق کہ کوئی آیت نہیں ہے جو دن یا رات، خشکی اور پہاڑوں میں نازل ہوئی جسے میں نہیں جانتا" (تاریخ الاسلام)

زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جنگ

حضرت ابوبکر کی خلافت کا ایک قابل ذکر واقعہ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جنگ ہے۔ ایسا ہونا ناممکن نہ تھا۔ کسی خاص مقام پر وجوہات اور بعض لوگوں کے اثر سے ممکن تھا کہ حضرت ابوبکر کی مخالفت نہ ہوتی۔ لیکن دور کے مقامات میں جہاں حضرت ابوبکر کا خلیفہ ہونے کے پیشتر کسی قسم کا سفارشی اثر نہ تھا اور جو خلیفہ ہوتے ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔ انہیں خلیفہ رسولؐ سمجھ کر صدقات کا روک رکھنا عجب خیز نہ تھا۔

حارثہ بن سراقہ کیا کہتا ہے

مثلاً حارثہ بن سراقہ کا جواب اشعث کوفی سے پھوٹ پڑا ہے جو اس نے زیاد بن لبید

حاکم حضر موت کو دیا تھا۔" ہم خدا کے حکم سے اس کے پیغمبر ص کے مطیع ہیں جب تک صاحب شریعت دنیا میں رہا۔ اگر اس کے اہل بیت ع میں سے کوئی خلیفہ اس کی جگہ ہو، اس کی اطاعت کریں گے۔ پسر ابو قحافہ کون ہے اور ہم سے کیا تعلق ہے،، اس کے بعد اتحاد خاندان رسالت ص اور ابو بکر سے برأت کے اشعار کہے۔

اس کے بعد اشعث ابن قیس کندی نے کہا:۔

مجھے یقین حاصل ہے کہ عرب قبیلہ ابو بکر یعنی بنی تمیم کو مہتر ان بطحا یعنی بنی ہاشم پر جو معدن رسالت و نبوت ہیں، تقدیم نہ دیں گے۔ اگر یہ جائز ہے کہ بنی ہاشم کے علاوہ کوئی دوسرا خلیفہ ہو، تو ہم سے بڑھ کر کوئی مستحق خلافت نہیں ہے کیونکہ ہمارے باپ دادا یہاں کے ہمیشہ حاکم تھے،، اس کے بعد شعر کہا

ابو بکر کے لئے کوئی وصیت نہ تھی

جب زیاد ابن لبید کو ان لوگوں کے خیالات معلوم ہوئے تو یہ بنی ذہل کے پاس گیا اور ان سے اہل کندہ کی شکایت کی اور ان سے ابو بکر کے اطاعت کی استدعا کی۔ یہ سن کر ان میں سے ایک شخص جس کا نام حارث بن معویہ تھا کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:۔

تو ہمیں ایک ایسے شخص کی اطاعت کے لئے بلا رہا ہے جس کی اطاعت کے لئے ہمیں کسی نے کوئی وصیت نہیں کی ہے"

زیاد نے جواب دیا:۔ "تم درست کہتے ہو لیکن ہم مسلمانوں نے باتفاق انہیں اختیار کیا ہے۔،، "جب تم اجتہاد کرتے تھے تو تم نے اہل بیت رسول ص کو ہمارے درمیان سے کیوں علیحدہ کر دیا کیونکہ خلافت ان کا حق ہے۔،، بقول خدا عزوجل شانہ، کہ الوالارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ" ———— زیاد نے کہا:۔

" مہاجر و انصار مسلمانوں کے کام میں تجھ سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔"

اہل بیت سے حسد کیا گیا اور ان کا حق لیا گیا

قسم ہے خدا کی کہ حسد کیا گیا اور مستحقین کا حق لے لیا گیا، ہمیں یقین ہے کہ رسول ص اللہ دنیا سے نہیں گئے جب تک حکم خدا سے اپنی امت کے لئے اپنے اہل بیت میں سے ایک مقتدا نصب نہیں کیا۔ روز غدیر حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت جب کہ ایک لاکھ کئی ہزار عرب اور اشراف قبائل موجود تھے علی علیہ السلام کو اونٹوں کے کجاوہ کے منبر پر خلیفہ کیا اور ایک فصیح خطبہ پڑھا کہ یہ علی ع میرے بعد تمہارا خلیفہ اور مقتدا ہے اور حکم خدا سے امیر المومنین کا خطاب دیا اور کہا کہ مرتے ص کو میرے بعد اسی خطاب سے پکارو۔ وہ جسے تم نے خلیفہ کیا ہے، صدیق اور عمر خطاب، انہوں نے پہلے بیعت کی اور حضرت علی ع سے بخ بخ لک یا امیر المومنین ع کہا۔ وہ کونسی بیعت تھی اور یہ کونسی ہے؟ آگاہ ہو اے زیاد کہ ہمارے درمیان سے چلا جا کہ تیری دعوت (بیعت ابو بکر کی خواہش) درست نہیں ہے اس کے بعد شعر کہا"۔ ———— عرفہ بن عبداللہ کہنے لگے

"قسم خدا کی حارث ٹھیک کہتا ہے اور سچی بات تلاش کرتا ہے۔ اس شخص (زیاد بن لبید) کو اپنے قبیلہ سے نکال دو کہ اس کا مقتدا اہل خلاف ہے۔ کیا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی امت پر مہاجر و انصار سے زیادہ مہربان نہ تھے کہ ان کے مصالح کو اس جماعت کے حوالے کر دیا؟ اس کے بعد شعر کہا۔" عدی بن عوف:

"اے بھائیو، عرفجہ کی بات نہ مانو اور خواب غفلت سے چونکو، وہ تم کو دنیا سے برگشتہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ خراب کرے۔ ان باتوں سے اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے پھر جاؤ اور زیاد کی باتیں سنو۔ جو کچھ مہاجر و انصار نے کیا ہے تم بھی اس پر راضی ہو جاؤ کہ وہ مسلمان اور اسلام کی مصلحت اور وقائع علم فقہ کو ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں"۔

لوگوں نے اس کی تقریر منقطع کر دی۔ زیاد بھاگا دوسرے قبائل میں بھی یہی چاشنی ملی اور جس جگہ گیا انکار کیا گیا۔

حضرموت کا عامل خلیفہ کے پاس مع حالات کے

زیاد خلیفہ کے پاس پہنچا اور صورت واقعہ بیان کی خلیفہ نے چار ہزار سپاہی ساتھ کئے۔ قبائل کندہ کو جب معلوم ہوا تو ان پر خوف طاری ہوا اور بعضوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ لڑائیوں کی سختی سے زکوٰۃ دینا اور بیعت کر لینا مناسب ہے ان کے خوف کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان سے اور بنی مذحج سے قدیم عداوت تھی، یہ ڈرے کہ مبادا دو طرف سے نہ گھر جائیں۔ اس کے علاوہ خود آپس میں بھی اختلاف ہو گیا۔ زیاد قریب پہنچ گیا اور ایک قبیلہ کے بعد دوسرے کو تہ تیغ اور اسیر کرنا شروع کیا۔ آخر میں اشعث ابن قیس سے لڑائی ہوئی اور زیاد کے تین سو آدمی قتل ہوئے۔ بقیہ قلعہ بریم میں محصور ہوئے زیاد نے حضرت ابوبکر کو اپنے محصور ہو جانے کی اطلاع دی۔ حضرت ابوبکر نے قبائل کندہ کے نام یہ خط بھیجا۔

ایسے شخص کو زکوٰۃ نہ دینا جسے وہ خلیفہ رسولؐ نہ سمجھتے تھے، کفر نہ تھا

"اشعث ابن قیس اور معارف کندہ کو معلوم ہو کہ خدا نے وہ قرآن جو رسولؐ کریم پر نازل کیا اس میں حکم دیا کہ اسلام پر چلو اور دین کو قائم رکھو۔ ہم بھی تم سے یہی کہتے ہیں جو خدا نے حکم دیا ہے۔ دین پر قائم رہو اور شیطان کے قول سے اپنے کو الگ رکھو، جو خلل تمہارے اعتقاد میں آگیا ہے وہ زیاد پر غصہ کی وجہ سے ہے۔

خلیفہ اپنے عامل کو معزول کرنے پر راضی ہو گئے

اسے ہم تمہاری امارت سے معزول کر کے دوسرے کو بھیجیں گے کہ وہ باحسن معاملت بسر کرے، ہم نے قاصد سے کہہ دیا ہے کہ جب فرمان تمہیں دیدے تو تم زیاد کو واپس کرو اور گذشتہ سے توبہ کرو۔ خدا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔ خدا ہمیں اور تمہیں اپنی رفتار پر توفیق دے"، اس کے بعد منظوم نصیحت تھی۔ مسلم ابن قیس

قاصد ابوبکر کو دیکھ کر اشعث نے کہا:-

"تمہارے مقتدا نے اس وجہ سے کہ ہم نے اس کی بیعت میں توقف کیا۔ ہمیں کفر سے نسبت دی اور زیاد کو جس نے اتنے زیادہ مسلمان ہمارے قبیلہ کے قتل کئے برا نہ سمجھا۔" ________ قاصد نے جواب دیا:-

" توقف کی وجہ سے تمہیں نسبت نہیں دی گئی بلکہ اس وجہ سے کہ تم نے مہاجر و انصار کے اجماع کے خلاف کیا،"

ابھی تقریر ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ بنی مرّہ میں سے ایک شخص نے مسلم پر تلوار ماری اور یہ مر کر گر پڑا۔ اشعث نے کہا، خدا تیرے باپ کو بخش دے کہ اس سے بہتر جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔،، اس حرکت سے اس کے ساتھ کے اکثر لوگ ناخوش ہوئے اور سکاسک اور حجون کے پانچ ہزار آدمی زیاد بن لبید سے مل گئے۔

زیاد ابن لبید پسپا ہوا خلیفہ کا تردّد

اور اشعث کے پاس صرف دو ہزار آدمی رہ گئے۔ زیاد ابن لبید اور مہاجرین کو اب جرأت ہوئی اور میدان جنگ میں آئے۔ پھر زیاد کے بہت سے لوگ قتل ہوئے۔ ان کے لشکر کے نامی افسر مثل مہاجر وغیرہ زخمی اور ذلت سے پسپا ہوئے اور دوبارہ انہوں نے نہایت لجاجت سے مدد مانگی۔ حضرت ابوبکر نے انجمن مشاورت جنگ منعقد کی اور سب سے صلاح پوچھی۔ ابو ایّوب انصاری نے صلاح دی کہ لشکر بلا لیا جائے۔ بنی کندہ نہایت بہادر اور خودسر بادشاہ رہے ہیں۔ ان پر حق بیت المال کا زور نہ دیا جائے۔ چند دنوں بعد وہ خود اطاعت قبول کر لیں گے۔ ابن ابو قحافہ نے ہنس کر جواب دیا:-

طلب اطاعت وصول بزغالہ کے لئے

"میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ چھ مہینہ کا بزغالہ باقی رہے گا تو اس سے بھی وصول کروں گا جب تک وہ اطاعت نہ کرے گا۔"

کس وقت علیؑ کی خوبیوں کا اقرار

خلیفہ نے اس کے بعد عمر کو بلا کر علیؑ کے بھیجنے کی صلاح کی اور وجوہات یہ بتائیں کہ راستی درافت۔ فضل و شجاعت علم و فراست۔ رائے و رویت ہدایت میں ممتاز ہیں۔ عمر نے کہا، آپ کا کہنا ٹھیک ہے لیکن مجھے ایک بات کا خوف ہے۔ وہ یہ کہ علیؑ آجکل کمال احتیاط کرتے ہیں۔ اگر خدانا کردہ وہ نہ گئے یا ان لوگوں کے کفر و اسلام میں توقف کیا تو پھر کوئی لڑنے نہ جائے گا مگر مجبوری سے مصلحت یہ ہے کہ انہیں مشورہ کے لئے مدینہ میں رکھو اور عکرمہ بن ابی جہل کو بھیجو۔،،

یہ رائے منظور کی گئی۔ ابن ابی جہل روانہ ہوا۔ اس نے جریر ابن عبداللہ بجلی سے خواہش کی کہ وہ بھی اشعث سے لڑنے چلیں مگر انہوں نے منظور نہ کیا؟ عکرمہ مارب پہنچا اور جب یہاں کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ اشعث سے لڑنے جا رہا ہے تو یہ بھی جنگ کے لئے تیار ہوئے۔ عکرمہ نے خلیفہ کے پاس خط لکھا۔ خلیفہ نے قتل اور اسیری کا حکم دیا۔ لڑائی

ہوئی۔ اہل مارب نے ابوبکر کے عامل کو نکال دیا۔ لڑائی میں لقیط بن مالک الالہجی جو ماعب کا پیش رو تھا، منہزم ہوا اور قلعے میں پناہ لی۔ چونکہ پیشتر سے قلعہ بندی کی مکر نہ کی گئی تھی۔ سامان رسد کی کمی نے صلح پر مجبور کیا۔

مجبورانہ اقرار کے بعد وحشیانہ بدعہدی

خلیفہ کے افسر نے اس شرط سے صلح منظور کی کہ اہل قلعہ اپنے کفر اور ہماری حقیت کا اقرار کریں کہ ان کے مقتول جہنم اور ہمارے بہشت میں جاویں گے۔ بھوکے پیاسے محصورین نے منظور کیا اور اب انہیں حکم دیا گیا کہ تم بے ہتھیار باہر آؤ۔ جب وہ مجبور گروہ باہر آیا تو ان کے افسر قتل کئے گئے۔ لڑکے بالے اسیر ہوئے اور مال خلیفہ کے پاس بھیجا گیا۔

زیاد کو پھر شکست ہوئی

عکرمہ کی خبر سے زیاد ابن لبید کو غیرت آئی اور یہ میدان میں آئے۔ لیکن اشعث کے ہاتھ سے زخمی ہو کر اپنے لشکر میں واپس جانا مناسب سمجھا اور لشکر نے دشمن کے حملے سے پرانی محفوظ جگہ قیام کیا۔ دوبارہ لشکر آراستہ کیا۔ مگر زیاد کا لشکر کچھ ایسا اشعث سے خوف زدہ ہو گیا تھا کہ میدان میں ٹھہرنا اس کے نزدیک عقل سے دور بات تھی۔ عکرمہ کی امید اور خوشامد سے زیاد نے روکا۔ آخر عکرمہ کا لشکر پہنچ گیا۔ اشعث کے رفقا اب تھک گئے تھے اور انہوں نے اپنے افسر سے اپنی خستگی ظاہر کی مگر اس نے ہمت دلا کر روکا۔

وہی عرفجہ جس نے زیاد کی دعوت کے وقت کچھ کہا تھا، اشعث کے لشکر سے باہر آیا اور متواتر حملے شروع کر دیئے۔ یکایک اس کے منہ پر ایک تیر لگا اور یہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اشعث نے غصہ میں آ کر عکرمہ کو ڈانٹا اور اسے زخمی کیا۔ عکرمہ نے جواب میں تلوار ماری اور ساتھ ہی نعمت بن الحرث نے بھی اشعث پر وار کیا۔ ایک دوسرے کے مقابل سپاہی نکلنے لگے اور اشعث اپنے رجز میں تفریحاً اور تعریضاً زیاد کو بلانے لگا۔ دفعتاً گرد باد نے اشعث کو پوشیدہ کر دیا۔ اشعث کا لشکر متردد ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد اشعث شیر گرسنہ کی طرح گرد میں اُٹھا ہوا نکلا اور لشکر کی کیفیت دگرگوں دیکھ کر ان سے استقامت کو کہا۔ عکرمہ اور زیاد کے لشکر نے مل کر حملہ کیا اور اشعث کا لشکر قلعہ بند ہو گیا۔

قلعہ میں بہادر اشعث نے دوبارہ سب کو جنگ کے لئے آمادہ کیا اور باہر نکلا۔ سخت جنگ ہوئی۔ لیکن لشکر کی کمی کی وجہ سے اشعث نہایت زخمی ہوا اور مشکل سے لوگ اسے قلعہ میں لائے اس کی یہ خبر سن کر وہ لوگ جو اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے، غیرت میں آئے اور سبھوں نے دوبارہ مدد کی قسم کھائی۔

عکرمہ اور زیاد کا عہد

عکرمہ اور زیادہ متردد ہوئے اور عہد کیا کہ ہم لوگ فتح پائیں گے تو کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے اور اس کے بعد عکرمہ مددگاروں کے روکنے اور زیادہ محاصرے میں مشغول ہوا۔ عکرمہ سے کئی دن لڑائی ہوئی اور کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ یہاں اشعث نے صلح کی خواہش کی۔ کیونکہ کمی سامان نے بے طاقت کر دیا تھا اور اپنے

مددگاروں کا علم نہ تھا۔

اشعث کی بے خبری و بدنصیبی

عکرمہ نے جب ان کی صلح کی خواہش کو سنا تو اپنے مقابل لوگوں سے کہا کہ تم جن کی وجہ سے لڑنے کے لئے آئے تھے ان سے صلح ہوگئی، واپس جاؤ وہ لوگ اشعث کو بُرا بھلا کہتے ہوئے واپس گئے اور عکرمہ زیاد کے پاس واپس آیا۔ زیاد نے حال پوچھا اور کہا کہ تو نے اس عہد کے خلاف کیوں کیا کہ زندہ چھوڑا۔ اس نے اپنے مقابل لشکر کی ہمت اور شجاعت کا ذکر کیا اور کہا کہ ہم نے ان سے لڑنا مصلحت نہ سمجھا۔ آپس میں نرم گرم الفاظ بدلے گئے اور ایک نے دوسرے کی شجاعت پر تبصرہ کیا۔

اشعث قلعہ سے باہر آیا اور اب زیاد نے اس سے کہا کہ تو نے نہ صرف دس آدمیوں کے لئے امان مانگی اور خود اپنا نام نہیں لکھا۔ اس پر اشعث نے کہا کہ دوسروں کا نام صلح اور امان میں داخل کرتا اور اپنا نام نہ لکھتا اگر مجھے تیری تہمت غدر کا خیال ہوتا تو اپنا نام بھی لکھ دیتا۔ اس کے بعد زیاد کی میدان جنگ میں پہلوتہی اور اپنی شجاعت کا تذکرہ کر کے جنگ کا خوف دلایا اور اپنے معاملے کو خلیفہ کے تصفیہ کے لئے چھوڑا۔

اسیروں کا قتل عام

اس کے بعد کا قصہ یہ ہے کہ جلاد بیٹھے تھے اور قتل عام جاری تھا۔ کسی نے اگر یہ کہا بھی کہ "اے امیر کیا تو نے ہمیں امان نہیں دی ہے؟" تو جواب دیا گیا کہ اشعث نے اپنے اور اپنے اقربا کے لئے امان مانگی اور تم لوگوں کے لئے کچھ نہیں کہا۔" یہ منتقم عرب ٹھنڈے دل اور متبسم چہرے سے اپنے بہادر دشمنوں کا رقص بسمل دیکھ رہا تھا کہ خلیفہ کا خط پہنچا اور اس میں حکم تھا کہ اشعث کو نہایت عمدگی سے بھیج دو۔ صرف ساٹھ آدمی بچ گئے تھے یہ بھی بھیج دیئے گئے۔

خلیفہ اور خلیفہ گر کی پُر معنی باتیں

جب دربار خلافت میں پہنچے تو خلیفہ نے کہا:۔ "اے اشعث خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تجھ پر فتح دی"۔ ——

اشعث نے کہا:۔ اگر سچی بات پوچھتے ہو تو جرم تمہارا ہے۔ زیاد ہماری قوم کے لوگوں کو قتل کرتا تھا اور ہمارا استخفاف کرتا تھا۔" —————— عمر نے کہا:۔

"اے خلیفہ اشعث مسلمان ہوا، قرآن پڑھا، حج کیا۔ اس کے بعد پھر گیا (زکوٰۃ نہ دی) پس سب سے پھر گیا"

خلیفہ نے کہا "جو پھر جائے اس کا خون حلال ہے اور اس کا جینا وبال" —— اشعث نے کہا:۔

"اے خلیفۂ رسولؐ میں حاشا وکلا دین سے نہیں پھرا .... میں اپنے نفس کو بادشاہوں کے دام سے خریدتا ہوں اور اس کے بعد اسلام کی نصرت کروں گا۔ خلیفہ اپنی بہن ام فروہ کا عقد مجھ سے کردیں۔ میں برادا مادہ نہ ہوں گا۔

دوسرا قتل عام

ویسا نہیں ہے جیسا فاروق نے کہا۔" یہ سن کر خلیفہ دیر تک سر جھکائے رہے اور پھر سر اٹھا کر کہا۔

"مصلحت یہی ہے۔"

مصلحت

اس کے بعد ام فروہ سے اشعث کا عقد کیا گیا اور ان سے چار لڑکے ہوئے۔ اشعث کی بڑی منزلت کی گئی لیکن جب یہ کشتگان بنی کندہ کا خیال کرتا تھا تو بہت متاسف ہوتا تھا۔

ابن ابو قحافہ کے متعلق مزید خیالات

اسی طرح قبیلہ بکر ابن وائل نے جب ابوبکر کا خلیفہ ہو جانا سُنا تو کہا ہم لوگ نعمان ابن منذر کو بادشاہ بنا دیں کہ وہ پسر ابو قحافہ سے زیادہ لائق اور اَحق ہیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ابن ابو قحافہ سے ہم اپنے مال کی زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں۔

مسلمانوں کا دوسرا قتل عام خلیفہ رسولؐ کے ہاتھوں

اسی طرح مالک بن نویرہ کا قتل تھا۔ خالد کا لشکر پھیلا ہوا تھا۔ اس میں سے ایک دستہ نے مالک بن نویرہ کو گرفتار کیا اور خالد کے پاس بھیج دیا۔ یہ بھی ابن ابو قحافہ کو زکوٰۃ دینے سے راضی نہ تھے۔ لوگ قتل کئے جانے لگے اگرچہ ان میں سے ہر شخص اسلام کا اقرار کر رہا تھا اور ابو قتادہ انصاری کا ایسا مقتدر صحابی ان کی اسلامیت کی گواہی دے رہا تھا۔ آخر مالک ابن نویرہ کی نوبت آئی اور انہوں نے کہا۔

مالک بن نویرہ کیوں مسلمان نہ سمجھا گیا

"اے خالد کیا مجھے قتل کرے گا؟ میں مسلمان ہوں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں۔"

"اگر تو مسلمان ہوتا تو مسلمانوں کا حق باز نہ رکھتا اور زکوٰۃ دیتا۔"

"واجب فوت نہیں ہوا، اگر سبب فوت ہوا تو اس کا تدارک آسان ہے۔ سنت کے لئے مسلمان قتل نہیں کیا جا سکتا تو خدا اور رسولؐ کو کیا جواب دے گا اور تجھ ایسے شخص کو جو اس وقت صاحب اقتدار ہے لوگ کیا کہیں گے۔"

"تیرا مثانہ پیشاب سے خالی نہ ہونے پائے گا کہ تیرا سر اُڑا دوں گا"، مالک ابن نویرہ نے ایک سر پوشیدہ (گھونگٹ دار) کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اے خالد مجھے یہ قتل کر رہا ہے۔"

"نہیں بلکہ اسلام سے پھر جانے اور زکوٰۃ روک دینے سے تو قتل کیا جا رہا ہے۔"

مالک بن نویرہ قتل کیا گیا اور اس کی بی بی لیلےٰ سے جو تمام عرب میں حُسن کے لئے مشہور تھی۔ اس کے شوہر کے قتل کی رات کو اس کی مرضی کے خلاف خلیفہ رسولؐ کے سپہ سالار یا سیف اللہ نے زنا کیا اور شعراء نے اس پر شعر کہے ان کا قتل (زکوٰۃ نہ دینے والوں کا) خالد کی دلیل کے موافق "صلاح دین" اور اس وجہ سے ہوا کہ موجوا یک رکن بجالائے۔

(نماز روزہ وغیرہ رکھے) اور ایک رکن نہ بجا لائے (زکواۃ نہ دے) وہ قتل کیا جا سکتا ہے۔"

سلطنت یا اسلام

یہ بھی مانعین زکواۃ کی پُرغم داستان جس پر مؤرخین نے فخر کیا ہے اور صاف لفظوں میں اسلام پر ابوبکر کا احسان قبول کیا ہے۔ اس پر کوئی طویل تبصرہ جائز نہ رکھوں گا بلکہ اس کے خاص مقامات کا ذکر کرتا ہوا ناظر کے نفس پر تصفیہ موقوف رکھوں گا۔ یہ دیکھنے کی بات ہے کہ متذکرہ صدر قتال سلطنت کے فائدہ کے لئے تھا یا اسلام کے لئے، یا اسلام اپنے خون میں نہا رہا تھا؟ خود مانعین زکواۃ نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ کیوں نہ قبول کر لیا۔ جب کہ یہ کہا گیا ہے کہ خلیفہ ہو جانا اجماع امت پر موقوف تھا اور رسالتؐ نے اس کے متعلق کچھ نہ فرمایا تھا؟ وہ سلطنت جس کے حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تھے یا کوئی ایسی سلطنت جس پر کوئی بادشاہ ہوتا ہے، قائم نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ اس کی مدد کے لئے روپیہ نہ ہو۔ سلطنت کی خالی جیب دوست اور دشمن دونوں کے لحاظ سے مضر ہے، جب روپیہ نہیں ہے تو کوئی کس حوصلے اور امید سے خدمتیں بجا لائے گا اور مدبرین کے ارادے پورے ہونے کے لئے آدمی کہاں سے آئیں گے، یا جب روپیہ نہ ہوگا تو دشمن کے روکنے کے لئے سامان کہاں سے فراہم کیا جائے گا۔

خلافت کا ایک بڑا کام

خلافت کی کل چلانے والوں کا یہ پہلا خیال ہوگا کہ وہ ذرائع فراہم ہوں جس سے نہ صرف وہ لوگ سلطنت کے اتحاد میں قوی ہوں۔ جنہوں نے مشکل وقت میں مدد دی اور خلیفہ بنا دیا بلکہ اور لوگوں کو بھی حوصلہ ہو کہ وہ ہمارے شریک ہوں اور اپنی جگہ مضبوط ہو جاویں۔ اپنی کمزوری سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی تھی۔ جب کہ دلوں سے ایک حق دار کی سچی منزلت اس کا فطری اور خدمتی حق بھلا دینا ایک بڑا کام تھا اور اس کے مقابلے میں تخت پر آ جانا اس وقت ایسا مشکل ثابت ہوا تھا جس قدر آئندہ اس کی محافظت کرنا۔ یہ فطری خیال تھا۔ وقت کی گرما گرمی اور فوری کارروائیوں سے پالا جیتنے کے لوگ قائل ہو گئے تھے۔ لیکن فوری اثر سے چونکنا اور پس بینی بھی ویسی ہی فطری تھی تا وقتیکہ ایسے سامان فراہم نہ کئے جاویں کہ لوگوں کو اور شغلوں میں اس کی طرف غور کرنے کی مہلت ہی نہ ملے اور اسی طرح وہ اس سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے کہ ہم دیگر صوبجات میں اب تک کامیاب نہیں ہیں مبادا وہ ہم سے انکار کریں اور وہ کچھ چاہیں جس کے ہم حامل نہیں ہیں۔

مشغولیت کے ذرائع

ایسی صورت میں اپنی خلافت کو بیرونی انکار یا یورش سے مدینہ میں محفوظ اور قائم رکھنا بھی محال ہو جائے گا۔ اس کے لئے کوئی دوسری صورت بجز اس کے نہ ہو سکتی تھی کہ جو شخص روپیہ دینے سے انکار کرے۔ کہ یہ درصورت جائز خلیفہ رسولؐ نہ سمجھنے کے نہایت ممکن نظر آ رہا تھا وہ کافر سمجھا جائے اور مسلمانوں کو ان پر بھیج کر قتل اور غارت سے بیت المال بھرا جائے۔

علیؑ مخالف قتال

بقول صاحب مظاہر الحق "حضرت عمر اور حضرت علیؑ، مانعین زکوٰۃ کی کلمہ گوئی پر نظر کرکے سفارش کو اٹھے اور کہا کہ کیوں کر قتال کریں ہم ان سے ایسی حالت میں کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے :- "امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ" کہا ابوبکر نے کہ قتال کروں گا ان سے کہ جو فرق کریں گے درمیان زکوٰۃ اور نماز کے - حضرت عمر نے کہا دیکھا میں نے کہ کھول دیا اللہ نے سینہ ابوبکر کا قتال کے لئے پس جانا میں نے کہ یہی حق ہے"، اس روایت کے بعد لبسولہ الزام سے بری ہو جائے گا اور بڑھتی نگاہ کے سامنے آئے گا وہ جنرل جنہوں نے زکوٰۃ نہ دینے پر قتل عام کیا اس لحاظ سے کہ اس مصلحت پر عمل کر رہے تھے جو ان کے خلیفہ نے انہیں بتائی تھی - مصلحت گڑھنے کے ملزم نہ ہوں گے -

یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ اور لوگوں کو بحیثیت مجموعی غور کا موقع ملا ہو یا نہ ہو - خود خلیفہ اور ان کے مددگار علیؑ کی ناراضی سے چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے - ان کے اثر سے واقف تھے اور انہیں اس خیال کا پیدا ہونا کہ مبادا حضرت علیؑ کے ہمراہ کوئی جماعت ہو جائے اور وہ بزور شمشیر حق طلبی کریں - کوئی بڑی دور بینی یا دور اندیشی نہ تھی - اس لئے یہ بھی ضرورت تھی کہ کوئی وہ شخص جو خلافت پر رضامندی ظاہر نہ کرے وہ مہاجرین و انصار کی عام مخالفت کے الزام سے قتل کیا جائے -

علیؑ کیوں افسر فوج نہ کئے جا سکتے تھے

یہی وجہ تھی کہ مختلف لشکر کشی کی تیاریوں میں حضرت علیؑ کا کہیں نام نہیں ہے - وہ ٹھنڈا (تلوار) فولاد جو اپنے آدمیوں کے ہاتھوں مخالفت کرنے والوں کے دل نرم کرنے کے لئے استعمال ہو رہا تھا وہ ایسے شخص کے قبضے میں نہیں دیا جا سکتا تھا - جس کے حقوق کا التوا کیا گیا تھا کہ وہ ان کے خلاف استعمال کریں - تجربے نے بتایا ہے کہ حضرت علیؑ اور تلوار کا ربط خوفناک منظر پیدا کرتا ہے - پھر ایسی خلاف عقل بات کیوں کی جاتی کہ کچھ مسلمان ہتھیاروں سے آراستہ ان کی ماتحتی میں دیئے جاتے - درانحالیکہ خوف تھا کہ اس جماعت کے خیال اور تلواریں خلافت پر کہیں عکس نہ ڈالیں - درانحالیکہ بہت سے زکوٰۃ نہ دینے والے حضرت علیؑ کے موید حقوق تھے - رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پہلا خلیفہ اور اس کی تاریخ، اس کا لشکر اور اس کے نشان فوج اس لئے مشہور ہوئے کہ وہ ان اصولوں کے مسلمانوں کو قتل کرنے جا رہے ہیں - جنہوں نے خلیفہ نہ سمجھ کر صدقات روک رکھے تھے - میری نگاہ میں یہ لشکر عام مفہوم "اجماع مسلمین" کو ذبح کرنے جا رہا تھا - قبائل لوٹے جانے لگے اور مال و اسباب سے لدے ہوئے اونٹ، جوان اور حسین عورتیں جنہیں مسلمان ہونے کا فخر تھا، قید ہو کر آنے لگیں - فوجی خدمات ادا کرنے کے قابل نوجوانوں کو میدان جنگ کی کارگذاریوں کے حوصلے، مال اور عورت، شہرت اور جوش نے جھنجھوڑ دیا

کیا ضرورت تھی کہ وہ حق اور باطل کو اس کی شان میں دیکھتے جب کہ یہ سب اسی کی بدولت پورے ہو سکتے ہیں جو اپنے کو خلیفۂ رسولؐ کہہ رہا ہے۔ دنیا میں کم غور کرنے والے اور زیادہ تقلید کرنے والے ہوتے ہیں۔

ایک اور نکتہ

مانعین زکوٰۃ کے اقوال سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت ابوبکر کو خفت سے یاد کرتے تھے جس طرح خود بوڑھے ابو قحافہ نے اپنے خلیفہ فرزند سے ابوسفیان کے باخفت مخاطبہ پر تعجب کیا اور کہا کہ تم سردار قوم سے اس طرح بات کرتے ہو، جس کا ہنس کر جواب دیا گیا کہ اسلام نے سب کو برابر کر دیا ہے۔

مانعین زکوٰۃ کے اقوال یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی مخالفت اس بنا پر بھی تھی کہ ان کے نزدیک خلافت اہل بیت رسولؐ کا حق تھا اور علیؑ حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم میں خلیفہ بنا دیئے گئے تھے وہ کسی معمولی قبیلے کے فرد کی ماتحتی نہیں گوارا کر سکتے تھے

علیؑ کا خلیفہ ہونا مخالفتیں روک دیتا

امراء و ملوک کے یہ خلاف طبع تھا کہ وہ ایسے کو اپنا سردار قبول کریں جس کی تاریخ اور مرتبہ ان سے کم ہو۔ کسی کا قبیلہ بنی ہاشم سے خلیفہ ہوتا جو رسولؐ کا قبیلہ تھا اور جن کے کارنامے تمام عرب میں مشہور تھے ان کے لئے ہتکی کی بات نہ تھی درانحالیکہ وہی قبیلہ اب قوم کا مستند روحانی فرمانروا بھی تھا۔ قبیلہ بنی ہاشم میں سے علیؑ کے مقابلے میں نہ کوئی قابل خلافت تھا اور نہ کوئی دوسرا مؤید باقوال رسولؐ تھا۔ نہ تمام حجاز و عرب میں کسی کی اسلامی خدمتیں اس قدر زبان زد عام تھیں، یہی تھے جن کا وہاں نام لیا جاتا تھا، جہاں کوئی ان کا سفارش کرنے والا نہ تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سیڈلیٹ کا یہ قول کس قدر صحیح ہے کہ اگر "قرابت کی وجہ سے تخت نشینی کا اصول علیؑ کے موافق ابتدا سے مانا جاتا تو وہ برباد کن جھگڑے نہ ہوتے جس نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں غوطہ دیا"۔ خلافت کے اس خلاف امید اصول نے ہر شخص میں عام اس سے کہ وہ قابل ہو یا نہ ہو حکومت کا خیال پیدا کیا۔ پیدا ہونا فطری تھا۔ جب وہ دیکھ رہے تھے کہ ایک ایسا شخص جس کا کوئی حق نہ تھا خلیفہ ہو گیا تو ہم کیوں نہ ہوں۔ خلافت رسولؐ کا تقدس اس عام حوصلے سے کچلا گیا اور قابلیت یا عدم قابلیت کا خیال دلوں سے جاتا رہا یہ اسلام کے لئے نہایت مضر ثابت ہوا۔

ابوبکر کیوں کر خلیفہ تسلیم کئے گئے

دعوے کی سچائی یا دلیل کی قوت نے ابن ابو قحافہ کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ تلوار اور خوف نے یا تو ساتھ کر دیا یا انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا یا ملک کی حکومت سپہ سالاری کے شوق، مال اور عورت کی دلچسپیوں نے ایک جم غفیر ساتھ کر دیا۔ کس کی شامت تھی کہ وہ ان بلند آوازوں کے مقابلے میں نحیف آواز سے چیختا اور چیختا بھی تو کب امید تھی کہ اس کی آواز سن لی جاتی۔

حکم خدا کا غلط مصرف

شرائط کے بعد قتل اور امان کے بعد تلوار اور اسیری کا کون مانع ہوتا۔ جب کہ تلواریں حکم خدا سے کھچی ہوئی بتائی گئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ اشعث ابن قیس کا ایسا بہادر اور صاحب اثر

شخص ملا لیا جاتا اور تبدیلی کی درخواست قبول کی جاتی۔ تاریخ دان ناظران ذرائع سے واقف نہ ہوگا جو مدبرین اپنی مصلحت کی کامیابی اور اثر کے قوت دینے کے لئے استعمال کیا کرتے ہیں۔ جنہیں اچھے یا برے ذرائع کا اخلاقی امتیاز خارج از بحث ہوتا ہے یا جو عام اخلاق کی نگاہ میں قابل الزام ہوتا ہے وہ ملکی اخلاق کے نزدیک اکثر مستحسن سمجھا جاتا ہے۔

حضرت علیؑ رسولؐ کے بعد کس عالم میں تھے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ کے غم اور افکار کا اندازہ بعید از قیاس ہے۔ وہ جس کے سایہ میں پلے، تعلیم و تربیت نام اور اثر حاصل کیا، جوان ہوئے۔ جس نے اپنے بعد کے لئے ہر قسم کا ضروری تعارف کرا دیا تھا، دنیا سے گذر گیا۔ ابھی کفنائی ہوئی صورت بھولی نہ تھی کہ خلاف امید چوٹ لگی۔ وہ حق جس کے حاصل کرنے کے لئے ویسی ہی بے غرضانہ کوشش کی تھی، جس قدر کوئی کر سکتا تھا۔ حیرت خیز سرعت اور عجیب وغریب دلیل سے نکال لیا گیا۔ ایسے فرد اور ایسے قبیلہ کی ماتحتی پیش نگاہ ہوگئی۔ جس کا کبھی خواب بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ واقعات پیش آئے جن کے خیال پر متسخر کیا جاتا۔ گھر کی یہ حالت ہے کہ اسی پالنے والے کی یادگار کا صرف ایک شغل رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ بیت الحزن میں آنکھوں سے مسلسل اشک بہائے اور لبوں سے متواتر آہ کرے۔

یہی کافی نہ تھا بلکہ زمانے نے توہین بھی مہیا کی تھی۔ فطری غم کے علاوہ دوسرے قسم کے رنج بھی مہیا کر دیئے تھے یہ بھی ہونا تھا کہ باپ کے ساتھ اس کی میراث سے بھی محروم ہوں اور اس محرومیت کے ساتھ یہ ناگوار تکلیف برداشت کرنی پڑی کہ ہمارا کہنا ان لوگوں نے قبول نہ کیا جنہیں ہمارے سامنے بات کرنے کی جرائت نہ تھی۔ وہ ہمیں جھٹلاتے ہیں جو ہماری باتوں کو سب اقوال کے پہلے قبول کرنا ظاہر کرتے تھے۔

چھوٹے بچے جو ابھی دو روز پہلے شاہزادے کہے جاتے تھے آج زمانہ ان کے اس خطاب پر ہنس رہا ہے وہی لوگ جو رسولؐ کے سامنے ان بچوں کی منزلت اور محبت ظاہر کرتے ہوں گے، آج گوشہ چشم عاریتہ" بھی نہیں دیتے انہیں آج ضروری کام ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ان کو کوئی مناسب تسکین کے لئے وقت خراب کریں۔ جب رسولؐ کی تجہیز وتکفین امور ضروری کی وجہ سے عدم شرکت کی مستوجب ہو سکتی تھی تو یہ باتیں نسبتاً علت بعیدہ تھیں۔ علیؑ کیا کرتے دختر رسولؐ کے ساتھ روتے، بچوں کو بہلاتے یا رونے کا پردرد تماشہ دیکھتے یا فکر رزق کرتے۔ علیؑ سب کو تسکین دے سکتے تھے، کون تھا جو علیؑ کو تسکین دیتا۔ بجز اس فقرے کے کہ "جب لوگ دنیا میں مشغول ہوں تو تم دین اختیار کرنا، زبردست پیشین گوئی تھی۔ لیکن مشروط تھی۔ اس پیشین گوئی کے لئے رسولؐ کو الہام کی ضرورت نہ تھی۔ رسول اللہؐ کی تیز فہمی، طبیعت شناسی اور اثر پہچاننے والا نفس کس دن کام آتا۔ یہی نہ تھا کہ یہ پیشنگوئی صرف غیر ظاہر شبہات پر ہو بلکہ اکثر ظاہر واقعات نے

بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یقین دلا دیا تھا۔ یہی الفاظ حضرت علی علیہ السلام کے لئے اس وقت باعث تسکین تھے ان میں بڑی قوت تھی۔ یہ الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے اور حضرت علیؑ کے اداس خیال اور تھکے ہوئے جسم کو ایک کام کے لئے تیار کر رہے تھے۔ درانحالیکہ رسولؐ کے بعد مشاغل کی کمی تھی۔ یہ بیکاری روح فرسا تھی۔ کوئی شغل چاہیئے تھا رسولؐ نے شغل بتا دیا تھا۔ شغل یہ نہ تھا کہ رات دن نمازوں میں بسر کرتے یا تلاوت قرآن سے ثواب حاصل کرتے۔ نہیں یہ تو ہر شخص کر سکتا تھا۔ علیؑ کو ممتاز مشاغل بتائے گئے تھے۔ جیسا:۔

علیؑ اور عامہ اصحاب میں معقول اور محسوس کا فرق

اسلام کا ایک حکیم اپنے لکھنے کے لائق حدیث نقل کرتا ہے اور اپنے شایان نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ میری غرض بوعلی سینا سے ہے جس نے لکھا ہے:۔

"کیا خوب کہا ہے اشرف الناس، اعزا انبیا اور خاتم رسلؐ نے اس شخص سے جو مرکز ہے حکمت کا، آسمان ہے حقیقت کا اور خزانہ ہے عقل کا۔ یعنی امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ جو صحابہ میں ایسے تھے، جیسے معقول محسوس میں ہوتا ہے کہ جب لوگ مختلف قسم کی نیکیوں سے خدا سے نزدیکی چاہتے ہوں تو اے علیؑ تم اس عقل کے ساتھ نزدیکی چاہو۔ جس سے تم سب پر سبقت لے جاؤ۔ اے علیؑ جس وقت لوگ کثرت عبادات اور خیرات سے اپنے نفس پر تعب پہنچا دیں تو تم معقولات کے دریافت کرنے میں اپنے نفس پر تکلیف اٹھاؤ۔" ——— اس کے بعد حکیم تحریر کرتا ہے:۔

"ایسا خطاب بجز ایسے شخص کے جو بلند مرتبہ اور صاحب شرف ہو مثل رسولؐ کے کسی دوسرے کے ساتھ جائز اور سزاوار نہیں ہے"، صرف تیئیس ۲۳ یا دس برس ہوئے تھے کہ جس میں اسلام مشہور ہوا تھا اور صرف چار یا پانچ برس ایسے تھے جس میں اسلام کا قوت کے ساتھ نام لیا جا سکتا تھا۔ متقین جو دنیا کے عقول کا ایک نایاب گوہر تھا۔ اسی زمانہ میں ہر قسم کی حد بندیاں کر چکا تھا۔ ناتربیت یافتہ اور جاہل عرب جسے انسانیت اور سمجھ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نفس، قانون احکام اور اسلام نے بجز قوانین کے جو اس کی عادت میں جاری کئے گئے تھے، واقف نہ تھا، اسے اپنی زندگی کا علم تھا، یہ نہ جانتا تھا کہ کن قوتوں کے ساتھ زندہ ہے۔ وہ دین کی رسومات کا خوگر کیا جاتا تھا اس قابل نہ ہو گیا تھا کہ اسلام کی لطافت اور عقلی باریکیاں اس کے کند دماغ پر ٹپک جائیں، جس کا اسے تو کوئی اندازہ ہوتا ہی نہیں۔ لیکن یہ چور چور ہو جاتی۔ اسے تالیف حسی تھی، اسلام سے تالیف عقلی نہ تھی۔

قانون نے رسوم و قیود بنائے نہ کہ رسوم و قیود نے قانون بنایا

اب کیا یہی کافی تھا کہ کچھ لوگ زمرۂ اسلام میں داخل کئے جاتے اور قیود کے کورانہ

مقلد بنائے جاتے اور چھوڑ دیئے جاتے۔ جماعت آج جاہل تھی۔ کل اس میں ترقی ہوتی۔ پر سول وہ ترقی کی نگاہوں سے اسلام میں آج کی عقل کے موافق اسباب اور مصالح تلاش کرتی۔ یا تو وہ اسلام کو صرف رسوم و قیود کا ایک حسیّ ڈھیر دیکھ کر متنفر ہوتی اور اسے اپنی عقلی ترقی کا شایانِ شان نہ سمجھ کر ترک کرتی، یا مروّت اور گزشتہ محبت سے کچھ خود ساختہ نظریات پر چلتی۔ جس کے معنی یہ ہوتے کہ اسلام رسوم و قیود سے بنایا گیا۔ عام فہمی کے لئے عقول نے رسوم و قیود ایجاد نہیں کئے۔ اب ہر ایک جو عقل اور خیال میں دوسری عقل اور خیال سے مختلف ہوتا۔ وہ متضاد مسائل کا ایک ناگوار ڈھیر کر دیتا اور بجائے یک جہتی اور صلح کے ہر طرف عقلی ہنگامہ جنگی اور تفرقے کے آثار پیش نظر ہوتے۔

اور یا یہ ہوتا کہ رسوم و قیود کے قائم رکھنے والے جاندار عقلی وجوہات ہوتے جس سے زمانہ کی بدولت ترقی یافتہ عقلیں تسکین پاتیں۔ قانون اور مقنّن کی دل میں وقعت پیدا ہوتی۔ قانون دیکھ کر مقنن کی بلندیٔ فہم، بلندیٔ ذات، تربیت، نفس اور بلحاظ انسانیت ممتاز حیثیت کا اقرار ہوتا۔ ترقی یافتہ اور مقنّن میں ایک عقلی رشتہ ہوتا۔ اس کا احسان اس کی مستند افضلیت عقل، عمل اور نفس، بڑھتی ہوئی عقلوں کی مشکورانہ حیثیت سے گردن جھکائے رہتی اور بجائے نفرت کی اسے اس قانون اور اس مقنّن کی پیروی کا افتخار ہوتا۔

ضرورت تھی کہ کوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھاتا۔ کہتا کہ "آپ نے اپنی عقل کو زندہ کیا۔ اپنے نفس کو مار ڈالا جس سے آپ کا بدن نہایت لاغر ہوگیا۔ قوائے قویہ ضعیف ہو گئے اور ایک نہایت ہی درخشندہ نور آپ کے لئے چمکا۔ جس نے آپ کو معرفت الٰہی کی راہ بتائی اور راہ ترقی معارف پر سالک کر دیا۔ حجاب ہائے الٰہیہ کے دروازوں نے آپ کو باب السّلام اور دار السّلام اور دار الاقامہ تک پہنچا دیا"، کوئی یہ دعوے کرنے والا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہوتا کہ "اسلام سلامتی اور نجات کا نام ہے۔ علوم ظاہری اور احکام باطنی کی وجہ سے۔ اس کی حجتوں اور برہانوں کو ظاہر کر دیا، اس اسلام پر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ اس میں تاریکیوں کے دور کرنے والے روشن چراغ ہیں۔ اسلامی کنجیوں کے بغیر سعادت کا دروازہ اور خزانہ نہیں کھل سکتا اور نہ اس کے چراغوں کے بغیر جہالت کی تاریکیوں کے پردے اٹھ سکتے ہیں"

سمجھاتا کہ "آپ کا طریقہ متوسط اور میانہ روی ہے"، سمجھاتا کہ "آپ کا سخن بیان احکام خداوندی ہے اور آپ کی خاموشی ہزار ہزار نصائح آمیز زبان"، سخت ضرورت تھی ایک کہنے والے کی کہ رسولِ پاک نے ہر ایک خواہش رکھنے والے کے لئے آتش شوق و شعلہ عشق الٰہی کو بھڑکا دیا۔ ہر ایک مبہم تاریکی ضلالت کے لئے ہدایت کی نشانیاں روشن کیں.....

تو نے کمال احسن و اکرام فرما کر اسے مبعوث کیا۔ تو نے اپنے بندوں پر غایت درجہ مرحمت فرما کر اسے رسولِ بالحق بنا کر بھیجا...... پروردگارا کمالات کاملین کی بنا پر اس کے کمالات کی بنیاد کو بلند کر دے اور تمامی خلقت پر اسے بلندی اور

بزرگی عطا کر دے۔"

علیؑ کی طفولیت اور رسولؐ کی الفت

کون اس کہنے کے قابل اور مستحق اس سے زیادہ ہو سکتا تھا جو یہ کہتا ہے کہ "جب میں لڑکا تھا تو آپ نے مجھے گود میں اٹھایا، اپنے سینہ سے لپٹایا۔ اپنے فرش پر مجھے اپنے پہلو میں رکھتے تھے۔ جسم اطہر کو میرے جسم سے مس کرتے تھے۔ اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ پہلے کسی چیز کو خود چباتے تھے پھر وہ لقمہ میرے منہ میں دیتے تھے......... میں اس طرح پیروی کرتا تھا جیسا کہ بچہ شتر اپنی ماں کی پیروی کرتا ہے۔ آپ ہر روز مجھے اپنے اخلاق کریمہ کے ایک علم کی تعلیم کرتے تھے اور مجھے اس کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ ہر سال میں ایک مہینہ آپ کوہ حرا میں مقیم رہتے تھے میں آپ کو دیکھتا تھا اور میرے سوا کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔" تینتیس برس علیؑ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ میں رہے۔ رسولؐ نے بھی حضرت علی علیہ السلام کو باب علم قبول کیا تھا۔ عقل اور خیال کو نفس کی تربیت کے بعد صحیح راستہ پر لگا دیا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام منبر پر ہر طبقہ عقل اور معلومات کے مسلمانوں سے اس خطاب کے قابل ہو گئے تھے کہ "سلونی قبل ان تفقدونی (پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ) رحلت رسولؐ کے بعد سے اپنی خلافت تک باوجود روحانی تکالیف کے انہیں اس کے جلا دینے کا وقت اور موقع ملا تھا۔ ان کے جس قدر خیالات ہم تک پہنچے ہیں وہ اس قدر متحیر کر دیتے ہیں اور ایسا صاف نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچتے ہیں۔ جس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ علیؑ کی ذات و صفات ہماری تعریف سے مستغنی ہے۔ علیؑ کو دیکھ کر بانیؐ اسلام یاد آتا ہے۔ جس کی نسبت ایسا شخص کہتا ہے کہ "انا عبید من عباد محمدؐ" (میں محمدؐ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں)

ضرورت تھی کہ ایک شخص اس معجزۂ نفس اور رائس رحم اور محبت انسانی کا چربہ اتارتا، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھا گئے تھے جسے دیکھ کر خدا کا شوق اور محبت پیدا ہوتی اور صفات الٰہیہ کا روح افزا سرور پیدا ہوتا۔ اسے ڈرتا ہوا دیکھ کر معاصی سے روح کانپتی اور یہ خوف اور محبت کا معتدل نسخہ صرف خوف یا تنہا محبت کی مضرتوں سے محفوظ رکھ کر سوسائٹی کو قوانین الٰہی کی حدود پر رکھتا، اسے دیکھ کر لوگ دل ہی دل میں اپنی منقصت پر نادم ہوتے اور ترقی کا حوصلہ بڑھاتا اور آسانی پیدا کرتا۔

وہ زمانہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں ایسا نہ تھا کہ جس میں لوگ عبادت الٰہی سے تعب اٹھانے کے لئے مشہور ہوں۔ یہ زمانہ تمام، ملکی فتوحات اور کنیزوں کی خریداری کا تھا اور اس لئے اور زیادہ موزوں تھا کہ حضرت علی علیہ السلام وصیت رسولؐ پر عمل کرتے۔ معقولی تحقیقات اور وسعت علم کے وقت کو ضائع نہ کرتے۔ اسی موقع کے متعلق قوم کے قابل فرد اور مستحق تعریف عالم السیّد امیر علی درازکرے خدا عمر ان کی، تنقید الکلام میں فرماتے ہیں،

حکمت نظری کا زمانہ اور حکیم

وہ زمانہ در زمانہ رسول حکمت عملی کا تھا مگر اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد حکمت نظری کا زمانہ شروع ہو گیا۔ جس کا بنیادی ذخیرہ آنحضرتؐ کے احکام میں موجود تھا۔ اور آپ کے شاگرد رشید کہ باب العلم تھے۔ عمل کے ساتھ ہی علم و عرفان بھی حاصل کر جاتے تھے خود آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ جو شخص میرے احکام کے معانی کو سمجھنا چاہے وہ میرے اس شاگرد کو بگوش ہوش سُنے آپ کے کلام بلاغت فرجام و ہدایت انضمام کو حضرت علیؑ سے زیادہ کون سن سکتا تھا جو آپ کے دوست، صادق، شاگرد رشید، برادر جاں نثار، صہر رسولؐ و زوج بتولؑ تھے۔ جس محبت و شفقت سے خود رسول مقبولؐ نے اپنے شاگردِ رشید کو سنِ طفولیت میں احکام و اسرار تعلیم کئے تھے اس کا ثمرہ ظاہر ہوا۔

زمانہ گوشہ نشینی میں علیؑ احکام رسولؐ کی تحقیق و تنقیح دلائل عقلی سے کرتے رہے

اور عزلت گزینی کے زمانہ میں حضرت علیؑ اپنے مالک کے احکام کی تحقیق و تنقیح دلائل عقلیہ سے کرتے رہتے تھے۔ اگر حضرت علی شہید نہ ہو جاتے تو مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کے احکام کی حقیقت واقعی اس طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ عقل و نقل یعنی احکام عقل اور احکام شرع باہم آمیختہ ہو جاتے اور اصول اوّلیہ فلسفہ حقہ، اور حکمت الٰہیہ اصول عملی قرار پاتے۔

علیؑ کا ہر ہر لفظ

وہی ذوق و شوق، علم و فضل کا جو آنحضرتؐ کو تھا اور جو تمام ناصحان امین اور مہذبان اخلاق پر آپ کے شرف و فضیلت کا باعث ہے۔ آپ کے شاگرد رشید کے کلام کے ہر ہر لفظ سے پایا جاتا ہے۔ ان سے زیادہ کریم النفس اس زمانہ میں بھی کوئی نہ تھا اور اس کریم النفسی کے ساتھ ہی اعلےٰ مدارج ایمان اور اکمل مراتب عرفان پر فائز تھے۔ حضرت علیؑ کے اشعار آبدار سے ان کے مصنف کا غایت درجہ خضوع و خشوع اور کمال عجز و نیاز اپنے خالق کی درگاہ میں نمایاں ہے۔ افسوس صد افسوس! ابن ملجم لعین کے دست نجس سے یہ سب امیدیں خاک میں مل گئیں،" اسی لائق اور فخر قوم عالم نے اپنی دوسری کتاب اسپرٹ آف اسلام میں زمانہ گوشہ نشینی کے متعلق لکھا ہے:۔

پُر وقار کنارہ کشی

رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد گو علیؑ اکثر بلائے گئے اور انہوں نے شرکت بھی کی لیکن پُر وقار کنارہ کشی اور آزادیٔ طبیعت کو اپنا شعار کرتے ہیں۔ اپنی اس گوشہ نشینی میں خانگی پر امن اور علمی اشغال میں مصروف رہتے ہیں۔

رحلت زکیہ طاہرہؑ

"تین مہینے یا پانچ روز بقول ڈھائی مہینے اسی طرح گزرے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک روز کچھ آٹا خمیر کیا ہوا، تھوڑی سی مٹی بھیگی ہوئی اور فاطمہؑ کو بچوں کی آراستگی کی فکر

دیکھا۔ حضرت علی علیہ السلام کو اس حالت میں تعجب ہوا اور پوچھا :۔

" اے دختر رسولؐ میں نے کبھی آپ کو دنیا کے تین کام ایک ساتھ کرتے نہیں دیکھا آج کیا سبب ہے "؟

یہ سُن کر دختر رسولؐ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور جواب دیا :۔

" یا ابالحسنؑ میں نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا ہے ، مجھے یقین ہے کہ اب میری موت قریب ہے۔ اس خیال سے اپنے بچوں کی آراستگی اور سیر کرنے کی فکر ہے کیونکہ میرے بعد ان کی خبر گیری ایک مشکل امر ہے۔"

یہ کلام سن کر علیؑ اور چھوٹے بچوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ حضرت علیؑ نے بچوں کو متاثر دیکھ کر انہیں ماں کی صحت کی دعا مانگنے کے لئے گورستان بقیع بھیج دیا اور خود فاطمہ زہراؑ سے مخاطب ہوئے :۔

یا بنت رسولؐ اللہ ، ابھی رسولؐ کا غم دل سے محو نہیں ہوا ہے کہ اپنے فراق کی خبر سنا رہی ہیں "!

آپس کی گفتگو کے اثنا میں دختر رسولؐ نے اسماء بنت عمیس کو کھانا تیار کرنے کے لئے کہا اور خود تکیے پر سر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب حضرت فاطمہؑ زہرا کے پارۂ جگر آئے تو اسماء نے ان کے سامنے کھانا رکھ دیا۔ اس پر ان صاحب زادوں نے تعجب سے سوال کیا :۔

" اسماء تو نے کبھی دیکھا ہے کہ ہم نے بغیر ماں کے کھانا کھایا ہو !"

" صاحبزادو تمہاری ماں بیمار ہیں "

بچوں نے کیا دیکھا

بچے کب ماننے والے تھے یہ دوڑتے ہوئے ماں کو بلانے کے لئے حجرے میں گئے۔ لیکن یہاں کی حالت دیکھ کر باوجود کمسنی کے دم بخود ہو گئے۔ اندوہناک منظر تھا وہ ماں جو ہمیشہ انہیں دیکھ کر ہنس دیتی تھی ، آج بیخودی میں تکیے پر سر رکھے ہے اور غمگین باپ سرہانے بیٹھا ہے اس خیال سے کہ بچوں کو رنج نہ ہو ، فاطمہ زہراؑ انہیں روضۂ رسولؐ پر بھیج دیتی ہیں اور علیؑ سے کہتی ہیں :۔

" اے ابو الحسنؑ میرا سر گود میں لیں کہ زندگی بہت کم رہ گئی ہے "

"یا فاطمہؑ اب آپ کی ان باتوں کے سننے کی تاب نہیں ہے "

" یا علیؑ ایسی راہ درپیش ہے جہاں ضرور جانا ہوگا اور ایسے غم نے جوش مارا ہے کہ سہنا ہوگا۔"

حضرت علی علیہ السلام نے سر گود میں لے لیا اور گرم آنسو رخسار پر ٹپکنے لگے۔ علیؑ کی مونس تنہائی نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور نہایت قابل تعریف استقلال سے کہا :۔

" یا علیؑ یہ وصیت کا وقت ہے ، تعزیت کا وقت نہیں ہے اگر مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہو ، تو بخش دیں۔ میرے

بچوں پر شفقت کریں اور شب کو جنازہ اٹھائیے گا کہ کوئی نہ دیکھے، میری قبر پر ضرور آئیے گا کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے،، گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ دروازے سے ان بچوں کے رونے کی صدا آئی، جن کے حق میں شفقت کی وصیت کی تھی۔ علیؑ حجرے سے باہر آئے اور انہیں گود میں اٹھا کر لے گئے۔ پیارے بچے جنہیں دنیا میں ناقابل برداشت سختیاں اٹھانی تھیں، اپنی ماں کو خاموش دیکھ کر بے چین ہو گئے اور کہا:۔

"اماں۔ آنکھیں کھولئے"

فاطمہ زہراؑ کی تیاری

بنتِ رسولؐ نے آنکھیں کھولیں۔ بچوں کو پیار کر کے دوبارہ روضۂ رسولؐ پر بھیج کر ام المومنین ام سلمہ سے پانی مہیا کرنے کو کہا، غسل کیا، نئے کپڑے پہنے، فرش کیا۔ قبلہ کی طرف داہنے پہلو سے تکیہ پر سر رکھا۔ ایک ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیا۔ اسماء بنت عمیس سے کافور منگوا لیا اور کہا:۔

"ہمیں تنہا چھوڑ دو کہ اپنے راز و امید کو خدا سے کہیں۔"

بنت رسولؐ، ہادیٔ برحق کی یادگار، جس کی ہادیٔ اعظم تعظیم فرماتے تھے۔ وہ خاتون جس نے اپنے اس قول سے کہ "عفت عورتوں کا سب سے اچھا زیور ہے۔ طبقہ اناث کے لئے بیش بہا جوہر چھوڑا، وہ معظمہ جس کی خوبیوں کا مقابل نہیں دکھائی دیتا۔ اب اپنے پدر بزرگوار کی امت کے لئے دعا کرتی ہیں، مغفرت کی خواستگار ہوتی ہیں اور خدا کی رحمت کی التجا کرتی ہیں۔

صدا موقوف ہو گئی

اسماء بنت عمیس جواب تک حجرہ سے باہر نہیں گئی تھی، ضبط نہ کر سکی اور بے ساختہ منہ سے چیخ نکل گئی۔ زکیہ نے پھر اسے باہر جانے کو کہا اور ہدایت کی کہ تھوڑی دیر کے بعد پکارنا اگر آواز نہ سنو تو چلی آنا۔ اسماء کچھ دیر تک طاہرہؑ کی التجا اور مناجات سنتی رہی۔ آخر میں صدا بند ہو گئی اور پکارنے پر کسی نحیف آواز نے جواب نہ دیا خادمہ روتی ہوئی اندر دوڑی اور سب کو معلوم ہو گیا کہ فاطمہ زہراؑ نے رحلت کی۔ بقول السید امیر علی صاحب:۔

" وہ اپنے زمانہ کی نہایت ممتاز و نامور خاتون تھیں۔ نہایت محتاط بہمہ وجوہ کامل اور طباع تھیں۔ ان کی پند و نصائح اشعار و اقوال ان کے دل و دماغ اور کمال کا زندہ ثبوت ہیں۔ ان کی عصمت پارسائی اور قابلیت کے باعث لوگ انہیں فاطمہ زہراؑ کہتے تھے۔ حضرت علیؑ نے اپنی مونس تنہائی کے فراق میں یہ مرثیہ کہا۔

دوستوں کے درمیان اجتماع میں تفرقہ ہے اور تمام بلائیں فراق کے سوا قلیل ہیں۔ رسولؐ کے بعد فاطمہؑ ہمارے لئے باعث فخر تھیں۔ ظاہر دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتے۔"

اس وقت جب کہ علیؑ اس یادگار رسولؐ کو قبر کے سپرد کر رہے تھے، فرماتے جاتے تھے:۔

دفن کے وقت علیؑ نے کیا کہا

سلام ہو آپ پر اے رسولِ خدا، میری طرف سے اور آپ کی اس دختر کی طرف سے

جوآپ کے پہلو میں وارد ہونے والی ہے اور آپ سے ملحق ہونے کے لئے جلدی کر رہی ہے۔ یارسول اللہؐ! آپ کی برگزیدہ دختر کے انتقال سے میرا صبر کم ہوگیا۔ اس کی مصیبت کی وجہ سے میری چستی و چالاکی جاتی رہی۔ مگر ہاں میرے واسطے اس امر کی پیروی موجود ہے کہ آپ کی بزرگ فرقت پر صبر کیا۔ آپ کی سنگین اور سخت مصیبت کے وقت صبر و شکیبائی سے کام لیا۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو لحد میں رکھا اور میرے گلے اور سینہ کے درمیان آپ کی روح نے سفر کیا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" ایک امانت واپس لے لی گئی۔ ایک یادگار نشانی اٹھالی گئی۔ اب میرا حزن و ملال دائمی ہے۔ اب میری آنکھوں میں نیند کہاں جب تک کہ پروردگار عالم میرے لئے اس مقام کا ارادہ کرے جس میں آپ مقیم ہیں۔ عنقریب آپ کی دختر آپ کو آگاہ کرے گی آپ اس سے اچھی طرح سوال کیجئے۔ میری موجودہ حالت کو ان سے دریافت فرمائیے۔ حالانکہ ابھی آپ کے انتقال کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور زمانہ آپ کی یاد سے خالی نہیں ہوا۔ آپ پر اور آپ کی دختر پاکیزہ گہر پر میری طرف سے اس طرح سلام ہو، جیسے کوئی دوست اپنے دوست کو وداع کرتے ہوئے سلام کرتا ہے۔ جو اس کی ملاقات سے غضب ناک اور ملول نہیں ہوتا۔ اگر میں آپ کی زیارت کے لئے ٹھہرا رہوں تو اجر سے بدگمانی کی وجہ سے نہیں جس کا پروردگار عالم نے صبر کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے"

اجماع کی بجائے وصیّت نامہ

ابوبکر کی خلافت کے دو برس اور کچھ مہینے کے زمانہ میں جو ۶ رجون ۶۳۲ء سے ۲۴ رجولائی ۶۳۴ء تک کہا گیا ہے ہم اور ایسے واقعات نہیں جانتے جن کا حضرت علیؑ سے تعلق ہو۔ اب صرف اُن کے آخری فعل سے تعلق رہ گیا ہے کہ انہوں نے مرتے مرتے ایک دستاویز لکھی اور حکم دیا کہ میرے مرنے کے بعد مجمع اصحاب میں پڑھی جائے۔ جو لوگ واقف تھے انہوں نے یہ بھی کہا کہ ایسے شخص کو خلیفہ کیا ہے جس کی ترشی طبیعت اور سختی سے لوگ راضی نہیں ہیں لیکن دنیا سے گزرتے ہوئے خلیفہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور وصیت نامہ بدستور قائم رہا۔ بیشک اس موقع پر ہم احسان شناسی کے قائل ہیں۔ خلیفہ نے یہ بھی دعا کی کہ خدا مسلمانوں کو آئندہ خلیفہ کی اطاعت کی توفیق دے۔

باضابطہ یا بے ضابطہ

مولوی شبلی صاحب المامون میں فرماتے ہیں:۔

حضرت ابوبکر صدیق کے بعد شاید بنو ہاشم کے دعوے نئے سر سے پیش ہوتے لیکن حضرت عمر کی باضابطہ ولیعہدی نے اس کا موقع نہ دیا۔"

المامون کے قابل مؤلف نے "باضابطہ" لفظ کے استعمال میں غور نہیں فرمایا۔ کیونکہ اب تک مسلمان یہ سمجھائے گئے تھے یا جس وقت تک یہ "باضابطہ" کارروائی کی گئی تھی۔ اس وقت تک یہ اصول تھا کہ خلیفہ اجماع مسلمین سے ہوتا ہے اس اصول سے ایک وصیّت نامہ کی بنیاد پر خلیفہ کرنا عین بے ضابطہ تھا۔ کس نے انہیں اختیار دیا تھا کہ وہ وصیّت کرتے؟ جب کہ

خود وصیت سے مخالفت مفقود نہیں ہے۔ جیسا خود الفاروق میں لکھا ہے کہ عبدالرحمن ابن عوف تند مزاجی کے معترف تھے اور جب عمر کے خلیفہ ہونے کا چرچا ہوا تو بعضوں کو تردد ہوا۔ چنانچہ طلحہ نے ابوبکر سے کہا۔ آپ کے موجود ہوتے عمر کا ہم لوگوں سے کیا برتاؤ تھا۔ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے،، میں اس وصیت میں عربوں کی جمہوریت کی فریفتگی تلاش کر رہا ہوں۔ جس نے بقول السید امیر علی صاحب " خلافت کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے حقوق کو بھی نظرانداز کر دیا

ایک فطری سوال کی تکرار

یہی کارروائی خیال دلاتی ہے کہ دو برس کی خلافت اور حضرت عمر کے اتنے دن کی وزارت سے تو حضرت ابوبکر کو قوم کا خلیفہ بنانا یاد رہا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہوں نے قوم اور سب کچھ بنایا اور سب کچھ ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان کی مدد کی۔ انہیں حضرت علیؑ یا اپنی امت کا کسی کو خلیفہ بنانا یاد نہ رہا۔ کیا یہ موقع قصہ قرطاس کے راز کی کنجی نہیں ہے؟ حضرت علیؑ خطبہ شقشقیہ میں کہتے ہیں:

" اول (ابوبکر) تو اپنے راستہ پر گذر گیا مگر اپنے بعد خلافت کے ڈول کو ابن الخطاب کے کنوئیں کی طرف پھینک گیا

حالت اور طبیعت

مگر مجھے تو تعجب اور سخت تعجب ہے کہ وہ جانے والا اپنی حیات میں بیعت خلافت کے توڑنے کا حکم دیتا تھا اور استعفیٰ دیتا اور اقالہ طلب کیا کرتا تھا مگر باوجود اس قول کے اپنے مرنے کے بعد دوسرے کے ساتھ خلافت کو منعقد کر گیا۔ واقعی امر یہ ہے کہ پستان ناقہ خلافت کو دونوں نے آپس میں خوب بانٹ لیا۔ افسوس خلافت کو ایک درشت مزاج اور تند خو کے حوالے کر دیا۔ جس کی زبان کے زخم نہایت سخت اور کاری تھے اور جس کا چھونا بھی ناگوار تھا۔ جس کی گفتار و کردار دونوں ناہموار تھیں۔ اس کی طبیعت میں سخت لغزشیں تھیں۔ وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا تھا اور پھر ان لغزشوں پر عذرخواہ بھی ہو جاتا تھا۔ ایسی طبیعت والے شخص کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو کبھی بوجھ نہ اٹھانے والے اونٹ پر سوار ہو۔ اگر یہ سوار اس کی مہار کھینچتا ہے تو ناک پارہ پارہ ہوتی ہے اگر چھوڑتا ہے تو خود گرنے کا خوف ہوتا ہے۔ قسم ہے حیات خداوندی کی کہ لوگ اس کے سبب سے خبط میں مبتلا ہو گئے۔ ہر اہل و نااہل دینی اور دنیوی امور میں رائے زنی کرنے لگا، تلون مزاجیاں دامنگیر ہو گئیں، اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ میں نے ان صدمات پر بھی صبر کیا،، (نہج البلاغہ)

کہا گیا ہے کہ فتح بیت المقدس کے وقت خلیفہ ثانی جب دمشق گئے تھے تو انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ عثمان کو قائم مقام چھوڑا تھا اور کوئی ۱۴ھ میں حضرت علیؑ کو قائم مقام بتاتا ہے۔ جبکہ خلیفہ لشکر کے استقبال کے لئے چشمہ صرار تک گئے تھے۔

میں اس کے متعلق کوئی تصفیہ نہیں کر سکتا کیونکہ قرائن مقرر کرنے سے نہ مقرر کرنے کے زیادہ ہیں۔ قبولیت کے لئے

یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جب خلفاء کو یہ یقین ہو گیا کہ حضرت علیؑ سے کوئی عملی خوف نہیں ہے تو ان پر غیر ضروری بے اعتباری سے باز آئے اور یہ دکھانے کے لئے کہ حضرت علیؑ ہمارے مخالف نہیں ہیں۔ حضرت علیؑ سے قائم مقامی کی گذارش کی۔ درانحالیکہ حضرت علیؑ کے تدین کا یقین تھا۔ اگر حضرت علیؑ نے قبول کیا تو یہ ان کی کمال نفس کشی تھی۔

فتح مدائن ۱۶ھ فرش

فتح مدائن میں ایک مکلّل (مزین) بہ جواہرات فرش مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کہا جاتا ہے کہ "علی مرتضٰےؑ کو غیر دجرد کے فرش کا جو ٹکڑا ملا۔ انہوں نے تیس اور کسی کے موافق پچیس ہزار درہم کو فروخت کیا۔ اگرچہ وہ نفیس ٹکڑوں میں نہ تھا"۔

مولوی شبلی صاحب فرماتے ہیں: "لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمر کا بھی یہی منشا تھا۔ لیکن حضرت علیؑ کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولت نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑائے گئے۔ .... یورپ کے مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر زمانہ کا مذاق جدا ہے۔ وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف دینوی کی عزت نہیں کی جاتی تھی، دنیاوی یادگاروں کی کیا پرواہ کر سکتا تھا۔"

اس عدم ذمہ دارانہ انتقام کا سہارا گذشتہ مؤرخین کو نہ ملا تھا۔ کیونکہ یورپ کا مذاق کبھی ان کے خواب میں بھی نہ آیا تھا بحث تمام کرنے اور اس حسن عقیدت پر ہنسنے کے لئے ہمارے پاس بھی دلیل ہے کہ "اگر مصوّر شیر بود ے ایں چنیں نہ بودے"۔ میرے خیال میں اس کا موجد ابن خلدون یا مترجم ابن خلدون ہے۔ جس نے لکھا ہے کہ حضرت عمر اور لوگوں کی رائے نہ بانٹنے کی تھی۔ حضرت علیؑ کی رائے اس کے خلاف تھی۔ اس کے بعد زمانہ حال کے مؤرخ کو صرف الفاظ کی چاشنی دینے کی ضرورت رہ گئی تھی۔ میں اس پہلو سے باز نہ آؤں گا کہ اگر ہم اسے صحیح بھی مان لیں تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اگر تقسیم نہ کیا جاتا تو نہ یہ بیت المال میں رہتا اور نہ خلافت کے کسی عجائب خانہ میں جاتا۔ نہ غریب اور پریشان مسلمان اس سے فائدہ اٹھاتے بلکہ مضبوط معدہ اسے اس طرح ہضم کر جاتا کہ دولت نوشیروانی کا ذکر صرف زخمی سپاہیوں کے جھونپڑوں میں سنائی دیتا یا وہ کبھی اس بیش بہا غنیمت کا ذکر کرتے جنہیں دار الخلافت تک لانے کا افتخار ہوا تھا۔ ورنہ بات سمجھ میں آنے کی نہیں ہے کہ اگر سچ مچ "حضرت عمر اور لوگ" نہ بانٹنے کے حامی تھے اور صرف حضرت علیؑ چاہتے تھے تو کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ بکمال احترام سے خلیفہ اور کل لوگوں کی رائے کے مقابلے میں حضرت علیؑ کی رائے کو ترجیح دی گئی ہے بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ بانٹنا چاہتے تھے لیکن لوگ چاہتے تھے۔ وہ نہ بانٹے جانے کے خیال کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے تھے اور حضرت علیؑ کو بھی لوگوں کی رائے کا خیال کرنا پڑا ہوگا۔ جس میں کوئی شرعی یا اخلاقی گناہ نہ تھا۔ کسی کا یہ نہ سمجھنا کہ وہی خلیفہ اور لوگ جو نہ بانٹنے کے مؤید تھے، ایک شخص کے کہنے پر بانٹنے کے لئے آمادہ ہو گئے اس تمام مجمع

کی رائے کا بمقابلہ اس تنہا شخص کے نہایت ہی کم رتبہ موازنہ ہو گا۔ بیشک اس تنہا شخص کے وجوہات ایسے ہوں گے جس کی ایک بڑا مجمع تردید نہ کر سکا اور جو تاریخ میں حذف کر دیا گیا۔ اب اس کے بعد ذمہ دار خلیفہ کو بری کر کے ایک غیر ذمہ دار پر دل کے پھپھولے پھوڑنا ہمارے لئے ایک دلچسپ لطیفہ ہے۔

علیؑ کی فوجی اور انتظامی صلاح

رومی سلطنت کی ایک سخت فوج کشی پر خلیفہ ثانی نے خود جانا چاہا تھا اور صلاح پر حضرت علی علیہ السلام نے کہا:

"اگر تو نے خود دشمن کی طرف کوچ کیا اور خود مخذول و منکوب ہو گیا تو یہ سمجھ لے کہ پھر مسلمانوں کو ان کے اقصاء بلاد تک پناہ نہ ملے گی اور تیرے بعد کوئی ایسا مرجع نہ رہے گا جس کی طرف وہ رجوع کر سکیں۔ لہٰذا تو دشمنوں کی طرف اُس شخص کو بھیج جو کار آزمودہ ہو اور اس کے ماتحت ان لوگوں کو روانہ کر، جو جنگ کی سختیوں کو برداشت کر سکیں، اپنے سردار کی نصیحت قبول کریں۔ اب اگر خدا نے غلبہ نصیب کیا تو یہ وہی چیز ہے، جسے تو دوست رکھتا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوا، تو تو اُن کا مددگار اور مرجع بن جائے گا (نہج البلاغہ)

۱۷ھ پیش و پس پر نظر کی ضرورت

۱۷ھ کے ساتھ ایک عجیب و غریب اپچ کو نسبت دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ام کلثوم کا عقد ابن خطاب سے کیا گیا۔ اس کی لغویت سمجھنے کے لئے پیشتر کے تھوڑے سے مراسم پر نظر ڈالنا کافی ہو گی۔ حضرت عمر بھی ان اشخاص میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے فاطمہؑ بنت رسولؐ کی خواستگاری کی تھی اور ہادیٔ عالم نے ان سے یہ ہاشمی تعلق گوارا نہ فرمایا۔ اس کے بعد جن وجوہات سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کو قبول کر لیا۔ وہ بھی طلباء تاریخ سے مخفی نہیں ہے یعنی حضرت عمر کو اب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خسر ہونے کا افتخار تھا۔ اس کے بعد یہ تک کہ اباحفصہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی کی خواستگاری کی، جسے ہمارے ملک کے ادنیٰ طبقے والے بھی قبول نہ کریں گے۔ مولوی شبلی صاحب خود تحریر فرماتے ہیں کہ

کہ جناب امیر علیہ السلام نے "صغر سنی کی وجہ سے انکار کیا"، خود مولانا اس کے قائل ہیں کہ حضرت عمر ہجرت نبوی ۴۳ سے چالیس برس قبل پیدا ہوئے تھے اس حساب سے ۱۷ھ میں حضرت عمر پر سے ستاون برس گزر چکے تھے۔ اب یہ ہر سمجھدار کے سوچنے کی بات ہو گی کہ آیا الیسار شتہ اور اس سن و سال کا آدمی کیا ایک صغیر السن لڑکی سے عقد کی خواستگاری کرے گا؟

مولوی صاحب خود تحریر فرماتے ہیں کہ "معاشرت میں پڑھو گے کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے تھے اور مہینوں گیہوں کا آٹا نہ پکتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ رقم آجاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ جب ام کلثوم سے عقد کیا۔ تو ان کے شرف اور خاندان نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا اور اسی وقت ادا بھی کر دیا"، اس سے ظاہر ہو گا کہ جب لائق مؤرخ

کو معاشرت کی ابتر حالت اور ۴۰ ہزار مہر کی کثیر رقم میں بدیہی تضاد معلوم ہوا۔ تو اسے اتفاقی رقم سے مدد دی۔ حالانکہ مطلق نہیں بتایا کہ یہ الہامی یا آسمانی رقم کون تھی یا اس کے معنی بیت المال ہیں۔

آیا شرف کا خیال تھا

یہ عبارت خیال دلاتی ہے کہ شاید حضرت عمر خاندان نبوت کے شرف اور تعلق کے بھی مقر تھے ہمیں تاسف سے اس کے رد کی نسبت بین واقعات معلوم ہیں جو گذشتہ اوراق میں لکھے گئے۔

رسول اللہ کی یادگار چیزوں، رسول کی احادیث اور خود حجر اسود کے متعلق حضرت عمر کے جس قدر اظہار خیالات ہیں۔ ان کا خیال کر کے شرف اور تعلق کے الفاظ منہ سے نکالے جانے پر تعجب ہوتا ہے۔ لیکن اس قصہ کی افواہ اور بنا حقیقتاً انہیں دو لفظوں میں ہے۔ اس مصلحت سے کہ اس قصہ کی افواہ علیؑ اور عمر کی کشیدگیوں کی روایتوں کو کمزور کر دے گی اور آپس کے دوستانہ تعلقات سمجھے جائیں گے۔ ایسی بے جوڑ کہانی گڑھی گئی اور خوش اعتقادوں کے ذہن میں دفن کر دی گئی۔ درآنحالیکہ ام کلثوم کا نام دختر فاطمہؑ اور اس دوسری عورت میں عام تھا جس کی بھی ابن خلدون (جس نے ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹ سے نقل کیا ہے) کے موافق حضرت عمر نے خواستگاری کی، لیکن اس نے بھی انکار کر دیا۔ سوچنے کی یہ بات ہے کہ جب ایک ایسی غیر مشہور عورت انکار کرتی ہے تو کیا حضرت علیؑ نے باوجود ان ناگوار یادداشتوں کے جو حضرت عمر سے متعلق تھیں، یہ جائز رکھا ہوگا کہ وہ اپنی ایک صغیر السن دختر کا عقد کر دیتے؟ ازواج عمر میں صاحب سیرۃ الفاروق نے جہاں تین ام کلثوم لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک ام کلثوم جمیلہ بنت عاصم اور دوسری ام کلثوم ملکیہ بنت جرول خزاعی ہیں۔ میرے خیال میں بجز نام کے دھوکے کے اور کچھ نہیں ہے"

یہ بھی توجہ کے قابل ہے کہ بعد واقعۂ کربلا عبداللہ ابن مختار کی سفارش اس لئے کرتے ہیں کہ مختار کی بہن ان کے عقد میں تھیں۔ اگرچہ ابن عمر اور یزید کی مراسلت دربارۂ قتل امام حسین علیہ السلام پائی جاتی ہے۔ لیکن کہیں خلیفہ زادے ام کلثوم کے متعلق کوئی خاص شکایت نہیں کرتے۔ جنہیں ان مؤرخین کے اعتقاد کے موافق شکایت کرنے کا سب سے بڑا حق ہو سکتا تھا۔ ابن خلدون کا یہ تذکرہ بھی خصوصیت سے دیکھنے کے لائق ہے کہ "عمر کو جتنا گذارہ ملتا تھا آخر میں حوائج کے بڑھ جانے سے تنگی .... تو صحابہ نے ام المومنین حفصہ (عمر فاروق کی بیٹی) کے ذریعہ سے ...... زیادتی تنخواہ .... عمر خفا ہوئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشرت پوچھی ...... کہا اس سے کم ...... عمر نے کہا۔ واللہ میں فضول خرچی کو پسند نہ کروں گا اور نہ دنیاوی امیدوں کو آخرت پر ترجیح دوں گا۔" جب یہ زاہدانہ گرما گرمی تھی تو آخر یہ ۴۰ ہزار کی ضعیفی میں فضول خرچی کس طرح جائز رکھی ہوگی؟

دو میں سے ایک ضرور غلط ہے۔ جس میں ہمیں بطلان عقد کا سب سے زیادہ حق حاصل ہے۔ جب مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ در حضرت علیؑ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا تو ہم کیوں ایسی مہمل روایتوں پر نظر ڈالیں جن سے

ہمارے صدیوں کی خاموشی میں کاغذ سیاہ کئے گئے ہیں۔ حضرت علیؑ کی روائیتوں پر اگر اعتبار کیا جاتا تو تخت خلافت کے پاس ایک سیڑھی ہیار رکھنے کی ضرورت ہوتی۔ اس لئے روائتیں نہ کئے جانے پر ہمیں کوئی افسوس نہیں ہے۔ جبکہ اس سے ہمارے خیال کو اور قوت پہنچتی ہے۔

۲۰ھ ایران پر حملہ اور امیر المومنین

دربار خلافت میں خبر پہنچی کہ یزدجرد بڑی تیاری کر رہا ہے۔ جس کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کی فوج کافی نہیں ہے۔ ایرانیوں کی اس مستعدی کی خبر نہایت اثر ریز تھی جس نے ایک قسم کا تہلکہ پیدا کر دیا تھا۔ خود خلیفہ نے بھی جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے انہیں خود نہ جانے کی صلاح دی۔ بلکہ نعمان ابن مقرن المزنی، کو منتخب کیا جو بہت ہوشیار اور موزوں شخص تھا۔ فوج بھیجنے کی نسبت یہ صلاح ہو رہی تھی کہ شام وغیرہ سے فوجیں واپس بلائی جائیں اور مدینہ سے جو کچھ مدد ممکن ہو، روانہ کی جائے لیکن حضرت علیؑ نے اسے مناسب نہ سمجھا اور کہا:

"اگر شام میں مدد کم کردی تو رومی غلبہ کریں گے اور مدینہ کی فوج بھیجی تو بدو عرب لوٹ مار کریں گے۔ لہٰذا اصلاح یہ ہے کہ بصرہ اور کوفہ کی جس قدر فوج ہے اس میں سے ⅓ بھیجی جائے۔ ⅓ حفاظت کرے اور دوسری ⅓ دیگر امور میں مصروف ہوں۔ یہ رائے منظور ہوئی اور فوج مع سردار کے روانہ کی گئی۔

نہج البلاغہ کا یہ مفہوم ہے:

"تم ان کے لئے قطب آسیا بن جاؤ اور آسیائے جنگ کو گروہ عرب کے ساتھ گردش دو، اور اپنے سوا کسی دوسرے شخص کے ماتحت بنا کر انہیں لڑائی کی آنچ سے گرم کرو۔ کیونکہ اگر تم مدینہ سے باہر چلے گئے تو عرب کے تمام قبیلے اطراف و جوانب سے ٹوٹ پڑیں گے۔ اس وقت پیش نظر حالات سے زیادہ ان مقامات کی فکر آپڑے گی۔ جنہیں تم اپنے پیچھے غیر محفوظ حالات میں چھوڑے جاتے ہو۔

کل جب ایرانی تمہیں (میدان میں) دیکھیں گے تو کہیں گے عربوں کی بنیاد یہ ہے۔ اگر اسے ختم کردو تو ٹھنڈک پڑ جائے گی اور یہ خیال تمہارے اوپر ان کی حرص بڑھا دے گی۔

رہا یہ کہنا کہ وہ لوگ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے چل کھڑے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی اس پیشقدمی کو تم سے زیادہ ناپسند کرتا ہے اور جسے وہ برا سمجھے اسے روکنے پر بہت زیادہ قدرت بھی رکھتا ہے اور ان کی تعداد و کثرت کے بارے میں جو تمہارا خیال ہے تو ہم ماضی میں کثرت کی بنیاد پر نہیں لڑتے تھے۔ ہم تو اللہ کی نصرت و امداد کے بھروسے پر جہاد کرتے تھے۔"

تعین سنہ علیؑ کی رائے

عربوں میں اب تک تعین و تقسد کے لئے کوئی ایسا سنہ نہ تھا جس سے وہ پوری

مدد مل سکتی اور وہ عام بھی ہوتا۔ صلاح ہوئی کہ کونسا ایسا وقت مقرر کیا جائے جس سے کُل واقعات آئندہ کا شمار ہو سکے۔ حضرت علیؑ نے صلاح دی کہ ہجرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر مسلمانوں کے لئے کوئی یادگار وقت نہیں ہے لہٰذا مسلمانوں کا سنہ اسی واقعے سے شروع ہو۔

ترتیب دیوان عقیل ابن ابی طالب اور جبیر ابن مطعم یہ دو شخص جو بڑے ماہرین حساب تھے، کہا گیا ہے کہ ان کو ترتیب دیوان سپرد کی گئی۔ مرتب کرنے والوں نے پہلے بنی ہاشم، اس کے بعد ابوبکر اور اس کے بعد عمر کا نام لکھا عمر نے اسے ناپسند کیا اور کہا کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا سے شروع کرو کہ وہ زیادہ قریب ہیں" اس کے بعد لائق مترجم ابن خلدون لکھتا ہے۔ عمر کی یہ تجویز نہایت قابل قدر و لحاظ ہے کیونکہ اگر ترتیب سابق اور قدیم رہ جاتی تو خلافت خودغرضی کا وسیلہ بن جاتی۔"

قابل لحاظ یہ امر ہے کہ اگر دیوان مرتب کرنے والوں نے پہلے بنی ہاشم کا نام لکھا تھا۔ تو حضرت عمر نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کو مقدم کر کے کیا ترمیم کی؟ اس لئے کہ یہ خود بنی ہاشم تھے لیکن اس کارروائی کا راز دوسرے فقرے میں ہے کہ اگر "ترتیب سابق قائم رہ جاتی تو خلافت خودغرضیوں کا وسیلہ بن جاتی"۔ ضرور یہی ہوا ہوگا کہ پہلے حضرت علی علیہ السلام یا حسنینؑ کا نام بلحاظ قربت رسولؐ لکھا گیا ہوگا۔ جو مصلحت ملکی کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ سلطنت کے دفتر میں ایک دعویدار کا نام پہلے لکھنا اس کے حقوق کے مقدم ہونے کا اقرار تھا۔ اس وقت مغیرہ ابن شعبہ کی جزئی مصلحت کام آئی جسے ہم پیشتر لکھ چکے۔ عباس کا نام پیشتر لکھ دینے سے دو مصلحتیں پوری ہوتی تھیں۔ ایک تو یہ کہ ہم نے بنو ہاشم کے حقوق کو مقدم رکھا دوسرے یہ کہ ان کا نام مقدم دکھا کر حضرت علیؑ کے حقوق کی پس بینی کو آنکھوں سے اوجھل کر دیا۔

اگر حضرت عمر نے اپنا نام اس رجسٹر میں سب کے آخر میں لکھا ہو تو یہ لکھنا انکساری کے عکس سے دور ہے۔ جب کہ انہوں نے امیرالمومنین کا خطاب اپنے لئے خود چن لیا تھا اور حاکم تھے۔

واقعہ ترتیب دیوان اس قدر غیر واضح عبارت میں لکھا گیا ہے جس پر ہم لکھنے والے کی غرض اور مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے مزید تبصرہ سے باز آتے ہیں۔ خود واقعات میں تصرف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ صرف یہ لکھ دینا کہ بنو ہاشم کا نام پہلے لکھا تھا یہ فطری سوال پیدا کرتا ہے کہ بنو ہاشم میں کس کا نام پہلے لکھا گیا تھا۔ ضرور یہ نام عباس کا نہ تھا ورنہ آخر میں ان کا نام مقدم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اب یہ سوچنا آسان ہے کہ بنو ہاشم میں علی اور حسنینؑ میں سے کون تھا جس کا نام مقدم کیا گیا ہوگا جس میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ترقی ارضی وغیرہ فتح مدائن کے بعد جب ایرانی سلسلۂ کوہ سرحد قرار دیا گیا تو خلیج فارس کے ساحلی علاقے کے انتظامات کے

متعلق سید امیر علی صاحب اپنی تاریخ اسلام میں فرماتے ہیں :-

حضرت علی علیہ السلام کے مشورے سے زمینوں کی پیمائش اعلیٰ پیمانہ پر کی گئی، مال گزاری کا نیا طریقہ رائج کیا گیا، کاشت کاروں کی تکلیف کم کی گئی اور انہیں زمینوں کے قبضہ پر بحال کیا گیا۔ بڑے بڑے زمینداروں پر ایرانی بادشاہوں کے ٹیکس میں ترمیم کی گئی۔ آب پاشی کے لئے جا بجا نہریں کھودی گئیں اور زمینداروں کو بروقت ضروری تقاوی دینے کے متعلق ہدایات جاری کی گئیں۔ اصلی کاشت کاروں کو محفوظ رکھنے کے لئے زمین کی فروخت کی سخت ممانعت کی گئی۔ شاہان ایران کی شاہی ملکیت، شاہی جنگلات، مفرور شاہزادوں اور زمینداروں کی متروکہ جائیدادیں ان آتش کدوں کا مال و متاع جنہیں ان کے پجاری چھوڑ کر بھاگ گئے، سرکاری ملکیت قرار دی گئی اور ان کے انتظام کے لئے مدینہ سے ایجنٹ روانہ کئے جاتے۔ فوج ان زمینوں اور شاداب میدانوں کو جنہیں سواد کہتے ہیں، مال غنیمت قرار دے کر تقسیم کرنے پر زور دیتے تھے مگر خلیفہ نے حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباس کے مشورے سے ان کی درخواست کو قطعی طور پر رد کر دیا۔

ایک مکالمہ حضرت عمر اور ابن عباس میں ایک یادگار مکالمہ ہوا، جس کا ہم اشارہ کرتے ہیں۔ واقعات سمجھنے کے لئے یہ بہت کچھ ٹھیک اترتا ہے۔ اس مکالمہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ کسی شاعر نے ایک قصیدہ پڑھا، جسے سن کر حضرت عمر نے کہا "خدا کی قسم میں جہاں تک جانتا ہوں ان اشعار کا مصداق اولیٰ بجز بنی ہاشم کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا"، اور ابن عباس نے حضرت عمر کا ریمارک سن کر کہا کہ تم نے اس سمجھ میں توفیق پائی۔

مکالمہ

عمر:- ابن عباس کچھ جانتے ہو کہ تمہاری قوم نے تم لوگوں کو کیوں محروم رکھا ؟

ابن عباس:- اگر ہم نہیں جانتے تو امیر المومنین بتلائیں گے۔

عمر:- تمہاری قوم نے نہ چاہا کہ نبوت و خلافت دونوں تمہارے خاندان میں رہیں۔ جس سے تم اپنی قوم پر فخر و مباہات کرو۔ لہٰذا قریش نے خلافت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنی طرف سے خلیفہ بنایا۔ اس کارروائی میں قریش صواب پر ہیں اور نیک توفیق پائی۔

ابن عباس:- اے امیر المومنین! اگر آپ اجازت دیں اور غصہ نہ فرمائیں تو میں کچھ کہوں۔

عمر! کہو!

ابن عباس:- امیر المومنین کا یہ کہنا کہ قریش نے خلافت اپنے ہاتھ میں لی ہے اور باختیار خود خلیفہ مقرر کر لینے میں نیک توفیق پائی ہے اور اچھا کیا۔ اگر مطابق حکم و اختیار خدا ایسا کرتے تو بیشک ثواب پاتے اور کوئی ان کی تردید نہ کرتا باقی یہ کہ قریش نے ہم میں نبوت و خلافت کے جمع ہونے سے کراہت کی تو خدا ایک قوم کی کراہت کے بارے میں کہتا ہے:-

"اور یہ بسبب اس کے ہے کہ انھوں نے کراہت کی اس چیز سے جس کو نازل کیا خدا نے پس حبط کر دیا خدا نے ان کے اعمال کو"

(سورہ محمدؐ آیت ۹)

عمرؓ:- ہیہات ہیہات! افسوس اے ابن عباس ضرور مجھ کو تمھاری بہت سی باتوں کی خبریں پہنچی تھیں جن کو اس وجہ سے تم سے نہ دہرایا کہ اس کے اقرار سے تمہارا مرتبہ میرے نزدیک فروتر ہو جائے گا۔

ابن عباس:- اے امیر المومنین، بتلائیے وہ کونسی باتیں ہیں، اگر حق ہیں تو ضرور میری منزلت گھٹنی چاہیے اگر باطل خبریں پہنچی ہیں تو میں اپنی برأت ثابت کروں گا۔

عمرؓ:- میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ خلافت ہم لوگوں سے ازراہ بغاوت وحسد وظلم چھینی گئی۔

ابن عباس:- ظلم کا حال تو جاہل و عالم سب کو معلوم ہے باقی رہا حسد۔ پس حضرت آدمؑ سے حسد کیا گیا اور ہم لوگ انھیں کی اولاد ہیں اور ہم سے بھی لوگ حسد کرتے ہیں۔

عمرؓ:- ہیہات ہیہات! اے ابن عباس، واللہ تم لوگ بنی ہاشم کے دلوں نے بجز حسد کے سب باتوں سے انکار کیا

ابن عباس:- بس بس اے امیر المومنین، جس قوم کے دلوں کی تعریف خدا نے لیذھب عنکم الرجس ویطھرکم تطھیرا، سے فرمائی ہے، حسد اور کھوٹے پن سے ان کی طرف حسد اور غش کی نسبت نہ دو۔ حضرت رسولؐ خدا بھی انہیں بنی ہاشم سے ہیں۔

عمرؓ:- تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔

ابن عباس:- بہت خوب ——————————— جب اٹھنے لگے:-

عمرؓ:- اے ابن عباس ٹھہر جاؤ! خدا کی قسم میں تمہارے حقوق کی رعایت کرتا ہوں اور تمہاری خوشی کو دوست رکھتا ہوں

ابن عباس:- اے امیر المومنین ضرور میرا حق تم پر ہے اور ہر مسلمان پر جس نے اس کی حفاظت کی وہ نصیب کو پہنچا اور جس نے ضائع کیا اس نے اپنا نصیب کھو دیا۔

میں نے متذکرہ صدر مکالمہ قاضی فقیر علی کانگڑوی سابق سنی المذہب کے رسالہ "الفاروق شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی پر ریویو" سے نقل کیا ہے۔ جنھوں نے اسے تاریخ کامل ابن اثیر جزری جلد سوم صفحہ ۲۵ سے لکھا ہے۔ یہ مکالمہ الفاروق میں اس قدر سخت نہیں ہے بلکہ حتی الوسع نرم و شیریں بنایا گیا ہے۔ مگر پھر بھی کچھ تلخی رہ گئی ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے مکالمہ کے ریویو میں ان الفاظ کا موقع پایا ہے۔

"ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اس کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیری

اور بیباکی سے اپنے خیالات ظاہر کرتے تھے اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ حضرت عمر آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے"۔ میں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ :۔ ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے تم اس کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمر کے..... عہد میں کس دلیری اور بیباکی سے ایک ہاشمی نے ظلم و بغاوت اور حسد کا ان کے منہ پر الزام لگایا۔ جس کا کوئی جواب نہ ہوا اور پھر کس طرح آزادی اور حق گوئی کو روک دیا اور اس مصلحت کا اظہار کیا کہ خلافت اور نبوت ایک خاندان میں نہ ہو۔

خلیفہ کی یاس اور آخری انتظام

نہاوند کا ایک شخص ابو لولو تھا جو غالباً اسی نام کی جنگ میں اسیر ہو کر آیا تھا۔ یہ جب کسی نہاوندی اسیر کو دیکھتا تھا تو "اکل عمر کبدی" کہتا تھا حضرت عمر سے ناخوش تھا اور ایک روز اس نے موقع پا کر خلیفہ کو خنجر مارا۔ زخم کاری تھا۔ ابا حفصہ کو اپنی زندگی سے یاس ہو گئی اور انہوں نے بھی اپنے بعد خلافت کا انتظام کرنا چاہا۔ خلیفہ نے چھ اشخاص کو منتخب کیا۔ جو امیدواران خلافت قرار دیے گئے۔ ان کے نام عثمان، طلحہ ابن عبداللہؓ، زبیر ابن العوام، سعد ابن ابی وقاص، عبدالرحمٰن ابن عوف اور حضرت علی علیہ السلام ہیں خلیفہ نے اپنی آخری گھڑیوں میں یاس ظاہر کی کہ اگر ابو عبیدہؓ جراح یا سالم ہوتا تو میں اسے خلیفہ بناتا۔

عثمان
عبدالرحمن
طلحہ
زبیر
سعد

باب سوم

عہد عثمانی

"علیؑ اور عثمان"

باب سوم

۲ نومبر ۶۴۴ء قاعدہ انتخاب انتخاب کے متعلق یہ اصول قرار دیا گیا کہ اگر تین رائیں ایک طرف ہوں تو عبداللہ ابن عمر حکم ہوں گے اور یہ اس سے اتفاق کریں گے جدھر عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں (ابن خلدون) یہ بھی وصیت تھی کہ اگر پانچ شخص ایک رائے ہوں اور ایک مخالف ہو تو اس کی گردن ماری جائے اور اسی طرح اگر دو شخص ہوں تو وہ بھی قتل کئے جائیں۔ اس اصول انتخاب اور جانشین مقرر نہ کرنے کے متعلق سید امیر علی صاحب تاریخ اسلام میں فرماتے ہیں" اس کے متعلق اپنے پیش رو کے نقش قدم پر نہ چلنے میں ان سے ایسی غلطی سرزد ہوئی۔ جس نے بنی امیّہ کی سازشوں کے لئے راستہ صاف کر دیا۔

انتظام سن کر علیؑ نے کہا جس وقت علیؑ کو یہ انتظام معلوم ہوا تو انہوں نے ابن عباس سے کہا کہ اب بھی ہم خلیفہ نہ ہوں گے اور جب ابن عباس نے سبب پوچھا تو کہا۔

" عبداللہ عثمان کا داماد ہے۔ عبدالرحمٰن ابن عوف اُس کا ابن عم ہے اور سعد ابی وقاص عبدالرحمٰن کی طرف ہے اگر طلحہ و زبیر ہمارا ساتھ بھی دیں تو بیکار ہے۔"

ابن عباس کو معلوم تھا عمر کس فرستاد والیشاں را خواست۔ علیؑ با عباس گفت مارا میخواند۔ عباس گفت مشو، چرا؟ گفت، بدانکہ عمر بہ بنی ہاشم نہ دہد، مگر کہ ہمہ گرد آئید و یک تن را خلیفہ کنند، تو مباش تا بگویم کہ کسی را بنی ہاشم آنجا نبود (طبری)

ابن عوف نے اپنے استحقاق سے استعفےٰ دیا اور پوچھا۔

" مجھے حکم مقرر کرتے ہو"؟

سمجھی ہوئی خاموشی "عثمان نے قبول کیا، علیؑ خاموش رہے" (روضۃ الاحباب) بقول ابن خلدون حضرت علیؑ نے کہا۔ " میں بھی راضی ہوں بشرطیکہ تم اقرار کرو کہ تم حق کرو گے، اپنے ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو گے نہ

کسی کی رشتہ داری کا پاس ولحاظ نہ کروگے حق میں کسی کی ملامت اور نصیحت کا خیال نہ کروگے ،،

دو روز تک کوئی خلیفہ نہ ہوا

خلیفہ کو انتقال کئے دو روز گزر گئے مگر کوئی دوسرا خلیفہ نہ بنایا گیا۔ تیسرے روز ابن عوف منبر پر گئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ علیؑ اور عثمان میں سے کسی کو لوگ خلیفہ مقرر کریں ، اس مجمع میں سے عمار یاسر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے :۔

تحریک اور تائید

اگر تو چاہتا ہے کہ امت رسولؐ میں اختلاف نہ ہو تو علیؑ کو خلیفہ کر ،، مقداد ابن الاسود نے عمار کی تائید کی ۔ اس وقت عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح جو ہمشیر زادۂ عثمان تھا اور زمانۂ رسولؐ میں وحی کی کاٹ چھانٹ کی وجہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا اور فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے خلاف عثمان نے سفارش کی تھی اور اپنی حفاظت میں لیا تھا ، کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا :۔

" اگر تو چاہتا ہے کہ قریش میں مخالفت نہ ہو تو عثمان کو خلیفہ بنا ،، عبداللہ ابن ربیعہ نے تائید کی (طبری در روضۃ الصفا)

عبدالرحمٰن ابن عوف حضرت علیؑ کو کنارے لے جا کر :۔

" تم قرابت داری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سابق الاسلام اور حسن مساعی دین کی وجہ سے خلافت کے زیادہ مستحق ہو اور تم سے زیادہ کوئی شخص خلافت کے لئے موزوں نہیں ہے ،، (ابن خلدون)

خلافت حضرت علیؑ کے سامنے پیش کی گئی ۔ خدا اور رسولؐ اور اتباع شیخین کے لئے کہا گیا ۔ حضرت علیؑ نے خدا اور سنت رسولؐ پر عمل کرنا منظور کیا لیکن سنت شیخین کو منظور نہ کیا اور اپنی رائے سے خلافت کرنے کا اظہار کیا " دکیسرس آف محمد)

" ابن ابی طالب کو خلافت نذر کی گئی لیکن حکم خدا اور رسولؐ کے علاوہ سنت شیخین کی جو پخ لگائی گئی تھی وہ بنی امیہ کو معلوم تھا کہ علیؑ منظور نہ کریں گے ۔ حضرت علیؑ نے اپنی مخصوص جبلی آزادی کی بنا پر اس تجویز کو منظور کرنے سے انکار کیا ،، (اسپرٹ آف اسلام)

علیؑ کو رغبت خلافت تھی لیکن یہ شرط کہ سنت خلفاء کی پیروی .... انکار .... اس وجہ سے کہ انہیں بہت سی باتیں پسند نہ تھیں ،، (نظام عثمانی)

عبدالرحمٰن ابن عوف نے عثمان سے اتباع سنت شیخین کی نسبت سوال کیا ۔ وہ فوراً راضی ہو گئے ۔ ان سے بیعت کر لی گئی ۔ جس وقت حضرت علیؑ نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن ابن عوف نے عثمان سے بیعت کر لی ۔ یہ کھڑے ہو گئے اور مجمع اصحاب کو مخاطب کر کے کہا :۔

" ایھا الناس " ! میں تمہیں قسم دیتا ہوں سچ کہنا ، آیا جس روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقد اخوت باندھا سوا میرے اور کسی کو اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فرمایا :۔ ——————— سب نے جواب دیا نہیں

" آیا کوئی ہے تم میں سے جس کی نسبت رسول ص نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا " نیز آیا کوئی ہے تم میں جس کی نسبت رسول اللہ ص نے فرمایا :- انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی فرمایا۔ نیز " آیا کوئی ہے تم میں سے میرے سوا جسے سورہ براۃ حوالے کر کے اللہ نے لا یؤدی عنی الا انا او رجل من عترتی کہا "، نیز کیا یہ نہیں ہے کہ مجھے کل انصار و مہاجرین پر فوقیت ہے؟ میری اطاعت کے بارے میں رسول اللہ نے وصیت کی اور مجھے کبھی کسی کی ماتحتی میں نہیں رکھا ؟

" سب نے کہا بیشک "

آیا جانتے ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری نسبت انا مدینۃ العلم وعلی بابھا فرمایا "

" بیشک " " آیا ایسے خطرناک موقع پر جب کہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے کیا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافظت نہیں کرتا رہا ؟

سب نے جواب دیا " بیشک "

عبد الرحمٰن ابن عوف نے حضرت علی ع کے یہ استفہامی فقرات سن کر جواب دیا :-

سچائی کے اقرار کے بعد جبر

" یا علی ع جو کچھ تم نے کہا وہ سب سچ ہے لیکن رائے عثمان کی طرف ہے تم بھی بیعت کر لو " حضرت علی ع نے جواب دیا :-

" تم جانتے ہو لیکن بلحاظ مصالح دنیوی اپنے علم سے کام نہیں لیتے - میں اس امر کو دوسرے شخص پر مسلم رکھتا ہوں کہ سلامتی اسی میں ہے " (روضۃ الاحباب)

علی ع کو مسلمانوں کی سلامتی کا خوف

" تم خوب جانتے ہو کہ میں اپنے غیر سے زیادہ حکومت اور بیعت کے لئے قابل اور مستحق ہوں - میں تسلیم کرتا ہوں کہ جب تک امور مسلمین سلامت رہیں اور اس کے ایام خلافت میں کھلم کھلا ظلم و جور نہ ہو - گو خاص مجھ پر ظلم و ستم ہوتے رہیں - میں اس تسلیم و رضا کو اس لئے اختیار کرتا ہوں کہ مجھے خداوند تعالےٰ کی جانب سے اس کا اجر و ثواب عطا ہو اور تقرب خداوندی نصیب ہو " (نہج البلاغہ)

اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے نہایت جوش میں چند اشعار پڑھے جس میں اپنے حسب و نسب اور ان امداد پر نظر کی ہے جو انہوں نے اسلام اور بانی اسلام کو مشکل وقتوں میں دی ہے

علی ع نے کہا یہ وہی روز اول ہے کہ دکھلانے کو حجت کی تھی تو نے اے ابن عوف اس لئے بیعت کی کہ خلافت تیری طرف پلٹ آئے - (ابو الفدا)

غلبے کا پہلا دن نہ تھا

اے پسر عوف اس حرکت سے تیری غرض یہ تھی کہ مرجع خلائق ہو جائے - تمہارے غلبہ کرنے کا یہ پہلا دن نہیں ہے - (روضۃ الصفا)

"علیؑ برپائے ماند وگفت خدعتہ وأیّ خدعتہ یعنی بفریفتند مراچہ فریفتنی ۔ پس علیؑ بازگشت" (ترجمہ تاریخ طبری ۵۱۹)

مقداد ابن الاسود کی بے چینی

علیؑ اور عباس نے بیعت نہ کی اور کہا یہ پہلا دن تمہارے ظلم ظاہر ہونے کا نہیں ہے (نظام ثانی)

مقداد ابن الاسود جو ان کارروائیوں کو دیکھ رہا تھا ، بے چین ہو گیا اور ابن عوف سے کہنے لگا :-

"تو نے قسم خدا کی علیؑ کو حق ان کا نہ دیا حالانکہ یہ شخص ان لوگوں میں ہے کہ اس کا پورا حق دینا اور پورا انصاف کرنا چاہیئے"۔

"اے مقداد میں نے بہت کوشش کی مسلمان نہ مانیں تو میں کیا کروں"۔

تعجب ہے قریش سے کہ ایسے شخص کو پسند نہ کیا۔ میں تو کبھی نہ کہوں گا۔ میرے نزدیک علم اور عمل میں کوئی شخص اس سے بہتر نہیں ہے"

مقداد کو دھمکی

"اے مقداد خدا سے ڈر کہیں تو کسی فتنہ میں گرفتار نہ ہو جائے (ابو الفدا) یہ مکالمہ حیات القلوب میں دیکھنے کے قابل اور اس سے زیادہ واضح ہے۔

ڈوزی کی رائے

عثمان کی ذات خلافت کے لئے موزوں نہ تھی۔ یہ سچ ہے کہ وہ امیر اور عالی ہمت تھا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ مذہب کو روپیہ کی مدد دی تھی۔ روزہ اور عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ مہربانی کے نرم انداز تھے لیکن وہ دل کا آدمی نہ تھا اور کبر سنی نے نہایت نحیف کر دیا تھا۔ بود اپن اس درجے کا تھا کہ منبر پر اسے یاد نہ آیا کہ خطبہ کس طرح شروع کیا جائے" (ڈوزی از اسپرٹ آف اسلام)

شبلی نے کہا

مولوی شبلی صاحب عادتاً سب کچھ نئے انداز میں فرماتے ہیں۔ :-

حضرت عمر نے اپنی وفات کے قریب چھ اشخاص کو چنا جن کی حاکمانہ لیاقتیں ان کے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہ کر سکے۔ حضرت علیؑ بھی انتخاب شدہ لوگوں میں شامل تھے اور گو حضرت عباس نے ان کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی خلافت کو بخت و اتفاق کے ہاتھ میں نہ دیں بلکہ بغیر کسی کی اعانت کے آپ اپنے حق کا فیصلہ کر لیں۔ لیکن جناب امیر کی بے غرضی اور فیاض دلی نے اس اختلاف انگیز تحریک کو قبول کرنے کی اجازت نہ دی اور جب عبدالرحمٰن ابن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوئے تھے، عثمان کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت علیؑ نے صبرٌ جمیل کہا اور تن بہ تقدیر راضی ہو گئے۔"

اب تک واقعات کے تاریخی الفاظ ناظر کے سامنے چنے گئے۔ غالباً بیکار وقت نہ صرف ہو گا اگر اس پر تھوڑی سی نظر ڈالی جائے۔ حضرت عمر نے جن لوگوں کو چنا تھا ان کی حقیقت معلوم ہو گئی کہ ان کا زیادہ حصہ ایک دوسرے کی قرابت کا تھا۔ اسی پر قناعت نہیں کی گئی تھی بلکہ وقت بے وقت کے لئے عبداللہ ابن عمر بھی رکھے گئے تھے کہ اگر تین آدمی ایک طرف ہو جائیں تو یہ ان تین کی طرف رہیں۔ جدھر عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں یعنی اس کا کافی لحاظ کیا گیا تھا کہ خلافت پارٹی کسی طرح کمزور نہ ہو۔ اس کے بعد یہ شبہ کرنا

کہ کون خلیفہ ہوگا عقل سے بعید بات ہوگی۔

عامۂ مسلمین کی تجویز کیوں مقیّد کی گئی

لیکن بہرحال یہ کہنا ہوگا کہ گزشتہ خلافت میں چھ آدمی بھی انتخاب کے لئے نہ تھے۔ خود حضرت عمر کی تائید میں صرف ایک وصیت نامہ تھا اس مرتبہ ایک جماعت کو انتخاب کے لئے معین کر دینا، سوچنے والے اور صرف دیکھنے والوں کی نگاہ میں ایک باقاعدہ فعل تھا اگرچہ یہ دکھلانے کا باقاعدہ بھی اس الزام سے کسی طرح بری نہیں ہے کہ ابا حفصہ کو کس نے عامہ مہاجرین و انصار کی رائے اور اختیار اجماع کو اس طرح محدود کرنے کا اختیار دیا تھا اور اس کے بعد بھی چھ آدمیوں کی تجویز ابن عوف کی رائے اور فیصلہ سے کیوں مقیّد کردی گئی تھی

علیؑ کا نام نمائشی حیثیت سے رکھے جانے کی وجوہات

صورت معاملہ حضرت علیؑ کی نگاہ میں اس قدر ظاہر تھی کہ انہوں نے پیشتر پیشین گوئی کردی تھی کہ ہم خلیفہ نہ ہوں گے اور خود عباس کا روکنا اسی بنیاد پر تھا وہ جانتے تھے کہ "عمر بہ بنی ہاشم نہ دہد" ان کا یہ نتیجہ اخذ کرنا اس مکالمہ سے تھا جو عمر سے ہوا تھا اور جس میں بہت کچھ خلیفہ کی رائے بنی ہاشم اور خلافت کے متعلق ظاہر ہو چکی تھی۔ مکالمہ ہی نہ تھا جو یہ یقین دلاتا کہ ان کی دانست میں نبوت اور خلافت ایک خاندان میں نہیں ہو سکتی بلکہ آخری گھڑیوں کے الفاظ کہ اگر ابوعبیدہ ہوتے تو انہیں خلیفہ بناتا یا اگر سالم ہوتا تو خلیفہ مقرر کرتا۔ اب اس خیال کو مشتبہ نہیں رکھتے کہ حضرت علیؑ کو خلیفہ بنانے کا ہرگز خیال نہ تھا۔

بیشک حضرت عمر ابوعبیدہ جراح کو خلیفہ بناتے۔ اس لئے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر اور عمر کے علاوہ تیسرے شکاری تھے۔ دو خلیفہ ہو چکے تھے۔ ایک نے دوسرے کو بنایا تھا۔ اس اصول کے موافق کوئی وجہ نہ تھی کہ ابوعبیدہ جراح خلیفہ نہ بنائے جاتے۔ سالم کے خلیفہ بنائے جانے کے متعلق ابا حفصہ کا خیال میرے لئے ایک راز رہتا اگر "حیات القلوب" سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ یہ شخص زمانۂ رسولؐ سے ان لوگوں کا اتفاقاً راز دار ہو گیا تھا مجھے حق نہیں ہے کہ میں ان لوگوں پر اس نکتہ کے قبول کرنے کا زور دوں جو اس کتاب کو شیعی عقائد کا ذخیرہ سمجھتے ہوں یا جو عموماً شیعی کتابوں کو ایسا سمجھ کر علیحدہ رہنا آسان سمجھتے ہیں

علیؑ کا نام رکھا جانا مضر نہ تھا بلکہ مفید تھا

اب یہ امر واضح ہو گیا ہوگا کہ امیدواران خلافت کی فہرست میں حضرت علیؑ کا نام رکھا جانا برائے نام سے بھی کچھ کم تھا۔ ان کے نام کے رکھے جانے سے کوئی نقصان نہ تھا۔ جب کہ انتخاب کرنے والے انتہائی قوت سے مسلح کئے گئے تھے بلکہ نام رکھنے سے فائدہ تھا کہ حضرت علیؑ کے خلیفہ نہ بنائے جانے کے متعلق جو کبھی کبھی دھیمی آوازیں آجاتی تھیں، وہ بھی نہ آئیں اور یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ باوجود ان کا نام رکھنے کے وہ خلیفہ منتخب نہ ہوئے۔ مسلمان ہی قبول نہ کریں تو پھر خلیفہ یا کسی کا کیا قصور ہے۔

پھر علیؑ کیوں گئے

اس کے بعد جو فطری سوال ہوگا وہ یہ ہے کہ جب حضرت علیؑ کو یہ خیال تھا کہ وہ خلیفہ نہ بنائے جائیں گے تو انہوں نے عباس کی صلاح کیوں نہ مانی؟ اس سے ایک معقول عذر ہوتا کہ بنی ہاشم کا کوئی وکیل نہ تھا۔

حضرت علیؑ کا عباس کی صلاح کو نہ قبول کرنا اور خود شریک ہونا یہ خیال پیدا کر سکتا ہے کہ انہیں اس کمیٹی کی کارروائیوں پر وثوق اور خلیفہ ہونے کی امید تھی۔

ہم عباس کی صلاح کے مخالف نہ ہوتے اگر حضرت علیؑ کا موقع ہوتا۔ یعنی حضرت علیؑ کے پاس وہ اسباب ہوتے جس سے وہ اس صلاح پر عمل کر سکتے۔ ہم جانتے ہیں کہ آج دول یورپ میں اگر رشتے کچھ جاتے ہیں تو ایک کا سفیر قطع تعلق کی دھمکی سے بلالیا جاتا ہے اور ایسا ہونا اکثر اعلان جنگ کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ یہ کارروائی دھاک قائم رکھنے کی غرض سے کی جاتی ہے۔ دھاک کمزور نہیں قائم رکھ سکتا۔ بلکہ قوی یا برابر والا قائم رکھ سکتا ہے۔ یہ مصلحت اور اس کا موقع حضرت علیؑ سے بہت دور تھا۔ انہیں کوئی ملکی اقتدار نہ تھا اور نہ کسی ایسی قوت سے کارروائیوں کے پھر سے دہرائے جانے کا زور ڈال سکتے تھے۔ جس کا اثر ہوتا۔ صرف اخلاقی اثر ملکی اثر پر غالب نہیں آسکتا تھا۔ اگرچہ اخلاقی اثر کا خوف تھا کہ حضرت علیؑ بھی فہرست میں رکھ لئے گئے تھے۔ ممکن تھا کہ حضرت علیؑ کے خلیفہ نہ ہونے اور انہیں نہ شریک کرنے پر لوگ معترض ہوتے اور حقوق کا خیال کر کے ان سے ہمدردی کرتے اور یہ ہمدردی سلطنت کے لئے مضر ہوتی۔

فریق مخالف کے پُرقوت ہونے سے مصلحت تھی کہ حضرت علیؑ بھی شرکت کرتے اور نہ شریک ہو کر اپنی طرف نگاہیں نہ اٹھواتے۔ جس سے حکومت انہیں مخالف سمجھ کر ہمیشہ تکلیف دینے کے لئے مستعد رہتی بلکہ حضرت علیؑ کا شریک ہونا نہایت ضروری تھا اور اس کے سمجھانے کے لئے ہم گذشتہ تقریر یاد دلائیں گے جو ابوبکر کے خلیفہ ہو جانے اور حضرت علیؑ کے بمجبوری شریک ہونے سے بشر ابن سعد نے اپنے ذہن میں لگتی ہوئی بات کہی تھی کہ:-

"صدیق کے پہلے اگر تم اپنا حق ظاہر کرتے تو دو آدمیوں سے زیادہ کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا۔ لیکن چونکہ تم گھر میں بیٹھے رہے تو سب کو خیال ہوا کہ تمہیں رغبت خلافت نہیں ہے"، کوئی کہتا تھا کہ وہ اگر علیؑ آجاتے تو سب کا کام ناتمام رہ جاتا۔" علیؑ کو اگرچہ اپنے خلیفہ نہ ہونے کی وجہ عدم شرکت نہ تھی۔ اس وقت عدم شرکت کی وجہ دفن رسولؐ بتا سکتے تھے۔ اس مرتبہ کی جمہور رضا فیاضی کے وقت کسی نبی کی تجہیز و تکفین نہ تھی جس کا عذر کر سکتے۔

موجودہ گروہ کے مسلمانوں پر مسلط ہوتے ہوئے حضرت علیؑ کا میدان انتخاب میں جانا اس لئے ہرگز نہ تھا کہ وہ خلافت مل جانے کی امید سے گئے تھے نہ صرف انہوں نے پیشتر ظاہر کر دیا تھا بلکہ وہ اثنائے کارروائی میں بھی نہ صرف کارروائی سے بے اعتباری ظاہر کرتے جاتے تھے بلکہ اس کے راز بھی کھولتے جاتے تھے۔

تاریخ اپنے کو دہرا رہی ہے

اس سے کیا زیادہ عالی ہمتی دکھائی جا سکتی تھی کہ حکم اپنے حق خلافت سے استعفا دے رہا ہے۔ لیکن تاریخ اپنے کو دہرا رہی تھی اور اس کا سمجھ لینا اب دو اور دو چار کی طرح آسان ہو گیا تھا۔ حضرت عمر نے بھی بجائے اپنی بیعت لینے کے سب سے پہلے ابوبکر کی بیعت کی تھی اور ابوبکر نے اپنے بعد انہیں خلیفہ کیا تھا اور مرتے مرتے اپنے انتخاب کے خلاف کچھ سننے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ کیوں نہ ابن عوف کو بھی تھوڑے انتظار سے ایسا ہی صلہ ملتا۔ اگر واقعات نے وہ صورت اختیار نہ کی ہوتی جو بیان کی جائے گی۔

دلچسپ اجازت خواہی

کارروائی کا دلچسپ انصاف یہ تھا کہ خود حضرت علیؑ سے اپنے حکم ہونے کے متعلق اجازت چاہی گئی۔ مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور حضرت عثمان فوراً راضی ہو گئے۔ حضرت علیؑ اگر ان کے حکم ہونے پر راضی نہ بھی ہوئے تو ان الفاظ سے جس کی ابتدا "بشرطیکہ" سے تھی اور اس کے بعد "ہوائے نفس کی پیروی" "رشتہ داری، ملامت، نصیحت" وغیرہ الفاظ تھے۔

آخر ان الفاظ کی ایک ایسے منصف اور بے لوث حکم کے لئے کیا ضرورت تھی۔ کیا ہوائے نفس کا نتیجہ پہلی خلافت اور اس کے نتیجہ سے نکلا تھا؟ کیا رشتہ داری واقعہ نہ تھا؟ اور کیا ملامت سے ان کی طرف اشارہ کر رہے تھے جو یہ کہتے کہ بنی امیہ کے ہوتے تم نے دوسرے کو خلیفہ کیوں بنایا؟ کیا نصیحت یہ تھی کہ بنی ہاشم کو خلافت پر مسلّط نہ کرنا خلافت اور نبوت ایک خاندان میں نہ ہونی چاہیئے۔

کنارے لے جا کر ابن عوف نے حضرت علی علیہ السّلام کی استحقاق خلافت والی صفتیں تسلیم کر لیں۔ جس کے ظاہر کرنے کی خواہش بھی نہ کی گئی تھی۔ ناظر یاد کرے گا کہ گذشتہ موقع پر ابوعبیدہؓ جراح نے بھی انہی صفتوں سے حضرت علیؑ کو یاد کیا تھا اور اس کا مفہوم یہ تھا کہ ہم تمہاری ان صفتوں کے رنج کے طور پر منکر نہیں ہیں۔ لیکن اس اقرار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم ابوبکر کی بیعت توڑ کر تم سے بیعت کر لیں اور چونکہ وہ اب خلیفہ بنا لئے گئے تم باوجود سب کچھ حق کے موافقت کرو۔ ابن عوف نے قبل انتخاب کے چپکے سے اقرار کر لیا کہ کہیں یہ ان باتوں کو قبل انتخاب عام مسلمانوں کے مجمع میں نہ کہہ بیٹھیں جس سے انکار ممکن نہ ہوگا اور اس وقت عام زبانوں کو روکنا دشوار ہو جائے گا۔ لہٰذا سخت ضرورت تھی کہ اس لئے اقرار کر لیا جائے کہ حضرت علی علیہ السّلام اس خیال سے کہ شاید یہ لوگ بھولے ہوئے ہوں، کہنا نہ شروع کریں۔ حالانکہ انہیں خوب اور ہر وقت یاد تھا ورنہ یہ اگر تھوڑی دیر بھی اپنے حافظہ کو روک رکھتے اور اس خیال سے درگزر کرتے یا وہ پیش بندیاں نہ کرتے جس سے موقع پر ذکر نہ آنے پاتے تو یقیناً کامیابی ان سے بہت دور ہوتی۔ زبیر اور سعد نے ابن عوف کو تعریف کرتے ہوئے دیکھ کر یہ سمجھا کہ حضرت علیؑ کا ساتھ دینے میں اندیشہ نہیں ہے اور اب تین شخص ایک طرف تھے۔ ابن عوف کے لئے فی الجملہ دشوار وقت تھا

اس کا یہ کہنا کہ میں نے اپنے ذہن میں خلیفہ مقرر کر لیا۔ اس کے دماغی انتشار کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔ تاریخ نے بتایا ہے کہ بنی امیہ جن میں ابوسفیان اور عمر و عاص کا نام لیا گیا ہے۔ انتخاب کے پہلے سے سمجھ گئے تھے کہ علیؑ اتباع سنت شیخین کبھی منظور نہ کریں گے اور اس لئے مسلمانوں سے کہنے کا موقع ملے گا کہ علی علیہ السلام چونکہ شرائط انتخاب میں پورے نہ اترے۔ اس لئے وہ خلیفہ نہیں بنائے گئے۔ اس مشکل وقت میں ابن عوف اپنی جماعت کی فتح پر متردد سا ہو گیا تھا، مختلف شکلیں سامنے آرہی تھیں اور جب یہ بات دل میں جم گئی کہ علیؑ اتباع سنت شیخین منظور نہ کریں گے اور عثمان منظور کر لیں گے تو اس کے منہ سے بیساختہ نکل گیا ہو گا کہ میں نے اپنے ذہن میں خلیفہ تجویز کر لیا جو آخر میں علیؑ سے سوال کرنے، ان کے انکار اور عثمان کے قبول کرنے سے ظاہر ہو گیا۔

علیؑ انکار کو خلافت پر مقدم سمجھتے ہیں

حضرت علی علیہ السلام سوال کے معنی سمجھتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے انکار کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ یعنی باوجود یہ سمجھنے کے کہ انکار کرنے سے خلافت نہ ملے گی۔ تاہم انہوں نے انکار کو خلافت پر مقدم رکھا اگر ہم حضرت علی علیہ السلام کی طبیعت کے گذشتہ اور آئندہ بڑے آثار نہ بھی معلوم ہوتے تب بھی ہم ان کے صرف اسی فعل پر حیرت سے رک جاتے اور دنیا کے سمجھ دار اخلاق پسندوں کو مخاطب کر کے ساتھ سوچنے میں مدد لیتے کہ وہ شخص کیسا ہو گا۔ جو اختیار اور حکومت ملنے کی پرواہ نہیں کرتا، لیکن کسی شخص کی پیروی سے انکار کرتا ہے۔ فطری سوال ہو گا کہ وہ شخص اور اس کی پالیسی کیسی تھی، جس سے علیؑ کو اس قدر احتراز تھا؟ احتراز کرنے والا بھی علیؑ کا سا شخص تھا، احتراز کرنا اس غرض سے نہ تھا کہ ایسا کرنے سے حکومت ملے گی۔ کیونکہ حکومت تو ساتھ دینے کے اقرار پر مل رہی تھی۔ پھر کیا اخلاقی خیالات تھے جو گذشتہ پالیسی کی اس مد میں کمی کی وجہ سے ساتھ دینے سے روک رہے تھے؟ بیشک یہی تھا۔ گذشتہ اوراق میں جو کچھ اشارہ کیا گیا۔ وہ سمجھنا چاہنے والے کے لئے کافی ہے۔ پھر ان واقعات کی وضاحت غیر ضروری ہے ورنہ اگر گذشتہ مصالح روح اسلام کے موافق ہوتے تو کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی کہ کیوں حضرت علیؑ اس کی موافقت سے انکار کرتے۔ جب کہ دہرا فائدہ تھا۔ یعنی دین اور دنیا دونوں تھی اب انکار کے معنی یہ ہیں کہ صرف دنیا دین کا خواہاں نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ تو ناظر کو معلوم ہو گیا کہ انکار سے حضرت علیؑ نے اپنے کو ایک ایسے امر سے بچایا۔ جس کا ساتھ دینا وہ بعض وجوہات سے مناسب نہ سمجھتے تھے لیکن ایک اور بڑا فائدہ حضرت علیؑ نے دوسروں کو پہنچایا وہ جنہیں گذشتہ خلفاء کے طرز عمل اور خیالات پر نظر کرنے کی قابلیت نہ ہو گی۔ وہ خواہ مخواہ حضرت علیؑ یا ابن عم اور داماد رسولؐ کے اس انکار پر کہ وہ اتباع سنت شیخین نہ کریں گے۔ اگرچہ انہیں خلافت نہ ملے، متعجب ہوں گے اور بجائے خود اس مسئلے پر بحث کرتے ہوں گے۔ یعنی حضرت علیؑ نے اپنے انکار سے دوست دشمن دونوں میں گذشتہ مصالح کی طرف سے ایک سخت ہیجان پیدا کر دیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ جھونکا دیر تک حافظہ میں دیگر سامانوں سے نہ رہا ہو۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس نے ایسا اثر نہ کیا ہو کہ آئندہ زمانے میں یاد آ جاتا اور اس کی قوت کا اندازہ مشکل ہو گیا ہو۔

رائے دینے والے

اس کی بھی نوبت آئی کہ لوگ امیدواران خلافت کے لئے رائے دیتے اور جس قدر تاریخوں میں ہمیں بتایا گیا ہے، یہ ہے کہ عمار یاسر اور مقداد ابن الاسود ایک طرف اور عبداللہ ابن ربیعہ عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح دوسری طرف ہیں۔ اس معیار سے بھی سمجھنا آسان ہوگا کہ کس کی طرف کیسی اور کن لوگوں کی رائے تھی۔

علیؑ کے اظہار خیال کی کسی نے تردید نہ کی

یہ وقت بھی آیا کہ حضرت علیؑ اپنے کو اس شان سے ظاہر کرتے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں سمجھتے تھے اور جیسا اسلام اور مسلمانوں کو انہیں سمجھنا چاہیئے تھا۔ کسی نے علیؑ کے ایک لفظ سے انکار نہیں کیا بلکہ خود حکم نے اب پھر خلیفہ ہونے کے بعد ایک عام اقرار کیا اور اقرار کا پورا مفہوم تھا جو ابوعبیدہ جراح کا منشا تھا۔ مجمع میں ہر خیال کے لوگ ہوں گے اور زیادہ تر ایسے ہوں گے جنہیں اونٹ اور ناقہ میں مشکل سے شناخت ہوگی یا جو خلیفہ کو برسالت سلام کرنے میں تکلّف نہ کرتے ہوں گے۔ لیکن کچھ اثر پذیر اور دیکھنے والے بھی ہوں گے۔

مقداد کی آہ

میں مقداد ابن الاسود کے جملہ کی بیساختگی پر توجہ دلاؤں گا کہ اس نے کیا اور کس طرح کہا۔ اس کے الفاظ سے بے چینی ٹپکتی ہے۔ معلوم ہو رہا ہے کہ خاموش دیکھتے دیکھتے اس کا دم خفا ہو رہا تھا اور اب چپ رہنا مشکل ہو گیا تھا اس کے الفاظ میں بے اختیارانہ آہ تھی۔ اس سے ہمدردی نہیں کی گئی بلکہ حکم نے دھمکی سے پھر سانس لینے کا موقع نہ دیا۔ کہا کہ مجھے خوف ہے کہ تو کسی بلا میں گرفتار نہ ہو جائے۔ آخر یہ کونسی آسمانی بلا تھی، جس سے ڈرایا تھا؟ بلا وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے ایک پوری جماعت علیؑ کے خلاف تیار تھی اور وہ کچھ ان کے موافق سُننا نہ چاہتی تھی۔ دوسرے وہ زمانہ تھا جو اب تک علیؑ پر سے گزر رہا تھا۔ لوگ موجودہ مصالح کے خوگر ہو گئے تھے۔ اس کی لذت مل گئی تھی۔ اب انہیں اس سے پھیرنا مخدوش کوشش تھی۔ کیا کرتا مقداد بجز اس کے کہ آنکھوں کے خون کو اس طرح پونچھ ڈالتا کہ دھبے کا شائبہ بھی نہ ہوتا۔

حکم قتل خاص یا عام تھا

قصۂ حکم کی وصیّت میں حکم قتل بھی خصوصیت سے دیکھنے کے قابل ہے۔ یہ کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ حکم قتل میں حضرت عثمان بھی شریک تھے۔ کیونکہ داماد اور بھائی انہیں کے بچانے کے لئے رکھے گئے تھے۔ اب اس کے بعد طلحہ، زبیر اور سعد ابن وقاص رہ جاتے ہیں۔ کوئی وجہ ایسی نہ تھی کہ یہ لوگ مخدوش امیدواران خلافت سمجھے جاتے اور کبھی ان کے انداز نے خلیفہ کو ان سے ہوشیار رہنے کا خیال دلایا ہوتا۔ اب علیؑ رہ گئے انہوں نے پہلی خلافت میں اپنے حقوق پیش کئے اور بیعت نہ کی۔ دوسری خلافت میں اس کا موقع نہیں آیا۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ خلفا کو یہ یقین ہو گیا ہو کہ علیؑ ہماری مصلحت کے ساتھ ہو گئے۔ انہوں نے طرز عمل کی جو راہ

بتائی تھی اس سے انہیں معلوم تھا کہ کون خلیفہ ہو گا اور یہ بھی یقین تھا کہ علیؑ ضرور مخالفت کریں گے۔ اس لئے ضرورت سمجھی گئی تھی کہ عام الفاظ میں مخالفت کرنے والوں کے لئے حکم قتل دیا جائے۔ درآں حالیکہ اس سے خاص شخص مقصود تھا۔ کوئی امر مانع نہ تھا کہ خلیفہ نے بصیغۂ راز ابن عوف سے اور وصیتیں بھی کی ہوں۔ جسے تاریخ نویسوں نے ہم تک پہنچانا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن عمل نے جو کچھ سمجھایا ہے اس سے گھڑی ہوئی مصلحت کا سمجھ میں آنا نہایت واضح ہے۔ اگرچہ وہ ظاہر الفاظ میں نہ کہی گئی ہو، جو کسی سلطنت کا قاعدہ نہیں ہے۔

اب اس کے بعد مولوی شبلی صاحب کی عبارت کہ "چھ اشخاص کو چنا جن کی حاکمانہ لیاقتیں ان کے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہ کر سکے۔ اس کے متعلق صرف یہ کہنا ہے کہ ان کا یہ خیال واقعات کی غلط وکالت ہے جس طرح کہ انتخاب کو "بخت واتفاق" کہنا سخت مغالطہ ہے۔ منتخب شدہ لوگوں کی حاکمانہ قابلیتوں کے اندازے کا مشکل سے حضرت عمر کے پاس کوئی معیار تھا۔ مثلاً زمانہ نے وہ وقت ہی اس کے پیشتر خلق نہیں کیا تھا کہ حضرت عثمان کی حاکمانہ قابلیت دیکھی جاتی۔ خود حضرت عمر یا حضرت ابو بکر نے انہیں اپنی حاکمانہ قابلیت کے دکھانے کا غالباً کوئی موقع نہیں دیا۔ جس طرح حضرت علیؑ عمداً روکے گئے۔ اگرچہ حضرت علیؑ کے لئے ان کی حاکمانہ قابلیتوں کے ظاہر ہونے کا یہی وقت نہ تھا بلکہ زمانہ رسولؐ میں کافی طور سے ظاہر ہو چکی تھی۔ اس لئے مساوات کا نظریہ قطعاً خلاف تجربہ ہے۔ اس کارروائی کو جو انتخاب کے متعلق ہوئی۔ "بخت واتفاق" سے منسوب کرنے کے لئے میرے پاس کوئی گوارا لفظ نہیں ہے۔ "بیغرضی اور فیاض دلی" کے الفاظ کو ہم اس موقع کے لئے قبول نہیں کر سکتے۔ جہاں مولانا نے کمال صنعت شناسی سے صرف فرمایا ہے بلکہ شرکت کی وجہ ہم ظاہر کر چکے۔ حضرت علیؑ کی بے غرضی یہ تھی کہ سنت شیخین کے لئے خلافت کو قبول نہ کیا اور فیاض دلی یہ تھی کہ حقوق کے اظہار کے بعد محرومیت نے انہیں خلافت کو بزور شمشیر حاصل کرنے کے لئے آمادہ نہیں کیا۔ صاحب سیرۃ الفاروق کے اس خلاف واقعہ ریمارک کو ہم خلاف انصاف سمجھتے ہیں کہ "حضرت علیؑ ایک گونہ شخصی خلافت کے خواہشمند تھے، وہ ملتبث ہوئے۔"

حضرت علیؑ کا بیان

غالباً اسی زمانے کے متعلق حضرت ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:۔

"ایک کہنے والے نے مجھ سے کہا تھا کہ اے ابن ابیطالب تو اس خلافت پر بہت ہی حریص ہے۔ میں نے کہا، نہیں، بلکہ تم مجھ سے زیادہ حریص ہو اور پھر یہ کہ مرتبہ خلافت سے نہایت ہی دور ہو اور میں اس سے نہایت ہی قریب۔ بلکہ اس کے لئے مخصوص ہوں۔ میں نے اپنا حق طلب کیا ہے اور تم میرے اور میرے حق کے درمیان حائل ہوتے ہو اور طلب حق کے وقت میرے ارادوں کے منہ پر طمانچے مارتے ہو۔ جب میں نے بھری محفل میں حجت اور دلیل کے

ساتھ اس کی گوشمالی کی تو وہ مبہوت ہوگیا اور گویا کسی چیز سے واقف نہ تھا کہ اس کے ساتھ مجھے جواب دے .... پھر کہنے لگا آگاہ ہوجا تیرا امر خلافت کو طلب کرنا بحق ہے اور یہی واجب ہے کہ تو اسے ترک کردے۔"

قتل ہرمزان وغیرہ

حضرت عثمان کی خلافت کا غالباً پہلا قضیہ قتل ہرمزان وغیرہ تھا جو ابولؤلؤ کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ اس کے متعلق مولوی شبلی صاحب اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"عبداللہ تلوار ہاتھ میں لے کر نکلے۔ فیروز کے بیٹے اور جفینہ اور ہرمزان کو جن پر سازش کا شبہ تھا، قتل کردیا۔ ان میں سے ہرمزان مسلمان ہوگیا تھا...... تمام مہاجرین یعنی ان بزرگواروں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وطن چھوڑ کر چلے آئے تھے اور تمام صحابہ کی نسبت افضل سمجھے جاتے تھے، یک زبان ہوکر کہا کہ عبداللہ کو قتل کردینا چاہیئے حضرت علی علیہ السلام بھی اس مجمع میں موجود تھے اور انہوں نے بھی یہی رائے دی اگرچہ حضرت عثمان بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس فیصلہ کی تعمیل نہ کرسکے .... تاہم انہوں نے تینوں مقتولوں کے بدلے بیت المال سے خون بہا دلایا۔"

قاتل کو سزا دینا علیؑ کی غلطی کہی گئی تھی

"حضرت علیؑ نے عبداللہ ابن عمر کو قتل کرانا چاہا۔ یہ ان کی غلطی تھی۔ نہیں مصلحت وقت پر نگاہ ڈالنی چاہیئے تھی........ وہ اسی اصول پر چلتے تھے، جسے رسولؐ نے قائم کیا تھا۔"

خلیفہ، مصالح پر نگاہ ڈال کر جس میں ظاہر یہ تھا کہ داماد قتل ہوتا تھا اور وہ اس شخص کا لڑکا تھا جس سے خلافت ملی ہے یہ ناحسان شناسی ہوتی۔ قاتل کو قتل کرتے یا نہ کرتے۔ ان کے بدلے تمام بیت المال لٹا دیتے۔ ہمیں کوئی بحث نہ تھی، جیسے ضرورت ہوتی، وہ سوچتا کہ اگر بادشاہ قتل کے بدلے اسی طرح روپیہ دے دے کر ملزم کو چھڑا لیا کرے گا تو اس کے اعزا یا خود اسے کسی کے قتل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ یہ تو صرف تین خون تھے، ہم نے سات خون معاف ہونے کے قصے سنے ہیں اور بیت المال کی مدد سے تو سات ہزار خون معاف ہوسکتے تھے۔ لیکن ہمیں اس جرأت پر حیرت ہے کہ قانون کی پابندی غلطی کہی جارہی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام نے ملحدانہ اصول اخلاق سکھائے ہیں کہ اگر تم سوسائٹی کی گرفت سے دور اور قوی تر ہو تو تم کوئی برائی کرسکتے ہو۔ میرے خیال میں مجھے اس پر اس قدر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے جس قدر مولوی شبلی صاحب کو، کیونکہ وہ دیگر صحابہ کو بھی حضرت علیؑ کا ہم خیال کہہ رہے ہیں اور اس لئے مؤلف سیرۃ الرسولؐ کے اعتراض کے مطابق وہ بھی غلطی میں شامل ہیں۔ مجھے شاید یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت علیؑ ایسی مصلحت پر نگاہ ڈال سکتے تھے جو شرع، قانون اور اخلاق کے موافق ہو، نہ اس کے مخالف۔

مخفی طعنہ

صرف حضرت علیؑ کی غلطی کہنے پر قناعت نہیں کی گئی ہے بلکہ ان جملے سے کہ "وہ اس اصول پر چلتے تھے

جسے رسولؐ نے قائم کیا تھا"، عذر بھی کیا ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ علیؑ پر طنز ہے۔ اسلام پر قہقہہ ہے کہ اس میں کیوں ایسا اصول قائم کیا گیا جو حضرت عثمان کی مصلحت کے خلاف تھا یا خود بانی اسلام کا مضحکہ کیا گیا ہے یا انصاف ایک بے معنی لفظ قرار دیا گیا ہے۔

ملزم کو چھوڑ دینے کا کیا اثر ہوگا

ہم نہیں جانتے کہ غیر اقوام پر خلیفہ کی اس مصلحت کا کیا اثر پڑا ہوگا۔ جب انہوں نے دیکھا ہوگا کہ ایک ایسا شخص اس طرح ایک صریح جرم سے بچالیا گیا۔ انہیں کم سے کم ایسے لوگوں سے اپنی جانوں کے غیر محفوظ ہونے کا اندیشہ ہوگیا ہوگا اور خلیفہ سے بجز مصلحت اور دیت کے انصاف کی امید نہ رہی ہوگی۔ مصلحت کے سمجھنے والے سمجھیں گے کہ قانون کی غیر محفوظ حالت، ملک کی سرسبزی، تجارت، اعتبار اور حکومت کے ساتھ کیا کرتی ہے۔ اس مصلحت نے وہ کچھ کیا۔ جس کا آئندہ ذکر آنے والا ہے اور ایسی مصلحتوں کی محافظت دنیا کے خیالات کے ساتھ جو کچھ کرے گی اور جو کچھ کیا وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے جو بانی مصلحت نے نتیجہ دیکھا۔

"غلطی کے لفظ کا بیجا مصرف یا الٹا استعمال مجھے بار بار ملک الشعرا فیضی کا یہ شعر یاد دلا رہا ہے کہ:۔

اگر حقیقت اسلام در جہاں ایں است ٭ ہزار خندۂ کفر ست بر مسلمانی

نئی صورت حال

اب ہم حضرت علیؑ کی سوانح عمری کے ایسے حصے تک پہنچ گئے ہیں، جہاں وہ کچھ نہ بول سکتے تھے نہ خاموش رہا جاتا تھا۔ اگرچہ ان کے نفس کو گزشتہ زمانہ میں اس وقت سے زیادہ خطرہ تھا۔ لیکن ایسی جانکاہ کشمکش نہ تھی، جیسی اس وقت ہوگی۔ کبھی وہ صریح غلطی دیکھ کر اعتراض کرتے ہیں اور انہیں ان کے درد دین کی صلاح پر برا عوض دیا جاتا ہے۔ کبھی لوگ اپنے اور خلیفہ کے درمیان انہیں حکم بناتے ہیں اور کبھی خلیفہ اپنے اور لوگوں کے درمیان انہیں حکم قرار دیتے ہیں اور پھر ان کی نیک صلاح کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ جس سے فتنہ و فساد کے آثار ترقی کرتے جاتے ہیں اور یہ اپنی مفید صلاح کا خون ہوتا ہوا دیکھ کر متاسف ہوتے ہیں جس کی پابندی سے اصلاح ذات البین ہو سکتی تھی اور امن و امان قائم رہ سکتا تھا۔

میرا موقف

زمانہ عثمان کے واقعات بحیثیت حضرت علیؑ کے سوانح نویس کے ہم اس سے کم لکھ سکتے تھے۔ جس قدر لکھیں گے۔ لیکن ایسا اختصار، واقعات اور ان کے اثر کو گنجلک کر دیتا۔ جو بڑے نتائج ان قابل ذکر واقعات سے وابستہ ہیں۔ پوری طرح سمجھ میں نہ آتے جن کے سمجھانے کی ضرورت ہے۔ دکھانا ہوگا کہ زمانہ عثمان

مفید تنقیحات

میں کیا ہوا۔ شورشیں کیوں ہوئیں؟ جو کچھ ہوا۔ وہ بغاوت اور کسی دشمنی کی نیت سے ہوا، یا اصلاح کی غرض سے؟ آیا ایسے وقتوں میں علیؑ کی صلاح پر عمل کرنا مغفرت کا باعث ہو سکتا تھا؟

یہ تمام صورتیں حضرت علیؑ کے لئے اس نتیجہ کی باعث کیوں ہوئیں۔ جن سے علیحدہ رکھنے کی کوشش نظر سے گزر چکی ہیں۔ حضرت علیؑ پر جو الزام لگائے گئے۔ اس کی نسبت مؤرخین کیا کہتے ہیں۔ الزام کی ابتدا کب سے ہوئی؟ اس الزام کے لگانے سے کیا غرض تھی؟ اس الزام نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا؟ اس کی مضرت کے درجے کا مناسب تمیز کیا ہوگا۔ لکھے جانے والے واقعات اس قدر عام ہیں کہ مجھے ہر قدم پر سند دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

"حضرت عثمان کے تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی نوجوانوں اور خاص کر بنی امیہ کے نونہالوں نے وہی عیاشانہ زندگی اختیار کرلی، ان کے اپنے بھتیجے نے ایک قمارخانہ جاری کیا اور عورتوں کی عاشقی معشوقی کرنا ایک فیشن ہوگیا۔
(تاریخ الاسلام از سید امیر علی صاحب)

دو صاحب اثر لوگوں کی معزولی

عثمان نے سعد ابن ابی وقاص کو ایرانی مقبوضات کا عامل بنایا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد انہیں معزول بھی کردیا۔ مغیرہ ابن شعبہ کو جو خلیفہ ثانی کے وقت کوفہ کا عامل تھا

ولید بن عقبہ کی سرخوشی

معزول کر کے ولید ابن عقبہ کو حاکم کیا۔ ان کی سرخوشی کی یہ مشہور روایت ہے کہ جنب اور خمار کی حالت میں نماز صبح پڑھنے آئے اور دو رکعت کے بعد لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میری طبیعت اس وقت بہت خوش ہے اگر کہو تو دو چار رکعت اور اضافہ کردوں"

کوفہ میں ناخوشی

کوفہ کے لوگوں میں ناخوشی کے آثار ترقی کرنے لگے اور نامہ نگار نے حسب ذیل رؤساقوم کے نام جو انتظام اور عامل سے ناخوش تھے دربار خلافت میں ارسال کئے۔

خواہشمندان صلاح کے نام

الحارث بن مالک اشتر نخعی، ثابت ابن قیس نخعی، جمیل ابن زیاد، زید ابن صوحان العبدی صعصعہ بن صوحان العبدی، جندب ابن زبیر، عروہ بن اعور اور عمرو ابن الحمق وغیرہ۔

دربار خلافت سے ان لوگوں کی جلاوطنی کا حکم صادر ہوا اور یہ لوگ شام بھیجے گئے۔ دوراندیش معاویہ جسے ان معاونین اصلاح کی آزادانہ اور رندانہ طبیعتوں کا حال معلوم تھا اس کا روادار نہ تھا کہ اس کے صوبہ میں جہاں وہ خلق کو اپنے رنگ سے چلا رہا تھا۔ کوئی یہ کہنے والا ہو کہ اگر حاکم اور اس کے افعال رعایا کی طبیعتوں کے موافق نہ ہوں تو اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ اس نے بہت جلد اس مخدوش امانت کی واپسی کی التجا کی اور اس مرتبہ انہیں سعید ابن العاص کے پاس روانہ کرنے کا حکم ہوا۔

مصلحین کی توہین

یہاں ان کی استقبالی حالت اور دربار کا برتاؤ پوری توہین کا تھا، ان کے دل میں نفرت پیدا ہوتی جاتی تھی کہ یہ گردش اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اچھے عامل اور انتظام کی گزارش کی تھی۔ ان کی نفرت میں ان عاملوں کے خود سرانہ انتظام دیکھ دیکھ کر اور قوت پیدا ہوتی جاتی تھی۔ جس کا گردش میں تجربہ ہوا تھا۔ ان طبیعتوں نے ایک جگہ

سے دوسری جگہ منتقل ہونے میں خواہ مخواہ لوگوں کے خیال کو اپنی طرف کھینچا ہوگا۔ ان لوگوں نے دیکھنے والوں پر اپنے موافق اثر ڈالا جو کچھ دنوں کے بعد ایک عام ہم آہنگی سے ظاہر ہوا۔

عمرو عاص نے عزل پر خواہر عثمان کو طلاق دیدی

مصر میں عبداللہ ابن سعد ابی سرح وصولی خراج کے لئے اور عمرو عاص فوج دار مقرر کیا گیا، کچھ ہی دنوں بعد عمرو ابن عاص معزول کر دیا گیا۔ عمرو ابن عاص نے جس کے عقد میں عثمان کی بہن تھی، طلاق دیدی اور اب دو معزول عامل یعنی عمرو ابن عاص اور مغیرہ ابن شعبہ جو دونوں نہایت ہی مدبر تھے، عثمان کی مذمت کرنے لگے اور ان کے خلاف ناخوشی کا اثر پھیلانے لگے۔ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کا عامل تھا، معزول کیا گیا اور اس کی جگہ عثمان کا خالہ زاد بھائی عبداللہ ابن عامر مقرر ہوا۔

قرآن مجید کے نسخے آگ کے حوالے

خلیفہ ثالث ہی نے یہ اہتمام کیا کہ حفصہ کے قرآن کے علاوہ اور جس قدر قرآن کے نسخے ہوں، چاک اور آگ کے حوالے کئے جائیں۔ یہ حکم دیا کہ "جس کلمہ میں اختلاف ہوا سے قریش کی بولی میں لکھو کیونکہ ان کے محاورہ کے موافق نازل ہوا"۔ (ابوالفدا)

رجم کا حکم

"سفر حج میں حضرت عثمان نے ایک عورت کو رجم کا حکم دیا۔ حکم کی وجہ یہ تھی کہ شوہر کے انتقال کے چھ مہینے بعد لڑکا ہوا تھا لیکن حضرت علیؑ کے سمجھانے پر کہ قرآن سے چھ مہینے میں لڑکا ہونا ثابت ہے، حکم رجم منسوخ کیا گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ نظر ثانی رجم ہو چکنے کے بعد عمل میں آئی (تاریخ الاسلام)

صلوٰۃ مقیمانہ

خلافت کرتے ہوئے چھ برس گزرے تھے کہ خلیفہ نے حج کا قصد کیا۔ شاہی احتشام سے سراپردہ نصب ہوا۔ صلوٰۃ مقیمانہ جاری ہوئی۔ یہ دونوں افعال اصحاب رسولؐ کے خلاف ہوئے کیونکہ پہلا فعل جسے عثمان کی شان پسند طبیعت نے اختیار کیا تھا، رسم جاہلیت تھی۔ جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک کر دیا تھا اور دوسری بات سنت رسولؐ کے خلاف تھی۔ اکثر لوگ اس نماز میں شریک نہیں ہوئے۔ اعتراض کا خلیفہ نے یہ جواب دیا کہ جو لوگ مسافرانہ وارد ہوتے تھے وہ سنت نبوی کے موافق ادا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ ہم مقیم ہیں اس لئے یہ امر ہمارے لئے خلاف نہیں ہے۔ بعض کے موافق کہا کہ "میری رائے یہی ہے اور میں یہی مناسب سمجھتا ہوں"، اس پر وہی شخص جس نے انہیں خلیفہ بنایا تھا کہنے لگا:۔

ہم نے اس لئے بیعت کی تھی کہ سنت رسولؐ پر چلو نہ کہ مخالفت کرو"۔ (طبری)

ابن عوف نے عثمان سے گفتگو ترک کر دی

ابوالفدا نے لکھا ہے کہ جب لوگوں نے عبدالرحمن ابن عوف سے عثمان کی شکائتیں کیں تو انہوں نے عثمان سے گفتگو ترک کر دی۔

"اس کبیر السن شیخ کے لئے یہ بڑی بدقسمتی کی بات تھی کہ اسے اپنے اعزا سے بڑی محبت تھی۔ مکہ کے وہ خاص لوگ جنہوں نے بیس برس تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انواع واقسام کی اذیتیں پہنچائی تھیں، بہت جلد اس پر حاوی ہو گئے اس کا چچا ہشام اور چچازاد بھائی مروان حقیقت میں ملک پر حکومت کرتے تھے۔ گو تمام ذمہ داری اور خلافت کا خطاب عثمان کے سپرد تھا، لیکن یہ اکثر کاموں سے ناآشنا تھے،

جنہیں رسولؐ نے جلا وطن کیا انہیں عثمان نے عزت دی

ان دونوں کے واپس بلانے پر سخت اعتراض ہوئے علی الخصوص ہشام پر جو فتح مکہ میں ایمان لایا تھا اور ملکی راز ظاہر کر دینے کی وجہ سے اس کی جلاوطنی کا حکم صادر ہوا تھا.........عثمان نے صرف واپس ہی نہیں بلا لیا بلکہ بیت المال سے ایک لاکھ درہم اور کچھ ایسی زمین جو بیت المال سے تعلق رکھتی تھی، حوالے کر دی۔ اپنا میر منشی اور وزیر بنایا، اپنی بیٹی دی اور افریقہ کی غنیمت سے مالا مال کر دیا۔ (ڈوزی از اسپرٹ آف اسلام)

یہ حالت تھی کہ علیؑ نے عبدالرحمٰن ابن عوف کو توجہ دلائی۔ حضرت علیؑ کے لفظوں میں واقعات کی یہ صورت تھی۔ اس کی حالت یہ تھی کہ اس نے اپنے معدے اور امعا کو دنیا کے مال سے حلق تک بھر لیا، تن پروری اختیار کی۔ لوگوں کے مال کھانا شروع کئے اور پھر اس کے ساتھ ہی اس کے باپ کے بیٹے بھی کھڑے ہو گئے اور خدا کے مال کو اس طرح کھانے لگے جیسے اونٹ فصل بہار کی گھاس چر جاتا ہے۔" (نہج البلاغہ)

عمار یاسر اور عثمان

رسولؐ کا یار غار رفیق عمار یاسر رضی اللہ عنہ اعتراضات لے کر بھیجا گیا اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مقدس عمار رضی اللہ عنہ کو غنی خلیفہ نے جوش غضب میں کئی متبرک لاتیں نذر کیں۔ یہ خبر ایسی تھی جو چھپی رہتی۔ کیونکہ ایک نہایت ہی جلیل القدر صحابی کی کرمہ توہین ہوئی تھی۔ جب یہ واقعہ شام میں ابوذرؓ غفاری کو معلوم ہوا تو ان پر وہ اثر ہوا جو معاویہ کے مخالف تھا۔ درآنحالیکہ یہ پیشتر بھی اس عامل کی بیت المال کی دست برد پر اعتراض سے باز نہ آتے تھے۔

ابوذرؓ کے ساتھ برتاؤ

مدینہ میں اطلاع بھیجی گئی کہ اگر ابوذر رضی اللہ عنہ شام، مصر یا عراق میں رہیں گے تو لوگوں کو خلیفہ کی طرف سے برافروختہ کریں گے اور حکومت میں خلل واقع ہو گا۔ مدینہ سے حکم بھیجا گیا کہ ضعیف ابوذر رضی اللہ عنہ کو سخت اونٹ پر سوار کر کے بھیجو۔ شتربان بدوی عرب جو برابر ہنکاتا جائے کہ تھکان کی وجہ سے باغی اپنے تمام خیالات بھول جائے۔ اس حال سے بوڑھا صحابی دربار خلافت میں پہنچایا گیا اور یہاں بھی غالباً باز پرس پر یہ حدیث سنانے لگا کہ رسول اللہؐ خبر دے گئے ہیں کہ مال خدا ضائع ہو گا، اس کے صلہ میں "پیر کاذب" کا خطاب عنایت فرمایا گیا۔

علیؑ قصۂ ابوذر میں

خلیفہ کے اس سخت اظہار نے حضرت علیؑ کو اس قدر کہنے کے لئے مجبور کیا کہ "اگر جھوٹا ہے تو ماخوذ بکذب ہونا چاہیئے اور اگر سچ کہتا ہے تو خود معلوم ہو جائے گا"۔ بقول علامہ مجلسی از شیخ مفید علیہ الرحمہ اگر جھوٹ کہتا ہے تو اسے اس کا نقصان پہنچے گا اور اگر سچ کہتا ہے تو کچھ تمہارے سامنے آئے گا۔

سنہ ۳۰ھ

یہ ریمارک عثمان کو ناگوار گزرا۔ ابوذرؓ کی جلاوطنی کے ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا کہ کوئی شخص اس کی مشایعت نہ کرے لیکن یہ سچا ضدی اس وقت بھی کہتا ہے۔ "مجھے نکال دو لیکن جہاں رہوں گا سچ کہوں گا"، کہا گیا ہے، جسے میں نہایت صحیح سمجھتا ہوں کہ جس وقت حضرت علیؑ کو ابوذر کے جلاوطنی کی خبر ملی تو ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی اور فرمایا مصاحب رسولؐ کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے!"

علیؑ کا لاجواب ریمارک

"اے ابوذرؓ تو محض خدا کی وجہ سے خشمناک ہوا تھا۔ اب اسی سے امید وار رہ، جس کی خاطر تو نے خشم اختیار کیا۔ اس قوم نے تیری طرف سے اپنی دنیا کا خوف کھایا اور تو نے ان کی طرف سے اپنے دین کا خوف کیا۔ اب تو اس چیز کو انہیں کے ہاتھوں میں چھوڑ دے۔ جس کے زوال سے یہ خائف ہو رہے ہیں اور تو اس چیز کو لے کر فرار کر جا جس کے زائل ہو جانے کا تجھے ان کی طرف سے خوف تھا۔........ اگر تو ان کی دنیا کو قبول کر لیتا تو البتہ تیرے ساتھ دوستی سے پیش آتے اگر دنیا کو ان سے قرض لیتا تو تجھے اپنی مضرتوں سے پناہ دیتے" (نہج البلاغہ)

مروان علیؑ پر مشایعت کا اعتراض کرتا ہے

تاریخوں نے ہمیں بتایا ہے کہ مروان ابن حکم مشایعت کرنے سے حضرت علیؑ پر معترض ہوا۔ حضرت علیؑ نے تازیانہ سے اس کے اونٹ کو ہٹا دیا۔ مروان نے خلیفہ سے شکایت کی اور حضرت علی علیہ السّلام نے جواب دیا:

"میرا اونٹ موجود ہے مروان سے کہو کہ وہ اس کے سر پر تازیانہ مارے"۔

مترجم ابن خلدون مسلمانوں کو کیوں کر ادب سکھاتا ہے

عمار یاسرؓ اور اخراج ابوذرؓ کے واقعات کے متعلق ابن خلدون لکھتا ہے

"ایسا نہیں ہے کہ بلاوجہ اخراج..... بفرض تقدیر اگر یہ واقعہ صحیح بھی مان لیا جائے تو عثمان ابن عفان مسلمانوں کے امیر و امام تھے ان کو یہ حق حاصل تھا کہ مسلمانوں کو ادب سکھاتے۔ ایسے واقعات کو امام کے حق میں طعن و تشنیع کا سبب ٹھہرا لینا نہایت مکروہ و نازیبا ہے"۔

قابل مترجم کو نہیں معلوم "بلاوجہ" کے لفظ کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی؟ ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی بات بلاوجہ نہیں ہوتی؟ دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ آیا وہ وجہ اس سزا کی مستحق تھی جو دی گئی یا کسی سزا دہی کی ضرورت تھی؟ خلیفہ اور ان کے پیرو

سو چتے تھے کہ ابوذر رضؓ کے ایسے شخص کا اعتراض ملکی حیثیت سے برا اثر پیدا کرے گا۔ اس لئے انہیں ان پر ان سختیوں کی ضرورت ہوئی۔ لیکن دیکھنے والے صرف وہی نہیں تھے، جنہیں دربار کے ٹکڑوں نے سیر کیا تھا۔ بلکہ والبتہ غرض کے علاوہ بھی خلق اللہ تھی اور پھر وہ واقعہ جزو تاریخ تھا۔ جسے ابدالآباد تک دیکھنے والے دیکھ کر رائے قائم کریں گے کہ آیا ایک ایسا شخص جو پبلک فنڈ کی مناسب داشت نہ ہونے پر اعتراض کرتا ہے اور اُس سے اس کی غرض بجائے شخصی فائدہ کے جمہوری حقوق کی نگہداشت ہے، کہاں تک الزام یا تعریف کا مستحق ہے۔ آیا ایک سچ کہنے والا کبھی قابل الزام ہے۔ اگرچہ مصالح ملکی اس کے سچ کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں؟ میرے خیال میں مسلمان ایسے امیر و امام کو دل پسندی سے نہ دیکھیں گے۔ جو لاتیں مار کر تہذیب سکھاتا ہے، مسلمانوں یا کم سے کم میرے امام کا معیارِ تہذیب اس ٹھاٹھ سے بہت دور ہو گا اور اگر مجبوری ہو گی تو ہرگز قریب سے ادب نہ سیکھوں گا، بلکہ سخت احتیاط کروں گا کہ دور دور سے سبق لے لوں۔ اس کے بعد بیخ کے طور پر جو کچھ نعائش کی گئی ہے وہ اس سے زیادہ کہہ رہی ہے، جو کچھ میں کہنے کی ضرورت سمجھتا۔

رحلتِ ابوذر رضؓ

کچھ روز کے بعد بوڑھا مقدس صحابی عزلت میں رحلت کر گیا۔ کچھ لوگ اس موضع سے گزر رہے تھے کہ قابل تعریف تیمار دار بیٹی نے جو سرِ راہ بیٹھی ہوئی مسلمانوں کا انتظار کر رہی تھی، انہیں اطلاع دی۔ ان لوگوں میں مالک اشتر بھی تھے۔ سب پر ابوذر رضؓ کی عبرت ناک موت نے اثر کیا اور ہر شخص چاہتا تھا کہ اپنے سامان سے تجہیز و تکفین کرے غسل دینے کے بعد مالک اشتر کا یہ مخاطبہ اور دعا توجہ کے قابل ہے۔ "خداوندا یہ تیرے رسول ص کا صحابی ابوذر رضؓ ہے، عبادت کرنے والوں میں اس نے تیری عبادت کی، تیری رضا کے لئے مشرکین سے جہاد کیا اور تیرے دین کے کسی امر کو تغیّر نہیں دیا۔ اس نے تیرے دین میں بدعتیں دیکھیں اور ان سے اپنے دل اور زبان سے انکار کیا۔ اس لئے ان پر ظلم کیا گیا اور اسے جلاوطن کیا، اسے حقیر سمجھا اور حقوق سے محروم کیا گیا وہ غریب اور تنہا مر گیا۔ خداوندا اس شخص کی شوکت کو توڑ دے جس نے اسے اس کے حق سے محروم کیا اور اپنے مقام ہجرت اور حرم رسول ص سے نکال دیا"، سب نے آمین کہی (حیات القلوب)

حضرت عثمان اور عمار رحمہ اللہ

جب اس پُر ملال موت کی خبر خلیفہ کو پہنچی تو ان کی زبان سے نکل گیا۔

یہ سن کر عمار نے پوچھا:۔

"کیا یہ دل سے کہا ہے!"

عثمان نے غصہ سے جواب دیا:۔

کیا مجھے شک ہے کہ میں نے جو نکال دیا تو اب شرمندہ ہوں"؟

"واللہ، نہیں۔"

"نکال دو اسے"

علیؑ کے اچھے ارادے کا بُرا جواب

عمارؓ کا قبیلہ بڑا تھا۔ جب اسے عثمان کی اس زیادتی کی دوبارہ خبر ملی تو لوگ حضرت علیؑ کے پاس گئے اور شکایت کی کہ ایک مرتبہ عمارؓ کو مارا۔ اس مرتبہ نکال دینے کا حکم دیا ہے۔ بہتر ہے کہ آپ صلح کرا دیجئے۔ حضرت علیؑ گئے اور کہا:۔

"ابوذر کے واقعہ سے لوگ ناخوش ہیں اور عمار کے لئے بھی جو حکم دیا گیا ہے۔ وہ مناسب نہیں ہے"،

جواب دیا:۔

"پہلے تمہیں کو شہر بدر کرنا چاہیئے۔"

"تمہیں کب طاقت ہے، تو ہی ان سب کا باعث ہے اور تو راہ حق پر نہیں ہے"،

اس وقت اصلاح کے لئے کچھ لوگ آ گئے اور مغیرہ ابن اخنس ثقفی نے حضرت علیؑ سے کہا:۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں جو آپ کا مرتبہ ہے وہ کسی کا نہیں ہے ——— عثمان نے علیؑ سے کہا:۔

"یا ابن ابی طالب! آپ اکثر میرے فعل پر اعتراض کرتے ہیں۔"

"لیکن تو جانتا ہے کہ میں حتی الوسع احتیاط کرتا ہوں" ——— حضرت علیؑ نے کہا۔

"تم چاہو یا نہ چاہو تمہیں محکوم رہنا ہو گا۔"، مغیرہ ابن شعبہ نے کہا:۔

خلفشار

غرضیکہ عزل اصحاب، مروان کی دامادی، بیت المال کا تصرف، قرآن کا جلایا جانا، اصحاب کی توہین وغیرہ وغیرہ نے ملک میں خلیفہ کی طرف سے لوگوں کا خیال بدل دیا۔ عمالوں کی شکایت ہوتی رہی۔ مگر شکایات مطلق نہ سنی گئیں۔ مصر، کوفہ، بصرہ کے لوگوں میں خلع خلافت کی نسبت گفتگو گرم ہو گئی۔

شام کا دور بین عامل اپنی آئندہ قسمت کے لئے بے چین تھا اور جب کعب الاحبار سے ملاقات ہوئی تو اس نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ عثمان کے بعد کون خلیفہ ہو گا تو میں اس کی متابعت کرتا۔"،

جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ خود اصحاب بھی خلیفہ کی سوء تدبیری سے خوش نہیں ہیں تو ان پر بھی قوت دار اثر ہونے لگا اور جب رفتہ رفتہ یہ خبر زور پکڑنے لگی تو حضرت عثمان نے اپنے متعلقین سے صلاح پوچھی۔ بجائے متعلقین کے مجھے ابن خلدون کا لفظ "معتمدین" استعمال کرنا چاہیئے، جس سرخی میں وہ معاویہ، عبد اللہ ابن سعد ابن ابی سرح، سعید ابن العاص، عبد اللہ ابن عامر اور عمرو عاص کو لاتا ہے۔ ان میں سے عمرو عاص نے کہا:۔

"کوئی صحابی ایسا نہیں ہے، جسے تو نے آزردہ نہیں کیا۔ لوگ عمّال کے ظلم سے فریاد کر رہے ہیں۔ یا عمّال کو معزول کر، یا کہہ دے کہ مجھ سے خلافت نہیں ہو سکتی اور بیعت سے بیزار ہوں۔"،

عثمان علیؑ کی مداخلت چاہتے ہیں

جب کوئی اصلاح ہوئی تو کوفہ سے ایک سو پچاس آدمی، مالک اشتر کی ماتحتی میں دو سو اور تیسری جماعت تخمیناً چھ سو آدمیوں کی محمد ابن ابی بکر کی افسری میں آگئی اور سب نے اپنی اپنی شکایات پیش کیں۔ عثمان نے گھبراہٹ میں حضرت علیؑ سے مداخلت کی درخواست کی انہوں نے اس شرط سے... دخل دینا منظور کیا کہ خلیفہ منبر پر اپنی غلطیوں کا اقرار کریں۔ ایسا ہی ہوا اور حضرت علیؑ نے مستغیثوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ ایک مرتبہ حضرت علیؑ جس وقت وکیل بنا کر بھیجے گئے تو انہوں نے فرمایا:۔

" لوگ میرے پیچھے پیچھے چلے آ رہے ہیں اور مجھے اپنے اور تیرے درمیان سفیر بنا کر بھیجا ہے...... تو اس مروان کے لئے چوپاؤں کا گلہ نہ بن کہ تیری اس بزرگی سن اور اس طوالت عمر پر تجھے جہاں چاہے، ہنکا لیجائے (نہج البلاغہ فصاحت) لیکن،

مروان اور خلیفہ کی ہم خیالی

" مروان کی ریشہ دوانی بارگاہ خلافت میں بہت اثر رکھتی تھی اس نے خلیفہ کو سمجھا دیا کہ ابو طالب علیہ السلام تمہیں رسوا کرتا ہے۔ خود ابن عفان نے بھی کہا کہ ہاں ہمیں عام مجمع میں اپنا قصور ظاہر کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو دوبارہ خلیفہ کی تعظیم کے لئے آئے تھے، گالیاں کھا کر رخصت ہوئے۔ اب حضرت علیؑ نے دوبارہ دخل دینے سے انکار کر دیا اور گھر کا دروازہ بند کر لیا کہ کسی دوست و دشمن سے ملاقات نہ کریں گے ،، (سکسیس آف محمدؐ)

ایک بڑی بات جو خلیفہ ثالث کے خلاف اثر کر سکتی تھی وہ مشہور صدیقہ کی عداوت تھی۔ انہوں نے نہایت سچے لفظوں میں اس وقت کی تصویر کھینچی ہے۔ " در عائشہ مردماں را بر مخالفت می گماشت و مے گفت ہنوز جامۂ رسولؐ نو است کہ سنت او کہنہ و متروک شد" (روضۃ الصفا)...... " اقتلوا نعثلا فانہ قد کفر" (روضۃ الاحباب) انہیں کا فتویٰ تھا کہ اقتلوا احراق المصاحف۔ خود طبری کے موافق عمرو عاص نے کہا تھا " خون عثمان ریختن حلال است "۔

حضرت علیؑ نے نصیحتیں کیں لیکن عثمان کو ناگوار گزرا اور حضرت علیؑ اٹھ کر چلے آئے (اس کے بعد عثمان نے اسپیچ دی) اور بجائے ان کی اصلاح کے اور جھڑکیاں دیں کہ میں نے کیا بگاڑا ہے اور میں بادشاہ ہوں میرا اختیار بیت المال پر ہے" (تاریخ الاسلام)

یہ صاف کہتے ہوں کہ حضرت عثمان کو بنی ہاشم پر اعتبار نہ تھا ایسی حالت میں اگر بنی امیہ کو دیا تو کیا برا کیا (نظام عثمانی)

حضرت عثمان نے کہا کہ میرے اعزہ کم مایہ تھے میں نے ان کے لئے اپنا ہاتھ کھول دیا ،، (ابن خلدون)

طلحہ مخصوص دشمن تھے

جب لوگوں نے دیکھا کہ ان کی شکائتیں بے کار ہوئیں اور حضرت علیؑ کی مداخلت سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ان کی دھمکیاں سخت ہو گئیں۔ ان لوگوں میں مخصوص شخص طلحہ تھے اب خلیفہ کی جان معرض ہلاکت میں گرفتار ہو گئی۔ نائلہ بنت الفرافصہ زوجۂ عثمان نے یہ حالت دیکھ کر مجبور کیا کہ علیؑ کی صلاح منظور

کی جائے اور مروان کے کہنے پر عمل نہ کرو۔ مجبوراً پھر خلیفہ راضی ہو گئے۔ اس مرتبہ طے یہ پایا کہ محمد ابن ابی بکر بجائے ابن ابی سرح کے مصر کے عامل ہوں۔ مجمع منتشر ہوا۔ محمد ابن ابی بکر روانہ ہوئے۔ ابھی دو ایک منزل گئے ہوں گے۔ بقیہ شہروں

سانڈنی سوار

کے لوگ ابھی اپنے اپنے وطنوں کو واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ محمد ابن ابی بکر کی جماعت نے ایک سانڈنی سوار کو جاتے دیکھا اور گرفتار کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کا غلام ان کے اونٹ پر سوار ہے۔ تلاشی لی گئی۔ اس کے پاس سے ایک خط برآمد ہوا جو عامل مصر کے نام تھا۔ جس میں لکھا تھا "محمد ابن ابی بکر کو مصر پہنچتے ہی قتل کر ڈالا جائے" اس نامہ پر خلیفہ کی مہر تھی

محاصرہ

اب اس دھوکہ کھانے مجمع کے غصہ کی انتہا نہ تھی۔ یہ الٹے پاؤں واپس آیا اور یہ خبر آگ کی طرح اطراف میں پھیل گئی۔ خلیفہ کے گھر کا پورا محاصرہ ہو گیا۔ ان میں اس قدر سرگرمی تھی کہ دارالامارت میں پانی پہنچنا مشکل ہو گیا۔ عثمان نے یہ خبر حضرت علیؑ کو بھیجی اور انہوں نے مشکوں کے ساتھ حسنینؑ کو بھی بھیج دیا کہ لوگ داخل نہ ہونے پائیں۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے دروازے پر محافظت کرتے رہے اور زخمی بھی ہوئے۔ طبری کے مطابق طلحہ آئے اور کہا عثمان کا سخت محاصرہ کرو کہ ان کی فوج نزدیک پہنچ گئی۔ عثمان نے للکار کر کہا طلحہ یہ سب اس لئے کر رہا ہے کہ خود خلیفہ ہو۔

(ترجمہ فارسی تاریخ طبری جلد ۳ صا۱۴۵ ، نول کشور پریس)

محمد ابن ابی بکر واپس

لوگ مکان کی پشت سے داخل ہو گئے جن میں کہا جاتا ہے کہ محمد ابن ابی بکر سب سے آگے تھے اور قتل کیا چاہتے تھے۔ خلیفہ نے پرانے خاندانی تعلقات یاد دلائے۔ جس سے متاثر ہو کر یہ واپس گئے اور دوسرے لوگوں نے کام تمام کر دیا۔

شرط

اس آخری وقت میں بھی یہ شرط پیش کی گئی کہ یا مروان کو حوالے کرو یا خلافت سے دستبردار ہو۔ لیکن خلیفہ نے اس شرط کو منظور نہ کیا بلکہ خلیفہ نے قتل ہونا پسند کیا۔ اس یورش میں بنو مخزوم، ہذیل، بنو تیم اور بنو زہرہ بھی علاوہ ان لوگوں کے شریک تھے جن کا ذکر کیا گیا۔

شریف اور صالح علیؑ نے زیادہ تر رفاقت کے خیال سے اپنے لڑکوں کو جھڑکا کہ کیوں اپنے کو قتل نہ کرا دیا۔ جس پر طلحہ نے کہا: "یا ابا الحسنؑ تم کیوں خفا ہوتے ہو اگر عثمان نے مروان کو حوالے کر دیا ہوتا تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔"

لوگ دین و دنیا سے محروم رہتے

یہ تھے زمانہ عثمان کے واقعات جو لکھے گئے۔ اس میں دیکھنے کی یہ بات ہے کہ لوگوں میں اس بات کی کافی جرأت پیدا ہو گئی کہ وہ غلطی دیکھ کر چشم پوشی نہ کریں۔ غلطی ایک طرح کی نہ تھی بلکہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ اس خلیفہ کے زمانے میں دین اور دنیا دونوں کے نفع سے محروم ہیں۔ دین اس معنی میں کہ جس انداز سے سنت رسولؐ پر عمل نہ کرنے کی لاپرواہی ظاہر کی گئی تھی اس نے لوگوں میں خوف پیدا کر دیا کہ اگر ابتدا ہی سے اس کی روک نہ

کی گئی تو ممکن ہے کہ وہ اور ایسی ہی ترتیاں کریں۔ لوگ خاموش نہ رہے۔ کہا۔ لیکن دیکھا کہ کہنا بے کار ہوا۔ ایسے موقع پر ایک صریح خلاف روی کا خیال کر کے اپنے فعل پر ضد کرنا مصلحت سے بہت دور تھا۔ میرے خیال میں شاہی تزک و احتشام کے جوش نے شاید انہیں یہ سمجھا دیا تھا کہ لوگوں کی آواز اس قدر کمزور ہو گئی ہے کہ ان کے کانوں کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی اور نہ کوئی نکتہ چینی کی جرأت کر سکتا ہے۔

توہین زیبا نہ تھی

اگر عثمان کی دانست میں یہی مصلحت تھی کہ بجز اس نسخہ قرآن کے جو خانہ ام المومنین حفصہؓ میں ہے دوسرا حکومت کا قرآن نہ ہو تو انہیں عام قرآن کی وہ توہین زیبا نہ تھی۔ جس سے بڑھ کر مادی حیثیت سے ممکن نہ تھی۔ مسلمان اس کتاب کو کلام خدا سمجھتے تھے۔ اس کے ملکی، قانونی، معاشرتی، تجارتی اور اخلاقی و مذہبی احکام کے پابند تھے۔ قرآن ان کا دین اور دنیا میں ہدایت نامہ تھا۔ وہ اس کے ساتھ سوئے ادبی نہ دیکھ سکتے تھے۔ میں نے صرف مادی توہین کہی ہے اگرچہ یہ غیروں بھی شاذ نہیں ہیں کہ روحانی یا معنوی حیثیت سے بھی دست اندازی ہوئی۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ یہ خوش نیتی تھی یا اس کے علاوہ، جس بحث کو میں بوجہ غیر متعلق ہونے کے تحریف یا عدم تحریف پر بحث کرنے والوں کے لئے چھوڑتا ہوں۔ بہر حال یہ حالت دیکھنے والوں کو بھیانک کر سکتی تھی۔

ساتھ دینے والے بنی امیہ تھے

تسلسل خیال ایک دوسرے کو ان کے خلاف نتیجہ اخذ کرنے میں مدد دیتا تھا اور یہ دیکھتے تھے کہ خلیفہ کے جس فعل نے برافروختہ کیا ہے اس میں لوگ ان کے ساتھ اس قدر نہیں ہیں، جس قدر ہمارے ساتھ ہیں۔ یا ان کے ساتھ جس قدر ہیں، بھی ان کی کوئی رائے بے غرضانہ سمجھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ خبریں یہاں تک کہتی ہیں کہ اصحاب نے دین کی حفاظت کے لئے ایک دوسرے سے مراسلت اور استغاثہ کیا معاملہ ابھی بات پر طے نہیں ہو گیا بلکہ ابوذرؓ اور عمارؓ جنہیں اگرچہ مصالح ملکی نے اپنی اصلی شان سے نیچے اتار نے میں کوئی بے توجہی اٹھا نہیں رکھی تھی۔ لیکن ملکی تائید نے اگر انہیں ان کے اصلی وقار پر منور کے قابل بھی نہ رکھا ہو گا تو یہ محال تھا کہ ان کی صحابیت کا انکار کر دیا گیا ہوتا۔ یہی بہت تھا کہ یہ فراموش کر دیے جاتے۔ اس کی کوشش مخدوش تھی کہ ان سے ان کا لقب چھین لیا جاتا یا ان کی صفتیں دلوں سے چھیل دی جاتیں۔ ممکن تھا کہ صرف ان کی صحابیت اور ان کی صفات لوگوں کو عملی ہمدردی کے لئے کافی نہ ہوتیں اور سلطنت کا خوف انہیں اپنی جگہ سے بلند نہ ہونے دیتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی ایک عام وکالت تھی جس سے ان کا ذاتی دشمن بھی چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا۔ یعنی اگر عمار وکلائے قوم کا وفد لے کر گئے تھے تو ابوذرؓ نے بیت المال کی نگہداشت کی وکالت کی تھی۔ جس کی باز پرس سے عام مسلمانوں کو تعلق تھا۔

شورش کی بڑی وجہ

ہو سکتا تھا کہ لوگوں کو متذکرہ صدر باتوں پر اعتراض کی کوئی توجہ نہ ہوتی۔ لیکن ایک بڑی مخدوش

فروگذاشت ہوئی تھی جس سے کوئی ایسی بات نہ رہی جو انہیں الجھائے رکھتی۔ میرا مطلب اس مصلحت سے ہے کہ عثمان نے بنی امیہ اور اعزہ کو ملک اور مفید کاموں پر مسلط کر کے لوگوں کو فرصت دے دی کہ وہ سوچیں۔ انہیں فرصت مل گئی۔ اس نکتے میں انہوں نے سنت شیخین پر عمل کرنے کے اقرار سے بھی اعراض کیا۔ وزارت فوجداری، امارت، سپہ سالاری بہت کچھ بھلائے رکھتی گزشتہ تجربہ تھوڑے سے تصور سے انہیں سمجھا دیتا۔ لیکن شاید یہ گزشتہ اہم منصوبوں کی کامیابی کے گر نہ سمجھتے تھے جس سے آزاد ہو کر انہوں نے صرف بنی امیہ پر بھروسہ کرنا مناسب سمجھا اور اس سے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر دیا۔

کون ذمہ دار تھا

عثمان کے واقعات کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے والے کو دو دقتوں کا سامنا ہوتا ہے وہ یہ کہ جو کچھ بدعنوانیاں یا سوء تدبیریاں واقع ہوئیں وہ واقعی حضرت عثمان کے متعلق کی جائیں یا مروان ابن حکم سے کیونکہ ان کے محافظین نے اسے بے عیب بنانے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی ہے۔ اگر ایسا ہی ہے کہ جو کچھ ہوا وہ مروان ابن حکم کی ذات سے ہوا تو لامحالہ ان کے محافظ کو خلیفہ کی کمزوری اور غفلت کا اقرار کرنا پڑے گا اور اس میں اور بھی قوت آئے گی جب اس پر خیال کیا جائے گا کہ خلیفہ باوجود شکایتوں کے کوئی دوسری تدبیر عمل میں نہ لا سکے۔ ان کی کمزوری تھی کہ ان کے زمانے کے عاملوں کی جس قدر شکایت ہوئی، غالباً پیشتر نہ ہوئی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یا تو انہیں عزیزداری کا غرہ۔ حضرت عثمان کے حمایت کی امید اور یا ان کی کمزوری کا یقین تھا کہ عامل بے خوف جو کچھ چاہتا تھا کرتا تھا۔ اگرچہ پیشتر کے زمانے میں حضر موت کے عامل کو معزول کرنے کے لئے خلیفہ اوّل نے خود سے خواہش کی تھی کہ لوگ اس اقدام تالیفی سے اپنی اصلی شکائتوں کو بھول جائیں۔

عاملوں کی بے مہار حکومت نے لوگوں کو برافروختہ کیا اور اتمام حجت کی غرض سے خلیفہ سے شکایت بھی کی لیکن یا تو یہ شکایت سنی نہ گئی اور اگر سنی بھی گئی تو گویا دوسرے اموی کے لئے جگہ خالی ہوئی۔ اب خلیفہ کی غفلت جس نے عاملوں میں خودسری پیدا کی تھی، خود لوگوں کو سختی کے ساتھ اپنی شکائتیں پیش کرنے کی ہمت کیوں نہ دلاتی اور اس کے بعد گذارشوں اور جائز طلب حق کی تردید انہیں بزور شمشیر تصفیہ کے لئے کیوں نہ آمادہ کرتی۔ دیکھا گیا کہ تمام دارالخلافت نرم عرضداشتوں کے بعد ایک فوجی کیمپ ہو گیا اور اس کے بعد اصلاح کے سپاہیوں نے ایسا باقاعدہ اور سخت محاصرہ کیا۔ جس طرح وہ اپنے دشمنوں کے لئے کر سکتے تھے۔ کوئی مؤرخ حضرت عثمان کے اس فعل کا حامی نظر نہیں آیا کہ اگر انہوں نے بنی امیہ کو باوجود ان کی اُن کارروائیوں کے جو تاریخ میں ظاہر ہیں، عامل بنایا تو قابل شکایت بات نہ کی۔ مگر مؤلف نظام عثمانی نے ہمت بھی کی تو ایک ایسی پر جذبہ حیثیت سے جس سے بجائے اس کے کہ وہ حضرت عثمان کی مصلحت کا حامی نظر آئے، بنی ہاشم پر تُن فُن کر رہا ہے اس کی دانست میں بنی ہاشم پر اعتبار نہ کرنے کی لازمی صورت یہ تھی کہ بنی امیہ پر اعتبار کیا جاتا اور یہ اعتبار اس وقت بھی قائم رہتا جب کہ تمام ملک اس کی مخالفت کر رہا تھا جس صفائی سے کہا گیا ہے کہ بنی ہاشم پر حضرت عثمان کو اعتبار نہ تھا، ایک جاننے والا

سوچ سکتا ہے کہ بنی ہاشم نے شاید بہتیروں کے حقوق غصب کئے ہوں گے، ناانصافیاں کی ہوں گی۔ ایسا سوچنے والے کو بھی صلاح مناسب ہوگی کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور خصوصاً حضرت عثمان غنی کے زمانے کی تاریخ غور سے پڑھے

حضرت عثمان نے مغیرہ بن شعبہ اور عمرو عاص کو برافروختہ کر کے گویا اپنا ہاتھ کاٹ دیا۔ یہ صفائی معاملت سے دور مدبر، ممکن تھا کہ خوش وقتی کی حالت میں اس مشکل مسئلہ کو حل کرتے اگرچہ وہ تھوڑی ہی دیر کا سکون یا سمجھوتہ کیوں نہ ہوتا۔ لیکن وہ خود اس قدر برافروختہ تھے کہ قتل کا فتویٰ دے رہے تھے جس میں مرحوم خلیفہ کی صاحبزادی اور گرمی پیدا کر رہی تھیں۔

نہ صرف یہ بلکہ عثمان کے محافظ اگر کسی طرح بلا ٹالنے کے لئے مروان ابن حکم کو زدہ بنا بھی دیں تو ان کے پاس اس کا کیا حل ہے کہ خلیفہ نے باوجود شکائتوں کے علم اور متواتر اقرار اصلاح پر وفائے عہد نہ کی اس سے لوگوں میں ان کے قول اور زبان کی کوئی وقعت نہ رہی گویا وہ اس لئے اقرار کرتے تھے کہ نئی خلاف ورزیوں کے لئے انہیں وقت ملے۔ ان کے نزدیک اپنی غلطی کا اقرار شان خلافت کے خلاف تھا جس کا عکس یہ ہوگا کہ غلطیوں پر اصرار قیام خلافت کے لئے ان کے نزدیک قابل باز پرس نہ تھا اور نہ قابل اصلاح، بلکہ لوگوں کو وہی مناسب سمجھ لینا چاہیئے تھا جو کچھ خلیفہ کہتے اور کرتے۔ ان کی شان اور فقرات ایک ایسے شخص کا نقشہ کھینچتے ہیں جو حکومت سے پھول گیا ہے اور اپنا بادشاہ ہو جانا اسے اس امر کا متمنی کر رہا ہے کہ اس کی خوش وقتی اور ریاست کے غنائے میں نہ کوئی فکر سلطنت حارج ہو اور نہ لوگ کسی جائز یا ناجائز شکایت کی گستاخی کریں وہ بجز آرام اور لطف سلطنت اٹھانے کے اعتراض کا آماج نہ بنے۔

ان کا لوگوں پر بگڑنا ایک خوش مزہ استعجاب معلوم ہوتا ہے وہ اس امر پر حیرت کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ میں اگرچہ خلیفہ ہوں۔ لیکن پھر لوگ مجھ پر اعتراض کی جرأت کرتے ہیں۔ پھر حکومت انہیں اس استعجاب کے بعد سلا دیتی تھی قبل اس کے کہ ہوشمندی نے انہیں مفید راہ سوچنے میں مدد دی ہوتی۔ ان کے افعال اگرچہ ایک شخصی خود مختار بادشاہ کے تھے، جس کے ظاہر کرنے میں وہ تردّد بھی نہ کرتے تھے۔ لیکن اس کے بعد بھی چاہتے تھے کہ خلیفہ رسولؐ کے تقدس آمیز عقیدے سے ہماری وقعت کی جائے۔ یہ ایک ایسا کھیل کھیلنے اور جیتنے کی امید تھی۔ جس کے جاننے کی کوشش ہی نہ کی تھی۔ عارضی اتفاق جسے چند مدبرین نے گڑھا تھا۔ انہیں خلیفہ کے بھیس میں دکھا سکتا تھا، قابلیت نہیں ٹھونس دے سکتا تھا یا تقدس کا کوئی ایسا خیال نہ پیدا کر سکتا تھا، جس کا وجود ہی نہ تھا۔ سیاست مدن میں دخل حاصل کرنا ارتقائے نفس سے کہیں سہل تھا۔

ایک خیال دوسرے کو مدد دے رہا تھا

ایک خیال دوسرے کو مدد دے رہا تھا جو صرف غصہ ہی نہیں بلکہ نفرت بھی کرتا جاتا تھا۔ لوگ گذشتہ ناروا کارروائیوں کے علاوہ یہ بھی سمجھنے لگے تھے کہ خلیفہ باوجود ان نامطلوب حرکتوں کے قلباً ایسی مصلحت کے حامی ہیں جو عام آدمیوں کے لئے بھی قابل شرم ہے۔

مثلاً محمد ابن ابی بکر کو امیر بنانا اور خفیہ سازش قتل بھی کرنا، مروان ابن حکم کا مہر پر قبضہ کرنا شاید اعتقاد کر لینے والوں کے پاس کوئی قابل توجہ جواب ہو اور اسی طرح خلیفہ کا اونٹ بھی کسی طرح وزیر کے رعب میں آ گیا ہو۔ لیکن وزیر ہی کے ایسے گوشت اور خون کا انسان جو دیوانہ نہ تھا اور اپنے کو بجائے مروان کے عثمان کا غلام سمجھتا تھا۔ ایسے مخدوش اور مفید ملکی کام کے لئے بلا خلیفہ کے علم و اطلاع کے کس طرح مدینہ سے مصر کا سفر کر سکتا تھا؟

اب خود لوگوں کا طرز عمل سخت انصاف سے دیکھے جانے کی قوت رکھتا ہے۔ ان کی شکایت کسی سابقہ کے سوء ظن سے پیدا نہ ہوئی تھی بلکہ ان کے افعال اور برتاؤ سے پیدا ہوئی تھی جو ان سے بحیثیت حاکم اور خلیفہ کے ظاہر ہوئی تھیں۔ لوگوں سے یہ چاہنا کہ تم عاملوں کے ہاتھوں ظلم اٹھاتے رہو اور کچھ نہ بولو۔ بہت کچھ چاہتا تھا۔ جوں جوں خلیفہ کی ناشنوائی ظاہر ہوتی گئی۔ لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا اور شکایت کے نئے نئے اسباب جمع ہوتے گئے۔ لوگوں کی وکالت ابتدا ہی سے ایسی نہ تھی جو کسی طرح گستاخانہ سمجھی جائے یا یہ کہنا کہ لوگ شروع ہی سے بجز اس کے کہ خلیفہ کو معزول کر دیں اور کوئی دوسری صورت نہ چاہتے تھے خلاف واقعہ ہے بلکہ انہوں نے اس طرح شروع کیا۔ جس طرح ہر رعایا کو اپنے بادشاہ سے اپنی شکائتوں کو پیش کرنے کا اختیار ہے ان کی غرض رفع شکایت سے تھی نہ عزل سے لیکن شکائتوں کا بڑھتا جانا ان کو بے اعتبار کرتا جاتا تھا اور وہ سمجھتے جاتے تھے کہ ایسے شخص کا آئندہ بادشاہ رہنا ان کے لئے مخدوش ہے۔

ضد کے بعد دھمکی

پبلک نے جس متانت سے ایک مرتبہ کی ناکامیابی کے بعد دوبارہ عذر پیش کئے اور لطافت سے رفع شکایت چاہی۔ وہ بہت کچھ ان کے ارادے کی اصلیت ظاہر کرتی ہے۔ ایک تیز فہم مدبر سمجھ لیتا کہ ان کی یہ ضد آئندہ دھمکیوں سے بدل سکتی ہے اور تہذیب کی اس شان میں خلل آ سکتا ہے۔ لیکن بجائے اس میں کمی کرنے کے جھنجھلاہٹ میں اور اضافہ کیا گیا۔ حامیان اصلاح نے حضرت عثمان کے ساتھ آخری چارہ کے وقت سر بارہ یہ عذر پیش کر کے تم خلافت سے دستبرداری منظور کر لو اور مروان کو حوالے کر دو، اپنے کو الزام سے بری کر دیا۔

حضرت عثمان نے نہ خلع منظور کیا اور نہ اپنے دوست کو حوالے کرنا مناسب سمجھا۔ مصر والے خط نے محمد ابن ابی بکر کو قتل کرا دینے میں کوئی کسر اٹھا رکھی تھی۔ خوش بختی نے انہیں بچایا اور اب وہ اس کے عوض میں قتل کرنے کا اپنے کو مستحق سمجھتے تھے۔ کوئی دار الانصاف نہ تھا۔ جہاں سے منصفانہ فیصلے کی امید کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اس اقدام قتل کو یا تو حکومت اور اس کا محکمہ عدالت ثابت نہ ہونے دیتا اور یا بیت المال سے دیت ادا کر دی جاتی۔ انصاف کی اس غیر محفوظ حالت نے محمد ابن ابی بکر کو اپنے ہاتھ میں اپنا انصاف لینے کے لئے مجبور کیا تھا۔ طبیعت کی اس پر جوش حالت میں بھی ان کا مراسم قدیمہ کے لحاظ سے درگزر کرنا معمولی کام نہ تھا۔ ان کی وہ قوت نفس ہزاروں تعریفوں کی مستحق ہے جس سے انہوں نے جوش انتقام کو دبا دیا۔

خواہش اصلاح کے بعد خوف

لیکن یہی ایک شخص نہ تھے جنہیں شکایت تھی۔ بہت سے لوگ تھے۔ وہ حکومت کے سر سے ایک ایسے شخص کو اٹھا دینا چاہتے تھے جس سے کوئی امید فلاح وبہبودی عالم متصور نہ تھی۔ وہ دیکھتے تھے کہ ہمارے لئے فوجیں جمع کی جارہی ہیں۔ عمالوں کو تائید کے لئے لکھا ہے اگر ہم اب انہیں موقع دیں گے تو شکائتوں کو اپنی جگہ رکھنے کے علاوہ مزید سزا کے بھی مستحق ہوں گے اور پھر اصلاح کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ اب وہ قتل کرنے کے لئے مجبور تھے، کوئی دوسری صورت نہ رہ گئی تھی، جس سے مفر ممکن ہوتا۔

ان تمام حالتوں میں ایک تعجب خیز نمود یہ تھی کہ کل وہ وکلاء صوبجات مختلفہ جو مدینہ میں جمع ہوئے تھے، بجائے اس کے کہ وہ اور اصحاب کو اپنا امین سمجھتے۔ ایک ایسے شخص کو اپنا معتمد قرار دیتے ہیں۔ جسے حکومت نے ایک زمانے سے بے قوت کر دیا تھا۔ ملازم دربار کی وساطت نہ چاہنا کسی اعتبار کے لحاظ سے قابل تعجب نہ تھا۔ لیکن یہ نہ تھا کہ کل اصحاب عملاً اس طرح جکڑے ہوئے ہوں کہ ان سے سچی صلاح اور وکالت ناممکن سمجھی گئی ہو اور اس وقت تو ملک کے دیوانی اور فوجداری کے زیادہ تر اختیارات بنی امیہ کے ہاتھ میں تھے۔ زیادہ تر اصحاب رسولؐ کو اس کام کے انجام دینے کی فرصت ہو گی۔

امتیازی شان

لیکن صرف فرصت کا ہونا ادائے وکالت اور شایان اعتماد بننے کے لئے کافی نہ تھا صرف صحابی رسولؐ ہونا ایسا نہ تھا جو قوم کی وکالت کی سفارش کر سکتا۔ ہر صحابی کے مواقع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایتوں سے برابر اور بالمساوات نفع حاصل کرنے اور مقاصد اسلام کے برابر بالمساوات مدد کرنے کے نہ تھے بلکہ دین اور دنیا کی ہر حالت میں ایک خاص امتیازی شان ہوا کرتی ہے جو دوسروں کو توجہ دلاتی ہے۔ مثلاً ایک مدرسے میں بہت سے طلبا ہوتے ہیں۔ لیکن ہر ایک امتیازی نشان نہیں حاصل کرتا۔ صرف مراتب کافی نہیں ہوتے بلکہ اپنی کوششوں سے ان سے نفع اٹھانا امتیازی حالت پر پہنچاتا ہے۔ ہر جماعت میں بعض کو بعض پر فضیلت ہوتی ہے اور کوئی اس غیر معمولی طبیعت اور قابلیتوں کا ہوتا ہے جو سب میں ممتاز ہوتا ہے۔ وجوہات ہوتی ہیں کہ کوئی بہتروں پر مقدم سمجھا جاتا ہے۔ ضروری مواقع پر اس مقدم شخص کے مقابلے میں معمولی لوگوں پر توجہ نہیں ہوتی۔ اگر ایسی باتیں مہیا نہ ہو جائیں جو اس تقدیم پر غور کرنے کا موقع دیں

بجز علیؑ کے کوئی دوسرا دکھائی نہ دیا

عام ارادے اور پسند سے حضرت علیؑ کا معتمد قرار دیا جانا، جس میں حضرت علیؑ کی طرف سے کوئی شخص سفارش کرنے والا نہ تھا۔ وہ سب کچھ کہہ دیتا ہے جو کچھ حضرت علیؑ کی صفات بیان کرنے والا چاہتا ہو، حضرت علیؑ کی صفات ان کی وکیل نہیں۔ جس وقت لوگوں نے کام پر غور کیا اور انجام دینے والے شخص کو تلاش کیا تو کوئی بجز حضرت علیؑ کے ان کی نگاہ میں نہ آیا۔ حضرت علیؑ کی نصیحتیں سنی نہ گئیں۔ حضرت علیؑ کی وکالت پر اگر توجہ بھی ہوئی تو وکالت حاصل کرنے کی غرض سے۔ خود حضرت علیؑ نے اسے اس وقت ظاہر کیا ہے۔ جب حضرت

عثمان نے علیؑ کے پاس ابن عباس کو بھیجا کہ وہ موضع ینبع میں چلے جائیں۔ حضرت علیؑ کہتے ہیں :۔

" عثمان کا یہ ارادہ ہے کہ مجھے پانی کی مشکیں لاد کر چلنے والا اونٹ بنا دے کہ میں مدینہ میں آؤں اور وہاں سے واپس جاؤں بیرون مدینہ میرے پاس قاصد بھیجا کہ میں مدینہ چلا آؤں اور اب قاصد بھیجا ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں۔ قسم خدا کی میں نے محاصرہ کو اس سے دفع کیا۔ حتیٰ کہ اب مجھے گنہگار ہونے کا خوف ہے۔" (نہج البلاغہ)

افسوس یا حسرت

گروہ عثمان کو حضرت عثمان کے قتل پر اس قدر تاسف لازم نہیں ہے۔ جس قدر اس پر حسرت کرنے کا موقع ہے اگر انہوں نے ایسے شخص کی نصیحتیں سنی ہوتیں۔ جس پر سب لوگ اعتماد کر رہے تھے تو یقیناً انہیں وہ کچھ دیکھنا نہ ہوتا جو کچھ دیکھا۔ ان کل واقعات میں حضرت علیؑ کی مداخلت جس قدر بھی وہ یا تو ابتداً اس غرض سے تھی کہ خلیفۂ رسولؐ کے نام سے دین میں بے عنوانیاں نہ ہوں۔ یا لوگوں کے مجبور کرنے سے یا خود حضرت عثمان کی گذارش سے کہ لوگ حضرت علیؑ کے اثر سے اپنے ارادوں سے باز آئیں، خلیفہ اور خود ان کی بی بی نائلہ کا مشکل اوقات میں حضرت علیؑ کو پکارنا، کہتا ہے کہ ان کو بھی حضرت علیؑ سے زیادہ کسی کا اعتبار نہ تھا۔ جو اس وقت ان کے کام آتا اور معاملات کو پیچیدہ نہ کر دیتا۔ حضرت عثمان کا یہ اعتبار ہماری آئندہ بحث کے لئے مفید ہوگا۔

امیدواران عنایت کے مقابلہ میں علیؑ کی جداگانہ روش

حضرت عثمان کے امیدواران عنایت یا وہ جن پر ان کی عنایات تھیں، مغیرہ ابن شعبہ، عمرو عاص، عائشہ، طلحہ، عبدالرحمٰن ابن عوف۔ یہ سب لوگ مخالف ہو گئے تھے۔ ان دوستوں کے مقابلے میں حضرت علیؑ کی جو جداگانہ روش رہی، وہ ایسی حالت میں کہ عثمان کے ہاتھوں ان کی توہین ہو چکی تھی۔ حضرت عثمان کے دوستوں کی نگاہ میں قابل احسان شناسی ہونی چاہیئے۔ یہی نہ تھا بلکہ اپنے دو عزیز فرزندوں کو دروازہ کی محافظت کے لئے بھی بھیج دیا۔ یعنی حضرت علیؑ نے باوجود مخالفت خیال کے حضرت عثمان کے ساتھ وہ کیا جو ان کے دوستوں نے نہیں کیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت علیؑ عثمان کے افعال سے خوش تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت علیؑ کو شکایت کرنے والوں کی شکایت کے صحیح ہونے کا گمان نہ تھا۔ ورنہ وہ وکالت نہ کرتے۔ لیکن وہ ان لوگوں کی آخری تدبیر یا قتل کے حامی نہیں تھے ورنہ انہوں نے اپنے دو یادگار رسولؐ فرزندوں کو اژدھام میں کچل جانے کے لئے نہ بھیجا ہوتا۔ صورت معاملہ اس وقت بھی دوسری ہوتی۔ جس وقت مدعی اور مدعا علیہ حضرت علیؑ کے سامنے فیصلے کے لئے آتے۔

مشکل موقع

اس مشکل وقت میں انہیں وہی کرنا چاہیئے تھا جو کیا۔ یعنی اس وجہ سے کہ عثمان غلطیوں پر مصر تھے اب حضرت علی علیہ السلام کا بلوائیوں کو چلے جانے کے لئے کہنا۔ درانحالیکہ ان کی شکایتیں رفع نہیں ہوئیں

ممکن نہ تھا اور خود اپنے اوپر ایک بے انصافانہ بات کہنے کا الزام قبول کرنا تھا۔ اسی طرح انہیں یہ بھی نہ چاہیئے تھا کہ قتل عثمان حق ہو یا ناحق اس میں مصلحین کی شرکت کر کے یا کوئی ایسی صلاح دے کے آئندہ اپنے اوپر شرکت کرنے کا الزام لیتے۔ درانحالیکہ گزشتہ خلافتوں میں اور اپنا خلیفہ نہ چنے جانے سے یا گذشتہ کارروائیوں پر اکثر ان کی نارضامندی ظاہر ہونے سے ان پر یہ الزام لگا دینا آسان تھا۔

ان کے اس انداز نے ان کی صفائی معاملت کے گواہ کھڑے کر دیئے اور آئندہ جس نیت سے یہ الزام گڑھا گیا، اسے نہ اصحاب رسولؐ نے قبول کیا اور نہ مؤرخین اسلام نے اسے کوئی وقعت دی۔ اگرچہ گڑھنے والوں میں ایک نام ایسا ہے، جسے مؤرخین اسلام میں سے اکثر وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ درانحالیکہ اس وقت کی نسبت جب کہ یہ الزام گڑھا گیا، خود ان مؤرخین کے الفاظ ان کی شان میں اچھی تو نہیں دیتے۔

کیا اجماع نصب کے لئے تھا

جتنا بڑا مجمع اس وقت حضرت عثمان کے معزول کرنے کی خواہش کر رہا تھا وہ اس سے کہیں بڑا تھا۔ جو سقیفہ بنی ساعدہ میں تھا۔ درانحالیکہ خود اس چھوٹے مجمع میں بھی فائدۂ جماعت جس قدر متصور تھا۔ وہ گروہ بندی پر موقوف تھا اور سب آدمی کسی رائے پر قائم نہ تھے۔ نہ سب آزادی سے کسی کو بلالحاظ اپنے گروہ کے خلیفہ بنانے گئے تھے۔ درانحالیکہ یہ مجمع مکمل طور پر ایک آواز سے کہہ رہا تھا کہ "ہم ایسا خلیفہ نہیں چاہتے" اس وقت جس طرح حضرت عثمان کو بلا چون و چرا مسلمانوں کی عام رائے کی متابعت زیبا تھی، اسی طرح ان کے محافظ مؤرخین کو۔

وہ کیوں ہوا جس کے نہ ہونے کی کوششیں تھیں

اب اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ہماری اس تنقیح کے اندر ہے کہ "یہ تمام صورتیں اس نتیجہ کی باعث کیوں ہوئیں۔ جس سے علیحدہ رکھنے کی کوششیں نظر سے گزر چکیں اب وہ زمانہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دینی اور دنیاوی سلطنت کا عام نگاہوں میں کوئی مانا ہوا خلیفہ نہیں ہے۔ ان دونوں مناصب کا افسر ہونا ہم اس معنی میں کہہ رہے ہیں کہ عام خیال اس کا عادی بنایا گیا تھا کہ جو بادشاہ ہے وہی دینی حاکم بھی ہے ہم دینی حاکم کا نہ ہونا اس خیال سے کہہ رہے ہیں، کہ واقعی نہ تھا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ اس کا اثر چند خاص لوگوں کے خیال اور اعتقاد تک محدود تھا۔ عامہ ناس شیریں تجاہل میں تھے اس کے مزاج پرسی کی بھی تکلیف اس وقت تک گوارا نہیں کی جاتی تھی جب تک کسی خاص امر میں صلاح لینے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ عامۃ الناس جس راستے پر لگائے گئے تھے، ان کے لئے کسی ایسے شخص کا ہونا یا نہ ہونا برابر تھا۔ راستے پر لگانے والوں نے یہ اقرار صرف اپنے لئے کر رکھا تھا کہ وہ بعض مواقع پر

افضلیت کا اقرار کر دیں۔ عام لوگوں اور حضرت علی علیہ السلام کے تعلقات کی مناسبت ایسی تھی جیسے کمزور عقیدے کے انسان کے لئے خدا کی ہستی، کیونکہ بجائے ایسے نظری خدا کے اگر وہ سونے کا پہاڑ ہوتا، تو وہ اپنے زعم میں اسے زیادہ کار آمد سمجھتے۔

پہلا موقع

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد یہ پہلا موقع تھا۔ جس میں مدبرین پولیٹیکل اسٹیج پر نظروں میں ٹہلتے نہیں دکھائی دیتے۔ وجہ کیا تھی؟ عثمان کا عامۃ الناس کی رائے سے معزول اور قتل ہونا گزشتہ مصالح کی شکست تھی۔ اس عام جوش نے ہمت نہ دلائی۔ کہ وہ کسی کارگذاری کے لئے سامنے آتے اور اپنے کو خطرے میں گرفتار کر دیتے۔ یہ نیا موقع تھا کہ خلق بلا کسی کی سفارش اور رہنمائی کے اپنا امام اور پیشوا تلاش کرنے نکلی تھی۔ لوگوں کی اس آزادانہ روش کو دوسرے راستے پر لگا دینا اس وقت بڑے جری کا کام ہوتا، کسی نے ہمت نہ کی اور تلاش کرنے کی فکر کرنے والوں کا خیال فطری راہ پر بہتا رہا۔

خیال کی فطری روش نے کسے امام بنایا

یہ کہنا دلچسپ ہوگا کہ اس روش نے کسے پسند کیا اور اگر گزشتہ زمانے میں بھی لوگوں کو اس کا موقع دیا جاتا اور ان کی آزادی انتخاب روک نہ دی جاتی یا منصفانہ اور باقاعدہ انتخاب ہوتا تو لوگ کیا کرتے۔

بہر حال وہی گھر جو آج سے چوبیس برس پیشتر گھیرا گیا تھا، پھر سے محصور کر لیا گیا۔ اس وقت اور آج کے محاصرے میں بہت فرق تھا محاصرے کا سامان الگ تھا، خیال دوسرا تھا، لوگ دوسرے تھے، ارادے دوسرے تھے۔ اس وقت صاحب خانہ کو انتشار تھا، اسے انتشار دلایا گیا تھا۔ اس روز اسے گھر سے نکالنے اور محکوم بنانے آئے تھے

مؤثر موقع

آج گھر کی عزت کرتے اور اسے حاکم بنانے آئے ہیں، آج ان کی التجائیں، ان کے مطیعانہ انداز، ان کی صورتیں، ان کی ہم آہنگی دیکھ کر انسان کا دل بھر آسکتا تھا۔ اگرچہ حضرت علی علیہ السلام کا دوست موجودہ حالت دیکھ کر بے چینی سے اس قدر نہ روتا، خوشی گزشتہ غم کو بھلا دیتی۔

ناظرین! جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ کا خلیفہ نہ ہونا تعجب خیز امر تھا ویسا تین خلافتوں کے بعد لوگوں کا انہیں یاد کرنا اور اس طرح اپنا خلیفہ قبول کرنا جسے ہم آگے کی سطروں میں لکھیں گے اس سے زیادہ تعجب خیز ہے۔

گزشتہ خلفاء اور علیؑ میں فرق

گزشتہ زمانے میں لوگ خلافت کے پاس گئے تھے۔ اس وقت خلافت حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئی ہے۔ خلفاء اپنی خلافت لوگوں کے پاس قبول کرانے لے گئے تھے۔ اس وقت خود سے خلافت حضرت علیؑ کے پاس لے گئے ہیں کہ ہمیں اپنا محکوم سمجھئے۔ زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے

کے لئے بڑے مدبر کے عقل کی ضرورت نہیں ہے، انصاف کی قربت اور تعصب سے دوری سمجھا دینے کے لئے کافی ہے۔

یہ مجمع خلافت قبول کرنے کے لئے حضرت علی علیہ السّلام سے اصرار کر رہا ہے:۔

اس اصرار پر بھی علیؑ بیعت نہیں لیتے بلکہ صبر اور توقف کے لئے فرماتے ہیں۔ بقول مؤلف تاریخ الاسلام " پانچ روز تک کسی سے ملاقات نہ کی اور ساتویں دن بیعت کے لئے طلحہ و زبیر الخ۔"

اسلام کے انجام کے خیال سے خلافت قبول کی

علی ؑ نے بیعت سے انکار کیا، جب لوگوں نے اسلام کے انجام سے ڈرایا۔ تب حضرت علی نے مجبور ہو کر اگلے دن کا وعدہ کیا۔" (ابن خلدون)

" علی علیحدہ مے داشت از زیرا کہ اختلاف مشاہدہ مے فرمود " (روضۃ الاحباب)

اس حالت میں چند خاص مسلمان حضرت علی علیہ السلام کے پاس گئے اور منصب خلافت کے قبول کرنے کی التجا کی حضرت علیؑ نے پس و پیش کے بعد قبول کیا لیکن کہا اگر یہ (حوالگی خلافت) جامع مسجد میں نہ ہو گی تو منصب خلافت کی منظوری انکار سمجھی جائے گی۔ کیونکہ کسی رقیب امیدوار کا خیال ہو سکتا تھا (سکیسرس آف محمدؐ)

" خلیفہ ثالث کی عبرت انگیز وفات کے بعد اعلم الناس بعد رسولؐ باجماع امت منصب خلافت پر مامور ہوئے" (تنقید الکلام)

سید امیر علی صاحب اپنی تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں:۔

" ان کی وفات کے بعد حضرت علیؑ بغیر کسی مخالفت کے خلیفہ بنائے گئے۔ پہلے تین خلفاء کے عہد میں وہ کونسل کے اعلیٰ رکن تھے اور اپنے قیمتی صلاح و مشورہ سے مدد دیتے رہے۔ بہت سے مہتم بالشان کام جو حضرت عمر کے عہد میں ہوئے انہی کی ذہانت طبع کا نتیجہ تھے۔"

علی واشنگٹن ارونگ کے نزدیک

قریش کے خاندان میں یہ (علیؑ) سب سے شریف قبیلہ کے تھے ان میں تین صفتیں تھیں، جسے عرب بہت پسند کرتے تھے۔ یعنی جرأت، فصاحت اور سخاوت، ان کے بے خوف ولولے نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے "شیر خدا" کا خطاب دلوایا۔ عربوں میں ان کی فصاحت کی مثالیں اور اشعار اب تک باقی ہیں۔ سخاوت اس سے ظاہر ہے کہ بیت المال ہر جمعہ کو تقسیم کر دیتے تھے ان کی علو ہمتی کی ہم نے اکثر مثالیں دیں وہ ہر چھوٹی بات سے شریفانہ نفرت کرتے تھے اور ان کی عادت میں خود غرضانہ چالوں کا نام نہ تھا (سکیسرس آف محمدؐ)

" تیسرے خلیفہ کی رحلت تک جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے چوبیس برس بعد ہوئی۔ حضرت علیؑ خلیفہ نہیں ہوئے اور اب عام خواہش سے شاہی اور امامت کا عہدہ حوالہ کیا گیا۔ ابن ابی طالب کو دنیا کی شان و شوکت اور خود بینی سے نفرت تھی۔

علیؑ کس طرح جامع مسجد کی طرف چلے

نماز کے وقت وہ مسجد کی طرف چلے۔ ایک باریک عبا اس وقت کاندھے پر تھی۔ سر پر معمولی عمامہ پہنے تھے۔ ایک ہاتھ میں نعلین اور دوسرے میں بجائے عصا کے کمان تھی۔ صحابہ اور قبائل کے سرداروں نے اس نئے حاکم کا خیر مقدم کیا اور بیعت کے لئے داہنے ہاتھ بڑھائے"۔ (ڈکلائن اینڈ فال آف رومن امپائر)

علیؑ عقل اور علم میں ممتاز تھے

حضرت علی علیہ السّلام کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ شریف، بہادر اور عالی حوصلہ تھے اور اوّل الایمان میں سب سے لائق تھے اور آخری آدمی تھے جنہیں رسول اللہؐ کی رفاقت کی وجہ سے جوش تھا انہوں نے آخر زمانہ تک رسولؐ کی سادگی کی تقلید کی وہ عقل اور علم میں ممتاز تھے۔ اب تک ان کے نام سے مثلیں اور اشعار رائج ہیں۔ علی الخصوص وہ عبارت جس کا ولیم پول نے ترجمہ کیا اور ۱۸۴۳ء میں اڈنبرا سے شائع ہوا (انسائیکلوپیڈیا)

"یہ نامور خلیفہ بلحاظ اپنی ہمت و جرأت، طبیعت، خصلت، پاک دامنی، عفت، فہم و فراست کے نہایت عظیم المرتبت لوگوں میں تھا جو امت اسلام میں کبھی پیدا ہوا۔" (ہسٹری آف سار اسین از اعجاز التنزیل)

علیؑ اپنے اختیارات طے کر لیتے ہیں

"میرا کل اختیار ہوگا، جو چاہوں گا، کروں گا۔ اگر تم نے اطاعت کی تو مجھے اختیار ہوگا جو چاہوں کروں"۔ (ابو الفدا)

حضرت علیؑ کا اس طرح خلیفہ ہونا مسئلہ اجماع کے معتقدین کے لئے خاصی دلچسپی رکھتا ہے۔ حضرت علی علیہ السّلام کے انتخاب کو مقابلہ کرنے سے کوئی شخص اس خیال سے باز نہیں رکھ سکتا کہ گزشتہ تینوں خلافتوں کا اصول انتخاب نا شائستہ بہت کا بہترین نمونہ تھا اگر کبھی اب تک مسئلہ اجماع اپنی خیالی صورت سے عملی حیثیت میں آیا تو وہ حضرت علیؑ کے انتخاب کے وقت۔

علیؑ اور گزشتہ خلفا کی بیعت اور خلافت کا فرق

حضرت علی علیہ السّلام نے خلیفہ بن جانے کے لئے وقت کو غنیمت نہیں سمجھا۔ حضرت علی علیہ السلام کا کوئی ہم خیال دوست عالی ہمتا کا مرتکب نہیں ہوا۔ جس سے انہیں خلافت ملی۔ حضرت علی علیہ السّلام نے "سب قبول" ہی نہیں کہہ دیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے کسی گوشہ میں بیٹھ کر اقرار نہیں کر لیا بلکہ مسجد جامع کو نفاذ امر بیعت اور عام اظہار خواہش کی جگہ قرار دیا۔ حضرت علی علیہ السّلام نے لوگوں کی شرائط نہیں قبول کیں۔ بلکہ یہ لوگ ان کی شرائط قبول کرنے کے لئے مجبور ہوئے۔

اس توقف اور عام جگہ کو بیعت کے لئے قرار دینا بجز اس کے کوئی معنی نہیں رکھتا کہ کوئی جلدی خلیفہ بن جانے اور تمام کارروائیوں سے بے خبر ہونے کی شکایت نہ کرے اس سے یہ غرض تھی کہ اتنے دنوں میں ہر شخص کا خیال ظاہر ہو جائے عام خیال کا استقلال یا جوش سمجھ میں آ جائے۔

علیؑ کے انتخاب میں شاذ مخالفت بھی نہ ہوئی

یہ بھی خصوصیت سے دیکھنے کی بات ہے کہ گزشتہ تین خلافتوں کا انتخاب ایسا نہ تھا جو بلا اعتراض کے گزرا ہو اگرچہ وہ شاذ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ انتخاب پر جو طول میں سات روز تھا، کوئی اعتراض نہ ہوا۔ ہم جانتے ہیں کہ کچھ روز بعد مخالفتیں ہوئیں۔ لیکن وہ بیان کی جائیں گی کہ کن وجوہات سے ہوئیں اور ان سے علیؑ کی خلافت یا انتخاب کے جواز یا عدم جواز سے کیا تعلق ہے۔

یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ جس وقت ایک حکم مسلط کر دیا گیا تھا اس وقت اتباع سنت شیخین کی منظوری سے خلافت نہ دی گئی لیکن جب یہ معاملہ عامۃ الناس کے سپرد ہوا تو انہوں نے یہ شرط نہ لگائی اور نہ حضرت علی علیہ السلام کے اس قول سے کہ "جو چاہوں گا کروں گا"، کوئی مخالفت ہوئی اس کے کونسے دوسرے معنی ہو سکتے تھے۔ بجز اس کے کہ جھ سے اتباع سنت شیخین کی امید نہ رکھنا اور کیسے کوئی حضرت علی علیہ السلام پر اس شرط کے قبول کرنے کے لئے اصرار کرتا جب گزشتہ زمانے میں حضرت علی علیہ السلام کی مفید ملکی صلاحیں دیکھی جا چکی تھیں اور یہ یقین تھا کہ حضرت علی علیہ السلام ان کی اصلاح کے محتاج نہ تھے۔ یعنی مصالح ملک وملت اور احکام دین میں سے کوئی ایسی بات نہ تھی۔ جس میں حضرت علی علیہ السلام کو گزشتہ خلفاء سے کچھ سیکھنا اور ان کے دستور العمل پر چلنا ضروری ہوتا۔

بقائے صفات کا معجزہ

چوبیس برس کا زمانہ تھوڑا نہیں ہوتا ایک پشت پوری تیار اور دوسری تیار کرنے کے قابل ہوتی۔ یہ اس طرح گزری تھی کہ اس میں یا تو حضرت علی علیہ السلام پر بیعت کا تشدد دیکھا گیا تھا یا محاصرہ تھا یا کبھی کبھی دربار میں صلاح کے لئے دکھائی دیتے تھے یا گوشہ نشین تھے۔ یہ حالت ایسی مفید نہ تھی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی موافق جماعت تیار کرتی بلکہ اس کے خلاف ناموافق جماعت کے تیار ہونے کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اتنے زمانے کے نوجوان حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے تھے ان پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔

صرف اسی صورت کا دیکھنے والا پورا ناامید ہو سکتا ہے اور اس طرف توجہ نہیں کر سکتا کہ پھر حضرت علی علیہ السلام کے ویسے تعجب خیز دوست کیسے نکل آئے جن کا ذکر آئے گا۔ بیشک حضرت علی علیہ السلام کے دشمن بہت سے تھے۔ بیشک زمانے نے ان کے بہت سے ناواقف دشمن بھی بنا دیئے تھے۔ لیکن صرف ایک یہی عمل نہ تھا جو جاری تھا بلکہ اس کی ضد میں ایک دوسری نمود بھی توجہ کے قابل ہے جس کا نہ ہونا حضرت علی علیہ السلام کی خوبیوں کی قوت بہت کچھ گھٹا دیتا۔

میرا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ زمانہ اور ان وجوہات نے جو بیان ہوتے چلے آئے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام کے بہت سے دشمن بنا دیئے تھے لیکن ایسا نہ تھا کہ ان کے دوست اور ان کی خوبیوں کے معترف نہ ہوں۔ حضرت علیؑ کے نام اور

ذات نے جن مشکل وقتوں میں بسر کی اس کے بعد بھی ان کا اسی مرتبہ پر سمجھنا دشوار تھا۔ اگر ان کی خوبیوں میں قوی جان نہ ہوتی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دنیا کی تاریخ میں شاید اپنے دوستوں پر حضرت علی علیہ السلام کو سب سے زیادہ ناز ہو سکتا تھا

علیؑ کے دوست

جیسا خلوص، جیسی محبت اور جیسی وفاداری ان لوگوں نے ظاہر کی۔ یقیناً وہ تعجب خیز تھی درآنحالیکہ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں کبھی دنیاوی مہربانیوں کی امید نہ دلائی تھی اور نہ ایسے سامان مہیا کئے تھے اور جیسا خود ان دوستوں نے محبت کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام کے ذریعہ سے حصول امارت کی تمنا نہ ظاہر کی تھی۔ اتنی مدت کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا خلیفۂ رسولؐ دنیاوی حیثیت سے بھی ہونا بجز ان کی دل نشین خوبیوں اور افضلیت کے کوئی دوسرا خیال نہیں دلا سکتا۔ یہی وہ تھے جن کی نص خلافت پر دل گواہی دے رہے تھے، اثر ہوا جب کہ انہوں نے پردے اور رکاوٹوں کو دور کر کے دیکھا۔

علیؑ کے لفظوں میں بیعت کے وقت کی حالت اور صورت معاملہ

اب میں اس بے نظیر خطیب کے الفاظ میں بیعت کے وقت کے خیالات پیش کرتا ہوں:۔

"تم مجھے چھوڑ دو اور میرے غیر کو تلاش کرو۔ کیونکہ ہم ایک ایسے امر کی طرف رخ کر رہے ہیں جس کے مختلف رخ ہیں مختلف رنگ ہیں۔ حالانکہ دل اس کے لئے قائم نہیں ہوئے اور عقلیں اور رائیں اس پر ثابت و قائم نہیں ہوئیں۔ تحقیق کہ ابر جہالت آفاق پر چھایا ہوا ہے اور شاہراہیں متروک اور ناپید ہو گئیں۔ خوب جان لو اگر میں تمہاری التماس کو قبول کر لوں اور تم سے بیعت لے لوں تو تمہیں احکام خداوندی کا پابند بناؤں گا۔ جنہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس وقت میں کسی کہنے والے کے قول کی پرواہ نہ کروں گا۔ نہ لَوْمَۃَ لائمٍ اور نہ کسی عتاب کرنے والے کے عتاب کا مجھے خوف ہو گا اور اگر تم مجھے ترک کر دو گے تو اس وقت میں تمہیں میں سے ایک فرد ہوں اور امید ہے کہ میں تم سے زیادہ سننے والا اور مطیع بن جاؤں۔ اس شخص کے لئے جسے تم اپنے امر کا والی قرار دو۔ اور میں تمہارے لئے بحیثیت ایک وزیر کے اس سے بہتر ہوں کہ تمہارا امیر بنوں۔ تم مجھے خلیفہ بالوحی اور بالنص اور وزیر از جانب خدا تسلیم کرو۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنی بیعت کے سبب سے خلیفہ مانو۔ تم نے جناب رسولؐ خدا سے بار بار سنا ہو گا۔ علیؑ بمنزلہ ہارونؑ من موسیٰؑ اور ہارونؑ کی منزلت کو خود قرآن مجید نے واضح کر دیا ہے۔ "وجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی"۔ حضرت موسےؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کے وزارت کی درخواست کی ہے"۔.......

تم نے بے سمجھے بوجھے میری بیعت نہیں کی۔ میرا اور تمہارا معاملہ واحد نہیں ہے کیونکہ میں تو محض خدا کے لئے

تمہاری اعانت کا ارادہ کرتا ہوں اور تم اپنے نفسوں کے منافع کے واسطے میری مدد کا ارادہ کرتے ہوئے تم نے میری طرف رخ کیا جیسے آہوان و شتران بچہ دار اپنے بچوں کی طرف رخ کرتے ہیں اور کہنے لگے ہم بیعت کے لئے حاضر ہیں۔ میں نے اپنے ہاتھ کو کھینچ لیا۔ مگر تم نے انہیں بیعت کے لئے پھیلا دیا۔ میں نے تمہاری بیعت سے دستکشی کی مگر تم نے بسرعت میرے ہاتھ کو کھینچ لیا،، بقیہ خطبہ شقشقیہ اس بیعت کے متعلق "لوگ میری طرف بجوؤں کی طرح یکے بعد دیگرے چلے آتے تھے اور چاروں طرف سے مجھے بیعت کے لئے گھیر لیا تھا۔ یہاں تک کہ حسنین ؑ اس کش مکش اور اژدھام میں پامال ہو گئے۔

آگاہ رہو! قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو شگافتہ کیا۔ انسان کو نیستی سے میدان ہستی میں کھڑا کر دیا اگر حاضرین کی کثرت نہ ہوتی۔ ناصرین کا ہجوم قیام حجت کے لئے نہ ہوتا اور مجھے اس عہد و میثاق کا بھی خیال نہ ہوتا جو پروردگار عالم نے علما سے لے لیا ہے کہ ظالم کو مسکینوں اور غریبوں کے مال کھانے کی اجازت نہ دی جائے اور مظلوم ظالم کے ظلم سے بیگانہ رہے تو بیشک میں خلافت کی مہار کو اس کے اونٹ کے کوہان پر ڈال دیتا۔ یہ دنیا جو تمہیں اس قدر مرغوب ہے جس پر تم یوں جان دیتے ہو۔ واللہ یہ میرے نزدیک بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہے،،

"تم میرے گرد ہو کر اس طرح ایک دوسرے کے مزاحم ہونے لگے، جیسے کہ پیاسے اونٹ اپنی آب گاہوں پر وارد ہونے کو ایک دوسرے کی مزاحمت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ میری نعلین کے تسمے ٹوٹ گئے۔ ردا میرے کاندھوں سے گر پڑی۔ ضعیف آدمی اس ہلچل میں پس گیا۔ لوگوں کی خوشی کی اس بیعت میں یہ حالت پہنچا کہ چھوٹے تو خوش وقت ہوئے۔ کبیر السن بیچارے بیعت کے لئے آتے آتے راہ میں گر پڑے۔ بیماروں نے اس بیعت کے مقام تک پہنچ کر رنج اٹھایا۔ اس بیعت کے لئے لڑکیوں نے اپنے گھونگھٹ الٹ دئیے۔

گذشتہ تقریروں کے بعض واقعات

گذشتہ سطروں کی تاویل زیادہ وقت لے گی۔ اس لئے بالفعل میں اسے ناظر کی فہم پر چھوڑتا ہوں کہ کن واضح، متین اور عمدہ لفظوں میں بیعت کی حالت کو بتایا ہے۔ کہا ہے کہ شاہراہیں ناپید اور متروک ہو گئی ہیں۔ اعلان کیا ہے کہ میں احکام خداوندی پر چلاؤں گا۔ اگرچہ لوگوں نے بالاختیار خلیفہ قبول کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے چاہا ہے کہ تم مجھے خلیفہ بالنص سمجھو۔ لوگوں کے بیعت کرنے اور اپنی بیعت لینے کے اغراض بتائے ہیں اور نہایت بلند غرض کی گرانی ظاہر کی ہے جس سے خلافت کو قبول کیا۔ حضرت علی علیہ السلام کا یہ کہنا کہ ہم ایسے امر کی طرف رُخ کر رہے ہیں جس کے مختلف رخ ہیں، مختلف رنگ ہیں،، نہایت بلیغ ہے۔ انہوں نے اس میں خلافت کی تعریف اور اس کی مشکلات کو ظاہر کیا ہے۔ گزشتہ تاریخ بیان کی ہے اس اثر کو واضح کیا ہے جو لوگوں پر پڑا اور

باب چہارم

علیؑ اور عائشہ

باب چہارم

حضرت علی علیہ السلام اور عائشہ

حضرت علی علیہ السلام خلیفہ ہو گئے۔ اس جوش اور اس شوق کے عالم میں لوگوں نے خلیفہ مانا جو غالباً تاریخ عالم میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے جو پردہ پڑ گیا تھا اٹھ گیا۔ اس کا نتیجہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت تھی۔ مخالف قوتوں کے سکون نے حضرت علی علیہ السلام کی ذات وصفات کو پیش نظر کر دیا۔ سکون کے معنی فنا نہیں ہیں اور نہ نمود کے معنی بقا اور مستقل قیام۔ مخالف قوتوں کا سکون پھر حرکت سے بدل سکتا تھا اور مخالف طاقتوں کے نمود کا پھر ٹھٹھر نا ممکن تھا اور اسی طرح اس کی ضد میں بھی ممکن تھا۔ یعنی سکون بڑھتا جاتا اور اس کی مخالف قوتوں کی حرکت رکی ہوئی رہتی اور اس کے مقابلے میں نمو کو ترقی ہوتی جاتی۔ لیکن اس کے لئے وقت ملنا چاہیے تھا۔ پھنکیوں سے مینڈا آجانا اور چونک اٹھنا دونوں ممکن ہیں۔ جیسے اسباب ہوں۔ بعض اوقات سمندر کا سنجیدہ سناٹا ایک بڑے طوفان کی پیش گوئی کرتا ہے۔ جہازران اس وقت حفاظت کر سکتا ہے جب اس کے پاس مناسب سامان ہوں اور اکثر دفعتاً گھر جانے سے حفاظت کی کل کوششیں بیکار ہوتی ہیں یا باوجود تیاری کے جہازران کے سامان ایسے مضبوط نہیں ہوتے کہ وہ سخت طوفان کا مقابلہ کر سکیں اگرچہ اس نے ویسی ہی قابلیتیں صرف کر دی ہوں جس قدر کوئی دوسرا اس کا ہمسر کر سکتا۔

حضرت علی علیہ السلام کا گھر بالو پر بنا ہوا تھا۔ جس کی بنیاد مضبوط نہ تھی۔ وہ ایک ایسے جہاز پر بے سرو سامانی سے کپتان بنا کر بٹھا دیئے گئے تھے جس کے گرد طوفان کا شور تھا۔ سناٹا اور زور سے گرجنے کے لئے ہوا تھا۔ سکون دم لینے اور قوت سے حرکت کرنے کے لئے ہوا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے مؤقف کا اندازہ کرتے ہیں خطرے کا احساس ہوتا ہے۔

پناہ کے لئے سامان ہر سفر اٹھاتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ دوستوں سے دشمنوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ جانتے ہیں کہ دوست اس قدر جلد نہیں بنتے۔ جس قدر دشمن آسانی سے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم دوست بنانے کے لئے خلاف حق اور خلاف نفس ذرائع استعمال نہیں کر سکتے، خلافت ملے یا نہ ملے۔ اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا کہ حضرت امیر المومنین خلیفہ ہونا قبول نہ کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ سات روز تک حضرت امیر المومنین نے توقف کیا۔ وقت دے رہے تھے کہ سوچ سمجھ کر لوگ ان کی بھولی ہوئی عظمت یاد کر لیں۔ موقع دے رہے تھے کہ وہ بے موقع سوچے سمجھے خلیفہ بنانے کا عذر اور اس وجہ سے اطاعت نہ کرنے کا حیلہ نہ کر سکیں۔ لوگوں کے اصرار نے دوسرا فرض یاد دلایا۔ اگرچہ جس جہاز کے کپتان بنائے گئے تھے طوفان سے اس کے غرق ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ سامان نہ تھے، جس سے بچانے کی کوشش کرتے۔ مگر سوال یہ تھا کہ مدد کرنے کے لئے پکارنے والوں کو غرق ہو جانے دیتے اور مخدوش ذمہ داری کا خیال کر کے الگ رہتے؛ یا باوجود ناامیدی کے پکارنے والوں کی فریاد کا مستعدی سے جواب دیتے اور انہیں بچا لینے کی تسکین دیتے؟ انسانیت، ہمت اور علم اس کا مقتضی نہ تھا کہ وہ ایسی اصلاح اور کوشش کے لئے اقرار نہ کرتے۔ اس وقت کی ناکامی ان کی ناکامی نہ تھی۔ کیونکہ یہ تو پہلے سے ظاہر تھی۔ بلکہ ناکامی کو کامیابی سے بدل دینے کے لئے آمادہ ہونا بڑی جرأت تھی۔ اس حالت کے سمجھنے کے لئے ہم تصانیف احمدیہ سے عبارت نقل کرتے ہیں جسے ہم نے سیرۃ الفاروق سے نوٹ کیا ہے "حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام تک جب خلافت پہنچی تو ایسی ابتر د خراب ہو گئی تھی، جس کا درست ہونا اگر ناممکن نہ تھا تو قریب قریب ناممکن تھا۔"

مفید تنقیح یہ دیکھنا نہایت دلچسپ ہوگا کہ اس ظاہر حالت میں کہاں تک حضرت علی علیہ السّلام فی نفسہ کامیاب یا ناکام ہوئے اور جو کچھ انہوں نے کیا اور جو کچھ کرنے کا حکم دیا۔ اس لحاظ سے وہ کامیاب ہوئے یا ناکام۔ اور اس کی روشنی میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کے احکام سے خلاف ورزی کی بدولت جو کچھ ہوا، زمانہ اس کا الزام انصاف کس پر لگا سکتا ہے۔ اب اس کے بعد کا زمانہ حضرت علی علیہ السّلام کی چمکتی ہوئی پر قوت قابلیت اور ذات اور دوسری طرف حبیب اور قوت دار منحا الفتول کا آئینہ ہوگا۔ بقول السید امیر علی صاحب "یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ سب حضرت علی علیہ السلام کی متقیانہ اور عظیم المرتبت شان کے آگے سر جھکائیں گے لیکن یہ ہونے والا نہ تھا۔"

"حضرت علی علیہ السّلام ایک روز چلے آ رہے تھے کہ انہیں ایک مکان سے دف کی آواز سنائی دی اور جب قریب پہنچے تو سنا کہ زینب بنت ابوسفیان ان کی شان میں اشعار مذمت آمیز گا رہی ہے" (اعثم کوفی)

فضل ابن عباس کے نزدیک علیؑ رسولؐ کے بعد اولی الامر

ولید بن عقبہ نے جولانی طبیعت میں آکر آل ہاشم کی شان میں اشعار مذمت کہے فضل ابن

عباس نے اس کا یہ جواب دیا :-

وکان ولی الامر بعد محمد علی وفی کل المومن وصی رسول اللہ حقا وصھرہ
واول من صلّی دما ذم جانبہ :-

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت علی علیہ السّلام ہی اولی الامر تھے۔ وہی ہر مرحلے میں آنحضرت کے ساتھ رہے۔ وہی رسُول اللہ کے وصی برحق اور ان کے داماد، وہی پہلے نمازی اور وہی ہیں جن کا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا۔

بیت المال اور خلیفہ ثالث کا اسباب

بیعت کے دوسرے روز حضرت علی علیہ السّلام نے بیت المال تقسیم کر دیا۔ صدقے کے اونٹ جو خانہ حضرت عثمان میں تھے انہیں ضبط کر لیا اور حضرت عثمان کا مال ان کے ورثا پر تقسیم کر دیا" (روضتہ الاحباب)

"بنی امیّہ کچھ حضرت عائشہؓ اور معاویہ کے پاس چلے گئے اور کچھ مخفی ہو گئے" (روضتہ الاحباب)

عائشہ کی مفید حالت جو آئندہ پر اثر ڈالے گی

حضرت عائشہ حج سے واپس آرہی تھیں کہ انہیں قتل عثمان کی خبر ملی انہوں نے نہایت اشتیاق سے پوچھا کہ اب کون خلیفہ ہوا؟ تو کہا گیا علیؑ! یہ سن کر نہایت ناخوش ہوئیں۔ عبداللہ ابن سلمہ نے جب ان کی ناخوشی دیکھی تو پوچھا۔

"کیا تم عثمان کی مذمت اور علیؑ کی تعریف نہیں کرتی تھیں؟"

"ہاں، لیکن آخر وقت اس نے توبہ کی تھی اب اس کا قصاص چاہتی ہوں" (ائتم کوفی)

"ابوالفدا کے مطابق محاصرہ تک حضرت عائشہؓ کو حضرت عثمان سے نفرت تھی۔"

جونہی حضرت عائشہ نے حضرت عثمان کے قتل کا حال سنا۔ انہوں نے۔۔۔۔۔۔۔ بھیس اختیار کر کے اس شخص کی موت پر رونا شروع کیا۔ جس کی خفیہ دشمن تھیں اور بنوامیّہ سے مل کر انتقام کا قصد کیا۔"

مخالفت میں مدد کا اعلان

حضرت عائشہ نے اعلان کرایا کہ "جو شخص اسلام کی ہمدردی کرتا اور خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتا ہو اور اس کے پاس سواری نہ ہو، وہ آئے اسے سواری دی جائے گی" (ابن خلدون)

خواہش انتقام پر علیؑ کا جواب

"اگر تم مجھے قاتلان عثمان کو بتا دو تو میں ان کے جرم کے موافق ان کی سزا دینے سے باز نہ رہوں گا" (دسکیسس آف محمدؐ)

خود نائلہ قاتلوں سے ناواقف تھیں

"نائلہ سے قاتلان عثمان کا نام پوچھا اس نے دو نامعلوم الاسم اشخاص کا نام بتایا محمد ابن ابی بکر قتل کے پہلے مکان سے باہر ہو چکے تھے" (تاریخ الاسلام)

"علی رضی اللہ عنہ چناں مے کرد کہ جنگ باشد تا کارش نظام گیرد۔ آنگاہ او خون عثمان رضی اللہ عنہ بجوید" (ترجمہ تاریخ)

نائلہ نے قاتلانِ عثمان میں سے محمد ابن ابی بکر اور ان کے علاوہ دو شخصوں کا نام بتایا۔ محمد ابن ابی بکر نے کہا کہ عثمان نے ہمارے باپ کا واسطہ دلایا اور ہمیں شرم آئی " نائلہ نے تصدیق کی" (روضۃ الاحباب)

"عائشہ .... جو علیؑ کی پرانی اور ہمیشہ دشمن تھیں۔ عداوت میں اس قدر بڑھ گئیں کہ ان کو معزول کرنے کے لئے ایک فوج جمع کر لی" (بریف سروے آف ہسٹری)

متذکرہ صدر اسناد یہ سمجھانے کے لئے کافی ہوں گی کہ بنی امیہ کا گروہ مخالفت کا وقت تلاش کر رہا تھا اور خصوصیت کے ساتھ یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ اب تک کسی نے حضرت علیؑ کو قتل حضرت عثمان کا الزام نہیں دیا اور نہ ورثاء مقتول میں سے کوئی شخص شہادت دے سکا۔ اگرچہ حضرت علی علیہ السلام اس پر آمادہ تھے کہ وہ مناسب فیصلہ کریں۔ خود بنت الفرافصہ زوجہ حضرت عثمان قاتل کا پتہ نہ دے سکیں اگرچہ وہ موقع قتل پر موجود تھیں۔

مخالفت کے لئے مزید سامان معویہ کے پاس

لیکن کیا یہ کہ حضرت عثمان کی کٹی ہوئی انگلیاں اور خون آلود کرتا معویہ کے پاس شام بھیج دیا۔ اسی معویہ کے پاس جو اس فکر میں تھا کہ حضرت عثمان کے بعد کون خلیفہ ہوگا اور جس نے حضرت عثمان کے استغاثے پر کوئی امدادی توجہ نہ کی۔ یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ اب تک حضرت عثمان کا خون آلود پیراہن کسی کام میں نہیں لایا گیا ہے۔

علیؑ کو ایک دوسری سخت وقت تھی، گرد و پیش کے مخالف عنصر کے علاوہ تمام صوبجات کے عامل حضرت علیؑ کی عداوت میں پھٹے ہوئے لوگ تھے۔ یعنی اب تک حضرت علیؑ بجز مدینہ کے اور عملاً کہیں کے حاکم نہ تھے بلکہ عثمان اپنے قتل کے بعد بھی اپنے مشہور عاملوں کے ہاتھوں حکومت کر رہے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جن کی عثمان سے شکایت کی گئی تھی۔ ان پر حضرت علی علیہ السلام کو اعتبار نہ ہو سکتا تھا اور نہ حضرت علی علیہ السلام کے اس طرز عمل سے جسے روضۃ الاحباب نے نقل کیا ہے کہ:-

"از حد شرع تجاوز نکنم۔ میل و محابا از من واقع نہ شود۔ .... یکدرم از بیت المال برائے خود تصرف نکنم و میان شما ترجیح نہ نہم"

عاملوں کی حالت

اُن عاملوں کو حکومت کا مزہ مل سکتا تھا؛ رعایت کا نہ ہونا اور مساوات کا برتاؤ ہونا ان کے لئے خوش آئند نہ تھا۔ لبوں پر بیت المال کی روغنی تہ جمی ہوئی تھی۔ معدے ہضم کرنے کی پوری قابلیت پیدا کر چکے تھے۔ خود مختارانہ حکومت کے خوگر ہو گئے تھے انہیں یہ خیال ہی نہ تھا کہ ہمیں کسی حاکم بالادست کو اپنے عمل کا جواب بھی دینا چاہئے ان لوگوں میں سے اکثر وہ تھے۔ جن کے آبا و اجداد کو اسلام اور کفر کی لڑائی میں حضرت علیؑ

نے قتل کیا تھا یا ان پر حد شرع جاری کی تھی یا ان کے طرز حکومت اور بے محابا کارروائیوں سے خوش نہ تھے۔ یہ لوگ حضرت علیؑ کو جانتے تھے اس کا بھی یقین تھا کہ حضرت علیؑ کے ہوتے ہم نہیں رہ سکتے اور وہ کچھ نہیں کر سکتے جو کیا۔ اب ان باتوں کے خیال کے بعد حضرت علیؑ کو خلیفہ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اتر آنا تعجب کی بات نہ تھی اور اس کے بعد وہ گوشہ تلاش کرنا جہاں یہ پناہ پاسکیں یا مخالفت کے لئے تیار ہوں کوئی نئی بات نہ تھی ان کے موافق سامان بہت دن سے تیار تھے۔ گوشہ مل گیا جس کا ذکر آنے والا ہے۔

طلحہ وزبیر کی خواہش

حضرت علیؑ کیا کہتے؟ طلحہ و زبیر بصرہ اور کوفہ کی حکومت کے خواہشمند ہیں لیکن حضرت علیؑ ان سے ظاہر کرتے ہیں کہ تمہارا میرے پاس رہنا مناسب ہے۔ حکومت نہ ملنے کے بعد دوسری شرط یہ لوگ مکہ جانے کی پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ روضتہ الصفا کے مطابق یہ لوگ حضرت عائشہ کی مخالفتوں سے واقف تھے بقول مسٹر واسنگٹن اردینگ :۔

" ایسی حالت میں کہ لب پر تقویٰ اور دل میں مکر تھا۔ یہ حضرت عائشہ سے جا ملے جو مخالفت کے لئے تیار تھیں" یہی مورخ کہتا ہے

بے عنوانیوں کی اصلاح

علیؑ اب خلیفہ ہو گئے لیکن وہ دیکھتے تھے کہ ان کی حکومت جمی نہیں ہے۔ گزشتہ خلیفہ کے زمانہ میں بہت سی بدعنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں جن میں اصلاح کی ضرورت تھی اور بہت سے صوبجات ان لوگوں کے ہاتھ میں تھے۔ جن کی وفاداری پر انہیں مطلق اعتماد نہ تھا۔ انہوں نے عام اصلاح کا ارادہ کیا۔ جس میں پہلی بات یہ تھی کہ گورنر ہٹائے جائیں۔ ان کے اس فعل سے موافقت نہ کی گئی کہ وہ لوگ اطاعت نہ چاہیں گے۔ لیکن حضرت علیؑ نے منظور نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ بغاوت آگ کی طرح شروع میں بجھائی جا سکتی ہے۔ جس قدر بھڑکتی جائے گی اس میں زیادتی ہوتی جائے گی۔ انہیں صلاح دی گئی کہ وہ معاویہ کو اپنی جگہ رہنے دیں۔ حضرت علیؑ نے ایسی صلاحوں پر توجہ نہ کی اور قسم کھائی کہ وہ ایسے خلاف راستی امور پر عمل نہ کریں گے۔"

قابل مؤلف تاریخ الاسلام کہتا ہے :۔

" حضرت علیؑ نے نہایت سیدھے طور پر جواب دیا کہ میں امت رسولؐ پر بُرے حکمرانوں کو نہیں دیکھ سکتا " اور نہ ایمان ویقین کے خلاف کسی حکمت عملی کو قائم رکھ سکتا ہوں "

جہاں تک ہمیں تاریخوں نے بتایا ہے۔ ہم کہیں بجز مغیرہ ابن شعبہ کے جس کی صلاح میں عبداللہ ابن عباس کی تائید کا پچر لگا یا ہے۔ عام لوگوں کو حضرت علیؑ کے اس فعل پر کہ انہوں نے عمال عثمان کو معزول کرنے کا ارادہ کیا۔ معترض نہیں دیکھتے بقول صاحب مناقب مرتضوی مغیرہ جو کچھ کہہ رہا تھا۔ معویہ کی صلاح سے کہہ رہا تھا۔ جب حضرت علیؑ نے اس کے جواب میں

کہا کہ میں کیسے گمراہوں کو مسلمانوں پر مسلط کر دوں تو یہ شام چلا گیا۔ حضرت علیؑ پر اس الزام کے موجد بھی یہی بزرگ ہیں کہ تم سپاہی ہو، مدبر نہیں ہو، جو مخالفین حقوق کے لئے ایک دلیل ہو گئی اور انہوں نے اسے اس قدر دہرایا جس سے بجائے ایک خاص شخص کی رائے سمجھنے کے ایک عام رائے سمجھنے کی غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ درانحالیکہ مغیرہ کا الزام اس وجہ سے تھا کہ حضرت علیؑ اس کی ایسی بدیہی غلط راہ پر لے جانے والی مصلحت کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ بہرحال اگر ہم کچھ اور لوگوں کو بھی مغیرہ ابن شعبہ کی صلاح میں شریک کر لیں تو ہمیں کوئی غیر معمولی فکر نہیں کرنی پڑتی اور اب ہم حضرت علیؑ کے اس فعل پر نظر ڈالتے ہیں

معزول کرنے کی مصلحت کے متعلق تنقیحات

آیا مصلحت اس کی مقتضی تھی کہ یہ عامل اپنی جگہ رکھے جاتے یا کچھ دن رکھے جانے کے بعد معزول کئے جاتے آیا حضرت علیؑ کو بحیثیت خلیفہ رسولؐ کے زیبا تھا کہ وہ انہیں اپنی جگہ رہنے دیتے؟ آیا حالات کا اخلاقی اندازہ تساہل کا مرتکب ہو سکتا تھا؟ آیا یہ ممکن تھا کہ حضرت علیؑ اور یہ لوگ ایک وقت میں خلیفہ اور عامل ہوتے؟ آیا حضرت علیؑ اپنی اس مصلحت بینی میں کامیاب ہوتے یا ناکام؟

پہلی تنقیح

اب ہم بلا اس پر غور کئے ہوئے کہ صلاح دینے والا کون شخص تھا اور اس کے حسن نیت پر اعتبار کرنے کی وجہ بھی یا نہ بھی، اقتضائے مصلحت پر غور کرتے ہیں۔ وہ عمال جن کو حضرت علیؑ نے معزول کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کے پیشتر صوبجات کے عامل تھے اور انہیں اپنے احاطہ حکومت پر اس سے زیادہ تسلط حاصل تھا۔ جس قدر حضرت علیؑ کو اپنی خلافت پر۔ اس لئے کہ وہ جن لوگوں پر حکومت کر رہے تھے، زمانہ نے انہیں گزشتہ طرز عمل کا خوگر بنا دیا تھا۔ عام اس سے کہ وہ شائستگی کے اعتبار سے قابل الزام ہو یا نہ ہو۔ حضرت علیؑ کے پاس اس وقت بجز خلیفہ کے خطاب کے کچھ نہ تھا اور تھا بھی تو اس قدر نہ تھا کہ وہ کل عاملوں کو جواب دے سکتے اور اپنے ذرائع ان کے دبا لینے کے لئے کافی سمجھتے۔ عاملوں کے دماغ میں انتقام تھا۔ مراسم کا خیال حضرت علیؑ سے بہت دور ہو گیا تھا۔ ملکی حیثیت سے حضرت علیؑ کا خلیفہ ہونا وہ اپنے لئے مفید نہ سمجھتے تھے۔ اخلاقی حیثیت سے وہ اپنے کو بھی جانتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام سے بھی واقف تھے۔

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں صرف ایک امر تھا اور وہ یہ ہے کہ وہ اس طرح ہم آہنگی سے خلیفہ بنائے گئے تھے۔ جس طرح کوئی نہیں بنایا گیا تھا، یعنی حضرت علیؑ خلیفہ تھے لوگوں نے اپنے ملکی، دینی اور کل تعلقات کا حضرت علیؑ کو ذمہ دار بنایا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے خیال کے لوگ اپنے کو قوی اور حضرت علیؑ کی اسباب کی کمی دیکھ کر اطاعت کے لئے آمادہ ہوتے یا مخالفت کے لئے؟ اور مضبوط ہوتے زمانہ انہیں سمجھاتا یا اور منحرف کرتا؟ ان اسباب میں وقت دینے سے حضرت علیؑ قوی ہوتے یا اور کمزور ہوتے جاتے؟

ایک قسم کی مخالفت نہ تھی جس سے اطمینان خیز اور تسکین دہ پہلو تساہلی کے موافق ہوتا۔ اب ہوتا یہ کہ فرصت دینے سے یا تو ہر عامل بجائے خود محافظت کے لئے آمادہ ہوتا۔ یا سب مل کر ایک عام وجہ سے جنگ کی تیاری کرتے۔ وہ لوگ صوبے کے مال، آدمیوں اور اپنے قیام سے فائدہ اٹھاتے ان کی پشت اس سے قوی رہتی کہ ہمارے اور بھائی دیگر صوبجات پر قابض ہیں۔ وہ حضرت علیؑ کے معزول کرنے میں ہمیں مدد دیں گے۔ درانحالیکہ ایک نئے نئے خلیفہ کو جس کا ایک زمانہ سے بجز تنہائی کے کوئی ساتھ دینے والا نہ تھا، ہر طرح کی مشکلات کا سامنا تھا۔ بیت المال میں صوبجات کی مخالفت سے ایک روپیہ نہ آتا؟ بغیر روپیہ کے انتظام نہ ہو سکتا۔ دار الخلافت کے لوگ سوکھنے لگتے اور آخر میں جائے پناہ بھی دور کے مخالفوں سے زیادہ مخدوش ہو جاتی۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ جب حضرت علیؑ کے پاس ایسی بے سروسامانی تھی تو انہیں فرصت کی اور زیادہ ضرورت تھی۔ اور انہیں ہرگز ایسے مخدوش عمل کے لئے تیار نہ ہونا چاہیئے تھا۔ ہم سوال کریں گے کہ ایسے مخدوش موقع پر کیا یہ مناسب تھا کہ وہ اپنے تمام مختصر ذرائع فراہم کرکے قیام کی کوشش کرتے یا اپنے معزول ہونے کو تضیع اوقات سے تھوڑے وقت کے لئے معطل کر دیتے؟ اور اس تضیع اوقات سے وہ پُرجوش خیال بھی کمزور ہو جاتا۔ جس سے یہ خلیفہ بنائے گئے تھے اور نتیجہ یہ ہوتا کہ یا تو وہ کچھ دنوں مدینہ میں ایک بے دست و پا خلیفہ رہتے جو شاید کسی بے انتہا سخی عامل کے وظیفہ سے ضروریات سلطنت کا پیٹ بھرتے اور یا فاقہ، پھر آخری کوشش کے لئے آمادہ کرتا، یا خلیفہ کی بے دست و پائی سے ہمت پائے ہوئے عامل دار الخلافت کا محاصرہ کرتے اور اس وقت حضرت علیؑ کے پاس بجز تخت سے اتر نے یا قتل ہونے کے کوئی اور صورت نہ ہوتی بلکہ اس کے برخلاف انتہائی مدبری تھی۔ بیشک آپس میں عاملوں کو گزشتہ ملکی مصالح کی خود غرضانہ تقلید سے ایک دوسرے کی ہمدردی تھی اور اس وجہ سے حضرت علیؑ کی مخالفت قدرِ مشترک تھی۔ لیکن اب تک یہ لوگ حضرت علیؑ کی مخالفت کے لئے کھڑے نہ ہوگئے تھے۔ یا لوگوں میں مخالفت کا کوئی نیا جوش پیدا کرنے پائے تھے۔ اس لئے نہایت ضروری تھا کہ بجائے اس کے کہ انہیں اور قوی ہونے کا موقع دیا جاتا۔ اس بات کی کوشش کی جاتی کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹائے جائیں۔ اس وقت امید تھی، آئندہ کمزور امید بھی نہ رہتی۔ بلکہ پوری یاس اور وقت ضائع کرنے کا افسوس ہوتا۔ ان لوگوں کو خوف ہو سکتا تھا کہ مبادا نئے خلیفہ کے حکم نہ ماننے سے لوگ مخالف ہو جائیں اور ہمیں زبردستی ذلت کے ساتھ نکلنا ہو۔ اس لئے ہو سکتا تھا کہ حضرت علیؑ کے عامل کو دیکھ کر یہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اور کم سے کم حضرت علیؑ کا عامل صوبہ دار ہو۔ اگرچہ اب تک اس کے لئے یہ وقت ہو کہ اس کا حکم ماننے کے لئے کافی لوگ نہ ہوں۔

ہم سے یہ کہا جائے گا کہ یہ سوچ لینا کہ اگر یہ عامل اپنی جگہ قائم رکھے جاتے تو قوی ہو کر ضرور مخالفت کرتے۔

قبل وقوع واقعہ اور نا امیدانہ یقین ہے؟ ایسا کہنے والا ہماری دانست میں بھی قبل وقوع واقعہ ایک ایسے یقین کا مرتکب ہے جس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اب صورت معاملہ یہ ہے کہ نہ موافقت کا یقین ہے اور نہ مخالفت کا۔ اس لئے کیا کرنا چاہیئے تھا اور موافقت یا مخالفت کی تائید کے لئے کون سے ضمنی اسباب مدد دیتے ہیں، موافقت یا مخالفت کا نتیجہ کس طرح آئندہ کے لئے اخذ کیا جاسکتا تھا۔

اس کہنے والا کا یقین کہ اگر وہ لوگ اپنی جگہ قائم رکھے جاتے تو آئندہ موافق ہو جاتے، ایک ایسی پیشگوئی ہے جس کی تائید کے لئے اس کے پاس پیشتر سے وجوہ امکاں موجود نہیں ہے۔ درانحالیکہ یہ کہنے والا کہ اگر عامل اپنی جگہ قائم رہنے دیئے جاتے تو وہ قوی ہو کر اور دشمنی پر آمادہ ہو جاتے؛ گزشتہ پیچ در پیچ تعلقات سے مدد پاتا ہے۔ اس کے پاس ان لوگوں کے عداوت یا دوستانہ ہونے کا ایک مستقل دفتر ہے۔ جس سے ان کی دوستی کی امید کرنا اپنے کو دھوکا دینا سمجھتا ہے۔ امید کا نتیجہ اخذ کرنے والا اسباب کے لحاظ سے حق پر ہے۔ درانحالیکہ نا امیدی والا مسلسل عداوتوں اور اختلاف مصالح، مراسم، خیالات اور اخلاق سے جو نتیجہ اخذ کرتا ہے وہ اقرب بہ یقین پختہ ہے۔

ملکی لحاظ سے ایسے مخدوش لوگوں کو اپنی جگہ سے جلد ہٹانا اور اس بات کا موقع نہ دینا کہ وہ مرض عداوت کو خوفناک حد تک متعدی کر دیں۔ ملکی افق پر بغاوتوں کے طوفانی آثار دیکھ کر جلدی سے مستعد ہو جانا کہ قبل قوت آنے کے فنا ہو جائے۔ اس بے سر و سامانی میں جس قدر ممکن تھا (آگے چل کر اگر اس خوشگوار امید کو دل میں جگہ بھی دی جائے کہ آئندہ سامان ہو جاتے) اس سے بڑھ کر ممکن ہو جاتا، چہ جائے کہ ان مخالف حالتوں کی موجودگی میں سامان کا موافق ہونا دو متضاد باتوں کی ایک وقت میں امید کرنا تھا۔

یہ سوچنے والا کہ جس حالت میں علیؑ قوی ہوتے جاتے اور ان کے دشمن خواب غفلت میں خراٹے لیا کرتے اس وقت علیؑ کو معزول کرنے میں آسانی ہوتی، اپنے دشمن پر نہایت رحیم ہے اس کا ایسا سوچنا دشمن کی طرف سے منہ پھیر کر بلا امید خطرہ غافلوں کی نیت والی نیند سوتا ہے۔

میں ان معترضین کی خوش اعتقادی کی بنیاد اور وجوہات مطلق نہیں سمجھا ہوں جو عمال کے قائم نہ رہنے دینے کی مصلحت کو جلد بازی کہنے کی جرأت کرتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے اپنے اس بے محابا الزام کی وجوہات لکھنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائی۔ جہاں تک تاریخ اس وقت کے خیالات بتاتی ہے۔ کوئی شخص بجز ابن شعبہ کے اس مصلحت کا موجد نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے بعد اس کی صلاح ہم خیال مؤرخین کی جزو تحریر ہو گئی اور اس کے بعد وسعت نے ہر شخص تک اسے اس طرح پہنچایا کہ گویا وہ کسی پوری انجمن مشاورت کا تصفیہ تھا۔

جہاں تک میں سوچ سکتا ہوں۔ معترض کا یہ خیال کہ اگر علیؑ معزول نہ کرتے تو وہ لوگ موافق رہتے۔ گویا ہمیں

یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ یہ لوگ پیشتر سے ناموافق نہ تھے۔ حالانکہ یہ قطعاً خلاف واقعہ ہے۔ یہ اس وقت سے مخالف تھے۔ جس وقت حضرت علیؑ کی خلافت کا گمان بھی نہ تھا، اپنی معزولیت کی خبر معلوم ہونے سے پہلے انہیں حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے سے مخالفت تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ہم اور حضرت علیؑ ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ انہیں حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر سن کر جس قدر استعجاب اور افسوس ہوا ہوگا، اپنی معزولی کی خبر سے مطلق اس قدر حیرت نہ ہوئی ہوگی۔ کیونکہ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کا بجز اس کے کوئی دوسرا نتیجہ ان عاملوں کی خوش کرداری سے واقفیت رکھنے والا نہیں نکال سکتا تھا کہ یہ حکومت پر بحال نہ رکھے جائیں گے۔ اضداد جمع نہیں ہو سکتے تھے۔

وہ شخص جو یہ سوچنا چاہتا ہے کہ اگر یہ معزول نہ ہوتے تو مخالفت نہ کرتے اور انہوں نے معزول ہو کر مخالفت کی وہ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ جب انہوں نے معزول ہو کر مخالفت کی تو معزول نہ ہونے یا با اقتدار رہنے کی حالت میں اور زیادہ مخالفت کرتے اور حضرت علیؑ کو اس وقت اور بھی دشواری ہوتی۔

میرا روئے سخن ان مؤرخین کی طرف ہوگا۔ جنہوں نے ایسے مشکل وقتوں میں مدبرین کے طرز عمل پر غور کرنے میں کچھ وقت صرف کیا ہو کہ ایک مدبر حاکم خطرہ کی بو سونگھ کر بغاوت کی کونپل کو اس وقت توڑنے کی کوشش کرتا ہے جس وقت ابتدا ہوتی ہے یا ہاتھ پر ہاتھ دھرے اس وقت تک بیٹھا رہتا ہے جب تک یہ ناگوار پودا برگ و بار لانے کی پوری حالت پر پہنچ جاتا ہے۔ میں کونپل کہہ رہا ہوں۔ میں نے اس لفظ کے استعمال میں سخاوت کی ہے۔ مجھے کہنا چاہیئے تھا کہ جس وقت کونپل کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور کونپل کی صورت بھی بننے نہیں پاتی۔ ان آثار میں مدبرین کے لیے یہ مصلحت ہے کہ وہ خوش اعتقادانہ انداز اختیار کریں" یالا اُدریہ" روش میں اپنی حفاظت سمجھیں۔ آگ لگی ہوئی دیکھنا اور یہ امید کرنا کہ خود سے بجھ جائے گی۔ یہ تماشہ دیکھنا ہے کہ چیز کس طرح جل جاتی ہے۔

میرے اس استعارہ سے کہ اگر کسی کے کپڑے میں آگ لگی ہو تو وہ اس کا خوف کرے گا کہ بجھانے میں ہاتھ جلے گا نہ بجھانے سے کپڑے کے ساتھ تمام جسم جل جائے گا۔ ایک صاحب عقل سلیم یہ تصفیہ کرے گا کہ کل کے لیے جز کی قربانی ہو سکتی ہے۔ حضرت علیؑ کی مثال ایسی ہی تھی وہ آگ لگی ہوئی دیکھتے تھے۔ سامان کی کمی بھی پیش نظر تھی۔ لیکن یہ امید تھی کہ اگر ہم اس وقت بجھانے کی کوشش کریں گے تو ممکن ہے کہ ہم کامیاب ہوں۔ ذرا سا خاموش دیکھتے رہنے میں مفر کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس سے علی علیہ السلام کی دور اندیشی اور سرعت تصفیہ سمجھ میں آتی ہے۔ جس میں بجائے غلطی کے وہ ایک مشکل گتھی کے سلجھانے کی تعریف کے مستحق ہیں۔ حضرت علیؑ مشکلوں میں گھرے تھے انہوں نے ایک تھوڑی مشکل کو بڑی مشکل پر ترجیح دی اس کا آسان تصفیہ اس تصور سے بھی ممکن ہے کہ دونوں حالتیں پیش نظر رکھی جائیں۔ یعنی:-

(۱) حضرت علی علیہ السلام کی اس مصلحت سے کہ عمال اس وقت معزول کیے جائیں کیا نقصان یا نفع ہوا؟

(۲) حضرت علی علیہ السلام اگر اس وقت معزول نہ کرتے اور عمال قوت پاکر مخالفت کرتے تو کیا نقصان یا نفع ہوتا؟

حضرت علیؑ کی اس مصلحت میں کوئی نقصان نہ ہوا بلکہ آئندہ واقعات نے یہ دکھایا کہ وہ خطرہ جس سے حضرت علیؑ اپنی خلافت کو متزلزل سمجھتے تھے مرتفع ہوگیا اور بقول انہیں معترض مؤرخین کے حضرت علیؑ کی تمام حکومت میں بجز شام کے امن وامان ہوگیا۔ یہ نفع تھا اس کے برعکس اگر مخالف عمالوں میں اور قوت آتی تو حضرت علیؑ کے ایسے اسباب نہ تھے کہ وہ اس حالت میں بھی انہیں شکست دینے کی امید کرتے اور نتیجہ کامل نقصان ہوتا اور کوئی نفع نہ تھا۔

معترض کہے گا کہ پہلی تنقیح کا نتیجہ مبنی بر واقعات ہے۔ درحالیکہ دوسری تنقیح خیالی اور قبل وقوع واقعہ ہے۔ میں کہوں گا کہ دوسری تنقیح ایسی نہیں ہے، جسے واقعہ سے تعلق نہ ہو۔ اول اور آخرت کی مخالفت نے درمیانی تعطل کو بھی حالت مخالفت قرار دیا ہے جس کے علاوہ کوئی اور نتیجہ اخذ کرنا ممکن نہیں ہے۔

ایسے لوگ کس دن کام آتے جو حکومت دے کر راضی کئے جاتے۔ کیوں نہ وہ ہر ایسے موقع پر کوئی بنا دباؤ ڈالتے اور اس وقت خلیفہ کو کچھ اور دینا پڑتا اور رفتہ رفتہ وہ تخت خالی کردیتا۔ معاویہ، عبداللہ ابن عامر، عبداللہ ابن سعد، ابن ابی سرح، ولید بن عقبہ وغیرہ میں کونسی خصوصیت تھی کہ وہ حکومت کے لئے اپنی قوت کے بل پر مچلتے۔ ہر شخص ایسا ہی کیوں نہ کرتا اور مرکزی حکومت کا رعب گھٹتے گھٹتے قابل تمسخر کیوں نہ ہوجاتا۔ معزول عاملوں کا اپنی معزولی پر کوئی شکایت نہ کرنا، اپنی برائت کی کوئی دلیل پیش نہ کرنا، اپنے ساتھ بلاوجہ ناانصافی کا استغاثہ نہ کرنا، خلیفہ کی بیعت کے لئے مطلق ہاتھ نہ پھیلانا، بلکہ سیدھے اس مرکز کی طرف روانہ ہونا جہاں انہیں اپنی مخالفت کی کامیابی کی امید تھی، کوئی شبہ باقی نہیں رکھتا کہ یہ لوگ آپس میں حضرت علیؑ کو خلیفہ دیکھ کر ایک جگہ جمع ہونے اور مخالفت کرنے کا سمجھوتہ کرچکے تھے یا اتفاقاً ایک جگہ جمع ہوجانا بھی ان کی رفتار ہمدردی کو واضح کردیتا ہے۔ ان لوگوں کی فطری ہم آہنگی ان کے ارادوں کو مخفی نہیں رکھتی۔

کس مدبر کی ایسی ناہوشمندانہ مصلحت ہوگی کہ وہ ایک لحظہ بھی ایسے لوگوں کو اپنی ماتحتی میں قبول کرے جن کی متابعت کی کوئی امید نہیں ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ان میں سے بہتیرے ایسے ہیں جن سے رعایا خوش نہیں ہے۔ مدبر کو اپنی مصلحت غالباً تمام تعلقات سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور اسی طرح ان کا نہ ماننا جانا سب سے زیادہ ناگوار۔ یہ عام بات ہے اور اس کے بعد حضرت علیؑ سے یہ چاہنا کہ وہ اپنی مصلحت کے مخالف ماتحتوں کو باوجود انہیں نہ رہنے دینے کی مصلحت کے ان کی جگہ قائم رکھتے، خلافت سے استعفا دینے کا گھونگھٹ دار اشارہ ہے۔

آخر میں اس معترضانہ مصلحت کے موجد کی حسن نیت کی طرف توجہ دلانا بھی مصلحت کی ضرورت ایجاد کے سمجھنے کے لئے

نہایت ضروری ہوگا۔ وہی مغیرہ جس نے شیخین کو سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف گرم رفتار کیا۔ جس نے ابن ابو قحافہ کو حضرت علی ؑ کے مقابلہ میں عباس کو کھڑا کرنے کی صلاح بتائی جو اس مصلحت کے بعد ہی شام روانہ ہوگیا اور اس کے بعد اس نے جو کچھ اور کیا وہ بھی بیان کیا جائے گا۔ کیا ان حالتوں میں یہ سوچا جا سکتا ہے کہ حضرت علی ؑ کی جگہ پر اگر کوئی دوسرا ہوتا اور مغیرہ سے اس کے یہ تعلقات ہوتے تو وہ اس کی اس صلاح کو خوش اعتقادی سے دیکھتا!

اب تک ہم نے اس تنقیح پر نظر کی تھی کہ "آیا مصلحت اس کی مقتضی تھی کہ یہ عامل اپنی جگہ رکھے جاتے اور کچھ دن لکھنے کے بعد معزول کئے جاتے"، جو کچھ ہم نے لکھا اس سے ظاہر ہوگا کہ ان کی طرف سے امید کرنے کا کوئی گوشہ نہ رہ گیا تھا اب ہم دوسری تنقیح پر نظر ڈالتے ہیں کہ "آیا حضرت علی ؑ کو بحیثیت خلیفۂ رسول ؐ کے زیبا تھا کہ وہ انہیں اپنی جگہ رہنے دیتے؟"

وہ شخص خلیفہ رسول ؐ نہ ہوتا جو یہ دیکھ سکتا کہ امت رسول ؐ کے ایک حصے پر ایسا شخص میری ماتحتی میں حکومت کر رہا ہے، جس نے وحی میں خیانت کی ہے اور جو رسول ؐ کی خواہش کے خلاف سزا سے بچا لیا گیا۔ یہ شخص عبداللہ ابن سعد ابن سرح تھا اگر ولید ابن عقبہ کا ایسا شخص اپنی جگہ رہتا تو نمازیں ویسی ہی دلچسپیاں پیدا کرتا رہتا، جس کا ذکر کیا گیا۔ اور آگے چل کر اپنی کسی منکوحہ کو پیش نمازی کے لئے کیوں نہ بھیجتا۔ جس کا اس کے ہم نام اموی بادشاہ نے موقع پایا اور نہ محرمات شرع کا کوئی خیال کرتا۔ امت رسول ؐ پر ایسے لوگوں کی عادات و اطوار کا برا اثر پڑتا اور دین کی لطافت غلاظت سے بدل جاتی۔ ابوسفیان کا بیٹا شام کا حاکم تھا بس اسی قدر اس کی نسبت کہنا کافی ہے۔ مزید اطلاع کے لئے ناظر کو اس وقت تک منتظر رہنا چاہیئے۔ جب تک ہم علی ؑ اور معاویہ کا باب شروع نہ کریں۔ اس کا اور عاملوں کی طرح بیت المال کا تصرف اور اس طرح مسلمانوں کے حقوق کا ضائع کرنا ہی نہ تھا۔ جس پر خلیفہ رسول ؐ کی توجہ ہو سکتی تھی۔ بلکہ اس کی خلاف راستی اور پرفریب کارروائیاں مسلمانوں کو حقیقی راستہ سے دور لے جاتی میں ہمیشہ کوشاں رہیں۔ اس کے علاوہ جیسا علامہ جورجی زیدان تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ امر پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ابوسفیان اور ان کی اولاد نے محض مجبوری کے عالم میں جب کہ انہیں اپنی کامیابی سے یاس ہو چکی تھی، مذہب اسلام قبول کیا تھا۔ اس لئے معاویہ کو خلافت کی آرزو محض دنیاوی اغراض سے پیدا ہوئی۔ قریش کے چیدہ چیدہ سرداران کے پاس جمع تھے ..... اغراض نفسانی کی وجہ سے منصب نبوت کا خاندان بنی ہاشم میں جانا انہیں بہت شاق گزر رہا تھا۔"

ایسے ایسے لوگ ہو سکتا تھا کہ کسی زمانہ میں مسلمانوں کے والی امر قرار دیئے جائیں۔ لیکن حضرت علی ؑ اسے اسلام کی توہین اور رسول ؐ کی تعلیم کا خون اور رسول کے ساتھ ناانصافی سمجھتے تھے کہ وہ لوگ حاکم ہو کر مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی

کریں اور یہ خاموش دیکھا کریں۔ مسلمانوں کو مخرب اخلاق سبق سکھائے جائیں۔ اور یہ مطلق ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش نہ کریں۔ حالانکہ انہیں اس کی شاگردی کا شرف حاصل تھا جس نے یہ اعلان کیا تھا کہ میری بعثت تکمیل اخلاق کے لئے ہوئی ہے۔ مسلمانوں کے لئے ایسے لوگوں کی پیروی باعث اختلاف اور بدمزگی ہوتی اور یہ ان کے صفات قومی پر اثر ڈالتی، جس کا بیّن نتیجہ زوال تھا۔

میری تیسری تنقیح ہے کہ آیا عاملوں کی اخلاقی حالت جانتے ہوئے ان کی معزولی میں تاخیر کی اجازت دی جاسکتی تھی؟ حضرت علی ان آثار اور اعمال کو اپنی قوت کے کان اور آنکھ سے سن اور دیکھ نہیں سکتے تھے۔ جو امت اور ان کی رعایا کا اخلاق خراب کرنے کے لئے بری مثالیں پیش کریں۔ ان کا دیکھتے رہنا یا باوجود کوشش کر سکنے کے خاموش رہنا ان پر ارتکاب جرم میں شرکت کا الزام عائد کرتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے قبل شکایت ایک مستحسن کوشش کی۔

میری چوتھی تنقیح ہے کہ "آیا یہ ممکن تھا کہ حضرت علی علیہ السلام اور یہ لوگ ایک وقت میں خلیفہ اور عامل ہوتے؟" نہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے عثمان کے مصالح اور طرزِ عمل سے نفرت اور مخالفت ظاہر کی۔ ان کی ایک سخت ترین شکایت یہ بھی تھی کہ عثمان عاملوں کو معزول کر کے ان کی جگہ اچھے عامل مقرر کریں۔ حضرت علی علیہ السلام کا خلیفہ ہو کر ان کی اس جائز شرط کو قبول نہ کرنا یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہم اس مصلحت میں حضرت عثمان کے ہم خیال ہیں۔ حالانکہ ایسا نہ تھا۔ اگر حضرت علی علیہ السلام ان عمال کی برقراری کا ارادہ بھی کرتے تو انہیں حضرت عثمان کی قسمت کا شریک ہونا پڑتا اور لوگ متوحش ہوتے کہ جن عمالوں کے ظلم سے ہم فریاد کرتے کرتے تھک کر ایک بڑے کام کے لئے موجود ہو گئے تھے۔ ہمیں پھر اس سے مفر نہیں ہے اور علیؑ نے بھی انہی لوگوں کو ہم پر مسلّط کر رکھا ہے اس سے حضرت علی علیہ السلام اپنے کو ایک ایسے طوفان میں مبتلا کر دیتے جو ان کے گرد شور کرتا اور اس طرح انہیں اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ جہاں مصلحت کے قطعاً خلاف تھا، وہاں اخلاقاً بھی ناپسندیدہ تھا۔

میں کہہ چکا ہوں کہ حضرت علی علیہ السلام اور ان عاملوں کے خیالات، مراسم، دین اور عادات و اطوار میں زمین و آسمان کا فرق تھا یہ دونوں کسی طرح مل نہ سکتے تھے یا علیؑ خلیفہ ہوتے اور وہ عامل نہ ہوتے۔ یا وہ عامل ہوتے اور یہ خلیفہ نہ ہوتے۔ تیسری صورت بجز جنگ کے نہ تھی کہ جس سے تصفیہ ممکن ہوتا۔

میری پانچویں تنقیح ہے کہ "حضرت علی علیہ السلام اپنی اس مصلحت میں کامیاب ہوئے یا ناکام"؛ ملکی اخلاقی اور معاشرتی کل حیثیتوں سے میرا جواب اثبات میں ہے جس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ہم اب تک باب سوم کی ان تنقیحات کے تذکرے کے لئے مناسب موقع کے منتظر تھے کہ "الزام کی ابتدا کب

سے ہوئی ؟ "اس الزام کے لگانے سے کیا غرض تھی ؟ "اس الزام نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا ؟" اس کی مضرت کے درجے کا مناسب اندازہ کیا ہوگا ۔" یہ سب ایک ساتھ دیکھے جانے کے لائق ہیں جس کے تذکرہ سے ہماری منزل فکر و نظر قریب ہوگئی ہے ۔

حضرت علیؑ کے عمال

تاریخوں نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جن لوگوں کو عامل مقرر کر کے بھیجا ان کی حالت یہ ہوئی کہ عثمان ابن حنیف جب بصرہ پہنچے تو عبداللہ ابن عامر نے بصرہ حوالے کر دیا اور خود مکہ چلا گیا ۔ عمارہ جس وقت کوفہ پہنچا ۔ ایک کے پاس طلحہ بن خویلد الاسدی آیا اور کہا کہ اگر تم اپنی جان کی خیریت چاہتے ہو تو واپس جاؤ کیونکہ یہاں کے لوگ بجز ابوموسیٰ اشعری کے کسی کو نہیں چاہتے ۔ یہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس واپس آ گیا عبداللہ ابن عباس جب یمن پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ یعلی ابن امیہ بیت المال لے کر چل دیا یہ بھی اپنی جگہ مستقل ہو گئے ۔ قیس ابن سعد ابن عبادہ جس وقت مصر پہنچے تو نصف ان کے ساتھ ہوئے اور نصف نے کہا کہ جس وقت خون عثمان کا انتقام لیا جائے گا اس وقت ہم تمہاری رفاقت کریں گے ۔ انہوں نے مناسب سمجھا کہ ان سے بازپرس نہ کریں اور یہ بھی حاکم ہو گئے ۔ سہیل ابن حنیف شام جا رہے تھے کہ تبوک کے پاس انہیں چند سوار ملے ۔ سواروں نے ان سے پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے اور جب ان لوگوں سے کہا گیا کہ ہم امیر شام ہو کر جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ معاویہ ہمارا امیر ہے ہم خلیفہ کو نہیں مانتے ۔ سہیل ابن حنیف معویہ کی بغاوت کی خبر لے کر واپس آئے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ بصرہ اور یمن میں کامیابی ہوئی اور کوفہ اور شام میں ناکامی ، مصر میں آدھی کامیابی اور نصف ناکامی ہوئی ۔

عثمان کے دو عامل

مصر کا عامل عبداللہ ابن سعد ابن سرح حضرت عثمان کا قتل اور حضرت علیؑ کا خلیفہ ہونا سن کر کیا اپنے برادر رضاعی اور محسن کے نام کے ساتھ اتنا بھی نہ کرتا کہ لوگوں کو ایک آڑے سے روک دیتا اور عزیز معویہ ، نائلہ بنت الفرافصہ اور پیرہن عثمان سے اتنا بھی کام نہ نکلتا کہ لوگوں کو حضرت علیؑ سے برگشتہ کر دیتا ۔

عائشہ بنت ابابکر کے پاس مخالفتوں کا سامان

ام المومنین کے پاس لوگوں کا جماؤ ہونے لگا ۔ عبداللہ ابن عامر کریز اور یعلی ابن امیہ نے روپیہ اور اونٹ سے مدد دی اول الذکر نے صلاح دی کہ ہم لوگ بصرے چلیں وہاں لوگوں کو اپنے موافق کرنے میں آسانی ہوگی اور اس وقت ہم اپنے ارادے پورے کر سکیں گے ۔ طلحہ اور زبیر بھی ابھارنے والوں میں سب سے آگے تھے ۔ بصرہ کی روانگی کی صلاح منظور کی گئی اور ام المومنین عائشہ رضی نے یہ اعلان کر دیا کہ خون عثمان کے انتقام کے لئے جس کے پاس سواری نہ ہو وہ ہم سے لے ۔

آپس میں خلافت کی بحث

ابن خلدون کے موافق خود ام المومنین حضرت عائشہ کے ساتھیوں میں حصول خلافت پر بحث

ہوئی اور ایک شخص سعید ابن العاص بول اٹھا مدیں گمان کرتا ہوں کہ ایسی حالت میں مَیں کوشش نہ کر سکوں گا، مگر یہ کہ بنی عبد مناف سے نکالنے کی کوشش کی جائے،، جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی بحث ہوئی تھی کہ حضرت علی علیہ السلام کو خلافت سے علیحدہ کرنا ہوگا۔ اس سے یہ امر طے ہوگیا کہ قتل عثمان پر علیؑ کا الزام لگانے سے کیا غرض تھی۔

مؤلف تاریخ الاسلام کہتا ہے :-

۳۶ھ حضرت عائشہ کی ذات سے بڑے فساد کی بنیاد

"ایک بڑے فساد کی بنیاد حضرت عائشہ کی ذات سے قائم ہوئی .... رج ...

حضرت عثمانؓ کو وہ برا سمجھتی تھیں اور حضرت علیؑ کو اچھا۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے ان کو ایک خاص کد تھی ...... بنیاد رسولؐ خدا ہی کے وقت میں قائم ہو چکی تھی۔ آنحضرتؐ عائشہ کو زیادہ .... اور اس کے ساتھ ہی حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ پر بھی از حد فریفتہ تھے۔ عائشہ کو باقتضائے انسانیت اس کا رشک تھا اور ...... نفرت کی حد تک ...... حضرت عائشہ راستے سے واپس گئیں کہ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو مدینہ میں میرا رہنا نہ ہوگا۔"

یہی مؤرخ لکھتا ہے :-

" یہ امر متفق علیہ اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ حضرت علیؑ قتلِ عثمان میں کسی طرح شریک نہ تھے،،

امہات المومنین اور معاویہ کے شریک کرنے کی صلاح

یہ بھی صلاح ہوئی کہ معاویہ کو بھی اس فعل میں شریک کرنا چاہیئے۔ خط بھیجا گیا لیکن بقول مؤلف تاریخ الاسلام معاویہ خود خلیفہ بننا چاہتا تھا .... ایک خط بھیجا کہ اگر شرکت منظور ہوتی تو عثمان کی مدد کرتا،، دوسری ام المومنین حفصہ بھی کچھ دیر کے لئے شریک ہوگئیں مگر کہا گیا ہے کہ عبداللہ ابن عمر کے سمجھانے سے انہوں نے اس بڑے کام میں ذاتی شرکت نہ کی۔ یہ بھی کوشش کی گئی کہ ام المومنین ام سلمہ بھی شریک کی جائیں اور جب ان سے یہ خواہش ظاہر کی گئی تو یہ سن کر انہیں اس قدر تعجب ہوا کہ ان کے حیرت کی آواز کو گھر کے کُل لوگوں نے سنا اور بقول روضۃ الاحباب انہوں نے حضرت عائشہ سے کہا

"اے دختر ابوبکر تم پہلے عثمان کی مذمت کرتی تھیں اور اب طلب خون کے لئے آمادہ ہو۔ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے نہیں سنا ہے کہ "علی خلیفتی علیکم فی حیاتی وفی مماتی فمن عصاہ فقد عصانی"؟

حضرت ام سلمہ کے اس قول کی حضرت عائشہ نے تصدیق کی اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ام سلمہ کی نصیحتوں کو قبول کیا لیکن عبداللہ ابن زبیر کی خاطر سے طلب قصاص کے لئے آمادہ ہوگئیں (روضۃ الاحباب و تاریخ الاسلام)

چونکہ حضرت حفصہ حضرت عائشہ کے اس پر حوصلہ کام میں شریک ہوگئی تھیں اس واقعہ کے تذکرے کے ساتھ ہی بھی

پیشتر کی ایک حالت یاد آگئی جو اس وقت شرکت کو سمجھنے میں مدد دے گی۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے:-

ایک عکس حضرت (رسول خدا) کو زینب نے شہد پلایا، حضرت کو شہد نہایت مرغوب .... زیادہ ٹھہرے .... حضرت عائشہ کو رشک میں اور اتفاق کیا حضرت حفصہ سے کہ آنحضرتؐ جس کے پاس ہم میں سے آویں تو کہے کہ آپ میں سے مغافیر (بدبودار گوند) کی بُو آتی ہے پس آنحضرتؐ نے شہد کو اپنے اوپر حرام کیا"۔ (سورہ تحریم نازل ہوا)

اسی کتاب میں ازواج رسولؐ کے دو گروہ بتائے گئے ہیں۔ ایک میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ وغیرہ شامل تھیں اور دوسرے میں حضرت ام سلمہ تھیں۔ اس کے بعد ایک حدیث میں اہتمام کیا گیا ہے کہ نہ صرف حضرت عائشہ کا گروہ رسول اللہ کے نزدیک مقتدر قرار دیا جائے بلکہ حضرت عائشہ رضؓ کے لحاف کو باعث نزول وحی قرار دے کر دلچسپی پیدا کی جائے۔ فطری امر تھا کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تائید کرتیں۔ جس طرح وہ لوگ ایک دوسرے کی تائید کرتے۔ لیکن دیکھنے کی یہ بات ہے کہ حضرت ام سلمہ حضرت علیؑ کی ہمیشہ مؤید رہیں جنہیں حضرت علیؑ سے پیشتر کا کوئی ویسا تعلق نہ تھا جیسا حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے تھا۔ حضرت ام سلمہ حضرت علیؑ کی جو کچھ تائید کرتی تھیں ان کی بنیاد وہ اقوال رسولؐ تھے جو ان معظمہ نے حضرت علیؑ کے متعلق سنے تھے۔

حضرت ام سلمہ علیؑ کی مدد کرتی ہیں جس وقت حضرت ام سلمہ کو حضرت عائشہ کی روانگی کی خبر ملی تو انہوں نے عمر ابن ابی سلمہ کو حضرت علیؑ کی مدد کے لئے بھیجا اور جو خط ان کی معرفت روانہ کیا۔ اس کی یہ عبارت نہایت مؤثر ہے "کہ اگر خدا نے عورتوں پر جہاد ساقط نہ کیا ہوتا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نہ ہوتا تو میں بھی آپ کے لشکر کا ساتھ دیتی، میرا فرزند آپ کی مدد کے لئے بھیجا جاتا ہے وہ ہر خدمت کے لئے تیار رہے گا"۔ (اعثم کوفی)

ام الفضل بنت حارث ام الفضل بنت حارث نے اس خیال سے کہ شاید حضرت علیؑ کو اس شورانگیزی کی خبر نہ ہو، قبیلہ جہنیہ کے ایک شخص کو جس کا نام ظفر تھا، سو دینار دیا کہ وہ جلد خبر پہنچانے کے لئے حُدی خوانی کرتا جائے۔ قاصد نہایت سرعت سے روانہ ہوا۔ مدینہ کی راہ میں لشکر پھیلا ہوا دیکھ کر ڈرا کہ مبادا دشمن کی فوج نہ ہو مگر جب اسے معلوم ہوا کہ اسی کا لشکر ہے جس کے لئے یہ نامہ لایا ہے تو کھڑا ہو گیا اور حضرت علیؑ کی تعریف میں پرجوش نظم پڑھنے لگا۔ حضرت علیؑ نے قاصد سے خط لیا اور بغیر اس کے کہ اپنے لشکر سے راز رکھا ہو اس کے مضمون کو سنا دیا، لشکر نے ہم زبان ہو کر حضرت علیؑ کی اطاعت کا اقرار کیا۔

حضرت علیؑ کے لشکر کے سپاہی

ام الفضل کی اطلاع کے قبل حضرت علیؑ خبردار اور تیار ہو چکے تھے جس وقت یہ راہ روکنے کے ارادے سے روانہ ہوئے ان کے ساتھ نو سو آدمی تھے جن میں بقول ابوالفدا چار سو وہ اصحاب تھے۔ جنہوں نے بیعت شجرہ میں شرکت کی تھی۔ ان کے علاوہ اور انصار تھے۔

عثمان بن حنیف

حضرت عائشہ نے تین ہزار آدمیوں کی جماعت سے بصرہ کی طرف اونٹ بڑھا دیا۔ عثمان ابن حنیف کو جو بصرہ میں حضرت علیؑ کے عامل تھے، خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے دریافت کیا کہ ادھر آنے سے موافقت مطلوب ہے یا مخالفت اور جب معلوم ہوا کہ مخالفت کی غرض سے آ رہے ہیں تو یہ بھی اپنی ممکن فوج لے کر باہر آئے ایک شخص احنف ابن قیس جو رئیس قبیلہ تھا، چار ہزار آدمی لے کر الگ رہا اور اس نے کسی کا ساتھ نہ دیا۔

حضرت عائشہ سے مخاطبہ اور مخاطبہ کی روح

خروج کرنے والوں کا گروہ اس شان سے پہنچا کہ ایک طرف طلحہ ایک طرف زبیر اور بیچ میں یعلی۔ ابن امیہ کے مشہور اونٹ پر حضرت عائشہ کا ہودج تھا۔ اس لڑائی کا "جنگ جمل" کہا جانا اسی وجہ سے تھا یہ دیکھ کر جاریہ ابن قدامہ السعدی سے نہ رہا گیا اور اس نے حضرت عائشہ کو مخاطب کر کے کہا:۔

"حضرت عثمان کا قتل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسان ہوتا بجائے اس کے کہ تم مجمع عام میں اس طرح موجود ہوتیں" (ترجمہ طبری)

ایک شخص طلحہ و زبیر کو مخاطب کر کے: "تم اپنی ماں کو ساتھ لائے ہو اپنی بیبیوں کو کیوں نہ لائے"، (دیکھو سر آف محمدؐ)

"یا طلحہ و زبیر شما از یاران پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آید، ولیکن حق پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نگذارید کہ زنان خویش را اندر پردہ بنشانید و زن پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم را پردہ بدریدید و پیش خلق بپائے کردید" (فارسی ترجمہ طبری)

عثمان ابن حنیف اور حضرت عائشہ کو آمادۂ جنگ دیکھ کر کچھ لوگ درمیان میں آ گئے اور کہا کہ شاید حضرت علیؑ جنگ نہ کریں اور صلح ہو جائے۔ اس لئے توقف کرنا مناسب ہے۔ نیز یہ کہ دار الامارت اور بیت المال عثمان ابن حنیف کے قبضہ میں رہے۔ اس پر ہتھیار روک رکھے گئے اور حضرت عائشہ مع اپنے لشکر کے موضع خریبہ میں فروکش ہوئیں، طلحہ و زبیر اختیار اور قوت کے لئے بے چین تھے۔ انہیں ناگوار تھا کہ صلح کا انتظار کیا جائے۔ دراصل ایکہ اس وقت ان کی فوج زیادہ اور عامل کی فوج کم تھی۔ فتح کا زیادہ قرینہ تھا اور فتح سے گرد و نواح پر فاتحانہ رعب طاری ہوتا تھا۔ اس لئے عہد پر قائم رہنا غیر ضروری سمجھا گیا اور طے یہ ہوا کہ عامل کے لشکر پر شبخون مارا جائے۔ چنانچہ بوڑھا صحابی اور عامل جس وقت ام المومنین اور افراد عشرہ مبشرہ کے عہد کو اعتبار کے قابل سمجھ رہا تھا غفلت میں اس پر شبخون

مارا گیا۔ پوری شکست ہوئی اور گرفتار کر لیا گیا۔

راستی اور اصول شجاعت سے دور فاتحین نے اس پر قناعت نہ کی بلکہ اس صحابی رسولؐ کو قتل بھی کرنا چاہا اس وقت اس پر لحاظ کرنا پڑا کہ مبادا قتل سے اس کا بڑا قبیلہ برسر انتقام نہ ہو۔ اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ ریش سفید اس کے چہرہ سے دور کر دی جائے۔ اس ہیئات سے اکثر لڑائیوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے والا حضرت علیؑ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے دیکھ کر تعجب سے پوچھا کہ وریں نے تجھے ضعیف بھیجا تھا تو جوان آیا ہے"۔ اس پر عثمان ابن حنیف نے ان کل معاملات کی خبر دی۔ جو خروج کرنے والوں کی ذات سے ظہور میں آئے تھے۔

طلحہ و زبیر کی مزید کوششیں

اس کے بعد طلحہ و زبیر نے رؤسا کو خط بھیجا اور اس کی خواہش ظاہر کی کہ وہ لوگ ساتھ دیں۔ لیکن ان میں سے اکثر نے جواب دیا کہ تم وہ شخص ہو۔ جس نے حضرت علیؑ سے پہلے بیعت کی اب مخالفت پر آمادہ ہو، ہم تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ ان کے نام احنف ابن قیس اور عبد اللہ حکم یتیمی وغیرہ ہیں۔

علیؑ کے افسران فوج

حضرت علی علیہ السلام کا لشکر اس ترتیب سے روانہ ہوا

علمدار لشکر محمد ابن حنیفہؓ، میمنہ لشکر امام حسن ابن علیؑ، افسر میسرہ حسین ابن علیؑ، افسر سواران عمار یاسرؓ، افسر پیادگان حضرت محمد ابن ابی بکر، سردار پیش خیمہ حضرت عبد اللہ ابن عباس، سپہ سالار لشکر حضرت علیؑ ابن ابیطالب

علیؑ کی توجہ کوفہ پر

حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کی ترتیب کے بعد اثنائے راہ سے اپنے فرزند امام حسنؑ اور عمار یاسرؓ کو کوفہ بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو مدد کے لئے آمادہ کریں۔ یہ لوگ روانہ ہوئے اور لوگوں کو مسجد جامع میں طلب کر کے اعلان کیا کہ بغاوت فرو کرنے کے لئے خلیفہ رسولؐ لشکر تیار کرنا چاہتا ہے۔ تم لوگوں کو لازم ہے کہ ان کی مدد کے لئے تیار ہو جاؤ۔ لیکن ابو موسیٰ اشعری برابر مخالفت کرتا رہا اور لوگوں سے کہتا رہا کہ:

ابو موسیٰ اشعری کی تقریر

ایھا الناس خدا سے ڈرو۔ مسلمانوں سے لڑنے کا قصد نہ کرو۔ ہمارے پاس حضرت عائشہ کا خط آیا ہے اور اس میں یہ ہدایت ہے کہ تم اہل کوفہ کو سمجھا بجھا کر ان کے گھروں میں رہنے دو۔ آئندہ جیسا مناسب ہوگا، اطلاع دی جائے گی"۔ حضرت عمار نے کہا:

"اے ابو موسیٰ! اگر تجھے حضرت عائشہ نے گھر میں بیٹھے رہنے کا حکم دیا ہے تو ہمیں امیر المومنین کی یہ ہدایت ہے کہ ہم لوگوں کو جمع کریں اور ان کے پاس لے جائیں" (اعثم کوفی)

اہل کوفہ کو علیؑ کا خط جن میں خروج کرنے والوں کی حالت پوست کندہ کی ہے

امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے حسنؑ اور عمارؓ کے ہاتھ اہل کوفہ

کو جو خط تحریر فرمایا اس کی یہ عبارت غور کے قابل ہے :۔

" حقیقتاً لوگوں نے اس پر (عثمان) طعنہ زنی شروع کی اور مہاجرین میں سے میں ایک شخص تھا جو خلقت کو اس کی طرف سے خوش کرتا تھا اور ان کی سرزنش اور عتاب کی آگ کو دور کر رہا تھا۔ طلحہ اور زبیر کی معمولی اور آسان رفتار بھی اس کے لئے رفتار نشتر سے کم نہ تھی۔ عائشہ کی طرف سے ناگہانی غصہ اس کے بارے میں نازل ہو رہا تھا۔ لہٰذا ایک جماعت اس کے قتل کے لئے آمادہ ہو گئی اور بغیر کسی قسم کی کراہت یا جبر کے مجھ سے بیعت کر لی بلکہ میری بیعت کی طرف راغب اور صاحب اختیار تھے۔ "

بقول ابن خلدون امام حسن علیہ السلام نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے کہا :۔

" لوگوں نے ہم سے اس میں مشورہ نہیں کیا۔ اصلاح کے سوا ہمارا کوئی مقصود نہیں ہے اور امیر المومنین ؑ اصلاح امت کے لئے ڈرتے نہیں ہیں "۔ ——— قعقاع ابن عمر اور عبداللہ ابن قیس نے حضرت علی ؑ کی مدد کے لئے تقریر کی

ابو موسیٰ سے مکالمہ

عبداللہ ابن جبیر نے ابو موسیٰ اشعری سے پوچھا :۔

" کیا تم جانتے ہو کہ طلحہ و زبیر نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی تھی " ؟

ابو موسیٰ نے جواب دیا :۔

" ہاں " !

" کیا علی ؑ نے کوئی ایسا کام کیا ہے جس سے ان کی بیعت توڑ دی جائے " ؟

" میں نہیں جانتا "

" تم نہیں جانتے ہو تو ہم تم کو چھوڑ دیتے ہیں تا آنکہ تم جان جاؤ (خشونت سے) اے لوگو تم کو امیر المومنین ؑ نے بلایا ہے کہ جو معاملات ان میں اور ان کے دونوں رفیقوں میں (طلحہ زبیر) ہیں ان کو دیکھو اور وہ (علی ؑ) امت میں فقیہ تر ہیں دین میں۔ پس جو شخص ان کی مدد کو جانا چاہے میں اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں " امام حسن ؑ نے کہا :

" تم لوگ ہماری دعوت قبول کرو اور ہماری اطاعت کرو اور جس بلا میں تم اور ہم بھی مبتلا ہو گئے ہیں اس میں ہماری مدد کرو اور بیشک امیر المومنین ؑ کہتے ہیں کہ ہم اگر مظلوم ہیں تو ہماری مدد کرو اور اگر ظالم ہیں تو ہم سے حق لو۔ واللہ طلحہ و زبیر نے سب سے پہلے میری بیعت اور سب سے پہلے بے وفائی کی۔ "

ابو موسیٰ کی مخالفت اس سے معلوم ہو گی کہ بقول روضتہ الصفا حضرت علی ؑ نے اپنی مدد کے لئے پہلے محمد ابن ابی بکر اور محمد ابن جعفر کو بھیجا اور ابو موسیٰ نے انکار کر کے انہیں واپس کر دیا۔ پھر مالک اشتر اور عبداللہ ابن عباس گئے اور یہ بھی

واپس ہوئے اس کے بعد امام حسنؑ اور عمار یاسرؓ گئے۔

مالک اشتر کی کارروائی

طبری بھی ان لوگوں کی سفارت کو قبول کرتا ہے مگر ایک دلچسپ قصہ یہ بتایا ہے کہ مالک اشتر بھی گئے اور کوفہ پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ لوگ جامع مسجد میں جمع ہیں تو یہ سیدھے سرائے سلطانی کی طرف گئے۔ ابو موسیٰ کے غلاموں کو مار کر نکال دیا اور دارالامارت پر قبضہ کر لیا۔ غلاموں نے ابو موسیٰ کو اطلاع دی اور جب یہ مسجد سے گھر آیا تو مالک اشتر نے اسے دیکھ کر کہا:۔

"اے منافق۔ جب تو بیعت نہیں کرتا تو یہاں کیوں آیا ہے۔"!

اس کے بعد ابو موسیٰ نے گڑگڑا کر کچھ چیزیں مانگیں، مگر مالک نے گھر میں گھسنے نہ دیا اور کپڑے وغیرہ دے دیئے۔

اعثم کوفی نے مؤرخانہ پختگی سے زید بن صوحان العبدی اور عمار کی تقریریں لکھی ہیں۔ ہاشم بن مجمع الحاضری کا اقرار درج کیا ہے۔

جو کچھ ہم لکھ چکے چونکہ اس کے علاوہ مضمون کے لحاظ سے کوئی نئی بات بجز وضاحت کے نہیں ہے اس لئے ہم درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

کوفہ کی مدد

ان کل تقریروں کا جس میں صفائی معاملت اور انصاف ملحوظ رکھا گیا تھا۔ یہ نتیجہ ہوا کہ تین روز کے بعد نو ہزار آدمی امام حسنؑ کے ساتھ اور اس کے بعد بارہ ہزار آدمی مالک اشتر کے ہمراہ خشکی اور دریا کی راہوں سے حضرت علی علیہ السلام کی مدد کے لئے روانہ ہوئے۔ جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو حضرت علیؑ نے سرداران قوم کو ممتاز جگہ بٹھا کر سب کو مخاطب کیا:۔

علیؑ اہل کوفہ سے مخاطب ہیں

"اہل کوفہ! مجھے تمہاری شجاعت کی خبر ہے میں تمہارے حسن سیرت سے واقف ہوں تمہاری عالی حوصلگی اور ارادے بلند ہیں۔ تم نے ملوکان عجم سے جو لڑائیاں کیں انہیں شکستیں دیں اور جس طرح اپنی حفاظت کی وہ مشہور عالم ہے۔ مدد چاہنے والے کی امداد کے لئے تمہاری آمادگی سے سب واقف ہیں۔ اس وقت ایک مہم درپیش ہے۔ کچھ دوست اور بھائی جن سے ظن محافظت نہیں ہو سکتا تھا، جنگ کے لئے آمادہ ہیں اور بصرے میں موجود ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ میرے ساتھ بصرہ چلو۔ یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ انہیں پہلے نصیحت کرنا ہوگی، شاید ان کی سمجھ میں آجائے اگر وہ جنگ کے قصد سے باز نہ رہیں گے تو ہمیں بھی کوشش کرنی ہوگی اور اس کے بعد حکم تقدیر کا منتظر رہنا ہوگا" (اعثم کوفی)

حضرت علیؑ کے اس مدبرانہ فصیح اور دفاعی شان کے مظہر خطبہ پر جس کی آخری سطریں قصاد قدر کا صاف تصیفہ

کرنے والی ہیں اور جس میں حضرت علیؑ نے افسروں سے لے کر ادنی سپاہی تک کسی کو اپنی مصلحت اور روش سے ناواقف نہیں رکھا تھا۔ ہر طرف سے سمعاً وطاعتہً کی صدائیں آنے لگیں اور جو افسر جس کام کے انجام کی قابلیت رکھتا تھا اس کی خواستگاری کرنے لگا۔ موضع ذی قار میں فوج کی گنتی ہوئی۔ یہاں معلوم ہوا کہ لشکر کی تعداد حسب ذیل ہے :۔

جو لوگ نواح مدینہ حجاز اور مصر سے آئے تھے ،	۶۰۰۰
ایضاً کوفہ ایضاً	۹۰۰۰
متفرق مقامات سے	۳۰۰۰
میزان	۱۸۰۰۰
جو لشکر مالک اشتر کی ماتحتی میں آیا	۱۲۰۰۰
میزان کل	۳۰۰۰۰

(زیادہ مشہور ۲۰۰۰۰ ہے اور میں اسی کو صحیح باور کرتا ہوں)

دشمن کی فوجی ترتیب

دشمن کو جب یہ خبر ملی کہ علیؑ کا لشکر قریب آگیا تو انہوں نے اس طرح اپنی فوجی ترتیب کی :۔

کل سواروں کا افسر طلحہ ، میمنہ ، مروان ابن حکم ، میسرہ ہلال ابن وکیع ، جناح ، عمر ابن طلحہ ، قلب عبداللہ ابن عامر ۔ پیادوں کا افسر۔ عبداللہ ابن زبیر، عبدالرحمٰن ابن عتاب ، عبدالرحمٰن ابن حارث ، مجاشع ابن مسعود اسلمی غانم بن بکر الباہلی سپہ سالار حضرت عائشہ ۔

حضرت علیؑ کی فوجی ترتیب

صاحب سراج المبین نے تاریخ ذہبی سے جنگ جمل کے متعلق ایک مفید مقام نقل کیا ہے ۔ جس سے حضرت علی علیہ السلام کی فوج کی وردی ، اس کی روانگی کی شان اس کی ترتیب وغیرہ سمجھ میں آتی ہے :۔ منذر ابن جارود جعفی نے.......... بیان کیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام جس وقت مع اپنے لشکر کے ریگستان سے ہو کر بصرہ کے قریب پہنچے اور میں دیکھنے کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے ایک ہزار سوار کا رسالہ آیا جس کے آگے آگے ایک مرد بزرگ ایک سفید گھوڑے پر سوار اور سفید ٹوپی پہنے شمشیر حائل کئے اور نشان لئے ہوئے تھا اور ان سب سواروں کی ٹوپیاں اکثر سفید اور زرد تھیں ۔ سب لوہے اور ہتھیاروں میں غرق تھے ۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ابو ایوب انصاری پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں اور یہ تمام قوم انصار ہے ۔

اس کے بعد ایک اور سوار زرد عمامہ اور سفید کپڑے پہنے تلوار گلے میں ڈالے ، کمان کندھوں پر رکھے نشان ہاتھ

میں لیئے بڑے گھوڑے پر سوار ہزار سواروں کے ساتھ آیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے تو جواب ملا۔ خزیمہ رضؓ ابن ثابت انصاری ملقب بہ ذوالشہادتین جن کی ایک گواہی اسلام میں دو گواہوں کے برابر ہے۔

پھر ایک اور بزرگ کمیت گھوڑے پر سوار زرد عمامہ باندھے، نیچے سفید ٹوپی پہنے، بدن میں سفید قبا، چمکدار تلوار گلے میں ڈالے، کمان کندھوں پر رکھے، ہزار آدمی کے ساتھ نیزے لیئے ہوئے آیا۔ میں نے کہا۔ یہ لوگ کون ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ابو قتادہ ابن ربیعی ہیں۔

پھر ایک سفید گھوڑے والا آیا اس کے پاس سفید کپڑے اور کالا عمامہ تھا اور اس کو آگے پیچھے خوب مضبوط اور پیچ دار باندھا تھا۔ نہایت تجمل اور وقار کے ساتھ کلام شریف پڑھتا ہوا اسی طرح تلوار گلے میں ڈالے، کمان دوش پر رکھے، ہاتھ میں سفید پھریرے والا نیزہ لیئے اور ہزار آدمیوں کے ساتھ جن کی ٹوپیاں مختلف رنگوں کی تھیں اور ان کے گرد بوڑھے، ادھیڑ اور جوان بھی تھے، آیا۔ ان کی درستی اور سکوت ایسا تھا گویا گنتی کے لیئے چپ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر سجدے کے نشان تھے۔ میں نے پوچھا تو لوگوں نے کہا یہ عمار ابن یاسر رضؓ اور چند مہاجر و انصار اور اصحاب رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اولاد ہیں۔

پھر ایک اور سوار بڑے گھوڑے پر سوار سفید کپڑے اور ٹوپی پہنے، کمان کندھے پر رکھے، تلوار ہیکل کیئے جس کے پاؤں زمین پر لگتے جاتے تھے، ہزار آدمیوں کے ساتھ جن کی ٹوپیاں اکثر زرد و سفید تھیں، نیزہ لیئے ہوئے آیا۔ میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے تو معلوم ہوا کہ یہ قیس ابن سعد ابن عبادہ انصاری ہے جو چند انصار اور ان کی اولاد بنی قحطان کو ساتھ لئے ہیں

پھر ایک اور بزرگ اسپ تیز رفتار پر سوار آئے۔ ہم نے ایسا خوبصورت نہیں دیکھا تھا۔ سفید لباس، سیاہ عمامہ باندھے، آگے پیچھے خوب درست اور سڈول باندھے ہوئے ایک نیزہ ہاتھ میں لئے پہنچا۔ لوگوں نے بیان کیا یہ عبداللہ ابن عباس اپنی اولاد اور چند دوست اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ بعدازاں ایک اور رسالہ آیا جس کا رسالہ دار ہم شکل تھا، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ عبیداللہ ابن عباس ہیں۔

پھر ایک اور رسالہ آیا اور اس کا افسر بھی پہلے افسروں سے مشابہ تھا، دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ قثم ابن عباس ہیں پھر اور لشکر اور نیزہ دار آگے پیچھے آتے گئے اور انبوہ کثیر ہو گیا۔

پھر ایک اور لشکر آیا۔ جس میں ایک خلقت ہتھیار بند لوہے میں ڈوبے ہوئے طرح طرح کے نیزہ بردار تھے۔ سب کے آگے آگے بڑا نشان ایک سوار ہاتھ میں لیے اور وہ سوار زمین کی طرف نیچی نظر کئے ہوئے نہایت قوی بازو اس طرح چلا جاتا تھا کہ گویا اس کی گردن پر کوئی جانور بیٹھا ہے۔ اس کے داہنے طرف ایک خوبصورت جوان اور بائیں طرف بھی ایک ایسا ہی

جوان تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ سب صاحب کون ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ اور یہ آگے جو نیزہ لئے ہوئے ہیں وہ محمد ابن حنفیہ ہیں اور یہ دونوں حضرات جو ہمیں ولیسار ہیں۔ وہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہ السّلام ہیں۔ ان کے پیچھے عبداللہ ابن جعفر اور سب اولاد عقیل اور جوانان ہاشمی ہیں اور یہ ضعیف لوگ وہ مہاجر و انصار ہیں جو جنگِ بدر میں جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک تھے۔"

احنف ابن قیس ایک خیال ظاہر کرتا ہے

جس وقت حضرت علی علیہ السلام کا لشکر قریب پہنچا۔ تو احنف ابن قیس جس نے اب تک حضرت عائشہ کی موافقت نہیں کی تھی، حضرت علیؑ کے پاس آکر کہنے لگے:۔

"یا اباالحسنؑ! بصرہ کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت علیؑ اگر ہم پر فتح پائیں گے تو ہمارے مردوں کو قتل کر کے عورتوں اور بچوں کو غلام بنائیں گے"؟

حضرت علیؑ نے جواب دیا:۔

"اے احنف مجھ سے یہ کبھی نہ ہوگا۔ اہل بصرہ مسلمان ہیں۔ میں ان پر حکم نہیں جاری کروں گا جو کفار کے لئے ہے مجھے تیری رائے نہیں معلوم تو ہمارے موافق ہے یا مخالف؟"

"یا علیؑ! کیا آپ کو میری موافقت میں شبہ ہے؟ میں اس وقت دو باتیں پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک کو قبول کریں۔ اگر آپ کی خواہش ہو تو ہم دو سو بہادروں سے آپ کی خدمت میں رہیں اور اگر چار ہزار آدمیوں کی تلوار سے محفوظ رہنا چاہتے ہوں تو ہمیں علیحدہ رہنے دیں۔"

"یہ مناسب ہے کہ تو چار ہزار تلواریں الگ رکھے۔"

موضع ذی قار میں حضرت علیؑ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فصیح خطبہ ادا کیا اور خدا اور رسولؐ کی تعریف کے بعد فرمایا:۔

"ایھا النّاس! مجھے اس وقت تین حالتوں کا سامنا ہے جس کا قرآن میں حکم موجود ہے۔ وہ باتیں نقض عہد، ظلم اور حسد ہیں۔ میرے احباب اور بھائی مجھے خلیفہ رسولؐ نہیں دیکھ سکتے۔ حاسد محسود فیہ کے زوال کا خواہاں رہتا ہے لوگ چاہتے ہیں کہ لباسِ خلافت میرے جسم سے نوچ لیں۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے بہ رغبت میری بیعت کی اور قسمیں کھائیں اب ان سے مکر، نقض عہد اور حسد ظاہر ہو رہا ہے۔........

طبیعت کے متعلق ایک بڑا اشارہ

جو شخص ان خصائل ذمیمہ کو دوسروں کے لئے سوچتا ہے وہ خود ہی اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ مجھے اس وقت چار مشہور آدمیوں سے سامنا ہے۔ زبیر ابن العوام مشہور سوار، طلحہ ممتاز حیلہ ساز، حضرت عائشہ جن کی طرف لوگوں کا میلان ہے۔ یعلی ابن امیہ

جس کے پاس مصارف جنگ کے لئے کافی روپیہ ہے اگر اس خدا نے جس کی عمدہ صفت یگانگی ہے۔ مجھے اس پر فتح دی تو اس کا مال داخل بیت المال کر دوں گا۔"

حضرت علیؑ کی یہ تقریر سن کر خزیمہ ابن ثابت کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:۔

خزیمہ کا اچھا جواب

جو کچھ امیر المومنینؑ نے فرمایا وہ بالکل سچ ہے۔ میں باقسم کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ حسد اور عہد شکنی کی ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ آپ زبیر سے زیادہ بہادر ہیں ان کا علم اور ارادہ طلحہ کی عقل سے زیادہ ہے۔ لوگ بہ نسبت حضرت عائشہ کے آپ کے زیادہ مطیع ہیں۔ اسباب دنیا زیادہ قابل عزت نہیں خدا آپ کو وجہ حلال سے دیگا۔ یعلی ابن امیہ نے چونکہ روپیہ ظلم سے جمع کیا ہے اس لئے وہ جہالت اور فساد کی شکم پری کر رہا ہے۔

امیر المومنینؑ کے بیانات

چونکہ اب وہ وقت دور نہیں رہ گیا ہے کہ تلواروں کی جھنکاریں آنے لگیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قتل عثمان سے اپنی برأت اور طلحہ وغیرہ کے متعلق جو کچھ حضرت نے فرمایا ہے۔ خطبات نہج البلاغہ سے چن کر ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ حضرت فرماتے ہیں:۔

حضرت علیؑ کی سچی شاندار نصرت

کیا میری خصلتوں کے علم نے انہیں اس تہمت سے منع نہیں کیا؟ کیا یہ جاہل میرے حالات سابقہ کو جانتے ہوئے بھی مجھے متہم کرنے سے باز رہے؟ وہ نہیں جانتے کہ میں کیسا شجاع ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کس دلیری اور ثابت قدمی سے جہاد کیا ہے۔ پھر کیوں کر میں پوشیدہ طور پر کسی کے قتل میں شریک ہو سکتا تھا جو بزدلی کی نشانی ہے کیا میری زبان سے زیادہ پروردگار عالم نے انہیں وعظ نہیں کیا! بیشک قیامت کے روز بندوں کو ان کے دلی خیالات پر جزا دی جائے گی"

انتقام کے متعلق خیال

"اے بھائیو جو کچھ تم جانتے ہو میں اس سے ناواقف نہیں ہوں۔ مگر مجھے انتقام کی قوت کیونکر حاصل ہو۔ حالانکہ وہ قوم نہایت صاحب شوکت ہے۔ یہ لوگ ہم پر مسلط ہیں، ہم ان پر تسلط نہیں رکھتے۔ جس چیز کا تم ارادہ کر رہے ہو کیا اس پر قدرت حاصل کرنے کے لئے کوئی موضع کوئی مقام تمہاری نظر میں موجود ہے؟ تحقیقاً یہ زمانہ جاہلیت کے جاہلوں کا کام ہے۔ اس گروہ کی مدد کے لئے بہت سی کمک تیار ہے اور لوگ اس امر میں جب کہ اسے حرکت دی جائے۔ مختلف رائیں رکھتے ہیں۔ ایک گروہ تو اسے صواب و درست سمجھتا ہے اور انہی نگاہوں سے دیکھتا ہے جن سے تم دیکھ رہے ہو۔ ایک فرقہ کچھ اور ہی کہہ رہا ہے، جسے تم نہیں دیکھتے ایک اور بھی فرقہ ہے جو نہ اسے دیکھتا ہے نہ اسے اچھا سمجھتا ہے۔ اب تم ذرا صبر سے کام لو تا کہ لوگ

آرام لے لیں۔ ان کے دل اور ان کی رائیں اپنے اپنے مقام پر قائم ہو جائیں۔ پھر بآسانی حقوق لئے جا سکیں گے۔ تم میری طرف سے آرام کرو۔ مطمئن رہو اور دیکھتے رہو کہ میرا حکم کس چیز کو تمہارے لئے لاتا ہے۔ تم کبھی وہ نہ کرنا جس سے قوت متزلزل ہو جائے۔ جو قدرت و قوت کو ناقص کر دے اور سستی و ذلت کا باعث ہو۔

کیوں طلحہ نے مخالفت کی

"یہ طلحہ ہرگز اپنی تلوار کو برہنہ کر کے طلب خون عثمان میں عجلت نہ کرتا مگر اسے یہ خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں مجھی سے اس کے خون کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ اس مظنہ سے بچ نہیں سکتا اور نہ اس سے زیادہ اس گروہ میں کوئی اس خون پر حریص تھا لہٰذا اس نے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں کو اس مغالطہ میں ڈال دے۔"

جب دونوں لشکروں میں زیادہ دوری نہ رہ گئی تو حضرت علیؑ نے اتمام حجت کی غرض سے مناسب سمجھا کہ حضرت عائشہ کو فہمائش کا ایک خط بھیجا جائے اس میں انہیں واپس جانے اور گھر میں رہنے کی ہدایت کی تھی۔ ان کے علاوہ طلحہ و زبیر کو بھی حسب ذیل خط لکھا۔

طلحہ و زبیر کو حضرت علیؑ کا خط

"طلحہ و زبیر! واضح ہو کہ مجھے خلافت کی رغبت نہ تھی جب مجھے خلافت دے رہے تھے میں برابر انکار کرتا تھا اور لوگ برابر منتیں کر رہے تھے۔ جب تک تم دونوں آدمیوں نے رضامندی ظاہر نہیں کی۔ جب تم نے بیعت کی۔ تم پر کوئی زبردستی نہ تھی اور کوئی غرض نہیں معلوم ہوتی تھی جس کی وجہ سے بیعت کی ہو۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیوں لڑنے کے لئے آمادہ ہو اور نقض عہد کر رہے ہو۔ اگر تم جانتے ہو کہ یہ سچ ہے اور میں نے تمہارے حقوق میں کوئی بات دریغ نہیں کی تو اس اندیشہ سے باز آؤ۔ اور اگر وہ نہیں ہے جیسا کہ کہہ رہا ہوں اور تم نے بہ اکراہ بیعت کی ہے تو چونکہ ظاہراً تم نے ایک فعل کیا اور مسلمانوں نے اسے دیکھا اب اگر تمہاری طبیعت بدل بھی گئی ہو تو میری اطاعت واجب سمجھتے رہو۔ کیونکہ بیعت کے بعد اگر تم سے میں کسی امر میں موافقت چاہوں گا تو کوئی ملامت نہ کرے گا اور تم بیعت کے بعد مخالفت کرو گے تو جو سنے گا ملامت کرے گا۔ تم دونوں کے لئے ابتداءً بیعت نہ کرنا۔ آج کے نقض عہد سے آسان تھا۔ تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ میں نے عثمان کو قتل کیا اور مجھے بیگناہ نہیں سمجھتے اس سے تعجب ہو رہا ہے۔ میں اس پر راضی ہوں کہ مدینہ کے وہ لوگ جو آج نہ میرے ساتھ ہیں اور نہ تمہارے ہمراہ۔ وہ ہم دونوں کا فیصلہ کریں۔ جو کچھ انہیں معلوم ہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جس سے دونوں کی خطا معلوم ہو اور جس نے اس کے خون میں جس قدر کوشش کی ہے، معلوم ہو جائے۔ عثمان کے لڑکوں کو پہلے میری بیعت کرنی چاہیئے اس کے بعد جن لوگوں پر ان کے باپ کا خون ہے میرے سامنے پیش کریں اور دعویٰ کیا جائے

کہ جو کچھ حکم شرع ہو ان پر جاری کیا جائے۔ تم کو طلب خون عثمان سے کیا واسطہ جو بنی عبدمناف سے تھا۔ تم میں کوئی قرابت نہیں ہے۔ تم عائشہ کو اپنے ساتھ لے آئے اور مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دیتے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا سوچ رہے ہو، خدا تمہاری ہدایت کرے۔"

بے پروائی کا جواب

حضرت علیؑ کے خط کا حضرت عائشہ نے یہ جواب دیا کہ تم اپنی شہرت چاہتے ہو اور ہمیں یقین ہے کہ جس خیال سے آئے ہو، بغیر اس کے پورا کئے واپس نہ ہو گے ہم ہرگز تمہاری اطاعت نہ کریں گے۔ اس کے بعد عبداللہ ابن زبیر نے لشکر سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"ایہا الناس! علیؑ نے عثمان کو جو خلیفہ برحق تھے، قتل کیا اور لشکر جمع کیا ہے کہ تمہارے اختیارات چھین لیں اور تمہارے ملک پر قبضہ کریں۔ ہمت کرو اور اپنے خلیفہ کے خون کا عوض لو۔ اپنے حرم اپنے زن و فرزند اور حسب و نسب کے لئے لڑو"

عبداللہ ابن زبیر کی تقریر کا ایک شخص نے حضرت علیؑ کے لشکر میں ذکر کیا۔ یہ باتیں سن کر امام حسن علیہ السلام نے لشکر کو مخاطب کر کے کہا:۔

"حضرات! مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبداللہ ابن زبیر نے میرے والد کی مذمت کی اور انہیں قاتل عثمان ٹھہرایا۔ تم مسلمان ہو۔ بہت سے مہاجر و انصار ہیں۔ تم جانتے ہو کہ اس کے باپ زبیر ابن العوام نے عثمان کو کیا کچھ نہیں کہا اور طلحہ ابن عبیداللہ نے بیت المال پر کیسا کچھ تصرف نہیں کیا اس کو کب حق حاصل ہے کہ میرے والد کو برا کہہ سکے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ علیؑ ممالک پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے باپ کی بڑی دلیل یہ ہے کہ ہم نے ہاتھ سے بیعت کی، دل سے نہیں کی۔ لیکن اس سے اس کی بیعت فی الجملہ ظاہر ہے۔ اقرار کے بعد انکار قابل قبول نہیں، حکم شرع ظاہری باتوں پر ہے، ہم کو انصار عثمان سے کوئی غرض نہیں بلکہ بالفعل شتر نشینوں سے نزاع ہے۔"

مصالحت کی مزید کوشش

امام حسن علیہ السلام کے اس خطبہ کو سب نے پسند کیا اور ان کی تعریف کی۔ حضرت علی علیہ السلام نے دوبارہ عبداللہ ابن عباس اور زید ابن صوحان کو حضرت عائشہ کے پاس بھیجا مگر جواب آ دیا گیا کہ میں علی کی باتوں کا جواب دوں گی کیونکہ ان سے گفتگو میں بر نہیں آ سکتی"، اور بقول قعقاع ابن عمر کی سفارت میں حضرت عائشہ کے لشکر کا ایک بڑا سردار حضرت علی علیہ السلام کی طرف آ گیا۔ جب حضرت علیؑ نے دیکھا کہ عائشہ اور طلحہ و زبیر کو معقول فہمائش سے کوئی اثر نہیں ہے تو انہوں نے مجبوراً امراء، سرداران لشکر اور سپاہیوں کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

لشکر سے آخری خطاب

ایہا الناس! مجھے جہاں تک قوت تھی انہیں سمجھایا اور نظر انداز کرتا رہا۔ لڑائیوں

کی سختی سے باخبر کیا۔ جب یہ بھی کارگر نہ ہوا۔ تو قسمیں دیں کہ شاید اپنے زن و فرزند پر رحم کریں لیکن کسی کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ مجھ سے کہلوایا ہے کہ لڑائی کے لئے آمادہ رہو اور مردوں سے لڑنے کے لئے آؤ۔ یہ لوگ مجھ سے ایسی بات کہہ رہے ہیں۔ جس کی عمر طعن و ضرب میں کٹی اور میدان جنگ میں نشو و نما ہوئی۔ شاید مجھے یہ بھول گئے میں وہی علیؑ ہوں۔ جس نے ان کی صفیں توڑیں۔ ان کے بزرگوں کو قتل اور ان کی جمعیتوں کو پریشان کیا ہے۔ وہ تلوار جس سے شجاعان عرب کے سر کاٹے، میرے ہاتھ میں ہے۔ اس کے علاوہ قوی دل، بازوئے متین، صبر اور یقین سے آراستہ ہوں۔ مجھے کیا خوف ہے، خدا کی مجھ پر رحمت ہے۔ موت سے بھاگنا ممکن نہیں۔ خدا کا حکم ضرور پورا ہو گا۔ جو شخص مارا نہ جائے گا وہ ضرور مرے گا۔ مارا جانا مرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تلوار کے ہزار زخم مجھ پر آسان ہیں بہ نسبت اس کے کہ عورتوں کی طرح بستر پر مروں۔"

ہدائتیں جو آج بھی بکار آمد ہیں

"سپاہیو! تم فتح پانے پر ان کا مال نہ لینا، پہلے لڑنے کا قصد نہ کرنا۔ اگر کوئی تمہارا قصد کرے تو تم بھی اس کے شر کے دفع کرنے کی غرض سے لڑنا کہ کسی کا خون تمہاری گردن پر نہ ہو، بھاگتے ہوئے قتل نہ کرنا۔ عورتوں اور بچوں پر رحم کرنا اور مریضوں سے تعرض نہ کرنا"

علیؑ میدان جنگ میں خدا سے کہتے ہیں

اس کے بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدیم سپہ سالار نے خدا سے عہد شکنوں کی شکایت کی اور غالباً اسی موقع پر فرمایا:۔

"بارالہا! تو خوب جانتا ہے کہ جو کچھ مجھ سے واقع ہوا، وہ رغبت سلطنت و حکومت کی وجہ سے نہیں ہوا اور نہ مال و متاع، دنیا کی زیادتیوں میں کسی چیز کی خواہش سے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ میں تیرے دین کی بلندی بحال کر دوں۔ تیرے بندوں کے درمیان اصلاح ظاہر کروں۔ تیرے مظلوم بندے امن میں آجائیں اور تیرے وہ حدود قائم ہوں جو معطل پڑے ہیں"

علیؑ کے لشکر کی میدان جنگ میں یہ ترتیب تھی:۔

علیؑ کی فوجی ترتیب

سواران میمنہ عمار یاسرؓ، میسرہ، سعید ابن قیس الہمدانی، قلب، محمد ابن ابی بکر، جناح زیاد ابن کعب، پیادگان میمنہ:۔ شریح ابن ہانی۔ میسرہ، رفاعہ ابن شداد البجلی، قلب، عدی ابن حاتم طائی، جناح حجر ابن عدی الکندی۔

سواران کمین:۔ عمر ابن حمق الخزاعی، پیادگان کمین:۔ جندب بن زہیر الاسدی۔ ان کے علاوہ سرداران قبیلہ کو اپنے اپنے قبیلہ پر افسر مقرر کیا اور حکم دیا کہ ماتحت افسروں کی آواز پر کان لگائے رہیں۔

تصویر

دوسری طرف عسکر (وہ اونٹ جو یعلی ابن امیہ نے حضرت عائشہ کو دیا تھا) پر ایک بڑی ہودج کسی ہے

اس پر حضرت عائشہ تشریف فرما ہیں اور خود یعلی ابن امیہ مہار شتر تھامے ہے۔ اس پر بصرہ کا نشان لہرا رہا ہے۔

اس وقت خاموش لشکر کی نگاہ ایک سوار کی طرف اٹھی، جسے جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ پیراہن رسولؐ زیب تن کئے ہوئے ہے۔ رسولؐ کی چادر دوش پر پڑی ہے۔ سیاہ عمامہ سر پر رکھا ہے اور دُلدُل پر بیٹھا ہوا بلا کسی ہتھیار کے پکار رہا ہے:۔

"زبیر کہاں ہے میرے سامنے آئے۔" ! (اعثم کوفی)

خاموشی میں بھی ایک صدا تھی جس نے تھرتھراہٹ پیدا کی ہوگی اور میدان جنگ کی ہیئت کا لوگوں میں عملی اندازہ شروع ہوا ہوگا۔ خصوصاً جب امیر المومنین علیہ السلام نے زبیر کو طلب کیا تھا۔ زبیر ابن العوام میں حرکت ہوئی اور وہ آگے بڑھا تھا کہ عائشہ نے گھبرا کر پکارا:۔

"کیا تو اپنی بی بی کو بیوہ کرنا چاہتا ہے"؟ ———— زبیر نے جواب دیا:۔

"مطمئن رہو کہ علی مسلح نہیں ہیں اور ہم مسلح ہیں!" زبیر سامنے پہنچے اور علیؑ نے کہا:۔

"یا ابا عبداللہ، یہ کس بات کے لئے آمادہ ہے؟" ———— جواب دیا:۔

"خون عثمان" !

"سبحان اللہ! تو نے اور تیرے دوستوں نے عثمان کو قتل کیا قصاص کس سے طلب کرتا ہے"؟

عائشہ اور زبیر، علیؑ سے ملاقات کے بعد

اس کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے پرانے عہد رسولؐ کے اقوال اور موافقت یاد دلائی اور کہا جاتا ہے کہ یہ شرمندہ ہو کر اپنے لشکر میں اس ارادے سے واپس گئے کہ علیؑ سے جنگ نہ کریں گے۔ حضرت عائشہ نے مضمون تقریر پوچھا تو زبیر نے کہا:۔ "میں یہ قسم کہتا ہوں کہ اسلام اور جاہلیت میں بہت سی لڑائیوں میں شریک رہا مجھے اس معاملہ میں پوری دستگاہ ہے۔ لیکن اس وقت علیؑ کے مقابل انتہائے تردّد سے مجھے اپنے پیر نہیں دکھائی دیتے تھے۔"

"یا ابا عبداللہ، تو علیؑ کی تلوار سے ڈر گیا؟ اگر ایسا ہے تو عیب کی بات نہیں ہے کیونکہ بڑے بڑے بہادر اس سے ڈرتے ہیں"

باپ اور بیٹا

اس وقت عبداللہ ابن زبیر عائشہ کی مدد کے لئے آ گئے:۔

"اے باپ تجھے علیؑ کی تلواریں موت دکھائی دی اس سے بھاگ گیا۔"

اے فرزند میں ڈرا نہیں، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تو ہمیشہ میرے لئے باعث شومی رہا۔"

"میں شوم نہیں تھا، لیکن دیکھتا ہوں کہ تو نے عربوں میں مجھے رسوا کیا اور ایسی شرم میں مبتلا کیا جسے کسی دریا کا پانی دھو نہیں سکتا۔"

اپنے فرزند کی سخت طنز آمیز گفتگو سن کر تجربہ کار جنگجو کو غصہ آیا۔ گھوڑے کو ڈانٹا اور حضرت علیؑ کے لشکر کی طرف دوڑا۔ حضرت علیؑ نے اس کا رخ دیکھ کر اپنے لشکر کی صفوں کو آراستہ ہونے کا حکم دیا۔ ایسا ہی ہوا۔ زبیر نے دو تین مقام پر صفوں میں اپنا گھوڑا اڑا لا اور اسی طرح بالکل نکل آیا نہ زبیر نے کسی کو زخمی کیا اور نہ انہیں کسی نے زخمی کیا۔ یہ بہادر غصہ میں اپنے بیٹے کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"اے فرزند کیا یہ نامردوں کا حملہ تھا؟"

"حملہ برا نہیں تھا لیکن تو نے کسی کو زخمی نہیں کیا اور جب ہم پر آفت آئی تو تو نے پیٹھ پھیر دی"

"اے فرزند، میں نے قسم کھائی ہے کہ کبھی علیؑ سے نہ لڑوں گا۔"

"قسم کا کفارہ غلام آزاد کرنے پر ممکن ہے"

قسم کا کفارہ

مکحول نام کا ایک غلام آزاد کیا گیا اور غالباً ساتھ دینے کی غیرت اور کچھ امیدوں نے اس بہادر تجربہ کار کو صف میں کھڑے ہو جانے پر مجبور کیا۔ ابن خلدون کا یہ فقرہ توجہ کے قابل ہے کہ "لوگ زبیر کو ابھار رہے تھے"، اسی موقع کے لئے واشنگٹن اروِنگ لکھتے ہیں کہ "آثار صلح دیکھ کر عائشہ متردد ہوئیں۔ حضرت علیؑ کے باوقار اعتبار پر طلحہ و زبیر نے کئی مرتبہ ان سے ملاقات کی۔ انہوں نے جنگ نہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن صلح کی ہر کوشش اس ..... خاتون کی بدولت ناکام رہی اور فوجیں لڑائی کے لئے تیار ہو گئیں۔"

لڑائی شروع ہو گئی

لڑائی شروع ہو گئی۔ دشمن کی طرف سے تیروں کا مینہ برسنے لگا لیکن اب تک حضرت علیؑ نے اپنے سرداروں کو جنگ شروع کرنے کا کوئی حکم نہ دیا تھا، لشکر کے بہادر زخمی ہو ہو کر جنگ میں جوش کے لئے آتے جاتے تھے مگر اجازت نہ تھی کہ جواب دیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد بعض نے چلا کر کہا:

"یا امیر المومنین! ہمیں بھی جنگ کی اجازت دیجئے کہ دشمن کی شوخی حد سے گزری جاتی ہے" جواب دیا۔

"ہم چاہتے تھے کہ کوئی عذر نہ رہے اور ہماری طرف سے جنگ کی ابتدا نہ ہو"

حضرت علیؑ مسلح ہوئے

نائب رسولؐ نے اب زرہ پہنی، تلوار اٹھائی۔ وہی تلوار جو چوتھائی صدی سے زنگ آلودہ ہو رہی تھی۔ قرآن لیا اور اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا:-

صلح کی آخری کوشش

"تم میں سے کون ہے جو اس قرآن کو دشمن کی طرف لے جائے اور اسے اوامر و نواہی یاد دلائے"

یہ سن کر ایک غلام جس کا نام مسلم تھا، صف سے باہر نکلا اور مخلصانہ جوش سے کہنے لگا:۔

" یا امیر المومنینؑ! میں یہ خدمت بجالاؤں گا۔"

" اے جوان تو مارا جائے گا، کیا یہ سن کر بھی تو آمادہ ہے؟"

" ہاں مستعد ہوں کیونکہ اس سے رضائے الٰہی حاصل ہوگی "

حضرت علیؑ نے دعائے خیر کی اور وہ قرآن حوالے کیا۔ یہ ایماندار بہادر چلا اور دشمن کو مخاطب کر کے کہنے لگا:۔

" ایہا الناس! امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب نے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم ہیں۔ میرے ہاتھ یہ قرآن بھیجا ہے، اپنی حجت تمام کی ہے اور کہلوایا ہے کہ میں حکم خدا پر عمل کرتا ہوں۔ تم میری مخالفت نہ کرو، خدا سے ڈرو اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اس پر عمل کرو۔ (اعثم کوفی)

قرآن والا ہاتھ کاٹ دیا گیا

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حضرت عائشہ کے ایک غلام نے قرآن سے مسلح نوجوان کے ہاتھ پر تلوار ماری اور اس کے دونوں ہاتھ کٹ کر زمین پر گرے اس بہادر نے اپنے بازو اور سینہ کی مدد سے قرآن کو سنبھالا لیکن اب اس کے سینہ پر تلوار ماری گئی اور یہ بے جان ہو کر زمین پر گرا (طبری عربی ج ۵، صد ۲۰۴)

محمد ابن حنفیہ اور حضرت علی علیہ السلام

یہ دیکھ کر حضرت علیہ السلام نے اپنے فرزند محمد حنفیہ کو علم حوالے کیا اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ غالباً اسی موقع پر ہدایت فرمائی:۔

" بیٹا پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں، سر بفلک چوٹیاں سرک جائیں، مگر تو اپنے مقام سے نہ ہٹنا۔ اپنے دانتوں کو ایک دوسرے سے پیوستہ کر کے بتیسی خوب مضبوط بند کر لے۔ اپنے کاسہ سر کو عاریتہً خدا کے حوالے کر، اپنے قدموں کو زمین میں گاڑ دے۔ اس قوم کے آخری کنارے پر نظر کر، بیشک فتح و نصرت خدا کی جانب سے ہے۔"

سرتاج شجاعان عرب کا فرزند صف سے باہر نکلا اور گھوڑے کو مہمیز دیتا ہوا دشمن کے میسرے پر گرا۔ یہاں دو چار سے جنگ کر کے میمنہ پر حملہ کیا۔ تھوڑی دیر یہاں بھی اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور پھر صف میں واپس آیا:۔

حضرت علیؑ میدان جنگ میں

اب وہ بہادر چلا۔ جس کی جنگ دیکھنے کے لوگ مدتوں سے مشتاق تھے اگرچہ کسی کی شامت نہ تھی کہ خود سے مقابل ہونے کا حوصلہ کرتا۔ حضرت علیؑ کی تلوار نے کچھ بہادروں کو قتل اور زخمی کیا اور پھر اپنی فوج میں واپس آ کر تلوار سیدھی کرنے لگے۔ پھر حملہ کیا اور دشمن کی فوج کے بہت سے سپاہی قتل کئے۔ دوبارہ تلوار میں خم آگیا۔ یہ روح شجاعت تلوار زانو سے سیدھی کرتا ہے اور فرماتا جاتا ہے:۔

" خدا کی قسم! میں اس لڑائی سے بجز خوشنودی خدا کے اور کچھ نہیں چاہتا" اپنے فرزند محمد حنفیہ سے مخاطب ہو کر بیٹا

اس طرح جنگ کرنی چاہیئے جس طرح تیرا باپ جنگ کرتا ہے۔"

میسرہ پیچھے ہٹ گیا

اس کے بعد دشمن کے میمنہ نے بڑے زوروں میں حضرت علیؑ کے میسرے پر حملہ کیا اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔ یہ دیکھ کر مخنف ابن سلیم الازدی حضرت علیؑ کے لشکر سے نکلا اور اس نے دشمن کی بڑھتی ہوئی فوج پر حملہ کیا۔ کئی آدمیوں کو قتل اور زخمی کیا تھا کہ خود ایک کاری زخم کھا کر واپس آیا۔ اس کے بعد صقر ابن سلیم نے اپنے حوصلے نکالے اور شہید ہوا۔ زید ابن صوحان العبدی نے جرأت نمائی کی اور زخمی ہوا۔ حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے ایک مشہور متقی جس کا نام ابوعبیدہ العبدی تھا لڑا اور شہید ہوا۔ بہادروں میں شجاعت نمائی کا جوش آگیا۔ حضرت عائشہ کے لشکر سے عبداللہ ابن بشر باہر آیا اور اس نے حضرت علیؑ کو جنگ کے لئے طلب کیا۔ حضرت علیؑ نے اس کی للکار قبول کی اور اس کا حملہ رد کر کے تھوڑی دیر میں اسے زمین پر ڈھیر کر دیا۔

حضرت عائشہ

اب ہر طرف لڑائی ہونے لگی۔ عائشہ نے کچھ کنکر مانگے اور اسے حضرت علیؑ کے لشکر کی طرف پھینک کر کہا۔ تمہارے منہ کالے ہوں" اس کے جواب میں حضرت علیؑ کے ایک سپاہی نے کہا:۔

"ما رمیت اذ رمیت ولکن الشیطان رمی" یہ سن کر ابن ابوقحافہ کی صاحبزادی کو غصہ آیا اور عام حملے کا حکم دیدیا۔

میدان جنگ کی حالت

میدان جنگ میں سپاہیوں کے جوش کے ساتھ مقتولین کی تعداد میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ ایک نے دوسرے کو قتل کرنا شروع کیا۔ زخمیوں کی چیخ اور کراہنے کی پردرد آواز سپاہیوں کے نعروں پر کبھی بلند ہوئی اور کبھی سپاہیوں کی پرجوش آوازوں نے انہیں دبا دیا۔ پھڑکتے ہوئے مسلمان ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے لگے۔ میں بھولتا ہوں۔ انہوں نے پھڑکنے کی حالت میں بھی اپنی ایسی حالت کے دشمن کو جلد ختم کر دینے کی کوشش کی ہوگی۔

مروان ابن حکم کی موقع بینی

جنگ کی گرمی میں مروان ابن حکم کو اپنی طبیعت کے موافق ایک موقع مل گیا۔ یہ اس کا انتقام تھا۔ جس نے اس کو قتل ہوتے ہوتے بچایا تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ طلحہ لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کر رہا ہے، اپنے غلام سے کہا:۔

"مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ عثمان کے دشمنوں کو طلحہ سے زیادہ کوئی ابھار نہیں رہا تھا آج انتقام کے بہانے سے بہتیروں کو معرض ہلاکت میں گرفتار کر رہا ہے۔"

طلحہ کی موت

یہ کہہ کر اس نے طلحہ کو ایک زہر آلود تیر مارا۔ تیر اس سختی سے چلایا گیا تھا کہ طلحہ کا پاؤں گھوڑے کے شکم میں سی گیا۔ گھوڑا اسے میدان سے لے نکلا۔ زخم میں سے اس قدر خون نکلا کہ موضع سجرہ میں پہنچتے پہنچتے

رُوح فنا ہوگئی۔ عائشہ کے اس ابن عم کی موت سے ان کا تمام لشکر متاسف ہوا۔ شام ہو چکی تھی دونوں لشکر علیحدہ ہوگئے

لڑائی کا دوسرا دن

صبح کو پھر لڑائی شروع ہوئی۔ آج حضرت علیؑ کے لشکر کے افسروں نے اس طرح حملہ کیا کہ پہلے حجاج بن عرمۃ الانصاری بڑھا۔ اس کے گھوڑے کے پیچھے خزیمہ بن ثابت، اس کے بعد شریح بن ہانی الحارثی، پھر ہانی ابن عروہ المزحجی، زیاد بن کعب الہمدانی، عمار یاسر، مالک اشتر، قیس ہمدانی، عدی بن حاتم اور رفاعہ بن شداد نے گھوڑے بڑھائے۔ ان رئیس قوم بہادروں نے تہلکہ ڈال دیا اور جو لوگ عسکر کے قریب تھے، انہیں قتل کرنے لگے۔

صاحب سراج المبین فی تاریخ امیر المومنین نے ایک روایت نہایت مفید نقل کی ہے:۔

"جنگ کی عین گرم بازاری میں جب لوہے سے لوہا اور جان سے جان لڑ رہی تھی۔ امیر المومنین پر پیاس نے غلبہ کیا۔ خادم پاس کھڑا تھا اس سے پانی مانگا وہ فوراً شہد کا شربت بنا لایا۔ اس میں سے ایک گھونٹ پی کر فرمایا:۔

افسوس ہماری قوم اس شہر میں غریب اور پیاسی کھڑی ہے! حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ آپ کے پہلو میں حاضر تھے۔ کہنے لگے، چچا آپ کو اب تک ان کا خیال ہے۔ ان کی ایسی سخت عداوت اور آپ کی ایسی مروّت۔ امیر المومنین یہ سن کر بے اختیار ہو گئے اور فرمانے لگے۔ تیرے چچا کے سینہ میں ہرگز کچھ بھی دنیا کی باتوں کا خیال نہیں۔"

اُونٹ اور فتح

حضرت علیؑ نے دیکھ لیا کہ جب تک اونٹ نہ گرا دیا جائے، قتل عام ہوتا جائے گا اور فتح آسانی سے ممکن نہ ہوگی۔ اس لئے اپنے سپاہیوں کو عسکر کے پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ عبدالرحمن تنوخی اس صدا پر دوڑا اور اس نے آگے کے دو پاؤں کاٹ دیئے لیکن کہا گیا ہے کہ اس قدر لاشیں اونٹ کے گرد تھیں کہ پاؤں کٹنے پر اس کا سینہ ٹک گیا۔ یہ دیکھ کر افسر میمنہ عمار یاسر نے وہ رسّی کاٹ دی جس سے ہودج اونٹ میں بندھی تھی۔

دشمن کی آبرو کا خیال

اس وقت حضرت علیؑ نے محمد ابن ابی بکر، عائشہ کے بھائی سے پکار کر کہا:۔

"اپنی بہن کی حفاظت کر کہ وہ زخمی نہ ہو جائے اور کسی کو ہودج کے قریب نہ جانے دے"۔

حضرت عائشہ کو ساتھ لے کر محمد ابن ابی بکر، عبداللہ ابن حنیف کے مکان پر آئے جو لڑائی میں مارا گیا تھا۔ دوسرے روز حضرت علیؑ نے سمجھانے کے لئے عبداللہ ابن عباس کو بھیجا مگر یہ مدینہ جانے پر راضی نہ ہوئیں اور کہا۔

حضرت عائشہ اور بنی ہاشم

"وہاں جاؤں گی جہاں اے بنی ہاشم تم نہ ہو" (روضۃ الاحباب) اعثم کوفی ص ۱۸۱)

تیسرے روز حضرت علیؑ خود گئے۔ یہاں دیکھا کہ بصرہ کی عورتیں حضرت عائشہ کو گھیرے رو رہی تھیں۔ عبداللہ ابن حنیف کی بیوہ نے جس وقت حضرت علیؑ کو دیکھا تو کہنے لگی:۔

" اے جمعیتوں کے درہم برہم کرنے والے، اے دوستوں کے مارنے والے! خدا تیرے بچوں کو اسی طرح یتیم کرے۔ جس طرح تو نے عبداللہ ابن حنیف کے لڑکوں کو یتیم کیا"، حضرت علیؑ صفیہ بنت الحارث ثقفیہ کو پہچان کر:۔

"جس سبب سے تو مجھے دشمن رکھتی ہے میں اس کے لئے تجھے ملامت نہیں کرتا۔ کیونکہ تیرے دادا کو بدر، چچا کو احد اور تیرے شوہر کو کل قتل کیا ہے اور جیسا تو کہتی ہے کہ میں دوستوں کا قاتل ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں ان سب کو جو اس گھر میں ملتے، قتل کر ڈالتا۔ عائشہ سے مخاطب ہو کر:۔

" تم مجھ پر ان کو طعن و تشنیع کے لئے لائی تھیں۔ اگر میں عافیت خلق نہ چاہتا تو ان کو گھر سے باہر نکال دیتا اور یہ بُری موت مارے جاتے کیا تمہارے لئے گھر بیٹھنے کا حکم نہیں ہے۔ تم پردہ سے باہر نکلیں، تم نے گناہ کیا اور مجھ سے لڑنے کے لئے لوگوں کو آمادہ کیا۔ تمہیں اس کا خیال نہ ہوا کہ ہماری قرابت سے تمہیں شرف حاصل ہوا۔ اب اٹھو اور اس گھر میں جاؤ جو رسولؐ نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے۔"

امام حسنؑ اور عائشہ اس کے بعد حضرت علیؑ اپنے لشکر میں آئے اور دوسرے روز امام حسنؑ کو بھیجا اور انہوں نے جا کر حضرت عائشہ سے کہا:۔

" امیر المومنین نے قسم کھائی ہے کہ تم اگر اس وقت نہ چلی گئیں تو وہ بات ظاہر کر دوں گا جسے تم جانتی ہو"

عائشہ اس وقت کنگھی کر رہی تھیں۔ ایک طرف کی تھی دوسری باقی تھی کہ یہ سنتے ہی فوراً کھڑی ہو گئیں اور روانہ ہو جانے کے لئے سواری طلب کی۔ ایک عورت جو ان کے قریب تھی ان کی مضطربانہ مستعدی دیکھ کر کہنے لگی:۔

" یا ام المومنین! تم نے عبداللہ ابن عباس کو سخت جواب دیئے اور وہ واپس ہوئے۔ کل علی آئے اور ان کی گفتگو سے بھی تم نے پریشانی ظاہر نہ کی جیسا کہ اس لڑکے کی گفتگو کا اثر ہوا؟" حضرت عائشہ نے جواب دیا:۔

" اس لئے کہ وہ فرزند رسولؐ ہیں۔"

" نہیں، صرف یہی نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ راز ہے میں قسم دیتی ہوں کہ مجھے ظاہر کر دو"

" جب تو نے قسم دی ہے تو میں تجھے باعث اضطراب بتا دیتی ہوں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ میں نے کچھ زیادہ طلب کیا۔ علیؑ بھی اسی جگہ موجود تھے۔ میری اس استدعا پر انہوں نے مجھے خاموشی کے لئے کہا۔ میں نے سختی کی اور انہیں رنج پہنچایا۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا:۔

تفویض یا علیؑ، یہ عورتیں تمہارے حکم میں ہیں۔ ان میں سے تم جس کو طلاق دے دو گے وہ میرے حبالۂ نکاح سے خارج ہو گی"

اس کے لئے کوئی وقت معین نہ تھا۔ مجھے خوف ہے کہ اگر علیؑ کے اشارہ کا خوف نہ کروں گی تو علیؑ حکم طلاق

جاری کر دیں گے اور زوجیت رسول کا شرف میرے اختیار سے باہر ہو جائے گا (اعثم کوفی ص ۲۹۲ روضۃ الاجباب مناقب تقوی)

امان کی صورتیں
اس جنگ کے اختتام پر حضرت علیؑ نے عام حکم دے دیا کہ جو شخص اپنے گھر چلا جائے گا اور ہتھیار نہ اٹھائے گا اسے امان دی جائے گی اور مال غنیمت مسجد میں رکھوا دیا تھا کہ جس کا ہو، لے جائے۔ اس خیال سے کہ راہ میں قزاق نہ ہوں۔ حضرت علیؑ نے حضرت عائشہ کے ساتھ کچھ عورتوں کو مردانہ کپڑے پہنا کر مسلح روانہ کیا حضرت عائشہ اس پر خفا ہوئیں کہ حضرت علیؑ نے مردوں کو ان کی حفاظت کے لئے مقرر کیا۔ یہ خفگی سن کر ایک سپاہی نے کہا کہ میں بھی تمہاری طرح سے عورت ہوں، مرد نہیں ہوں۔ شامی عائشہ نے اس علم پر حضرت علیؑ کو دعائیں دیں۔

مسٹر واشنگٹن اروینگ لکھتے ہیں :۔

دشمن کے ساتھ سلوک
"عائشہ کو علیؑ کے ہاتھوں سخت برتاؤ کی امید ہو سکتی تھی مگر وہ عالی حوصلہ شخص ایسا نہ تھا جو ایک گرے ہوئے دشمن پر شان نکالتا اس نے عزت کی اور چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔"

تعداد مقتولین
اس لڑائی کے مقتولین کی تعداد میں اختلاف ہے لیکن کم سے کم عائشہ کی فوج کے نو ہزار اور حضرت علیؑ کے ایک ہزار ستر سپاہی قتل ہوئے۔ بقول ابن خلدون بعد واقعہ جمل حضرت علیؑ میدان جنگ میں مقتولین کے دیکھنے کو تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ کعب بن سور، عبدالرحمٰن بن عتاب اور طلحہ بن عبداللہ پڑے ہیں۔ انہیں دیکھ کر فرمایا، "افسوس! لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہم پر عوام الناس نے خروج کیا تھا حالانکہ ان میں یہ لوگ موجود ہیں۔"

جمل پر تبصرہ
جنگ جمل کے تبصرہ کو قابل مؤلف تاریخ الاسلام کے اس فقرہ سے شروع کرتا ہوں کہ "ایک بڑے فساد کی بنیاد حضرت عائشہ کی ذات سے قائم ہوئی"۔ میں سخت تحسر سے اس فقرہ کی تصدیق کرتا ہوں "ذات" کا لفظ کسی قدر غلط خیالی پیدا کر سکتا ہے کہ حضرت عائشہ بالارادہ اس فساد کی باعث نہیں ہوئیں بلکہ انہیں کچھ لوگوں نے اپنا مرکز بنایا۔ مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان کے ارادے اور ذات دونوں پر سخت ترین الزام ہے جس سے مفر کے لئے کوئی گوشہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ کی ذات خیالات اور ارادے نے جو کچھ کیا، حالت اس کے بالکل برعکس ہوتی اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ کسی مخالفت کا ارادہ نہیں کر رہی ہیں۔ اس لئے انہیں کوئی قوی اور کشش دار مرکز نہ ملتا یا دوسرے لفظوں میں اگر کچھ باغیانہ خیال کے ہوتے تو بھی کوئی جائے پناہ نہ پا کر خاموش ہو جاتے اور وہ کچھ نہ کرتے جس کے لئے آمادہ ہو گئے۔ تقدس کا بڑا مصرف نکالا گیا۔ قرض لی ہوئی چیز قرض دینے والے پر صرف کی گئی۔

یہی موقع ہے جہاں اس سوال کا بھی تصفیہ ہو گا کہ "اس کی مضرت کے درجہ کا مناسب اندازہ کیا ہو گا"۔ تھوڑی سی پس بینی اس سوال کے سمجھنے میں مدد دے گی۔ وصیت نامہ نہ لکھ دینے سے وہ وجہ اختلاف جسے سمجھ کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کی ضرورت سمجھی تھی، قائم ہوگئی۔ جس سے اسلام میں کمزوری اور تفرقے میں قوت پیدا ہوئی۔ یہ اسلام کی مہلک گمراہی تھی اور ظاہری مخالفت کا جس سے دور تک پہنچنے والا مضر اثر پڑتا، پہلا موقع تھا اور اس کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ تھا جس نے خیالات میں عملاً تفرقہ پیدا کر دیا۔

ابن الخطاب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفس ارادہ میں موقع کی مخالفت سے تعطل پیدا کر دیا۔ ابن ابو قحافہ کی مصلحت اس کی مقتضی ہوئی کہ ان کی وکالت اور اس کے نتیجہ سے جو حوصلہ مندانہ فرقہ بندی ہو سکتی تھی اس میں عملی مخالفت سے ان کے خلاف کچھ نہ ہو اور اس لئے زکوٰۃ روکنے والوں پر سختیاں کی گئیں۔ جو اپنے کو حامی حقوق خاندان رسالت کہتے تھے حضرت ابوبکر نے یہ ظاہر کر کے انہیں تباہ نہیں کیا کہ چونکہ تم اپنے کو حامی خاندان رسالت صلعم کہتے ہو۔ اس لئے ہم تم سے جنگ کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے اس خیال کا جو نتیجہ تھا کہ جسے وہ جائز وصی نہ سمجھتے تھے، اسے صدقات ادا کرتے اسے ظاہر کر کے جنگ کی۔ جس سے یہ سید ھا اور صاف الزام پٹ کر دیا گیا۔

ابوبکر نے علی ؑ کو خلافت سے محروم کرنے کے جو وسائل پائے اس میں جرأت کے آثار مطلق نہ تھے، برخلاف اس کے بیٹی جس ہمت سے علانیہ مخالف ہوگئی وہ اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ باپ نے اگر حضرت علی ؑ کی مخالفت کی جس وقت حضرت علی ؑ خلیفہ تھے۔ اگرچہ باپ بیٹی کے اغراض متحد تھے کہ حضرت علی ؑ خلیفہ نہ ہوں۔ جس ہمت اور طنطنہ سے حضرت علی ؑ کے ایسے مشہور بہادر کے مقابلے میں آئیں اور جس دل سے خونی منظر دیکھتی رہیں وہ باپ کی نرم دلی کے مقابلے میں تعجب خیز تھا۔ اس کے علاوہ ہم ان کی مصلحت بینی کے معترف ہیں کہ بصرہ پر قبضہ کے بعد طلحہ و زبیر میں امامت کے متعلق گرما گرمی دیکھ کر ایک ایک دن مقرر کر دیا۔ جس سے کسی پر خاص مہربانی کی شکایت نہ ہو سکے اور اس سے آپس کی ناچاقی سے مدعائے اصلی میں کمزوری نہ آنے پائے۔

عام نتیجہ

لیکن افسوس! انہوں نے ایک ایسی آگ بھڑکا دی جس سے اس وقت دس ہزار مسلمانوں کا خون ہوا کم و بیش اسی قدر عورتیں بیوہ ہوئیں۔ کئی ہزار بچے یتیم ہوئے اور اس تباہی نے لوگوں پر کیا کیا مصیبتیں نازل کی ہوں گی۔ جنہوں نے کوئی شرکت نہ کی تھی۔ کیا اچھا ہوتا کہ اگر صرف اسی قدر لوگ قتل، عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے تھے لیکن واقعہ کا نہایت ہی مہیب اور تاریک پہلو یہ ہے کہ اتنے خاندانوں میں مخالفتوں کا خیال پیدا ہوا اور اس نے آگے چل کر اور لاکھوں کا خون کیا اور مصیبتوں میں زمانے کے ساتھ ناقابل بیان زیادتی کی، کیوں؟

اس لئے کہ حضرت علی ؑ خلیفہ نہ ہوں۔ اسی غرض سے جاہلوں کو جوش میں لانے کے لئے ایک بے بنیاد الزام گڑھا انہی لوگوں نے گڑھا جو اصل میں ملزم تھے۔ انہیں کیا غم تھا اگر ہزار مسلمان مثل حضرت عثمان کے قتل ہو جاتے اگر خلافت

حضرت علیؑ کے قبضہ میں نہ جاتی اور وہ صاحب اختیار ہو جاتے۔ غرض تو یہی تھی کہ ایک الزام سے لوگوں کو موافق کریں۔ بنی امیہ کی جماعت کو اصل قرار دیں جو ہر ثبوت کے لئے آمادہ رہے اور ان دو جماعتوں کی موافقت سے ملک اور حکومت پر قبضہ کریں۔ اس مصلحت کے بعد ضرورت نہ تھی کہ منصفانہ قائل معقول کی طرف توجہ کی جاتی۔ جس سے اسلامی اتحاد کا تسمہ بھی کٹا دیا سر اور دھڑ ملنے کے لئے نہیں پھڑکے، جدا ہونے کے لئے تڑپے۔

خود غرضی اور جوش عداوت نے جاہلوں اور بعض سمجھ دار لوگوں کو بھی جنہیں ذاتی شکایتیں تھیں۔ موافق کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑوا دیا اور اس سے ایک ایسا بُعد، توحش اور مغائرت پیدا کر دی جس سے مل جانا ناممکن ہو گیا۔ آئندہ زمانے کے ساتھ عداوت کا سود بڑھتا گیا اور آخر میں قرض نا قابل ادا ہو گیا۔ اس عملی مخالفت سے بڑھ کر اسلام کے لئے اور کوئی مہلک دشمنی خارج از قیاس ہے۔

ان کے اس الزام اور حضرت علیؑ کی مخالفت کے لئے دفعتہً تیار ہو جانے پر متعجب ہونا اور ان سے سوال کرنا فطری امر تھا اگر یہ سچ تھا کہ حضرت عائشہ اور حضرت عثمان کی طرف سے ہمدردی اور جوش انتقام پیدا ہو گیا تھا تو انہوں نے طلحہ کو جو مستند........ تھے کیوں نہ سب سے پہلے قتل کیا جس سے ان کے دعوے کرنے کی سچائی لوگوں پر ظاہر ہوتی۔ ہم نہیں سمجھے کہ اس مبہم الزام کا کہ قاتلان عثمان قتل کئے جائیں کیا مفہوم تھا اس کی غرض یہ تھی کہ وہ ہزاروں آدمی جو عثمان کے معزول کرنے اور بزور شمشیر تخت سے اتارنے کے لئے آئے تھے۔ سب کے سب قتل کئے جاتے جنہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا۔

گھر کے وہ لوگ جو قاتل کو دیکھ اور پہچان سکتے تھے، گواہی نہ دے سکے۔ ورثا نے اپنی تمام شورشوں میں کسی کا نام نہیں بتایا۔ حکومت نے متواتر ان سے خواہش کی کہ تم قاتلوں کو پیش کرو۔ ان پر مناسب حکم نافذ کیا جائے گا۔ لیکن کسی نے مقتولوں کی سعی بھی کوشش نہ کی۔ حکومت بری الذمہ ہو گئی۔ خلاف عقل اور خلاف انصاف تھا کہ مبہم الفاظ پر ہزاروں بندگان خدا قتل کر ڈالے جاتے اور سب سے بڑھ کر تو یہ ہے کہ اتنے آدمیوں کا قتل کر ڈالنا قابل عمل نہ تھا۔

ایک دوسری صورت معاملہ یہ تھی کہ عثمان کا انصاف چاہنے والے لوگ اس وقت انصاف چاہ رہے تھے۔ جس وقت تک انہوں نے بیعت نہ کی تھی۔ یعنی اس صورت میں کہ وہ حکومت سے بے تعلق تھے۔ حکومت کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے کے لئے خواہ مخواہ کی ذمہ داری اپنے سر لیتی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا انصاف چاہنا اس قدر داد خواہی کی نیت سے نہ تھا۔ جس قدر ایک حکیمانہ ادعا تھا۔ اب اس کے بعد بفرض محال حضرت علیؑ نے دس پانچ ہزار آدمیوں کو بلا شہادت بغیر مقدمہ پر غور کئے یا قاتلوں کے وجوہات سمجھے، صرف داد خواہوں کی خواہش کے موافق آنکھ بند

کر کے قتل کر ڈالا ہوتا تو اس وقت بھی قرینہ غالب یہی ہے کہ وہ لوگ بیعت نہ کرتے اور لڑائی سے تصفیہ اس وقت بھی برقرار تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ تحکیم شرائط پوری کرنے والے زیر لب ہنستے اور اس کے برخلاف حکومت اتنے لوگوں کے ورثا کو اپنا مخالف بنا لیتی اور ایسے انصاف کرنے سے کوئی تسکین نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ ان کے اس انداز سے پھر اپنے اس فعل پر غور کرتی اور اس کی دانست میں یہ انصاف یا تو بے انصافی ہو جاتی یا مشتبہ اغراض کا نتیجہ سمجھا ہوتا۔ اس لئے حکومت کا بہترین اور قرین عقل و انصاف فرض یہ تھا کہ وہ دادخواہوں سے بیعت کرنے کی خواہش کرتی اور انہیں باقاعدہ انصاف کی امید دلاتی۔ یہ وقت نہیں تھا۔ جس وقت حکومت قابل الزام ہوتی بلکہ اس وقت جب کہ ان لوگوں نے شکایت کا موقع نہ دیا ہوتا اور باقاعدگی کے بعد حکومت سے تساہلی یا مروت ظاہر ہوئی ہوتی لیکن ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کی ایسی انصاف پسندانہ خواہش کا کوئی معقول جواب تاریخ میں نہیں ہے۔

حضرت عثمان کو مختلف صوبجات کی عام آوازوں اصحاب رسولؐ کی شرکت اور ان وجوہات نے قتل کیا جسے ہم ان کے واقعات کے تبصرہ میں لکھ چکے۔ ناممکن تھا کہ حضرت علیؑ عام آوازوں کو قتل کر ڈالتے اور اگر یہ آزادانہ رائے قابل بازپرس بھی تھی تو کبھی وہ موقع ہی نہیں آیا جس میں یہ عام آواز قابل شکایت سمجھی گئی ہوتی۔ اس پر اعتراض کیا گیا ہوتا اور یہ دکھایا گیا ہوتا کہ حضرت عثمان کی کل سوئے تدبیریوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ قطعاً بری اور یہ آوازیں مستحق سزا تھیں تو بھی انصاف اپنی راہ نکالتا۔ لیکن ہر شخص سمجھے گا کہ بجز ایک مجنونانہ شور کے کہیں سے عقل یا انصاف کا دامن تھامنے کی خفیف کوشش بھی نہیں کی گئی۔

مؤرخین کی دلچسپ کوشش

میں اس موقع پر بعض مؤرخین کی ایک دلچسپ کوشش کی طرف بغیر توجہ دلائے آگے بڑھوں گا۔ جس میں خوش بیانی کی صنعت سے واقعات نہایت نرمی سے چھیلے گئے ہیں اور کمال صلح پسندی سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حقیقتاً کوئی فریق قابل الزام نہ تھا بلکہ ایک تیسرے گروہ یا لاعلمانہ اتفاق سے آپس میں رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔ میری غرض اس قول سے ہے کہ گروہ عائشہ اس پر راضی ہو گیا تھا کہ اگر حضرت علیؑ فلاں فلاں اشخاص کو حوالے کر دیں تو ہم لوگ نہ لڑیں گے اور حضرت علیؑ نے بھی راضی ہو کر حوالے کر دینے کا حکم دے دیا۔ لیکن وہ لوگ جو حوالے کئے جانے والے تھے۔ انہوں نے حضرت علی اور حضرت عائشہ دونوں کی لاعلمی میں حضرت عائشہ کے لشکر پر شبخون مارا۔ عائشہ کا لشکر سمجھا کہ حضرت علیؑ نے شبخون مارا اور بس لڑائی شروع ہو گئی۔

واقعات تاریخ جن میں حضرت عائشہ اور حضرت علیؑ میں جنگ ہونے کا ذکر ہے اس سوئے اتفاق کے قصہ سے بالکل الگ ہیں۔ وجوہات کا بڑا ذخیرہ اس بے حقیقت کھلونے کے سامنے بے توجہی کے قابل نہیں ہو سکتا۔ ام المومنین

کا عظیم لقب کہیں سے اپنی شان، انداز اور معاملت ہیں اس کا خفیف سا اشارہ بھی نہیں دیتا کہ کہیں سے صلح کی آمادگی ظاہر کی گئی بلکہ اس وقت لڑائی ہوئی۔ جس وقت بجز لڑائی کے چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ جنگ دفعتاً نہیں شروع ہو گئی بلکہ اس لڑائی کو دفعتہً شروع ہو جانے والی کہہ دینا ایسا کہہ دینا ایسا کہنے والے مؤرخ اور سپاہی کو قطعاً غفلت شعاری کے الزام میں ماخوذ کرے گا۔ ناظر کے لئے اس مفہوم کی کہانی کی پہلی مثال حضرت علی ؑ سے سنت شیخین کی منظوری ہوگی اور اس کے بعد مروان کا خلیفہ ثالث کے لئے جانور قربانی قرار دیا جانا یا آخر میں عمرو عاص کا معاویہ کے رفع الزام کے لئے تیار کیا جانا یا طلحہ کا وفات کے لئے ایک نا معلوم اور غیر شاہد شخص کے سامنے حضرت علی ؑ کا بیعت کر لینا یا بقول مؤلف تاریخ الاسلام حضرت عائشہ کا مرتے دم توبہ کر لینا یہ کل باتیں اسی سرخی میں آتی ہیں کہ حقیقتاً وہ لوگ قابل الزام نہ تھے جو بادی النظر میں ملزم قرار دیئے گئے ہیں بلکہ یا تو ملزم دوسرا تھا یا سوئے اتفاق تھا یا شکایات رفع ہو چکی تھی۔ میری دانست میں موٹے موٹے واقعات کے سامنے ان خوش تدبیریوں کو گڑھنت ثابت کرنے کی کوئی کوشش کرنا الفاظ ضائع کرنا اور انہیں وقعت دینا ہے

حوالے کر دینا حکومت کی نفی تھی

حوالے کر دینے کا ٹنک اور اس کا بھونڈا پن اس سے سمجھ میں آجائے گا کہ ایسا کرنے سے حضرت علی ؑ اپنی حکومت اور انصاف کی خود نفی کرتے۔ یعنی اگر ایسا تھا کہ کچھ لوگوں پر الزام لگایا گیا تھا کہ یہ قاتل عثمان ہیں تو اب حضرت علی علیہ السلام کو خود فیصلہ کرنے اور حکم دینے کا اختیار تھا نہ کہ وہ بلا تحقیقات اور اثبات جرم کے ملزموں کو مدعی کے سپرد کر دیتے؛ ملزم ہونا ضرور مجرم ہونا نہیں ہے اگر ایسا ہوا بھی تھا کہ کچھ لوگوں پر الزام لگایا گیا تو کہیں سے کسی مؤرخ نے اس یادداشت کا ادنیٰ اہتمام نہیں کیا کہ فلاں فلاں شخص پر جرم تھا اور نہ بانس سے پانی پلانے والوں نے مقدمہ کے پیش کرنے اور ثابت کرنے کی جرأت کی۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ کسی کو ہمارا ملزم کہہ دینا اس کے قتل کر ڈالے جانے کے لئے کافی ہے، الزام قتل کا ثبوت اس کے بعد ضروری نہیں ہے

قتل عثمان کی خبر سُن کر عائشہ نے کیا اثر لیا

قابل لحاظ ہے یہ بات کہ جس وقت حضرت عائشہ نے حضرت عثمان کے قتل کی خبر سنی ان کا پہلا اثر خوشی کا تھا یا اگر خوشی کا نہ بھی تھا تو رنج کا بھی نہ تھا۔ اطلاع دہی کے الفاظ میں کہیں علی ؑ قاتل عثمان نہیں بتائے گئے اور نہ اس وقت یہ خبر سن کر حضرت عائشہ نے حضرت علی ؑ کی کوئی مخالفت ظاہر کی۔ اس وقت تک جب تک کہ حضرت علی ؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر سنی۔ انہوں نے حضرت علی ؑ کو قاتل عثمان نہ کہا بلکہ صرف ان میں عداوت کا جوش پیدا ہوا ہوگا اس کے بعد خیال ثانوی یہ تھا کہ انتقام لیا جائے اور اس کے بعد عداوت اور انتقام میں حضرت علی ؑ کے قاتل عثمان ہونے کا الزام ضم کیا گیا تھا۔ طلحہ و زبیر نے حضرت علی ؑ کی بیعت کے وقت انہیں کوئی الزام نہ دیا بلکہ ان کی ناخوشی کی ابتدا بیان ہو چکی۔

کیا شورش کرنے والے نیک نیّت تھے

مؤلف تاریخ الاسلام کے نزدیک "یہ لوگ نیک نیت لیکن غلط فہم تھے"۔ مجھے افسوس ہے کہ کہیں سے نیک نیتی کے خوش لحن جملہ کو ان لوگوں کے متعلق قبول کرنے کی وجہ نہیں پاتا۔ یہ لوگ غلط فہم تھے لیکن نہ اس معنی میں کہ انہوں نے صورت معاملہ کے سمجھنے میں دھوکہ کھایا تھا لیکن اس معنی میں کہ ایک غلط مصلحت کے موجد یا تجاہل عارفانہ پر مصر تھے اور اس سے کامیابی کی امید کرتے تھے۔ یہ لوگ جانتے تھے کہ ہم خلاف نفس اور خلاف عقل وجہ پر لڑنے جا رہے ہیں۔ وہ اپنی رفتار اور گفتار کی حقیقت اور راستی یا عدم راستی سے واقف تھے۔ وہ اپنے دولہ کے تقدس سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ اس کے قائم کرنے کی کوششیں ہو چکی ہیں اور اب وہ وقت آیا ہے جس میں حالتیں پوست کندہ ہو جائیں گی۔ اس لئے قبل اس کے کہ وہ تقدس کے لحاظ سے جو ہوا پر قائم تھا گر جاتے، گرتے گرتے اس سے کام لینا چاہتے تھے۔ بُرا مصرف تھا جب کہ ارادہ اور نیت مبنی بہ خودغرضی تھی، غلط مصلحت اور انتقام ان کا آماج تھا۔

انہیں اس کا علم تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں جان بوجھ کر کر رہے ہیں ہماری تلواروں سے حضرت عثمان کا خون ٹپک رہا ہے۔ انہیں علم تھا کہ حضرت عثمان کی حیات میں ہم نے ان کی محافظت کے لئے جو کچھ کہا ہے وہ الفاظ اب تک لوگوں کے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ انہیں لوگوں کی حیرت اور بے لگاؤ استعجاب سے واقفیت تھی کہ یہ لوگ کیوں حضرت علیؑ سے لڑنے جا رہے ہیں ان کے افعال پر طنز کیا گیا لیکن انہیں مبنی بہ فساد دھن پر تنبیہ نہ ہوا۔ انہوں نے غلط فہمی کے رفع کرنے کی کوئی خفیف کوشش بھی نہ کی۔ بلکہ ہر ایسے موقع پر جب کہ انہیں متنبہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کا ایک قدم رکنا اور پھر اپنی دھن کے لئے آمادہ ہو جانا ظاہر کرتا ہے کہ یہ نفس ارادہ میں خود مشتبہ تھے لیکن ایڈیں پھر مہمیز لگاتی تھیں اور یہ بحواسانہ فلک سے آگے بڑھتے تھے اس طرح بڑھتے تھے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کوششوں پر مطلق رحم نہ آتا تھا کہ وہ جاہل مسلمان جنہیں وہ نادرستگی میں قتل کرانا چاہتے ہیں کن مشکلوں کے بعد آج مسلمان دکھائی دیتے ہیں۔ ان سے کہا جاتا تھا کہ علیؑ تمہارے اختیارات چھین لینے اور زن و فرزند پر قبضہ کرنے کے لئے آئے ہیں ان سے لڑو۔ اس سے شاید ان کی غرض یہ تھی کہ علیؑ ہماری فوجی تیاریاں دیکھ کر خاموش کیوں نہ بیٹھے رہے ورنہ ہم ہرگز یہ الزام نہ لگاتے۔

اگر وہ نیک نیت اور غلط فہم تھے تو حضرت علیؑ کی متواتر گفتگوئے مصالحت پر توجہ کی ہوتی یہ منظور کیا ہوتا کہ نیوٹرل لوگ پنچ بنائے جاتے اور وہ مقدمہ فیصل کرتے لیکن اس پر مطلق توجہ نہ کی گئی۔ تمام سفارتوں کا جواب اس طرح دیا گیا کہ وہ صلح کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کیا چاہتے۔ بجائے اس کے کہ میں اس کے متعلق کچھ اور کہوں۔ اسی قابل مؤرخ نے اس فقرے کو جو اس نے آگے چل کر لکھا ہے، تصفیہ کے لئے پیش کرتا ہوں کہ "وہ جنگ جمل تک نیک نیتی اور غلط فہمی کھینچ کھانچ کر کھپائی گئی لیکن اب

گنجائش نہیں رہی۔

لڑائی کے ناموافق فیصلے نے بھی جوش عداوت کم نہیں کیا جو ان کے اس فقرے سے ظاہر ہے کہ "اب وہاں جاؤنگی جہاں اے بنی ہاشم تم نہ ہو" ان کا یہ فقرہ ایک پوری دھمکی تھی کہ میں تمہارے قبضہ کے باہر جاکر تمہارے لئے کچھ تیاریاں کروں گی۔ میری نگاہ میں ان کے اس فقرے کے معنی بجز شام کے کسی دوسرے مقام سے متعلق نہ تھے جہاں نہ بنی ہاشم تھے اور نہ بنی ہاشم کا کوئی عامل تھا۔ ان کا باوجود اصرار بصرہ سے روانہ نہ ہونا یا مدینہ کو آئندہ اپنا مسکن بنانے کی آمادگی ظاہر نہ کرنا انہیں صلح پسندی کی طرف مائل نہیں ظاہر کرتا۔

میں چاہوں گا کہ اس کے بعد حضرت علیؑ کے برتاؤ پر بنظر انصاف سے نظر ڈالی جائے اور کہیں سے نرمی کا موقع نہ دیا جائے

علیؑ کی تیاری

حضرت علیؑ کو ان لوگوں کی شورشوں کی خبر سن کر مطلق تعجب نہ ہوا ہوگا، ہم نہیں جانتے کہ اس خطرے سے مقابل ہونے کے لئے حضرت علیؑ نے اپنی بے سروسامانی میں کیا اہتمام کیا تھا لیکن ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ اس سے غافل نہ تھے اگرچہ ان کے پاس پورے سامان نہ ہوں۔ کیونکہ جب حضرت ام سلمٰی اور ام الفضل نے اطلاع دی تو حضرت علیؑ کو آگاہ پایا اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت ابتدا میں حضرت علیؑ نے آئندہ مشکلات کے لئے جن لوگوں پر بھروسہ کیا ہوگا وہ وہی نو سو آدمی تھے۔ جن سے حضرت علیؑ نے شورشوں کی خبر سن کر بغاوتوں کو شروع ہی میں روکنے کا ارادہ کیا تھا ان کی فوری تیاری کہہ رہی ہے کہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ مخالف لوگ کسی مشہور مقام پر پہنچ کر قوت نہ پکڑنے پائیں۔ ہم نہیں جانتے کہ انہیں دشمن کی سمت روانگی معلوم تھی یا نہ تھی۔ قرائن کم ہیں کہ معلوم نہ ہو۔ لیکن وہ اتفاقات اور وجوہات نہیں معلوم ہیں۔ جن سے اس تاخیر کی وجہ سمجھ میں آئے کہ کیوں باوجود اس اطلاع کے کہ دشمن مخالفت کا ارادہ رکھتا ہے اسے آگے بڑھنے دیا۔

ہو سکتا ہے کہ دشمن کو بصرہ سے بہ نسبت حضرت علیؑ کے قرب ہو اور یہ معلوم ہونے کے بعد بھی کہ دشمن ادھر کا قصد کر رہا ہے ان کا پہنچنا ناممکن ہو اور دشمن فاصلے کی کمی سے جلد پہنچ گیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؑ کو دشمن کے بڑے اجتماع کی خبر ملتی جاتی ہو اور انہوں نے اپنی فوج کی کمی پر نظر کر کے فوراً مقابل ہو جانا مصلحت نہ سمجھی ہو اور اب ضرورت ہوئی ہو کہ وہ بغیر مزید تائید کے ایک مخدوش نتیجہ کی طرف جلدی نہ کریں۔ اس لڑائی میں حضرت علیؑ جس طرح تیار ہو رہے تھے اس میں کہیں سے عجلت کی بو نہیں آتی۔ بلکہ ان کا ہر قدم نہایت متین معلوم ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ بصرہ کوئی ایسی جگہ نہ تھی۔ جہاں حضرت علیؑ کا کوئی عامل نہ ہو اگر دشمن قریب بھی تھا تو انہیں یقین تھا کہ عثمان ابن حنیف وہاں موجود ہے اگر کوئی جلدی کی ضرورت ہوگی تو وہ ہمیں خبر دے گا۔ عثمان ابن حنیف ضرور ایک وفادار خادم کی طرح مستعد ہو گیا۔ لیکن ایک سچے مسلمان کی

طرح دشمن کے قول پر اعتبار کر لینا ایک غفلت تھی۔ جس کا بجز ان کے کوئی دوسرا ذمہ دار نہ تھا۔

حضرت علیؑ کا باوقار انداز

حضرت علیؑ کے کل سامانوں میں جو بات خصوصیت سے ناظر کو متوجہ کرے گی وہ اُن کی صلح پسندانہ اور دفاعی روش تھی۔ کہیں سے ان کی شان میں کرختگی نہ تھی اور انہوں نے اپنے ان دشمن جان و آبرو لوگوں کے لئے نا ملائم الفاظ تک استعمال نہ کئے۔ ضرور حضرت علیؑ نے ان کی مخالفت کرنے کی مصلحتوں کو ظاہر کر دیا۔ نہ اس وقت ان سے بڑھ کر کوئی تیز نگاہ سے واقعات کو پڑھ سکتا تھا اور نہ وہ واقعات جو اس وقت ہمیں ملے ہیں ان کے اظہار کردہ خیالات کی کہیں سے کمزوری بتلاتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے گزشتہ خلافتوں کے واقعات کو ظاہر کر دیا تھا۔ اس کے مقابلے میں اس وقت مخالفت کرنے والوں کی مصلحت کو ظاہر کر دینا زیادہ مشکل نہ تھا۔

ایک اور بات جو جنگ جمل کے واقعات میں غور سے دیکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ کہیں سے حضرت علیؑ کی زبانی حضرت عائشہ کی وجہ مخالفت کا کوئی بیّن تذکرہ نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ حضرت علیؑ نے ان کے متعلق قطعاً خاموش رہنا مصلحت سمجھا اور کچھ وجوہات نہ بیان کئے یا بیان کئے اور اس وقت ہمارے لئے مفقود ہیں۔ ضرور حضرت علیؑ نے نصیحتیں کیں۔ لیکن ان میں بھی یہ مفید پہلو معدوم ہے اگر کوئی مدد مل سکتی ہے تو اس خطبے سے جو موضع ذی قار میں فرمایا تھا اور اس میں بجز "حسد"، "خلیفۂ رسولؐ نہیں دیکھ سکتے"، "چاہتے ہیں کہ لباس خلافت میرے جسم سے نوچ لیں" اور کسی لفظ میں اس مسئلے کا حل نہیں ہے ان الفاظ نے گزشتہ واقعات کو اپنے انعکاس سے اس قدر روشن کر دیا کہ آئندہ کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم تصفیہ نہیں کر سکتے کہ وضاحت معدوم کر دی گئی یا عدم وضاحت کی حضرت علیؑ نے مصلحت سمجھی۔ جمل کے مخالف عناصر کی جس طرح حضرت علیؑ نے تقسیم کی تھی اس کے علاوہ اور کوئی ذکر کے قابل نہ تھا۔ حضرت علیؑ کو بحیثیت افسر فوج اور افسر قوم کے دیکھنا فرض تھا۔ یہ ان کی انتہائی ہوشمندی تھی کہ ان کو اس کا لحاظ تھا۔ بیشک زبیر کی بہادری لوگوں کو ہمت دلاتی۔ طلحہ کی ہوشیاری دھوکے میں رکھتی۔ یعلی ابن منیہ کا روپیہ لوگوں کو لالچ کی وجہ سے الگ ہونے دیتا اور حضرت عائشہ کا نام بوجہ زوجیت رسولؐ کے لوگوں کو مائل کرتا، زبردست عناصر تھے جن سے واقعہ جمل کی صورت اور ہیولے تیار ہوا تھا۔

اس کے مقابل حضرت علیؑ کی ذات وصفات رسولؐ کے بعد سب سے زیادہ قوی الاثر تھی۔ اگرچہ ایک زمانے کی بے توفیقی نے اس کے کمزور کرنے کی متواتر کوشش کی۔ حضرت علیؑ نے جس وقت ان مختلف عناصر کو بے نقاب کیا تو انہیں تسکین دی گئی کہ آپ زبیر سے زیادہ بہادر طلحہ کی ہوشیاری کے مقابلے میں عالم اور عاقل ہیں اور لوگ اس سے

زیادہ آپ کے مطیع ہیں جس قدر عائشہ کے ہیں۔ کہنے والے کا منشا زیادتی سے فوج کی زیادتی نہ تھی بلکہ اخلاص اور اطاعت کی زیادتی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ جس اخلاص سے لوگ آپ کے مطیع ہیں اس سمجھنے کی وجہ نہیں ہے کہ لوگ اسی درجہ اسی وفاداری اور اسی اخلاص سے حضرت عائشہ کے مطیع ہوں۔ اس کے سمجھنے کے لئے حضرت علی ؑ کے اصحاب کے اقوال اور آمادگی نہ صرف واقعات جمل میں مدد دے گی بلکہ آگے چل کر بھی اس کی متواتر مثالیں ملیں گی۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی ؑ نے ان پر احسان کا ایک کوئی موقعہ نہ پایا تھا جس سے یہ سمجھ میں آئے کہ منصب وجاہ کی امیدوں نے انہیں ایسا بنایا تھا بلکہ ان کی ذات وصفات نے ان لوگوں کو جنہیں قابلیت امتیاز بھی تھی، علی ؑ کا شیدا بنا دیا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی فرد کے ساتھ اس درجہ اور معیار کا اخلاص تلاش کرنا سعی لاحاصل ہے۔ حضرت علی ؑ کے محبت کرنے والے ایسے تھے۔ جیسے دنیا کی تاریخ میں کم نظر آئیں گے۔ لیکن ایسے لوگ عدداً کم تھے۔ اس کی ترقی کے لئے وقت چاہیئے تھا۔ یہی نصیب نہ ہونے دیا گیا۔
میرا یہ کہنا کہ حضرت علی ؑ کے خالص دوست تھے لیکن عدداً کم تھے خود موجودہ وقت کی حالت کے سمجھنے میں خیال دلا سکتا تھا کہ چار ممتاز شخصیتیں ایک طرف تھیں اور ان کی تمام اچھی باتیں حضرت علی ؑ کی تنہا ذات میں جمع تھیں تو اگرچہ ذات قابل تعریف تھی لیکن عدد کی کمزوری تھی۔ یعنی چار کے مقابلہ میں حضرت علی ؑ ایک تھے۔ اگرچہ وہ مجموعہ صفات ہی کیوں نہ ہوں لیکن نتیجے نے سمجھا دیا کہ باوجود عدد کی کمزوری کے حضرت علی ؑ غالب رہے۔

علی کے اسباب کامیابی

میرا منشا اس کہنے سے حضرت علی ؑ غالب رہے، یہ نہیں ہے کہ حضرت علی ؑ کی ذاتِ تنہا نے عملاً نتیجۂ جنگ کو اپنے موافق کر لیا بلکہ میرا منشا یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کا اثر چند اچھے لوگوں پر پڑ رہا تھا۔ یہ لوگ صاحب اثر بھی تھے اور ایک وجہ یہ بھی تھی جو میدانِ جنگ کے نتیجہ کو موافق کرنے میں معین ہوئے۔ اب تک حضرت علی ؑ میدان جنگ میں باوجود کمی تعداد کے ان لوگوں کے ساتھ گئے تھے جن پر انہیں بھروسہ تھا اور وہ لوگ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے جن پر انہیں بھروسہ تھا اور اسنے حضرت علی ؑ کو فتح دی آگے چل کر ایک افسوسناک واقعہ کا ذکر آئے گا۔ جس میں ایک دشمن، علی ؑ کے لوگوں کو سازش سے موافق کرنے کی کوشش کرے گا اور انہیں موافق کر لے گا۔ ناظر کو اس وقت یہ دھوکا نہ ہونا چاہیئے کہ یہ لوگ حضرت علی ؑ کے خاص لوگوں میں تھے، نہیں۔ بلکہ حضرت علی ؑ کے مستقل ہونے کے بعد وہ لوگ بھی حضرت علی ؑ کے شریک ہو گئے جو ایسی آب و ہوا میں بسر کر چکے تھے، جو حضرتِ علی ؑ کے اخلاص کے موافق نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالف عنصر عدداً موافق سے بہت بڑھ گیا۔ جس طرح زمانہ رسول خدا میں منافقین کی تعداد بڑھتی گئی۔

حضرت علی ؑ نے جن الفاظ میں اپنے اوپر الزام کی تردید کی ہے، پیش کئے جا چکے۔ کس حقارت سے وہ ایک غلط کام کو اپنے

متعلق کیا جاتا ہوا سُن کر اپنی طبیعت اپنے کام اور اپنی علیحدگی یاد دلاتے ہیں۔ جس میں سب سے زیادہ پر قوت، فصیح اور بلند استفہام یہ تھا کہ "کیا میری زبان سے زیادہ پروردگار عالم نے انہیں وعظ نہیں کیا"، انہیں پروردگار عالم کے وعظ کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی کیونکہ یہ باوجود علم کے ایسی بات پر مصر تھے جس پر اصرار اس وقت قابل ترحم اور ہدایت ہوتا۔ جب کہ ان کی ناواقفیت سمجھی جاتی۔ یہ نفس کی ہدایت سے مستغنی ہو گئے تھے اور اس کا ارادہ ہی نہ کر رہے تھے کہ ہم سچی بات کی طرف جائیں بلکہ بالعمد سچائی کے خلاف روش اختیار کرنے کو مقتضائے مصلحت سمجھ رہے تھے۔ ایسی مصلحت جو حق روی کے خلاف خود غرضیوں کو اپنا رہنما اور دنیاوی حوصلوں کو اپنا اماج قرار دے رہی تھی۔

حضرت علیؑ کو ایک بڑی شورش کے رفع کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ وہ اپنے اور صوبجات سے مدد طلب کرتے، حقیقتاً شورش کی خبر سن کر اس وقت جلدی کرنا مفید نہ تھا۔ جس قدر سمجھ کر قدم اٹھاتا۔ ممکن تھا کہ اس مخدوش حالت میں اپنی جگہ سے حرکت کر جانا اور لوگوں میں خیالات فاسد پیدا کرتا اور دار الخلافت کو اور خطرات کا سامنا ہو جاتا۔ اس کے علاوہ مدد طلب کرنے سے لوگوں کی نبض شناسی بھی مقصود تھی۔

کیوں کوفہ سے مدد کا اصرار کیا

اب تک کوفہ میں حضرت علیؑ کا عامل نہ تھا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے وہ یہی ہے کہ اہل کوفہ نے حضرت علیؑ کے عامل کو قبول نہ کیا اور اس وقت تک ابو موسےٰ اشعری ہی حاکم تھا۔ جہاں تک اس کے متعلق پایا گیا وہ بجائے علیؑ کے عائشہ کے احکام پر عمل کرتا تھا۔ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے سے جمل کی تیاری تک حضرت علیؑ اور ابو موسیٰ میں کوئی مراسلت نہیں پائی جاتی۔ جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ابو موسےٰ نے حضرت علیؑ سے اظہار اطاعت کی اب تک تکلیف نہ گوارا کی تھی اور حضرت علیؑ نے اب تک سوال اطاعت کا موقع نہ پایا تھا دیکھنے کی یہ بات ہے کہ قصہ جمل کے ساتھ ہی حضرت علیؑ نے طلب امداد کے لئے ساری توجہ کوفہ کی طرف منعطف کر دی۔ دو مرتبہ ابو موسیٰ نے حضرت علیؑ کی سفارت واپس کر دی۔ تیسری مرتبہ کامیابی ہوئی۔ حضرت علیؑ کی اس متواتر کوشش کی بجز اس کے اور کوئی معنی نہیں ہیں کہ وہ اس مفید مقام کو قبل جنگ اپنا کر لینا چاہتے تھے یا کوفے کے انداز اور برتاؤ کو سمجھنا چاہتے تھے اس کے اصرار نے حضرت علیؑ کو ضرور خیال دلایا ہو گا کہ مبادا وہ کھلے ہوئے دشمن کے ساتھ نہ ہو جائے درانحالیکہ اس سے پیشتر اس نے کوئی موافقت کے انداز نہ ظاہر کئے تھے اگر اس کے جواب یہی تھے کہ ہم مسلمانوں کے معاملات میں دخل نہ دیں گے تو اس کے اس جواب پر ان صورتوں میں اعتبار کر کے جمل کی طرف رُخ کرنا ملکی غلطی ہوتی۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہ کو بصرہ کے بعد مہلت دی جاتی تو وہ ضرور مدینہ کا رخ کرتیں اور ابو موسیٰ امارت کی سند ان سے حاصل کرتا یا زبیر امارت کوفہ کی ہوس میں کامیاب کئے جاتے اور طلحہ و بصرہ کی خواہش پوری کرتے۔

علیؑ کی صاف مصلحت

اب حضرت علیؑ کی روش کے سمجھنے کے لئے ان کے وکلا کے وہ اقوال ہیں جو اہل کوفہ کے سامنے بیان کئے گئے تھے ان پر کسی قسم کی دھمکی یا خوشامد سے دباؤ نہیں ڈالا گیا ان لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اسے آنکھ بند کر کے قبول کر لو۔ ان سے یہ نہیں کہا گیا کہ ہم شورش کرنے والوں سے ضرور جنگ کریں گے بلکہ ان سے یہ منصفانہ خواہش ظاہر کی گئی کہ "ہم اگر مظلوم ہیں تو ہماری مدد کرو اور اگر ظالم ہیں تو ہم سے داد لو" یعنی انہیں ان کی آزادی رائے اور معاملہ کو دونوں فریقوں کے انداز کلام کو سن کر سمجھنے سے کہیں روکا نہیں بلکہ خود ان سے پہلے سمجھ لینے کی خواہش کی اس سے زیادہ صفائی ممکن نہ تھی اور نہ سچائی کی صورت اس کے علاوہ دوسری ہو سکتی ہے۔

علیؑ جمل کی بلا کو عام سمجھتے تھے

شورشیں "بلا" کے لفظ سے یاد کی گئی ہیں اور ان میں نہ صرف اپنا مبتلا ہونا کہا گیا ہے بلکہ عامۂ ناس پر اس کے اثر کا اظہار کر کے ان سے طلب استعانت کی گئی ہے۔ ہم ان شورشوں کے مضر اثر کی نسبت گذشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں۔ ہمیں اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ بلا تھی یا نہ تھی ان سے کہا گیا کہ ہمارا مقصود اصلاح کے سوا کچھ نہیں ہے اور اس کے بعد نہایت قوت دار ارادہ ظاہر کیا گیا ہے کہ "امیر المومنین اصلاح امت میں کسی سے ڈرتے نہیں"، اصلاح کا لفظ سب کچھ کہہ رہا ہے۔ کیسے ہی معترض کو اس لفظ کے مفہوم میں اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ جس قدر کہنے کی گنجائش ہے وہ اسی قدر کہ آیا ایک دل خوش کن اثر زبان کی روانی اور تدبیر ملک نے پیدا کیا تھا یا حقیقتاً ایسا ارادہ بھی تھا اور وہ مؤید بہ عمل بھی ہیں یا نہیں؟ ——— ہر لفظ اور ہر قدم ہے۔

علیؑ کے مخالف لوگوں کے ذرائع

اگر اصلاح کی نیت نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ ذرائع لوگوں کے موافق کر لینے کی غرض سے صرف کئے جاتے جن کا مدبرین کے پاس ذخیرہ رہتا ہے اور جنہیں بجز تدبیر اور مصالح ملک کے حسن و قبح کے عام لحاظ سے زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔ میں اس شان کے مصالح سمجھانے کے لئے حضرت عائشہ کا وہ اعلان یاد دلاؤں گا۔ جس میں وہ آلات جنگ مفت تقسیم کر رہی تھیں یا علیؑ کو قتل عثمان کا الزام لگایا تھا اور وہ بہت سی باتیں جن کا گزشتہ اوراق میں ذکر ہوا۔ ایسی ہی باتوں کی اور وضاحت سے سمجھانے کے لئے میں آئندہ اوراق میں ابوسفیان کے صاحبزادے کا تعارف کراؤں گا۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان ذرائع کو نہ پیشتر نہ اس وقت اور نہ اس کے بعد کبھی صرف کیا۔ فرق ہی کیا رہ جاتا۔ خلیفہ رسولؐ اور دیگر ایسے لوگوں میں جو تخت پر بیٹھ جانے کی وجہ سے اپنے کو خلیفہ رسولؐ کہتے تھے۔ فرق کیا رہ جاتا خلیفہ رسولؐ کی حکومت اور ایک بادشاہ کے طرز عمل میں جو تخت اور قوت کے لئے کسی نامناسب بات کے کرنے میں نہیں ہچکچاتا۔ حضرت علی علیہ السلام اس کے شاگرد اور خلیفہ تھے جو اپنے کو ہادی اور انسان کو مرضی اور سنت الٰہی پر چلانے والا کہہ رہا تھا اس کا زمانہ حکومت، حکومت کی گزشتہ تاریخ سے

امتیازی فرق رکھتا تھا۔ حضرت علیؑ کے دن اس امید میں کٹے کہ وہ لوگوں کو اسی راہ پر چلاتے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چلایا تھا۔ ان کی یاس اور حسرتیں کچھ ان کی لفظوں میں ظاہر کی گئیں اور کچھ ابھی باقی ہیں۔ ان کی جان توڑ کوششیں شروع ہو گئیں۔ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ کبھی ابھرنے کی امید ہوئی، کبھی سخت موجوں نے امید منقطع کرنی شروع کی، مگر آخر تک یہ دکھائی دے گا کہ اس خوفناک مدوجزر میں کبھی حضرت علیؑ اپنے پہلے خیال سے باز نہیں آئے کہ جب تک ابن ملجم نے انہیں خاموش نہیں کر دیا۔ انہوں نے بڑھتی ہوئی پریشانیوں میں کبھی اصلاح کے مستقل ارادے کے اظہار سے خاموشی اختیار نہیں کی۔

توقف کے اغراض

واقعۂ جمل کے سمجھنے کے متعلق حضرت علیؑ کے یہی خیالات نہ تھے بلکہ اختتام تک وہ اور زور دیتے جاتے تھے وہ اس بات کے کوشاں نظر آتے ہیں کہ آخر وقت تک ہماری روش نزاعی نہ سمجھی جائے یا کوئی ایسا نہ ہو جو بغیر سمجھے بوجھے ساتھ دے اس غیر ضروری جنگ کے لئے آمادہ نہ ہونا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ اپنے موقف، تعداد اور اپنے کو اپنے پایہ شجاعت سے گرا ہوا پاتے تھے اور کمزور سمجھتے تھے۔ اگر موقف اور تعداد کا خوف ہوتا تو وہ تھوڑے سے آدمیوں سے مستعد نہ ہو جاتے۔ انہیں اپنی شجاعت سے کوئی شکایت نہ تھی اور صف کشی کے وقت ان کا موقف عدداً اگر کچھ کم بھی تھا تو ان کے دوست اور تجربہ کار جنگجو جس درجے کے تھے۔ حضرت عائشہ کے لشکر میں اُس کے مقابل بہت کم تھے بلکہ توقف کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مخلوقات الٰہی ضائع نہ ہو اور شاید اپنی غلطی سمجھ جائیں

اہل کوفہ سے خطاب کی شان

اہل کوفہ کے پہنچنے پر انہوں نے نہایت گراں قدر الفاظ اور شان سے انہیں مخاطب کیا۔ ان کی عام محسوس تعریف کی اگر کسی کو یہ خیال بھی ہو کہ وہ دل بڑھانے والے الفاظ سے لوگوں کو اپنے موافق کرنا چاہتے تھے تو غالباً ایسے دل بڑھانے والے کے الفاظ سے وہ مورد الزام نہیں ہو سکتے۔ یہی نہ تھا کہ انہوں نے تعریفیں کر کے اپنی تقریر ختم کر دی ہو اور آخری الفاظ میں جنگ کا جوش دلا دیا ہو، نہیں بلکہ معاملہ جس انداز اور الفاظ میں پیش کیا گیا۔ وہی اس خطبہ کی جان اور حضرت علیؑ کے خیالات کا آئینہ ہے انہوں نے دشمن کی بد معاملگی اور اس کی سچی برائیاں بیان کر کے بھی اپنے سننے والوں میں کسی قسم کا جوش نہیں پیدا کیا، نہیں انہیں گویا اس وقت جوش دلانے کا مطلق خیال ہی نہیں تھا۔ میرے خیال میں الفاظ سے انداز کا سمجھنے والا کیا ہی مبصر کوئی گرمی پائے گا۔ حرکت پیدا کرنے والی کوئی کوشش نظر نہیں آتی بلکہ جو کچھ کوفہ میں اپنے وکلاء کے ذریعہ سے کہلوایا تھا اور اپنی جو روش ظاہر کی تھی اس وقت اور واضح اور مضبوط الفاظ میں اس کی اپنی زبان سے تصدیق کی تھی۔

دشمن کے لئے حضرت علیؑ کے الفاظ

ان کے لئے جو حضرت علیؑ سے تخت اور خلافت نوچ لینا چاہتے تھے

اسس سے اور کونسے شیریں اور مہذب الفاظ استعمال کئے جا سکتے تھے کہ وہ کچھ دوست اور بھائی جن سے ظن مخالفت نہیں ہو سکتا تھا، جنگ کے لئے آمادہ ہیں .... یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں، انہیں پہلے نصیحت کرنی ہوگی۔ شاید ان کی سمجھ میں آجائے "۔ اب تک حضرت علیؑ جو کچھ ان آنے والوں سے چاہتے ہیں وہ صرف اسی قدر ہے کہ "میرے ساتھ بصرے چلو، صورت معاملہ دیکھو۔ دیکھو کہ ہم انہیں جنگ نہ کرنے کی نصیحتوں کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھتے اور اس کے بعد اسس کہنے کا تکلف کہ "اگر وہ جنگ کے قصد سے باز نہ رہیں گے تو ہمیں بھی کوشش کرنی ہوگی"، خود سمجھ میں آجائے گا۔

سب سے زیادہ تحیر جس فقرے سے ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ "شاید ان کی سمجھ میں آجائے"۔ "اے کاش ان کی سمجھ میں آجاتا۔ یہ فقرہ علیؑ کی حکومت اور ایک مغرور، فوج اور حکومت کے زعم میں بپھرے ہوئے تاجپوش کے خیالات میں حدبندی کر رہا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرض تھا۔ انہوں نے اسے اس وقت تک ادا کیا۔ جب تک ان کے اکثر سپاہی زخمی نہ ہو لئے غیر معمولی تحمل تھا جو ان سے ظاہر ہوا۔ ! علی خلقِ خدا کے امین تھے، علیؑ دنیا کے لئے امن لانے والے اور لاتفسد وافی الارض کا اعلان کرنے والے کے سچے نائب تھے ان کی تقریر سے وہ دلپذیر اثر پیدا ہوا، جیسا پیدا ہونا چاہئے تھا، وہ لوگوں کے اظہار اطاعت اور کام کرنے کی آمادگی سے ظاہر ہے۔ حضرت علیؑ نے کوشش کے بعد حکم تقدیر پر منتظر کیا تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ اس وقت حضرت علیؑ لوگوں کو اپنی منصفانہ تدبیر کا ساتھ دیتے ہوئے دیکھ کر اس طرح خوش ہوئے ہوں گے، جس طرح وہ خوش ہو سکتے تھے۔

کیوں اہل بصرہ کو خوف ہوا

حضرت علیؑ کی طرف سے کس قدر خیال خراب کیا گیا تھا۔ وہ احنف ابن قیس کے سوال سے ظاہر ہے کہ اہل بصرہ آپ کی فتح کے بعد خوف کرتے ہیں کہ آپ قاعدہ کے موافق مفتوحین کو لونڈی غلام بنائیں گے۔ اہل بصرہ کا یہ خوف خلیفہ اول کے واقعات دیکھ کر پیدا ہوا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ جب ایک خلیفہ زکوٰۃ نہ دینے پر قتل عام اور لونڈی غلام بنانا جائز رکھ سکتا ہے تو دوسرا خلیفہ اپنے خلاف لوگوں کو جنگ پر آمادہ دیکھ کر اس سے سخت برتاؤ کیوں نہیں کر سکتا۔ ان کا یہ خیال قابل معافی ہے۔ اس وجہ سے کہ حضرت علیؑ اور گزشتہ لوگوں کی مصلحت کا ان لوگوں میں امتیاز نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے احنف ابن قیس کو تسکین دی۔ مسلمان اور کفار کے ساتھ جداگانہ برتاؤ بتائے۔ ان کے اس جواب نے ضرور اہل بصرہ کے دلوں میں جگہ پائی ہوگی اور میرا خیال ہے کہ بجز ان لوگوں کے جو پھنس گئے تھے اور اہل بصرہ میں سے کسی نے مخالف لشکر کی شرکت کا ارادہ نہ کیا ہوگا۔ حضرت علیؑ کے اس جواب نے بجائے گستاخ کرنے کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا ہوگا۔ چنانچہ عاصم ابن کلیب حضرت علیؑ کی طرف آجانے کو در انحالیکہ وہ پہلے حضرت عائشہ کے لشکر میں مل چکا تھا۔ ہم کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ اس کا واقعات کو سمجھ کر متنفر ہونا سمجھتے ہیں۔

احنف ابن قیس شورش کا شحنہ مقرر ہوا تھا

یہ کہ حضرت علی ؑ حتی الوسع جنگ نہ چاہتے تھے اور جنگ کی سختیوں میں کمی چاہتے تھے وہ احنف ابن قیس کے دو پیشکشوں میں ایک کے قبول کرنے سے سمجھ میں آتا ہے یہ جس قدر صلح پسندی تھی اسی قدر مفید مصلحت بھی تھی کہ انہوں نے تھوڑے دوست قبول کرکے زیادہ دشمن نہیں بنائے۔ درانحالیکہ توقف سے دشمنوں کا بھی دوست بن جانا اس موقع پر ممکن تھا جب کہ احنف ابن قیس کہہ رہا تھا اور کوئی وجہ اس پر بے اعتباری کی نہ تھی۔

آپ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے معقول خط کا طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہ نے کیا اور کس طرح جواب دیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے کیا کیا؟ اپنی توہین پر ایک بادشاہ دوسرے کے پاس اعلان جنگ بھیجتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یا شرائط قبول کرو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

کس کس طرح سمجھایا

حضرت علیؑ کمال صفائی، جمہوریت اور بےگناہی سے بجائے دشمن کے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرکے دشمن کی ضد اور سفارتوں کی ناکامی کا تاسف سے تذکرہ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ "جہاں تک قوت تھی انہیں سمجھایا، عفو درگزر سے کام لیا۔ لڑائیوں کی سختی سے واقف کیا۔ قسمیں دیں کہ شاید اپنے زن و فرزند پر رحم کریں"، دشمن کے ادعائے جنگ کو حقارت سے دیکھ کر اپنے کو یاد دلاتے ہیں اور گویا پہلی مرتبہ سپاہیوں سے لڑائی کا نام لیتے ہیں کیونکہ ان نصیحتوں سے کہ: ۔ فتح پر مال نہ لینا، پہلے لڑنے کا قصد نہ کرنا، شر کے دفع کرنے کی غرض سے لڑنا، بھاگتے ہوئے کو قتل نہ کرنا، عورتوں بچوں اور مریضوں پر رحم کرنا"، اب لامحالہ تیاری کا اعلان تھا۔

مفید اعلان

حضرت علیؑ کا یہ اعلان شاید ہمارے زمانے کے لڑنے والوں کے لئے بھی مفید ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علیؑ نے صرف ان لوگوں کا قتل اور لڑنا جائز رکھا تھا جو حملہ کریں۔ عورتوں، بچوں مریضوں کو نہ صرف مستثنیٰ کیا تھا بلکہ بھاگنے والوں کو بھی امان دی تھی۔ بھاگنے والوں کو امان دینا مصلحتاً بھی نہایت مفید تھا کیونکہ وہ لوگ جو لڑائی شروع ہو جانے پر حضرت عائشہ کے ساتھ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھتے۔ بوجہ شریک جنگ ہونے کے مستحق قتل تھے لیکن یہ اعلان سن کر اطمینان سے چلے جا سکتے تھے کہ قتل نہ کئے جائیں گے۔ اس سے حضرت علیؑ نے دشمن کی گنجان صفوں کو ہلکا کر دیا ہوگا۔ دنیا کا عام قاعدہ یہ ہے کہ وہ بھاگتے ہوئے دشمن کا نہایت بیرحمی سے قتل عام کرتی ہے اس سے کچھ تو انتقام اور کچھ دھاک مقصود ہوتی ہے۔

کون قتل ہوا

حضرت علیؑ کا صرف یہ مقصود تھا کہ جاہل انسان اور مسلمان حتی الوسع باوجود سخت بےعنوانیوں اور ناشنوائی کے کم قتل کئے جائیں وہ قتل کئے جائیں جو بجز قتل کے کچھ نہیں چاہتے اور جنہیں قتل

سے بچا لینے کا ادنیٰ عذر بھی نہیں ہے۔

علیؑ کا ایک عالم

اس پر بھی بے گناہی کی مجسم تصویر، رحمۃ للعالمین کا مظہر اتم، اپنے دلی راز کو خدا کے سامنے کھول دیتا ہے۔ دعا نہیں تھی بلکہ میرے خیال میں دل بھر آیا تھا۔ انسان کی بے انصافی، ضد اور ناشگوائی پر تاسف تھا۔ وہ اس پر رو رہے تھے کہ باوجود کل فہمائشوں کے ختم کر دینے کے یہاں جنگ کرنی ہوگی۔ مخلوقات الٰہی ضائع ہوں گی اور ناگوار مصیبتوں کا اضافہ ہوگا۔

پھر کیوں لڑے

مگر لڑے، اس لئے لڑے کہ پھوڑے میں نشتر دینا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ بڑھتے بڑھتے زہر تمام جسم میں سرایت کر جائے اور زوال کلی واقع ہو۔

علیؑ کا غیر مسلح جانا سچائی کا نہایت قوی اعتبار تھا

بادی النظر میں حضرت علیؑ کی دعا سننے والا کہہ سکتا تھا کہ اب وہ خواہ مخواہ لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن ایسا نہ تھا۔ انہوں نے زبیر کو اس طرح بلایا۔ جس طرح ایسے مخدوش دشمنوں کے سامنے نہ جانا چاہیئے تھا، فہمائش کی نتیجہ یہ ہوا کہ اگر سمجھانے کا کچھ اثر بھی ہوا تھا تو اپنے لوگوں میں پہنچ کر حضرت زبیر اپنے پرانے رنگ پر آ گئے گویا انہوں نے حضرت علیؑ سے جنگ نہ کرنے کا کوئی عہد ہی نہ کیا تھا گویا حضرت علیؑ کی تقریر کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

اصحاب جمل نے کسے قتل کیا

صلح کی تدبیروں پر زبیر کی ملاقات نے مہر نہیں کر دی بلکہ ایک وفادار قرآن لے کر بھیجا گیا لیکن اس متبرک واسطے کا یہ جواب دیا گیا کہ کلام خدا کا حامل بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ بغیر اس کے کہ اس نے کسی پر حملہ کیا ہو یا حملہ کرنے کی غرض سے گیا ہو۔ حضرت علیؑ نے اب جنگ شروع کی۔ شروع بھی اس وقت کی جب کہ دشمنوں کی تیر افگنی سے اپنے کو بچانا واجب ہو گیا تھا اور اب کوئی عذر نہ رہ گیا تھا اور نہ سپاہیوں سے یہ کہنے کی ضرورت رہ گئی تھی کہ لڑو۔ وہ لڑنے کے لئے بے چینی سے استدعا کرنے لگے تھے۔

حضرت علیؑ نے فتح پانے پر کیا برتاؤ کیا اور عائشہ کیا کرتیں

لڑائی کا نتیجہ لکھا جا چکا۔ سوچنے کی یہ بات ہے کہ اگر کوئی دوسرا ان حالتوں میں فتح پاتا تو اپنے ایسے دشمن کے ساتھ کیا کرتا؟ اسے بھی جانے دیجئے۔ حضرت عائشہ، طلحہ، زبیر، عبداللہ ابن زبیر وغیرہ فتح پاتے تو کیا کرتے۔ غالباً ان لوگوں کا بڑا حامی بھی اس سوال کے معقول جواب سوچنے میں تکلیف اٹھائے گا۔

حضرت علیؑ کو سمجھنے کے لئے یہ واقعہ بھی مدد دے گا کہ جنگ ہو چکنے پر وہ میدان جنگ میں جاتے ہیں اور مقتولین کو دیکھ کر تاسف کرتے ہیں۔ ان کا تاسف بہت وسیع تاسف تھا۔ طلحہ و زبیر اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ عبداللہ ابن زبیر اور مروان ابن حکم

کے ایسے دشمن قبضہ میں تھے۔ لیکن حضرت علیؑ نے جاں بخشی کی۔ جنگ کے بعد غالباً کوئی خون نہیں بہایا گیا۔ اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ہتھیار نہ اٹھائے گا اور اپنے گھر میں رہے گا اسے امان دی جائے گی۔ امان دی گئی، علیؑ نے جو کچھ قبل جنگ کہا تھا بعد جنگ بھی اس پر قائم رہے۔ غالباً یورپ ان کل معاملات میں ہم سے زیادہ حضرت علیؑ کو داد دینے کی قابلیت رکھتا ہے ہم خوش ہیں کہ واشنگٹن ارونگ اور گبن نے ایسے مواقع کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔

حضرت علیؑ کا خلیفہ ہو جانا ان کے گزشتہ حق کو قوت دے رہا تھا۔ درانحالیکہ انہوں نے گزشتہ مصالح کی پابندی نہ قبول کی تھی نہ اسے نظر استحسان سے دیکھا تھا۔ اس پر بھی لوگوں کا انہیں خلیفہ قبول کر لینا گزشتہ مصلحت کی طرف سے لوگوں کا آزادانہ خیال ظاہر کر رہا تھا۔ بنی امیہ کی گروہ بندی اور گزشتہ مصالح کی تازہ تحریک نے توجہ کو بدل دیا، ایسے لوگوں کی توجہ جو وقت پا کر راسخ الاعتقاد ہو جاتے ہیں۔

جمل کا نتیجہ علیؑ کی مصلحت کی نظر سے

واقعہ جمل کا خلاصہ یہ ہے کہ بقول مؤلف تاریخ الاسلام جو یہ کہہ رہا تھا کہ "علیؑ کے ہوتے ہوئے میں نہیں رہ سکتی"، اسے اور اس کے ساتھ دینے والوں کو شکست ہوئی۔ ان کی شکست اس مصلحت کی شکست تھی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد پیدا ہو گئی تھی اور حضرت علیؑ اپنے اس ارادے میں کامیاب ہوئے کہ ایسے لوگ مسلمانوں کے ولی امر نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے کمال دانشمندی کی۔ جس کے علاوہ کوئی دوسری مصلحت ملکی اور اخلاقی حیثیت سے خودکشی ہوتی۔ حضرت علیؑ نے ابتدا ہی میں ان لوگوں کے اختیارات کی برطرفی کا ارادہ کیا ورنہ اس سے کہیں زیادہ مشکلات کا سامنا ہوتا اور غالباً حضرت علیؑ کو اپنے ساتھ دینے والے اتنے لوگ بھی نہ ملتے۔

فتح کا دوسرا بڑا نتیجہ

اس فتح کا ایک دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؑ کے دوست اور ان کے مومنین حقوق، جن کا وجود رحلت رسولؐ کے بعد سے ان کی خلافت تک معرض زوال میں تھا، باقی رہ گئے۔ فنا کا خوف جاتا رہا۔ انحطاط ترقی کی طرف مائل ہوا اور ان کے قومی وجود کا یادگار سنہ ہو گیا۔ اگر حضرت علیؑ خلیفہ نہ ہوتے اور خلیفہ ہونے کے بعد ان متزلزل حالتوں میں قیام کی کوئی مستقل شکل نہ ہوتی تو خیال میں ترقی کی کوئی معقول صورت نہ ہوتی، کوئی مرکز نہ ہوتا اور معاشرۃ اُس میں مادیت نہ پیدا ہونے پاتی۔ حضرت علیؑ کی مستقل اور پر امن حکومت نے گزشتہ زمانہ کو قطعاً بھلا کر لوگوں کو پھر ان حیثیتوں سے مرتب کر دیا ہوتا۔ جیسا ان کے معلم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کیا تھا۔ لیکن افسوس کہ امن ہی نہ تھا، تھوڑا سکون کس مقدار کا کام کرتا۔ درانحالیکہ بہت دن پیشتر سے تحرک تھا اور اس کے بعد بھی بہت دنوں تک قائم رہا۔

جنگ کے بعد علیؑ کی تقریر کا اثر

جنگ جمل سے فارغ ہونے کے بعد اس فصیح مقرر نے اپنے لشکر میں منبر نصب کرنے کا حکم دیا۔ اپنے استاد معلم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی، حمد خدا کی اور اس کے بعد وہ واقعات یاد دلائے، جو واقع ہوئے تھے۔ لوگوں کو اچھی راہ اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ ہمیں یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ علیؑ کے الفاظ کیا تھے۔ لیکن یہ معلوم ہوا ہے کہ سپاہی جنہوں نے گزری ہوئی لڑائیوں اور ان کے زخموں سے کوئی بے چینی ظاہر نہ کی تھی وہ اس وقت تقریر پر رو دیئے۔

کوفہ کو دار الخلافت قرار دیا

اس وقت عمار یاسرؓ اور مالک اشترؓ سامنے آئے اور عرض کی کہ یہاں کے بعد امیر المومنین کس طرف کا قصد فرمائیں گے۔ حضرت علیؑ نے کوفہ روانہ ہونے کی رائے ظاہر کی۔ بصرہ میں عبد اللہ ابن عباس کو عامل اور زیاد ابن امیہ کو نائب مقرر کرنے کے بعد دو شنبہ سولہویں رجب کو کوفہ کی طرف کوچ کر دیا۔ بقول مسٹر واشنگٹن اروینگ "دو کوفیوں کی مدد کے شکریہ میں اسے اپنا دار السلطنت بنایا۔"

کوفہ کی بنا اور وجہ تسمیہ

کوفہ کی وجہ بنا یہ بتائی گئی ہے کہ جس وقت سعد ابن ابی وقاص مدائن کے عامل تھے تو ان کے سپاہیوں کو یہاں کی آب وہوا ناموافق ہوئی۔ جب خلیفہ ثانی کو یہ معلوم ہوا۔ تو انہوں نے ایک ایسا مقام تجویز کرنے کا حکم دیا۔ جہاں پہنچنے میں بری اور بحری آسانیاں ہوں۔ چنانچہ دو شخص جو زمین پہچاننے میں مہارت رکھتے تھے اس کام کے لئے متعین ہوئے۔ عثمان ابن حنیف غربی فرات اور سلمان ابن ربیعہ شرقی جانب سے روانہ ہوئے یہاں کی زمین کنکریلی دیکھ کر دونوں نے پسند کی۔ اس وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا اور ایک شہر کی بنیاد ڈالی گئی۔

کوفہ کے دار الخلافت قرار دیئے جانے پر اعتراض

علامہ جرجی زیدان نے کوفہ کو دار السلطنت قرار دیئے جانے پر ان لفظوں میں اعتراض کیا ہے:۔

"اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ حضرت علیؑ نے اپنے مدنی ہوا خواہوں کو چھوڑ کر اہل عراق پر اعتماد کرنے میں بڑی سخت غلطی کی جس کا نتیجہ ان کے حق میں برا نکلا۔"

جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت علیؑ کے اس فعل پر اعتراض کا خیال بجز علامہ کے اور کسی کو پیدا نہیں ہوا۔ بہر حال اور کسی کو کلام ہو یا نہ ہو ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ جرجی کو خود کلام ہونا چاہیے اس کے سمجھنے کے لئے ان کے ذیل کی یہ عبارت ملاحظہ طلب ہے:۔

"معاویہ اپنے ساتھ مخالفت اور عداوت رکھنے والوں کی شورشیں کم کرنے اور اپنے موافق لوگوں کی جماعتیں تیار کرتے رہنے میں بھی دل کھول کر روپیہ لگاتے تھے۔ چنانچہ وہ اکثر اوقات اپنے عاملوں کو ایسے لوگوں کے عطیات میں اضافہ کی

ہدایتیں کرتے رہتے تھے۔ جن کو وہ سمجھتے کہ وہ علیؑ سے کوئی پرخاش رکھتے ہیں....... اس قسم کی باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اہل کوفہ کو حضرت علیؑ کے ساتھ بہت محبت تھی۔“

اور وجوہات

ہم کو علامہ کے مذکورہ ذرائع پر اکتفا یا عدم اکتفا سے بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ تاریخوں کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ عطیہ کے اضافے کے علاوہ نہایت وحشت ناک ذرائع بھی صرف کئے جاتے تھے ہم کو صرف اس وقت اُس عبارت سے غرض ہے، جسے ہم نے نشان زد کر دیا ہے۔ کسی مقام کے دار السلطنت قرار دئیے جانے میں جن چیزوں کے لحاظ کی ضرورت ہوتی ہے وہ بادی النظر میں بھی ہیں کہ موقع اچھا ہو، آب و ہوا مناسب ہو، بری اور بحری آسانیاں ہوں۔ لوگوں کو توحش نہ ہو بلکہ توجہ ہو۔

مدینہ اور کوفہ جغرافیائی حیثیت سے

جغرافیائی حیثیت سے کوفہ کو ہر طرح مدینہ پر ترجیح ہے اور اکثر زرخیز صوبجات سے قربت ہے۔ دجلہ اور فرات کی نزدیکی جس سے بحری راستوں سے فوجوں کے پہنچنے یا بھیجنے میں آسانی متصوّر ہے وہ مدینہ میں بیٹھ کر ممکن نہ تھی جس کے غربی جانب بحر احمر ہے اور جس کی طرف کوئی مفید قبضہ نہ تھا اور جس کے شرقی جانب یا جنوب سے شمال تک برابر ریگستان عرب ہے۔ بحر یمن اور حضرموت کے صوبجات کے جو ساحل پر ہیں اور جن کی دوری کا یہ نسبت کوفہ، کوئی مفید اندازہ نہیں ہو سکتا۔ مدینہ سے حضرموت پر فوج بھیجنا بری راستہ سے اس قدر آسان نہیں ہے۔ جس قدر بحری راستہ سے مدینہ سے بحر احمر تک پہنچنے میں اس قدر فطری آسانی نہیں ہے جس قدر دجلہ اور فرات سے جو دونوں خلیج فارس میں گرتے ہیں اس لئے مدینہ کو اگر کسی خیال سے ترجیح دی جا سکتی ہے تو صرف یمن کی قربت سے درانحالیکہ کوفہ سے بصرہ، مقبوضات فارس اور شام کو قربت تھی اس سے سمجھ میں آئے گا کہ جغرافیائی اور فوجی حیثیت سے کوفہ کو دار السلطنت اور فوجی مقام بنانا مفید تھا۔

اس کے علاوہ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے پر اہل مکہ یا مدینہ نے کسی قسم کی مخالفت نہ کی تھی۔ یمن سے حضرت علیؑ کو کوئی خوف نہ تھا بلکہ امید تھی کیونکہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا اور حضرت علیؑ وہاں عہد رسولؐ میں اپنا کچھ وقت بہ لطف بسر کر چکے تھے۔ حضرموت نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ کے حقوق کا اقرار کیا تھا جسے خلیفہ اول کے مصالح نے سختی سے دبا دیا۔ اس کے برخلاف باوجود خلیفہ ہو جانے کے ابوموسی کوفہ میں ایک مخالف عامل کی طرح تھا۔ بصرہ نے حضرت عائشہ کی مدد کی تھی۔ مقبوضات فارس اس زمانہ میں ہوئے تھے۔ جب کہ حضرت علیؑ کا کوئی پولیٹیکل اقتدار نہ تھا اس کے علاوہ معاویہ شام میں تھا جسے ان صوبجات پر اثر ڈالنے کا موقع تھا۔ نظر بریں نہایت ضروری تھا کہ حضرت علیؑ کوفہ کو اپنا دار السلطنت قرار دیتے۔ جہاں سے وہ بصرہ، مقبوضات فارس اور خود امیر شام پر نظر ڈال سکتے۔ خود مؤلف

تاریخ الاسلام نے لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ مبادا معاویہ عراق اور فارس پر قبضہ نہ کرلیں اس لئے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا اس کے علاوہ مدینہ اور مکہ نے اس کے کہ زمانہ رسولؐ میں حضرت علیؑ کے لئے سب کچھ دیکھا تھا۔ لیکن اس کے بعد چوبیس برس تک وہ حضرت علیؑ کی قوت کا سکرات بھی نہایت ٹھنڈے دل سے دیکھتا رہا۔ وہ لوگ جس سے حضرت علیؑ کو ہوا خواہی کی امید ہوسکتی تھی، کسی وجہ سے کیوں نہ ہو۔ حضرت علیؑ کے حقوق سے تجاہل کر بیٹھے تھے اور حضرت علیؑ کو ان سے سرد مہری کی بجا شکایت ہوسکتی تھی۔ اہل مدینہ کے طبائع ایک بے روح شان رکھتے تھے۔ جسے گزشتہ زمانہ نے ثابت کردیا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کرلیں گے جو بادشاہ مان لیا جائے گا۔ حضرت علیؑ کی خلافت پر بہ نسبت اور صوبجات کے لوگوں کے اہل مدینہ کو احسان کا کوئی حق مرجح حاصل نہ تھا اس کے برخلاف اہل کوفہ نے اگرچہ وہ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہوجانے کے بعد بھی ابوموسیٰ کی ماتحتی میں تھے۔ جس نے حضرت علیؑ سے موافقت نہ ظاہر کی تھی بلکہ مخالفت پر مائل تھا۔ واقعہ جمل کی بغاوتوں میں جس قدر انصاف پسندی کو راہ دی اور جس تعداد سے حضرت علیؑ کی مدد کی وہ قابل اعتراف تھی اور ان کی اس وقت کی حالت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ اگر آئندہ ان کی نگہداشت کی گئی تو یہ کام کے آدمی ثابت ہوں گے۔

گزشتہ تجربہ بتا چکا تھا کہ کوفہ بلحاظ آب و ہوا کے فرحت بخش مقام ہے۔ خود علامہ قائل ہیں کہ اہل کوفہ کو حضرت علیؑ کے ساتھ محبت تھی اب ان تمام وجوہات پر غور کرکے ہر سمجھدار تصفیہ کرے گا کہ آیا کوفہ کو دار السلطنت قرار دینا مناسب تھا یا نہ تھا حضرت علیؑ کا اسے اپنا مستقر الخلافت قرار دینا بتاتا ہے کہ وہ ملکی فوجی، موقع، آب و ہوا اور استحسان کے کل پہلوؤں پر نظر ڈال چکے تھے اور انہوں نے اہل مدینہ کی گزشتہ خاموشی پر جو سرد مہری کہی جاسکتی تھی اہل کوفہ کے اس وقت کی عملی امداد کو ترجیح دی تھی۔

مدنی ہوا خواہ

ہماری گزشتہ سطروں سے ظاہر ہوگا کہ ہم علامہ کے مدنی "ہوا خواہ" کے فقرے کو صرف دعا مانگنے والے ہوا خواہ سے بڑھ کر نہیں سمجھتے۔ ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے کہ انہیں زبانی ہوا خواہی کا ملکہ نہیں ہوگیا تھا ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ بدخواہ تھے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے عملی ہوا خواہی سے علیؑ کو کبھی تسکین نہیں دی۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی خاموشی اپنے مصالح پر موقوف ہو کہ وہ ایک بااختیار شخص کے مقابلے میں اگرچہ ان کے نزدیک اس کا کوئی حق نہ ہو، ایک ایسے شخص کی مدد کے لئے عملی کارروائی کے لئے مستعد ہونا جو حقدار لیکن بے قوت ہو، مضر سمجھتے ہوں۔ اس صورت میں بھی ہر شخص آسانی سے تصفیہ کرسکے گا کہ آیا ایسے ہوا خواہ پر مشکل میں اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ جس سے اگر خوف نہیں ہے تو کوئی عملی امید نہیں ہے یا ایسے شخص پر جو ایک مخدوش حالت میں مدد کے لئے کھڑا ہوجاتا ہے۔

نتیجہ کی غلطی

علامہ کی عبارت کو پھر پڑھیے تو آپ کو ان کے اس آخری فقرہ پر کہ "جس کا نتیجہ ان کے حق میں بُرا نکلا"

تعجب ہوگا کہ وہ برا نتیجہ نکلنے کا نتیجہ اس سے نکالتے ہیں کہ مدنی ہوا خواہوں کو چھوڑ کر اہل عراق پر اعتماد کرنے میں بڑی غلطی کی۔ وہ حالانکہ وہ واقعات اور اسباب جن سے کہ برا نتیجہ نکلا وہ مدنی ہوا خواہوں کے چھوڑنے اور اہل عراق پر اعتماد کرنے سے بالکل الگ ہیں اگر یہ صحیح ہوتا تو ابتدا ہی میں اس کا نتیجہ برا نکلنے کی زیادہ امید تھی بہ نسبت اس کے کہ علیؑ جب قوی ہوجاتے اور پوری تالیف ہوجاتی۔ اس کے بعد نتیجہ برا نکلتا۔ یعنی اس برے نتیجہ کا واقعہ جمل بہ نسبت آئندہ کے واقعات کے زیادہ حقدار تھے۔ حالانکہ جمل نے نہ صرف اچھا نتیجہ دیکھا بلکہ آئندہ بھی اچھے نتیجہ کے لئے تیار کردیا۔

یہ کہنا کہ اگر علیؑ مدنی ہوا خواہوں کو نہ چھوڑتے اور اہل عراق پر اعتماد نہ کرتے تو انہیں اسباب اور اتفاقات میں باوجود مدنی ہوا خواہوں پر اعتبار کرنے کے اس برے نتیجہ کا قرینہ نہ تھا یا امکان سے باہر تھا ایک کی طرف سے غیر مؤید خوش اعتقادی اور دوسرے کی طرف سے غیر مبنی بہ تجربہ بد اعتقادی ہے۔

تاریخ نہیں کہتی کہ اہل مدینہ نے کوفہ کے دارالسلطنت قرار دیئے جانے پر کسی قسم کی ناراضی ظاہر کی۔ تاریخ یہ نہیں کہتی کہ جس وقت حضرت علیؑ نے کوفہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔ اس وقت اہل کوفہ کے اخلاص میں شبہ کی گنجائش تھی، بلکہ قوی قرائن ایسے ہی تھے کہ کوفہ دارالسلطنت قرار دیا جاتا اور اسے ہر طرح مدینہ پر ترجیح دی جاتی۔ باستثنائے تقدس دارالسلطنت کے بدل دینے میں اس قیاس کو دخل نہیں ہے کہ علیؑ نے مدنی ہوا خواہوں کی ہوا خواہی سے بیزاری ظاہر کی تھی یا ان کی ہوا خواہی سے اپنے حکومت کو بری کردیا تھا، بلکہ مصالح تھے جس سے ایک مقام کو دوسرے مقام پر ترجیح دی تھی۔

اگر اہل عراق پر اعتماد کرنے سے برا نتیجہ پیش نظر تھا تو اہل مدینہ کو اپنی ہوا خواہی سے برے نتیجہ کو دور رکھنے کا ویسا ہی حق حاصل تھا۔ یہ صحیح ہے کہ خود حضرت امیرؑ نے اہل کوفہ کی اکثر خطبات میں شکایت کی۔ لیکن اس وقت کی شکایت کو گزشتہ اسباب اور توجہ سے کیا علاقہ۔ ایک شخص جو عبادات اور عادات پسندیدہ کا عامل ہے۔ اس کی طبیعت میں بھی قابلیت تغیر ہے کہ وہ دوسرے دن دنیا بھر کے افعال کا مرتکب ہو۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ جس وقت وہ اچھے کام کر رہا ہے اس کے افعال ویسے نہ سمجھے جائیں۔ بغیر قرائن کے آئندہ کی نسبت کوئی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی۔ قرائن تھے کہ حضرت علیؑ اعتبار کرتے۔ وہ جو نتیجہ سے الزام لگاتا ہے، اسے قرائن دکھانے ہوں گے کہ تجویز دارالخلافت کے وقت بھی ایسے اسباب تھے، جن سے اعتبار نہ کرنا مناسب تھا۔ ورنہ بغیر اسباب کے کسی نتیجہ کو سر تھوپ دینا سمجھدار آدمی کے قبول کرنے کے لائق نہ ہوگا۔ نیز یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ حضرت علیؑ نے کوفہ کو ہمیشہ کے لئے دارالخلافت قرار دے لیا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ معاویہ کی گرما گرمی رد کئے یا بصرہ اور کوفہ میں موافق خواہش امن پیدا ہونے تک یہ تجویز پیش نظر رکھی گئی ہو اور اس کے بعد مدینہ کا ارادہ ہو۔ جس کا آئندہ واقعات کی وجہ سے موقعہ ہی نہیں آیا۔ حضرت علیؑ کی

حکومت کے کمزور ہو جانے کا یہ ناقابل قیاس سبب نہ تھا بلکہ وہ اسباب تھے جو گزشتہ اوراق میں بیان کئے گئے اور جن کی تکمیل آخر کی بعض چالوں سے ہوئی۔ یہ چالیں نہیں ہو سکتی تھیں اگر حضرت علیؑ کا کمزور موقع نہ ہوتا، جس سے خود حضرت علیؑ بھی واقف تھے یہ چالیں اپنی کمزوری کی داد پاتیں اگر حضرت علیؑ کا کہنا مانا جاتا۔

رہبانیت سے تنفّر

جس زمانے میں حضرت بصرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک روز علا ابن زیاد الحارثی کی عیادت کے لئے گئے اس نے اپنے بھائی عاصم ابن زیاد کی شکایت کی کہ وہ ایک عبا پہن کر عزلت گزیں اور دنیا سے کنارہ کش ہو گیا ہے۔ حضرت نے اسے طلب کیا اور جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا:۔

اے اپنی جان کے دشمن تجھے خبیث شیطان نے حیران کر رکھا ہے۔ تو اپنے اہل وعیال پر رحم نہیں کرتا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ پروردگار عالم نے طیبات دنیا تیرے لئے حلال کی ہے اور پھر وہ اس بات کو بھی مکروہ سمجھتا ہے کہ تو ان میں سے کچھ حاصل کرے تو اس عمل اور اس سمجھ کے باعث سے پروردگار کے سامنے نہایت ذلیل ہے۔"

یہ سن کر عاصم نے جواب دیا:۔

وہ خیال جو عاماً صرف علیؑ نے ظاہر کیا

"یا امیر المومنینؑ میرا یہ عمل آپ کے عمل کے مانند ہے۔ آپ بھی موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے ہیں اور بالکل بے مزہ کھاتے ہیں" فرمایا:۔

"وائے ہو تجھ پر میں تیرے مانند نہیں ہوں۔ اس لئے کہ خداوند تعالیٰ نے آئمہ حق اور پیشوایان عادل پر فرض کر دیا ہے کہ وہ ضعیف اور محتاج نفوس کے سبب سے اپنے نفس پر سختیاں کریں تاکہ فقیر کا فقر اور محتاج کی محتاجی اسے مضطرب نہ کرے

(نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ)

جنگ کے بعد کا جامع اعلان

"تمہاری عہد شکنی اور خصومت کے سبب سے وہ امر ظاہر ہو گیا جس سے تم غافل نہیں تھے۔ اب میں نے تمہارے گنہگار کو معاف کیا۔ تمہارے بھاگنے والوں سے تلوار اٹھالی تمہارے متوجہ ہونے کے عذر کو قبول کیا اگر ہلاک کرنے والے امور اور منحرف رائے و تدبیر والوں کی بے عقلیوں نے تمہیں میری عداوت کے رستہ پر لگا دیا۔ تو اس وقت میں اپنے راہواروں کو نزدیک کر دوں گا اور اپنی سواری کے اونٹوں پر زین کس لوں گا۔ اگر تم نے مجھے اپنی طرف حرکت کرنے کے لئے مضطر کیا تو میں دفعتاً ایک ایسا حادثہ تم پر نازل کروں گا کہ حادثہ جنگ جمل کو اس سے وہی نسبت ہو گی۔ جیسا کھانا کھانے کے بعد آدمی انگلیاں چاٹا کرتا ہے۔ باوجودیکہ میں تم میں سے جو فرمانبردار ہے اس کی فضیلت سے واقف ہوں" (نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ)

ایک شخص کا قابل توجہ ریمارک

المدائینی۔ ابوالحسن علی بن محمد کی سند سے علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء

میں نقل کیا ہے :-

جس وقت حضرت علیؑ کوفہ میں داخل ہوئے ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ " یا امیر المومنین آپ نے خلافت کو زینت دی لیکن خلافت نے آپ کو زینت نہیں دی۔ آپ نے اسے ممتاز کیا لیکن اس نے آپ کو ممتاز نہیں کیا۔ اسے آپ کی بڑی ضرورت تھی۔ بہ نسبت اس کے کہ آپ کو اس کی ضرورت ہوتی۔ "

قصر امارت قبول نہ کیا

حضرت کوفہ پہنچے یہاں کے لوگوں نے استقبال کیا اور قصر امارت خالی کیا گیا۔ لیکن حضرت علیؑ نے اس میں سکونت اختیار کرنے سے انکار کیا اور رحبہ میں فروکش ہوئے اس کے بعد اس واعظ سردار نے مسجد جامع میں لوگوں کو طلب کیا اور آپؑ نے منبر پر جا کر فرمایا :-

شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اور میرے دوستوں کو فتح دی اور میرے دشمنوں کو مقہور کیا۔ سچا عزیز اور جھوٹا ذلیل ہوا، مجھے تم لوگوں میں اس سے بڑا خوف ہے جو ہوائے نفس اور درازی عمر کی امید میں اپنا انجام بھول جائے۔ یہ جانو کہ دنیا گزر جانے والی اور آخرت ہمیشہ کے لئے ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو مال جمع کرنے اور دنیا کے امور میں مصروف ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو اس مکار دنیا کو سمجھ گئے اور اس کے مزخرفات سے کنارہ کشی کی ہے اور نیکیوں کے حاصل کرنے کی فکر میں ہیں جنہیں فنا نہیں۔ اے بندگان خدا، تم اس گروہ میں ہو جو دنیا سے دل برداشتہ اور آخرت کا خیال رکھتے ہیں نہ ایسے جو مال دنیا سے مغرور اور لذت نفسانی میں مشغول ہیں۔ آج کام کرنے کا دن ہے اور کل حساب دینے کا۔ اے اہل کوفہ! تم اہل بیت رسولؐ کی اطاعت کرو کہ یہ حق پر ہیں۔ بہت سے کوفی ایسے ہیں۔ جنہوں نے اس جنگ میں میری مدد کی اور میری دوستی سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تم ان سے اس وقت تک موافقت نہ کرو، جب تک وہ عذرات پیش نہ کریں اور ہماری خوشنودی حاصل کریں۔

ایک دوست کی خواہش اور جواب

اس وقت مالک بن حبیب یربوعی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا :-

" یا امیر المومنینؑ! ان لوگوں نے آپ سے مخالفت کی اس لئے یہ سزاوار ہے کہ ہم لوگ ان سے مجالست اور گفتگو ترک کر دیں اور گناہ میں شریک ہونے کے لئے مخالفت کی اس لئے حکم دیں کہ انہیں ہم سزا دیں اور قتل کریں " فرمایا :-

" اے مالک! انہیں گوشمالی دینی چاہیئے لیکن جب تک وہ کسی کو قتل نہ کریں انہیں قتل نہ کرنا چاہیئے کہ خدا کا یہی حکم ہے "

اس وقت ابو برزہ بن عوف الازدی جو جمل میں عائشہ کے ہودج کے قریب تھا کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا :-

" یا امیر المومنینؑ! پھر آپ کیونکر ان کے قتل پر راضی ہوئے جو جمل میں عائشہ کے ہودج کے قریب مارے گئے۔ "

" اس لئے کہ انہوں نے ہمارے دوستوں اور عاملوں کو بے گناہ قتل کیا۔ جب میں قریب پہنچا اور قاتلوں کو مانگا تو

ان لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا بلکہ آمادہ جنگ ہوئے ۔مقتولین مجھ سے بیعت کر چکے تھے ۔ ان کا قصاص میرے ذمہ تھا ۔ باوجود ان ناپسندیدہ حرکتوں کے میں نے نصیحتیں کیں لیکن کسی نے میرا کہنا نہ سنا ۔ آخر میں ضرورت ہوئی کہ انہیں گوشمالی دی جائے ۔ تو ہی بتا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں سچ ہے یا غلط" ! ابو برزہ کہنے لگا :۔

"یا امیر المومنین ؑ مجھے اس وقت تک دوسرا گمان تھا لیکن آپ کی باتیں سن کر اس قوم کی گمراہی اور آپ کا سچ معلوم ہو گیا " (اعثم کوفی)

علی ؑ جعدہ بن ہبیرہ بن ابی دہب المخزومی کے مکان پر تشریف لے گئے ۔ یہاں بھی لوگ شرف یابی کے لئے حاضر ہوتے رہے ۔مشاہیر میں سے ایک شخص سلیمان بن صرد الخزاعی تھے ۔ جن سے حضرت علی ؑ نے ساتھ نہ دینے کی خاص طور پر شکائتیں کیں ۔ حضرت علی ؑ کے سخت انداز دیکھ کر سلیمان نے عادت حلم یاد دلائی اور آئندہ وفاداری کا وعدہ کر کے چلا گیا ۔ کہا جاتا ہے کہ سلیمان نے امام حسن ؑ سے اس سخت سرزنش کی شکایت کی جو اس پر ہوئی تھی اور امام حسن ؑ نے سمجھایا کہ جس پر زیادہ اعتبار و خلوص ہوتا ہے اس سے شکوے کئے جاتے ہیں ۔ اسی طرح اکثر لوگ آئے حضرت علی ؑ جواب سلام کے بعد کہتے تھے "گو تو بھی مخالف تھا مگر آج دوست ہے"

انتظامات

جمعہ کے دن نماز پڑھائی اور صوبجات کا انتظام شروع کیا ۔عراق ، بابان ، جبال و خراسان میں عمال بھیجے اور یہ سن کر کہ معویہ نے اہل جزیرہ سے کچھ عہد و پیمان کیا ہے مناسب سمجھا کہ وہاں دوسرا عامل بھیجا جائے ۔ مالک اشتر تجویز ہوئے اور روانہ کئے گئے ۔ حضرت علی ؑ کو عرب اور مصر پر بھی تسلّط ہو گیا اور گویا یہ امیدیں ہونے لگیں کہ اندرونی شورشوں سے تسکین کا وقت آ گیا یعنی جمل کی جنگ کے بعد بجز شام کے حضرت علی ؑ تمام ممالک اسلامیہ پر قابض ہو گئے ۔

باب پنجم

"علیؑ اور معاویہ"

باب پنجم

علیؑ اور معاویہ

مؤلف تاریخ الاسلام جو مختلف پیرائے میں حضرت عثمان کی معزولی کے نسبت مغیرہ ابن شعبہ کی مصلحت کا حامی نظر آیا ہے اور کہیں لوگوں کی زبانی حضرت علیؑ کی اس مصلحت کو انکاری شان سے ادا کیا ہے۔ کہیں خلاف عقل کہا اور کہیں ظاہر کیا ہے کہ "حضرت علیؑ نے سیدھے طور پر جواب دیا کہ امت رسولؐ پر بڑے لوگوں کو حکمران نہیں رکھ سکتا۔"

وہی قابل مؤرخ آخر میں اس کا بھی قائل ہوا ہے کہ "جنگ جمل کے بعد علیؑ کو قوت ہوئی۔

اسی قابل مؤرخ نے ذیل کی عبارت میں خلاف واقعہ تشبیہ کی ضیافت کی ہے جس پر توجہ دلانا ضروری ہے:-

حضرت علیؑ نے ہاشمیوں کو بڑے عہدے دیئے۔ یہ بیشک ملک پر بڑا حق رکھتے تھے اور تینوں خلافتوں میں ان کے حقوق پامال کئے گئے تھے۔ کچھ تلافی مافات اور کچھ مصلحت کہ اپنوں پر بھروسہ۔ حضرت علیؑ پر تو کوئی جائز اعتراض نہ ہوسکا عثمان اپنی دشمنوں اور الزام سے بری ہوگئے۔... حضرت علیؑ کی مشکلوں کی بدولت .... اور الگ رہنے والے .... کہ دونوں برحق"

اس جملہ کے سمجھنے کے لئے کہ "حضرت علیؑ نے ہاشمیوں کو بڑے عہدے دیئے" مؤرخ کی وہ فہرست پڑھنی چاہئے جو اس نے حضرت علیؑ کے عاملوں کی لکھی ہے:-

(طبری عمر بن عبید اللہ)

۱۔ عبید اللہ ابن عباس	یمن	۲۔ سماحہ ابن عباس	تہامہ
۳۔ عون ابن عباس	یمامہ	۴۔ سعید ابن عباس	بحرین
۵۔ قثم ابن عباس	مکہ	۶۔ عمارہ ابن ہشام[1]	کوفہ
۷۔ قیس ابن سعد ابن عبادہ	مصر	۸۔ سہیل ابن حنیف	شام
۹۔ عثمان ابن حنیف	بصرہ۔		

علیؑ کے کئے عامل ہاشمی تھے

متذکرۂ صدر فہرست سے ظاہر ہے کہ اگر یہ قطعاً صحیح بھی سمجھ لیا جائے تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی تمام حکومت میں صرف پانچ ہاشمی عہدیدار تھے۔ حالانکہ ان پانچ ہاشمیوں کی تعداد بھی صحیح سمجھنے کے ذرائع کافی نہیں ہیں جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہم بجز عبد اللہ ابن عباس، قثم ابن عباس اور عمر ابن ابی سلمہ کے اور کسی کو عامل نہیں دیکھتے۔ جسے کسی طرح قرابت کا تعلق سمجھا جا سکتا ہو۔ ہم کو اس کے قائل ہونے میں تامل نہیں ہے کہ حضرت علیؑ نے دو تین ہاشمیوں کو بڑے عہدے دیئے۔ اگر کسی کی دانست میں اس ناقابل ذکر تعداد پر بھی توجہ دلانا کوئی معنی رکھتا ہو۔ ہم اس جملے کو اظہار تشکری کے ساتھ قبول کرتے ہیں کہ "یہ بیشک ملک پر بڑا حق رکھتے تھے اور تینوں خلافتوں میں ان کے حقوق پامال کئے گئے تھے" ہم اس کی بھی مخالفت نہیں کرتے کہ "کچھ تلافی مافات اور کچھ اپنوں پر بھروسہ" کے لفظ کے مفہوم کو حضرت علی علیہ السلام کے عمل سے تعلق ہے نہ اس کے عام مفہوم سے۔ ہم لائق مؤرخ کے اس فقرے کے بھی بدل معترف ہیں کہ حضرت علیؑ پر کوئی جائز اعتراض نہ ہو سکا۔" لیکن ہم ان کل فقرات کے نتیجہ کا کسی طرح ساتھ نہیں دے سکتے کہ "عثمان اپنی دقتوں اور الزام سے بری ہو گئے"۔

تنقیحات

لائق مؤلف تاریخ الاسلام یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ چونکہ حضرت علیؑ نے اپنی مشکلوں میں اپنے لوگوں پر بھروسہ کیا۔ جس طرح عثمان نے کیا تھا اور چونکہ حضرت علیؑ پر جائز اعتراض نہ ہو سکا لہٰذا عثمان کے بنی امیہ کو مقرر کرنے اور انہیں معزول نہ کرنے پر اسی طرح کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ مجھے اس تشبیہ کے ہموار ہونے میں کلام ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے غور کرنا ہوگا کہ تقرری عمال میں کہاں تک اشتراک پایا جاتا ہے۔ آیا حضرت علیؑ کے ہاشمی عمال تعداد میں اسی قدر تھے جس قدر عثمان کے بنی امیہ عمال تھے۔ آیا اپنے عمال کے ساتھ عثمان کا وہی برتاؤ اور دیکھ بھال تھی جو حضرت علیؑ کی تھی۔ آیا حضرت علیؑ کے عمال کی بھی رعایا نے ویسی ہی شکایتیں کیں، جیسی حضرت عثمان کے عمال کی آیا حضرت علی کو وہ دقتیں انہیں اسباب سے پیدا ہوئی تھیں، جن سے حضرت عثمان کی دقتیں پیدا ہوئیں۔ آیا بنی امیہ بھی

---

[1] تاریخ الاسلام ص ۲۰۸، ترجمہ تاریخ طبری فارسی عمار بن ہاشم الثوری الطبری عربی عمارہ بن شہاب، اخبار الطوال، عمارہ بن حسان۔

بنی ہاشم کا ایسا ملک پر حق رکھتے تھے۔

اگرچہ حضرت علیؑ اور حضرت عثمان میں بلحاظ حاکم ہونے کے عمال کی تقرری کا نقرہ قدر مشترک ہے۔ لیکن ہاشمی اور اموی عمال کی تعداد سمجھنے کے لئے تاریخ طبری کا یہ نفقرہ کافی ہوگا کہ "ہمہ شہر عمال عثمان بنی امیہ بود چوں کے را از ایشاں باز کردے دیگرے راہم از ایشاں قرار کردے"۔ اس کے مقابلہ میں اگر مؤلف تاریخ الاسلام کی تعداد کا آنکھ بند کر کے بھی یقین کر لی جائے تو بھی یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح عثمان کی مصلحت بنی امیہ کو حاکم مقرر کرنے کی مقتضی تھی، اسی طرح حضرت علیؑ بھی باوجود اور قابل لوگوں کے پائے جانے کے اختیار بنی ہاشم تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ بلکہ ہاشمی عمال کی تفریق کے بعد جب ان کے غیر ہاشمی عاملوں کی فہرست پر نظر ڈالی جائے گی تو بلا شبہ تصفیہ یہ کیا جائے گا کہ حضرت علیؑ اس تنگ مصلحت کے عامل نہیں ہوئے۔

برتاؤ کا فرق

عمال کے ساتھ حضرت علیؑ اور عثمان کے برتاؤ میں قوم کی مماثلت نہیں پائی جاتی۔ حضرت عثمان نے بنی امیہ کی کم مائگی کی وجہ سے ان کے لئے غنی ہونے کا مصمم ارادہ اور عمل جائز کر لیا تھا۔ اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ اپنے قبیلے کو مالی اور ملکی حیثیت سے مقتدر اور قوی کر دیں اس لئے کہ انہیں ان پر "بھروسہ" تھا ان کا بھروسہ غور سے پڑھنے والا سمجھے گا کہ اپنی کمزوریوں کی محافظت پر مبنی تھا اسی لئے عمال کی کمزوریوں پر توجہ نہ کرنے یا بنی امیہ کو کسی جگہ سے نہ ہٹانے کا یہی مقصود تھا کہ ہمارے بااقتدار لوگ ہماری کمزوریوں پر متوجہ نہ ہوں۔ یہ حاکم اور اس کے عمالوں کے درمیان معاملہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے عامل عامۂ ناس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس معاملت کو رعایا کہاں تک پسندیدگی سے دیکھے گی؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ حاکم اور اس کے عاملوں میں ذاتی فوائد اور سمجھوتے نے کوئی کشمکش نہ پیدا کی لیکن رعایا دونوں سے دشمنی کی حد تک مخالف ہو گئی۔

حضرت علیؑ کا بھروسہ، مصلحت اور برتاؤ اس سے بالکل الگ تھا۔ اگرچہ بنی ہاشم کو عاملوں کی تعداد میں اس قدر نہیں دیکھتے جس سے "بھروسہ" کا خیال پیدا ہو سکے۔ تاہم مؤلف تاریخ الاسلام کے لفظ اور تعداد بحث کے لئے قبول کر لیتے ہیں اور یہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا تقرر بھروسہ ہی کی نیت سے کیا گیا۔ اس وقت کا بھروسہ حضرت علیؑ کے لئے کسی طرح قابل الزام نہ تھا۔

علیؑ اور عثمان کی خلافت کے وقت کا فرق

ناظرین دونوں حالتوں کو پڑھ چکا جو حضرت عثمان اور حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے کے وقت تھیں، یعنی جس وقت حضرت عثمان کے لئے کوئی خوف نہ تھا۔ حضرت علیؑ ہر طرف سے اپنے کو خطروں میں گھرا ہوا پاتے تھے۔ اس وقت اگر

انہوں نے بعض بنی ہاشم کو عامل بنایا تو کسی طرح نہ مصلحت کے خلاف کیا اور نہ خلاف انصاف و اخلاق۔ انہوں نے اگر بھروسہ کیا بھی تو اس لحاظ سے کہ ان لوگوں سے اس عام مخالفت کی حالت میں مخالفت کا خوف نہ ہوگا۔ وہ چونکہ بنی ہاشم اور بعض حیثیتوں سے ممتاز ہیں۔ قرینہ ہے کہ وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام دیں اور ان احکام کو بجا لائیں جو مرکزی حکومت جاری کرے۔ حضرت علیؑ کی مصلحت اور غرض تھی کہ اچھے لوگ امت رسولؐ پر حاکم کئے جائیں۔ حضرت علیؑ کی مصلحت تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے راستوں پر چلیں اور لوگوں کو چلائیں۔ ان کی مصلحت یہ نہ تھی کہ اپنے بقائے اختیار کے لئے ہر قسم کی تدبیر دل سے کام نکالیں اور اپنے عاملوں کی ایسی ہی تدبیروں کو اس امید سے کہ وہ مدد کریں گے، جائز رکھیں اور ان سے چشم پوشی کریں۔

علیؑ کا برتاؤ اپنے عمال کے ساتھ

لکھا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ اپنی حکومت اور عاملوں کی روش پر کس سختی سے نظر کرتے تھے اور تھوڑی سی غلطی پر بغیر متنبہ کئے اور دھمکائے ہوئے نہیں رہتے تھے۔ مثلاً یہ حکم جو عبداللہ ابن عباس کو بھیجا گیا:۔

عبداللہ ابن عباس کے ساتھ

میرے عزیز و اقرباء میں سے کوئی شخص میرے نزدیک تجھ سے زیادہ معتمد نہیں تھا جو میری مدد کرے اور اموال بیت المال کو مجھ کو ادا کرتا رہے مگر جب تو نے دیکھا کہ تیرے ابن عم پر زمانہ سختیاں کر رہا ہے۔ دشمن لڑائی کے لئے صفیں آراستہ کر رہے ہیں۔ لوگوں کی امانت میں خیانت ہو رہی ہے اور یہ امت فرصت ڈھونڈھ رہی ہے۔ ان حالات سے بالکل بے خبر ہے تو تو نے پشت سر کو اپنے ابن عم کے لئے برگشتہ کر لیا۔ جدا ہونے والے کی طرح اس سے جدا ہوا ساتھ چھوڑ دینے والے کے مانند اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ خیانت کرنے والی کی طرح اس کے ساتھ خیانت کی۔ نہ اپنے ابن عم کی مدد کی نہ اس کی امانت کو ادا کیا جس وقت تجھے موقع مل گیا کہ تو نہایت شدت کے ساتھ خیانت کرے۔ تو تو نے نہایت تیزی سے حملہ کر دیا اور حملہ کرنے کے لئے جست کرنے میں تعجیل سے کام لیا۔ وہ اموال جن کی بیوہ عورتوں اور یتیموں کے لئے محافظت کی گئی تھی، اسے اس طرح لے گیا۔ جس طرح خونخوار بھیڑیا بکری کے شکستہ بچہ کو لے جاتا ہے۔ پھر ان اموال کو ولایت حجاز کی طرف بار کر دیا اس وقت تیرا سینہ کشادہ تھا۔ اس کو بار کرتے وقت خوشحالی تیرے چہرے سے ٹپکی پڑتی تھی تجھے اس گناہ کے برداشت کرنے میں کسی قسم کا خوف نہ تھا۔ ایسے یتیموں، مسکینوں، مومنین و مجاہدین کے مال سے کنیزیں خرید رہا ہے۔ عورتوں سے نکاح کر رہا ہے۔ جس میں خداوند عالم نے یہ مال ان کی غنیمت میں عطا فرمایا ہے اور جن کے سبب سے ان شہروں کی محافظت کی ہے تو خدا سے ڈر اور ان کا مال ان کی طرف لوٹا دے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو خداوند عالم مجھے تجھ پر مسلط کرے گا۔ میں تجھے اپنی اس شمشیر سے ماروں گا۔ جس سے سوا اہل نار کے میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ قسم خدا کی اگر حسنؑ و حسینؑ ایسا

فعل کرتے جیسا تو نے کیا ہے تو ہر گز میری طرف سے انہیں اجازت نہ ہوتی۔ حتیٰ کہ میں ان سے حق کو اخذ کر لیتا اور ان کے مظلمہ سے باطل کو نیست و نابود کر لیتا،، اس کے بعد خبریں ہیں کہ بیس سواروں کے ساتھ ابن عباس نے بیت المال دار الخلافت میں بھیج دیا۔

شریح قاضی کوفہ

شریح قاضی کوفہ نے اسی دینار کا ایک مکان خرید کیا جب حضرت کو معلوم ہوا تو فرمایا:۔

"دیکھ اے شریح اور نظر کر، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مکان کو تو نے اپنے غیر کے مال سے خریدا ہو اور اس مکان کی قیمت مال حرام سے حاصل کی ہو۔،،

اشعث ابن قیس کندی

اشعث ابن قیس کندی حاکم آذر بائیجان کو:۔

"تیرے امیر نے تجھے اپنی طرف سے چوپان اور شبان کی طرح مقرر کیا ہے۔ تجھے یہ بات سزاوار نہیں کہ امور رعایا میں بطور خود منفرد ہو جائے۔ تیرے دست تصرف میں خداوند عز و جل کے اموال میں سے ایک مال ہے تو میرا ایک خزانچی ہے تاکہ اس مال کو مجھ تک صحیح و سلامت پہنچا دے۔ مجھے امید ہے کہ میں تیرے لئے بدترین حاکم ثابت ہونگا"

عبداللہ ابن عباس

عبداللہ ابن عباس کو جس وقت یہ بصرہ کے عامل تھے:۔

مجھے خبر ملی ہے کہ تو قبیلہ بنی تمیم کے ساتھ بدخوئی سے پیش آیا اور ان کے ساتھ درشتی و سختی اختیار کی ...... ان لوگوں نے ایام جاہلیت اور ایام اسلام میں کبھی بغض اور کینہ کی طرف سبقت نہیں کی، انہیں ہمارے ساتھ ایک پیوستہ قرابت اور خوشی ہے اور ہم ان کے ساتھ صلہ و احسان کر کے ماجور ہوتے ہیں ...... تو میرے گمان شائستہ کے نزدیک رہ، میری رائے کو تیرے بارے میں سست اور ضعیف نہ ہونا چاہئے۔،،

زیاد کو

زیاد کو جس وقت یہ حاکم بصرہ تھا:۔

اگر مجھے خبر مل گئی کہ تو نے مسلمان کے مال میں تھوڑی یا بہت، کچھ بھی خیانت کی تو میں تجھ پر نہایت سختی کے ساتھ حملہ کروں گا،، میانہ روی کو اختیار کرتے ہوئے اسراف کو ترک کر دے۔

دوسرے ایک عامل کو

"مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے اشجار و زراعت سے زمین کو برہنہ کر دیا۔ جو کچھ تیرے قدموں کے نیچے ہے اسے لے لیا اور ان اشیاء کو کھا لیا جو تیرے دست تصرف کے ماتحت تھیں۔ اب تو ذرا اپنے جمع خرچ کا حساب میرے پاس بھیج دے۔،،

مصقلہ ابن ہبیرہ کو

مصقلہ ابن ہبیرہ حاکم اردشیر کو:۔

اس ملک کے خراج کو ان لوگوں میں تقسیم کرتا ہے جنہیں تو نے طائفہ عرب میں انتخاب کر لیا ہے اور وہ تیری قوم کے افراد ہیں۔ اگر یہ خبر سچ ہے تو بیشک میری طرف سے اپنے لئے اہانت اور تذلیل لازم سمجھ لے۔

عثمان ابن حنیف کو

عثمان ابن حنیف والئی بصرہ کو:۔
مجھے خبر ملی ہے کہ گروہ اہل بصرہ میں سے ایک شخص نے تیری دعوت کی تو نہایت سرعت کے ساتھ وہاں پہنچا۔ میرا گمان یہ نہیں تھا کہ تو اس گروہ کی دعوت طعام قبول کرے گا۔ جس کا فرد محتاج دعوت سے محروم ہو۔ آگاہ ہو جا کہ بیشک تمہارے امام نے فقط دو جامۂ کہنہ اور کھانے کے لئے دو روٹیوں پر اکتفا کر لی۔ خبردار ہو جاؤ کہ! تم اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ تم سے ایسا صبر نہیں ہو سکتا۔ لیکن پرہیزگاری اور ترک محرمات و سعی واجبات میں میری مدد کرو۔ بیشک وہ اموال و اشیاء جو آسمان کے نیچے ہیں۔ ان میں سے صرف باغ فدک ہمارے تصرف میں تھا مگر ایک قوم کے نفوس نے اس کے واگذار کرنے میں بھی بخل اختیار کیا اور دوسرے گروہ کے نفوس اس پر بخشش اور سخاوت سے کام لے کر بیٹھے۔ خیر اس بات کا اللہ تعالیٰ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ اگر میں چاہوں تو بیشک مجھے اس دنیا کے صاف و مصفا شہد کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہے۔ مجھے اس گندم کا مغز دستیاب ہو سکتا ہے۔ اس ریشم کے بنے ہوئے کپڑوں تک پہنچ سکتا ہوں، لیکن ہیہات ہیہات میری خواہشیں مجھے مغلوب کر دیں۔ طعام کی حرص مجھے قسم قسم کے کھانوں پر دانت تیز کرنے کی طرف لے جائے حالانکہ حجاز و یمن میں کوئی نہ کوئی ایسا شخص موجود ہو جو روٹی کے حاصل کرنے اور شکم سیر ہونے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ یا میں کھانے سے پیٹ بھر کر رات بسر کروں اور میرے اردگرد بہت سے گرسنہ شکم موجود ہوں! کیا میں اپنے نفس کو اس امر پر قناعت کا حکم دوں کہ مجھے امیرالمومنین کہہ دیا جائے اور بس! میں مکروہات زمانہ میں ان لوگوں کا شریک نہ ہوں۔"

کمیل ابن زیاد

کمیل ابن زیاد نخعی کو معزولی کا حکم جو ہیئت کا عامل تھا:۔
"جس کام کا اختیار آدمی کو دیا گیا ہے اس کا ضائع کرنا اور جس کام پر وہ مامور نہیں اس کی تحصیل میں مشقت اٹھانا ایک عجز ہے جو موجود ہے اور ایک رائے ہے جو سخت ناسد ہے۔ تیرا اہل قرقیسا پر چڑھائی کرنا ان کے قتل و غارت میں مشغول ہونا اور ان مقامات کو خالی چھوڑ دینا جن پر تو حاکم مقرر کیا گیا ہے ایسی حالت میں کہ نہ ان مقامات میں کوئی ایسا شخص ہے جو دشمن کو روک سکے، نہ کوئی لشکر موجود ہے جو دشمن کی سپاہ کا مقابلہ کر کے اسے واپس کر سکے۔ بیشک یہ ایک ایسی تدبیر ہے جو بالکل پراگندہ ہے تو دشمنوں کے لئے ایک پل بن گیا کہ وہ اس پر عبور کرتے ہوئے تیرے دوستوں کو غارت کریں۔

عاملوں کی دیکھ بھال کا نتیجہ

متذکرہ صدر تحریریں جو نہج البلاغہ سے پیش کی گئی ہیں، قطع نظر اس کے کہ وہ مصنف کی کیسی گہری تمدنی نظر، تدبر اور سیاسی روش اور ہمدردانہ حکومت کا خیال دلاتی ہیں۔ میں اس وقت صرف حضرت علیؑ اور حضرت عثمان کے برتاؤ کو جو عمال کے ساتھ تھے، دکھانا چاہتا ہوں۔ ایک باوجود متواتر

شکائتوں کے شکایت سے ناخوش ہوتا ہے۔ اگرچہ رعایا پیس ہی کیوں نہ ڈالی گئی ہو۔ دوسرا ایک بیدار مغز۔ چوکنے حاکم کی طرح نہ صرف عاملوں کے ادنیٰ خیالات، حرکت اور روش سے واقفیت رکھتا ہے بلکہ ان کی طبعی کمزوریوں کو اس طرح دکھا رہا ہے جس طرح دکھایا جا سکتا ہے۔

طبری نے ایک نہایت معقول فقرہ رکھ چھوڑا ہے جو مثال میں کام آئے گا اور وہ یہ ہے کہ جب اصحاب جمل نے علیؑ کو معزول کرنے کی کوشش کی تو کسی نے کہا کہ "ابھی علیؑ سے کوئی حکم یا خیانت ظاہر نہیں ہوئی ہے اور تم ان کو خلع کر رہے ہو" علیؑ کے عاملوں کی رعایا نے کبھی شکایت نہیں کی جو تاریخ میں مذکور ہو۔ حضرت علیؑ نے جو کچھ تاکید اور دھمکیاں اپنے عاملوں کو دی ہیں۔ وہ ان کے جاسوسوں کی اطلاع پر مبنی تھی اور کبھی رعایا کے کسی وفد نے کوئی شکایت پیش نہیں کی۔ انفرادی طور پر اگر کسی نے شکایت کی بھی، تو حضرت علی علیہ السلام نے اپنے عامل کو اس کے عام فرائض یاد دلائے اور سخت بازپرس کی۔

سوال غیر متعلق ہوگا

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اکثر مقامات پر حضرت علیؑ کے عامل قبول نہ کئے جا رہے تھے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کی ماتحتی نہ چاہتے تھے لیکن ابتدا میں کسی عامل کی ماتحتی نہ چاہنا اس سوال پر کوئی اثر نہیں رکھتا کہ "آیا حضرت علیؑ کے عمال کی بھی رعایا نے ویسی ہی شکائتیں کیں جیسی حضرت عثمان کے عمال کی" اس لئے کہ وہ لوگ تو ابھی لفظ "رعایا" کے مفہوم میں نہ آئے تھے۔ انہیں حضرت علیؑ کے عامل کی حکومت کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ ان کی شکائتیں قبل اس کی انتظام بینی کے تھیں اس لئے ان کا مقابلہ حضرت عثمان کے ان عمالوں سے نہیں ہو سکتا جو زمانۂ انتظام میں ظلم کر رہے تھے اور رعایا فریاد کر رہی تھی۔

عثمان اور علیؑ کی دقتوں اور ان کے اسباب کا فرق

حضرت علیؑ اور حضرت عثمان کی دقتیں دو مختلف اسباب سے پیدا ہوئی تھیں۔ جن میں کسی قسم کا اشتراک یا مماثلت نہ تھی۔ عثمان کی دقتیں جہاں مذکورہ اسباب سے پیدا ہوئی تھیں وہاں اس میں ایک خاص سبب زیر بحث عمالوں سے تھا۔ حضرت علیؑ کی دقتیں اپنے عمالوں سے نہ پیدا ہوئی تھیں بلکہ ان لوگوں کی بدولت تھیں جو ذاتی اغراض کی تکمیل اور ان کے حصول کے لئے حضرت علیؑ کو حائل نہ دیکھ سکتے تھے۔ جنہیں بے قوتی سے قوت حاصل ہوئی تھی اور پھر قوت کو بے قوتی کی طرف مائل اور حضرت علیؑ کو صاحب اختیار دیکھ کر چاہ رہے تھے کہ ہم اور حضرت علیؑ اسی گزشتہ حالت کی طرف عود کر آئیں اگرچہ اس دشوار راستے سے عبور کرنے کے لئے مسلمانوں کی لاشیں کیوں نہ روندنی پڑیں۔

سخاوت

اس سے ظاہر ہوگا کہ "دقت" کی قدر مشترک نے قابل مؤرخ کو یہ کہنے کے لئے جلدی سے آمادہ کر دیا کہ جب دقت تھی تو حضرت عثمان کے عام بنی امیہ عمال کی تقرری بنی ہاشم کے معدودے چند عاملوں کی

طرح قابل معافی ہو گی اور چونکہ حضرت علیؑ کے اس فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ اس لئے حضرت عثمان اپنے الزام سے بری ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عثمان پر بہت کچھ الزام ان کے عاملوں کی بدولت تھا۔ حضرت علیؑ کا الزام ان کے عاملوں کی وجہ سے نہ تھا اس لئے ان متضاد حالتوں سے نتیجہ نکالنا الزام سے بری کر دینے میں سخت سخاوت کو راہ دینا ہو گا۔

بنی امیّہ اور بنی ہاشم کا فرق

میری آخری تنقیح کا جواب کہ آیا بنی امیہ بنی ہاشم کا ایسا ملک پر حق رکھتے تھے؟ قابل مؤرخ نے بڑی حد تک دے دیا ہے۔ اس نے تنقیح کے نصف مفہوم کو کہ آیا بنی ہاشم ملک پر کوئی حق رکھتے تھے؟ قبول کیا ہے۔ اس تنقیح کی اسے ضرورت نہ تھی کہ آیا بنی امیّہ ملک پر کوئی حق رکھتے تھے؟ جہاں مسئلہ اسلام کی بقا بنی ہاشم سے تعلق رکھتی تھی وہاں اس کی فنا کا بنی امیہ نے اوائل اور پھر موقع پا کر کچھ دن بعد گویا بیڑا اٹھا لیا تھا۔

بنی امیّہ کے بعد بنی ہاشم کو اختیار دینا اسلام کی زندگی بڑھانا تھا

اس لحاظ سے بنی امیّہ کے ایسے اسلام کے خونی دشمنوں کے بعد یا مقابلہ میں بنی ہاشم کے ایسے اسلام کے مددگاروں کو کسی قدر اختیار دینا ضرور ذات اسلام کی ملکی زندگی کا ایک قرض ادا کرنا تھا۔ حضرت علیؑ نے اس طرح قرض ادا کیا جس طرح لکھا گیا۔ جس طرح انہوں نے خلافت کے زمانے کی روش دکھا کر سمجھا دیا کہ اگر ہمیں خلافت کی ہوس بھی تھی تو اس غرض کے لئے تھی۔ حضرت علیؑ نے سخت احتیاط کی کہ وہ اپنے اعزہ کے لئے مالی حیثیت سے غنی نہ بن جائیں جو اس خطبہ سے سمجھ میں آئے گی۔

سخت احتیاط

"میں نے اپنے بھائی عقیل کو دیکھا جو بالکل بے نوا اور محتاج تھا۔ حتیٰ کہ اس نے تمہاری گندم میں سے مجھے ایک صاع گندم کی درخواست کی۔ میں نے اس کے بچوں کو بھی دیکھا کہ فقر و فاقہ کے مارے ان کی رنگتیں خاکستری ہو رہی تھیں۔ ان کے چہرے گویا وسمہ اور نیل سے سیاہ ہو رہے تھے۔ میرے پاس آئے حالانکہ مجھ سے تاکیداً درخواست کر چکے تھے اور پھر اسی گفتگو کا اعادہ کیا۔ جسے میں مکرر سن چکا تھا۔ اب میں نے اس کی باتوں پر کان لگائے اور گمان میرے کانوں نے یہ گمان کر لیا کہ میں اس کے ہاتھ اپنے دین کو بیچ رہا ہوں۔ میں نے ایک لوہے کے ٹکڑے کو اس کے امتحان کے واسطے گرم کیا اس گرم شدہ لوہے کو اس کے جسم کے قریب لے گیا تاکہ اس سے اسے عبرت ہو اس نے اس کی سوزش محسوس کر کے ایسی فریاد کی۔ جیسے نہایت دردمند فریاد کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا۔ اے عقیل تو ایک ایسے لوہے کے ٹکڑے سے فریاد کرتا ہے۔ جسے آدم زاد نے محض خوش طبعی کے لئے گرم کیا ہے اور مجھے ایک ایسی آگ

کی طرف کھینچتا ہے۔ جسے ایک قہار جبار نے اپنے غیض و غضب کے ساتھ بھڑکا رکھا ہے ...... اب یہ امر بھی عجیب ہے کہ شب آئندہ کو بھی میرے بھائی عقیل میرے پاس آئے اور ایک برتن کو لپیٹے ہوئے لائے جس میں حلوہ تھا (اور کہا) یہ ایک ہدیہ ہے (میں نے کہا) کیا تو میرے پاس اس لئے لایا ہے کہ از راہ دین شریعت مجھے فریب دے۔ قسم خدا کی اگر وہ ہفت اقلیم مجھے عطا کئے جائیں جو آسمان کے نیچے ہیں تاکہ میں ایک چیونٹی کے حق میں خدا کی نافرمانی کروں اس طرح کہ ایک جو کے چھلکے کو اس سے چھین لوں تو میں ہرگز یہ فعل نہ کروں گا۔"

میں نواب خاقان حسین صاحب مؤلف المعارف کے اس خیال کے بالکل موافق ہوں کہ "جو پیشتر اس غرض سے شریک ہوتے تھے کہ بیت المال سے مفت کا مال ملے گا۔ جب دیکھتے تھے کہ ایک حبہ بھی ناجائز صرف نہیں ہوتا۔ اپنے خیال سے پشیمان ہو کر واپس جاتے تھے .... اس صیغہ کی نگرانی اور دخل و خرچ کی تجویز بنظر احتیاط حضرت ممدوح نے خود اپنے ذمہ لی تھی۔"

دیانت اور انصاف کی اور مثال

اسی ذیل میں یہ روایت سمجھنے میں اور مدد دے گی کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ شب کو بیت المال میں بیٹھے ہوئے حساب کر رہے تھے کہ کچھ لوگ ان کی ملاقات کے لئے آئے۔ حضرت علیؑ نے اپنا کام ختم کرنے پر بیت المال کا چراغ گل کر دیا اور اپنے گھر سے روشنی منگوائی جب لوگوں نے سبب پوچھا تو کہا اس چراغ کا روغن بیت المال کا تھا میں نے جائز نہ سمجھا کہ اپنے دوستوں کی صحبت کیلئے اس کا روغن صرف کروں۔

ایک طنز اور اس کا تجزیہ

قبل اس کے کہ میں حضرت علی اور معاویہ کے واقعات شروع کروں۔ میں مولوی شبلی صاحب کے اس فقرہ پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جو انہوں نے رحلتِ رسولؐ کے بعد حضرت عمر کی تند مزاجیوں کے جواز کے متعلق تحریر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی سے جو کارروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں ..... وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں۔" (الفاروق)

تیزی اور سرگرمی کے مصالح کو میں گزشتہ ابواب میں ظاہر کر چکا۔ شاید مولوی صاحب یہاں حضرت عمر کی دور بینی اور منتظمؔ قابلیت پر زور دے رہے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تنہا آدمی کے مقابلہ میں ہزاروں آدمیوں سے انتظامی قابلیت دکھانا اس تعداد اور انتظام کی سب سے بڑی اہانت بدنامی ہے۔ تیزی اور سرگرمی کا جواز اس وقت ہو سکتا تھا۔ جب حضرت علیؑ بھی اس کی کم سے کم آدھی تعداد سے موجود ہوتے اور حضرت عمر اپنی قابلیتوں کا عکس ڈالتے۔ بہر حال مجھے اس وقت مقدم نصف فقرہ سے اس قدر بحث نہیں ہے جس قدر موخر سے کہ "وہی خانہ جنگیاں ...." اس سے قابل سوانح نویس

جہاں حضرت عمر کی قابلیت دکھاتا ہے وہاں حضرت علیؑ کی ناقابلیت ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عمر نے خانہ جنگیاں روک دیں اور حضرت علیؑ نہ رفع کر سکے۔ ہر شخص سمجھے گا کہ حضرت عمر کی خانہ جنگیاں رفع کرنے کا تذکرہ "ہوا پر قلعہ بنانے کی کوشش سے بھی زیادہ شاعرانہ ہے۔ خانہ جنگی ہی نہ تھی، رفع کیا کی جاتی، اسباب ہی نہ تھے مٹایا کیا گیا اور مٹایا بھی تو کونسی بہادری یا عقل کا غیر معمولی نمونہ دکھایا۔ اگر ایک تنہا غیر مسلح شخص کو سو مسلح آدمی محصور کر لیں اور پھر اس شبہ پر کہ یہ علیحدہ ہو کر مسلح نہ ہو جائے ہاتھ پیر بھی کاٹ دیں تو یقیناً ان کی عقلمندی کا قابل تحسین اظہار نہیں ہے بلکہ اس کے وقت دوسرے ہیں۔

اس وقت اس فقرے کے نوٹ کرنے سے میری متذکرۂ صدر غرض بھی نہیں ہے بلکہ جس لئے میں نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ قابل مؤرخ کے قلم نے حضرت عمر کی بے موقع حمایت کرتے ہوئے اس سبکی سے جست کی ہے کہ درمیانی واقعات سے گزرتے ہوئے دفعتاً صفین کے میدان میں اپنے کو رو کا ہے۔ مسلمانوں کی توجہ کے قابل ہوتا اگر انہوں نے بجائے صفین پہنچ جانے اور امیر معاویہ کی خانہ جنگیوں کے تذکرہ کے پیشتر جمل اور ام المومنین کے حوصلوں پر نظر ڈالی ہوتی اور مقتولین جمل کی لاشوں کو دیکھتے ہوئے گزرتے! انہیں اختیار تھا کہ اس کے بعد امیر معاویہ کا بھی تذکرہ کرتے۔ ہمارے لئے یہ درمیانی چشم پوشی خالی از لطف نہیں ہے جہاں ایک اونٹ جتنا بلند واقعہ پھاندا گیا ہے۔

معاویہ کی مخالفت کا آغاز

ناظر بھولا نہ ہوگا کہ جس وقت حضرت علیؑ نے سہیل ابن حنیف کو امیر شام بنا کر بھیجا تو اسے درمیان ہی سے بعض اہل شام نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم معاویہ کو اپنا امیر سمجھتے ہیں۔ معاویہ کے پاس پیراہن عثمان پہنچ چکا تھا۔ لوگوں پر ایک زمانے سے حاکم تھا۔ عثمان کی پوری خلافت کا زمانہ بھی گویا اپنی ہی حکومت کا زمانہ تھا۔ صوبہ وسیع اور زرخیز تھا، آسان نہ تھا کہ اسے حضرت علیؑ کو سپرد کر کے علیحدگی اختیار کی جاتی اور حکومت کے مزے سے جس کی طبیعت خوگر ہو گئی تھی، دفعتاً دستبرداری لکھ دی جاتی۔

معاویہ حضرت علیؑ کے موقع سے ناواقف نہ تھا۔ جانتا تھا کہ رحلت رسولؐ کے بعد سے اس وقت تک حضرت علیؑ پر کیوں اور کیسا زمانہ گزرا ہے۔ یہ سمجھنا معمولی عقل کا کام تھا کہ ان کے خلیفہ ہوتے ہی ان کے ایک زمانہ کے دشمنوں کا دفعتہً دوست ہو جانا ممکن نہ تھا۔

بنی ہاشم کس حالت میں رہے

یہاں ہم مؤلف تاریخ الاسلام کی بعض عبارت سمجھانے کے لئے پیش کرتے ہیں

"ابوالعباس سفاح کا ایک قصہ کہ چند مشائخ شام آئے ان سے کہا کہ تم کبھی بنی ہاشم کے پاس نہ آئے جو اہل بیت رسولؐ ہیں۔ کیا ہم جانتے تھے کہ صرف بنی امیہ...... ...... (اس کے بعد کہتا ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں معاویہ اور مابعد سلاطین نے عوام کے سامنے کیسا رسوخ قائم کر لیا تھا اور کس کس طرح امر حق

کے چھپانے کی کوشش کی تھی۔" ہم کو قابل مؤرخ کے اس مفہوم سے پوری موافقت ہے لیکن بجائے اس کے معاویہ کے زمانہ کو ہم ان کارروائیوں کی ابتدا کا زمانہ سمجھیں۔ ہیں تاریخ کم سے کم چوتھائی صدی آگے لے جاتی ہے۔

یہی مؤرخ ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے کہ "لوگ واقعات سے واقف نہ تھے اس کا یہ کہنا کہ حضرت علیؑ قاتلان عثمان کے سردار ہیں یہ اثر کر جاتا تھا"، عامۂ ناس کی اسی طبیعت شناسی پر معاویہ نے ایک مرتبہ حضرت علیؑ کو لکھا تھا کہ میں آپ سے لڑنے کے لئے ایسے لوگوں کو لاؤں گا جو جمل اور ناقہ میں تمیز نہیں کر سکتے۔ بقول واشنگٹن ارونگ "معاویہ اور عمر عاص دونوں اس جنگ کے خلاف فطرت ہونے پر وقوف رکھتے تھے"، معاویہ کی بہت کچھ کوششیں ہم گزشتہ اوراق میں علامہ جرجی زیدان کی زبانی لکھ چکے ہیں۔ لوگ اور کس طرح حضرت علیؑ کی مخالفت کے لئے تیار کئے گئے۔ تھوڑی دیر میں اس کا ذکر آئے گا۔ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ معاویہ نے کس طرح لوگوں کو ملانے کی کوشش کی اور کونسے لوگ کن وجوہات سے اس کے شریک ہوئے۔

علیؑ کیا چاہتے تھے

اس کے عکس میں یہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت علیؑ کس طرح اس امر کی کوشش کرتے رہے کہ جنگ نہ ہو۔ بقول مؤلف تاریخ الاسلام "حضرت علیؑ پابند شرع...... جب تک مصالحت کی گفتگو...... اس وقت تک جنگ سے کام نہ لیتے"، بقول مسٹر واشنگٹن ارونگ "معاویہ کی منازعت روکنے کے لئے حضرت علیؑ کی کل صلح پسندانہ کوششیں بیکار ہوئیں"، یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ لوگوں نے حضرت علیؑ کی شرکت کس خیال سے کی؟ اور وہ کہاں تک ممدوح اور تعجب خیز ہے۔ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ جو کچھ نتیجہ ہوا وہ کہاں تک حضرت علیؑ سے تعلق رکھتا ہے

عملی مخالفت تھی

سہیل ابن حنیف کا واپس آنا اس کے لئے کافی تھا کہ حضرت علیؑ معاویہ کی طرف سے ہوشیار ہو جاتے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس واقعے کے پیشتر حضرت علیؑ معاویہ کی طرف سے مطمئن تھے ایسا سوچنے والا سخت خوش اعتقاد ہوگا۔ بلکہ حضرت علیؑ کے عامل کا واپس آنا معاویہ کی عملی مخالفتوں کا سمجھا جاتا تھا اور اب وقت تھا کہ اس سے عملی مخالفت کی باز پرس کی جاتی۔ اگر ہم درمیان میں بنت ابوبکر کو اس شد و مد سے مخالف نہ پاتے تو یہ سمجھنا آسان تھا کہ حضرت علیؑ پہلے ہی معاویہ کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ لیکن چونکہ بجائے ایک دور کے صوبہ کے خطرہ قریب سے دھمکی دے رہا تھا۔

معاویہ کی مصلحت

اس لئے قرین مصلحت یہی تھا کہ پہلے اس کی فکر کی جاتی جیسا ہوا ہم نہیں جانتے کہ معاویہ نے حضرت عائشہ کا ساتھ دینے سے اپنے کو کس مصلحت سے روکا۔ لیکن یہ سوچنا آسان ہے کہ معاویہ کو حضرت عائشہ سے طلحہ و زبیر و عبداللہ ابن زبیر کی موجودگی میں خلافت کی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا کہ معاویہ اس کا

منتظر تھا کہ دو لڑنے والوں میں سے جو زبردست ہو اس کی اطاعت کرے اس لئے کہ حضرت علیؑ کی فتح کے بعد اس نے بجائے تحریک مصالحت کے ردِ مصالحت بلکہ تحریک منازعت کی۔ یہ بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ اگر حضرت عائشہ فتح یاب ہو تیں تو وہ ان کا ساتھ دیتا۔ یہ مدد کے وقت انکار کر چکا تھا اور آئندہ فتح پر اس کی موافقت کی کوئی وقعت نہ ہو سکتی تھی۔ اب کوئی اور مفید پہلو بجز اس کے نظر نہیں آتا کہ یہ نتیجے کا منتظر تھا اور اس کے بعد سوچ رہا تھا کہ ہم اپنی قوت کے لئے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں وہ حضرت علیؑ ہوتے یا حضرت عائشہ، اسے بہرحال جنگ کرنی ہوتی۔

معاویہ کا مؤقف بہ نسبت عائشہ کے قوی تھا

واقعہ جمل نے سمجھا دیا تھا کہ انتقام خون عثمان کا ایسا خلاف اسلام اور موافق جاہلیت امر بھی مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے سُن چکا تھا کہ باوجود امام حسنؑ کے اس اعلان کے کہ ہمیں انتقام طلب کرنے والوں سے جنگ منظور نہیں ہے، صرف اس سمجھا دیئے جانے پر کہ حضرت علیؑ نے قاتلان عثمان کو پناہ دی ہے اور یہ گول گول الزام کہ حضرت علیؑ قاتل عثمان ہیں، ان لوگوں کی زبانی قبول کر لیا جاتا تھا۔ جو خود بہت کچھ شورشوں کے باعث تھے تو اب اس کا اسی الزام کو دھرانا مشکل نہ تھا۔ درانحالیکہ اس کا موقع بہ نسبت طلحہ و زبیر و عائشہ کے زیادہ مستقل اور قوی تھا۔ حضرت عائشہ کے پاس پیراہن اور انگلیاں نہ تھیں یہ ان اسباب سے مسلح تھا۔ حضرت عائشہ اور طلحہ و زبیر پر مخالفت عثمان کے الزام لگانے والے بھی تھے اس پر یہ الزام نہ تھا۔ شام بہت دور تھا۔ لوگ اصل واقعے سے واقف ہی نہ تھے اور نہ قتل عثمان کے وقت کچھ شامی چشم دید گواہ تھے جو اصل واقعہ کو لوگوں سے بیان کرتے۔ یہ کل باتیں مفید تھیں۔ لوگوں کی جہالت اور ناواقفیت سے کھیلنا آسان اور رنگ چڑھانا ممکن تھا۔ لیکن اصل میں جن وجوہات سے حضرت عائشہ اور معاویہ نے حضرت علیؑ کی مخالفت کی وہ بڑی حد تک دونوں میں مشترک تھی۔

عملی مخالفت کا دوسرا اقدام، مالک اشتر سے جنگ

عملی مخالفت کا دوسرا دور اہل جزیرہ کو ملانا تھا۔ جس سے حضرت علیؑ کو ضرورت ہوئی کہ وہ عامل کو بدل دیں۔ اور اس کی جگہ مالک اشتر کو روانہ کریں۔ مالک اشتر روانہ ہوئے اور اس وقت سے گویا عملی مخالفت میں عام لوگوں کو بھی کسی طرح کا اشتباہ نہ رہا۔

ضحاک ابن قیس الفہری معاویہ کی طرف سے حرّان میں موجود تھا۔ جب اسے مالک اشتر کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے اہل رقہ کو اطلاع دی اور مدد طلب کی کہ نئے عامل کو داخل نہ ہونے دیں۔ اہل رقہ نے سماک مخرمہ کی ماتحتی میں فوج بھیجی اور ضحاک نے مالک اشتر سے جنگ کرنے کی تیاری کی۔ دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی اور ضحاک نے بھاگ کر قلعہ حرّان میں پناہ لی۔ اشتر نے محصور کر لیا۔ جب معاویہ کو ضحاک کی شکست کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے عبدالرحمٰن ابن خالد ابن ولید کی ماتحتی

میں کمک بھیجی۔ مالک اشتر نے جب مدد کی خبر سنی تو محاصرہ چھوڑ کر نئی فوج کی طرف بڑھ گیا اور عبدالرحمٰن بھی شکست کھا کر بھاگا۔ اشتر نے رقہ کا محاصرہ کیا۔ حرّان سے محاصرہ اٹھا لیا گیا تھا۔ ضحاک نے اہل رقہ کو مدد دی اور معاویہ نے بھی ایمن بن حریم الاسدی کی ماتحتی میں مزید فوج بھیجی۔ اب اشتر نے اس مجموعی فوج کا مقابلہ کیا۔ باوجود لشکر کی کمی کے جو اس سے معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایک وقت میں حرّان، رقہ اور کسی آنے والی فوج کا محاصرہ اور مقابلہ کرنے کے لئے اپنی فوج تقسیم نہ کر سکتا تھا۔ پھر بھی اشتر کی شجاعت سے مجموعی لشکر کو اس مرتبہ سخت ہزیمت ہوئی اور وہ برے حالوں معاویہ کے پاس پہنچا۔

ولایت جزیرہ پر قبضہ

مالک اشتر نے تساہل اور اطاعت میں دیر کرنے والے کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ ولایت جزیرہ پوری طرح قبضہ میں آ گیا۔ اس فتح یاب عامل نے مستقر الخلافت میں کل حالات کی اطلاع بھیجی۔ یہ گویا باضابطہ اطلاع تھی اور مخالفت کے واقعات ثبوت میں لائے جا سکتے تھے۔ امیرالمومنینؑ نے لوگوں کو طلب کیا اور منبر پر تشریف لے جا کر فرمایا:۔

حضرت علی لوگوں کو معاویہ کی مخالفت سے مطلع کرتے ہیں

"ایھا الناس خدا خالقِ خلق ہے اور اپنے بندوں سے بجز اس کے نہیں چاہتا کہ وہ راہ حق کے سالک ہوں۔ جب تک بنی آدم ایک دوسرے سے موافقت رکھتے ہیں اور برائی نہیں کرتے ان کے قبضہ سے انتظام اور حکومت نہیں نکلتی۔ جب اس کے خلاف آپس میں نزاع جائز رکھتے ہیں تو کاموں میں خلل پڑتا ہے جس کا نتیجہ تباہی ہے۔ ضرورت خطاب یہ ہے کہ معاویہ نے اہل شام کو شک میں ڈال رکھا ہے اور ان کے دلوں کو میری اطاعت اور بیعت سے پھیر دیا ہے اور کہا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب نے عثمان کو قتل کیا یہ برا کام میرے سپرد کیا۔ اس بنیاد پر میری مخالفت میں اس نے مالک اشتر سے جو جزیرہ کا عامل ہو گیا تھا۔ لڑنے کے لئے فوج بھیجی اور اب لشکر جمع کر کے مجھ سے لڑنے کا قصد کر رہا ہے یہ صلاح معلوم ہوتی ہے کہ اسے نصیحت کروں اور خط بھیجوں شاید اس پر اثر ہو اور لڑائی کے خیال کو فسخ کر دے اس میں تمہاری کیا صلاح ہے؟ اس پر ہر طرف سے آواز آئی:۔

"امیرالمومنین کی رائے نہایت مناسب ہے ہم لوگ آپ کے ویسے ہی مطیع ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے"

اس کے بعد معاویہ کو حسب ذیل خط بھیجا گیا:۔

معاویہ کو خط

"طرف سے امیرالمومنین عبداللہ علیؑ کے معاویہ ابن ابی سفیان کو"، واضح ہو کہ جس روز مہاجرین و انصار نے مدینہ میں مجھ سے بیعت کی گو تو وہاں موجود نہ تھا اور شام میں تھا لیکن میری بیعت تجھ پر لازم تھی اس لئے کہ جن لوگوں نے ابوبکر و عثمان سے بیعت کی تھی وہ میری امامت اور خلافت پر راضی اور متفق ہو گئے۔ حاضرین کو کوئی اعتراض نہ تھا اور

غائبین کو اعتراض کا محل نہ ہونا چاہیئے۔ قتل عثمان ہونا نہایت مشکل بات ہے اس کی موت کی خبر دینے والا اندھا اور سننے والا مثل بہرہ کے ہے۔ جو لوگ اسے دشمن رکھتے تھے انہوں نے قتل کیا اور جو دوست تھے ان لوگوں نے مدد نہ کی۔ جو اس وقت ہیں ان سے جھوٹی باتیں منسوب کی جاتی ہیں اور جو غائب ہیں متہم ہیں۔ بہرحال اس وقت خاص و عام نے مجھ سے بیعت کی ہے جو مجھ سے مخالفت کرے گا وہ حق پوشی کا مرتکب ہوگا مجھے یقین ہے کہ تو عافیت خواہی کے لحاظ سے جنگ سے احتراز کریگا تو مجھے اپنے حال اور ارادے سے مطلع کر۔ والسّلام۔

قاصد واپس کیا گیا

یہ خط حجاج بن غزیۃ الانصاری کی معرفت بھیجا گیا لیکن کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔ معاویہ نے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس کا جواب تیرے واپس جانے کے بعد روانہ ہوگا۔ حجاج چلا آیا۔ ولید بن عقبہ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کا سفیر بے جواب نامہ واپس گیا تو یہ بہت خوش ہوا۔ اور اس نے معاویہ کو حضرت علیؑ سے مخالفت اور تیاری جنگ کا خط لکھا۔ معاویہ نے ایک کاغذ پر صرف نام لکھا اور بقیہ سادہ چھوڑ کر قبیلہ بنی قیس کے ایک شخص کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ قاصد حضرت علیؑ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:۔

معاویہ کا قاصد شام کا حال کہتا ہے

میں شام سے آتا ہوں اور معاویہ کا نامہ بر ہوں۔ خبر یہ ہے کہ شام میں پچاس ہزار آدمی مسلح ہیں اور عثمان کی موت سے رنج کر رہے ہیں۔ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگی ہیں ان کی تلواریں کھینچی ہیں اور انہوں نے عہد کیا ہے کہ جب تک ہم قاتلان عثمان سے انتقام نہ لیں گے۔ اپنی تلواریں نیام میں نہ رکھیں گے۔ باپ اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہیں اور مائیں انہیں سکھلاتی ہیں۔ ہمارے بچے اس طرح پرورش پارہے ہیں۔ اعراب نے اسی خیال سے اپنے وطن چھوڑ دیئے ہیں۔ پہلے وہ شیطان پر لعنت کرتے تھے اب وہ قاتلان عثمان پر لعنت کرتے ہیں،، حضرت علیؑ نے یہ سُن کر پوچھا:۔" اور قتل عثمان سے کسے متہم کرتے ہیں"؟ جواب دیا۔ " تجھے اور سب اس پر متفق ہیں کہ تو نے عثمان کو قتل کیا،،

اس کی یہ تقریر سن کر حلیہ بن زفر العبسی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:۔

" نہایت بے شرم اور بد تہذیب آدمی ہے کہ تیرے منہ سے ایسے کلمات نکلتے ہیں۔ تو امیر المومنینؑ اور مہاجر و انصار کو متہم کرتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ بالکل بے خطا ہیں۔ اگر تھوڑے سے جاہل پیراہن عثمان پر روتے ہیں تو کیا، نہ وہ پیراہن پیراہن یوسفؑ ہے اور نہ وہ رونا گریۂ یعقوبؑ ہے۔ اگر اس کی مدد پر رو سکتے ہیں تو مدد کیوں نہ کی؟ تم کو امیر المومنین سے لڑنے کی فکر ہے خدا انہیں اپنے فضل سے مدد دیگا اور تم پر فتح ہوگی۔،،

معاویہ کے سفیر نے اب پیشتر سے زیادہ بیہودگی آمیز کلام شروع کئے۔ مہاجر و انصار کو اس پر از غصہ آیا اور

اس کی سزا کا قصد کیا مگر حضرت علیؑ نے کہا :۔

"ٹھہر جاؤ! گو وہ نامہذب ہے لیکن سفیر ہے اس سے خط طلب کرو۔"

معاویہ کا خط لیا گیا تو اس میں بجز نام کے کچھ نہ تھا۔ حضرت علیؑ کو معلوم ہوا کہ معاویہ بیعت اور صلح کی گفتگو نہیں چاہتا اس وقت حضرت علیؑ نے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ فرمایا۔

معاویہ کا قاصد علیؑ کا غلام بن گیا

شامی جو اپنی بدتہذیبی کے ساتھ لوگوں کا جوش اور مکتوب الیہ کا حلم، متانت اور پاک طینتی دیکھتا جاتا تھا۔ اب بے چین ہو گیا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا :۔

"یا ابوالحسنؑ! سچی بات یہ ہے کہ میں نے آپ کی نسبت بیہودہ کلمات سنے تھے۔ ان سے مجھے آپ کی طرف سے عداوت ہو گئی تھی۔ اب چونکہ آپ کی سعادتِ خدمت حاصل ہوئی۔ آپ کے کمال اور برتاؤ کو دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اہلِ شام اور معاویہ گمراہ ہیں۔ راہ حق وہی ہے جس پر آپ ہیں۔ مجھے اب آپ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں اس خدا کی جسے ہر چیز پر اختیار ہے کہ اب آپ کے پاس سے کبھی علیحدہ نہ ہوں گا اور آپ کی رکاب میں مروں گا" اس کے بعد اس تیز تقریر شامی نے چند شعر موزوں کئے۔ جس میں معاویہ کی گمراہی اور حضرت علیؑ کی ہدایت کا تذکرہ تھا اور پھر وہ اشعار معاویہ کے پاس روانہ کر دیئے۔

امیر المومنین نے عمال کو طلب کیا

ضرورت تھی کہ دور کے صوبجات کے عاملوں کی نبض شناسی کی جاتی چنانچہ حضرت علیؑ نے جریر بن عبداللہ البجلی عامل ہمدان اور اشعث ابن قیس کندی حاکم آذربائیجان کو بیعت کے لئے طلب کیا۔ احمر ابن قیس ہمدانی اور زیاد بن مرحب الہمدانی کو آذربائیجان روانہ کیا گیا ان خطوط میں واقعات کی اطلاع تھی۔ مستقر الخلافت میں حاضر ہونے اور فوجی امداد کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

جریر ابن عبداللہ البجلی

جریر ابن عبداللہ البجلی نے بر سر منبر اہل ہمدان کو خط سنایا سب نے برضا و رغبت بیعت کی اور یہ مع اپنی ممکن فوج کے کوفہ روانہ ہو گیا۔

اشعث ابن قیس کا تردد

لیکن اشعث ابن قیس اس فکر میں تھا کہ وہ حضرت علیؑ کے پاس جائے یا معاویہ سے مل جائے۔ جب اس کے رفقاء کو اس کا تردد معلوم ہوا تو سب نے ملامت کی اور مجبوراً اسے معاویہ کے پاس جانے کا خیال ترک کرنا پڑا۔ یہ بھی اپنی ممکن فوج لے کر حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اشعث ابن قیس کی ابتدائی حالت ہم دکھا چکے ہیں۔ ناظر نے دیکھا کہ یہ اس وقت حضرت علیؑ کے حقوق کا مددگار تھا لیکن یہ بھی لکھا جا چکا کہ کس حالت میں اور کس طرح یہ حضرت ابوبکر کے موافق ہوا۔ اس وقت سے اشعث کی خبر تاریخ

میں واضح نہیں ہے۔ جس سے سمجھنے کا اور کوئی دوسرا راستہ بجز اس کے کوئی نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ دربار خلافت کے مصالح کا پابند رہا۔ حضرت علیؑ خلیفہ ہوئے یا پالیسی کی صورتوں میں تغیر نہ ہوا۔ اشعث ابن قیس کا معاویہ کے پاس جانے کا خیال کہہ رہا ہے کہ وہ جس مصلحت کا خوگر ہو گیا تھا۔ اس کے بعد نئی مصلحت کا ساتھ دینا اس کے لئے خوش آئندہ نہ تھا اس کے بعد بھی اس کے واقعات پر نظر کرنا آئندہ ایک خوف ناک نتیجہ کے سمجھنے میں مدد دے گا۔

جنگ جمل میں علیؑ کی مدد نہ کرنے والے شرمندگی ظاہر کرتے ہیں

احنف ابن قیس جو جنگ جمل میں علیحدہ نظر آیا تھا۔ حضرت علیؑ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا:۔

"یا امیر المومنین! بنی تمیم اس سے شرمندہ ہیں کہ انہوں نے جنگ جمل میں مدد نہ کی اب انہیں معاویہ کی مخالفت میں شبہ نہیں ہے۔ وہ لوگ بصرہ میں ہیں۔ اگر ضرورت ہوگی تو ہر قسم کی مدد کے لئے تیار ہیں۔ اگر حکم ہو تو ہم انہیں خبر دیں کہ جو کچھ غفلت ان سے وقوع میں آئی اس کی تلافی ہو جائے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا:۔

"اپنے دوستوں اور عزیزوں کے متعلق تو جو مصلحت سمجھے کر سکتا ہے۔"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس قدر بنی تمیم موجود تھے، سب نے موافقت کی اور جب احنف کا خط بصرہ پہنچا تو وہ لوگ تیار ہو کر حضرت علیؑ کے پاس آئے اور بیعت کی۔

علیؑ دوسرا سفیر بھیجتے ہیں

حضرت علیؑ نے مناسب سمجھا کہ کوئی دوسرا سمجھدار شخص معاویہ کے پاس بھیجا جائے شاید رفع نزاع کی کوئی صورت پیدا ہو۔ اس سفارت کے لئے جریر ابن عبداللہ بجلی تیار ہوا اور کہا کہ معاویہ سے اور مجھ سے پہلے کی رسم و راہ ہے، مجھے بھیجیے۔ شاید وہ میرا کہنا مان جائے۔ جریر روانہ کیا گیا اور اس نے شام پہنچ کر لوگوں کو مخاطب کیا:۔

سفیر کی گفتگو

اے معاویہ! زمانہ وہ ہے کہ حرمین، عراقین، حجاز و یمن اور مقبوضات فارس سب حضرت علیؑ کے زیر حکومت ہیں۔ تیرے پاس بجز شام کے کچھ نہیں ہے اگر تو مخالفت کرے گا اور حضرت علیؑ ادھر کا رخ کریں گے تو یہ تیرے اختیار سے نکل جائے گا۔ اس میں غور کر اور میرے ساتھ امیر المومنین کے پاس چل۔ کہ وہ تجھ پر عنایتیں کریں گے۔ قتل عثمان کا یہ واقعہ ہے کہ جو لوگ خود مدینہ میں تھے انہیں حقیقتِ واقعہ سے اطلاع نہیں۔ ایسی حالت میں جو وہاں موجود نہ تھا وہ کب جان سکتا ہے تو اسے خوب جانتا ہے لیکن یہ تیرا تجاہل عارفانہ ہے کہ ان صاحب غرض لوگوں کی باتیں سنتا ہے جو حضرت علیؑ کے خلاف ہیں۔ اے اہل شام! مہاجر و انصار نے

حضرت علیؑ سے بلامنازعت بیعت کرلی ہے۔ جنہوں نے مخالفت کی تھی انہیں سزا ملی۔ تم لوگ حضرت علیؑ کی شجاعت سے واقف ہو۔ اس وقت انہیں حضرت علیؑ سے تمام اکابر و معارف نے بیعت کی ہے اگر ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم لوگ سوا حضرت علیؑ کے دوسرے کو تجویز نہ کرتے۔ اے معاویہ! یہ جو تو کہتا ہے کہ عثمان نے اس ولایت پر تجھے حکومت دی ہے اور معزول نہیں کیا، یہ معتبر نہیں ہے اس لئے کہ اس شخص کی وفات تیرے لئے باعث زوالِ کلّی ہے۔"

معاویہ کا ردّعمل

معاویہ کچھ دیر خاموش رہا۔ غالباً اس وقت شام کی سرسبزی، حکومت کی شان اور امارت کا خیال سامنے آگیا ہوگا۔ اس نے حضرت علیؑ کی بیعت سے انکار کر دیا۔ حاضرین سے قتل عثمان کے قصے اور انتقام کا تذکرہ کیا اور سب نے کہا ہم قصاص لینے کے لئے تیار ہیں۔

فوراً روانگی کا قصد اور رکاوٹیں

جریر کے واپس جانے کے بعد حضرت علیؑ کو یہاں کی کل باتیں معلوم ہو چکی تھیں اور انہوں نے فوراً قصد کیا کہ شام کی طرف کوچ کر جائیں کہ معاویہ کی شورش کا خیال فرو کر دیا جائے لیکن سوا ان پانچ آدمیوں کے جن کے نام مالک اشتر، عدی بن حاتم، عمر بن حمق الخزاعی، سعد ابن قیس الہمدانی اور ہانی ابن عروہ ہیں اور لوگوں نے فوری روانگی کی رائے سے مخالفت کی۔ اس پر مالک وغیرہ نے کہا:

یا امیر المومنین! "وہ لوگ جو شام کی طرف روانگی کی صلاح نہیں دیتے وہ مرنے اور قتل ہونے سے ڈرتے ہیں۔ اس لڑائی میں مرنے سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا اور ہم بھی چاہتے ہیں کہ آپ کی رکاب کے پاس قتل کئے جائیں آپ جس قدر توقف کریں گے، معاویہ میں اسی قدر قوت آتی جائے گی اور وہ انتظام درست کر لے گا۔ جب ادھر کا قصد مصمّم ہو گیا ہے تو جانا ہی مناسب ہے۔ اس خیال سے کہ زیادہ لوگ نہ جانے کے موافق ہیں، حضرت علیؑ کو کہنا پڑا:

"اہل شام سے لڑائی کے لئے میرا مستعد ہو جانا حالانکہ میرا قاصد جریر ان کے پاس موجود ہے گویا ان لوگوں کے لئے حجت کا دروازہ بند کر دینا ہے اور گویا میں اہل شام کو اگر وہ اطاعت کا ارادہ بھی رکھتے ہوں، روک رہا ہوں۔ جس قدر وقت میں نے جریر کے لئے مقرر کیا ہے۔ وہ اس کے گزرنے کے بعد ٹھہر نہیں سکتا۔ مگر ہاں، یا تو معاویہ اسے فریب دے کر قید کر لے یا وہ نافرمان ہو جائے۔ لہٰذا ابھی میری رائے توقف کی ہے۔ اب تم بھی توقف کرو۔ ہاں میں تمہاری تیاری جنگ کو بُرا اور مکروہ نہیں سمجھتا۔

علیؑ دوست تلاش کرتے ہیں

اسی تیاری جنگ کے زمانہ میں حضرت علیؑ نے عمر ابن ابی سلمہ حاکم بحرین کو جو حکمنامہ بھیجا وہ انداز خطاب کے لحاظ سے توجہ کے قابل ہے:

"معلوم ہو کہ میں نے نعمان ابن عجلان کو بحرین کا حاکم مقرر کیا ہے اور بغیر تیری مذمت و سرزنش کے حکومت بحرین

کو تیرے ہاتھ سے لے لیا ہے۔ بیشک تو نے اچھی حکومت کی۔ امانت بیت المال کو ادا کیا۔ اب تو میرے پاس چلا آ۔ تجھ سے نہ کوئی یہاں بدگمان ہے نہ تو ملامت کیا گیا ہے نہ تجھ پر کوئی تہمت رکھی گئی ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ میں نے اہل شام کے ستم کاروں کی طرف حرکت کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ تو میرے پاس حاضر رہے کیونکہ تو ان لوگوں میں ہے جن سے میں دشمن سے جہاد کرنے کے لئے مدد کا طالب ہوں"

مثل اپنے مثل کو کھینچتا ہے

اب ہم ایک خوش مزہ معاملت کے قریب آ گئے ہیں جس میں ایک تراش خراش کے دو سردار جنگ زرگری کرتے ہیں۔ یعنی معاویہ، عمرو عاص کو جو اس وقت فلسطین میں تھے، طلب کرتے ہیں۔ ناظر بھولا نہ ہوگا۔ انہی بزرگ نے خواہر عثمان کو طلاق دی تھی، انہی کو حضرت عثمان نے معزول کر دیا تھا۔ انہی سے سخت کلامی ہوئی تھی اور انہی کو عثمان کے فتوائے قتل میں فی الجملہ مہارت ہو گئی تھی۔ اب کچھ دنوں سے اس جگہ فروکش تھے۔ معاویہ کا خط دیکھ کر کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے دو صاحبزادوں کو جن کے نام عبداللہؓ اور محمد تھے، طلب کیا اور ان سے صلاح لی۔ اول الذکر نیک طبیعت اور عابد مشہور تھے۔ آخر الذکر سپاہیانہ مزاج رکھتے ہیں۔ استفسار پر اول الذکر نے کہا:۔

" تو محتاج نہیں ہے، تیری عزت ہے۔ اب کبر سنی میں اسباب دنیا کے لئے یہ مشقت اور تکلیف گوارا نہ کر کہ معاویہ کا ساتھ دے کر پسر عم رسولؐ سے تجھے لڑنا پڑے۔ خاموشی سے اپنے گھر بیٹھا رہ اور دیکھ کہ کیا ہوتا ہے۔"

دوسرے نے کہا۔" میری رائے عبداللہ کے خلاف ہے۔ گھر میں بیٹھے رہنا عورتوں کا کام ہے اور ہمت والوں سے بعید ہے۔ خلیفہ بیگناہ قتل ہوا ہے اور معاویہ اس کے طلب قصاص پر آمادہ ہے۔ تو بھی سردار قریش ہے اور تیرا بھی نام ہے۔ تو معاویہ سے کم نہیں ہے اگر گوشہ نشین رہا تو تیری کوئی عزت نہ ہوگی اور تیری شہرت کو نقصان پہنچے گا۔ اگر معاویہ کا ساتھ دے گا تو تجھے لشکر شام کی افسری ملے گی۔"

ان دونوں کی گفتگو سن کر عمرو عاص نے کہا:۔

عمرو عاص کا تصفیہ

" عبداللہ مجھے آخرت اور سعادت کا راستہ بتاتا ہے لیکن محمد دنیاوی بہبودی کی صلاح دے رہا ہے۔ شرفائے عرب میں یہ مشہور کیا گیا ہے کہ عمرو عاص معاویہ کے پاس جا رہا ہے لہٰذا مجھے روانہ ہونا مناسب ہے۔"

خوش مذاق غلام

یہ کہہ کر اس نے اپنا اونٹ بار کرایا اور روانہ ہو گیا۔ جس وقت ایسے راستے پر پہنچا جدھر سے ایک راستہ شام اور دوسرا عراق کی طرف گیا تھا تو اس نے اپنے غلام سے دونوں راہیں دریافت کیں خوش مذاق

غلام نے عراق کی طرف دکھا کر کہا، "یہ راہ جنت کو گئی ہے" اور شام کی راہ کو کہا "یہ دوزخ کا راستہ ہے" اس وقت عمرو عاص نے چند شعر حضرت علیؑ کی تعریف میں کہے۔ لیکن ساتھ ہی کہنے لگا۔ "اس میں دنیا کا نفع نہیں ہے" اور اس کے بعد شام کی طرف گھوڑا بڑھا دیا۔

جب عمرو عاص شام پہنچا تو معاویہ نے پچاس ہزار دینار، گھوڑا اور خچر بھیجا۔ کچھ تحائف عبداللہ کے لئے بھی تھے لیکن اس نے یہ کہہ کر نامنظور کیا کہ "جو عزباء کا حق ہے اس پر معاویہ کو انعام کا حق حاصل نہیں ہے" اس نے معاویہ کے پاس جانے سے بھی انکار کیا۔ عمرو عاص نے کہا۔

"بیٹے پر باپ کی اطاعت فرض ہے"

"لیکن یہ مقام اطاعت نہیں ہے"

"اچھا تو میرے ساتھ چل علیؑ سے جنگ نہ کرنا"

جب عمرو عاص معاویہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے نہایت خلق برتا اور اپنے پاس بٹھا کر گفتگو شروع کی۔

اس وقت مجھے تین مشکلات کا سامنا ہے۔ محمد بن حذیفہ رہا ہو گیا ہے اس کی چالوں سے مجھے اندیشہ ہے۔ دوسرے قیصر روم بڑا لشکر جمع کر رہا ہے۔ تیسرے کوفہ میں علیؑ تیاری کر رہے ہیں" — عمرو عاص نے جواب دیا۔

"محمد بن حذیفہ کے لئے ایک بڑی فوج بھیج دو کہ اسے گرفتار کر لے۔ بادشاہ روم کو کچھ تحائف بھیج دو اور اس کے قیدی واپس کر دو۔ وہ یقیناً نہ لڑے گا۔ اب علیؑ کا معاملہ مشکل ہے کیونکہ لوگ انہیں فضیلت دیتے ہیں۔"

"لیکن علیؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے۔"

"ایسا نہ کہو علیؑ ابن ابی طالب یگانۂ عالم ہے۔ ان کی بزرگیاں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہیں کسی کو حاصل نہیں۔ ہجرت، قربت، قرابت، بلاغت، بصیرت جنگ، مبارزت، حسن نظر جو ان میں ہیں وہ کسی کو نصیب نہیں"

"جو کچھ تم نے کہا وہ سب سچ ہے لیکن لوگوں کو فریب دے سکتے ہیں۔ خون عثمان کے بہانے سے جنگ کریں اور قتل عثمان کا الزام لگائیں۔"

"ہنس کر۔ جس وقت عثمان پر تشدد تھا انہوں نے تم سے مدد طلب کی۔ نہ تو خود گئے اور نہ مدد بھیجی۔ اب کیسے دعویٰ کر سکتے ہو۔ میرا حال خود ظاہر ہے کہ میں چھوڑ کر فلسطین چلا گیا۔"

"یہ باتیں چھوڑ دو۔ میرے ساتھ بیعت کرو کہ ایک دوسرے کے اتفاق سے بلطائف الحیل علیؑ کو دفع کریں اور زمانہ اپنے تصرف میں لائیں کہ بفراغت بسر ہو۔"

"سب جانتے ہیں کہ ترکِ دنیا آسان ہے لیکن ترک دین مشکل ہے۔ تمہاری رفاقت اور علیؑ کی مخالفت گناہ عظیم ہے۔ اگر میں تمہارا ساتھ دوں تو تمہیں میری مرضی کے موافق عمل کرنا ہوگا اور میری خواہش پوری کرنی ہوگی۔"

"مجھے منظور ہے"

"شام اور مصر مع مضافات کے میرا"

اس پر دونوں راضی ہوئے۔ ایک اقرار نامہ لکھا گیا اور معاویہ نے دستخط کر کے عمرو عاص کے حوالے کیا یہ خوشی کے عالم میں اقرار نامہ لئے ہوئے گھر واپس آئے۔ یہاں ان کے چچازاد بھائی موجود تھے۔ انہوں نے وجہ مسرت دریافت کی اور معلوم ہونے پر کہنے لگے:۔

"اے عمر! تم نے ضعیفی میں دین فروشی کی۔ مصریوں نے عثمان سے وفا نہ کی۔ اب تم کیوں خوش ہوتے ہو۔ ابھی یہ کام پردۂ غیب میں مخفی ہے۔" کہا:۔

"اے برادر کار دنیا حکم تقدیر سے وابستہ ہیں۔ نہ یہ معاویہ اور نہ علیؑ کے ہاتھ میں ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے شاید موافق ہو جائے۔"

"یہ تمہاری غلطی ہے تم گمان کرتے ہو کہ معاویہ تمہیں حاکم مصر چاہتا ہے تم نے دین بیچا دنیا کب حاصل ہوگی"

اس گفتگو کی خبر معاویہ کو پہنچی اس نے پسر عمرو عاص کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ یہ خبر پا کر بھاگا۔ حضرت علیؑ کے پاس پہنچا اور شام کی کیفیت بیان کی۔ حضرت علیؑ نے اس کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔

عقیل بن ابی طالب ان دنوں شام میں تھے۔ ہم ان کی اس کمزوری سے اعراض نہیں کر سکتے کہ وہ اس وظیفہ پر قناعت نہیں کر سکے جو حضرت علیؑ نے ان کے لئے مقرر کیا تھا اور جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کی منصفانہ طبیعت سے کسی طرح رعایت کی امید نہیں کی جا سکتی تو انہوں نے فراخ دستی کی امید میں شام کا قصد کیا۔ جہاں یقیناً معاویہ کی مصلحتوں نے بیت المال پر رحم نہ کیا ہوگا۔ اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی گنجائش کسی طرح نہیں ہے کہ عقیل ابن ابی طالب حضرت علیؑ کی بیعت توڑ کر معاویہ کے ماتحت ہونے گئے تھے بلکہ وہ دین میں حضرت علیؑ کے پیرو اور طلب دنیا میں معاویہ کے دست نگر تھے جو انہیں نہ چاہیئے تھا اگر واقعات حقیقتاً ایسے ہی ہوں جیسے ہم نے لکھے)

خط بنام عقیل

نہج البلاغہ میں ایک خط عقیل کے نام ہے۔ غالباً اسی وقت انہوں نے حضرت علیؑ کو کچھ لکھا تھا اور جس کا حضرت علیؑ نے جواب دیا تھا۔ مترجم نے یہ خطبہ اس وقت کے متعلق لکھا ہے جس میں حضرت علیؑ کی فوج کو فتح اور دشمن کو ہزیمت ہوئی تھی جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ اس زمانے کا ہو، جس میں صفین کی لڑائیاں شروع

ہوگئی تھیں۔ خطبات نہج البلاغہ میں کہیں دن تاریخ کا التزام نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ قیاس آسان ہوتا کہ فلاں وقت اور واقعہ کے متعلق لکھا گیا ہے۔ میں اس کے متعلق نواب خاقان حسین صاحب کی یہ عبارت کافی سمجھتا ہوں۔

نہج البلاغہ میں تاریخ و سنہ نہ ہونے کے متعلق

"اس تمام کتاب میں کوئی خط کسی حاکم غیر قوم کے نام کا نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ غیر قوموں سے کبھی لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔

مگر افسوس ان خطبوں میں تاریخ و سن نہ ہونے کے سبب سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ تحریریں کس زمانہ کی ہیں اگرچہ واقعات ترتیب دینے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تمام خط زمانہ خلافت ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ اصلی خطوں میں جو بخط کوفی لکھے ہوئے تھے، تاریخ و سن ضرور ہوں گے۔ کیونکہ تازہ تازہ ہجری سن جاری ہوئے تھے اور مہینوں کا شمار بھی رویت ہلال سے ہوتا تھا۔ عقل نہیں قبول کرتی کہ اس تازہ ایجاد سے ضرورت کے وقت کام نہ لیا گیا ہو بلکہ خود ان تحریروں کے جمع کرنے والوں کا قصور ہے۔ جنہوں نے فقط مطلب لے لیا اور تاریخ و سنہ مہمل سمجھ کر چھوڑ دیئے دوسری حیرت یہ ہوتی ہے کہ کتاب مذکور میں کوئی خط[1] نہ خلافت سے پیشتر کا ہے نہ کوئی تحریر زمانہ رسالت کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ علی مرتضیٰ کسی وقت آنحضرتؐ سے علیحدہ نہ ہوتے تھے مگر کیا اور دوست احباب بھی ہر وقت حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے پاس موجود رہتے تھے۔ جن کو خط بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی ہو۔ غالباً زمانہ کی مخالفت نے یا دنیا کی کسی اور مصلحت نے ان خطوں کو تلف کر دیا ورنہ آج وہ بھی ہمارے سامنے ہوتے اور ان خطوں سے حضرت علیؑ کے ابتدائی خیالات اور ان تعلقات کا حال معلوم ہوتا جو مختلف موقعوں پر پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے تھے اور اس سے بہت اعلیٰ اور سچے تاریخی نتیجے حاصل ہوتے مگر کیا کیا جائے،، بہر حال تہیہ جنگ کے وقت لکھا گیا ہو یا ایک آدھ لڑائیوں کے بعد یہ کوئی نزاعی امر نہیں ہے۔ جس کا تصفیہ نہایت ضرور ہو۔ یہ خط اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ کی طبیعت کے سمجھنے میں مدد ملے "۔

شجاعانہ استدلال

تو نے جو ان سے مقابلہ کرنے کی بابت میری رائے دریافت کی ہے تو میں ان لوگوں سے جنگ کروں گا۔ میرے گرد اگرد لوگوں کی کثرت میرے غلبہ کو زیادہ نہیں کر سکتی نہ ان کا متفرق اور فرار ہو جانا میری وحشت اور خوف تنہائی کو بڑھا سکتا ہے تو اپنے باپ کے بیٹے کی طرف سے ایسا گمان بھی نہ کرنا کہ اگر لوگ اسے چھوڑ دیں اس کی نصرت سے دستبردار ہو جائیں تو وہ تضرع و زاری میں مشغول ہو اور دشمن کے ساتھ فروتنی اختیار کرے۔ نہ وہ ظلم کے سبب سے ضعیف ہو گا۔ تیرے بھائی کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ ایک شاعر اد

---

[1] دو تین خط قبل از حکومت ظاہری کے بھی ہیں۔ اور شاید ایک خط حج بھی ہے۔

بنی سلیم کے بھائی نے کہا ہے :۔

غیرت اے معشوقہ اگر تو مجھ سے سوال کرے کہ اب تیرا کیا حال ہے تو میں زمانہ کی سختیوں پر صبر کروں گا۔ حوادثات روزگار کے برداشت کرنے میں نہایت مستعدی سے کام لوں گا اور یہ امر مجھ پر نہایت ہی دشوار ہے کہ کسی قسم کے اندوہ و ملال کی جھلک مجھ میں نظر آئے تاکہ دشمن کو شماتت کا موقع ملے یا دوست اس کی حالت دیکھ کر محزون ہو ،،

بنام جریر اس کے بعد امیر المومنین نے جریر کو حسب ذیل فرمان بھیجا :۔

تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ جس وقت میرا فرمان تجھے ملے تو معاویہ کو حکم قطعی کا پابند کر۔ حکم جازم پر اس کی گرفت کر، پھر اسے وطن سے باہر کر دینے والی جنگ اور فروتنی پیدا کرنے والی صلح کے درمیان مختار کر دے اگر وہ جنگ کو اختیار کرے تو پھر اس کی طرف اقدام نہ کر اور اگر صلح پسند کرے تو اس سے بیعت لے لے (نہج البلاغہ) یہ تاکیدی حکم نامہ پا کر جریر معاویہ کے پاس گیا اور کہا :۔

مدت ہوئی کہ میں تیرے پاس ہوں۔ تیری کل حالتیں دریافت کیں۔ جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ مجھے معلوم ہوا کہ تو کسی طرح امیر المومنینؑ سے صلح نہ کرے گا۔ جو کچھ کہتا ہے۔ دل میں اس کے خلاف ہے۔ جب تک مجبور نہ ہو گا صلح نہ کرے گا۔ امیر المومنینؑ نے تاکیدی حکم بھیجا ہے اور اب میں ٹھہر نہیں سکتا " ——— جواب دیا :۔

" تو سچ کہتا ہے۔ واقعی بہت دن ہو گئے ہیں لیکن ابھی میری رائے قائم نہ ہوئی تھی کہ تجھے جواب دیتا ،،

جھوٹی قسموں کی صلاح اس کے بعد معاویہ نے عمرو عاص کو طلب کیا اور جریر کی روانگی کے متعلق صلاح ہوئی اور عمرو عاص نے کہا :۔

" اس میں شک نہیں کہ علیؑ سے بیعت نہ کرنے میں بڑا خطرہ ہے لیکن اس وقت مصلحت یہ ہے کہ شرجبیل بن سمط الکندی کو جو سردار شام ہے، طلب کر، کچھ مقبول القول گواہوں کو آمادہ رکھ اور شرجبیل سے کہہ کہ علیؑ نے عثمان کو قتل کیا۔ یہ لوگ گواہی دیں۔ اس کے بعد اس سے کہنا کہ علیؑ نے جریر کو ہماری بیعت کے لئے بھیجا ہے تیری کیا صلاح ہے ،،

قسم کھانے والوں کے نام معاویہ نے یہ رائے پسند کی اور بسر ابن ارطاۃ، ضمر بن مالک، حابس بن سعد الطائی، ابو الاعور اسلمی، یزید ابن انس وغیرہ وغیرہ دس سرداران شام کو طلب کیا اور ان سے صلاح کی۔ سب شہادت دینے پر راضی ہو گئے۔ شرجبیل اس وقت حمص میں تھا۔ جس وقت معاویہ کا خط اسے ملا۔ جب یہ معاویہ کے پاس پہنچا تو وہی نقل کی گئی جس کا مسودہ پیشتر سے تیار ہو چکا تھا یہ سن کر شرجبیل نے معاویہ سے کہا :۔

شرجبیل دھوکے میں آگیا آج مجھ سے لوگوں نے حال بیان کیا۔ جن کی راست گفتاری میں مجھے کسی طرح شبہ نہیں ہے

جریر کو واپس کر۔ اب علیؑ اور ہم میں بجز تلوار کے اور کسی چیز سے معاملہ نہیں ہو سکتا۔"

معاویہ کو جب اس کی یہ رائے معلوم ہوئی تو اس نے مناسب جانا کہ شرجبیل خود جریر سے یہ خیالات ظاہر کرے۔ چنانچہ سب کی موجودگی میں شرجبیل نے کہا :

شرجبیل اور جریر

اے جریر تو نے اور علیؑ نے کیسی راہ اختیار کی ہے۔ جس طرح عراق کو پریشان کیا ہے اسی طرح اب شام کی برہمی کا ارادہ ہے مجھے یقین نہ تھا کہ علیؑ نے قتل عثمان جائز رکھا ہوگا۔ لیکن اس وقت سرداران شام سے سن کر مجھے یقین ہو گیا"

جریر نے جواب دیا :۔

مجھے تیری باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ اگر علیؑ کی راہ بری ہوتی تو مہاجر و انصار جو رکن دین تھے اس پر نہ چلتے اور علیؑ کی خلافت پر اتفاق نہ کرتے اور طلحہ و زبیر کی مخالفت پر ان لوگوں سے جنگ نہ کرتے۔ یہ جو تو کہہ رہا ہے کہ علیؑ نے عثمان کو قتل کیا یہ کلمہ باطل ہے تو نے افواہاً سنا ہوگا۔ چند صاحب غرض لوگوں نے جو معاویہ کے گرد ہیں، نفع دنیاوی کے خیال سے تجھ سے کہا ہوگا۔ عمرو عاص نے دھوکہ دیا ہوگا۔ تو جو کچھ کہہ رہا ہے یہ علیؑ پر تہمت ہے۔ خدا کے سامنے تجھ سے سوال کیا جائے گا اور تو اس کا کچھ جواب نہ دے سکے گا۔ یقین کر کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ اس سے سوا اصلاح کار کے میری اور کوئی غرض نہیں ہے۔"

مگر شرجبیل جس طرح سمجھایا گیا اس نے کسی مداخلت کی جگہ نہ چھوڑی تھی اس کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ ایک رخ پر قناعت کر لیتا اور دوسرے رخ کے دیکھنے کی تکلیف نہ گوارا کرتا۔ معاویہ نے یہ رنگ دیکھ کر جریر سے کہا :۔

جریر کو معاویہ کا جواب

"تو نے اہل شام کی رائے سنی اور دیکھی اب تو نے جو کچھ دیکھا یا سنا ہے اسے جا کر علیؑ سے بیان کر" چار مہینے کے بعد جریر واپس گیا۔ معاویہ نے شرجبیل سے بہت سے خطوط طلب انتقام کی آمادگی کے لئے روانہ کرائے۔

معاویہ اور شرجبیل کی کوششیں

خود شرجبیل بھی روانہ ہوا اور بہت سے لوگوں کو جمع کر کے معاویہ کے پاس لایا۔ اس وقت قبیلہ سکاسک کے ایک شخص اسود بن عرفہ نے احوال زمانہ اور جمعیت لشکر کے متعلق چند شعر کہے اور جب وہ اس بیت پر پہنچا کہ فاحذر الیوم صولۃ الاسود اذا حال فی رحا الھیجات تو معاویہ نے اس سے پوچھا :۔

یہ شیر زرد کون ہے جس سے تو مجھے ڈرا رہا ہے ؟"

" یہ پسر عم اور داماد رسولؐ ہے جس نے تیرے دادا، خالو، چچا، عم مادر اور بھائی وغیرہ کو قتل کیا ہے تو اسے خوب جانتا ہے۔"

معاویہ نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا اس پر شرجبیل نے کہا :-

" یہ مرد فاضل اور بزرگ ہے اگر تو اسے سزا دے گا تو ہم سب تیری بیعت توڑ ڈالیں گے "۔

معاویہ اور ابن عمر

اسی زمانہ میں عبید اللہ ابن عمر الخطاب معاویہ کے پاس پہنچے اور امیر شام نے کمال اظہار مسرت سے کہا :- مجھے معلوم ہوا کہ عمر خطاب پھر سے زندہ ہو گئے "۔ ——— لوگوں سے غالباً سرگوشی سے ——— " اگر یہ علیؑ سے رنجیدہ نہ ہوتے تو ہرگز میرے پاس نہ آتے اب ان کی موجودگی سے لوگوں کا اعتقاد زیادہ ہوگا "۔

اصحاب رسول کو بلانے کے لئے

معاویہ نے چند اور آدمیوں کو مثل محمد ابن مسلمہ الانصاری کے پاس خط لکھا اور اپنے پاس بلایا۔ لیکن ان میں سے کسی نے منظور نہ کیا، بجز چار آدمیوں کے جن میں سے ایک مشہور ابوہریرہ ہیں۔ جن کی تعجب خیز قوت حافظہ کا ثبوت ان کی حدیثوں سے ملتا ہے۔

معاویہ کی تعداد فوج اور صورت روانگی

معاویہ نے صفین میں اپنا لشکر روانہ کرنا شروع کیا۔ لیکن چونسٹھ ہزار کی جمعیت اس طرح روانہ ہوئی کہ مروان ابن حکم عثمان کی تلوار حمائل کئے ہوئے گھوڑے پر جا رہا تھا۔ کل لشکر معاویہ کا جو جمع ہوا۔ اس کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار کی کہی جاتی ہے۔

علیؑ کا خطبہ اظہار حالت اور مشورہ جنگ

اسی زمانے میں حضرت علیؑ نے خطبہ کہا :- دوستو! معاویہ کو قیصر روم کی طرف سے بڑا خدشہ تھا۔ قیصر سے اس نے تحائف بھیج کر صلح کر لی۔ اب اس نے صفین میں لشکر جمع کیا ہے اور ہم سے جنگ کا قصد ہے۔ تم بھی ہمت کرو اور یقین جانو کہ اگر تم نے فتح پائی تو وہ قیصر سے مدد مانگے گا اور اگر اسے فتح ہوئی تو عراق اور حجاز میں سے تمھارے پاس کچھ نہ رہے گا میں نے سنا ہے کہ معاویہ نے شامیوں کو شجاعت میں تم پر فضیلت دی ہے اس کی یہ بات باطل ہے کیونکہ وہ لوگ شبہ اور گمراہی کی حالت میں ہیں۔ تم مہاجر و انصار ہو۔ تمہاری طرف سچائی ہے۔ جھوٹے سچے کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب وقت آیا ہے کہ ظالموں کا خون بہایا جائے۔ میں تم سے صلاح لیتا ہوں کہ ہر شخص رائے دے۔ مشورہ برکت کی چیز ہے تم لوگ مصلحت وقت سے مطلع کرو "۔

عمار یاسر کے نزدیک بجز جنگ کے کوئی چارہ نہ تھا

یہ سن کر سب سے پہلے نوے برس کا بوڑھا صحابی عمار یاسرؓ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا :-

یا امیر المومنینؑ! خورد و بزرگ وضیع و شریف کو یہ معلوم ہو گیا کہ شامی آپ کی نصیحتوں کو قبول نہ کریں گے۔ آپ نے ان کی

نصیحت میں کوئی کمی نہ کی۔ خطوط بھیجے۔ سفیر روانہ کئے۔ لیکن حرص اور مال وجاہ نے انہیں ایسا مغرور کر دیا ہے کہ وہ کسی طرح سخن حق کی طرف کان نہیں لگاتے۔ اب بجز جنگ کے کوئی تدبیر نہیں ہے۔ اس وقت آگے بڑھنا مناسب ہے۔ جب لشکر پہنچ جائے تو انہیں پھر نصیحتیں کی جائیں۔ اگر قبول کریں ان کی نیک بختی اور اگر آمادۂ جنگ ہوں تو ہم سے بھی جس قدر کوشش ممکن ہو گی، دریغ نہ کریں گے آئندہ جو خدا کی مرضی ہو۔"

قیس کی تقریر۔ لوگ کیوں معاویہ سے جنگ کے لئے تیار ہوئے

عمار کی تقریر ختم ہونے پر قیس ابن سعد کھڑے ہوئے اور کہا۔

"یا امیر المومنینؑ! اس وقت آگے بڑھنا مناسب ہے۔ اب ہم لوگ نیت صادق، عزم ثاقب سے بلا تردد و تحیر کے جنگ کے لئے تیار ہو جائیں اور جہاں تک ممکن ہو، کوشش کریں یہ لڑائی ہمارے لئے روم اور ترک و دیلم کی جنگ سے اچھی ہے کیونکہ یہ لوگ دین میں نفاق ڈالتے ہیں اور اولیا کو ذلیل کرتے ہیں۔ استہزا اور حقارت سے دیکھتے ہیں اور اصحاب رسولؐ سے بھوڑی باتوں پر رنجیدہ ہوتے ہیں۔ ان پر ظلم و سختیاں ہوتی ہیں۔ ان کے مال ضبط ہوتے ہیں اور وہ حلال سمجھا جاتا ہے"

سہیل بن حنیف، علیؑ کی اطاعت نیک بختی سمجھی جاتی تھی

سہیل بن حنیف نے کہا۔

یا امیر المومنینؑ! ہم کل حالتوں میں آپ کے موافق ہیں اور آپ کے حکم کے مطیع ہیں۔ ہم اسے نیک بختی سمجھتے ہیں کہ آپ کی فرمانبرداری کریں۔ جب تک ہم میں دم باقی ہے آپ کی اطاعت کریں گے اور نافرمانی جائز نہ رکھیں گے۔"

زید بن صوحان۔ اہل شام کو اسلام سے واسطہ نہ تھا

ان لوگوں سے لڑنا حلال ہے یا اس میں کوئی شک و شبہ ہے تو ہمیں نہ لڑنا چاہیئے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور یقین ہے کہ جو لوگ خلیفۂ وقت کے خلاف ہیں ان سے لڑنا حلال۔ پس ایسے لوگوں سے لڑنے میں تاخیر کیوں کریں، جنہیں اسلام سے کوئی [illegible] وہ برابر ظلم کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں تاخیر نامناسب ہے بلکہ باعث نقصان ہے ان کی جمعیت ہر روز بڑھتی جائے [illegible] وقت دفع کرنا مشکل ہو گا"

ابو زینب۔ کس نیت سے لوگوں نے علیؑ سے دوستی کی

ابو زینب بن عوف نے کہا:۔

یا امیر المومنینؑ! اگر ہم لوگ حق پر ہیں تو نصیب اولیٰ آپ کا ہے اور اگر ضلالت پر ہیں تو حصۂ اکمل آپ کی طرف راجع ہو گا۔ آپ نے شام روانہ ہونے اور معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے حکم دیا ہم آپ کے فرمان کے موافق روانہ ہوئے

۔اب ہم ہیں اور معاویہ کے لشکر میں زیادہ دوری نہیں ہے۔ سب کو معاویہ سے ہماری دشمنی معلوم ہو گئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس سفر کی سختی اور آپ کی دوستی ہم لوگوں نے ثواب آخرت کے لئے گوارا کی ہے۔ کیا یہ راہ جو ہم نے اختیار کی ہے وہ راہ حق اور دشمن کی راہ ضلالت نہیں ہے"؟

امیر المومنینؑ کی جوابی تقریر

علی علیہ السّلام نے جواب دیا:۔

اے ابوزینب! ہاں ہماری راہ، طریق حقیقت اور ہمارا شیوہ، شیوۂ صدق ہے اگر تم نے ہماری دوستی کی اور دشمن سے عداوت ظاہر کی اور ہمارے لئے سختی اٹھائی تو یہ بیکار نہ ہوگی اور اس کا نیک ترین ثمرہ سعادت مغفرت اور راحت رُوح ہوگا۔"

اہل شام کیا خوف دلائے جا کر تیار کئے گئے تھے

اب بدیل ورقا الخزاعی نے کہا:۔

اہل شام کی غرض اس جنگ سے رضائے الٰہی نہیں ہے وہ سب مالدار ہیں اور انہیں اپنے مال کے قبضہ سے نکل جانے کا خوف ہے اس کے علاوہ سینوں میں پرانے کینے ہیں وہ سوچتے ہیں کہ شاید اس جنگ سے اپنے مال کی حفاظت کریں اور انتقام لے سکیں۔ حضرات، معاویہ علیؑ سے بیعت نہ کرے گا۔ کیوں کہ علیؑ نے بدر میں اس کے عزیزوں کو قتل کیا ہے"۔

اس پر ہر طرف سے آواز آئی:۔

"سچ کہا اے عبداللہ"

عمر ابن حمق الخزاعی نے کہا:۔

محبّت کی اور مثالیں

یا امیر المومنینؑ! میں نے اس لئے بیعت نہیں کی ہے کہ مجھ میں اور آپ میں کوئی قرابت ہے یا جو مال میرے پاس ہے وہ آپ کی بدولت ہے یا حرمت و جاہ کی امید ہے کہ آپ کی بیعت سے ہاتھ آئے گا۔ بلکہ اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ آپ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جس کی کوئی برابری نہیں کر سکتا وہ دو خصلتیں آپ کی شجاعت اور علم ہے اور بہترین شرف قرب قرابت اور سبقت اسلام ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کے نزدیک کسی کو حاصل نہیں اگر آپ سخت ترین کام کا حکم دیں تو اسے سہل سمجھوں گا بجائے اس کے کہ آپ کے حقوق سے چشم پوشی کروں۔"

یہ سچے اور مخلصانہ فقرات سن کر حضرت علیؑ نے دعا دی اور حسرت سے کہا:۔

"کاش تیرے ایسے میرے لشکر میں سو آدمی ہوتے!"

حجر ابن عدی کی تسکین

یہ سُن کر حجر ابن عدی نے کہا:۔

یا امیر المومنینؑ! آپ کے لشکر میں سب اچھی صلاح دینے والے ہیں اور دوست ہیں

تو جن کی یہ آرزوئیں ہیں کہ آپ کی خدمت میں جان نثار کریں۔ اب صلاح یہی ہے کہ جلد فوج بڑھائیے۔"

بعض لوگوں نے اپنے اعزہ سے لڑنے سے انکار کیا اور کفار سے لڑنے کی خواہش کی۔ یہ قزوین بھیج دیئے گئے۔

عمال علیؑ کی مدد کو آئے

حضرت علیؑ نے اپنے عمال کے پاس حکم نامے روانہ کئے۔ جس میں اطلاع دی تھی کہ ہمارا شام روانہ ہونے کا قصد ہے۔ تم لوگ مع فوج اور سامان کے حاضر ہو۔ اس حکم پر عبداللہ ابن عباس بصرہ سے، مخنف بن سلیمان اصفہان، سعید بن وہب ہمدان اور مختلف صوبوں سے عمال پہنچنے لگے آخری عامل رے سے پہنچا۔ اس کا نام ربیع بن خیثم تھا۔ یہ چار ہزار سپاہیوں سے حضرت علیؑ کی مدد کے لئے آمادہ ہو کر آئے تھے

مرکز تعداد اور افراد لشکر

موضع نخلہ مرکز روانگی قرار دیا گیا۔ ترتیب لشکر مالک بن حبیب یربوعی کے سپرد ہوئی گنتی پر معلوم ہوا کہ نوے ہزار سپاہی جمع ہیں۔ اس لشکر میں آٹھ سو انصار اور اسی[۸۰] کے قریب وہ لوگ تھے جو بیعت رضوان میں شریک ہوئے تھے۔ اتنے ہی آدمی وہ تھے جو جنگ بدر میں آنحضرتؐ کے ہمراہ لڑے تھے۔ ایک نہایت ہی قابل قدر بزرگ جن کے زہد، فہم اور خوبیوں کا عام دلوں پر سکہ تھا وہ اویس قرنی تھے۔ یہ بھی صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔

حضرت علیؑ اور معاویہ میں بہت سے خطوط کا تبادلہ ہوا، جن میں سے خاص مضامین کے خطوط اور اکثر کے مفید فقرات درج کئے جاتے ہیں۔

معاویہ کا خط

معاویہ کی طرف سے حضرت علیؑ کو:۔

"علیؑ کو معلوم ہو کہ تمام دنیا میں حسد کے دس جزو ہیں۔ ان میں سے ایک جزو تمام عالم پر تقسیم ہے اور نو تجھ میں مرکب ہیں۔ اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو خلیفہ ہوا، تو نے اس سے حسد کیا اور اپنی فوقیت ظاہر کی۔ ہم لوگوں نے اس کے اشارے، تیرے حرکات و سکنات اور اقوال و افعال میں پائے ہیں۔ تو نے جو کچھ ٹھنڈی سانسیں بھری ہیں۔ اس کی یہ دلیل ہے کہ جس وقت خلفاء سے بیعت کرنی چاہیئے تھی، تجھے اس طرح سے کھینچا ہے جس طرح شتر آب کش کو مہار سے کھینچتے ہیں۔ تو کراہت سے آتا تھا اور دل سے بیعت نہیں کرنا تھا تو نے عثمان کے لئے جو قصد کئے اسے بھولا نہ ہوگا۔ اس کے شرح کی زیادہ ضرورت نہیں ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ میں خون عثمان کا خواہاں ہوں اور جب تک جان باقی ہے کوشش اٹھا نہ رکھوں گا۔

جواب خط

علیؑ کا جواب:۔

"در خط بلا۔ حسد کی نسبت تم نے جو لکھا ہے، بتاؤ کہ میں نے کس سے حسد کیا جو تم سے حسد کرونگا

تم نے جو مضمون تاخیر بیعت کے متعلق لکھا ہے، پڑھا گیا۔ مجھے اس میں کسی سے عذر نہیں۔ اس لئے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت کی اور مہاجر وانصار میں اختلاف ہوا۔ ہر شخص کہتا تھا کہ ہمارے قبیلے کا خلیفہ مقرر ہو قریش نے کہا کہ رسولؐ ہمارے تھے، ہم میں سے خلیفہ ہونا چاہیئے ہم اہل بیت مصطفےؐ ہیں اور سب سے مستحق تر ہیں۔ جس وقت لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کی، تمہارے باپ ابوسفیان میرے پاس آئے اور کہا کہ تم ابن ابو قحافہ سے خلافت کے لئے زیادہ مستحق ہو۔ میں تمہارا مددگار ہوں۔ اگر کہو تو میں تمہارے لئے مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں اور مخالفوں کو دفع کروں۔ ابن قحافہ کو الگ کردیں اور خلافت تمہارے لئے مسلم ہوجائے۔ میں راضی نہ ہوا اور جب پر مسلمانوں کا اتفاق ہوگیا تھا میں نے کوئی زیادتی نہ کی اور نہ چاہا کہ امت رسولؐ سے جنگ ہو۔ تمہارے باپ اسے دل سے کہہ رہے تھے اور اس کا یہ اعتقاد تھا اگر تم میرا حق پہچانو، جیسے تمہارے باپ نے حق شناسی کی تھی تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر انکار کروگے تو میں موجود ہوں کہ تمہیں جواب دوں۔ عثمان اور ان کے وہ افعال جو اصحاب کی موافقت اور اشارے سے نہیں ہوئے تمہیں معلوم ہیں۔ تمام دنیا جانتی ہے کہ قتل عثمان میں میرا کوئی دخل نہ تھا۔ میں گھر بیٹھا تھا اور جو کچھ ہوا اس سے راضی نہ تھا، میرے ہاتھوں کچھ نہیں ہوا۔ اور جو کچھ قاتلین عثمان کے متعلق لکھا ہے۔ اگر اس جھگڑے کو ترک نہ کیا اور اپنی جہالت پر قائم رہے تو زیادہ دیر نہ ہوگی کہ اس طرح ملاقات ہو، جس طرح چاہیئے۔ (ترجمہ اعثم کوفی ص ۲۰۵)

قاتلان عثمان کی حوالگی امکان کے باہر تھی

"جو تو نے سوال کیا ہے کہ میں قاتلان عثمان کو تیرے پاس بھیج دوں میں نے اس امر میں بہت کچھ نظر دوڑائی مگر مجھے نظر نہ آیا کہ انہیں تیرے پاس بھیج دینا میرے امکان میں ہے"

احداث بدعت اور اصلاح

میں اس سے عذر نہیں کرتا کہ میں نے احداث بدعت کی عیب گوئی کی..... میں نے اپنی استطاعت کے موافق اس کی اصلاح کا ارادہ کیا۔ تم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ میرے اور میرے اصحاب کے لئے تمہارے پاس تلوار کے سوا کوئی چیز نہیں۔ بیشک تم نے ان لوگوں کو ہنسا دیا جو تمہاری گفتار سن کر افسوس کے آنسو بہا رہے تھے۔ بھلا تم نے کب دیکھا کہ عبدالمطلب کے بیٹے دشمنوں کو دیکھ کر بزدل ہوگئے۔ چمکتی ہوئی تلواروں سے ڈر گئے۔ میں مہاجرین وانصار اور بلازمین احسان کی ایک کثیر فوج لئے ہوئے تمہاری طرف یلغار کرتا آرہا ہوں۔ جنگ بدر میں صفیں الٹ دینے والے شجاعوں کی اولاد ان کے ساتھ ہے۔ ہاشمی تلواریں ان کے ساتھ ہیں۔ تم نے اپنے بھائی، خالو، اپنے دادا اور اپنے اہل کے بارے میں ان تلواروں کے واقع ہونے کے مقامات کو دیکھ لیا ہے اور اب یہ تلواریں ستمگاروں سے دور نہیں ہیں۔

"پہلے تو بیعت کرو۔ پھر اس گروہ کو محاکمہ کے لئے لاؤ۔ وہ فریب جس کا تم نے ارادہ کیا ہے ایسا فریب ہے۔ جیسے بچہ کو پہلے پہل دودھ چھڑانے کے وقت دیا کرتے ہیں"

معاویہ کی مدد اور عثمان

"تم تو جو عثمان اور اس کے قاتلوں کے بارے میں حد سے زیادہ حجت کر رہے ہو، تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے عثمان کی وہاں مدد کی جہاں تمہیں ان کی مدد سے فائدہ پہنچا اور اس مقام پر ان کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیا جہاں انہیں تمہاری امداد سے فائدہ پہنچ سکتا تھا۔"

لشکر کی روانگی

حضرت علی کا لشکر روانہ ہوا۔ ابو مسعود بن عقبہ بن عمر الانصاری کوفہ میں نائب مقرر کئے گئے۔ کوفہ کے پل سے عبور کرنے کے بعد پہلا مقام ابو سبرہ کے پاس ہوا۔ اور دو فرسنگ پر دیر ابو موسیٰ میں نماز پیشین ادا ہوئی۔ بابل، کربلا سے مدائن پہنچے۔ جب مسجد انبار میں فروکش ہوئے تو یہاں کے لوگ نقد اور اشیائے خوردنی لائے اور نہایت خوبی سے استقبال کیا۔ انبار کے دہقان اپنے گھوڑوں سے اتر کر پیادہ جلو میں چل رہے تھے۔ حضرت نے اسے منظور نہ فرمایا اور گھوڑوں پر سوار کرایا۔ حضرت علیؑ نے تحفے اپنی فوج میں تقسیم کر دیئے اور خود کچھ نہ لیا استقبال کرنے والوں کی دلجوئی کی اور دو روز کے قیام کے بعد کوچ کا حکم دیا۔ فرات کو عبور کر کے موضع حراثر اور نواح جزیرہ میں پہنچے

مقدمۃ الجیش کو حضرت علیؑ کا حکم

زیاد ابن نصر اور شریح ابن ہانی کو مقدمہ لشکر قرار دیا گیا اور یہ لوگ آگے آگے روانہ کر دیئے گئے۔ نہج البلاغہ میں معقل ابن قیس ریاحی مقدمۃ الجیش کے متعلق حضرت علیؑ کی حسب ذیل نصیحت ملتی ہے:۔

"اسی کے ساتھ مقاتلہ کرنا جو تم سے جنگ کرے۔ سردی کے موسم میں صبح اور عصر کے وقت سفر کرو اور لوگوں کو دوپہر کے وقت قیلولہ کی فرصت دو۔ ابتدائے شب میں سفر نہ کرو، اول شب میں اپنے بدن کو راحت دو۔ جب تم صبح کے پھیلنے سے واقف ہو جاؤ یا صبح طالع ہونے کو ہو تو اس وقت برکت خداوندی پر بھروسہ کر کے سفر کرو۔ جب دشمن سے ملاقی ہو تو اپنے اصحاب کے وسط میں کھڑے ہو۔ اور دشمن سے اس شخص کے مانند قریب نہ ہو جو لڑائی کے ساتھ آویزش کا ارادہ کر رہا ہے۔ نہ دشمن سے اس شخص کے مانند دوری اختیار کرو، جو لڑائی سے خوف کھا کر دور رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میرا حکم تمہارے پاس پہنچ جائے۔ دیکھنا قبل اس کے کہ ان کے عذر تمام ہوں، کہیں ان کی سینے میں جوش کھانے والی دشمنیاں تمہیں ان کے ساتھ قتل و قتال پر آمادہ نہ کریں۔"

مقام اور دیکھ بھال

ایک دوسری فوجی نصیحت :۔

"جب تم دشمن کے مقابل پہنچ جاؤ یا وہ تمہارے برابر آجائے تو بیشک یہی چاہیئے

www.kitabmart.in

کو تمہارے لشکر کا مقام بلندیوں کے نزدیک ہو، یا دامن کوہ میں یا رود دبار کے کنارہ پر تاکہ دشمن تمہارے سامنے رہے البتہ تمہاری جنگ میں ایک دستہ یا دو دستہ کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ پہاڑوں کے قلعوں اور ٹیلوں کی بلندیوں پر اپنے لئے نگہبانوں کو مقرر کر دو۔ تاکہ دشمن کسی خوف یا امن کے مقام سے تمہاری طرف نہ آ سکے۔ خوب یاد رکھو کہ جماعت (فوج) کے پیشوا ان کے نگہبان ہیں اور پیشوا کی آنکھیں ان کی قراول ہیں۔ تم تفرقہ سے حذر کرتے رہنا۔ جب کہیں اترو تو سب کے سب ساتھ ہی ساتھ اترو۔ اور جب کوچ کرو، تو سب مل کر کوچ کرو۔ جب کسی مقام پر تمہیں رات ہو جائے تو اپنے نیزوں کو دائرے کی شکل میں بنا لو۔" (اعثم کوفی)

راہب مسلمان ہو گیا

علیؑ کی اصل فوج رقہ سے گزری۔ موضع بلیخ کی سرسبزی اور فضا حضرت علیؑ کو بہت پسند آئی اور لشکر کو دم لینے کا حکم دیا۔ اس مقام پر ایک صومعہ تھا اور ایک مسیحی راہب رہتا تھا اور لشکر کے اترنے کی خبر سن کر یہ آیا اور اس نے تذکرہ کیا کہ ہمارے بزرگوں کا ایک پرانا نوشتہ ہے۔

پرانا نوشتہ

حضرت علیؑ نے وہ نوشتہ طلب کیا کہا جاتا ہے کہ اس میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور امت محمدی کا ذکر تھا۔ حضرت علیؑ نے اسے پڑھا۔ راہب نے اسلام اختیار کیا۔ صفین میں لڑا اور قتل ہونے تک حضرت علیؑ کی خدمت سے جدا نہ ہوا۔ خود حضرت علیؑ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

صفین

معاویہ کی طرف سے ابو الاعور اسلمی بڑی فوج کے ساتھ صفین میں خیمہ زن تھا۔ یہ مقام غربی فرات کے قریب ہے۔ علیؑ کا مقدمۃ الجیش مقابل پہنچ گیا۔ جب زیاد کو اپنی فوج کی کمی اور دشمن کی زیادتی معلوم ہوئی تو اس نے خبر بھیجی اور حضرت علیؑ نے مالک اشتر کو ایک دستہ فوج کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا اور ان کے عقب میں ہاشم بن عتبہ ابن ابی وقاص کو روانہ کیا اور پیشتر کے دو افسروں کے لئے یہ حکم بھیجا:

علیؑ اپنے ایک افسر کے متعلق

میں نے تم پر اور تمہارے ماتحتوں پر مالک ابن حارث اشتر کو امیر مقرر کیا ہے۔ تم اس کے قول کو سننا۔ اس کی اطاعت کرنا اور اسے اپنی زرہ اور سپر بنا لینا کیونکہ یہ وہ شخص ہے جس کی طرف سے کاہلی اور سستی کا خوف نہیں۔ نہ اس کی لغزشوں کا ڈر ہے نہ اس چیز میں جس کی طرف تیزی کے ساتھ جانا نزدیک بہ احتیاط ہے۔ اس کی آہستگی کا خوف ہے نہ اس شے میں جس کی طرف نہایت آہستگی کے ساتھ جانا قرین خیر ہو، اس کی تیز روی کا۔" (طبری عربی)

مقدمہ کی جنگ

مالک کا لشکر کوچ کرتا ہوا زیاد کے دستہ سے آملا۔ روضۃ الصفا کے مطابق مالک نے پہلے ابو بخدہ کے ہاتھ دشمن کے پاس نصیحت آمیز خط بھیجا لیکن اس سے انکار کیا گیا اور مالک

نے جواب خط کو ثبوت اور حضرت علیؑ کے دکھانے کے لئے رکھ لیا۔ معاویہ اور حضرت علیؑ کے مقدموں میں جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت علیؑ کے نائب سپہ سالار نے دیکھا کہ معاویہ کا نائب ایک بلندی سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہا ہے اشتر نے ایک سپاہی کو بلا کر حکم دیا:-

"ابوالاعور سے کہہ کہ معاویہ کو تجھ پر ناز ہے۔ ذرا میدان میں آ کہ ایک دوسرے سے تیغ آزمائی کریں۔"

سپاہی نے یہ سن کر پوچھا:-

" اسے اپنے لئے طلب کروں یا تیرے لئے ،،

" ہنس کر۔ تو لڑ سکتا ہے ! "

" اگر حکم دے تو پہاڑ پر حملہ کردوں "

" شاباش۔ شاید وہ کہے کہ تو میرا مقابل نہیں ہے، کہہ کہ مالک بلاتا ہے ،،

سپاہی نے جا کر پیغام دیا لیکن ابوالاعور نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اشتر نے عثمان کی عیب بینی کی اس لئے وہ میرا کفو نہیں ہے۔ جس وقت اشتر کو اس کا جواب ملا یہ ہنسے اور کہنے لگے " اسے اپنی جان کا خوف ہے ،، اشتر دشمن کی کمزوری سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی فوج ترتیب دی اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ دیر تک سخت لڑائی ہوئی۔ ابوالاعور کی ہمت اور شراکت مالک اشتر سے کمزور درجہ کی تھی۔ دشمن نے مصلحت سمجھی کہ میدان چھوڑ کر معاویہ کی اصل فوج سے مل جائے۔ مالک نے ابوالاعور کے پاس پہنچنے کی کوشش غالباً ابتدا سے کی تھی ان کی نقل و حرکت کامیاب ہوئی۔ لیکن باوجود للکارنے کے اس نے مالک سے خود دست بدست جنگ کرنا بھاگتے وقت خلاف شان سمجھا۔ اگرچہ اشتر کہہ رہے تھے کہ اپنے غیر کفو سے کیوں بھاگتا ہے۔

دشمن کا فرات پر قبضہ

اب حضرت علیؑ کی تمام فوج معاویہ کے کل لشکر کے مقابل پہنچ گئی۔ معاویہ نے پیشتر سے فرات پر اس طرح قبضہ کر لیا تھا کہ علیؑ کے لشکر کو پانی نہ مل سکتا تھا۔ سرداروں نے جب اپنے غلاموں کو پانی کے لئے بھیجا اور وہ روکے گئے تو سبھوں نے آ کر اطلاع دی اور افسروں نے یہ خبر حضرت علی علیہ السلام تک پہنچائی۔

امیرالمومنینؑ نے شیث ابن ربعی اور صعصعہ ابن صوحان کو بلایا اور کہا:-

علیؑ کی منصفانہ خواہش

تم لوگ معاویہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ تمہارے لشکر نے ہمارے خدمت گار اور چارپایوں کو پانی سے روک دیا ہے۔ لشکر کے ساتھ ضعیف اور کمزور

اور بوڑھے ہیں۔ یہ مناسب نہ ہوگا کہ مسلمانوں سے پانی باز رکھا جائے۔ اگر ہم تم سے پہلے پہنچ جاتے تو ہرگز منع نہ کرتے اس وقت دو باتوں میں سے ایک کرنی ہوگی۔ یا تو ہمارے خادموں کو پانی لینے دو اور تمہارا لشکر بھی بقدر ضرورت سیراب ہو دونوں طرف سے ایک دوسرے کو پانی کی روک نہ ہو اور اگر مضائقہ ہے تو جس لئے جنگ کی تیاری ہے اسے ترک کر کے پیشتر پانی کے واسطے جنگ کریں، جسے فتح ہو اس پر قبضہ کرے۔"

حضرت علیؑ کے سفیر معاویہ کے پاس گئے اور ان کا پیغام سن کر اس نے عمرو عاص سے صلاح لی۔ اس نے کہا:۔

"علیؑ اتنی بڑی فوج سے فرات کے کنارے پیاسے نہیں رہ سکتے۔ مصلحت یہ ہے کہ پانی میں مضائقہ نہ ہو۔ جس امر کی گفتگو درمیان میں ہے وہ موجودہ سوال سے کہیں زیادہ ہے"

ولید بن عتبہ نے کہا:۔

"اے معاویہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے چالیس روز تک عثمان کو پانی نہ دیا۔ یہ لوگ مستحق عذاب ہیں خدا انہیں اس عالم میں بھی پانی نہ دے گا۔"

یہ سُن کر صعصعہ نے کہا:۔

"اے پسر عتبہ خدا تیرے ایسے کافروں کو جس نے گناہ کئے اور بدکار ہیں پانی نہ دیگا۔ تو نے شراب پی۔ مسجد جامع کوفہ میں بحالت مستی پیش نمازی کی اور صبح کی نماز چار رکعت پڑھی۔ سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ آج بہت خوش ہوں کہو تو دو چار رکعت کا اور اضافہ کردوں۔ عثمان نے تجھے حد جاری کی۔ تو نے علیؑ سے مناظرہ کیا۔ جس پر تیرے لئے کفر اور علیؑ کے لئے مومنیت کی آیت نازل ہوئی اور تو مہاجر و انصار کے سامنے مسجد رسولؐ میں ذلیل ہوا" اس پر عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح اور ولید نے تلواریں کھینچیں لیکن بیچ بچاؤ کر دیا گیا پھر بھی یہ دونوں کہتے رہے کہ "اگر تو نے علیؑ کو پانی نہ دیا تو خدا تجھے حوضِ کوثر سے پانی نہ دے گا"

حضرت علیؑ کے افسر جنگ کی خواہش کرتے ہیں

سفیر واپس آئے۔ حضرت علیؑ کا لشکر دیر سے پیاسا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر اشتر اور اشعث حضرت علی کے پاس آئے اور کہا

"یا امیر المومنینؑ! تمام لشکر پیاسا ہے اور معاویہ مع اپنے لشکر کے سیراب ہو رہا ہے۔ ہم لوگ کب تک خاموش رہیں۔ اجازت دیجئے کہ لڑیں اور پانی چھین لیں"

موت اور زندگی

اس وقت کے متعلق امیر المومنینؑ کے یہ الفاظ توجہ کے قابل ہیں:۔

"اگر تم دشمن سے مقہور اور مغلوب ہو کر جیئے تو یہ زندگی عین موت ہے اگر دشمن پر مظفر و منصور ہوتے"

مر گئے تو یہ عین حیات ہے ،،

علیؑ کے افسروں کی احتیاط

سپہ سالار نے انہیں اجازت دی اور دونوں سرداروں نے اپنے ماتحت سپاہیوں اور قبائل کو آواز دی۔ تھوڑی دیر میں دس ہزار سپاہی جمع ہو گئے۔ یہ لوگ چلے اور معاویہ کے لشکر کے قریب پہنچ کر انہوں نے آواز دی :-

"اے اہل شام پانی چھوڑ دو نہیں تو تمھارا خون تمہاری گردنوں پر ہوگا۔"

کسی نے ان کے کہنے پر توجہ نہ کی۔ اب ان دونوں افسروں نے اپنے سپاہیوں کو للکارا اور بڑے زور و شور سے لڑائی ہونے لگی۔ نتیجہ حضرت علیؑ کے موافق ہوا۔ اہل شام پسپا ہوئے اور حضرت علیؑ کے سپاہیوں نے گھاٹوں پر قبضہ کر لیا۔

حضرت علیؑ کی عظمت

اب ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ عثمان کے ساتھ حضرت علیؑ کی توجہ کے منکرین پانی سے باز رکھے جاتے۔ لیکن یہ سپہ سالار اسلام ایسے انتقام سے بہت بلند درجے پر تھا اور گو اس کے سپاہیوں کے ساتھ باوجود گفتگوئے مصالحت سختی کی گئی تھی لیکن وہ اس برتاؤ کے بعد بھی دشمن کا حق بشریت نہ بھولا اور فتح کے بعد بھی یہ منادی کرائی :-

قبضہ کے بعد حضرت علیؑ کی منادی

"پانی حلال ہے کسی کو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ دونوں لشکروں میں جس کو ضرورت ہو، آدمیوں اور جانوروں کے لئے پانی لے جائے۔"

حضرت علیؑ کے لشکر نے کنارۂ فرات پر خیمے گاڑ دیئے اور دونوں طرف کے لوگ بلا تردد پانی صرف کرنے لگے۔ تین روز تک اس طرح کوئی مزاحمت نہ ہوئی :-

معاویہ کا کردار

چوتھے روز معاویہ نے کچھ آدمیوں کو پھاوڑے، کدال دے کر حکم دیا کہ حضرت علیؑ کے لشکر کے پاس فرات کا بند ہے رات کے وقت اسے توڑ ڈالو کہ ان کا تمام لشکر ڈوب جائے۔ یہ لوگ مشغول ہوئے پھاوڑے کی آواز، گرد و غبار اور کھودنے والوں کا شور و غل حضرت علیؑ کے اہل لشکر نے سنا۔ ان پر خوف طاری ہوا اور خطرے کی جگہ سمجھ کر یہ لوگ اپنا اسباب باندھنے لگے کہ کسی دوسرے مقام پر خیمے نصب کریں۔ امیر المومنین کو یہ حال معلوم ہوا۔ وہ ان لوگوں کے قریب آئے اور فرمایا :-

"یہ معاویہ کا مکر ہے اگر وہ ولایت شام کا تمام خراج بھی صرف کر دے تو اس بند کو نہیں توڑ سکتا۔ تم بے خوف رہو اس سے معاویہ کی یہ غرض ہے کہ تمہیں یہاں سے ہٹا کر خود متصرف ہو جائے۔"

لیکن باوجود اس کے کہ امیرالمومنین سمجھا رہے تھے اور خود بھی موجود تھے۔ پھاوڑے کی صدا پر لوگوں کا خوف بڑھتا جاتا تھا اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ لدے پھندے دور پہنچ گئے اور جب امیرالمومنین تنہا رہ گئے تو انہیں بھی مجبوراً اپنا خیمہ بھیجنا پڑا۔

پہلا فریب کارگر ہوا

معاویہ کا یہ پہلا فریب تھا جو حضرت علیؑ کے لشکر پر کارگر ہوا اور یہ پہلا موقع تھا کہ باوجود علیؑ کے سمجھانے کے اہل لشکر اپنے وہم پر عامل ہونے۔ معاویہ کا یہ فریب اس معنی میں کہ حضرت علیؑ کو اس سے کوئی مادی نقصان نہ پہنچا۔ اس کے لئے کچھ مفید نہ تھا۔ بجز اس کے کہ اسے ایک اچھی جگہ قیام کے لئے ملی۔ جس سے آسانی اور آرام متصور ہو سکتا تھا۔ یہ سمجھنے کی وجوہات نہیں ہیں کہ فوجی حیثیت سے بھی یہ مفید تھا۔ اس کے بعد معاویہ کے ایک دوسرے فریب کا ذکر آنے والا ہے۔ جس میں ایک بڑی تعداد سے اہل لشکر کی بے موقع نافرمانی نے حضرت علیؑ کو سخت نقصان پہنچایا۔

صبح ہوئی دیکھا گیا کہ جہاں سے یہ لوگ غرق ہو جانے کے خوف سے ہٹ آئے تھے۔ معاویہ اب وہاں اپنے لشکر کے ساتھ موجود ہے اس وقت لوگوں کو حضرت علیؑ کا ایک ایک لفظ یاد آیا اور نہایت شرمندہ ہوئے۔ حضرت علیؑ نے اشعث اور مالک کو بلا کر فرمایا:-

"تم لوگوں نے میرا کہنا نہ سنا اب سمجھے کہ معاویہ کی غرض اس فریب سے یہ تھی کہ تمہیں دریا کے کنارے سے دور کر دے اور خود فراخ اور اچھی جگہ قابض ہو جائے۔ اب وہ تم لوگوں کو پانی کے قریب نہ جانے دے گا۔"

اشعث نے کہا:-

"امیرالمومنینؑ کا فرمانا درست ہے۔ ہم نے برا کیا کہ وہاں سے اٹھ آئے اور معاویہ کا فریب معلوم ہوا۔ اس کا تدارک ہو سکتا ہے اور آپ کی ہمت کی برکت سے ہم اپنی غلطی کی اصلاح کریں گے"

اشعث غصہ اور شرم کی حالت میں جناب امیرؑ کے خیمے سے باہر آیا اور اپنے اعزہ اور متوصلین کو طلب کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو کہا:-

"مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ وہاں سے اٹھ آیا اب وہاں معاویہ موجود ہے۔ امیرالمومنینؑ ہم سے ناخوش ہیں۔ ہم نے تمہارے اعتبار پر دعویٰ کیا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ شامیوں سے لڑ کر انہیں ہٹا دوں۔"

سزادہی کی غرض سے فوج کی روانگی

اہل کندہ نے قبول کیا اور مسلح ہو ہو کر آ گئے۔ اسی طرح مالک اشتر کے سپاہی بھی جمع ہوئے اور دونوں مل کر روانہ ہوئے۔ یوں تو

تہیہ جنگ سے لشکر کی روانگی متین اور شاندار ہوتی ہے مگر اس وقت ان دونوں بہادروں کا لشکر ان کی ماتحتی میں جوشِ خیال کی بنیاد پر روانہ ہوا ہے۔ اس نے ان کی شان میں پوری تقسیم آمیز ہیبت پیدا کی ہو گی۔ اشتر خاموش لشکر کے آگے آگے جا رہے تھے ان کا کاسۂ سر غالباً کوہ آتش فشاں کی ایک چھوٹی مثال تھا جس میں دشمن کی مکاری کی سزا دہی کے علاوہ کوئی خیال نہ تھا۔ ان دونوں نامی افسروں کو مع فوج کے دریا کی طرف آتے دیکھ کر جنہوں نے چند روز پیشتر گھاٹ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس وقت یہ سمجھ لینا کہ یہ ایک سخت کارنامے کے لئے آ رہے ہیں، دشوار نہ تھا۔ رن بول رہا تھا معاویہ بھی صفیں سیدھی کر کے لڑائی کے لئے آمادہ ہو گیا۔

علیؑ اور معاویہ کے افسروں کی آویزش

بہادر اشتر میرے خیال میں لشکر کو لڑوانے کی اس قدر فکر میں نہ تھے، جس قدر انہیں خود لڑنے کی تمنا تھی۔ لشکروں کی خوفناک آمیزش کے پہلے اشتر شام کے سات نامی افسروں پر غصہ نکال چکے تھے۔ اشعث کو بھی نام آوری کا حصہ ملا اور شرجیل بن سمط الکندی سے نیزہ چلا۔ شرجیل گھوڑے سے گر آئے اور اپنی فوج کی طرف چلے آئے۔ ابوالاعور نے اس پر طنز کیا۔ شرجیل نے جواب دیا کہ میں بزرگ قوم ہوں اور اشعث بھی سردار قوم ہے اگر اس کے نیزہ سے میں گھوڑے سے گر پڑا۔ تو شرم کی بات نہیں ہے اگر تو بہادر ہے تو تو بھی آزما لے اور قدم بڑھا۔ ابوالاعور کو غیرت آئی۔ لیکن اس کی قسمت میں بھی اشعث کے حربے سے زخمی ہونا تھا۔ معاویہ کے دو اور نامی افسر حوشب ذوالظلیم اور ذوالکلاع حمیری، اشعث اور اشتر سے دیر تک لڑتے رہے۔ لشکروں میں بھی لڑائی ہوتی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاویہ کے لشکر نے جگہ چھوڑ دینے کے لئے ایک شب کی مہلت طلب کی۔ لیکن اشعث اور اشتر نے قسم کھائی کہ ہم اس وقت تک تلوار نیام میں نہ رکھیں گے جب تک تم جگہ چھوڑ نہ دو گے ان لوگوں نے کہا کہ اچھا ہتھیار روک لیے جائیں کہ ہم جگہ خالی کر دیں۔ حضرت علیؑ کے افسروں نے ہتھیار روکنے کا اپنی فوج کو حکم دیا۔ لڑائی رک گئی۔ سپاہی اسی طرح اپنی اپنی جگہ قائم رہے۔ افسوس ہے کہ اس وقت زمانہ نے فن تصویر عکسی ایجاد نہ کیا تھا ورنہ ایک دیکھنے کے قابل نمونہ موجود ہوتا۔

ساحل پر دوبارہ قبضہ

اہل شام نے کنار فرات خالی کر دیا اور حضرت علیؑ کے سپاہی اطمینان سے قابض ہوئے اور باضابطہ اطلاع کے ساتھ خوشنودی حاصل کی۔

پھر گفتگوئے مصالحت

حضرت علیؑ نے اس کے بعد متواتر لوگوں کو بھیجا کہ وہ معاویہ کو سمجھا کر جنگ سے باز رکھیں لیکن معاویہ نے کسی طرح صلح کا میلان نہ ظاہر کیا بلکہ ہمیشہ اعلان جنگ دیتا رہا۔ یہ اس وجہ سے نہ تھا کہ معاویہ بڑا بہادر تھا اور وہ صلح کرنا اپنی شجاعانہ حوصلہ کی توہین سمجھتا تھا نہیں وہ ایسا مدبر تھا جو

لاکھوں کو اپنے وہم پر قتل کرا سکتا تھا اور خود تلوار کی آنچ سے دور رہنا چاہتا تھا، جس کا تذکرہ آئے گا۔

انسانیت کے متعلق علیؑ کا اپنی عام فوج کو حکم

اس موقع کے متعلق مسٹر واشنگٹن ارونگ لکھتے ہیں:۔

"حضرت علیؑ نے اپنی مرضی کے خلاف تلوار کھینچی۔ اپنے سپاہیوں کو پہلے حملے سے منع کیا۔ بھاگنے والوں کو تکلیف پہنچانے سے روکا اور عورتوں پر کسی سختی کو جائز نہ رکھا۔۔۔۔۔۔ چار مہینے تک چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں۔ جس میں معاویہ کے ۴۵ ہزار اور حضرت علیؑ کے اس کے نصف تعداد میں سپاہی قتل ہوئے۔"

مسٹر گبن کہتے ہیں:۔

"اس خونی جنگ میں خلیفۂ برحق نے جرأت اور انسانیت کی اعلیٰ شان ظاہر کی۔ دشمن کے پہلے حملے کے منتظر رہتے بھاگتے ہوؤں کو چھوڑ دیتے، لاشوں کی عزت اور طبقۂ اناث کے قیدیان جنگ کی حفظ عفت کا حکم دیا"۔ ان دونوں مسیحی مؤرخین کے متذکرہ صدر تحریر کے متعلق نہج البلاغہ میں حسب ذیل فقرات ملتے ہیں:۔

ایک لشکر کی مشایعت کے وقت: "تم حتی الوسع اور بقدر استطاعت عورتوں سے باز رہنا۔"

جب تک وہ ابتدا نہ کریں تم ہرگز ان سے جنگ نہ کرنا تم انہیں چھوڑ دو، حتیٰ کہ وہ ابتدا کریں۔ یہ ایک دوسری حجت اور برہان تمہارے ہاتھ آئے گی۔ جب بحکم خدا انہیں ہزیمت نصیب ہو جائے تو کبھی کسی پیٹھ پھرانے والے سے جنگ نہ کرنا کسی عیب دار اور برہنہ کو آزار نہ پہنچانا۔ زخمی کی طرف مستعدی سے کام نہ لینا۔ عورتوں کو اذیت پہنچا کر انہیں ہیجان اور غضب میں نہ لانا۔ اگرچہ وہ تمہارے سرداروں کو سب و شتم کریں۔ تمہارے امیروں کو گالیاں دیں۔ کیونکہ ان کی قوتیں ان کی عقلیں ان کے نفس ضعیف ہیں۔ ہم عہد رسولؐ میں بھی اس امر پر مامور تھے کہ ان سے باز رہیں حالانکہ وہ عورتیں مشرکہ تھیں۔"

عمرو ابن حمق الخزاعی اور حجر ابن عدی نے زمانۂ جنگ صفین میں اہل شام کو برے لفظوں سے یاد کیا۔ اس پر امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:۔

"میں تمہارے لئے اس امر کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ تم دشنام دینے والے بن جاؤ لیکن اگر تم ان کے اعمال بد کا بیان کرو ان کی خراب حالتوں کا ذکر کرو تو البتہ یہ گفتار نہایت درست اور اعتذار کے لئے نہایت بلیغ ہے تم جو انہیں دشنام دیتے ہو تو اس کی بجائے یہ کہو۔ "پروردگارا ہمارے اور ان کے خون کو بہنے سے بچا۔ ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کر دے انہیں ان کی گمراہی سے امر حق کی طرف ہدایت فرما۔"

دو حریف

ابتدا میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں اگر معاویہ کی طرف سے عبید اللہ بن عمر الخطاب میدان کی طرف آئے تو حضرت علیؑ کی طرف سے محمد ابن ابی بکر روانہ کئے گئے۔ شرجیل بن سمط الکندی نکلا تو مالک اشتر بھیجے گئے

عمرو ابن عاص کے مقابلے کے لئے عبداللہ ابن عباس کو حکم ہوا۔ یہ مقابل نام جہاں حضرت علیؑ کے انتخاب کی پختگی ظاہر کرتے ہیں وہاں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اب تک حضرت علیؑ کو کام کرنے کے لئے مناسب قابلیت کے آدمی مل رہے تھے۔

اعلانِ جنگ

یہ لڑائیاں ماہ محرم کے قبل ہوئی تھیں۔ کہا گیا ہے کہ محرم میں حضرت علیؑ نے لڑائی روک دی اور پھر گفتگوئے مصالحت شروع کی۔ لیکن جب بیکار ہوئی اور صفر کا مہینہ شروع ہوا۔ تو حضرت علیؑ نے دونوں لشکروں کے درمیان منادی کرائی:۔

"ہم دو سبب سے جنگ میں توقف کر رہے تھے۔ ایک تو اس سبب سے کہ ماہ محرم میں جنگ نہ چاہئیے۔ دوسرے یہ وجہ تھی کہ شاید معاویہ سوچے اور مخالفت سے باز آجائے۔ اب ماہ محرم ختم ہوگیا ہے لیکن اہل شام اب تک آمادہ فساد ہیں میری نصیحتیں بے کار ہوئیں۔ اب لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہم اب سچے یقین اور پاک اعتقادی سے جنگ کریں گے۔"

لشکر کو حضرت علیؑ کی وجہ تاخیر معلوم ہوگئی۔ اب اس طرح ترتیب لشکر کی گئی:۔

ترتیب لشکر

میمنہ سواران:۔ حسنین علیہما السلام۔ میسرہ محمد ابن حنفیہ و محمد ابن ابی بکر۔ قلب عبداللہ ابن عباس و عباس ابن ربیعہ ابن الحارث۔

میمنہ پیادگان:۔ عبداللہ ابن جعفر طیار و مسلم ابن عقیل، میسرہ ہاشم بن عتبہ قلب اشعث ابن قیس و مالک اشتر

جناحِ سواران:۔ سعید بن قیس الہمدانی و عبداللہ بن بدیل ورقۃ الخزاعی۔

جناحِ پیادگان:۔ رفاعہ بن شداد العبسی و عدی بن حاتم۔

سواران کمین:۔ عامر بن واثلہ کنانی، وقبیصہ بن جابر الانصاری۔

لڑنا سکھاتے ہیں

"زرہ پوشوں کی صفیں آگے بڑھاؤ اور جو زرہ پوش نہیں ہیں وہ پیچھے رہیں۔ اپنے دانتوں کو ایک دوسرے سے پیوست کرلو۔ کیونکہ یہ دشمن کی تلوار مغز سر سے دور رکھتی ہے۔ نیزوں کے پھلوں سے لپٹے رہو۔ نیزہ بازی کے وقت چوبھالے نیزے تمہاری بغلوں میں ہوں۔ انیاں باہر نکلی رہیں۔ کیونکہ اسی طریقہ سے دشمن کو چھید لیا جاتا ہے۔ آنکھیں بند کر لو اور دشمن پر جا پڑو۔ اس سے ثبات دلی نصیب ہوگا اور یہی امر دھڑکتے ہوئے دلوں کو ساکن کر دے گا۔ سخت اور درشت آوازیں نکلیں۔ نعرہ زنی ہوتی رہے اس سے بزدلی پاس نہیں آتی۔

علمدار کے لئے مفید حکم

اپنے نشانوں کے گرداگرد رہو۔ انہیں کسی نامناسب مقام کی طرف مائل نہ کرو۔ انہیں خالی نہ چھوڑو اور علمدار وہی شخص ہوں جو تم میں مانے ہوئے شجاع اور دلیر ہوں اور انہیں چپ و راست پس و پیش سے تھامے رہیں۔ ایسے ہی لوگ نہ تو اس طرح پسپا ہوتے ہیں کہ اپنے رایتوں کو دشمن کے

حوالے کردیں نہ اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انہیں بالکل تنہائی کی حالت میں چھوڑ دیں۔

بھاگنے کی ذلّت اور بہادری سے مرنے کی عزّت!

قسم خدا کی اگر تم دُنیا کی تلواروں سے فرار کر گئے تو شمشیر آخرت سے سالم نہ رہو گے۔ تم اشراف عرب ہو۔ تم ذی قدر و منزلت ہو۔ سمجھ لو کہ فرار کرنے میں غضب الہٰی ہے اور ذلّت و خواری اس کے ساتھ لازم ہے۔ خوب سمجھ لو کہ بہشت جسے کہتے ہیں وہ انہی نیزوں کے سایہ میں ہے!"

حملہ پھر شروع ہوا

معاویہ کے ایک افسر نے حضرت علیؑ کی فوج پر حملہ کیا۔ عمرو عاص بھی سرگرم کارزار تھا۔ حضرت علیؑ نے حصین بن منذر کو پانچ سو قبیلۂ ربیعہ کے سواروں پر افسر کر کے عمرو عاص پر حملہ کا حکم دیا معاویہ نے کئی قبیلے پے در پے روکنے کے لئے بھیجے مگر اس کے جوش میں کمی نہ آئی۔ حضرت علیؑ نے جب دشمن کی امدادی فوج بڑھتی ہوئی دیکھی تو سو تازہ دم سواروں کو مدد کے لئے بھیجا۔ حصین ابن منذر یہاں تک ان کی مدد سے بڑھا کہ معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گیا۔ یہاں سخت جنگ ہوئی اور یہ پھر اپنے لشکر کی طرف واپس چلا آیا۔

علیؑ کی اپنے سپاہی سے ہمدردی

عثمان کا ایک غلام جس کا نام احمر تھا۔ میدان میں آکر رجز خوانی کرنے لگا۔ اور حضرت علیؑ کے ایک سپاہی کو قتل کیا۔ یہ دیکھکر سپہ سالار کو تاب نہ رہی جلدی سے گھوڑا بڑھایا۔ غلام کو معلوم نہ تھا کہ کون شخص اس کے مقابلہ کو آیا ہے۔ اس نے آگے بڑھنے کا قصد کیا حضرت علیؑ نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر کھینچا اور کمر بند پکڑ کر اس زور سے زمین پر ٹپکا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔

معاویہ نے جسے خود معلوم نہ تھا کہ کس سوار نے احمر کو قتل کیا۔ اپنے ایک دوسرے غلام کو جس کا نام حریث تھا اور وہ شخص بہت کچھ اپنی شجاعت کے دعوے کر چکا تھا، روانہ کیا۔ یہ کہتا ہوا چلا کہ اگر علیؑ بھی ہوں تو میں زندہ نہ چھوڑوں گا لیکن معاویہ نے اسے سمجھا دیا کہ حضرت علیؑ سے جنگ نہ کرنا۔ عمرو عاص نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا:۔

"امیر نہیں چاہتا کہ تیرا نام ہو۔ اگر تجھے فرصت ہو تو ضرور حضرت علیؑ کو قتل یا زخمی کرنا۔ حضرت علیؑ بھی مرد ہیں اور تو بھی مرد ہے اس سے دنیا میں تیرا نام آجائے گا،،

علیؑ اپنے نام سے مرعوب نہیں کرتے

حریث اب دلیر ہوا اور میدان میں آکر رجز خوانی کرنے لگا۔ حضرت علیؑ کو جب معلوم ہوا کہ یہ معاویہ کا غلام ہے اور احمر کا انتقام لینے آیا ہے تو انہوں نے اپنا لباس تبدیل کیا۔ زرد عمامہ باندھا اور ایک سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر رجز خوان کے سامنے آئے وہ پہچان نہ سکا اور کہنے لگا:۔

"اے سوار علیؑ نے تجھے موت کے حوالے کر دیا۔"

حضرت علیؑ نے فرمایا:۔

"آسان ہے، کیونکہ مرد ایک دن پیدا ہوتے ہیں، ایک دن مر جاتے ہیں۔"

حریث نے گھوڑا بڑھایا اور وار کیا۔ حضرت علیؑ نے رد کیا اور ران کی ضرب نے اس کا کاسہ سر اڑا دیا۔ معاویہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ سوار حضرت علیؑ ہیں۔ تو اس نے عمرو عاص سے کہا کہ تیرے فریب سے حریث مارا گیا۔ اب معاویہ نے ایک مشہور

دشمن علیؑ پر ناداستگی میں حملہ کرنا چاہتا ہے

جنگجو عمرو ابن حصین السکونی کو بھیجا۔ حضرت علیؑ دوسرے بہادروں سے لڑنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ عمرو نے چاہا کہ پشت کی طرف سے حضرت علیؑ پر حملہ کرے۔ لیکن حضرت علیؑ کے سردار جناح سعید ابن قیس الہمدانی نے دیکھ لیا اور اس کا ارادہ سمجھ کر ڈانٹا۔ عمرو اس کی طرف پھرا تھا کہ سعید نے نیزے سے اسے زمین پر گرا دیا۔

معاویہ نے عمرو ابن حصین کی موت سے متاثر ہو کر ذوالکلاح حمیری کو ایک بڑی فوج حوالے کر کے انتقام میں سعید کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؑ نے اس بڑھتی ہوئی فوج کو دیکھ کر حکم دیا:۔

سعید نے عرض کی:۔ یا امیر المومنینؑ! آپ تماشا دیکھیں اور ہمیں سمجھ لینے دیں۔"

علیؑ قبیلہ ہمدان کو دشمن کے ارادے سے باخبر کرتے ہیں

"آلِ ہمدان خبردار ہو جاؤ کہ یہ فوج معاویہ نے تمہارے لئے بھیجی ہے۔"

سعید ابن قیس نے قبیلہ ہمدان کو آگے بڑھایا اور ذوالکلاح حمیری کو دباتا ہوا معاویہ کے خیمہ تک پیچھے ہٹا دیا اور چند مشہور سپاہیوں کو قتل کیا۔ نماز شام کا وقت آ چکا تھا۔ لشکر علیحدہ ہوئے۔ حضرت علیؑ نے سعید کی اس جنگ کو پسند فرمایا اور کہا:

"آلِ ہمدان! تم میرے لئے بجائے جوشن و خفتان ہو۔ تمہیں میں ایک زمانہ سے جانتا ہوں۔ تمہارے سردار سعید پر مجھے وثوق ہے اور ہمیشہ اس کی عقل اور شجاعت پر اعتبار کرتا رہا۔"

سعید نے جواب دیا:۔

"یا امیر المومنینؑ! ہم نے یہ کام خوشنودی خدا کے لئے کیا ہے اس کا آپ پر کوئی احسان نہیں ہے جو مشکل خدمت ہو ہمارے حوالے کیجئے کہ ہم بدل و جان اسے انجام دیں۔"

جنگ کا عالم

یہ لوگ خوش خوش اپنے خیموں میں گئے۔ صبح کو دونوں طرف کے لڑنے والوں نے رجز خوانیاں شروع کیں اور موت کا بازار گرم ہونے لگا۔ حضرت علیؑ کے لشکر سے ابو ایوب انصاری نے رجز پڑھا لیکن کوئی ان کے مقابل نہ آیا۔ انہوں نے گھوڑے کو مہمیز لگائی اور حملہ کرتے ہوئے معاویہ کے خیمے کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں کے چند آدمیوں کو زخمی کیا اور پھر صحیح و سلامت اپنے لشکر میں واپس آئے۔ معاویہ نے یہ جرأت دیکھ کر اپنے سرداروں کو ملامت کی کہ ایک سوار میرے خیمے تک پہنچ گیا اور کسی نے اس سے مزاحمت نہ کی یا زخمی نہ کر سکا۔ اس کے کہنے پر ابن منصور کو غصہ آیا اور کہنے لگا۔

"جس طرح ابو ایوب نے تیرے خیمے پر حملہ کیا اسی طرح میں علیؑ کے خیمے پر حملہ کرتا ہوں"

ابن منصور حضرت علیؑ کے خیمہ کی طرف چلا۔ یہ ابو ایوب پر طنز تھا۔ پھر کسی نے حضرت علیؑ کے خیمہ کی طرف رخ نہ کیا۔

حضرت علیؑ کی طرف سے قبیلہ طی نکلا۔ عبداللہ ابن خلیفہ الطائی نے اسے بڑھایا اور معاویہ کی طرف سے حمزہ بن مالک ہمدانی روکنے کے لئے بڑھا۔ رجز خوانیاں ہوئیں۔ زور و شور سے لڑائی ہونے لگی۔ حضرت علیؑ کے سردار میسرہ محمد ابن ابی بکر نے دیکھا کہ قبیلہ طی کے زیادہ لوگ مارے گئے۔ یہ سواروں کا ایک دستہ لے کر بڑھے اور دشمن پر دباؤ ڈال کر قبیلہ طی کو واپس لے آئے۔

سخت لڑائی

دوسرے روز معاویہ کی طرف سے پانچ سو زرہ پوش سوار نکلے۔ حضرت علیؑ کے لشکر سے بھی اسی تعداد کے زرہ پوشوں نے مقابلہ کیا۔ ان دونوں میں سخت جنگ ہوئی کہ کوئی بجز قتل یا زخمی ہوئے نہ رہا۔

عبیداللہ ابن عمر سپاہی کے بھیس میں ڈپلومیٹک مشن پر

اس بڑے قتل عام کے بعد عبیداللہ ابن عمر میدان میں آئے اور انہوں نے امام حسنؑ کو طلب کیا۔ امام حسنؑ نے اسلحہ پہنا اور میدان میں آئے۔ عبداللہ نے انہیں مسلح دیکھ کر کہا۔

"تم نے اسلحہ کیوں پہنا؟ معاذاللہ مجھے تم سے مخالفت نہ تھی بلکہ صرف ملاقات کرنی تھی اور اس کے ضمن میں کچھ نصیحت کیا چاہتا تھا۔"

"جو کچھ تمھیں کہنا ہو، کہو"

"تمھارے باپ نے قریش کے ساتھ اچھی زندگی بسر نہیں کی۔ اس لئے لوگ ان کے دشمن ہیں اور کہتے ہیں کہ عثمان کو قتل کیا۔ مصلحت یہ ہے کہ تم علیؑ کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے پاس چلے آؤ کہ ہم لوگ اتفاق کر کے خلافت تمھارے سپرد کر دیں۔ سب مطیع ہو جائیں اور خصومت برطرف ہو جائے۔"

تو نے اچھی صلاح دی تو چاہتا ہے کہ میں خلاف حکم رسولؐ کروں اور خلیفہ و وصی رسولؐ کا مخالف بنوں۔ تجھے شیطان نے گمراہ کر دیا ہے اور تیری آنکھوں میں بصیرت نہیں رہی۔ اعمال قبیح نے تیرے دل اور آنکھوں کو ایسا مشغول کر لیا ہے کہ تو دین سے نکل کر ظالم بدکردار، فاسق و مکار کے پاس گیا۔ شاید تو یہ بھول گیا کہ وہ اور اس کا باپ ہمیشہ مسلمانوں کا دشمن رہا"

یہ سب خدا اور رسول ص پر ایمان نہیں لائے۔ صرف مصلحت وقت پر نظر ڈال کر اپنی حفاظت کے لئے ان لوگوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ تو اب واپس جا اور سمجھ سے جہاں تک ہو سکے، کوشش کر کہ ہم خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں اور جب تک ممکن ہوتا ہے، کسی کو نہیں ستاتے۔" (ترجمہ فارسی، تاریخ اعثم کوفی ص ۲۲۷)

عبید اللہ ابن عمر نے امام حسن ع کی اس گفتگو کی معاویہ کو اطلاع دی۔ معاویہ غصہ میں آیا اور اس نے سخت حملہ کرنے کا حکم دیا شامیوں کا یہ حملہ ایسا سخت تھا کہ علی ع کے ایک ہزار سپاہی پسپا ہوئے۔ سپہ سالار نے اس موقع کو ملاحظہ کیا اور اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اس کے اسٹاف نے بھی دشمن کی طرف رخ کیا۔ شامیوں میں کون ایسا تھا کہ جو حضرت علی ع کے حملہ کو روک سکتا کب ان میں وہ جوش اور حوصلہ تھا۔ جیسا کہ حضرت علی ع کے حملہ اور ان کے رفقاء میں جو اس وقت ایسے سردار کی ماتحتی میں حملہ کرنا اپنا فخر سمجھ رہے تھے۔ شامی پسپا ہوئے انہیں ہٹتا دیکھ کر حضرت علی ع نے حکم دیا۔

"ان کی گوشمالی واجبی طور سے ہونی چاہیئے۔"

اس حکم سے سپاہیوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا اور دشمن سات سو لاشیں چھوڑ کر میدان سے ہٹ گیا۔ حضرت علی ع کے کامیاب سپاہی اپنے لشکر گاہ میں واپس آئے اور امیر شام نے لڑائی روک دی۔

ابوہریرہ مشن

کہا گیا ہے کہ ابوہریرہ اور ابودردا معاویہ کے پاس گئے اور انہوں نے حضرت علی ع کے فضائل بیان کرنے کے بعد کہا کہ فضول مسلمانوں کا خون ہو رہا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تو علی ع سے بیعت کرلے اور معاویہ اس شرط پر راضی ہوا کہ اگر علی ع قاتلان عثمان کو ہمارے حوالے کردیں تو ہم ہرگز جنگ نہ کریں گے۔ یہ دونوں حضرت علی ع کے پاس آئے اور صورت واقعہ بیان کی۔ حضرت علی ع نے قاتلان عثمان کے نام سے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ اگر تجھے یقین ہو، تو جس نے قتل کیا ہو، اسے گرفتار کر کے لے جا۔

روضۃ الصفا نے ناموں کی ایک بڑی فہرست دی ہے۔ جنہیں ابودردا اور ابوہریرہ نے بحیثیت قاتل عثمان پسند کیا ان میں محمد ابن ابی بکر، مالک اشتر، عمار یاسر، عمرو ابن الحمق، عدی بن حاتم غرضیکہ وہ لوگ تھے جن پر حضرت علی ع کے ساتھ وفاداری کا شبہ بھی ہو سکتا تھا۔ حضرت علی ع نے ان سے کہا۔ اگر تم ان لوگوں کو لے جا سکتے ہو تو لے جاؤ، یہ لوگ ان میں سے کسی ایک کے پاس آئے اور کہا کہ ہم کو حضرت علی ع نے حکم دیا ہے کہ قتل عثمان کے عوض میں تمہیں معاویہ کے پاس لے جائیں۔ اس پر لشکر میں شور ہوا۔ اور قریباً دس ہزار کے سپاہی آمادۂ جنگ ہو کر کہنے لگے۔

قاتلان عثمان کیا کہتے ہیں

"ہم سب نے عثمان کو قتل کیا ہے وہ جب تک قاعدے پر تھے اور حکم خدا و رسول ص کی اطاعت کرتے تھے۔ ہم سب مطیع تھے۔ جب اس سے تجاوز کیا اور مسلمانوں کو رنج

دینا شروع کیا اور بنو امیہ کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا تو ہم سب نے بالاتفاق قتل کیا اور سب شریک ہیں۔"

بات اب نہایت مشکل تھی نہ تو ابو ہریرہ میں یہ قوت تھی کہ جس آسانی سے حدیث بیان کر دیا کرتے تھے اسی طرح ان لوگوں کو گرفتار کر کے لے جاتے اور نہ حضرت علیؑ کے اختیار میں تھا یا انصاف اس کا مقتضی تھا کہ اتنے لوگ شبہ پر قتل کے لئے دشمن کے حوالے کر دیے جاتے۔ معاویہ کی غرض ان لوگوں کے طلب کرنے سے کچھ اور ہی تھی۔ جسے ہم صفین کے تبصرہ میں دکھائیں گے نتیجہ یہ ہوا کہ پھر نئے جوش سے صف آرائی ہوئی۔

معاویہ کی طرف سے منجع بن البشر الخزاعی میدان میں آیا اور حضرت علیؑ کو طلب کیا۔ عدی ابن حاتم نے سبقت کی اور گھوڑا بڑھا دیا۔ منجع نے تلوار ماری۔ لیکن عدی نے نیزہ سے اسے زمین پر گرا دیا۔ حضرت علیؑ کے لشکر سے خالد ابن معمر السدوسی نکلے۔ انہوں نے سپاہیوں سے حملہ میں ساتھ دینے کی استدعا کی۔ تھوڑی دیر میں نو ہزار سپاہی ان کے ساتھ ہو گئے اور یہ لڑتے ہوئے معاویہ کے خیمے کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں بھی انہیں کوئی نہ روک سکا اور انہوں نے خیمہ کی چیزیں غارت کرنی شروع کیں۔

جھوٹا وعدہ

اعثم کوفی کے موافق معاویہ نے اس وقت خالد بن معمر سے کہلوایا کہ اگر تو جنگ میں سرگرمی نہ کرے تو فتح پر میں تجھے امیر خراسان بنا دوں گا۔ اسے لالچ آیا اور یہ لشکر میں واپس آگیا۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد جب یہ معاویہ کے پاس گیا تو اس نے سخت سست الفاظ کہے اور یاد دلایا کہ جنگ میں یہ کیسی تکلیف پہنچائی تھی۔ خالد نے چند اشعار کہے جن میں اپنی شجاعت، معاویہ کی مذمت اور حضرت علیؑ کی تعریف تھی۔ معاویہ پر اس کا اثر پڑا اور اس نے پچاس ہزار درہم دیئے اور تیس ہزار اس کے اعزہ پر تقسیم کئے۔

عمرو عاص اور اشتر

عمرو ابن عاص نے ایک روز قبیلہ عک کو ساتھ لیا اور میدان میں رجز خوانی کرنے لگا۔ اسے دیکھ کر مالک اشتر کی طبیعت بے چین ہو گئی اور قبیلہ مذحج کے تین سو سواروں کو اپنے ساتھ لے کر کہا:۔

"عمرو عاص مشہور سوار ہے اس طرح لڑو کہ ہم اس کے قریب پہنچ جائیں"

اثنائے جنگ میں بہادر اشتر کو ٹوکنے کا موقع ملا۔ لیکن فاتح مصر نے حضرت علیؑ کے اس سپاہی افسر سے لڑنے کی جرأت نہ کی بلکہ مصلحت اس کی مقتضی ہوئی کہ رجز خوانی ترک کر کے قلب لشکر میں چلا جائے۔ اثنائے جنگ میں یہ کسی سپاہی کے ہاتھ سے زخمی بھی ہوا۔ اس لڑائی میں ام السنان مذحجی اپنے قبیلے کو للکار رہے تھے۔

کیوں کر بلا ٹلی

دوسری صبح کو سعید ابن قیس اور مالک اپنے اپنے قبائل کو لے کر آگے بڑھے۔ یہ دونوں بہادر اس طرح لڑے کہ لشکر شام کو قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ ایک طرف تو یہ امید ہوئی کہ آج شامیوں کی ہمت کا خاتمہ ہے اور دوسری طرف معاویہ کو خلافت کی امیدوں اور فراغت سے زندگی بسر کرنے کا خاتمہ نظر آیا اس نے بڑے بڑے

سرداروں کو نعمان بن جبلہ القضاعی کے پاس بھیجا اور کہا کہ آج کی آفت بجز تیرے کسی سے ٹل نہیں سکتی - آج تو اپنے قبیلہ سے ہماری مدد کر۔ نعمان نے معاویہ کی التجا منظور کی اور اپنے قبیلے کو لے کر بڑھا - دونوں لشکروں نے دل کھول کر قتل عام کیا اور اس زور و شور سے لڑائی ہوئی کہ کسی کو نماز شام کی فرصت نہ ملی - لڑائی ختم ہونے پر معاویہ کو نعمان کے مارے جانے کی خبر ملی اعثم کوفی ص ۳۲۵ کے موافق معاویہ بظاہر نعمان کے قتل پر اظہار تاسف کرتا تھا لیکن بباطن اس کے قتل سے اس لئے خوش تھا کہ نعمان کا کچھ میلان حضرت علیؑ کی طرف تھا -

علیؑ کا لشکر دباؤ ڈالتا ہے

دوسرے دن معاویہ کی طرف سے حملہ ہوا - چار صفیں بڑھیں اور ابوالاعور انہیں آگے لے چلا - شامیوں کی چار صفیں دیکھ کر سعید، عدی، مالک اور اشعث نے اپنے سپاہی بڑھائے - آج کی لڑائی کا نتیجہ افسروں کی دیکھ بھال سے پھر حضرت علیؑ کے موافق تھا - شامی ہٹتے ہوئے ایک ٹیلے پر چلے گئے - لیکن سعید نے انہیں یہاں بھی ٹھہرنے نہ دیا - اس سے دشمن کو بہت نقصان ہوا - زرقا دختر عدی بن ہبیرہ الہمدانی آج پر جوش لفظوں سے قبیلہ ہمدان کے دل بڑھا رہی تھی - قبیلہ ہمدان نے بڑا نام کیا - دشمن تین ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگا ہوا :-

مسلمانوں کا قتل بچانے کے لئے معاویہ کو للکارتے ہیں

صبح کو پھر بہادروں نے ایک دوسرے کے قتل پر کمر باندھی - آج پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سپہ سالار میدان میں آیا اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر فرمانے لگا :-

" اے معاویہ لڑائی ہوتے ہوتے مدت گزر گئی - سپاہی لڑتے لڑتے عاجز آ گئے - آج تو میدان میں آ کہ ہم دونوں تیغ آزمائی کریں، جسے فتح ہو وہ حکومت کرے - "

اس موقع پر گبن نے لکھا ہے :-

" انہوں نے (علیؑ) نے عالی ہمتی سے مسلمانوں کا خون بچانے کے لئے معاویہ کو لڑائی کے لئے للکارا - لیکن کانپتے ہوئے دشمن نے انکار کر دیا - "

ہم تھوڑی دیر میں مسٹر واشنگٹن اردنگ کا بھی ریمارک لکھیں گے -

میدان جنگ میں مضحکہ

بسر ابن ارطاۃ اپنے جوش شجاعت میں حضرت علیؑ سے لڑنے کے حوصلے سے بے چین ہو رہا تھا اس نے اپنے غلام سے لڑنے کی صلاح کی - غلام نے حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کا خطرہ بیان کیا - لیکن بسر میدان میں آ کر رجز خوانی کرنے لگا - حضرت علیؑ نے میدان میں ایک شاندار سوار کو دیکھ کر ادھر کا رُخ

کیا۔ بشر نے نہ پہچانا اور حملہ کیا۔ اثنائے جنگ میں حضرت علیؑ نے بشر کو گھوڑے سے گرا دیا اور قتل کے لئے چلے تھے کہ یہ برہنہ ہوگیا۔ حضرت علیؑ نے منہ پھیر لیا۔ بشر کو فرصت ملی اور یہ اٹھ کر بھاگا۔ بھاگتے وقت گھبراہٹ میں خود اس کے سر سے گر گیا۔ حضرت علیؑ کے سپاہیوں نے اسے پہچانا اور اپنے سردار کو آواز دی:۔

"یا امیرالمومنینؑ! یہ بشر ابن ارطاۃ ہے اسے زندہ نہ چھوڑیے!"

حضرت علیؑ نے جواب دیا:۔

"کوئی ہوا سے سامنے سے دور ہو جانے دو"

بشر کی اس باحواس جرأت میں کوئی نیا پن نہ تھا۔ بلکہ عمرو عاص بھی ایک روز میدان میں اسی حیلہ سے حضرت علیؑ کے ہاتھ سے بچ گئے تھے۔ جب بشر کی اس حرکت پر لوگوں نے مذاق کیا تو اس نے صرف فاتح مصر کو آڑ قرار دے کر اپنی خجالت مٹائی۔ قیس ابن سعد ابن عبادہ انصار کی فوج سے آمادۂ جنگ تھا۔ جب معاویہ کی فوج بڑھی تو اس نے ایک سوار کو عمدہ اسلحہ سے آراستہ دیکھ کر اسے معاویہ سمجھا اور حملہ کیا۔ اسی طرح قیس نے کئی سواروں کو اسی دھوکے میں قتل کیا۔ معاویہ دور سے تماشہ دیکھ رہا تھا۔ جب قیس کو معلوم ہوا کہ معاویہ اس دستہ کے ساتھ نہیں ہے تو یہ فوج سے آملا۔

ہاشم ابن عتبہ کی شہادت

حضرت علیؑ نے ہاشم ابن عتبہ ابن ابی وقاص کو جس کی ایک آنکھ کسی لڑائی میں بیکار ہو گئی تھی حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ہاشم رئیس قوم تھا اور مستند شجاع تھا۔ ہاشم نے اپنے کو آراستہ کیا اور نشان فوج لے کر میدان میں رجز خوانی شروع کی۔ کوئی ان سے تنہا دست بدست لڑنے کے لئے نہ آیا۔ ہاشم نے جوش میں مرکب کو مہمیز کیا اور دشمن کی فوج میں گھس کر اکثر سپاہیوں کو قتل کیا۔ پھر رجز خوانی کی۔ اس مرتبہ حمزہ بن مالک ہمدانی مقابلہ کو نکلا۔ ہاشم نے نیزہ سے اسے قتل کیا اور اس کے علاوہ کئی اور نامی شجاعوں کو تمام کر دیا۔ ہاشم کو بہت سے شامیوں نے گھیر لیا یہ نہایت شجاعت سے لڑتا رہا۔ آخر میں شہید ہو گیا۔

ہم نہیں جانتے کہ ہاشم کس طرح تنہا گھر گئے اور امدادی فوج کن وجوہات سے نہ پہنچ سکی یا پہنچتے پہنچتے شہید ہو گئے ضرور تنہا تھے کہ ان کا نشان دشمن کے قبضہ میں چلا گیا۔ شفیق ابن الاسود نے دشمن پر حملہ کیا اور ہاشم کا علم چھین لیا۔ یہ بھی شہید ہوئے۔ عتبہ بن ہاشم نے ان کے بعد بہت سے سواروں کو قتل کیا اور راہ آخرت اختیار کی۔ عبداللہ ابن بدیل عقبہ کی شہادت کے بعد حضرت علیؑ کا سردار جناح عبداللہ بدیل ورقا الخزاعی میدان میں آیا اور غصہ میں دشمنوں کو قتل کرنا شروع کیا اس کی سخت جنگ دیکھ کر معاویہ نے آواز دی:۔

"اے اہل شام اپنی حفاظت کرو اور اسے حیلے سے قتل کرو"

عبداللہ پر ہر طرف سے تیر پڑنے لگے اس بہادر نے منہ نہ موڑا اور شہید ہوا۔ حضرت علی ؑ کے دو سردار ہاشم اور عبداللہ صرف جوش شجاعت میں شہید ہوئے انہوں نے انبوہ سے بچنے کی احتیاط نہ کی ورنہ شاید اس طرح دشمن کو خوش ہونے کا موقع دیتے

جوشب ذوالکلاع و ابن نوفل

ابن نوفل عبداللہ کی شہادت کے بعد انہیں کے قبیلے کے ایک شخص نے حملہ کیا، احتیاط کی کہ دشمن کی صفوں میں گھر نہ جائے اور پھر اپنی فوج میں آملا۔ معاویہ نے جوشب بن ذوالظلیم کو میدان میں بھیجا۔ یہ ایک بڑا افسر تھا۔ اسے حضرت علی ؑ کے کسی سپاہی نے قتل کر ڈالا۔ معاویہ کو اس کے مارے جانے کا صدمہ ہوا۔ اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ سلیمان بن صرد الخزاعی پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت علی ؑ نے انصار کو سلیمان کی مدد کے لئے بھیجا اور معاویہ کا ایک بڑا افسر ذوالکلاع حمیری مارا گیا۔ انصار نے قلب معاویہ پر حملہ کیا۔ اس دار و گیر میں معاویہ کا گھوڑا مارا گیا اور یہ گرا۔ لیکن دو چار آدمیوں نے اسے دوسرے گھوڑے پر سوار کر دیا۔ آج کا دن معاویہ کے لئے بہت سخت تھا۔ انصار نے بڑے کارنمایاں کئے۔ امراء معاویہ اس قدر قتل ہوئے کہ وہ جسے دریافت کرتا تھا اس کے قتل کی خبر دی جاتی تھی۔ جب معاویہ نے حارث بن نوفل کا نام پوچھا جو رؤسائے شام میں سے تھا اور کہا گیا کہ وہ قتل ہوا تو اس نے نہایت رنج اور غصہ سے پوچھا:۔

" اسے کس نے قتل کیا ؟ "

" عبداللہ ابن ہاشم نے "

" کیا وہ زخمی نہ تھا ؟ "

" ہاں زخمی تھا مگر اس پر بھی لڑ رہا تھا اور اسی نے نیزہ سے حارث کا کام تمام کر دیا "

حرب اور قنبر

جب وہ وقت آیا کہ پھر لڑائی شروع ہو تو معاویہ نے اپنے ایک غلام کو جس کی بہادری پر اسے اعتماد تھا مخاطب کیا:۔

" اے حرب مجھے تجھ پر اعتماد رہا اور تیری شجاعت آزمانے کا موقع ملا۔ اگر اس وقت تو میری خوشی کے موافق کوئی کام کرے تو تجھے آزاد کر دوں اور ایسی عزت افزائی کروں کہ دوسرے تیری قدر کریں "

یہ امید افزا وعدہ سن کر حرب میدان میں آیا اور حضرت علی ؑ کے لشکر پر حملہ کیا۔ سپہ سالار رسول ؐ کے لشکر سے اس کا مشہور غلام قنبر میدان میں آیا اور حرب سے جنگ شروع کر دی۔ تھوڑی دیر میں قنبر نے حرب کا کام تمام کر دیا۔ اس کی قید حیات سے آزادی نے معاویہ پر اثر کیا اور عبیداللہ ابن عمر الخطاب سے کہا:۔

عبیداللہ ابن عمر

" بھتیجے! آج تیری کارنمائی کا دن ہے میری خواہش یہ ہے کہ تو کچھ اپنے کمال دکھلا "

معاویہ کے اس حکم پر یہ مسلح ہوئے ایک سرخ پگڑی سر پر رکھی اور اپنے باپ کی تلوار نیام میں رکھ

کر میدان میں آئے۔ مبارز طلبی کی۔ حضرت علیؑ کے میسرہ سے عبداللہ سوار العبدی باہر نکلا۔ دونوں بہادروں میں جنگ ہوئی آخر کار عبدی غالب آیا اور عبداللہ نے دنیا کو وداع کیا۔

موقع جس کی معاویہ کو ضرورت تھی

ہم تصفیہ نہیں کر سکتے کہ ابن عمر کو معاویہ نے یہ سوچ کر بھیجا تھا کہ ان کے مارے جانے سے لوگوں کو نئے جوش سے آمادہ کرنے کا موقعہ ملے گا یا ان کے قتل ہونے پر سوجھی۔ اس وقت ساٹھ کے قریب نشان معاویہ کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ سب اصبح بن ذی الجوشن کی ماتحتی میں آئے تھے۔

دشمن کی یہ تیاری دیکھ کر مقدس عمار یاسر صحابی نے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

عمار یاسر

"کون اس جنگ میں ہمارا ساتھ دے گا؟" بہت سے لوگوں سے جواب پاکر:۔

"ہمارے ساتھ ان لوگوں پر حملہ کرو جو خون عثمان کے طالب ہیں اور اس ذریعہ سے اپنے دلی خواہشات کے مکر کو پھیلاتے ہیں" (ابن خلدون)

گھمسان کی جنگ

اس غضب کے جوش سے لڑائی ہونے لگی کہ لڑنے والوں کی تلواریں ٹوٹ گئیں۔ نیزوں سے کام نکالا گیا۔ جب نیزے بھی ٹوٹ گئے تو ان غصہ میں بھرے ہوئے سپاہیوں نے خنجر اور چھریوں سے ایک دوسرے کو ذبح کرنا شروع کیا اور بعضوں نے دانتوں سے بوٹیاں کاٹیں۔ شام کو لڑائی روک دی۔ صبح کو پھر قتل عام شروع ہوا۔ حضرت علیؑ نے اپنے افسروں کو پے در پے روانہ کرنا شروع کیا۔ مالک اشتر کوفی بہادروں کا افسر تھا۔ عبداللہ ابن عباس کی ماتحتی میں بصرہ کے سپاہی دیے گئے تھے۔ خود یہ سالار حجازی سپاہیوں کے ساتھ حملہ میں مصروف تھا۔

میدانِ جنگ میں علیؑ کا سپاہیوں سے خطاب

"اے گروہ اسلام! تم خوف خدا کو اپنا شعار اور پیراہن بنالو۔ اطمینان قلب حاصل کرلو۔ دانتوں سے دانت ملائے ہوئے دشمن پر حملہ کرو۔ کیونکہ یہ حالت دشمن کی تلواروں کو مغز سے دور رکھتی ہے۔ توکل کی زرہ پہن لو۔ شمشیروں کو کھینچنے سے پہلے نیاموں میں جنبش دے لو۔ جس سے جھنکار پیدا ہو جائے، داہنے بائیں کا خیال رکھتے ہوئے چاروں طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے نہایت سرعت کے ساتھ نیزہ بازی کئے جاؤ۔ دشمن کو تلوار کی باڑھ پر دھر لو، شمشیر دل کو دشمن سے ملائے رہو دیکھتے کیا ہو۔ دوبارہ دشمن پر پلٹ پڑو۔ لڑائی سے منہ نہ پھراؤ۔ بھاگنے سے حیا و شرم کرو۔ نہایت وقار کے ساتھ چلے چلو دشمن کے لشکر کے اس زبردست سپاہی پر چھا جاؤ۔ یہ طنابوں والا گنبد اور خیمہ جو سامنے موجود ہے، گھیر لو اور اس میں بیٹھنے والوں پر تلواریں برسا دو۔ لڈو، لڈو، یہاں تک کہ قدرتی گرز تمہارے لئے ظاہر ہوئے اور امداد غیبی تمہیں مظفر و منصور کر دے تم بہت بلند مرتبہ ہو، پروردگار کی نصرت تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال اور جہاد کی مصیبتوں کو ضائع نہیں کرے گا۔"

حضرت علیؑ بڑھتے ہوئے قبیلہ ربیعہ کے نشان کے پاس پہنچ گئے۔ سپاہی اور بعض افسر اپنے سپہ سالار کو تلاش کر رہے تھے مگر کہیں نظر نہ آتا تھا۔ مالک اشتر کو کاری زخم لگے تھے۔ اس شیر دل سپاہی نے اپنے سردار کو قبیلہ ربیعہ کے نشان کے پاس دیکھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا اور آواز دی:۔

لڑائی اب فتح ہوا چاہتی ہے

"یا امیر المومنینؑ۔ آپ خوش ہوں کہ لڑائی ہمارے ہاتھ ہے۔ اب بعنایت ایزدی فتح ہوا چاہتی ہے آپ واپس جائیں کہ سردار آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔"

کُل ہاشمی مصروف جنگ

یہی لوگ جنگ میں شریک نہ تھے بلکہ کوئی ہاشمی ایسا نہ تھا جس کی تلوار سے آج خون نہ ٹپک رہا ہو امام حسنؑ و حسینؑ، محمد حنفیہ، عبداللہ ابن جعفر وغیرہ نے دل کھول کر حوصلے نکالے اور ان کو جنگ میں جوش کرتے دیکھ کر مالک اشتر کے ایسے بہادر نے (جس کا اس وقت دونوں لشکروں میں بجز حضرت علیؑ کے دوسرا نظیر نہ تھا) تعریف کی۔

مقدّس عمار کے قابل توجہ وداعی فقرات

دوسری صبح کو بوڑھا عمارؓ پھر میدان میں آیا اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا:۔

"بار الہا! مجھے کوئی دوسرا کام معلوم نہیں جو شامیوں کی جنگ سے بہتر ہو" اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

"دوستو! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کئی بار لڑا "معاویہ کا نشان لشکر دکھا کر" انہیں علموں سے جو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں آج چوتھی لڑائی ہے۔ آج آخری جنگ کا ارادہ ہے یا میں مارا جاؤں یا یہ قوم جنگ سے باز آئے جسے بہشت کی خواہش ہو، وہ میرے ساتھ آئے"۔

بوڑھے مشتاق شہادت مبارز نے رعشہ دار ہاتھوں سے حملہ کیا اور کہا:۔

"آج تاویل قرآن کے لئے لڑ رہے ہیں، جیسے رسول کے زمانہ میں تنزیل قرآن کے لئے لڑے تھے۔ اے اہل شام! تم باوجود مسلمان ہونے کے علیؑ کے حق کو نہیں پہچانتے"!

عمارؓ کی حسرت

اثنائے جنگ میں جویر السکونی نے عمار یاسر کو نیزہ مارا اور یہ کاری زخم کھا کر اپنی فوج میں واپس آئے غلام سے پانی مانگا اس نے جام شیر حاضر کیا اور یہ زخموں سے باہر ہو گیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشینگوئی پوری ہوئی۔ اسلام کے ساتھ اس متبرک بزرگ نے حق رفاقت ادا کیا۔ جس وقت حضرت علیؑ کو عمار کی شہادت کی خبر ملی وہ فوراً قریب آئے۔

علیؑ عمار کی لاش پر

شہید صحابی کو خاموش دیکھ کر دل بھر آیا اور یہ دو شعر پڑھے:۔

الا ایّھا الموت الذی ھو قاصدی — ارحنی فقد انیت عل خلیلی

اراک بصیرا بالذین احبّھم — کانک تنحو نحوھم بدلیلی

اے موت، تجھے میری تلاش ہے تو آ، مجھے راحت و سکون سے شاد کام کر، میرے دوستوں کو تو فنا کر ہی چکی۔

یہ معلوم ہوتا ہے جیسے تو میرے دوستوں کو خوب پہچانتی ہے گویا کوئی بتانے والا ان کی طرف اشارے بھی کر رہا ہے۔

عمار کی شہادت کا دشمن پر بُرا اثر

حضرت علیؑ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئی تھیں۔ فوج میں عام اظہار غم کا حکم دیا نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ سے دفن کیا۔ مقدس عمار کی رحلت کا عمرو عاص پر یہ اثر پڑا کہ بیساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"میں آج سے بیس برس پیشتر مر گیا ہوتا تو خوب تھا!"

معاویہ کی لاجواب منطق

کسی نے یہ بھی کہا کہ عمارؓ کی موت سے طبیعت بھر گئی۔ یہ وہ شخص ہے جس کے قاتل کو رسول اللہ نے بد دعا دی۔ یہ سن کر معاویہ نے کہا:

"لیکن ہم نے نہیں مارا"،

"پھر کس نے قتل کیا؟"

"علیؑ نے کیونکہ وہی جنگ کے لئے لائے"

"اگر ایسا ہے تو رسول اللہؐ نے حمزہ کو قتل کیا"،

مسٹر واشنگٹن ارونگ لکھتے ہیں:۔

"علیؑ کے مقتولین میں پچاس صحابی تھے جن کی موت پر خود دشمن متاسف تھا۔ بہادر عمار یاسرؓ کی موت سے زیادہ کسی کا صدمہ نہیں کیا گیا۔ حضرت علیؑ اپنے معمولی اعتدال کو بھول گئے اور بارہ ہزار سواروں کے ساتھ اپنے پرانے جنرل کا حال دیکھ کر پُر غضب حملہ کیا۔ دشمن کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ لیکن یہ قتل عام دیکھ کر علیؑ کا دل پھر نرم ہو گیا اور معاویہ کے حد سماعت مقام پر پہنچ کر آواز دی:

"ہم لوگوں کی لڑائی میں کب تک مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہے گا تو لڑائی کے لئے نکل کہ خدا تجھ میں اور مجھ میں فیصلہ کر دے جو فتح یاب ہو، وہی خلافت کرے"۔

معاویہ اور عمرو عاص میں بحث

عمرو عاص کے دل پر اس عالی ہمتانہ للکار کا اثر پڑا اور اس نے معاویہ پر زور دیا: لیکن وہ شیر کے مقابلے سے کانپتا تھا۔ عمرو عاص نے بے غیرتی کا اشارہ کیا لیکن

معاویہ نے منہ بنا کر کہا :-

" تو مجھے لڑائی پر اس لئے آمادہ کر رہا ہے کہ خود امیر شام بن جائے "

مالک اشتر نخعی اس جنگ میں کارنمایاں کر رہے تھے اور عمار مرحوم کی تعریفیں کرتے جاتے تھے۔ قیس ابن سعد ابن عبادہ گروہ انصار کے ساتھ مشغول جنگ تھے اور اکثر مقدس لوگ سپاہیوں کے دل بڑھا رہے تھے۔ اس لڑائی میں بھی بہت سے امرائے شام قتل ہوئے۔ معاویہ کی حسب ذیل تقریر کہتی ہے کہ اس قدر کمی اور دل شکستگی محسوس ہونے لگی تھی کہ اسے ہمت بڑھانے کی ضرورت ہوئی۔

علیؑ کے چھ مشہور افسر جن پر معاویہ کی نظر تھی

اگر ذوالکلاع حمیری اپنے لشکر میں مارا گیا تو عمار یاسرؓ، علیؑ کے لشکر میں عبیداللہ ابن عمر الخطاب ہماری فوج میں تو عبداللہ ابن بدیل الخزاعی حضرت علیؑ کے لشکر میں اگر چہ شب ہماری سپاہ سے کم ہوا تو ہاشم بن عتبہ، علیؑ کی فوج سے ضائع ہوا۔ علیؑ کو ان تینوں آدمیوں پر بڑا اعتماد تھا۔ عمار کی شجاعت اور تجربہ کاری، ہاشم کی عقلمندی اور بہادری، عبداللہ ابن بدیل جیسے فحل الافاحل (مردوں کا مرد) کہتے تھے۔ اب حضرت علیؑ کے لشکر میں تین شخص اور ہیں۔ مالک اشتر، اشعث ابن قیس اور عدی بن حاتم۔ ان کا کام بھی تمام کر دو صبح کو بڑی تیاری ہونے لگی۔ گھوڑے سیراب کر کے چست باندھے گئے۔ بہادروں نے احتیاط سے ہتھیار سجائے۔ حضرت علیؑ نے رسول اللہؐ کی زرہ پہنی۔ ہادیؑ کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا

علیؑ اپنا مؤقف پھر ظاہر کرتے ہیں

ایھا الناس! آج کا دن یادگار رہے گا۔ میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر یہ لوگ احکام دین کو معطل نہ چھوڑتے باطل کی سعی اور وسوسہ شیطانی سے خدا کی نعمتوں کا کفران نہ کرتے تو میں کبھی میدان میں قدم نہ رکھتا۔ لیکن میں مجبور ہوں کہ بضرورت اس قوم کی ہدایت کرنی ہوگی اور طریقہ دین کی طرف بلانا ہوگا۔ حالت یہ پہنچی ہے کہ بجز جنگ کے چارہ نہیں۔ صبر نہایت اچھی چیز ہے علی الخصوص جنگ میں۔ عجز اور کاہلی سے کس کا نام ہوا۔ ان دونوں خصلتوں سے ادبار اور رنج ہوتا ہے نصیب اور اقبال کام محنت کشی سے ہوتا ہے۔ صبر اور نصرت کو ایک دوسرے سے قریبی تعلق ہے۔ ثبات اور وقار سے مشکل کام سہل ہو جاتے ہیں۔" سب نے جواب دیا :-

سپاہیوں کا جواب

" ہم لوگ اب تک آپ کے ہمراہ رہے اور رضائے الٰہی کے لئے اس قوم سے جنگ کرتے رہے۔ ہمیں یقین تھا اور عمارؓ کی شہادت نے جو کچھ شبہ تھا وہ بھی دور کر دیا۔ ہم سب آپ کے سامنے کھڑے ہیں ہماری زبانوں پر لبیک ہے اور اس کے امیدوار ہیں کہ آپ کی فرمانبرداری کریں۔ "

علیؑ فیصلہ کن لڑائی لڑنے کو تیار ہیں

حضرت علیؑ نے اس اظہار اخلاص کا اعتراف کیا۔ تعریف کی اور گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ حضرت علیؑ کی تقریر اور آمادگی کہہ رہی تھی کہ وہ آج فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے آمادہ تھے۔ حضرت علیؑ کے سپاہیوں میں بھی یہ کیفیت پائی جاتی تھی کہ کسی طرح فیصلہ کن لڑائی لڑ کر خاتمہ کر دیا جائے عراق اور حجاز کی اٹھارہ ہزار تلواریں ذوالفقار کے پیچھے چمک رہی تھیں اور سپاہیوں کا عظیم الشان پر ہیبت دریا بہہ رہا تھا سپاہی اپنے سپہ سالار کے پیچھے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ حضرت علیؑ کے رجز کی آواز گونج رہی تھی۔ عدی ابن حاتم ہمراہ رکاب تھے معاویہ کے لشکر کے پاس پہنچ کر حجازی سپہ سالار دوبارہ اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہوا :۔

ایک مشترک حملہ

"سپاہیو! میں حملہ کروں گا تم اٹھارہ ہزار بہادر ہو، میرے حملے کے ساتھ ہی تم بھی حملہ کرنا کہ ایک کا حملہ سمجھا جائے۔"

حملے کا دشمن پر اثر

ذوالفقار نیام سے نکلی، چمکی، گری، ساتھ ہی اٹھارہ ہزار خون کے پیاسے حربے دشمنوں سے بغل گیر ہوئے۔ شام کے کشتوں کا ڈھیر ہو گیا۔ معاویہ کی صفیں غائب ہو گئیں۔ اس بے پناہ حملے کو دیکھ کر عمرو عاص خوفزدہ ہوا اور معاویہ سے کہنے لگا :۔

"اگر علیؑ نے ایک حملہ ایسا ہی اور کیا تو لشکر کا کہیں نشان نہ ملے گا۔"

مالک اشتر کی صورت

علیؑ کا قوت بازو مالک اشتر نخعی آج ایک بڑی دم والے (ابلق) گھوڑے پر سوار تھا۔ ہاتھ میں تیغ یمانی چمک رہی تھی اور قبیلہ مذحج کو للکار رہا تھا :۔

"ہاں، آل مذحج! اب تک خدا تم سے خوش نہیں ہوا۔ آج ہی کا دن ہے کوشش کرو۔"

اشتر کی جنگ دیکھ کر بڑے بڑے بہادر دنگ ہو گئے اس کی تلوار بجلی کی طرح چمک رہی تھی اور یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ اگر حضرت علیؑ کے بعد کسی کی شجاعت کا سکہ تھا اور لڑنے والے سامنے جاتے ہوئے ڈرتے تھے تو وہ یہی نائب سالار تھا۔ اس کے ہاتھوں میں متواتر شمشیر بازی سے کوئی ضعف معلوم ہوتا تھا اور نہ آگے بڑھنے کے حوصلہ میں کمی محسوس ہوتی تھی۔ موت کا خوف یا زخم کی جھجک اس کے لئے پیدا نہیں کی گئی تھی۔

نماز عصر کا وقت آ گیا لیکن لڑائی کے جوش میں کمی نہ ہوئی۔ اس وقت حضرت علیؑ نے کہا :۔

علیؑ کا حکم

"آج جنگ سے پیٹھ پھیرنا دین سے روگردانی ہے، اپنے کام میں مصروف رہو۔ توقف نہ کرو۔"

حضرت علیؑ کی آواز سن کر سب سے پہلے جس شخص نے حملہ کیا اس کا نام ابوالہاشم بن تیہان تھا یہ بہادر لڑتے لڑتے شہید ہوا، اور بھی بہت سے بہادر کام آئے۔ حضرت علیؑ کے بہت سے سپاہیوں نے دیکھا کہ معاویہ ایک بلندی سے

سے تماشہ دیکھ رہا ہے یہ لوگ بڑھے اور اسے ٹیلے سے ہٹا دیا۔ سواروں کے گھوڑے مارے گئے نشان گر گئے، گرد و غبار میں کسی کی صورت نہ پہچانی جاتی تھی۔ جوش نے فریاد کی طرف سے کان بند کر دیئے تھے۔

علی نے پانچ سو تیئیس تکبیریں کہیں

رات ہو گئی سپاہیوں کے دماغ میں وہی خیال بسا ہوا تھا۔ ہتھیار بیکار ہو گئے لیکن لڑائی نہ رکی۔ اس روز حضرت علیؑ برابر لڑ رہے تھے اور جب کسی کو قتل کرتے تو نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس شب کو پانچ سو تیئیس مرتبہ تکبیر کہی۔ حضرت علیؑ کے ہر حملے کے ساتھ حجازی اور عراقی بھی جان توڑ حملہ کر رہے تھے۔ یہ نوبت پہنچا دی کہ لشکر شام میں ہر طرف سے فریاد بلند ہو گئی۔ رات گزر گئی۔ صبح ہوئی، لڑائی نہ تھمی، لاشوں کے ڈھیر اور زخمیوں کی فریاد اور کچلے ہوئے سپاہیوں کی چیخیں بڑھتی گئیں۔ بھوکے پیاسے بہادروں نے کھانے پینے کا نام نہ لیا۔ صرف دشمن کی جان اور خون کی بھوک پیاس ہے، گرم دعوت ہو رہی ہے۔ حضرت علیؑ کا ہر سپاہی اس پر آمادہ ہے کہ دشمن کی صف میں کوئی ہتھیار اٹھانے والا باقی نہ رہنے پائے۔

علیؑ کے سپاہیوں کا جوش

معاویہ حضرت علیؑ کے سپاہیوں کا اخلاص اور جوش دیکھ کر انگشت بدنداں ہے جس کے پیدا کرنے کے لئے پیرہن عثمان دکھانے گئے۔ کسی تصنع یا لالچ کی ضرورت نہ تھی وہ دیکھ رہا تھا کہ شامی فوج کا الک کے سامنے ستھراؤ ہو رہا ہے۔ مالک بہادر مالک آج امیر شام کے خیمہ کے پاس پہنچ چکا ہے آج کی آخری ضرب ان خیموں کو صفین میں رکھنے کی روادار نہ تھی۔ شام کی طرف رخ ہونے میں کوئی دیر نہ رہ گئی تھی۔ کیسا ہی تیز فہم سپاہی یہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ حضرت علیؑ کی فتح ہونے اور معاویہ کی قوت کے خاتمہ میں کوئی شبہ کی گنجائش ہے۔

معاویہ کی گھبراہٹ

اس گھبراہٹ میں معاویہ نے عمرو عاص سے کہا:۔

حیلہ قرآن

" یا ابا عبداللہ! آج کوئی حیلہ سوچ، نہیں تو اگر تھوڑی دیر اسی طرح اور لڑائی ہوئی تو کہیں ہمارا نشان نہ ملے گا۔ عمرو عاص نے کہا:۔ اس سے بہتر کوئی ترکیب نہیں معلوم ہوتی کہ جن سپاہیوں کے خیمہ میں قرآن ہے ان سے کہہ کہ وہ اپنے نیزوں پر باندھیں اور آواز دیں کہ ہم اس کے موافق عمل کرنا چاہتے ہیں لڑائی بند کر دو "

بقول ابن خلدون نے عمرو عاص نے یہ بھی کہا تھا کہ " مانا خوب اختلاف . . . . . . جب بھی مفید "

قرآن اور نیزہ کا ربط

معاویہ نے اس اصلاح کو منظور کیا اور فوج کو حکم دے دیا گیا۔ گھبرائے ہوئے سپاہی قرآن اور نیزہ میں ربط دینے لگے۔ تھوڑی دیر میں تین چار ہزار سپاہی اس تعجب خیز طریقہ سے فریاد کرنے لگے۔ عبداللہ ابن عباس نے یہ دیکھ کر بہت صحیح کہا کہ لڑائی ختم ہوئی اور مکر شروع ہوا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اشعث ابن قیس

جواب تک حضرت علیؑ کے لشکر کا ایک سردار تھا۔ آگے بڑھا، حضرت علیؑ کے پاس آیا اور دیکھا کہ سپہ سالار جوش سے لڑ رہا ہے اور لوگوں کو آمادۂ جنگ کر رہا ہے، اشعث نے کہا:۔

اشعث ابن قیس کندی علیؑ کو دھمکاتا ہے

" یا امیر المومنین! ذرا ٹھہر جائیے، جہاں تک ممکن تھا اس جنگ میں کوشش کی۔ ابتدائے جنگ میں آپ نے کہا تھا کہ اس وقت تک لڑوں گا جب تک یہ راہ راست پر نہ آجائیں۔ اب یہ باز آئے اور کتاب خدا کا واسطہ چاہتے ہیں ان پر رحم لازم ہے اگر میری بات نہ سنی تو یاد رکھیئے کہ اہل عراق میں سے کوئی کماندار ایک تیر بھی آپ کے حکم سے نہ چلائے گا۔"

حضرت علیؑ نے جواب دیا:۔

علی غلطی بتاتے ہیں اور فریب سے مطلع کرتے ہیں

"اے اشعث! تو خود جانتا ہے کہ اس جنگ سے ہماری غرض بجز ان کی ہدایت کے اور کچھ نہیں۔ اس قوم پر تجھے جو گمان ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ ہم نے اور تو نے کتنی مدت تک انہیں نصیحتیں کیں لیکن اس کا اثر نہ ہوا۔ اس وقت جب وہ مغلوب ہوئے ہیں اور ہماری فتح ظاہر ہے تو یہ لوگ عجز و انکساری کر رہے ہیں ان کی باتوں سے فریب میں نہ آ، کہ دوسرے دھوکہ کھائیں۔ تھوڑی دیر صبر کر اور جو کوشش کر رہا ہے اس میں تساہلی نہ کر۔"

" یا امیر المومنینؑ ہم سے نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ خدا کی کتاب کو درمیان لا رہے ہیں ان پر ہم تلوار کھینچیں۔"

بقول ابن خلدون حیلہ قرآن پر حضرت علیؑ نے کہا:۔

" اے اللہ کے بندو اپنا حق حاصل کرنے کے لئے بڑھو اور دشمن سے جنگ کرنے میں تامل نہ کرو۔ کیونکہ معاویہ اور ابن عاص، ابن ابی معیط اور حبیب، ابن ابی سرح اور ضحاک نہ صاحب دین ہیں نہ صاحب ایمان۔ ہم ان کی حالت سے بخوبی واقف ہیں۔ ہم ان کے لڑکپن اور بڑے ہونے کے بعد بھی ان کے ساتھ رہے ہیں۔ لڑکپن میں وہ نہایت شریر لڑکوں میں تھا اور سن شعور پر پہنچ کر بھی بجید شریر آدمیوں میں ہوا۔ افسوس ہے مجھ کو، سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان لوگوں نے قرآن شریف کو براہ مکر و فریب اٹھایا ہے۔"

(نیز الطبری، ج ۶ ص ۲۷)

بیس ہزار مخالف سپاہیوں نے علیؑ کو گھیر لیا

سفیان ابن ثور البکری نے اہل عراق کو مخاطب کر کے ہتھیار روک لینے کو کہا اور تھوڑی دیر میں بیس ہزار مسلح سپاہی حضرت علیؑ کے گرد ہو گئے اور کسی نے کہا:۔

علیؑ کو گرفتار کرنے کی دھمکی

یا امیر المومنینؑ! ہم نے عثمان کو اس لئے قتل کیا کہ ان سے کتاب خدا کے خلاف ظہور ہوا

آج یہ لوگ کتاب خدا کی طرف آپ کو بلاتے ہیں ان کی بات سنیئے اور زیادتی نہ کریں۔ اگر ہماری بات نہ سنی تو ہم موافقت نہ کریں گے، بات نہ سنیں گے اور آپ کو گرفتار کر کے معاویہ کے حوالہ کر دیں گے۔"

حضرت علیؑ نے جواب دیا:۔

" اے قوم! کیا وہ پہلا شخص جس نے قرآن قبول کیا میں نہیں ہوں؟ میں اس واقعہ کے اول و آخر میں برابر یہی کہتا رہا اور انہیں کتاب خدا کی طرف بلایا۔ مجھ سے نہ کہنا چاہیئے کہ کتاب خدا سے عدول کیا۔ اس گروہ کے ساتھ ابتدا سے میرا یہی قول تھا، اب بھی ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ کل حاکم تھا آج محکوم ہوں، کل منع کرتا تھا آج منع کیا جاتا ہوں۔ میں اب کوئی بات نہیں کہہ سکتا کیونکہ تمہارے اختلاف کو دیکھ رہا ہوں اور تم سے کہہ رہا ہوں کہ یہ معاویہ کا حیلہ ہے اور وہ اس ترکیب سے بچنا چاہتا ہے لیکن تم حکم نہیں مانتے اور الٹے مجھے متہم کرتے ہو۔ تم لوگ اب لڑائی سے سیر ہو گئے اگر تمہیں کراہت ہے تو میں زبردستی نہیں کرتا۔ جو بات مناسب تھی میں نے کہی۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہے اگر میرے کہنے پر عمل کرو گے راہ راست پاؤ گے اور اگر ہوائے نفس کے حکم پر جاتے ہو تو میں تمہیں روک نہیں سکتا۔"

مالک کی واپسی

"لیکن مالک اسی طرح جنگ کر رہا ہے کسی کو بھیج کر اسے طلب کیجئے۔"

"حضرت علیؑ نے ایک شخص یزید ابن ہانی کو مالک کے پاس بھیج کر کہلوایا:۔

" واپس آجاؤ یہاں نیا فتنہ کھڑا ہو گیا ہے۔"

حضرت علیؑ کا قاصد دیکھ کر بہادر اشتر سمجھے ہوں گے کہ سپہ سالار نے کوئی فوجی حکم بھیجا ہے۔ خیال کیا ہوگا کہ ایک آخری بیان توڑ کوشش کے لئے کہلوایا ہے۔ قاصد کو دیکھ کر بغیر کچھ پوچھے کہا:۔

اب تھوڑی دیر میں دشمن کو متفرق کیا چاہتا ہوں۔ دیر نہ ہوگی کہ خدا کے فضل سے فتح حاصل ہوگی۔"

سفیر کا پیغام اب اور جانکاہ ہو گیا تھا اسے یہ کہنے کی ہمت نہ ہوئی ہوگی، کہتے ہوئے سانس رک رہی ہوگی کہ:۔

" اگر جلدی نہ کی تو علیؑ کو زندہ نہ پاؤ گے۔"

دشمن کی فریاد اور قرآن کے حیلہ کو اشتر نے بھی دیکھا تھا لیکن مکر کو سمجھ کر انہوں نے ہاتھ نہیں روکا تھا اور نتیجہ کے لئے جلدی کر رہے تھے۔ قاصد کے اس خوفناک پیغام نے اس جانباز کو سب کچھ سمجھا دیا۔

اس بہادر کے غم اور غصہ کے لکھنے کے لئے جادو بیان قلم بھی عاجز ہو جائے گا۔ ایک بہادر سپاہی سے اس کی فتح، نام آوری اور خوشی اس وقت زبردستی چھینی جا رہی ہے۔ جس وقت ان کل چیزوں کی مجسم عملی شکل اس کی نگاہ کے سامنے پھر رہی تھی۔ اشتر کی شجاعت جو میدان میں ظاہر ہو رہی تھی۔ اس سے زیادہ اس نے اپنے اخلاص اور قلب کی قوت ظاہر کی

صلاح حکم

"یا علیؑ، قرآن کے موافق عمل کرو اگر ایسا کیا تو ہم میں اور تم میں موافقت ہو جائے گی اور یہ فتنہ ختم ہو جائیگا مصلحت یہ ہے کہ ہم لوگ دو حکم نصب کریں۔ ایک ہماری طرف سے ہو اور ایک تمہاری طرف سے کہ وہ مطابق کتاب خدا اور رسولؐ حکم کرے،،

باغیوں نے آواز دی :-

"ہم حکم قرآن پر راضی ہیں"

غیر قوم مؤرخین فتح کی شکست پر

مسٹر گبن کہتے ہیں :-

"امیر شام بھاگنے کی تیاری کر رہا تھا۔ لیکن یہ یقینی فتح فوج کے جوش اور نافرمانی کی بدولت علیؑ کے ہاتھ سے چھین لی گئی .... اور علی مجبور ہوئے کہ اس صلح اور عیارانہ فیصلے کو منظور کریں وہ رنج اور حقارت آمیز غصے سے کوفہ واپس گئے۔"

مسٹر واشنگٹن اردینگ کہتے ہیں :-

"اشتر انہیں (شامیوں کو) دباتا ہوا خیموں کے قریب لئے جا رہا تھا........ قرآن .... علیؑ کے سپاہیوں نے تلواریں پھینک دیں۔ علیؑ نے ان سے کہا کہ یہ فریب ہے اور انہیں لڑائی پر آمادہ کیا۔ لیکن ان لوگوں نے انکار کیا۔ اشتر کو بلا لیا جس وقت اس کے خنجر سے خون ٹپک رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اسے شاندار فتح سے دھوکہ دیا گیا۔،،

علامہ جرجی زیدان تمدن اسلام میں تحریر فرماتے ہیں :-

"قریب تھا کہ علیؑ کے طرفدار فتح مند ہو جائیں اور معاویہ کو شکست اٹھا کر ہمیشہ کے لئے اپنے دعاوی سے بالآخر دستبردار ہونا پڑا کہ عین اسی حالت میں........ عمرو عاص نے ایک چال چلی جس نے خلافت کو اہل بیت نبوی سے نکال کر بنو امیہ کے قبضہ میں کر ہی دی ...... قرآن کو نیزوں کی انیوں میں لٹکا کر بلند کیا........ ہر چند علیؑ نے سمجھایا کہ یہ دشمن کا فریب ہے ...... مگر انہوں نے نہ مانا۔،،

سازش کا دوسرا مرحلہ

معاویہ نے اپنی طرف سے عمرو عاص کو حکم مقرر کیا اور وہ لوگ حضرت علیؑ کے مخالف ہو گئے تھے اور جنہیں مؤرخین خوارج کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کر رہے تھے۔ حضرت علیؑ نے ابو موسیٰ کا حکم منظور نہ کیا اور عبداللہ ابن عباس کو تجویز کیا لیکن خوارج نے ابن عباس کو اس وجہ سے قبول نہ کیا کہ "ان کا فعل عین علیؑ کا فعل ہے،، اس کے بعد حضرت علیؑ نے مالک اشتر کو حکم تجویز کیا لیکن اسے بھی قبول نہ کیا اور کہا یہ نہایت سختی سے جنگ کر رہے تھے اب حضرت علیؑ دوبارہ اپنی مجبوری دیکھنے لگے اور انہوں

نے عام مجمع کو مخاطب کر کے کہا :-

" جب تم میری صلاح نہیں کرتے تو جو چاہو کرو "

اس موقع پر ہم اعثم کوفی کی وہ عبارت یاد دلاتے ہیں جس میں خالد ابن معمر کو معاویہ نے امیر خراسان بنانے کا پیغام بھیجا تھا اور روضۃ الصفا کے اس مضمون پر توجہ دلاتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے لشکر کے اکثر سرداروں کو معاویہ نے رشوت دی تھی اور اشعث بن قیس کندی سے ایک لاکھ درہم کا وعدہ کیا تھا ہم وہ عبارت بھی پھر سے یاد دلاتے ہیں جس میں علامہ جرجی زیدان نے ظاہر کیا ہے کہ معاویہ علیؑ کے دوستوں کو ملانے کے لئے طرح طرح کی چالیں چلتے تھے ۔

مالک اشتر کا کردار

طے یہ کیا گیا کہ آٹھ مہینہ کے بعد دومتہ الجندل میں دونوں حکم جمع ہوں ان کے ساتھ چار چار سو سپاہی ہوں ۔ اور یہ اس مقام پر تجویز نائیں اس عہد نامہ پر مالک اشتر نے تعجب سے دستخط نہیں کئے شرائط عہد نامہ یہ تھے کہ قرآن کے موافق حکم کریں گے ۔ عمرو عاص اور ابو موسیٰ کی پیروی لازم ہوگی اور انہیں ہر طرح کا امن حاصل ہوگا

آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ

اس عہد نامہ کے لکھے جانے کے وقت استادؐ اور شاگردؑ کے واقعات میں تعجب خیز موافقت ہوئی ۔ صلح حدیبیہ کے وقت مشرکین قریش نے عہد نامہ میں " رسول اللہؐ " کا لفظ قبول نہ کیا ۔ اس وقت ابو رافع کے دادا " امیر المومنین " لکھنے پر ویسا ہی اعتراض کیا گیا ۔ اس عہد نامہ کا ایک نسخہ ابو رافع نے اہل شام کے حوالے کیا اور عمر بن عباد الکلبی معاویہ کے منشی نے ایک نقل عراقیوں کو دی ۔

وداع کی خواہش

کہا گیا ہے کہ ابو موسیٰ کی استدعا پر حضرت علیؑ نے شریف بن ہانی کو پانچ سو سواروں کے ساتھ دومتہ الجندل روانہ کیا اور احنف ابن قیس بھی ساتھ رہا ۔ معاویہ نے عمرو عاص کو روانہ کیا اور شرجیل ابن سمط الکندی کو ساتھ کیا ۔ شرجیل نے احنف اور شریف کو دیکھ کر ابو موسیٰ سے کہلوایا کہ جو لوگ تیرے وداع کرنے کو آئے ہیں انہیں وداع کر دے ۔

احنف ابن قیس ابو موسیٰ کو سمجھاتا ہے

رخصت ہوتے وقت احنف نے ابو موسیٰ کو عمرو عاص کے مکر، خوش معاملگی کی نیک نامی اور دھوکہ کھانے کی بدنامی کے متعلق ہدایتیں کیں ۔ خودداری کا برتاؤ کرنے کے لئے کہا ۔ سمجھایا کہ خوشامد سے مغلوب نہ ہو جائے یا ایسے موقع پر بات نہ کرے جہاں اس کا خطرہ ہو کہ عمرو عاص نے کسی کو بٹھا دیا ہو اور وہ سن کر گواہی دے ۔ ابو موسیٰ احنف کی باتوں کو قبول کرتا ہوا معلوم دیا اور یہ اپنی دانست میں سمجھا کر حضرت علیؑ کے پاس چلا گیا ۔

عمرو عاص اور ابو موسیٰ

عمرو ابن عاص دومتہ الجندل پہلے پہنچا اور جب ابو موسیٰ داخل ہوا تو عمرو عاص نے استقبال

کیا۔ اپنے خیمے میں لاکر اپنے بستر پر بٹھایا اور نہایت لطف سے دونوں نے ناشتہ کیا اس کے بعد دونوں کا یہی معمول ہو گیا جب اس طرح کئی دن گزر گئے تو منتظر لوگوں نے کہا:۔

"ہمیں خوف ہے کہ تم لوگ معاملہ کو طول دے دو گے اور ہمیں پھر جنگ کے لیے آمادہ ہونا پڑے گا۔"

دونوں میں گفتگو

ایک روز عمرو عاص ابو موسیٰ کے پاس گیا اور پوچھا کہ تم نے اس معاملہ کی نسبت کیا رائے قائم کی دونوں میں دیر تک گفتگو رہی آخر عمرو عاص نے کہا:۔

مناسب یہ ہے کہ ہم اور تم معاویہ اور علیؑ دونوں کو خلافت سے بری کر دیں اور لوگ جسے چاہیں، خلیفہ کریں۔

"یہ بہت مناسب ہے"

تو کل دوشنبہ کا دن ہے لوگوں کو اطلاع دے دی جائے کہ سب ایک جگہ جمع ہوں اس وقت ہم لوگ اپنی رائے ظاہر کریں۔

بزرگی کی بنا پر پہلے ابو موسیٰ منبر پر تشریف لے گئے

ابو موسیٰ اس پر بھی راضی ہوا دوسرے روز وہ وقت آیا کہ دونوں حاضرین پر اپنے اپنے طے شدہ خیالات ظاہر کر دیں۔ سوال یہ تھا کہ پہلے کون منبر پر جائے۔ عمرو عاص نے کمال خلق اور قدر شناسی سے ابو موسیٰ کی بزرگی کا اقرار کیا اور پہلے اسے منبر پر بھیجا اس نے کہنا شروع کیا:۔

خوارج کا وکیل علی کو خلافت سے برطرف کرتا ہے

ایہا الناس! اس امت کے واسطے ہماری رائے میں کوئی امر اس سے بہتر معلوم نہیں ہوتا جس پر ہم لوگ متفق ہو گئے ہیں وہ یہ بات ہے کہ علیؑ اور معاویہ کو خلافت سے برطرف کر دیں تم لوگ منظور کرو اور جسے چاہو خلیفہ بنا لو"

اب عمرو عاص منبر پر گیا اور کہنے لگا:۔

"تم نے سنا کہ اس شخص نے علیؑ کو خلع کیا اور میں بھی یہی کرتا ہوں اور مقرر کرتا ہوں اپنے صاحب کو کیونکہ یہ مقرر کردہ عثمان ہے اور ان کے خون کا طالب ہے اور سب سے زیادہ حق رکھتا ہے ان کی قائم مقامی کا"

علیؑ کی نافرمانی پر لوگوں کو دوبارہ ندامت

عمرو عاص کی تدبیری فتح پر اہل شام نے حجازیوں پر طعن شروع کیا، مضحکہ ہوا۔ اس وقت اکثر لوگ جو علیؑ کے حکم سے نافرمانی کر چکے تھے وہ دشمن کی سخت کلامی سے افسردہ ہوئے اور انہیں حضرت علیؑ کے حکم نہ ماننے کا افسوس ہوا۔ ابو موسیٰ کو صلواتیں سنائیں لیکن یہ سب اپنی غلطی کی جھلاہٹ تھی۔

واقعہ صفین کے بعد ہی حضرت علیؑ اور معاویہ کوفہ اور شام روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؑ نے اپنے تمام عاملوں کو اپنے

کہ حضرت علیؑ کی مخدوش حالت سُن کر میدان سے واپس آنا منظور کر لیا۔ راستے میں حضرت علیؑ کا دوست غصہ سے سر ہلاتا جاتا ہے اور کہہ رہا ہے :۔

" اے گروہ نفاق! یہ کیا بیہودہ بات ہے کہ جس وقت دوستوں کی مراد بر آئی اس وقت فتنہ کھڑا کر دیا۔ عمرو عاص کے فریب میں آ گئے اور ہمیں عین معرکہ سے بلا لیا "

اسی عالم میں حضرت علیؑ کے قریب پہنچے، نہیں معلوم اس نے اس وقت علیؑ کا کیسا چہرہ دیکھا ہوگا، نہیں معلوم علیؑ نے اپنے اس دوست کو کن آنکھوں سے دیکھا ہوگا۔ اسے دیکھ کر اشعث نے کہا :۔

" اے مالک کل ہم خدا کے لئے لڑتے تھے آج اسی کے لئے ترک کرتے ہیں ۔"

مالک اشتر کی بیقرارانہ التجا

اشتر کا یہ جواب قریب قریب دردانگیز اور ملتجیانہ تھا کہ :۔

" اے اشعث خدا کے لئے یہ نہ کہہ اور اپنے کو دھوکہ نہ دے۔ مجھے تھوڑی دیر مہلت دے کہ ہم لوگوں کی مراد بر آئی ہے اور فتح ہوا چاہتی ہے "۔

اشعث نے کہا :۔

" اے اشتر اگر آج تجھے لڑنے دیا تو اس برائی میں ہماری بھی شرکت سمجھی جائے گی۔ "

اشتر نے جواب دیا :۔

" اکابر مارے گئے اور اراذل رہ گئے۔ تم سب پہلے حق پر تھے اب گمراہ ہو گئے۔ مجھے یقین تھا کہ تمہاری پیشانی کے گھٹے عبادت کے نشان ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ تم ہوائے نفس میں مبتلا ہو۔ کاش تم بھی فرعون کی طرح ہلاک ہوتے کہ تمہاری محبت کے الزام سے ہمیں رہائی ملتی ! "

مالک اور اشعث

مالک اور اشعث میں گرم الفاظ کا تبادلہ ہوا۔ اشعث نے مالک کے گھوڑے پر تازیانہ مارا مالک نے بھی جواب میں تازیانہ مارا۔ اب اشتر کے قبیلے کے لوگ اس کی طرف اور کندہ والے ایک طرف ہو گئے۔ موقع نہایت مخدوش تھا۔ بھاگا ہوا دوست ہنستا، ہمت کرتا اور باغی گروہ سے مل کر تھوڑے سے ساتھ دینے والوں کو نیست و نابود کر دیتا۔ حضرت علیؑ فوراً درمیان میں آ گئے اور اشتر سے کہا :۔

علیؑ کی مداخلت

اشتر خاموش رہو کہ ہمارے اور تمہارے بولنے کی جگہ نہیں ہے جو کچھ ان لوگوں کی مصلحت ہے ہمیں اس پر راضی ہونا ہوگا "

اتنے میں ابوالاعور اسلمی معاویہ کی طرف سے ایک قرآن لئے ہوئے حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا :۔

خوارج کے انکار حکمین پر :-

" اس وقت میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ ایسا امر ہے جو ظاہراً تو ایمان معلوم ہوتا ہے مگر اس کے باطن میں ظلم اور حیلہ و فریب ہے اس کا اول تو یہ ہے کہ تم ان پر رحم کرو اور آخر یہ ہے کہ تمہیں پشیمانی اور ندامت نصیب ہو۔ تم اپنے کام میں مشغول رہو .... جب ہم رسولِ خدا کے ساتھ رہتے تھے اور باپ، بیٹوں، بھائیوں اور عزیزوں کے درمیان سلسلۂ قتال جاری تھا۔ اسی حالت میں ہم نے ہر ایک مصیبت و شدت پر جس چیز کو مقدم رکھا وہ ایمان تھا وہ حق پر گزر جانا تھا وہ امر خدا کے لئے گردن جھکا لینا تھا۔ وہ سخت سے سخت جراحتوں پر صبر کرنا تھا اب ہم نے اس حالت میں صلح کی کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ دین اسلام میں اس شے پر مقابلہ کرتے تھے جو دین ایمان میں داخل ہو گئی تھی وہ کیا چیز تھی ؟ انحراف از حق کجی از راہ است۔ اشتباہ حق و باطل، تاویل قرآن بمعانی باطلہ اور جس زمانہ میں ہم نے صلح کی کہ شاید پروردگار عالم اسی کے سبب سے ہمارے امور متفرقہ کو جمع کر دے ہم سب اس کے سبب سے بقیہ دین و شریعت اسلام کے نزدیک ہو جائیں جو ہمارے درمیان باقی ہے ہم نے اس کی طرف رغبت ظاہر کی اور اس کے دوسرے رخ (جنگ) سے اپنے آپ کو باز رکھا۔ "

صفین پر تبصرہ

معاویہ اور علیؑ کے واقعات لکھے جا چکے۔ مشکل سے ان میں کوئی نئی بات ملتی ہے جس پر بحث کی ضرورت ہو۔ اور وہ پیشتر بیان نہ کی جا چکی ہو۔ مغیرہ ابن شعبہ کی مصلحت کے مقدمین پھر سے توجہ کریں کہ موافق ابن خلدون حضرت علیؑ ۳۵ھ میں خلیفہ ہوئے۔ جنگ جمل ۳۶ھ میں ہوئی اور اس کے بعد واقعہ صفین ہوا یعنی اتنا وقت جس قدر معزول نہ کرنے کے لئے قرار دیا گیا تھا، گزر گیا، اس طرح نہ گزرا جس میں معاویہ نے نزاعی روش کے لئے تیار ہونے اور حضرت علیؑ نے اصلاح اور دفاعی روش کے اختیار کرنے میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہو، نہ معاویہ نے ، حامیان مغیرہ کے بقول اپنا معزول ہونا گوارہ کیا اور باوجود متواتر فہمائشوں کے ان کی سمجھ میں آیا کہ حکومت سے دستبردار ہو جانے کے لئے صرف سفارتی طریقے اور حق و باطل کو سمجھ لینا اور اس پر عمل کرنا کافی ہے بلکہ اس کی سیاست بہت کچھ عمرو عاص کے ان لفظوں میں ہے جو اس نے اپنے بھائی سے ظاہر کی تھی کہ " کار دنیا حکم تقدیر سے وابستہ ہیں، یہ معاویہ اور علیؑ کے ہاتھ میں نہیں۔ میں نے کوشش کی ہے شاید راس ہو جائے "، اس کے لئے اب ضرورت نہ تھی کہ وہ خلیفہ جمہور کی رائے اور حکم کا تابع ہوتا۔ تابع ہونے سے فوراً حکومت جاتی اور سرکشی کرنے سے کم سے کم اس وقت تک حکومت رہتی جب تک کہ ایک کامل شکست اسے کامیابی سے ناامید نہ کر دیتی۔

اس کے لئے یہ سوچنا تھا کہ ایک ایسے قوی الاقتدار شخص کے سامنے جو خلیفہ جمہور کہا جا رہا ہے۔ قائم رہنے کے

کون سے ذرائع ہیں۔ یہ سوچنے کی ضرورت تھی کہ وہ ذرائع کس طرح فراہم ہو سکتے ہیں اور کس طرح استعمال کئے جا سکتے ہیں۔
معاویہ کو جنگ جمل نے تھوڑی سی فرصت دی اس نے دیکھا کہ حضرت عائشہ کس بہانہ سے علی کے مقابل آئیں اور کون سے لوگ دعوائے انتقام کر رہے ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ خود عثمان کے خلاف ابھارنے والوں کا یہ قول کہ علیؑ قاتلانِ عثمان ہیں"، "یا قاتلان عثمان کو حوالے نہیں کر دیتے"، لوگوں پر اثر کر گیا اور حضرت علیؑ کے کل منصفانہ جواب اس قابل نہ ہوئے کہ وہ جمل کے لوگوں کو منتشر کر دیتے۔ اسے ضرورت نہ تھی کہ وہ خواہ مخواہ دخل دیتا اور اپنی آئندہ قسمت کے فیصلے کے لئے اس واقعہ پر گہری نظر نہ ڈالتا، خاموش دیکھتا رہا۔

معاویہ کی جرأت کا پس منظر

اسے خلیفہ ہوتے ہی یہ خیال ہو گا کہ کوئی عامل شام آیا چاہتا ہے۔ خبریں ملیں کہ عمال بھی اختیار سے دستبردار ہونے کے لئے آمادہ نہیں اور انہوں نے مل کر علیؑ کو بے اختیار کرنے کی کوشش کی ہے انہیں شکست ہوئی اور اب اس میں شبہ ہی نہ رہا کہ ہم نے علیؑ کا عامل واپس کر دیا۔ حضرت علیؑ کو باغی عاملوں پر فتح ہوئی اب وہ ضرور نہایت سختی سے ہماری طرف رخ کریں گے۔ کمزور اسباب کے لوگ کوشش کر سکتے تھے یہ کیوں نہ کرتا۔

معاویہ اور عائشہ

اصحاب جمل کا مرکز اعتقادی حیثیت سے جو دعویٰ کر سکتا تھا۔ معاویہ کے پاس ایسا کوئی بہانہ نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ام المومنین کو جس خیال سے دیکھتے ہیں۔ ہم اس طرح نہیں دیکھے جا سکتے۔ لیکن صرف یہ دیکھنا اس کے لئے ہمت شکن نہ تھا۔ جب کہ وہ یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ کا ذاتی تقدس اور فضائل تخت نشین اور صاحب اختیار خلیفہ کے سامنے بھلا دیا جا سکتا ہے۔ وہ اس سے بھی واقف تھا کہ تخت پر بیٹھ جانا عام نگاہوں میں دفعتہً تمام دنیا کے تقدس اور فضائل کا پتلا بن جانا ہے۔ وہ اس سے بھی باخبر تھا کہ عثمان کا قتل کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن بحیثیت قتل عبرت خیز تھا وہ اس کو بھی جانتا تھا کہ بنی امیہ کئی برس سے حاکم ہیں اور عثمان کے اہل قبیلہ ہیں۔ قبیلہ زبردست قبیلہ ہے جو انتقام پسندی کے جذبہ سے خالی نہیں ہے۔

عثمان کی تلوار علی کے خلاف کھینچنے کے معنی

عثمان خلیفہ تھے ان کا یہ تقدس کم نہ تھا جو کام میں نہ لایا جا سکتا۔ عثمان نے معاویہ کو امیر شام قائم رکھا تھا۔ یہ حق دکھایا جا سکتا تھا۔ بنی امیہ ساتھ تھے۔ واقعہ قتل کی اثر خیزی کا رنگ چڑھایا جا سکتا تھا۔ زرخیز شام کا علاقہ رسد کا سامان فراہم کر سکتا تھا۔ لوگ ایک زمانہ سے تابع تھے۔ جو انتقام میں دلچسپی ظاہر نہ کرتا۔ اس کے لئے ملک، مال، عزت اور حمیت کا واسطہ تھا۔ لشکر کی حرکت کو تقدس میں لپیٹنے کے لئے عثمان کی تلوار آگے کر دی گئی تھی۔ جس کے معنی یہ تھے کہ ہم انہیں اور ان کے رفقاء کو قتل کرنے جا رہے ہیں۔ جنہوں نے حتی الوسع عثمان کی جان بچانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا ان کا خون بہائیں گے

جنہوں نے محاصرہ کی سختی میں عثمان کو پانی پلایا تھا۔ معاویہ کمزور رگ و پے کا آدمی نہ تھا، جسے اس خیال سے تھراہٹ ہوتی کہ وہ ایک خلاف عقل و انصاف لڑائی کے لئے ہزاروں بے گناہوں کو قتل کرانے لے جارہا ہے بلکہ وہ اس کینڈے کا مدبر تھا جو اپنی مصلحت پر عام اس سے کہ وہ اخلاقی حیثیت سے کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ ہزاروں کو قتل کرا دینا متین تبسم سے دیکھتا ہے، اپنی کامیابی اسے خوش کرتی ہے۔

اس کی کوششیں اس معنی میں قابل تعریف ہونے کا کوئی عکس نہیں رکھتیں کہ اس میں ان لوگوں کی جان، مال، عزت، آزادی کے قائم رکھنے کا جوش تھا۔ جن پر ایک غیر قوم کا جابر اور ظالم بادشاہ ان کے حقوق غصب کرنے کی غرض سے حملہ کرنا چاہتا تھا۔ نہیں، بلکہ یہ سب اپنے لئے تھا اور اس کے لئے لوگوں کو ان کے فوائد سمجھاتا تھا۔ درانحالیکہ ان کے فوائد ہرگز معرض زوال میں نہ تھے بلکہ حملہ آور کا قصد صرف یہیں تک محدود تھا کہ حوصلہ مند خود غرض اور خلاف راستی افعال کا عامل معزول کر دیا جائے اور اس کی جگہ ایسا شخص حاکم مقرر کیا جائے جو خلیفہ کا مطیع ہو اور رعایا کا گمراہ کرنے والا نہ ہو۔

علی معاویہ پر حملہ کے لئے مجبور نہ تھے نہ اہل شام پر

میں کہہ رہا ہوں کہ خلیفہ کا مطیع ہو۔ یہاں میں خلیفہ اور حضرت علیؑ کے الفاظ کو مترادف حیثیت سے استعمال کر رہا ہوں۔ کون علیؑ؟ رسولؐ کا شاگرد، یعنی اس سیاست کا پیرو، جسے اسلام اور اس کا مدبر شاگرد جسے بانی اسلام کہتے ہیں۔ میں یہاں دو مختلف سیاستوں کی رفتار میں حد بندی کر رہا ہوں۔ ایک وہ جس کا ماخذ اسلام تھا جس میں سیاست کا وہ مفہوم نہ تھا جو بالعموم مدبرین کے نزدیک تھا۔ یہ سیاست باوجود نقصان کے بھی مدبرین کی سیاست کے مفادوم میں آلودہ نہیں کی جاسکتی تھی اس کا پیشرو اصول صفائی معاملت انصاف اور سچائی تھی۔ یہ رحلت رسولؐ تک قائم رہی۔ رحلت رسولؐ کے بعد ہی اس میں تغیر ہوا دنیا دین پر غالب آگئی۔ پہلی قسم کی سیاست میں عام طبائع کے لئے دلچسپی کے ویسے سامان نہ تھے جیسے دوسری قسم کی سیاست میں جہاں حدود درود ڈالی جاسکتی ہیں۔ اس لئے اول الذکر مصلحت کے لوگ کم تعداد اور آخر الذکر میں بہت زیادہ تعداد کے تھے۔

یہی کمزوری علیؑ کی تھی۔ اگر کوئی اسے کمزوری کہنے کی جرأت کرے۔ اسی سلسلے میں یہ بھی کہہ دینا ہوگا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہی حضرت علیؑ خلیفہ ہوتے تو نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاست قائم رہتی اور حضرت علیؑ آسانی سے حکومت کر سکتے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے اپنے خلیفہ ہونے تک لوگوں کو جس رنگ میں رنگا ہوا دیکھتے تھے اس رنگ کے اتارنے میں ان دشواریوں کا سامنا نہ ہوتا۔ مختصر لفظوں میں حضرت علیؑ کا زمانہ خلافت انہیں دو سیاستوں کی لڑائی تھی۔ جس کی نسبت حضرت علیؑ کا یہ خیال تھا کہ "اگر میری خلافت و امارت کے پاؤں لڑائیوں کی لغزش کرنے والے مقامات سے قرار پا گئے تو بیشک بدعتوں کو متغیر کر دوں گا۔" اسی کے لئے جان توڑ کوششیں

تھیں۔ ہر فریق اپنے آخری وسائل صرف کر رہا تھا۔ اس جگہ فاضل معتزلی کا یہ خیال لکھ دینا مفید ہو گا کہ: "یہ امر کہ اگر پہلی ہی بار خلیفہ کر دیے گئے ہوتے تو ملک میں تباہی آتی اور اسلام میں فساد واقع ہوتا تو یہ غیب کا علم ہے ...... مگر گمان غالب یہ ہے کہ اگر اسی وقت خلافت حضرت علیؑ کو ملتی تو کوئی خرابی واقع نہ ہوتی کیونکہ فتنے جواب تک واقع ہوئے صرف اس سبب سے کہ حضرت عثمان کے بعد چوتھی مرتبہ خلافت ان کو پہنچی۔ جب دوسرے لوگوں کے تقدم سے ان کی قدر صغیر اور ان کی شان حقیر کی جا چکی تھی اور سابقین نے تابعین کے دل میں اس امر کا یقین پیدا کر لیا تھا کہ وہ حضرت خلافت کی کامل صلاحیت نہیں رکھتے۔ اگر جناب رسالتمآب کے بعد متصلاً امیر المومنینؑ خلافت اسلامی پر قابض کر دیئے جاتے تو ان کی جلالت قدر و منزلت ...... کی وجہ سے دوسرے کو ان پر ترجیح نہیں ہو سکتی تھی (ابن ابی الحدید)

معاویہ کے وسائل

معاویہ پیراہن عثمان اور جھوٹے گریہ کے رونے والے مہیا کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ عمرو عاص اور شرجیل ابن سمط الکندی کو ملا رہا تھا۔ جھوٹی گواہیاں تیار کرنے اور اپنے ہی ایسے مددگار کو مصر امید پر لکھ دینے میں تردد نہیں کر رہا تھا۔ لوگوں کو بلطائف الحیل اصل واقعات سے ناواقف رکھتا تھا، دھمکی دے سکتا تھا کہ ہمارے ساتھ ہو کر لڑنے والوں میں اونٹ اور ناقہ کے امتیاز کا مادہ نہیں۔ ضرورت کے وقت لاکھوں روپیہ اپنی سیاست کے مضبوط کرنے کے لیے صرف کر سکتا تھا۔ اکثر لوگ اس کی سیاست کی اس صورت سے واقف تھے اور حضرت علیؑ کے پاس چلے جانے کی دھمکی سے کچھ نفع حاصل کر لیتے تھے۔

حضرت علیؑ کا یقین

اس کے برخلاف حضرت علیؑ اصحاب رسولؐ، افسران فوج اور ادنیٰ سپاہیوں کو بھی صورت معاملہ سے واقف کرتے چلتے تھے۔ تائیداً نہج البلاغہ کا یہ فقرہ توجہ کے قابل ہے:۔

"مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ میں تمہارے سامنے کسی بھید کو نہ چھپاؤں مگر صرف لڑائی کے بارے میں اور سوائے خاص احکام کے کسی حکم کو تمہارے سر نہ تھوپوں اور یہ بھی مجھ پر حق ہے کہ تم سب کے سب میرے نزدیک مساوی الحقوق ہو جاؤ۔ اگر تم ان باتوں پر قائم نہ رہے جو بیان کی گئیں تو بیشک کم رفتاری پر عمل کرنے والے سے زیادہ میرے نزدیک کوئی ذلیل و خوار نہ ہوگا"۔

مساوی تقسیم غنیمت کے عذر پر:۔

تسویہ حقوق

تم مجھے یہ حکم دیتے ہو کہ اس شخص پر جس پر میں قائم ہوا ہوں ظلم و جور کے ساتھ نصرت اور فتح حاصل کروں قسم خدا کی جب تک شب و روز کا اختلاف باقی ہے۔ جب تک ایک ستارہ دوسرے ستارہ سے قربت کا قصد کرتا ہے میں کبھی ظلم و جور کے نزدیک نہ جاؤں گا۔ اگر میرا مال بھی ہوتا تو بھی مساوی ہی تقسیم کرتا۔"

ابتدائی زمانے میں طلحہ و زبیر کے جواب میں:-

"مساوات کے بارے میں جو تم ذکر کر رہے ہو تو یہ ایک ایسا امر ہے جس میں میں نے اپنی رائے سے حکم نہیں کیا نہ اپنی خواہش نفس سے اس کا مرتکب ہوا ہوں بلکہ میں نے اور تم دونوں نے اس حکم کو پالیا ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے تھے لہٰذا اس امر میں بھی مجھے تمہاری احتیاج نہیں جس کی تقسیم کا خداوند عالم حکم دے چکا ہو۔ اب تمہارا او تمہارے اغیار کا کوئی حق نہیں ہے کہ مجھے اس معاملہ میں معتوب کریں"۔

علی اور معاویہ کے ارادے

واقعہ صفین کے متعلق حضرت علیؑ اور معاویہ کی یہ شان بھی خصوصیت سے دیکھنے کے قابل ہوگی کہ اگر حضرت علیؑ کو معاویہ کے قابل معزول ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ ان کا ارادہ مصمم تھا کہ وہ اسے ضرور حکومت شام سے دستبردار کریں گے اگرچہ اس کے لئے جنگ ہی کیوں نہ کرنی پڑے جو آخری حیلہ تھا۔ اس کے برخلاف معاویہ مشتبہ، شکی تھا، کبھی قدم بڑھاتا ہے، کبھی رکتا ہے، کبھی پیچھے ہٹتا ہے، کبھی امید پھر ہمت دلاتی ہے۔ لوگوں کو اس طرح جو تیار کر کے لکھا گیا۔ انہیں سے کہلواتا ہے کہ ہم لڑنے کے لئے آمادہ ہیں۔ خود دیکھتا ہے کہ ان کے اس کہنے میں میری سحر خیزی کہاں تک کامیاب ہوئی۔

چیخ اور اس کی وجہ

علیؑ کا موقف ان کی اس پُر درد چیخ سے ظاہر ہے جو عمرو ابن الحمق کے جواب میں بے ظاہر ہوتے رہی کہ "کاش تیرے ایسے لشکر میں سو آدمی ہوتے!" ان کی ایسی ہی موقعہ بینی اور مردم شناسی اس حکم سے ظاہر ہے جو عمر ابن ابی سلمہ حاکم بحرین کو طلب کے لئے بھیجا تھا۔ حضرت علیؑ کی یہ حسرت اسی تغیّر کے تابع ہے جس سے ان کی سیاست کے لوگ کم اور اس کے خلاف روش کے لوگ زیادہ تیار ہو گئے اور زمانہ نے انہیں فرصت نہ دی کہ وہ بھی لوگوں کو اپنا ہم خیال بناتے یا بانیٔ اسلامؐ کی روش کی طرف عود کر آتے۔

حضرت علیؑ کی باوجود اس تصمیم کے کہ معاویہ کو امیر شام نہ رہنا چاہیئے یہ دیکھنا صورت معاملہ کو بہت کچھ واضح کر دے گا کہ انہوں نے اس کے بعد بھی مصلحانہ سفارتی طریقہ یا متواتر مراسلات کے ذریعہ سے طے کرنا چاہا۔ خود میدان جنگ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے اثنا میں انہوں نے اپنے اس فرض کو ترک نہیں کیا۔ ان کی خواہش اصلاح اور اس کی دیانت اس سے ظاہر ہے کہ "لڑائی کے لئے مستعد ہو جانا حالانکہ قاصد .... ان کے لئے درجت کو بند اور اطاعت سے روک رہا ہوں"، لیکن چونکہ معاویہ کے متواتر انحراف کی خبریں مل رہی تھیں۔ انہیں یہ بھی کہنا ضرور تھا کہ "تیاری کو برا نہیں سمجھتا۔"

سرد جنگ

یہ ایک ضروری سوال ہے کہ جب قتل عثمان کے متعلق حضرت علی ابن ابی طالب پورے جواب دے چکے تھے تو پھر معاویہ کو اسی سوال کے چھیڑنے اور غیر ضروری مراسلت سے کیا فائدہ تھا؛ معاویہ کی اور کوئی غرض بجز دفع الوقتی لوگوں پر رنگ چڑھانے اور سامانوں کے درست کرنے کے کچھ نہ تھی۔ معاویہ کو ضرورت تھی کہ وہ غیر متعلق اور غلط واقعات کا طومار تیار کرتا جائے۔ اسی طرح حضرت علی ؑ اپنا فرض سمجھ رہے تھے کہ اس کی کل غلط بیانیوں اور راستہ سے ہٹانے والی سیاست کو پوست کندہ کرتے جائیں۔ جس کے بعد ان پر کسی قسم کی جواب دہی نہ رہے کہ انہوں نے عوام اور معاویہ کی غلط خیالی کو رفع نہیں کیا۔ حضرت علی ؑ اپنے دوستوں اور سپاہیوں سے کہتے ہیں کہ سفارت اور مراسلت کی یہ غرض ہے کہ شاید وہ لڑائی کے ارادے کو فسخ کر دے۔ معاویہ کو لکھتے ہیں کہ "عثمان کی مدد ان کے دوستوں نے نہ کی۔ معاویہ کی خود غرضی پر یہ کھلا ہوا طنز تھا۔ تحریر کیا "کہ تو عافیت خواہی کے لحاظ سے جنگ نہ کرے گا"، ظاہر کیا کہ ابوسفیان ابوبکر کے مقابلے میں صالح ارادہ سے میری مدد کے لئے تیار تھا، کہا کہ "میں نے عثمان کے احداث بدعت کے متعلق پیشین گوئی کی"، اصلاح چاہی ایک اور پُر قوت فقرہ لکھتے ہیں کہ "ان لوگوں کو ہنسا دیا جو تیری گفتار کو سن کر آنسو بہا رہے تھے"، کہتے ہیں کہ تیرے فریب ایسے ہیں کہ جیسے بچہ کے دودھ چھڑانے کے وقت کئے جاتے ہیں" فرماتے ہیں کہ "تو نے عثمان کی وہاں مدد کی جہاں تجھے فائدہ تھا وہاں نہیں کی جہاں اسے فائدہ تھا"، معاویہ کی اس خود غرضانہ سیاست کے ظاہر کرنے سے ایک جواب یہ نکلتا ہے کہ قتل عثمان کے بہانے سے لڑنے کے لئے اس لئے اس وقت مستعد ہے کہ تجھے فائدہ کی امید ہے۔

باوجود اس کے کہ جریر نے اپنی سفارت میں معاویہ کے تجاہل کو سردربار ظاہر کیا۔ عثمان کی موت کو معاویہ کے دعوائے امارت کے لئے مکمل غلط بتایا۔ الزام قتل عثمان پر کہا کہ اگر علی ؑ قاتل عثمان ہوتے تو مہاجر و انصار علی ؑ کی طرف ہو کر عائشہ سے نہ لڑتے مگر کسی بحث نے معاویہ کو جنگ کے ارادے سے باز نہ رکھا۔ کیونکہ اپنا ایک بال بیکا ہونے کا خوف نہ تھا۔ قتل ہوتے غریب ساتھ دینے والے، جس کی اس واقعہ سے تصدیق ہو گئی کہ حضرت علی ابن ابی طالب نے معرکۂ جنگ کے فیصلہ اور قتل عام سے بچنے کے لئے تنہا جنگ کرنے کے لئے بلایا مگر اس نے باوجود عمرو عاص کے حمیت دلانے کے قدم نہ بڑھایا وہ میدان جنگ میں اپنی موجودگی اس لئے ضروری سمجھتا تھا کہ کبھی عبید اللہ ابن عمر کو یہ سمجھا کر میدان میں بھیجے کہ تم امام حسن ؑ کو امید خلافت دلا کر ہمارے لشکر میں لے آؤ جس سے علی ؑ کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے۔ نواسۂ رسول ؐ کی مقدس ذات کا ہماری طرف ہونا علی ؑ کی جمعیت کو شکستہ کر دے گا اور انہیں قلیل فوج سے لڑنے کی قوت نہ رہے گی اور اس کے بعد علی ؑ پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد امام حسن ؑ کو معزول کر دینا کوئی مشکل بات نہ ہو گی۔ کبھی اپنی فوج پر سخت دباؤ دیکھ کر ضرور سمجھتا تھا کہ عبید اللہ سے مدد کا استغاثہ کرے اگر کچھ کام نکلے تو خیر اگر مارے جائیں تو لوگوں میں نئے سر سے جوش دلانے کا ایک اور بہانہ

ہاتھ آنے اسے ضرورت تھی کہ وہ اچھی جگہ حاصل کرنے کے لئے فرات کے بند کا ایسا مکر کرے، یا اثنائے جنگ اور التوائے جنگ میں عربوں کی کمزوری خاص سے فائدہ اٹھائے۔ حضرت علیؑ کے سپاہیوں کو لالچ دلا کر حضرت علیؑ کے لئے کاہل بنادے اور سب سے ضروری بات یہ تھی کہ اسے اپنے سپاہیوں کی مخلصانہ وفاداری پر بھروسہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ کون تھا جو سپاہیوں کو اصل واقعہ سمجھنے نہ دیتا جو انہیں حضرت علیؑ کے مقابلہ میں اپنی طرف مختلف ذرائع سے کھینچے رہتا۔

کمزوری پیدا ہوئی

معرکہ جنگ کی تاریخ اس میں کوئی شبہ نہیں رکھتی کہ معاویہ کے سپاہی ویسے بہادر اور جوش کے نہ تھے جیسے حضرت علیؑ کے۔ لیکن حضرت علیؑ کے افسروں کا شجاعانہ جوش غالباً آئندہ حضرت علیؑ کی کمزوری کا ایک ذریعہ بن گیا اس کی وجہ صاف ہے۔ افسر سپاہی کی عقل اور آنکھ کان ہے، خصوصاً عرب کے لئے جہاں اس کا سردار قبیلہ اس کے لئے سب کچھ ہے۔ حضرت علیؑ کے ایسے افسر اپنے جوش اور خلوص سے میدان جنگ میں تنہا گھر کر اپنی شجاعت دکھاتے اور شہادت کے متمنی تھے۔ انہیں حضرت علیؑ کی حقیت اور ان کی عظمت کا دل سے اقرار تھا۔ وہ جانبازی میں کسی کی مدد کے چشم براہ نہ رہتے تھے وہ اکثر اوقات اس قدر اپنی فوج کو نہ لڑواتے تھے جس قدر خود لڑتے تھے انہیں اکثر اس کا خیال ہی نہ رہتا تھا کہ تنہا گھر جانے میں قتل ہو جانے کا زیادہ قرینہ ہے۔ وہ اسے ذلت سمجھتے تھے کہ اپنے سپاہیوں کے قتل ہونے کا دور سے تماشہ دیکھیں۔

کیوں؟

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہاشم بن عتبہ، عبداللہ ابن بدیل اور عمار یاسر کے ایسے قوی الاقتدار اور تجربہ کار افسر شہید ہوئے جس کے معنی یہ ہیں کہ دوستوں کی کمی ہی اور ناقابل تلافی کمی ہوئی۔ ان کے گزر جانے سے ان کے قبیلے پر کوئی با اثر حاکم رہا اور ہو بھی تو ایسا نہ تھا جو حضرت علیؑ کے نزدیک ویسا قابل اعتبار ہوتا، جیسے یہ لوگ تھے اور وہ بھی حضرت علیؑ کے ویسے ہی نہ بھرنے والے دوست ہوتے۔ جیسے یہ لوگ تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان قابل اعتبار دوستوں اور جاں نثاروں کے قبیلے پر سے گرفت جاتی رہی اور ایک بڑی جماعت پر سے ایک فطری اثر میں کمی لاحق ہوگئی۔

معاویہ ان لوگوں کے اثر اور خلوص کی قوت سے واقف تھا۔ ان کی موت اسے اپنی فوج کی نازک حالت میں بھی تسکین دیتی تھی اور ان کے علاوہ وہ اشعث ابن قیس، مالک اشتر اور عدی ابن حاتم سے بھی آگاہ تھا۔

عدی، مالک اور قیس کی حیثیت

یہ لوگ نہ صرف بے نظیر شجاعوں میں تھے بلکہ بڑے صاحب قبیلہ اور با اثر تھے معاویہ پر ان کی ہیبت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ حضرت علیؑ کے سپاہیوں پر میرا کوئی مکر اثر نہیں کر سکتا۔ جب تک ایسے لوگ موجود ہیں۔ عدی ابن حاتم کو کسی طرح ملانے کا خیال نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ علاوہ حضرت علیؑ کی صفات شناسی کے ذاتی طور پر بھی حضرت علیؑ کا ممنون احسان تھا۔ جو قبیلہ طے کی فتح اور اس کی ہمشیر کے احترام کے متعلق زمانہ رسولؐ میں لکھا گیا۔ مالک اشتر کو کسی طرح ملانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ایسا سپاہی کبھی اس کے

کینڈے کا مدبر مرید نہیں ہو سکتا تھا۔ خصوصاً جس کے ہاتھوں زمانۂ عثمان میں توہین ہو چکی ہو۔ اب بڑے با اثر لوگوں میں قیس ابن عبادہ افسر انصار تھے ۔ حضرت علیؑ کی محبت کے لئے انصار خلافت کے پہلے دن سے بدنام تھے۔ سعد ابن عبادہ نے اس مصلحت کی پابندی نہیں کی جس نے حضرت علیؑ کو خلیفہ نہ ہونے دیا۔ اب اشعث ابن قیس رہ گیا تھا۔ مغرور، بہادر، شخصی اصول کا تابع تھا حضرت علیؑ کا بڑا مؤید حقوق تھا۔ خلیفۂ اوّل کے بہت سے سپاہیوں اور دو افسروں سے خوب لڑا تھا۔ بدقسمتی نے گرفتار کرا دیا سمجھایا گیا کہ اگر تم اپنی ضد پر قائم رہے اور موجودہ مصالح کی پابندی نہ کی تو زندگی کا خاتمہ ہے۔ تغیر ہوا جس کا ذکر کیا گیا۔ اسی تغیر میں پچیس برس بسر کرتا رہا۔ عثمان کے زمانہ میں آذربائیجان کا گورنر تھا۔ جمل کے بعد حضرت علیؑ کی طلب پر آنے اور حضرت علیؑ اور معاویہ کی رفاقت میں متردد تھا۔ اس کا اتنی مدت تک حضرت علیؑ کے حقوق سے دستبردار رہنا اور بحیثیت عامل عثمان کے بسر کرنے کے یہ سوچنا تعجب خیز نہ تھا کہ وہ معاویہ کے پاس چلا جائے۔ یہ بھولنا نہ ہوگا کہ وہ اب بجائے سپاہی کے لیڈر ہو گیا تھا۔ دیکھ چکا تھا کہ حضرت علیؑ کی ہوا خواہی میں جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ سمجھتا تھا کہ جس قدر زمانہ گزر چکا ہے اس میں حضرت علیؑ کی جماعت اور کمزور اور ان کی مخالف جماعت اور قوی ہوئی ہے۔ اسے جمل میں حضرت علیؑ کی فتح پر تعجب ہوا ہوگا۔ اس کا متردد ہونا بحیثیت ایک خود غرض لیڈر کے بیجا نہ تھا۔ فتح کہہ رہی تھی کہ حضرت علیؑ کے پاس چلو۔ حضرت علیؑ کی جماعت کی کمزوری بنی امیہ کا جما ہوا اقتدار اور معاویہ کی مرتب حالت کہہ رہی ہوگی کہ معاویہ کے پاس جانا مناسب ہوگا۔ اتفاقات نے مجبور کیا کہ حضرت علیؑ کے پاس جانا پڑا۔

اب جو نکہ حضرت علیؑ کے پاس آ چکا تھا بظاہر کوئی وجہ ایسی معلوم نہ ہوتی تھی کہ اس پر اعتبار نہ کیا جاتا۔ صرف جس قدر قابل اعتراض حالت پیدا ہو گئی تھی وہ باوجود حضرت علیؑ کی فہمائش کے ساحل فرات کا چھوڑ دینا تھا۔ یہ قابل معافی ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہاں کی عدول حکمی اس معنی میں نہ تھی کہ آئندہ سے حضرت علیؑ کی اطاعت سے انحراف کا تہیہ کیا گیا تھا بلکہ خوف تھا جس نے کچھ دور ہٹا دیا۔ اگرچہ یہ نادانستہ انحراف آئندہ ایک نادانستہ مخالفت کا مقدمہ تھا۔ اس کے بعد یہ اس طرح لڑا جس طرح ایک وفادار سپاہی کو لڑنا چاہیے۔ کوئی شخص اس کی لڑائی دیکھ کر یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ آئندہ اس کی طبیعت کا تغیر حضرت علیؑ اور مقاصد علیؑ اور ان کے دوستوں کو ایسا نقصان پہنچائے گا جس کا کوئی علاج ممکن نہ تھا کون کہہ سکتا تھا کہ معاویہ کے اکثر بہادر سپاہیوں کو میدان جنگ میں قتل کرنے والا کچھ ہی روز میں حضرت علیؑ کی فتح ان کے دوستوں کی کوشش، نام، اقبال اور امیدوں کو خاک میں ملا دے گا، انسانی کمزوریوں کی بدولت ممکن تھا کہ وہی شخص جو ایک منٹ پہلے بڑا وفادار تھا، دوسرے منٹ میں سخت بے وفا ہو جائے یا وہ جو کچھ دیر پہلے بڑا اچھا ہے، کچھ دیر کے بعد بہت ہی برا ہو جائے۔

مکاریوں کی ضرورت

معاویہ کو میدان جنگ کے تجربہ نے بتا دیا تھا کہ لڑ کر حضرت علیؑ اور ان کے سپاہیوں پر

فتح حاصل کرنا ناممکن ہے ۔معاویہ اس بات پر صلح کر لیتا ۔ اگر اس کے کچھ حقوق تسلیم کر لئے جاتے جس کی اس نے صاف لفظوں میں التجا کی کہ خطہ شام پر بحال رکھا جائے، لیکن متضاد باتیں ہوتیں ۔ اگر حضرت علیؑ معاویہ کے کچھ حقوق تسلیم کرتے ۔ یہ ان لوگوں میں نہ تھا جس کے ہوتے ہوئے حضرت علیؑ خلیفہ ہوتے یا حضرت علیؑ کے خلیفہ ہوتے ہوئے یہ صاحب اختیار رہتا ۔معاویہ جس طرح اپنی فوج کو کم ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا ۔اگرچہ ابتدائے جنگ کے وقت اس کی تعداد حضرت علیؑ کے لشکروں سے ڈیڑھ گنا تھی اس سے قیاس کر سکتا تھا کہ اگر ہم کچھ دن اسی طرح لڑے اور شکست فاش نہ بھی ہوئی تو ہمارا لشکر تعداد میں حضرت علیؑ کے لشکر کے برابر اور پھر کم ہوتا جائے گا ۔ اب نتیجہ سوچنا آسان تھا کہ جب زیادہ تعداد سے وہ فتح حاصل نہ کر سکا بلکہ نقصان ہوتا گیا تو کم تعداد میں بجز تباہی اور گرفتاری کے کچھ نہ رہ گیا تھا ۔

ضرور معاویہ بیقراری سے اسی طرح سوچتا رہا ۔ میدان جنگ سے ہٹ جانا اپنے دعاوی سے دستبردار اور قوت کو خیرباد کہنا تھا ۔ اب اس کے لئے یہ چارہ گیا تھا کہ اپنی قوت کے خاتمہ کے قبل وہ بعض لوگوں کو ملانے کی کوشش بھی کر کے دیکھ لیتا ۔ یہ ترکیب چل گئی، بعض افسروں کی سمجھ میں آ گیا اور ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے اجماع نے علیؑ کی فتح پر برا اثر کیا ۔

اگرچہ تاریخوں میں وہ مکالمے یا مراسلت محفوظ نہیں کئے گئے جو معاویہ اور علیؑ کے ان دوست نما دشمنوں میں ہوئی ۔ بجز ان الفاظ کے کہ معاویہ نے حضرت علیؑ کے بعض افسروں کو ملا لیا اور اشعث ابن قیس کندی کو ایک لاکھ درہم کا وعدہ کیا تاہم انہی اشارات کا ہونا اس کا پتہ دیتا ہے کہ کچھ خفیہ گفتگو ہوئی اور آخر تک قصۂ قرآن کے بعد جس سختی سے لوگ حضرت علیؑ کے مخالف ہو گئے اس میں اس نے ذرا بھی شبہ نہ رکھا کہ یہ لوگ پورے طور سے معاویہ کے وعدوں کے اثر میں آ گئے تھے ۔ خود اس مخالفت کے بعد ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کرنے کی ضد کرنا اس کا واضح ترین ثبوت ہے ۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ معاویہ اور ان لوگوں کے عہد کب پختہ ہوئے ؟ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان لوگوں سے معاویہ نے حضرت علیؑ کے خلاف ہو جانے کے لئے یہی اشارہ رکھا تھا کہ جب ہم قرآن بلند کریں تو تم لوگ علیؑ کو روک دینا ؟ ہم نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے قصۂ قرآن سے پہلے کن وجوہات سے علیؑ کی مخالفت کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا ؟ اور کیوں معرکۂ جنگ میں فتح کے وقت علیؑ کو روک دیا ؟ لیکن باوجود اس علم کے کہ امیرالمومنینؑ ابتدا سے جنگ نہ ہونے کے لئے کوشاں تھے اور باوجود حضرت علیؑ کے یہ کہنے کے کہ دشمن نے عاجزی سے حیلہ کیا ہے ۔ تم فریب میں نہ آؤ ۔ یہ لوگ کیوں نہ سمجھے یا اشتر کے اس کہنے پر کہ تم لوگ خاموش دیکھتے رہو ہمیں لڑنے دو، کیوں اسی پر اصرار کیا کہ تم بھی تلواریں نیام میں کر لو ؟ اس کے اور کوئی معنی بجز اس کے نہیں ہیں کہ معاویہ نے ان لوگوں سے نہ صرف جنگ میں شرکت نہ کرنے کا وعدہ لیا تھا بلکہ ابو موسیٰ اشعری کا حکم مقرر کیا جانا بھی اسی کی صلاح سے تھا کس قدر ظاہر بات تھی کہ حضرت علیؑ کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے وہ شخص مقرر کیا جا رہا ہے جو اپنے

زمانہ امارت میں حضرت علیؑ کے خلیفہ ہوتے ہوئے نہ ان سے اقرار اطاعت کرتا ہے اور نہ ان کے حکم پر کوئی توجہ کرتا ہے بلکہ لوگوں پر اصحاب جمل کی سیاست اور حکم کا اثر ڈالتا ہے۔ وہ شخص جس نے حضرت علیؑ کی ماتحتی ظاہرا ابھی اس وقت تک قبول نہیں کی جب تک وہ معزول نہیں کیا گیا۔ ایسے شخص کو حکم مسلط کرنے والوں کی نسبت یہ ہرگز قیاس نہیں ہو سکتا کہ وہ قرآن کا واسطہ دیئے جانے سے قرآن کی عظمت کے اثر سے اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ لڑائی نہ کی جائے اور ایماندارانہ تصفیہ ہو جائے بلکہ ایسے شخص کو حضرت علیؑ کا وکیل تجویز کرتا جو حضرت علیؑ کا مستند دشمن تھا کوئی شبہ نہیں رکھتا کہ یہ لوگ اب حضرت علیؑ کے اختیارات سے اعلانیہ دشمنی کر رہے تھے۔

کیوں علیؑ کے مخالف اور معاویہ کے دشمن ہو گئے

کیوں؟ جو مصلحت معاویہ نے سمجھائی تھی وہ زیادہ حوصلہ خیز تھی، شخصی نفع کی زیادہ امید تھی۔ مساوات کا کھرا پن اور مساوات برتنے والے کی سخت منصفانہ طبیعت ان کی پسندیدگی کے درجہ سے بہت بلند تھی۔ مثل اپنے مثل کو کھینچ رہا تھا حضرت علیؑ کے پاس ان کی دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ معاویہ اس کے لئے نہایت موزوں تھا وہ کیوں حضرت علیؑ کی تیز نگاہوں کے سامنے ہر وقت اپنی کمزوریوں کا آئینہ دیکھ کر ذلیل ہوتے رہتے ان کے لئے ایسا شخص کا خلیفہ رہنا خوش آئند نہ تھا جو انہیں ان کے دل کی گہری سے گہری تہ کی کمزوریوں پر متین استعجاب اور ناصحانہ لطیف اسلوب سے متوجہ کرتا تھا اور غلط کاریوں میں مشغول ہونے کی کسی طرح جرأت نہیں دلاتا تھا۔ خودغرضیوں اور نامہذب شان نفس سے ہر وقت دور رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ لذتوں میں غافلانہ آلودگی سے روکتا تھا وہ لوگ ایسے نہ تھے جو اپنے سے بے انتہا بلند ذات کو دیکھ کر اپنی اصلاح کے لئے شرمائے ہوتے۔ وہ شرمائے جو اپنی اصلاح کا پہلا زینہ تھا لیکن شرم کا برا مصرف کیا اور ایک ایسی تعلیم کی فضا میں چلے گئے جو ہدایت شعاری کی قطعاً ضد اور بہت دور تھی، ایسے ملفوف ہو گئے، جہاں نفس پر تنبیہ کی کوئی شعاع نہ پڑ سکتی تھی بلکہ غلطیوں میں پرورش ہوتی تھی۔ حضرت علیؑ نے اپنی حالت کو خود ان لفظوں میں ظاہر فرمایا کہ "کل تک میں تمہارا امیر تھا آج اس حالت میں صبح کی ہے کہ تمہارا محکوم ہوں۔ کل تک میں تمہیں باز رکھتا تھا آج تم مجھے باز رکھتے ہو۔۔۔۔۔۔ اب مجھے قدرت نہیں ہے کہ تمہیں اس شے پر آمادہ کر دوں جس سے تم کراہت کرتے ہو" اس سے میرا پیشتر کا یہ سوال بھی طے ہو گیا کہ "جو نتیجہ ہوا، وہ کہاں تک علیؑ سے تعلق رکھتا تھا۔"

علیؑ نے ہر طرح سمجھا دیا

یہ بھی ظاہر کیا جا چکا کہ حضرت علیؑ معاویہ کے حیلہ کو سمجھ رہے تھے کہ وہ دب کر دفع الوقتی کے لئے فریب کر رہا ہے جیسا آپ نے اشعث سے فرمایا کہ "اس قوم پر تجھے جو گمان ہوا ہے وہ صحیح نہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس وقت جب وہ مغلوب ہوئے اور ہماری فتح ظاہر ہے تو وہ عجز و انکسار کر رہے ہیں ان

کی باتوں سے فریب میں نہ آکر دوسرے دھوکہ کھائیں"، کبھی تعجب سے فرماتے ہیں کہ تمھاری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ ان لوگوں نے قرآن شریف کو براہ مکرو فریب اٹھایا ہے"، کبھی فرماتے ہیں کہ "تم سے کہہ رہا ہوں کہ یہ معاویہ کا حیلہ ہے اور وہ اس ترکیب سے بچنا چاہتا ہے لیکن تم حکم نہیں مانتے اور الٹے مجھی کو متہم کرتے ہو اگر تمہیں کراہت ہے تو میں زبردستی نہیں کرتا جو بات مناسب تھی میں نے کہی اس کے بعد تمہیں اختیار ہے"، کبھی لڑنے کی نسبت فرماتے تھے " بیشک یہ نہایت محکم رائے تھی مگر میں کس طرح ایسا حکم دیتا کس کے بھروسہ پر یہ فرمان نافذ کرتا" یہ بھی لکھا جا چکا کہ "میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ ایسا امر ہے جو ظاہراً تو ایمان معلوم ہوتا ہے مگر اس کے باطن میں ظلم اور حیلہ و فریب ہے اس کا اوّل تو یہ ہے کہ تم ان پر رحم کرو اور آخر یہ ہے کہ تمہیں پشیمانی اور ندامت نصیب ہو"

مصلحت حکم علیؑ کی ایجاد کردہ نہ تھی

حکم کی مصلحت کی بنا بھی حضرت علیؑ سے نہ ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ آٹھ مہینوں کی قید وقت حاصل کرنے کے لئے رکھی گئی ہو جس درمیان میں حضرت علیؑ اپنے نافرمان سپاہیوں کو اگر سمجھا بھی لیں تو انہیں اعلان جنگ کرنے کا کوئی جائز سہارا نہ ملے اور اس مدت کے بعد معاویہ پھر نئے سامان اور نئے حیلوں کے ساتھ میدان جنگ میں آئے۔ مصلحت حکم کا ایجاد کرنا فضول تھا جب تک یہ سوچ نہ لیا گیا ہو کہ عام لوگوں پر موافق اثر ڈالنے کے لئے کوئی لگتی ہوئی بات کہی جا سکتی ہے۔

لگتی ہوئی بات معلوم تھی

اگر یہ سوچنے کے اور ذرائع نہ بھی ہوں کہ عمرو عاص کی یہ صلاح کہ ہم اور تم حضرت علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کریں اور لوگ جسے چاہیں خلیفہ کریں، پیشتر سے سوچی ہوئی نہ تھی تو یہ صلاح کہ لوگ جسے چاہیں، خلیفہ کر لیں۔ کہتے ہیں کہ یہ گزشتہ زمانہ کی یادداشت سے اخذ کی گئی تھی۔ عمرو عاص کا یہ کہنا کہ ہم اور تم علی اور معاویہ کو معزول کر دیں، ایک سخت دھوکہ تھا۔ حضرت علیؑ کو مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام صوبجات نے خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ معاویہ کو خود اہل شام نے اسے خلیفہ تسلیم نہیں کیا اس لئے معاویہ کا معزول کرنا ایک ایسے امر کی نفی تھی جو حقیقت میں کبھی ہوا ہی نہیں تھا اور جس کی نفی سے اسے کوئی نقصان نہ ہو سکتا تھا۔ حضرت علیؑ معزول نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ ملک اور مہاجرین و انصار کی عام خواہش ان کی برطرفی کی نسبت نہ ہوئے جیسی ان کی خلیفہ بنانے کے وقت تھی۔ اگر کسی خوش اعتقاد کے نزدیک ابوموسیٰ اشعری کبھی کسی صورت سے حضرت علیؑ کا وکیل ہو تو یہ سوچنا کہ اسے یہ اختیارات بھی دیئے گئے تھے کہ خود اپنے مؤکل کو معزول کرنے کا اہتمام کرے، سفارت کے نام کو ہمیشہ ہنسوانا ہو گا اور ایک مرتبہ یہ قبول کرنا ہو گا کہ حضرت علیؑ نے اسے اپنے معزول کرنے کا اختیار دیا اور دوبارہ حضرت علیؑ کے منہ سے یہ کہلوانا ہو گا کہ

"ہم نے پہلے ہی ان کی سوء تدبیری اور احکام میں ظلم و جور کرنے کو حکم بالعدل اور عمل بالحق کے ساتھ بدل دینے کی قید لگائی تھی۔ اب جب انہوں نے احکام حقہ، کو جو معروف و مستحسن ہیں

معکوس کر دیا اور حق کے راستہ سے خلاف کیا تو اپنے نفسوں کا اختیار ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

اس کے معنی صاف ہیں۔ حضرت علیؑ نے یہ شرط رکھی تھی کہ اگر یہ لوگ احکام میں ظلم و جور کریں تو ہمیں اس کے بدل دینے کا اختیار ہے اور جب ان لوگوں نے بالعدل و عمل بالحق کو ظلم و جور سے بدل دیا تو اپنے نفسوں کا اختیار ہمارے ہاتھ میں ہے یعنی وہ ہمارے نزدیک کسی طرح قابل عمل نہیں ہے۔ ہم اپنے اسی خیال کے مؤید ہیں جس پر تحکیم کی نقالی سے پہلے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے اختیارات سے دستبرداری کا اختیار نہیں دیا تھا۔

میں تحکیم کو نقالی کہہ رہا ہوں۔ یقیناً میرے پاس اور کوئی لفظ حالت کی مصوری کے لیے نہیں ہے اور نہ جو کچھ اس کا اثر ہوا وہ ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت بھی اس تماشہ کو اس سے زیادہ وقعت دی گئی۔ یقیناً اگر جنگ نہ کرنے کی شرط نہ ہوتی تو تکرار چلنے میں کوئی کسر نہ رہ گئی تھی۔ اس سے میری غرض یہ نہیں ہے کہ ابوموسیٰ، عمرو عاص کو للکارتا۔ بلکہ سپاہی اس کے متحمل نہ ہوتے کہ کوئی ان کے سامنے حضرت علیؑ کے معزول کرنے کا اعلان کرتا۔

ابوموسیٰ سے علیؑ کے سپاہیوں کے واپسی کی خواہش

دومۃ الجندل پہنچنے کے وقت شرجیل ابن سمط الکندی کا احنف وغیرہ کو رخصت کرنے کے لیے ابوموسیٰ سے خواہش ظاہر کرنا کہتا ہے کہ خوارج کے وکیل کے پاس کسی سمجھدار آدمی کا رہنا ناگوار تھا۔ جس طرح ابن عباس یا مالک اشتر کا حکم بننا منظور نہ تھا۔ ابوموسیٰ پر اعتبار رکھا جو ہرگز حضرت علیؑ کا ہوا خواہ نہ تھا۔ ابن عباس اور مالک حضرت علیؑ کے دوست اور وفادار خادم تھے۔ یہ معاملہ فہم تھے۔ یہ ہرگز درمیان میں ان باتوں کو نہ آنے دیتے جو غیر متعلق تھیں۔ عمرو عاص کو ان سے مکر کی باتیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ کیونکہ ان کی مضبوط طبیعت اور سپاہیانہ شان کی اس پر ہیبت تھی اور جب یہ ویسے نہ تھے۔ جس کی معاویہ اور عمرو عاص کو ضرورت تھی تو دومۃ الجندل میں آنا اور تحکیم کی خواہش کرنا قطعاً فضول تھی۔

بجائے دومۃ الجندل اور بعد آٹھ مہینے کے اسی وقت صفین میں کیوں طے نہ ہوا؟

کہا جا سکتا ہے کہ جب معاویہ کو خوارج پر یا خوارج کو حضرت علیؑ پر اس قدر دسترس ہو گئی تھی کہ وہ لڑائی بند کر دینے یا حکم کی تقرری پر مجبور کر سکتے تھے تو پھر اس قدر طویل عمل کی ضرورت کیا تھی؟ خود صفین میں ہی یہ معاملہ طے کیوں نہیں کر دیا گیا؟ ایسا کرنا معاویہ کے سخت خلاف اور حضرت علیؑ کے موافق ہوتا۔ کیونکہ قصہ تحکیم کا اثر جو کچھ ہوا۔ اگر یہ صفین میں ہوتا تو نتیجہ بجز اس کے دوسرا نہیں ہو سکتا تھا کہ دو تین روز کے التواء کے بعد اور سخت جنگ ہوتی۔

حضرت علیؑ کے سپاہی معاویہ کی مکاریوں سے مطلع ہو کر قوت کے ساتھ لڑتے اور معاویہ کے سپاہی اپنے میں ایک اخلاقی

کمزوری پاتے۔ معاویہ کسی طرح اس وقت لڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ خاص مقام اور خاص لوگوں کی موجودگی میں جو بات طے کی گئی تھی عام لوگوں پر یہ ظاہر کیا جاسکتا تھا کہ تصفیہ نہایت منصفانہ ہوا۔ انہیں مکاریوں سے واقف ہونے کا کوئی مستند ذریعہ ہوتا۔ اور یہ مفید اثر کہ آپس کے تصفیہ سے یہ امر قرار دیا گیا ہے، نہ ڈالا جاسکتا ہے۔ اب تک معاویہ کو خاص افسروں پر گرفت حاصل تھی جن کی وجہ سے ان کے کثیر التعداد سپاہی ان کے ساتھ تھے وہ بجز اس کے اور کچھ نہ جانتے تھے کہ ہمارے سردار لڑائی روک دینے کے متمنی ہیں۔ انہیں سیاست اور رنگ سیاست معلوم نہ تھا۔ لیکن جس وقت یہ علم عام ہو جاتا۔ اس وقت افسروں کو اپنے سپاہیوں پر اختیار رکھنا مشکل ہو جاتا۔

ناواقفیت بھی تھی

عموماً خوارج کا وجود ناواقفیت پر مبنی تھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ محاکمہ کا فریب جان کر اب سختی سے یہ خواہش ظاہر کرتے کہ معاویہ سے فوراً جنگ کی جائے۔ ان کا ابتدا میں تصور یہ تھا کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو حکم نہ مانا اور اشعث وغیرہ کی پیش روی کو صحیح سمجھا اور آخر میں تصور یہ تھا کہ دوبارہ حضرت علیؑ کے اس حکم کو کہ تھوڑا صبر کرو، قبول نہ کیا۔ ان کا پہلا قصور غلط جوش ایمانی کے دھوکے میں تھا، ان کا آخری قصور پہلے دھوکہ کی جھلاہٹ سے تھا ان کی یہ دونوں حالتیں بے مہاری کی تابع تھیں جو گستاخانہ سرکشی اور قابل نفرت تھی۔

علیؑ کی نہایت ہوشمندانہ روش

اسے بھی دکھانا ضروری ہے کہ اگرچہ قصۂ محاکمہ قطعاً معاویہ کا ایجاد کردہ اور حضرت علیؑ کی خواہش کے خلاف تھا اور ایسا شخص تک مقرر نہ کیا گیا تھا جس پر انہیں اعتبار ہوتا۔ تاہم حضرت علیؑ نے باوجود بے تعلقی کے اس سے قطع تعلق نہ کر دیا تھا۔ یہ نہایت ہوشمندی تھی جس سے نہ ان کے غلط افعال کے یہ ذمہ دار ٹھہرتے تھے نہ یہ کہا جاسکتا تھا کہ باوجود ہماری غلط اور خود مختارانہ رائے کے آپ نے اپنی ہدایت کیوں روک لی۔ نہ لڑنے اور تحکیم کے لئے لوگ اس جوش سے نہ آمادہ ہوئے تھے جس میں کچھ کہنے کی گنجائش ہوتی۔ حضرت علی کا برابر مخالفت میں ضد کرنا اور روکنا انہیں اور بھی سخت مخالفتوں میں مبتلا کر دیتا اور قطعاً خاموش رہنا ان کے آخری امید کو خاک میں ملا دیتا۔ لوگ اور زیادہ خود مختارانہ شان اختیار کرتے جو معاویہ کے حق میں مفید ہوتی جاتی اور حضرت علیؑ کا اثر قیاسی حالت میں آلودہ ہوتا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت نے احکام میں ظلم و جور کو حکم بالعدل سے بدلنے کی قید لگا دی تھی۔ مصلحت صلح بھی ظاہر فرما دی تھی کہ "شاید پروردگار عالم اس کے سبب سے ہمارے امور متفرقہ کو جمع کر دے۔ ہم سب اس کے سبب سے بقیۂ دین شریعت اسلام کے نزدیک ہو جائیں جو ہمارے درمیان باقی ہے ہم نے اس کی طرف رغبت ظاہر کی اور اس کے دوسرے رخ (جنگ) سے اپنے آپ کو باز رکھا، عہد و پیمان لیا تھا کہ "قرآن سے تجاوز نہ کریں"

نہایت عمدہ فوری تصفیہ

جس وقت قرآن کو نیزوں پر بلند کیا تھا اور خوارج حضرت پر زور ڈال رہے تھے اور مالک اشتر اور اشعث میں لڑنے اور نہ لڑنے کے متعلق سخت گفتگو ہو رہی تھی ۔ اس وقت حضرت کا یہ تصفیہ کرنا کہ یہ دونوں خاموش کر دیئے جائیں ۔ اس وقت کے لئے نہایت ہی عاقلانہ تصفیہ تھا اگرچہ مخالفین تازہ کی تعداد بیس ہزار تھی اور حضرت علیؑ کے پاس اس وقت بھی کم و بیش چالیس ہزار سپاہی ہوں گے ۔ جن کی مخالفت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ۔ جنہیں ساتھ لے کر حضرت ان باغیوں کو سزا دے سکتے تھے ۔ لیکن اب معاملہ یہی نہیں رہ گیا تھا کہ حضرت ان کو ان کی مخالفت پر سزا دیتے بلکہ اس وقت ان کی سزا کے لئے کوئی آمادگی ظاہر کرنا معاویہ کو مدعو کرنا تھا کہ تم ان باغیوں کو ساتھ لے کر ہم سے لڑنا شروع کر دو ۔ اب تک باغی جنگ روک دینے کے لئے کہہ رہے تھے ۔ حضرت علیؑ کو خود اپنے سے آمادۂ جنگ دیکھ کر کھلی ہوئی مخالفت کرنا شروع کرتے ۔ جب دفعتاً اس قدر بڑی تعداد کے لوگ مخالف دکھائی دے سکتے تھے تو حضرت علیؑ کو فوراً یہ تصفیہ کرنے کا کوئی موقع نہ تھا کہ باقی ماندہ لوگ ضرور ہمارے ساتھ مشکل ہی سے وفاداری ادا کریں گے اور ایسے ہی باغی نہ ہو جائیں گے اس کے علاوہ نئے مخالف اور پرانے مخالفین سے اپنے تھوڑے سے وفادار دوستوں کو لڑا کر قتل کرا دینا نہایت ہی پر مضرت عمل ہوتا ۔ درانحالیکہ اس وقت کی خاموشی سے آئندہ اسے وقت کے ملنے کی پھر امید تھی کہ وہ دشمن کے دھوکے اور مکارانہ عمل کی حقیقت کھول کر انہیں نئے جوش سے لڑنے کے لئے لا سکتے ۔

آنحضرتؐ کے اصول حکمرانی سے مسلمانوں کی سرکشی

صفین کا نتیجہ اگر اور کچھ معاویہ کے موافق نہ بھی ہوا ہو تو یہ کیا کم تھا کہ اختیارات کے مفقود ہوتے ہوتے وہ اپنی جگہ پھر سے قائم ہو گیا ۔ یہ نتیجہ نہ اسے اپنی سچائی سے ملا تھا نہ اپنی شجاعت سے اور نہ اپنے کسی فریب سے جس سے حضرت علیؑ بھی دھوکہ میں آ گئے ہوں ۔ اس کے برخلاف اگر حضرت علیؑ کا نقصان کچھ بھی نہ ہوا تو یہ کیا کم تھا کہ ایک بڑی کوشش کے بعد کی فتح قبضے سے نکل گئی جو اپنی بہادری کی کمی کی وجہ یا اپنے دھوکہ کھانے سے نہ تھی بلکہ اپنے سپاہیوں کی نافرمانی سے ۔ سپاہی اس لئے نافرمان نہیں ہو گئے تھے کہ لڑائی میں وہ دشمن سے خوف زدہ ہو گئے تھے ، نہیں بلکہ دشمن ان سے خوف زدہ تھا ۔ کچھ نے لالچ کچھ نے عمداً دھوکہ کھانے اور کچھ نے ناسمجھی سے فتح کو شکست سے بدل دیا تھا اس سے ان کے دشمنوں کی ہمت بڑھی ان کے دوستوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور ایسا انحطاط ہوا جسے رو بہ زوال کہنا چاہیے اس زوال کے ساتھ اس امید کا زوال سمجھنا چاہیے کہ وہ وقت کبھی پھر قوت کے ساتھ آتا جس میں لوگ اسلام کی صحیح اسپرٹ سمجھتے اور رسولِ خداؐ کی حیاتِ طیبہ پر چلائے جاتے ۔

باب ششم

صفین کے بعد

باب ششم

صفین کے بعد

اس بندہ مافوق الانسان کی اور تعجب خیز باتوں میں صفین سے ان دل شکن حالتوں میں مراجعت کے وقت یہ اظہار تھا کہ "ہم حق پر قائم رہے"۔ معاویہ اس پر خوش تھا کہ تمام دنیا کے مکروفریب سے اس نے حق کی تازگی مٹا دی۔ حضرت علیؑ اس پر خوش تھے کہ اگرچہ قوت میں زوال کے مہیب آثار دیکھے ہیں مگر ہم نے کہیں سے لغزش نہیں کی اور وہی کیا جو "مدحق" تھا۔ آزمائش کا سخت موقع تھا۔ اس امتحان میں قائم رہنے کی خوشی بھی حضرت علیؑ کے نفس کے لئے ویسی ہی کثیر ہوگی۔ کون تھا جو باوجود حسرت خیز اور خلاف امید ناکامیوں کی ان پُرمسرت اور پرعظمت لہروں کو محسوس ہوتا۔ جو علیؑ کے تربیت یافتہ نفس پر جزر و مد کے آثار نقش کر رہی تھیں۔ کون تھا جو اس عالم میں علیؑ کی عظمت کا صحیح احساس اور اندازہ کر سکتا۔ کوئی نہ تھا جو حضرت علیؑ کے اس وقت کے جلالت خیز اخلاقی شان کی قدر کرتا۔ وہ تنہا تھے۔ ان کا جلیل القدر نفس اپنی تنہائی میں مسرت سے پُرنشاط ہو رہا تھا۔ ایسی فضا میں جہاں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ جہاں کا عالم فریب کرنے والوں یا بے حس طبیعتوں کے ادراک سے بہت دور دور تھا۔

جبر و اختیار کے متعلق

صفین سے واپسی کے متعلق ایک شامی نے سوال کیا:۔

"کیا ہمارا یہ سفر قضا و قدر الٰہی کے موافق تھا؟"

فرمایا:۔

"تو نے یہ گمان کر لیا ہے کہ یہ سفر قضا و قدر کی وجہ سے لازم و واجب تھا اور تو اس سفر میں بالکل مجبور تھا؟ اگر فی الحقیقت یوں ہی ہوتا تو ثواب و عتاب باطل ہو جاتا۔ بیشک خداوند عالم نے اپنے بندوں کو عبادت کا حکم دیا ہے اور انہیں اس کا اختیار بھی دے دیا ہے۔ گناہ گاروں نے مغلوب و مقہور ہو کر اس کا گناہ نہیں کیا۔ مجبوری اور قہر کی حالت میں اس کی عبادت نہیں کی۔"

وصیت نامہ

صفین سے واپسی کے وقت امیر المومنین نے سبط اکبر حضرت امام حسنؑ کے نام حسب ذیل وصیت نامہ تحریر فرمایا
" یہ وہ وصیت نامہ ہے جس کے ساتھ خدا کے بندے علی ابن ابی طالب امیر المومنین نے محض طلب رضائے خدا کے لئے اپنے مال میں عملدرآمد کا حکم دیا ہے۔ اس حکم وصیت کے ساتھ حسنؑ ابن علی قائم ہو۔ موافق شرع اس مال میں تصرف کرے اور حسب شرع اس مال کو فقراء و مساکین میں تقسیم کرے۔ اگر حسنؑ کو کوئی حادثہ پیش آئے اور حسینؑ زندہ ہو تو وہ اس کے بعد اس حکم کے ساتھ قیام کرے اور اس وصیت کو اس کے مصدر اور موقع کے متعلق جاری کرے۔ بیشک علیؑ کے اس مال میں فاطمہؑ کے بیٹوں کا وہی حق ہے جو تمام اولاد علیؑ کا ہے۔ میں نے محض خوشنودی خدا و قربت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے حرمت رسولؐ کی بزرگی اور اس کی قرابت و شرافت کو سمجھ کر اس وصیت کو پسران فاطمہؑ کے متعلق رکھا ہے اور علیؑ اس شخص کے ساتھ جسے یہ مال وصیتاً سونپا ہے۔ یہ بھی شرط کرتا ہے کہ وہ اس مال کو اس کے اصل پر باقی رہنے دے۔ اس کے محاصل کو اسی طرح فقراء و مساکین میں تقسیم کرے۔ جیسا کہ اسے حکم دیا گیا ہے اور ہدایت کی گئی ہے اور یہ شرط ہے کہ وقف دیہات کے نخلستان میں سے نئے پودوں کو فروخت نہ کرے۔ جب تک کہ تمام روئے زمین درختوں کی روئیدگی سے نخلستان کے مشابہ نہ ہو جائے اور میری کنیزوں میں سے جو کنیزیں باقی رہ جاویں، جن سے میں نے مقاربت کی ہے اور کسی کے اولاد ہو یا وہ حاملہ ہو تو مع اس کے ولد کے اس کی تقسیم کی جاوے گی اور وہ کنیز اس مولود کے حصہ کے بالعوض آزاد بھی جاوے گی اگر وہ مولود مر جائے اور وہ کنیز زندہ رہے پھر بھی وہ آزاد ہے۔

امام حسنؑ کے متعلق حسب ذیل ایک اور دوسری وصیت تحریری ہے جس کا اگرچہ صحیح وقت معلوم نہیں لیکن اسی سلسلے میں ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا:۔

" اس چیز میں گفتگو کرنی چھوڑ دے جسے تو نہیں جانتا۔ جب میں نے اپنے کو دیکھا کہ کبیر السن ہو گیا ہوں اور میں نے نظر کی کہ ضعیفی اور سستی بڑھتی جا رہی ہے اس وقت میں نے تجھ سے وصیت کرنے کے لئے عجلت سے کام لیا۔ تازہ قلب افتادہ اور خالی زمین کے مانند ہوتا ہے جو شے اس زمین میں ڈالی جائے گی وہ اسے قبول کرے گی۔

علیؑ بحیثیت باپ کے

تیرے ہر کام میں ہر جگہ میں نے اپنی توجہ کو لازم سمجھا جیسا کہ ایک شفیق باپ کا فرض ہے میں نے تیرے کام کے موافق تیرے ادب سکھانے کا عزم بالجزم کر لیا تھا کہ جب تو نوجوان ہو۔ صاحب نیت سلیم ہو اور ایک صاف و شفاف نفس کا مالک ہو، تو تجھے کتاب اللہ عزوجل کی تعلیم دوں اس کی تاویل پر عبور کرا دوں۔ اسلام کے طریقے اس کے حلال و حرام تجھے سکھا دوں اور اس تعلیم کے غیر کی طرف تجھے تجاوز نہ کرنے دوں پھر مجھے خوف ہوا کہ مبادا تجھ پر وہ علوم و معارف مشتبہ ہو جائیں۔ جنہیں لوگوں نے اپنی نفسانی خواہشوں اور فاسد رایوں کے سبب سے

اختلاف کیا ہے اور وہ ان پر مشتبہ ہو گئے ہیں۔ پس میں نے اسے مضبوط طور مستحکم کر دیا۔ اس لئے کہ تجھے آگاہ کر دینا میرے نزدیک اس سے بہتر و محبوب تھا کہ میں تجھے ایسے امر کے حوالہ کر دوں جس میں تیری ہلاکت سے بے خوف نہ ہوں۔

دنیا اسی انوام و ابتلا، جزائی المعاد اور اس چیز پر جسے تم نہیں جانتے قائم ہے جس پر خدا نے اسے پیدا کیا ہے اب اگر ان میں سے کسی شے کی حکمت تجھ پر مشتبہ اور پوشیدہ ہو، تو اسے اپنی نادانی پر محمول کر۔ کیونکہ اول وقت جب تو پیدا کیا گیا ہے، نادان پیدا کیا گیا۔ اس کے بعد تو عالم ہوا۔ اور بہت سے امور ہیں کہ جن کی حکمتیں تجھے معلوم نہ ہوں۔ تیری رائے ان میں متغیر ہو جائے تیری نظر ہٹ جائے پھر اس کے بعد تجھے اس کا علم حاصل ہو۔ لہٰذا اب تو اس ذات سے تمسک کر، جس نے تجھے خلق کیا جس نے تجھے رزق عطا فرمایا۔ تیری خلقت کو معتدل بنایا۔

اے فرزند! تو اپنے اور غیر کے درمیان اپنے نفس کو ترازو بنا لے اور اپنے غیر کے لئے بھی اس چیز کو اچھا سمجھ، جسے اپنے نفس کے لئے اچھا سمجھتا ہے اور اس چیز کو اس کے واسطے مکروہ خیال کر، جسے اپنے نفس کے لئے مکروہ خیال کرتا ہے ...... کسب معیشت میں اور کوشش کر .... اپنی پشت پر اپنی طاقت سے (زیادہ) بوجھ نہ اٹھا کیونکہ اس کا بوجھ تجھ پر وبال ہو جائے گا۔ دعاؤں کا در اتنا خیر سے قبول ہونا تجھے مایوس نہ کر دے۔ بسا اوقات قبولیت میں اس لئے تاخیر ہوتی ہے تاکہ اس کے سبب سے سائل کا اجر عظیم ہو جائے .... ایسا بھی ہوتا ہے کہ تو نے کسی ایسی چیز کا سوال کیا۔ جس کا رد کر دینا ہی تجھے عطا کرنے سے بہتر ہے اور بہت سے ایسے امور ہیں، جنہیں تو طلب کرتا ہے اگر وہ تجھے عطا کئے جائیں تو ان میں تیرے دین کی ہلاکت ہے ....

اپنے غیر کا بندہ نہ بن۔ کیونکہ پروردگار عالم نے تجھے آزاد کیا ہے۔

اس چیز کی محافظت جو تیرے ہاتھوں میں موجود ہے۔ میرے نزدیک اس شے کی طلب سے زیادہ محبوب ہے جو تیرے غیر کے ہاتھوں میں ہے۔ مایوسی کی تلخیاں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہیں۔ عفت و عصمت کے ساتھ صنعت و حرفت میں مشغول رہنا اس تونگری سے اعلیٰ اور نیک ہے جو فسق و فجور سے حاصل ہے۔

آرزوؤں پر بھروسہ کرنے سے اپنے نفس کو علیحدہ رکھ۔ کیونکہ تمنائیں احمقوں کا سرمایہ ہیں۔ وقت فرصت کی طرف مبادرت کر اسے غنیمت سمجھ۔ قبل اس کے کہ ہنگام فرصت غم و غصہ کا وقت ہو جائے۔ ہر ایک طلب کرنے والا مطلوب تک نہیں پہنچا کرتا۔ تمنا ہائے کثیر و لایعنی کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال۔ جو شخص حادثات زمانہ سے بے خوف ہے، زمانہ اس کے ساتھ خیانت کرے گا اور جو شخص مساعدت زمانہ کو بزرگ سمجھے زمانہ اس کی توہین کرے گا۔"

علی دوبارہ معاویہ سے جنگ کے لئے تیار ہوتے ہیں

قصہ تحکیم نے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو معاویہ کی طرف سے اور متنفر کیا ہو گا اور غالباً انہیں اپنی

خلافت کا ہر لحظہ ناخوشگوار معلوم ہوتا ہوگا۔ جب تک معاویہ اپنے اختیارات سے بے تعلق نہ کیا جائے۔ جناب امیر نے اپنے ارادے سے عبداللہ ابن عباس کو مطلع کیا جو امارت بصرہ پر واپس کئے گئے تھے۔ کہا گیا ہے کہ اس صوبے میں ساٹھ ہزار فوج درج رجسٹر تھی۔ عبداللہ ابن عباس نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور لوگوں کو بتایا کہ علی ابن ابی طالب معاویہ پر فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تم لوگ مدد کے لئے تیار ہو جاؤ۔ لیکن کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن عباس پندرہ سو سپاہی احنف کی ماتحتی میں اور سترہ سو جاریہ ابن قدامہ سعدی کی زیر نگرانی روانہ کر سکے۔ کوفہ سے پینسٹھ ہزار سپاہی آمادۂ جنگ ہوئے۔ حضرت جس وقت اپنے قسم کھائے ہوئے دشمن کی فکر میں مشغول تھے۔ انہیں مرۃ العبدی جاسوس سے معلوم ہوا کہ خوارج عبداللہ ابن وہب کی ماتحتی میں جمع ہوئے ہیں اور اس کے منتظر ہیں کہ جیسے ہی فوج شام کی طرف روانہ ہو یہ لوگ مستقر الخلافت پر حملہ کریں۔ اس لئے یہ ضرور ہوا کہ پہلے اس کے قریب کے دشمن کا استیصال کر دیا جائے۔ عبداللہ ابن وہب کے پیرو اپنی مطلق العنانی میں اپنے کو "لاحکم الا للہ" کا مقلد سمجھتے تھے ان کے اس جملہ کو سن کر حضرت نے فرمایا۔ "بات سچی ہے لیکن مقصود غلط ہے"

نہروان

ترجمہ ابن خلدون سے معلوم ہوا ہے کہ خوارج نے پہلے مدائن جانے کا قصد کیا۔ حضرت نے یہ سن کر اپنے عامل سعد ابن مسعود کو حکم بھیجا اور یہ پانچ سو سپاہیوں سے راہ روکنے چلے۔ خوارج سعد کی تیاری کی خبر سن کر دوسری طرف بڑھے۔ یہاں بھی حضرت علی کے عامل نے روکا۔ جنگ ہوئی۔ رات کو علیحدہ ہونے کے بعد یہ لوگ نہروان چلے گئے۔ ابن عباس نے بصری خوارج کے تعاقب میں ابوالاسود کو روانہ کیا یہ لوگ بھی نہروان چلے گئے۔

یہ بھی ہوا کہ حضرت نے ان لوگوں کے سمجھانے کے لئے ابوایوب انصاری اور عبداللہ ابن عباس کو بھیجا مگر خوارج پر کوئی اثر نہ ہوا۔ موضع نخلہ حضرت علیؑ کا فوجی مرکز تھا۔ جب سنا کہ خوارج نے نہروان میں مجمع کیا ہے تو اپنی فوج بھی اسی طرف بڑھا دی نہروان کی طرف کوچ کرنے کے وقت ایک نجومی نے عرض کیا کہ یہ ساعت بری ہے اس میں آپ سفر نہ فرمائیں۔ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا:-

علی اور نجومی

"کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو اس ساعت کو بتا سکے جس میں سفر کرنے والوں کو نقصان پہنچے۔ کیا تو ڈرا سکتا ہے کہ فلاں ساعت میں سفر کرنے والوں کو نقصان اور ضرر لاحق ہوگا ...... ایہا الناس تم تعلیم و تعلم علم نجوم سے پرہیز کرو۔ سوائے ان چند قواعد کے جو بری اور بحری سفر میں تمھارے کام آئیں ..... تم خدا کا نام لے کر چلو۔"

خوارج سے خطاب

خوارج کے سامنے ان کے حدِ سماعت کے مقام پر کھڑے ہو کر فرمایا:-

"جس وقت قرآن نیزوں پر باندھے گئے ہم تم سے کہتے تھے کہ یہ دھوکا ہے مگر تم نے نہ مانا۔ تمھارے اصرار پر میں نے اس بات پر رضا مندی ظاہر کی کہ موافق قرآن حکم کیا جائے لیکن جب وہ بھول گئے تو ہم پھر اپنے پہلے

دعوے پڑ آگئے اب بتاؤ کہ تم کیوں مخالفت کر رہے ہو"؟

خوارج نے جواب دیا :-

"ہم نے جس وقت محاکمہ کی صلاح دی اس وقت ہم کافر ہو گئے تھے اب ہم توبہ کرتے ہیں لیکن شرطیہ ہے کہ تم بھی توبہ کرو"

"تم اپنے ایک شخص کو ہمارے پاس بھیج دو اگر وہ ہمیں قائل کر دے تو ہم تمہارے موافق ہو جائیں گے اگر تم قائل ہو گئے تو ہماری اطاعت کرنا"

خوارج کا وکیل اور بحث

خوارج نے ایک شخص ابن الکوا کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا۔ دیر تک گفتگو رہی آخر اس نے کہا۔ "تم نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے لیکن جب ابو موسیٰ کو روانہ کیا تو کافر ہو گئے ابو موسیٰ کافر ہے"۔

"ابو موسیٰ دومتہ الجندل جا کر کافر ہو گیا یا اس کے پہلے"

"قبل محاکمہ مسلمان تھا لیکن محاکمہ کے زمانہ میں کافر ہو گیا"

"تو اگر قبل حکم ہونے کے میں راضی ہو گیا تو اس میں میرا کیا قصور ہے" (روضتہ الصفا)

فوج کی ترتیب

حضرت علیؑ کی اس بات کا خوارج نے جواب دیا کہ وہ لڑنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اب حضرت علیؑ مجبور ہوئے اور فوج ترتیب دی۔ میمنہ حجر ابن عدی کے سپرد ہوا۔ میسرہ شیث ربعی کے حوالے کیا گیا۔ سواروں کے افسر ابو ایوب انصاری مقرر کئے گئے۔ پیادوں پر ابو قتادہ کی نگرانی رہی۔ باوجود فوجی تیاری کے امیر المومنین نے قتال سے بچنے کی عادت کے موافق دو ہزار سپاہیوں کو ایک نشان عنایت فرمایا اور منادی کرا دی کہ جو شخص اس کے نیچے آجائے گا اسے امان دی جائے گی یا جو شخص کرنہ چلا جائے گا وہ محفوظ رہے گا۔

تدبیر کا نتیجہ

علیؑ کا یہ فعل اور حکم جہاں مقتولین کی تعداد میں کمی کا ایک زبردست ذریعہ مہیا کر رہا تھا وہاں اس لحاظ سے بھی کہ دشمن کی فوج میں شکستگی پیدا کر رہے تھے۔ نہایت پختہ اور بے الزام مصلحت تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فروہ ابن نوفل اشجعی اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"میں بلا وجہ نائبؐ رسول سے جنگ نہ کروں گا۔"

علیؑ کی فوج کیوں کر لڑی

اس کے ساتھ پانچ سو آدمی خوارج سے کنارہ کش ہو گئے۔ عبداللہ ابن وہب اب بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ اب علیؑ نے اپنی فوج کے دو حصے کئے اور دشمن کو بیچ میں لے لیا۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ اثنائے جنگ میں عبداللہ ابن وہب حضرت امیر المومنین کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جنگ اس زور سے ہوئی کہ دشمن کے معدودے چند آدمی زندہ بچے۔ حضرت علی علیہ السلام کی فوج کے مقتولین کی تعداد سات سو یا نو سو بتائی جاتی

جاتی ہے ۔ دشمن کے کئی ہزار کے سامنے حضرت علیؑ کے مقتولین کی یہ تعداد تعجب خیز ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سپاہی اور فوجی افسر نقل و حرکت میں اس قدر ہوشیار ہو گئے تھے کہ اپنا آدمی جلدی ضائع نہ ہونے دیتے تھے ۔ جنگ کے بعد حضرت نے خوارج کے پچاس زخمیوں کو علاج کے لئے اپنے جراح کے حوالہ کیا ۔

حضرت کے اپنی زبان مبارک سے سمجھانے، سفارت بھیجنے، خود ان کے وکیل سے منصفانہ گفتگو کرنے، امن کا نشان بلند کرنے پر بھی خوارج اپنی ضد سے باز نہ آئے ۔ ضد کا ماخذ قرآن اور نیزہ کا ربط تھا جس مضر تدبیر پر مائل ہونے سے آج ہلاک ہوئے ورنہ آج وہ دمشق کے اکثر حصوں میں پھیلا دیئے جاتے، اپنے فاتح افسر کے وفادار سپاہی رہتے اور آئندہ امیدوں کے راستے روشن ہوتے جاتے، عبرت خیز ہے یہ خیال کہ خوارج نے جن لوگوں کی جانوں پر رحم کر کے تلوار روک لی تھی، اسی غلط مصلحت نے آج ان کا قتل عام دیکھا ۔

علی اپنی فاتح فوج دمشق کی طرف بڑھانا چاہتے ہیں

نہروان کے بعد حضرت علیؑ نے اپنی فاتح فوج کو دمشق کی طرف بڑھانا چاہا ۔ اس پر اکثر سرداران لشکر اور سپاہیوں نے کہا کہ ہمیں پہلے کوفہ چلنا چاہیئے کہ ہم اپنے چارپایوں کو آرام دے لیں ۔ ہتھیار درست کریں اس کے بعد تازہ دم ہو کر دمشق کی طرف روانہ ہوں ۔ جناب امیرؑ کو اب کچھ کہنے کی گنجائش نہ تھی ۔ سپاہیوں اور افسروں کی عدم رضامندی میں کوچ کرنے اور لڑنے کا حکم دینا، نافرمانی اور شکست کا امیدوار رہنا تھا ۔ درانحالیکہ وہ اپنے ہتھیار اور چارپایوں کی درستی کا عذر کر رہے تھے ۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے ابتدائی حکومت میں قیس ابن سعد کو مصر کا عامل مقرر فرمایا تھا ۔ معاویہ قیس کو مدبر سمجھ کر خوفزدہ تھا اور ملانے کی کوشش میں تھا ۔ قیس نے معاویہ کو مایوس کر دیا ۔ اب معاویہ نے اپنے دربار میں مشہور کرنا شروع کیا کہ قیس مجھ سے خط و کتابت رکھتا ہے ۔ وہ میرا دوست ہے ۔ اسے حضرت علی سے واسطہ نہیں ۔ مصر میں اس وقت ایک ایسا گروہ بھی تھا جو امیرالمومنین علی سے بیعت کا مخالف تھا اور قیس نے اسے اس کی حالت پر چھوڑ رکھا تھا ۔ حضرت کی حکومت کی وہ حالت تھی جو لکھی جا چکی ۔ متواتر مخالفتوں کی خبریں مل رہی تھیں ۔ قیس نے امیرالمومنین کو اپنی مصلحت سے مطلع نہ کیا تھا ۔ ایسی حالت میں حضرت کا یہ سمجھنا کہ قیس کمزور عامل ہے جو مصر کو مطیع نہ کر سکا ۔ یا یہ شبہ ہونا کہ وہ کیوں مخالفین سے معترض نہ ہوا، خلاف موقع نہ تھا ۔

ہمیں نہیں معلوم کہ قیس کب معزول ہوئے لیکن یہ معلوم ہے کہ نہ حضرت کی ناخوشی کے آثار تاریخ میں پائے جاتے ہیں اور نہ معزول ہونے سے قیس کی وفاداری میں کوئی کمی پائی جاتی ہے کیونکہ صفین اور جمل وغیرہ میں یہ اکثر مفید مواقع پر افسر فوج رہے اور پر جوش حملہ کرتے ہوئے دکھائی دیئے ان کی جگہ محمد ابن ابی بکر صفین کے بعد مصر کے گورنر مقرر کئے گئے ۔ اس صورت میں اگر صفین تک قیس مصر ہی کے گورنر تھے اور اس جنگ میں مدد کے لئے حضرت کے پاس حاضر ہوئے تھے ۔ تو حضرت کو ان کی مصلحت معلوم ہو جانی چاہیئے تھی اور اگر یہ خلاف تھی

تو انہیں ہدایت کی جاتی کہ تم ہر ممکن ذرائع سے مخالفین سے بیعت لو۔ اگر وہ رضامند نہ ہوں تو سختی کرو۔ تاریخ اس پر خاموش ہے اگر حمل وغیرہ کے پہلے ہی محمد ابن ابی بکر مقرر کیے گئے تھے تو یہ قریب قریب ناممکن ہے کہ قیس مقرر ہوئے ہوں اور وہ پھر حمل میں مدد کے لئے اسی مدت میں بھی آگئے ہوں۔ اس لیے واقعات کی سمت کی معزولی یا تقرری پر کوئی روشنی نہیں ڈالتی۔

اصول حکومت محمد ابن ابی بکر

محمد ابن ابی بکر جس وقت مصر کے عامل مقرر ہو کر جا رہے تھے ان سے امیر المومنینؑ نے فرمایا :- اپنے پہلوؤں کو ان کے لئے نرم رکھ، اپنے چہرہ کو ان کے لیے کشادہ رکھ۔ ان کی حالتوں کو ملاحظہ کرنے کے وقت ان کے درمیان عادلانہ رفتار اختیار کر۔ حتیٰ کہ بزرگان قوم تجھے طریق عدالت سے منحرف کرنے کی طمع کریں اور بیچارے ضعیف تیری عدالت سے مایوس نہ ہو جائیں...... جب تک زمانے کی ایک ساعت بھی تیرے لئے باقی ہے تو خلق میں سے کسی شخص کی رضامندی کے لئے پروردگار عالم کو غضب ناک نہ کر۔"

عمرو عاص اور معاویہ ابن خدیج

معاویہ ابن خدیج ایک شخص جو مخالف جماعت کا تھا اس سے محمد ابن ابی بکر نے جنگ کی لیکن شکست ہوئی۔ خود معاویہ عمرو عاص کا وعدہ پورا کرنا چاہتا ہے اسے چھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ مصر بھیجا اور یہ معاویہ ابن خدیج سے مل گیا۔ محمد ابن ابی بکر کی حالت مخدوش تھی انہوں نے دار الخلافت سے مدد چاہی۔ حضرت نے قیس ابن سعد کو بھیجنا چاہا مگر انہوں نے انکار کیا۔ آخر یہ ہمدان بھیجے گئے اور مالک اشتر جزیرہ سے طلب کئے گئے انہیں مصر کے لئے حسب ذیل فرمان دیا :-

مالک اشتر کے متعلق اہل مصر کو حکم

میں نے خدا کے بندوں میں سے ایک بندے کو تمہارے پاس بھیجا ہے جو ایام خوف میں آنکھ نہیں جھپکاتا۔ دشمنوں کے ڈرانے کے وقت ان کی طرف سے واپس نہیں پلٹتا۔ مددگاروں کے واسطے آتش سوزاں سے زیادہ سخت ہے وہ مالک ابن حارث بنی مذحج کی برادری سے ہے اس کے حکم کی اطاعت کرو، وہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ جس کی تیزی نہ کُندی سے بدلی ہوئی ہے نہ برش سے خالی ہے۔ اگر تمہیں کوچ کا حکم دے تو کوچ کرو، اگر ٹھہرنے کا حکم دے تو ٹھہر جاؤ۔ کیونکہ وہ میرے حکم کے بغیر نہ لڑائی کے لئے اقدام کرتا ہے نہ باز رہتا ہے۔ میں نے اسے اپنے نفس پر تمہاری نصیحت کے لئے اختیار کیا ہے اور اس لئے تمہارا حاکم مقرر کیا ہے کہ وہ تمہارے دشمن کے ساتھ نہایت سختی اور شدت سے پیش آنے والا ہے۔"

دستور حکومت

حضرت نے مالک اشتر سے جو کچھ فرمایا وہ بجائے خود ایک ایسا دستور ہے جس میں حضرت نے ایک حاکم کے فرائض بیان کئے ہیں۔ صوبہ کا انتظام، فوج، قاضی، منشی، آبادی زراعت، صنعت و حرفت کی ترقی، رعایا کی بہبودی، ہر گوشے پر نظر ڈالی ہے۔ رعیت کی ذہنی پریشانیاں دور کرنے کی ہدایت کی ہے۔ شہروں میں

نیک آثار قائم کرنے کا خیال دلایا ہے۔ فرمایا ہے کہ پہلے تو لوگوں کو دیکھتا تھا۔ اب لوگ تجھے دیکھیں گے۔ بتایا ہے کہ خواص کی خوشنودی پر عوام کا غصّہ غالب ہے اور عوام کی مہربانی خواص کے غصہ کو دور کر دیتی ہے۔ یہ بھی تاکید کی ہے کہ دشمن کی صلح کے بعد بھی چوکنا رہنا۔

مالک اشتر کو خفیہ زہر خورانی

مالک اشتر روانہ ہوئے۔ معاویہ کو معلوم ہوا کہ یہ فولادی آدمی منشور امارت مصر لے کر آ رہا ہے۔ ابوالفدا نے دریائے قلزم کے کسی گاؤں، طبری نے راہ مصر کے ایک گاؤں تک جس کا نام صوم ہے اس بہادر کو پہنچایا ہے۔ طبری، روضۃ الصفا اور مسٹر واشنگٹن اردنگ سب نے لکھا ہے کہ حاسان (ترجمہ طبری لیکن متن عربی میں جالبتار نام ہے) دہقان کے پاس مالک نامبارک گھڑی میں فروکش ہوئے تھے وہ معاویہ کا آدمی تھا یا معاویہ نے اسے مالک کو زہر دینے کے لئے لکھا تھا۔ اسپرٹ آف اسلام میں مسٹر اوسبورن کا یہی خیال درج کیا گیا ہے۔ غم انگیز اور متاسفانہ حادثہ ہے کہ وہ بہادر جو میدان جنگ میں شہید ہونے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا تھا وہ اس نامردانہ تدبیر کا شکار ہوا۔ بہادر اشتر صبح کو پھر نہ اٹھا۔ معاویہ کو اس مرحوم کی تلوار سے دور رہنے کا خوف جاتا رہا اور کہنے لگا "خدا کا لشکر شہد کی مکھیوں میں ہے"۔

خبر سن کر علیؑ کی حالت

حضرت علیؑ اپنے اس بہادر سپاہی، وفادار دوست، مدبّر اور قابل اعتبار عامل کی خبر موت سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ خبر سن کر حضرت گویا چونک اٹھے۔ عارفانہ استعجاب اور متاسفانہ لہجہ سے فرمانے لگے۔

"مالک اشتر کیسا اچھا آدمی تھا اگر وہ پہاڑ تھا تو اس پہاڑ کی ایسی چوٹی تھا جس پر کوئی سُمدار حیوان نہیں چڑھ سکتا تھا نہ اس پر بلند ہو کر کسی پرندے کو پر مارنے کی جرأت تھی...... عورتیں مثل اس کے دوسرا نہ جنیں گی۔ اس کی مثال دوسرا موجود نہیں ہے۔" سچی تعریف تھی۔ مالک کی طبیعت شناسی اور قدردانی علیؑ کے ان احکام سے ظاہر ہے جو افسر مقرر کرنے کے وقت دیا کرتے تھے۔ ایسا قوی الارادہ اور زبردست آدمی علیؑ کے پاس دوسرا نہ تھا۔ حضرت علیؑ کا داہنا ہاتھ مکاری سے کاٹ دیا گیا۔ مالک کی روح اس سے زیادہ کسی دوسری بات سے تسکین نہ پا سکتی تھی۔ حضرت علیؑ ان کے لئے متاسف اور ان کے قدردان تھے۔ حضرت علیؑ کے دوست مالک کی بے قدری کریں گے اگر وہ اپنے تذکروں میں اس شخص کو مناسب جگہ نہ دیں جس سے اکثر مخدوش مواقع پر حضرت علیؑ کو تسکین تھی۔ حضرت علیؑ کے تین دوستوں میں دو تمام کر دیئے گئے۔ تیسرے محمد ابن ابی بکر کی عبرت خیز حالت کا تذکرہ دور نہیں ہے۔

محمد ابن ابی بکر کے نام حکم

اس اندوہناک واقعہ کے بعد امیر المومنین نے جو فرمان محمد ابن ابی بکر کے پاس روانہ فرمایا اس سے قابل اعتبار لوگوں کی کمی کا اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

حضرت کو شایان لوگوں کی دل دہی کا کس قدر خیال تھا۔ فرماتے ہیں:۔

مالک کو تمہاری جگہ بھیجنے سے جو حزن و ملال تمہیں لاحق ہوا ہے، مجھے معلوم ہے اس کی خبر ملی ہے میں نے یہ فیصل تمہارے جہاد کی کوتاہی یا تمہارے دشمنوں کی زیادتی کی وجہ سے نہیں کیا ہے۔ وہ سلطنت جو تمہارے ہاتھ میں ہے اگر میں چھین لیتا تو بیشک میں تمہیں ایسی سلطنت پر حاکم بناتا جس کی حکومت تمہاری موجودہ سلطنت سے بنظر محنت و مشقت آسان اور بنظر حکومت تمہارے لئے نہایت ہی خوش آئند اور گوارا ہوتی۔ وہ شخص جسے میں نے سلطنت پر حاکم مقرر کیا تھا وہ ہمارے لئے ایک مہربان اور ناصح اور ہمارے دشمنوں کے ساتھ بہ سختی پیش آنے والا تھا۔ خداوند تعالیٰ اس پر رحم کرے اس کے ایام عمر پورے ہوگئے۔ اپنی موت سے ہم آغوش ہوگیا۔ ہم اس سے راضی و خوشنود ہیں،،

محمد ابن ابی بکر کی حیرت خیز موت

مصر کی پرغم داستان یہ ہے کہ شامی اور مصری فوجوں کے مقابلہ کے لئے محمد ابن ابی بکر جس قدر سپاہی جمع کر سکے انہیں کنانہ کی ماتحتی میں روانہ کیا۔ کنانہ کے لشکر کو شکست ہوئی۔ محمد ابن ابی بکر نے عام بغاوتوں اور شامی امداد کا خیال کرکے اپنے موقع کو نازک سمجھا اور ایک جگہ پناہ لی۔ یہ گرفتار ہوئے۔ خچر کی کھال میں سیئے گئے اور دہکتی ہوئی آگ میں ڈالے گئے۔ حضرت ام المومنین عائشہ کو جب اپنے بھائی کے ساتھ اس وحشیانہ برتاؤ کا علم ہوا، جس نے انہیں شکست میں باعزت میدان جنگ سے محفوظ مقام پر پہنچایا تھا تو انہوں نے معاویہ کے لئے بڑے الفاظ بافراط استعمال کئے (طبری) حضرت پر کیا اثر ہوا وہ اس خط سے ظاہر ہوگا جو ابن عباس کو تحریر فرمایا تھا:۔

خبر سن کر علیؑ کی حالت

"مصر کو دشمن نے فتح کر لیا۔ محمد ابن ابی بکر شہید ہوگئے خدا ان پر رحمت نازل کرے وہ پسر مہربان تھا، وہ ایک رنج کش حاکم تھا وہ شمشیر براں تھا۔ وہ نہایت قوت کے ساتھ دشمن کا دفع کرنے والا تھا۔ میں لوگوں کو اس سے ملحق ہونے کی تحریص اور اس واقعہ شہادت سے پہلے اس کی فریادرسی کے لئے حکم کرتا تھا۔ پوشیدہ و اعلانیہ، معاودۃً و ابتداً انہیں بلاتا تھا۔ بعض تو ان میں سے کراہت اور بے رغبتی کے ساتھ اس حکم اور دعوت کو قبول کرتے تھے۔ بعض جھوٹے عذر کے ساتھ اعتذار سے کام لیتے تھے، بعض تارک جہاد ہو کر اپنی جگہ سے بھی نہ اٹھتے تھے۔

اس کے بعد کے واقعات بیان کرنے کے قبل مناسب ہوگا کہ حضرت کے مخاطبوں میں سے بعض فقرات درج کئے جائیں جنہیں آپ لوگوں کو متواتر معاویہ کی مخالفتوں کے جواب دینے کے لئے تیار کرتے ہیں۔ تساہلی کی مضرتوں کو دکھاتے ہیں نتیجہ سے آگاہ کرتے ہیں لیکن لوگ بجس موروتوں کی طرح سنتے ہیں اور حضرت کو اپنی تمام تکلیفوں کے صلہ میں بجز غم اور غصہ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا فرماتے ہیں:۔

"خبردار ہو جاؤ۔ میں شب و روز اعلانیہ اور پوشیدہ طور سے تمہیں اس قوم سے جہاد کرنے کی طرف دعوت دے رہا ہوں اور میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم ان کے حملوں سے پہلے ان پر چڑھائی کر دو۔ قسم خدا کی جس قوم نے اپنے گھر کے لوگوں میں پھنس کر لڑائی اور جنگ بھی کی وہ ہمیشہ مغلوب و مقہور رہے ہیں تم اپنے اس فرض کو ایک دوسرے پر چھوڑ رہے ہو۔"

اہل کوفہ کو بوسیدہ کپڑے اور زخمی کوہان اونٹ کی مثال دیتے ہوئے تساہلی پر ملامت فرماتے ہیں۔

علی اور بادشاہ کا اخلاقی فرض

میں اس چیز سے خوب واقف ہوں جو تمہارے فتنہ و فساد کی اصلاح کر سکتی ہے۔ تمہاری کجی کو سیدھا کر سکتی ہے۔ جابر اور ظالم بادشاہوں کی سیاستوں کا تمہارے ساتھ عملدر آمد ہو سکتا ہے مگر میں اپنے نفس کو فاسد کر کے تمہاری اصلاح نہیں چاہتا۔ کیا تم ابطال باطل میں اتنی کوشش بھی نہیں کر سکتے جتنی حق کو چھپانے کے لئے عمل میں لاتے ہو"

"تمہیں ملامتیں کرتے کرتے اندوہ گیں ہو رہا ہوں"

لوگوں کی کمزوریاں

"اہل کوفہ! تم میرے پاس مثل غائب کے حاضر ہو......... میں تمہیں صبح کے وقت سیدھا کرتا ہوں اور شام کے وقت پھر ٹیڑھی کمان کی طرح میرے پاس آتے ہو..... تم نہ دوستوں کی ملاقات کے وقت مردان راست گو اور آزاد ہو اور نہ بلاؤں کے وقت موثق اور معتمد بھائی"

علی متنفر ہو گئے

اب تو میری یاد علیٰ ہے اور میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ پروردگار عالم میرے اور تمہارے درمیان تفرقہ اندازی کر دے"

"افسوس ہے تم پر! مجھے تمہاری طرف سے بڑی سختیاں پہنچی ہیں۔ میں ایک روز تمہیں بلاتا ہوں۔ ایک روز تم سے اپنے راز بیان کرتا ہوں مگر تم بلانے کے وقت مردان راست گفتار نہیں ہو اور راز داری کے وقت معتمد اور بے خیانت دوست ثابت نہیں ہوتے۔"

عقلمند اور مکار

ایک موقع پر حضرت فرماتے ہیں:۔

"معاویہ مجھ سے زیادہ عقلمند اور زیرک نہیں مگر وہ مکار ہے۔ فسق و فجور کرتا ہے۔ اگر یہ باتیں قبیح نہ ہوتیں تو میں مدبر ترین شخص معلوم ہوتا۔ میں مکاروں کی مکاریوں سے غافل نہیں کیا گیا ہوں اور کسی شخص کی نرم گیری سے نرم نہیں ہوا۔"

معاویہ کی فوج بصرہ میں تباہ ہوئی

مصر سے فارغ ہونے کے بعد معاویہ نے عبداللہ ابن حضرمی کی ماتحتی میں کچھ فوج دے کر بصرہ لوٹنے کی غرض سے بھیجا۔ عبداللہ ابن عباس، زیاد

ابن ابیہ کو اپنا قائم مقام چھوڑ کر دار الخلافت میں مقیم تھے، نے یاد کر شکست ہوئی۔ یہ خبر حضرت علیؑ کے پاس پہنچی۔ امیر المومنینؑ نے کچھ فوج حارثہ بن قدامہ کی ماتحتی میں اس غارت گر لشکر کے تدارک کے لئے بھیجی۔ حضرمی قلعہ میں چھپا۔ حارثہ نے غالباً اہل شام کے گزشتہ مظالم خصوصاً محمد ابن ابی بکر کی عبرت ناک موت کے غصے میں قلعہ میں آگ لگادی۔ حضرمی اور اس کے لشکر کا اس طرح خاتمہ ہو گیا

عین التمر بھی محفوظ رہ گیا

بصرہ کے بعد معاویہ نے عین التمر میں قسمت آزمائی کی اور نعمان بن بشیر کو دس ہزار سپاہیوں سے اس کی بربادی کا حکم دیا۔ مالک بن کعب حضرت علیؑ کی طرف سے یہاں کا حاکم تھا اس نے شامیوں کے ایک بڑے لشکر کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لے لی اور دربار خلافت میں اطلاع حالات کے لئے قاصد روانہ کیا۔ حضرت علیؑ کی کوششیں جاری رہیں۔ محاصرہ کو ایک مہینہ گزر گیا۔ مالک نے ایک روز سو آدمیوں کے ہمراہ اہل شام سے جنگ کی۔ قریب شام عبدالرحمٰن ابن مخنف پچاس آدمیوں کی جماعت سے مالک ابن کعب کی مدد کے لئے پہنچا، نعمان سمجھا کہ کوفہ سے مدد کے لئے بڑا لشکر آرہا ہے وہ بھاگ گیا اور صرف اتفاق سے اس سرحدی مقام کو محفوظ رکھا۔

ہیت و انبار میں معاویہ کی فوج

معاویہ نے سفیان ابن عوف کو ہیت بھیجا اس کے ساتھ چھ ہزار سپاہی تھے، ہیت موصل اور شام کے درمیان ہے۔ اس کی لوٹ کے بعد یہ لوگ انبار آئے یہاں حسن البکری حضرت علیؑ کی طرف سے عامل تھا۔ حسان مارا گیا اور حضرت علیؑ کو اس کی خبر ملی۔ فرمانے لگے:۔

ایک عورت پر ظلم اور علی کی بے چینی

"قتل اور غارتیں تم پر ہوتی رہیں گی۔ تمہارے مال تاراج ہوں گے، تمہارے گھروں پر قبضہ کر لیا جائے گا .... دشمن کے سوار ولایت انبار میں داخل ہو رہے ہیں۔ وہاں کے عامل حسان ابن حسان البکری کو قتل کر ڈالا ہے۔ تمہارے سواروں کو تمہارے اسلحہ خانوں سے ہٹا دیا ہے۔ مجھے ان حملہ آوروں کے ظلم و جور کی یہاں تک خبر پہنچی ہے کہ ان میں سے ایک شخص کسی مسلمہ یا ذمیہ عورت کے گھر میں داخل ہوا۔ اس کی پازیب، اس کے کڑے، اس کا گلوبند، اس کے گوشوارے یہ سب زیورات نہایت بے رحمی کے ساتھ چھین لئے وہ عورت اس مرد کو روک نہ سکی۔ مگر ہاں وہ برابر صدائے گریہ بلند کر رہی تھی اور قبیلہ والوں کو بلا رہی تھی اور یہ لشکر ایک کثیر اور وافر مال غنیمت لے کر واپس گیا۔ نہ تو ان میں سے کسی کو زخم پہنچا نہ کسی کے خون کا ایک قطرہ زمین پر گرا۔ اب اگر کوئی مسلمان اس سانحہ دل خراش پر افسوس کرتا کرتا مر جائے تو اسے ملامت نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ اسی مرگ کا سزاوار ہے۔ آہ! تعجب اور سخت تعجب ہے دل مردہ ہوا جاتا ہے .... کہ وہ مخالف تو سب کے سب اپنے فعل باطل پر اس قدر اجماع کر رہے ہیں اور تم امر حق سے یوں متفرق اور پراگندہ ہو .... وہ تم سے لڑائی لڑتے ہیں اور تم لڑائی سے جان چھڑاتے ہو۔ خدا کی نافرمانیاں اور معصیتیں کی جاری ہیں اور تم راضی ہو بیٹھے، بیٹھے دیکھ رہے ہو۔ جب موسم گرما میں تمہیں ان کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیتا ہوں تو تم کہتے ہو کہ یہ سخت

گرمی کے دن ہیں ہمیں مہلت دیجیئے کہ یہ گرمیاں کم ہوں اور جب جاڑوں میں یہی حکم دیا جاتا ہے تو عذر کر دیتے ہو کہ اب تو سردی کی شدت ہے، ذرا مہلت عنایت ہو کہ سردیوں کی تکلیف ہم سے زائل ہو جائے ۔ یہ سب گرمی اور سردی بھاگنے کی باتیں ہیں ۔ یہ محض حیلے ہیں اگر تم واقعی گرمی اور سردی کی شدت برداشت نہیں کر سکتے ہو اور اس سے بھاگتے ہو، تو تلوار کی آنچ سے ضرور ہی بھاگ جاؤ گے ۔

اے مرد صورتو! حالانکہ مردتم میں کوئی نہیں ہے ۔ اے خواب ہائے اطفال ۔ اے عقول زنان حجلہ نشین ۔ میں اس بات کو دوست رکھتا تھا کہ تمہیں نہ دیکھوں نہ پہچانوں ۔ قسم خدا کی تمہاری اس جان پہچان نے پشیمانی کے دروازے کھول دیئے ہیں پھر لگاتار رنج و غم سے دوچار رہوں ۔ تم نے میرے قلب کو خون کر دیا ہے تم نے اپنے عصیان اور نافرمانیوں کی وجہ سے میری رائے اور تدبیر کو بھی فاسد کر دیا ہے ۔ حتیٰ کہ اب قریش یہ کہتے ہیں کہ ابی طالب کا بیٹا مرد شجاع تو ضرور ہے مگر علم جنگ سے واقف نہیں ۔ ان کے بزرگ ان کے سپرد ! کیا ان میں سے کوئی ایسا شخص تھا یا ہے جو علمی جنگ میں مجھ سے سربرا ہوا، اور میدان جنگ میں مجھ سے زیادہ قائم رہنے والا ہو ۔ بیشک میں اس وقت لڑائی کے لئے اٹھا تھا جب میری عمر بیس برس کو بھی نہ پہنچی تھی اور اب میں ساٹھ سال کا ہو چکا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ رائے اور تدبیر اس شخص کے لیے سودمند نہیں جو اس پر عمل کرنے والا نہیں ۔

انبار

گزشتہ نافرمانیوں کے تجربے سے اب حضرت نے ظاہر فرمایا کہ میں تنہا انبار جاتا ہوں ۔ قیس ابن سعد نے روکا اور کچھ آدمیوں کو جمع کر کے روانہ ہوا لیکن دشمن ان کے پہنچنے کے قبل چلا گیا تھا ۔

تیما محفوظ رہا

معاویہ نے کچھ فوج عبداللہ ابن سعد الفزاری کی ماتحتی میں تیما بھیجی اسے حکم دیا کہ عربوں سے صدقہ وصول کرنے کے بعد مکہ اور مدینہ جائے ۔ امیرالمومنین نے یہ خبر سن کر مسیب فزاری کو دو ہزار سپاہیوں سے روانہ کیا ۔ معاویہ کا افسر قلعہ بند ہوا ۔ مسیب نے آگ لگانے کی کوشش کی ۔ شامی اس ارادے سے مطلع ہو کر بھاگے ۔

معاویہ کی فوج حاجیوں کو بھگانے کے لئے

معاویہ نے ضحاک ابن قیس کے ساتھ چار ہزار سپاہی روانہ کئے کہ ریگستانی آبادی کو ویران کر دے اور حاجیوں کو یہ کہہ کر واپس کر دے کہ کوئی امام نہیں ہے ۔ کس کے ساتھ حج کرو گے، یہ خبریں معلوم کر کے حضرت نے قثم ابن عباس حاکم مکہ کو یہ فرمان بھیجا :۔

مجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ عربی علاقوں سے میرے جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ اہل شام میں سے کچھ لوگ مقام اجتماع حجاج کی طرف توجہ کر رہے ہیں ...... عامل بالخیر کے سوا کوئی شخص مرتبۂ خیر پر فائز نہ ہوگا ۔ فاعل شر کے سوا اور کسی کو شر کی سزا و جزا نہ دی جائے گی تو اس چیز کو جو تیرے ہاتھ میں ہے ۔ ایک انتہائی محتاط، ایک عاقل ناصح، اپنے سلطان کو نفع پہنچانے والے، اپنے امام کی اطاعت کرنے والے کی طرح قائم رکھ ۔"

حاجیوں اور قافلوں کی حفاظت کے لئے حضرت نے جو سپاہی مقرر فرمائے تھے ضحاک نے انہیں قتل کر ڈالا۔ جب حضرت کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے حجر کندی کی ماتحتی میں چار ہزار سپاہی روانہ کیے۔ لڑائی ہوئی ضحاک شکست کھا کر بھاگا۔

فارس کا انتظام

فارس میں کچھ شورشوں کے آثار پائے جانے لگے تھے۔ عبداللہ ابن عباس نے زیاد کو روانہ کیا۔ زیاد نے اچھا انتظام کیا اور خراج وصول کر کے امیرالمومنین کے پاس روانہ کیا۔

زیاد ابن ابیہ

ایک مرتبہ معاویہ نے زیاد کے پاس خط بھیجا اور اسے ملانے کی کوشش کی۔ اس میں دھمکیاں بھی تھیں۔ زیاد نے لوگوں کو جمع کر کے معاویہ کا خط سنایا اور ظاہر کیا کہ اگر امیرالمومنین مجھے حکم دیں تو معاویہ کا وہ حال کردوں کہ زمانہ کے لئے عبرت ہو

حضرتؑ کو جب معاویہ کی ریشہ دوانی کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے زیاد کو تحریر فرمایا:۔

"آگاہ ہو کہ میں نے حکومت فارس تیرے حوالے کی۔ شکر خدا کا کہ تجھ میں قابلیت انجام دہی امور ہے۔ سوا صبر و ثبات کے اپنی حکومت مضبوط نہیں رکھ سکتا۔ خدا پر بھروسہ رکھ اور معاویہ کے مکر سے ہوشیار رہ۔ والسلام"

مدینہ ۴۰ھ

معاویہ نے بسر ابن ارطاۃ کو تین ہزار سپاہیوں سے مدینہ روانہ کیا۔ یہاں ابوایوب انصاری عامل تھے۔ کہا گیا ہے کہ ابوایوب یہ سن کر حضرت علیؑ کے پاس چلے آئے اور بسر نے مدینہ لوٹ کر ابوہریرہ کو یہاں کا عامل مقرر کیا

حضرت علیؑ نے یہ خبر سن کر وہب بن مسعود کو روانہ کیا۔ ابوہریرہ وہب کی خبر سن کر چلتے ہوئے اور مدینہ پھر حضرت علیؑ کے قبضہ میں آ گیا۔

یمن

مدینہ کے بعد بسر ابن ارطاۃ یمن گیا۔ یہاں اس وقت عبداللہ ابن عباس عامل تھے۔ بسر ابن ارطاۃ کو یہاں بھی دستبرد کا موقع ملا۔ بسر نے ابن عباس کے دو صغیر السن بچوں کو ذبح کر ڈالا۔ یہ خبر سن کر حضرت نے فرمایا:۔

پیشینگوئی

"مجھے بسر ابن ارطاۃ کی خبر ملی ہے کہ اس نے یمن پر قبضہ کر لیا۔ آہ! تم اپنے برحق امام سے مخالفتیں کر رہے ہو تم میں تفرقے ظاہر ہو رہے ہیں۔ قسم خدا کی مجھے اس قوم کی طرف سے یہ گمان ہے کہ وہ تمہاری بدعنوانیوں سے فائدہ اٹھا کر تمہیں اپنی رعایا بنا لے گی اور تم اس کے فرمانبردار بن جاؤ گے۔"

۲۔ ایک دوسرے موقع پر بنی امیہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"وہ تمہیں برابر اذیتیں پہنچاتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ایک شخص کو بھی تم میں سے ایسا نہ چھوڑیں گے جو انہیں نفع نہ پہنچائے یا ان کے نزدیک اس کا نفس بے مضرت ثابت ہو۔ ان کی بلائیں تم پر مسلط رہیں گی۔ جب تک کہ تم میں سے ایک ایک شخص ان کا غلام اور خدمت گار نہ بن جائے .... اس زمانے میں قریش اسے دوست رکھیں گے کہ تمام دنیا و مافیہا کے عوض مجھے ایک مرتبہ دیکھ لیں اگرچہ وہ اتنا ہی وقت کیوں نہ ہو، جتنا کہ بچہ شتر کے نحر ہونے میں صرف ہوتا ہے۔ اس وقت انہیں میری قدر معلوم ہو گی اور اس وقت تمنا کریں گے کہ ان سے اس چیز کو بالکل قبول کر لوں۔ جس کے بعض حصوں کو آج طلب کر رہا ہوں اور یہ بھی مجھے دینے سے

انکار کرتے ہیں۔"

چھوٹے چھوٹے حملوں کی غرض

واقعہ صفین کے بعد جو کچھ لکھا گیا اس میں کسی طرح شبہ نہیں رہتا کہ معاویہ نے صفین میں حضرت علیؑ کے افسروں کی نافرمانی دیکھ کر تحکیم کی شہرت کے بعد چھوٹے چھوٹے مقامات پر چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے لئے فوج بھیجی۔ اس سے جہاں حضرت علیؑ کے قوت کی نبض شناسی مد نظر تھی وہاں یہ بھی غرض تھی کہ حضرت علیؑ کی رعایا متواتر حملوں کی خبر سن کر مرعوب ہو جائے اور ان کی حکومت کی غیر محفوظ حالت کا خیال کر کے ہماری حکومت قبول کرے۔ یہی غرض مکہ کی راہیں لوٹنے سے تھی کہ ایام حج میں اطراف کے لوگوں کو معاویہ کی حملہ آوری معلوم ہو جائے اور ان پر یہ اثر ڈالا جائے کہ کوئی مستند امام نہیں ہے۔ خبر دور تک پہنچی تھی۔ اسی خوف سے اس سال خراسان کے لوگوں نے حج کا قصد نہ کیا۔

معاویہ کی اس تمام دستبرد کا علاج اس وقت ممکن تھا جب کہ ایک مرتب فوج ہر وقت اس کی سزا دہی کے لئے مستعد رہتی اور حکم ملتے ہی سر پر موجود ہو جاتی۔ ایک آدھ مرتبہ کے معقول علاج کے بعد ہمت کم ہو جاتی اور اپنی ہی حفاظت کا خوف ہو جاتا۔ لیکن اس کی تمام جرأت اس علم پر تھی کہ حضرت علیؑ کی فوج نافرمان ہے اور قرین قیاس ہے کہ معاویہ اور اکثر لوگوں سے وہی معاملت ہو، جو اشعث ابن قیس وغیرہ سے تھی۔ ان تمام حملوں کو مختصر لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس وقت علیؑ کا حکم سنا گیا اور کچھ سپاہی گئے تو معاویہ کے لشکر کو شکست ہوئی ورنہ وہ لوٹ مار کر کے چل دیئے۔

بحیثیت حاکم کے علیؑ کی تکلیف

خیال کرو کہ ایک بیدار مغز حاکم کی تکلیفوں کا جب کہ اس کی رائے نافرمانیوں کی بدولت عمل درآمد سے محروم ہو رہی ہو، وہ جانتا ہو کہ ہمیں اپنی حکومت میں امن وامان قائم رکھنا اور دشمن سے محفوظ رکھنا فرض ہے لیکن جس وقت وہ چپ و راست کچھ حکم بجا لانے والوں کو ڈھونڈھتا ہے تو نافرمان طبیعتیں، ناشناس صورتیں اور نافہم وجود کا شکم پرور ڈھیر دکھائی دیتا ہے۔ جن پر یہ الفاظ بھی کوئی مفید اثر نہیں کرتے کہ تم اپنی آزادی کھو کر ایک خود غرض قوم کے غلام بنا دیئے جاؤ گے اور تفرقہ و نافرمانی اس وقت تمہیں افسوسناک معلوم ہوگی

علیؑ اپنے ارادے سے نہ ہٹے

ان ہمت شکن حالتوں میں بھی حضرت کے ارادے یہ ہیں کہ معاویہ کے دماغ سے دستبرد کے خیالات دور کرنے کے لئے اس پر ایک کاری ضرب لگانی ہوگی، کوئی کمی نہ ہوئی۔

معاویہ کی فوجیں ان مقامات کی ہوا بھی نہ کھاتیں اگر قصۂ تحکیم کی خبر سن کر حضرت کا حکم مانا ہوتا اور شام کی طرف کوچ کر دیا ہوتا لیکن افسوس کہ صاحب اثر حکم ماننے والے موجود نہ تھے۔ بہادر اشتر اپنی شجاعت کا سکہ بٹھا کر آرام کی نیند سو رہا تھا۔ ایسی نیند جس سے تلواروں کی جھنکار، سموں کے کڑا کے، بہادروں کے نعرے، میدان جنگ کی پُر ہیبت صدائیں نہیں چونکا سکتیں۔ عمار نہ تھے، محمد ابن ابی بکر حق دوستی ادا کر چکے۔ یہ لوگ اس قابل تھے کہ ضرورت کے وقت امیر المومنینؑ انھیں یاد فرماتے

اور ان کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑتا۔ تدبیر اور دور بینی کی کمی نہ تھی۔ حکم بجالانے والوں کی کمی تھی۔ تدبیر اور حکم نافرمانیوں سے سر ٹکرا رہے تھے، قبل اس کے کہ اپنی منزل پر پہنچتے۔

حضرت نے ایک روز خطبہ فرمایا، اپنے گزشتہ وفادار دوستوں کو یاد کیا اور کہا:۔

"بندگانِ خدا خبردار ہوجاؤ! میں آج لشکر کو تیار کرنے والا ہوں۔ اب جو شخص خدا کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کرے، وہ نکل آئے۔"

فوجی انتظام

اس کے بعد حضرت نے اپنے فرزند امام حسین ؑ کو دس ہزار سواروں کا افسر مقرر کیا۔ دس ہزار قیس ابن سعد دس ہزار ابوایوب انصاری اور باقی سپاہی دیگر امرائے لشکر کے سپرد کئے۔ غالباً ابن خلدون کا یہ خیال کہ حضرت نے اپنے فوجی افسروں سے فہرست طلب کی اور سعد بن قیس، معقل ابن قیس، عدی بن حاتم، زیاد بن حفصہ اور علی وغیرہ چالیس ہزار تجربہ کار اور سترہ ہزار نوعمر اور آٹھ ہزار خادم پیش کر سکے۔ یہ ابن عباس کی فوج کے علاوہ تھی جو اسی وقت سے متعلق ہے لیکن افسوس کہ ابھی کوچ کرنے کا مقررہ دن بھی نہ آیا تھا کہ ابن ملجم اپنا کام کر گیا۔ جس کا ذکر آنے والا ہے۔

سجستان کی بغاوت اور امن

ہم اب حضرت علی ؑ کے زمانۂ خلافت کے قریب پہنچ گئے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چند تاریخی حیثیت کے واقعات کو بھی بیان کر دیں جو باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے ایک حبلہ بن عتاب حبطی کی بغاوت تھی۔ اس نے سجستان میں شورش کی۔ حضرت علی ؑ نے اس کی سزادہی کے لئے عبدالرحمٰن بن جرو الطائی کو روانہ کیا۔ عبدالرحمٰن مارا گیا۔ اس کے قتل ہونے کی خبر سن کر امیرالمومنین ؑ نے ابن عباس کو بھیجا کہ کسی کو والی سجستان بنا کر بھیج دو۔ انہوں نے ربعی ابن کاس عنبری کو چار ہزار آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ اس مرتبہ باغی قتل ہوا اور سجستان میں امن ہوگیا۔

بنی ناجیہ

بنی ناجیہ ایک نصرانی فرقے نے خوارج سے مل کر حضرت کے عامل سے جنگ کی۔ حضرت نے معقل ابن قیس کو روانہ فرمایا پانچ سو آدمی گرفتار ہوئے۔ اسیروں نے مصقلہ ابن ہبیر شیبانی سے رہائی کی درخواست کی۔ اس نے جرمانہ اور رہائی کے لئے پانچ لاکھ درہم دینے کا وعدہ کیا۔ روپیہ دینے کے لئے اس نے مہلت طلب کی، مہلت دی گئی، قیدی آزاد کر دیئے گئے۔ مصقلہ دو لاکھ درہم لے کر معاویہ کے پاس بھاگ گیا۔ اس کے بھاگنے کی خبر سن کر حضرت نے فرمایا:۔

عالی ہمتی

"اس نے کام سرداروں اور بزرگوں کا سا کیا مگر غلاموں کی طرح بھاگ نکلا۔ مدح کرنے والوں کی زبانیں کھلی ہی تھیں کہ انہیں خاموش کر دیا۔ اپنے مدح کی تصدیق بھی نہ کی تھی کہ انہیں اپنی سرزنش پر آمادہ کر لیا۔ اگر وہ قائم رہتا اور نہ بھاگتا تو ہم اس سے اسی قدر قیمت لیتے جو اسے میسر تھی اور اس کے مال و دولت کے وافر ہونے کا انتظار کرتے۔

شہادت حضرت علیؑ

حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی شہادت کے متعلق ذیل کی خبر ہم تک پہنچی ہے، جسے ہم بیان کرتے ہیں۔ لیکن ہماری دانست میں صرف اسی قدر نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے جسے ہم پیش کریں گے۔

ابن ملجم اور قطام

کوفہ کے محلہ بنی کندہ میں کچھ خوارج رہتے تھے ان میں سے ایک عورت قطام بنت الاخضر تھی جس کا کوئی عزیز حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ یہ بیوہ تھی اور چونکہ شکل و شمائل میں اکثر عورتوں سے ممتاز تھی۔ لوگ اس سے عقد کی خواہش کرتے تھے۔ انہی میں ایک شخص عبدالرحمٰن ابن ملجم بھی تھا۔ اس کی نسبت مشہور ہے کہ یہ یمن سے آیا تھا اور جب نہروان میں فتح ہوئی تو حضرت علیؑ کی اجازت سے یہ کوفہ میں خبر دینے آیا۔ یہ ہر محلہ میں بلند آواز سے فتح کی خبر دیتا تھا کہ اسے ایک مکان سے گانے کی آواز سنائی دی۔ حضرت علیؑ کے زمانے میں اس کا ایک نامشروع امر پر متعجب ہونا بڑی بات نہ تھی اس نے دروازے پر جا کر آواز دی۔ کچھ عورتیں نکلیں۔ انہی میں سے قطام بھی تھی۔ غالباً یہ نامشروع امر کی بازپرس کرنے آیا تھا لیکن قطام کی صورت دیکھ کر اپنا خیال بھول گیا اور پوچھنے لگا:۔

"تو کس قبیلے کی ہے؟"

"تیم الرباب" ـــــ (یہ خوارج کا ایک قبیلہ تھا اور خود قطام کے بارہ عزیز قتل ہوئے تھے)

"تو شوہر دار ہے؟"

"نہیں"

"چاہتی ہے کہ تجھے ایک چاہنے والا شوہر ملے۔"

"میں ایک زمانے سے ایسے شوہر کی تلاش میں ہوں۔ میرے گھر میں آ کہ اپنے بزرگوں سے صلاح کر لوں"

ابن ملجم داخل ہوا اور قطام نے اس سے کہا:۔

"میرے بزرگ بڑے مہر پر راضی ہوتے ہیں۔"

"تو مہر مقرر کر کہ میں اس میں غور کر لوں"

"میرا مہر تین چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ تین ہزار درہم نقد ادا کر، دوسرے ایک حسین ترین کنیز خدمت کے لئے مقرر کر، تیسرے علیؑ کو قتل کر۔"

"درہم اور کنیز کی شرط قبول ہے لیکن قتل علیؑ آسان امر نہیں ہے تم جانتی ہو علیؑ وہ ہیں جنھوں نے سرکشان عرب کے غرور کو توڑ دیا"

"یہ آسان ہے کہ کنیز اور درہم کی شرط سے باز آؤں لیکن باپ بھائی کے انتقام سے باز نہیں آ سکتی"۔ ابن ملجم نے قطام سے علیؑ کے قتل کا وعدہ کیا۔"

تاریخی غلطی

یہاں ایک تاریخی شبہ ہے وہ یہ کہ جنگ نہروان حضرت علیؑ کے قتل سے بہت دن پیشتر ہوئی۔ اس کی خبر اور شہادت میں اس قدر تھوڑا تفرقہ نہ تھا جس قدر اوپر لکھا ہے بلکہ غالباً صاحب روضۃ الشہداء کا یہ منشا ہوگا کہ ابن ملجم کے قطام پر عاشق ہونے کی ابتدا متذکرۂ صدر سے واقع ہوئی اور اسے اپنے قابل نفرین ارادے کے اجرا کا کچھ دنوں بعد موقع ملا لیکن ترتیب واقعات یہ کہتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ وہ فتح کی خبر سے مشتعل ہو کر آیا ہو، نہروان کے بعد اور شہادت امیرالمومنینؑ کے چند روز قبل کوفہ میں وارد ہوا۔

علیؑ شہادت سے چند روز پہلے

بہرحال امیرالمومنین کا معمول تھا کہ وہ ایک روز خانۂ امام حسنؑ میں اور ایک روز خانۂ امام حسینؑ میں افطار فرماتے تھے کہ رمضان کی انیسویں شب آ گئی۔ علیؑ نے تمام شب عبادت کی۔ اس رات کو علیؑ بار بار صحن میں تشریف لاتے تھے اور آسمان کو دیکھتے تھے بلکہ یہ بھی تذکرہ ہے کہ اپنی معمولاً کم خوراک میں ان دنوں اور بھی کمی کر دی تھی اور لوگوں کے اصرار پر فرمایا تھا:۔

"میری موت قریب ہے میں نہیں چاہتا کہ حکم خدا کے پہنچنے پر آلودہ رہوں"۔

شب ضربت کیا فرمایا

امیرالمومنین کا معمول تھا کہ نماز سحر کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تھے اور جو لوگ موجود ہوتے تھے انہیں نماز کے لئے جگا دیتے تھے۔ اس رات کو جب نماز سحر کا وقت آیا تو وضو کیا اور کمر باندھنے کے وقت فرمایا:۔

"موت کے لئے کمر چست باندھ لے کہ وہ تجھ سے ملاقات کرے گی۔"

جانوروں پر تعجب خیز اثر، جسے زمانہ حال کا اسپریچول سائنس قبول کرتا ہے

حضرت نے اب مسجد کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کیا۔ ایک تعجب خیز بات اس وقت یہ ہوئی کہ کچھ بطین جو گھر میں پلی ہوئی تھیں، پائے اقدس سے لپٹ گئیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس طرح گھیر لینے سے ان کی یہ غرض ہے کہ اپنے مالک کو باہر نہ جانے دیں یا قضا و قدر نے ان کی اس حرکت سے وداع کرنے کی پیشینگوئی کرائی تھی۔ لوگوں نے ان جانوروں کو مار کر ہٹانا چاہا مگر حضرت نے فرمایا:۔

"ان سے باز پرس نہ کرو کہ مجھ پر نوحہ کر رہی ہیں۔"

"حسنؑ نے فرمایا":۔

"بابا یہ کیا فال آپ منہ سے نکالتے ہیں، ہمیں رنج ہوتا ہے۔"

"اے فرزند یہ فال نہیں ہے بلکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میں اس مہینہ میں مارا جاؤں گا۔"

حضرت اس وقت اپنے فرزندوں اور متعلقین سے اس طرح کی باتیں کر رہے تھے، جیسے کوئی وداع کرتا ہے۔ گھر کے لوگوں پر اس کا بڑا اثر پڑا اور سب کے سب غمگین ہو گئے۔ حضرت علیؑ مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ اگر راہ میں لوگوں کی وجہ سے رک جاتے تھے تو فرماتے تھے:۔

"راہ خدا میں جہاد کرنے والے مومن کو راہ دو، جس نے سوائے خدا واحد کے کسی کی پرستش نہیں کی"

آخری اذان

مسجد میں پہنچ کر حضرت نے اذان کہی۔ رات کے سناٹے میں علیؑ کی صدائے اذان سن کر قطام نے ابن ملجم شبیب ابن بجرہ بن بحرہ اشجعی اور وردان کو جو شب کو اس کے گھر شراب خواری میں مشغول تھے، جگایا اور کہا:۔

صدائے اذان اور قاتل

"علیؑ مسجد میں آ گئے، قبل اس کے کہ لوگ مسجد میں پہنچیں میرا کام کر آؤ۔"

ابن ملجم نے کہا:۔

"میں نے کل علیؑ کو کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ ''علیؑ کا قاتل بدترین خلائق ہوگا''، جاتا ہوں یا اپنا کام کیا یا ہلاک ہوا"۔ ابن ملجم نے مسجد میں پہنچ کر اپنے کو سونے والوں میں ڈال دیا۔ امیرالمومنین اس وقت اوراد میں مشغول تھے فارغ ہو کر لوگوں کو نماز کے لئے اٹھایا۔ ان میں سے ابن ملجم بھی تھا۔ علیؑ نے کہا:۔

ابن ملجم نماز پڑھ

"اٹھ اور نماز پڑھ"

اس کے بعد امیرالمومنینؑ محراب مسجد میں نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ قاتلوں کے لئے یہ موقع غنیمت تھا۔ شبیب نے تلوار ماری لیکن محراب پر پڑی۔ جونہی حضرت علیؑ نے سجدہ سے سر اٹھایا تھا کہ ابن ملجم نے ہاتھ مارا، نمازی کا سر شگافتہ ہو گیا تلوار وہیں پڑی جہاں جنگ خندق میں عمرو ابن عبدود کے ہاتھ سے زخم لگا تھا، زخم کھا کر حضرت علیؑ کے منہ سے نکلا:۔

آخری کامیابی

فزت برب الکعبہ "(قسم ہے خدائے کعبہ کی کہ مجھے کامیابی حاصل ہوئی)

قاتل بھاگے مسجد میں شور بلند ہو گیا۔ لوگ گھروں سے دوڑے۔ گریہ وزاری کی صدا ہر طرف سے آنے لگی۔ ابن ملجم اپنے چچازاد بھائی کے گھر بھاگ کر آیا۔ اس نے قتل امیرالمومنین کی صدائیں سن کر اور اس کی خون آلودہ تلوار دیکھ کر پوچھا:۔

"کیا تو نے ہی علیؑ کو قتل کیا ہے ؟ "

قاتل کا اقرار

گھبراہٹ میں اس کے منہ سے نہیں کی جگہ ہاں نکل گیا - ابن ملجم کو اس نے گرفتار کیا اور مسجد میں لایا۔ یہ وحشت خیز صدا سن کر حسنینؑ بھی مسجد میں آ گئے - انہوں نے اپنے مقدس باپ کے چہرۂ مبارک کو خون سے رنگین دیکھا - حضرت علیؑ خون اپنے روئے مبارک پر ملتے جاتے تھے اور کہتے تھے :-

" اس صورت سے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، فاطمہ زہراؑ اور حمزہؓ وجعفرؓ سے ملاقات کروں گا "

مسجد میں اب اژدھام تھا اور اژدحام کے ساتھ کہرام تھا - ہر لحظہ لوگوں کی کثرت بڑھتی جاتی تھی اور دم بدم لوگوں کی بیقراری میں اضافہ ہو رہا تھا - قاتل لایا گیا - یقیناً کوئی مجرم اس نفرت اور غصہ وحقارت کے عالم میں نہ لایا گیا ہوگا - کیونکہ علیؑ کا ایسا مقتول کسی کو نہ ملا ہوگا - عبادت کی حالت میں ضرب نہ لگائی گئی ہوگی - وہ وقت بھی قیامت کا ہوگا - جس وقت حضرت علیؑ قاتل سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے :-

قاتل سے خطاب

" کیا میں تیرا برا امیر تھا "

قاتل نے جواب دیا :-

" معاذاللہ ! "

" تو پھر کیوں تو نے میرے فرزندوں کو یتیم کیا اور میرے ارکان خاندان میں رخنہ ڈالا - کیا میں نے تیرے ساتھ نیکی نہیں کی تھی ؟ "

" بیشک کی تھی - وکان اللہ قدراً مقدوراً "

زخمی امام اب لوگوں سے مخاطب ہوئے :-

اپنی ذات اور گروہ کی اصلاح

" اپنے درمیانی تنازعات کے مصلح بنو - آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ اپنی ذات اور اپنے گروہ کی اصلاح تمام روزہ ونماز سے افضل ہے - آگاہ رہو کہ میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا شخص قتل نہ ہونا چاہیئے - "

اپنے قاتل کے ساتھ

تم دیکھنا کہ اگر میں اس کی ضربت سے مر جاؤں تو اسے بھی ایک ہی ضربت لگانا - حسنینؑ کمبل میں لٹا کر امت کے امام کو گھر لائے - اس وقت صبح ہو گئی تھی - حضرت علیؑ نے رد بہ مشرق لٹانے کے لئے کہا اور فرمانے لگے :-

صبح سے مخاطب ہو کر

اُے صبح ! قسم ہے تجھے اسی خدا کی جس کے حکم سے تو برآمد ہوئی - گواہی دینا کہ رسولؐ

کے ساتھ اول میں نے نماز پڑھی تو نے کبھی سوتے نہ پایا۔ جب تو برآمد ہوئی مجھے جاگتا ہوا پایا زخمی سر سجدہ میں جھکا کر، بار الہا! تو گواہ رہنا کہ تیرا حکم بجالایا۔ جس سے تو نے منع کیا اس سے پرہیز کیا اور تیرے پیغمبرؐ کے حکم کے خلاف کوئی بات دل میں نہ لایا۔"

جراح

اثیر بن عمرو جراح بلایا گیا۔ زخم سر کو غور سے دیکھنے کے بعد اس نے بھی عمامہ سر سے پھینک دیا اور بے چینی سے کہنے لگا "افسوس! زخم علاج پذیر نہیں ہے۔ تلوار زہر آلود معلوم ہوتی ہے"۔

جراح کے اس پرغم اظہار نے لوگوں کی یاس وحسرت انتہا تک پہنچادی ہوگی۔ حضرت علیؑ نے اپنے آخری وقت پھر فرمایا:۔
"اگر میں باقی رہ گیا اور اس زخم سے جانبر ہو گیا تو میں اپنے خون بہا کا مالک ہوں۔ اگر میں معاف کردوں تو میری یہ معافی قربت الی اللہ ہوگی"۔

یقیناً قاتل کو گناہ کے عوض میں قتل کئے جانے سے اس قدر تکلیف نہ ہوتی ہوگی جس قدر اس خیال سے کہ جسے میں نے مہلک ضرب لگائی ہے وہ میری نسبت رحم اور معافی کے الفاظ استعمال کر رہا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر لوگوں کی خوش نصیبی سے حضرت زندہ رہ جاتے تو ضرور ابن ملجم کو بغیر کسی سزا کے رہا کر دیتے۔ حضرتؑ نے فرمایا:۔
" اس کا اہتمام کرنا کہ کوئی میری قبر پر نہ جائے۔ میرے دشمن بہت ہیں۔ علی الخصوص بنی امیہ"۔ اس کے بعد رمضان

مرثیہ:۔

ہزار حیف کہ وہ اٹھ گیا زمانے سے	بجز رسولِ خدا کے ہوا نہ جس کا نظیر
ہزار حیف اندھیرا ہوا زمانے میں	چھپا افق میں کفن کے وہ رشک بدر منیر
کمر خمیدہ ہوئی ہاشمی جوانوں کی	یتیم ہوگئے افسوس شبر و شبیر
نمازیوں کو جگا کر یہ کیسی نیند آئی	اٹھو خدا کے لئے پھر ذرا کہو تکبیر
سحر کے وقت تو ایسا کبھی نہ سوئے تھے	اٹھو نماز کو قرآن کی کرو تفسیر
بتاؤ کون کرے گا کلید برداری	چڑھا در خانۂ کعبہ میں آج سے زنجیر
ہزار حیف کہ ہاشم کا چاند ڈوب گیا	ہزار حیف ہدایت کی مٹ گئی تصویر

کی اکیسویں کو صوفیوں کا "ولایت مآب"، شیعوں کا "امام اول"، دنیا کا "بہادر دلی" رضائے الٰہی کا شیدا، مسجد کوفہ کا نمازی، دشمن کا رحم کرنے والا دنیا سے گزر گیا!

تاثرات

حضرتؑ کا مرثیہ کہنے والوں میں ابوالاسود الدؤلی بہت مشہور ہیں۔
اوکلے کہتا ہے "اگر علیؑ امن سے حکومت کرنے پاتے۔ تو ان کی نیکیاں، استقلال اور اعلیٰ خصائل کی بدولت

سلطنت جمہوری باقی رہ جاتی۔ لیکن قاتل کے خنجر نے اسلام کی امیدیں خاک میں ملادیں"۔ (دا اسپرٹ آف اسلام)

" خلافت کی روحانی شان گویا اس وقت پوری قائم ہوئی۔ جس وقت علیؑ تخت نشین ہوئے۔ اس مثالی ولی اور بہادر مسلمان کی دنیائے اسلام میں رجزوں اور کہانیوں میں عزت کی جاتی ہے۔ لافتیٰ، شیر خدا، مشکل کشا وغیرہ کا خطاب دکھاتا ہے کہ اس کا نام دنیا کے مسلمانوں کے دل پر باوجود اس قدر زمانہ جانے کے کیسا قوی اثر ڈالتا ہے۔ قریب قریب صوفیوں کے کل فرقے اُن کو اپنا سرچشمہ رشد وہدایت سمجھتے ہیں (دا ایسٹ اینڈ ویسٹ میگزین مئی ۱۹۰۵ء، عبداللہ ماموں سہروردی)

" اگر اندرونی خلفشار نہ پیش آجاتا تو آپ ایک عالم کو علیٰ منہاج النبوت چلا دیتے" (مترجم ابن خلدون)

" قدوۃ المحققین جنید بغدادی قدس سرہ گوید :-

امام اولیا در شریعت وطریقت علی مرتضےٰ است، اگر از محاربات کہ با مخالفاں دین کردہ باز پرداختے۔ بر آئینہ از وے چنداں علم وحقائق ومعارف نقل کردے کہ دلہا طاقت آں نیاوردے" (مناقب مرتضوی)

انہوں نے قتل سے رحلت کی۔ ایسی موت جو ان کی عالی حوصلہ صفائی سے ہوئی، جس میں انہیں دوسرے کی صفائی پر اعتبار تھا انہوں نے کہا :-

" اگر یہ زخم موت کا وار ثابت نہ ہو تو قاتل کو معاف کر دینا لیکن اگر ہو تو اسے صاف قتل کرنا کہ اس طرح دونوں خدا کے سامنے ایک ہی وقت حاضر ہوں اور دیکھیں کہ لڑائی کا کون رخ منصفانہ تھا" (کارلائل)

" قاضی شریک سے مہدی عباسی نے پوچھا کہ تو علیؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے، کہا۔ وہی کہتا ہوں جو ابن عباس نے کہا۔ پوچھا، ابن عباس نے کیا کہا۔ جواب دیا کہ مرتے دم تک ان کا یہ اعتقاد تھا کہ علیؑ صحابہ سے افضل تھے۔ وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ کو دقتیں پیش آتی تھیں تو ان سے دریافت کرتے تھے اور انہیں کبھی ایسی دقت نہ ہوتی تھی۔ عبداللہ ابن عباس تمام لڑائیوں میں ماتحت رہے۔ اگر جناب علیؑ کی امامت ظلم ہوتی تو سید اللہ ابن عباس اپنی فقہ اور علم دین کی وجہ سے کنارہ کش ہوجاتے۔ مہدی خاموش ہوگیا۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد معزول کر دیا"۔ (سوانح عمری از مولوی عبید اللہ امرتسری)

ہم اپنی تحریر کے اختتام پر حضرت علیؑ کے بلند ترین اور عالی حوصلہ خصائل پر کوئی شرح نہیں لکھتے جو ان کے واقعات زندگی میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ آخری اور قابل ترین مسلمانان متقدمین میں سے تھے۔ جنہیں مذہبی جوش خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں پیدا ہوا تھا اور جس نے آخر دم تک ان کی سادگی کی پیروی کی۔ قابل وقعت خیال سے وہ پہلے خلیفہ کہے جاتے ہیں جنہوں نے انشا پردازی کی مدد کی۔ وہ خود شاعر تھے اور ان کے بہت سے اقوال اب تک موجود ہیں۔ جن کا بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ ان کی مہر پر کندہ تھا "سلطنت خدا کی ہے"۔ ان کا قول تھا۔ زندگی ابر کے سایہ کی طرح ہے"[۴۴]

۴۴ (سپیکسیرس آف محمدؐ)

ضرار کا بیان

کہتے ہیں کہ معاویہ نے ضرار سے حضرت علیؑ کی تعریف بیان کرنے کے لئے کہا۔ اس نے عذر کیا تو معاویہ نے اصرار کیا اور اب یہ کہنے لگا :۔

"جب کہ مجھے ان کے اوصاف بیان کرنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے تو واللہ وہ گہرے کام والے اور بڑی قوتوں والے تھے بزرگی سے بات کرتے تھے اور عدل سے حکم دیتے تھے۔ علم کا دریا ان کے دل میں موجزن تھا۔ حکمت ان کی زبان سے بولتی تھی۔ وہ دنیا اور دنیا کی خوبیوں سے گریز کرتے تھے۔ وہ اندھیری رات اور وحشت سے مانوس تھے۔ وہ رونے کو پسند کرتے تھے اور دور دراز فکر میں ڈوبے رہتے تھے ان کو چھوٹا موٹا کپڑا اچھا لگتا تھا اور ان کو کھانے میں بدمزہ چیز بھلی معلوم ہوتی تھی۔ وہ ہم میں ہمارے جیسے تھے وہ ہم کو جواب دیتے جب ہم ان سے پوچھتے تھے۔ وہ ہمارے پاس آتے تھے جب ہم ان کو بلاتے تھے۔ خدا کی قسم باوجود ان کے قرب کے ہیبت کی وجہ سے ان سے کلام نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی تعظیم کرتے تھے۔ مسکینوں کو اپنے پاس بٹھاتے تھے ان کے خوف سے کوئی زبردست آدمی بھی کوئی بیہودہ خواہش دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ ضعیف ان کے دل سے ناامیدی کا منہ نہیں دیکھتا تھا۔ میں نے ان کو بعض مقامات پر دیکھا جب کہ رات کو گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ستارے سیاہی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ اپنی ریش مبارک کو پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے اور نرم آواز سے رو رہے تھے اور فرماتے تھے :۔

اے دنیا میرے سوا کسی اور کو فریب دے، کیوں میرے سامنے آتی ہے، یا مجھ سے شوق رکھتی ہے۔ افسوس! میں نے تجھے تین طلاق دیئے۔ جن میں رجعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میری عمر بہت تھوڑی ہے اور میرے دکھ بہت بڑے ہیں۔ آہ! آہ! تھوڑا زاد ہے اور دور کا سفر ہے۔"

معاویہ سن کر رونے لگا اور کہنے لگا :۔

خدا ابوالحسنؑ پر رحم کرے، واللہ ایسے ہی تھے اے ضرار ان کے مرنے سے تجھے کیا رنج ہوا؟ ضرار کہنے لگے :۔ ایسا رنج جس طرح کسی عورت کی گود میں اس کا بچہ ذبح کر دیا جائے "۔ (سوانح عمری)

سلفی نے الطیوریات میں احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے علیؑ اور معاویہ کے بارے میں دریافت کیا انہوں نے جواب دیا :۔

"جان تو کہ علیؑ کے بہت سے دشمن تھے اور ان میں برائی ڈھونڈھنا چاہتے تھے لیکن چونکہ وہ کوئی برائی نہ پا سکے اس لئے ایسے شخص کے پاس بھاگ گئے جو علیؑ سے لڑا تھا۔ اس کی مبالغہ آمیز تعریفیں کرنے لگے اور خود اس کے لئے بہت سے جال پھیلائے"۔ (تاریخ الخلفا)

تاریخ عالم اور علیؑ

"تاریخ عالم میں کوئی ایسا شجاع وجری وعالی ظرف وبلند ہمت، پاک طینت وقدسی صفت نہیں نظر آتا جیسے حضرت علیؑ تھے" (تنقید الکلام)

قتل علیؑ کے متعلق مضبوط شبہہ

بظاہر واقعہ شہادت اسی طرح مشہور ہے، جس طرح پیش کیا گیا۔ ہمارے دوست خواجہ غلام محمود اقبال بی اے وکیل کو اس روایت نے کہ تین خوارج نے ایک ہی روز حضرت علیؑ، عمرو عاص اور معاویہ پر حملہ کیا اور حملہ صرف حضرت علیؑ پر کارگر ہوا، شبہ میں ڈالا اور انہیں خیال ہوا کہ غالباً قتل حضرت علیؑ، معاویہ کی تحریک سے ہوا۔ ان کا یہ تنہا خیال دوسرے کے سمجھانے کے لئے کافی نہ تھا اس کے پاس بجز معاویہ کی مشہور مکاریوں کے مضبوط سمجھانے والے قرائن نہ تھے، نہ میرا ارادہ تھا کہ میں اس کتاب میں اس شبہ کا تذکرہ کروں۔ لیکن میں اسے سوچتا رہا۔ جس سے اس شبہ نے قوت پکڑنی شروع کی اور تعجب خیز قوت حکیم مجدد الدین سنائی کے ان اشعار سے ہوئی؛ جو لکھے جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ حکیم نے اپنے شبہ کے وجوہات یا واقعہ کے اسناد بیان کرنا اپنی نظم میں ضروری نہ سمجھا۔ اشعار یہ ہیں:۔

حکیم مجدد الدین سنائی:۔

پسر بلجم آں سگِ بددیں	آں سزاوار لعنت ونفریں
برزنے گشت عاشق مے شوم	آں نگونسار تر ز راہب روم
گشت زیں سر معاویہ آگاہ	مرد را گشت جملہ کار تباہ
گفت کار ترا کمال شود	ایں چنیں زن ترا حلال شود
گر تو در کار خویش شیر دلی	ہست کابین حرہ خون علیؑ
گر تو فارغ کنی دلم زیں کار	بفزائی بہ نزد من مقدار
آں چناں اصل وجہل مبتلیٰ	خیرہ بگزید قتل وخونِ علیؑ
زیں خبر جملہ با علیؑ گفتند	ایں چنیں فتنہ ہیچ نہفتند
گفت دیک بقتل قاتل خویش	کس نہ کردہ است سعی از دے بیش
آں چناں بے حفاظت از حسد	شب آدینہ رفت در مسجد
آں سرفراز مرد جفت بتول	چونکہ اندر نماز شد مشغول
رفت وزخمی بسک زدش بر پشت	کہ بداں زخم سخت مرد بکشت
بگرفتند مرد را درحال	کرد از وسیر زخم خوردہ سوال
کہ، کہ فرمودہ مر ترا ایں کار کہ مرا ایں معاویہ فرمود	کرد بر لفظ خویشتن اقرار کار کردم کنوں ندارد سود

قوی وجوہات

شبہ کے قوی ہونے کے وجوہات کچھ تو آخر زمانہ صفین کے واقعات سے ملتے ہیں، جن کا ذکر کیا گیا کہ معاویہ نے صفین کے میدان میں جنگ وجدل کے نتائج اپنے مفید نہ سمجھ کر اندرونی ترکیبوں سے حضرت علی ع کے افسروں کو ملانا شروع کیا۔ جس کے چند واقعات لکھے گئے ہیں اگر کسی کی دانست میں یہ واقعات قابل قبول نہ بھی ہوں تو وہ جنہیں ہم حضرت علی ع کے افسروں میں سے ملا ہوا کہتے ہیں، ان کی کارروائی بجز اس کے کچھ نہیں کہتی کہ وہ حضرت علی ع کے فوائد کے دشمن تھے اور جو کچھ کر رہے تھے وہ معاویہ کے موافق کر رہے تھے اس کے بعد بھی معاویہ کے چھوٹے چھوٹے عملوں میں حضرت علی ع کے سپاہیوں کا مستعد نہ ہونا اور باوجود فہمائش کے پہلو تہی اور تساہل کرنا کہتا ہے کہ صفین کی چال دہرائی گئی ہے۔ اگر اس وقت معرکۂ جنگ میں نہ لڑنے کی شرط تھی تو اس وقت چڑھائی کے لئے تیار نہ ہونے کا عہد ہوگا۔

مشہور لوگوں کے تمام کرنے کا متمنی تھا

یہ لکھا جا چکا ہے کہ معاویہ، ہاشم ابن عتبہ، عبداللہ ابن بدیل اور عمار کی موت سے خوش ہوا۔ اس لئے کہ ان لوگوں سے حضرت علی ع کو تقویت تھی۔ یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ معاویہ مالک اشتر، محمد ابن ابی بکر اور عدی بن حاتم سے خوف کرتا تھا اور اس کا متمنی تھا کہ یہ لوگ تمام کر دیئے جائیں۔ کیونکہ ان کے تمام ہونے سے حضرت علی ع کے دوستوں کی کمی اور قوت کے زوال کی امید تھی۔ یہ لکھا جا چکا کہ بہادر اشتر کے مارنے کے لئے کیا اہتمام کیا گیا۔ یہ بھی لکھا جا چکا کہ معاویہ ابن خدیج مصر میں کیوں کر ملایا گیا اور کس طرح محمد ابن ابی بکر کا کام تمام کیا گیا۔ اب سوچنا یہ ہے کہ جب معاویہ علی ع کے ان دوستوں کا زندہ رہنا اپنے لئے مخدوش اور علی ع کی تقویت سمجھتا تھا تو خود علی ع کا زندہ رہنا اپنی حکومت کے قیام کے لئے کس طرح اور کس درجہ مضر نہ سمجھتا ہوگا۔ اب یہ سوچنے کے قرائن زیادہ ہیں کہ معاویہ نے اپنے ایسے زبردست دشمن کے ہلاک کرنے کی فکروں میں زیادہ وقت صرف کیا ہوگا۔

جنگِ صفین اسی غرض سے تھی مگر یہاں کے تجربے نے بتایا کہ علانیہ جنگ میں حضرت علی ع قتل نہیں ہو سکتے اور نہ کوئی قتل کر سکتا ہے۔ تجربے نے بتایا کہ حضرت علی ع کی حکومت کمزور کرنے کے لئے زیادہ لوگ ایسے ہیں جو ملائے جا سکتے ہیں۔ مزید تجربے نے بتایا کہ تھوڑے سے زہر سے مالک اشتر کا کام تمام ہو سکتا ہے، جسے شام کی فوجیں قتل نہ کر سکیں اور اسے اس خوفناک قاتلانہ فقرے سے تسکین ہو کہ "خدا کا لشکر شہد کی مکھیوں میں ہے۔" کیوں نہ ایسی ہی ترکیبیں حضرت علی ع کے قتل کے لئے صرف کی جائیں۔ جیسا کہ کچھ دنوں بعد امام حسن ع کے زہر دینے کے لئے جعدہ بنت اشعث مل گئی۔

ابن ملجم معاویہ کا آدمی تھا

اول اور آخر کی یہ کارروائیاں شبہ کی کم گنجائش رکھتی ہیں کہ ابن ملجم معاویہ کا آدمی نہ تھا اس کے مددگار ساتھی بھی معاویہ ہی کے آدمی تھے۔ قطام یا تو گوسفند قربانی بنائی گئی

بھی یا ان اوباش مزاج شخصیتوں نے ایسی جگہ قیام کرنا مناسب سمجھا تھا۔ جہاں کسی بھلے آدمی کو ان سے مس نہ ہو اور انہیں کوئی مشتبہ نگاہوں سے نہ دیکھے بلکہ انہیں خبریں ملتی رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ قطام اور ابن ملجم کی داستان عشق ایک ضمنی بات ہو ہو سکتا ہے کہ قطام کے گھر کو قیام گاہ بنانا اس علم پر ہو کہ یہ حضرت علیؑ کی دشمن ہے۔ جس سے واقفیت کا حاصل کرنا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ قتل کے لئے تین شخص گئے تھے۔ یہ عدد اور ہم آہنگی مدبرانہ احتیاط تھی، عاشقانہ رقابت سے نہ ہو سکتی تھی۔ مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ ان دنوں شہید ہوئے، جب وہ معاویہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ صفین کی ایسی دوسری جنگ کا ہونا معاویہ کے لئے ویسا ہی مضر تھا، جیسے حیلۂ قرآن کے پہلے ثابت ہوئی تھی۔ اس مرتبہ حضرت علیؑ کے سپاہی معاویہ کی سازشوں سے نہایت برافروختہ ہوتے اور کم قرینہ تھا کہ ان پر کوئی افسوں آسانی سے اثر کرتا۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ اس مہیب وقت کے پہلے ہی اسباب مہیا کرنے والے کا کام تمام کر دیا جاتا۔ تلوار زہر آلود تھی یہ اہتمام قاتل کی جنون خیز محبت کا تھا؟ یا معاویہ کی عداوت کا؟ عشق یا ملک اس کی آڑ میں ہے؟ صرف تلوار کا وار عاشق کا کام ہوتا زہر آلود تلوار کا وار ملک کا کام تھا۔

تجہیز و تکفین

حسنینؑ نے غسل دیا اور وصیت کے مطابق دفن کیا۔ بغیر کسی نمائش اور شان کے غالباً تھوڑے سے منتخب لوگ اس مقدس اور متبرک تابوت کو اپنے کندھوں پر لے گئے۔ اسلام کی علانیہ مدد کرنے والے کو دشمنان اسلام کے خوف سے زمین میں دفن کر دیا۔ کوئی نشان قبر، کوئی لوح اور کوئی کتبہ نہ رکھا گیا بلکہ زمین برابر کر دی گئی۔ لوگوں کو دفن کی خبر اس وقت ہوئی جب یہ لوگ گھر واپس پہنچ رہے تھے۔ عامۃ الناس کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ مشتاق رضائے الٰہی کو کس جگہ زمین میں چھپایا ہے۔

عجیب واقعہ

دفن کے بعد ایک مؤثر قصہ لکھا گیا ہے کہ جب حسنینؑ واپس آ رہے تھے تو انہیں ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ جب یہ اس صدا پر گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک غریب بوڑھا سر کے نیچے ایک پتھر رکھے ہوئے پڑا ہے اور بے چینی سے رو رہا ہے۔ جب اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے نہایت عاجزی سے کہا:

"میں غریب اور معذور ہوں میرا کوئی مددگار نہیں ہے"

"تیری تیمارداری کون کرتا ہے؟"

"میں ایک برس سے اس شہر میں ہوں۔ میرے پاس ایک شخص آتا تھا اور میرے سرہانے بیٹھ کر ملاطف مہربان کی طرح تیمارداری کرتا تھا۔"

"تو نے اس سے نام پوچھا تھا؟"

"ہاں پوچھا تھا۔ لیکن اس نے کہا تجھے میرے نام سے کیا کام ہے۔ میں تیری تیمارداری خدا کی خوشنودی کے لئے کرتا ہوں"

"اس کا حلیہ بیان کر سکتا ہے؟"

"میں اندھا ہوں کوئی نشان نہیں بتا سکتا وہ میرے پاس تین روز سے نہیں آیا اور میری خبر گیری نہیں کی"

"تجھے اس کی گفتگو اور خصلت سے کچھ واقفیت ہے؟"

"ہاں، جب وہ میرے پاس آتا تھا تو ہمیشہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتا تھا اور مجھے معلوم ہوتا تھا کہ گویا زمین و آسمان اس کے ہم آواز ہیں۔ جب میرے پاس بیٹھتا تھا تو کہتا تھا۔ مسکین و غریب ہے جو مسکین و غریب کے پاس بیٹھا ہے۔ مجھے وجہ نہیں معلوم کہ وہ کیوں تین روز سے نہیں آیا"

حسنینؑ کو اب شبہ نہ تھا کہ کوئی دوسرا بجز ان کے پدر بزرگوار کے نہ تھا۔ غم نصیب شاہزادوں نے اس سے کہا:۔

"اے بدنصیب اسے تلوار ماری گئی اور ہم لوگ دفن کر کے آرہے ہیں۔"

بوڑھا یہ سن کر پچھاڑیں کھانے لگا اور قبر پر لے چلنے کا سخت الحاح کیا۔ حسنینؑ نے اس کی التجا پوری کی اس نے نشان قبر ہاتھوں سے ٹٹولا، گرا اور مر گیا۔

مدفن

حضرت کا سن اندرس ۹ ھ سے ۶۳ تک بیان کیا جاتا ہے اور تواتر سے قبر کا نجف میں ہونا صحیح سمجھا گیا ہے۔ مسٹر گبن لکھتے ہیں:۔

کوفہ اور بغداد سے مدفن کا فاصلہ

"ظالم بنی امیہ کی وجہ سے حضرت علیؑ کی قبر چھپائی گئی۔ چوتھی صدی میں ایک قبر جو روضہ اور شہر کوفہ کے کھنڈر کے پاس بتایا گیا۔ مشہد علیؑ کوفہ سے پانچ میل اور بغداد سے ۱۲۰ میل جنوب میں واقع ہے۔"

واشنگٹن اروینگ لکھتے ہیں:۔ اسے (روضہ کو) بہت سے عجمی بادشاہوں نے شاندار بنایا۔"

ازواج و اولاد

۱:۔ فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :۔ حسن، حسین، محسن، زینب، ام کلثوم

۲:۔ ام البنین بنت حزام کلابیہ :۔ عباس، جعفر، عبداللہ، عثمان

۳:۔ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد تمیمی :۔ عبداللہ، ابوبکر

۴:۔ اسماء بنت عمیس :۔ محمد الاصغر، یحییٰ

۵:۔ صہبا بنت ربیعہ :۔ عمر، رقیہ

۶۔ امامہ بنت ابی العاص بن ربیع :- محمد الاوسط

۷۔ خولہ بنت جعفر الحنیفہ :- محمد الاکبر مشہور محمد حنفیہ

۸۔ ام سعید بنت عروہ :- ام حسن، رملتہ الکبریٰ

۹۔ محیاۃ بنت امرالقیس بن عدی کلبیہ۔

صاحبزادیوں کے نام :- ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرام ام سلمہ، ام جعفر، حمامہ اور نفیسہ۔

تمام عمر میں نو بیبیاں کیں اولاد کی تعداد ۳۶ تک بیان کی جاتی ہے۔

خلافت کا زمانہ طبری اور روضتہ الاحباب میں چار برس نو مہینے ہے۔

باب ہفتم

قضایا روائتیں اور اقوال و خُطبات

باب ہفتم

قضایا، روائتیں اور اقوال وخطبات

حضرت علیؑ کے فیصلہ کئے ہوئے قضایا اس قدر ہیں، جن سے بجائے خود ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے اور ہیں۔ میں ان میں سے بہت مخصوص پر قناعت کروں گا۔ یہی حال ان روائتوں کا ہے۔ جن سے حضرت علی علیہ السلام کی طبیعت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں سے بھی میں تھوڑی سی چنوں گا۔ اقوال اور خطبات میں "غرر الحکم ودرر الکلم" اور "نہج البلاغہ" دو مرتب کتابیں ہیں۔ جس طرح حضرت کا دیوان ہے۔ خود دیوان کا ترجمہ مولوی السید امیر علی صاحب کے مطابق لاطینی زبان میں ہو چکا ہے، میں اکثر خطبات کا خلاصہ تو تاریخوں سے اور کچھ خود اسی کتاب مستطاب سے لکھتا آیا ہوں، کچھ اور لکھوں گا اور پھر ان لوگوں میں سے چند کے نام اور خیالات درج کروں گا، جنہوں نے شرحیں لکھی ہیں۔

قضایا

حضرت علی علیہ السلام کو اس قسم کے اجلاس کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی کہ وہ زبردست قسم کے لوگوں کے ظلم پر خیال کریں۔ انہوں نے فریادیں سننے کے لئے کوئی دن یا گھنٹہ مقرر نہیں کیا تھا بلکہ جس وقت کوئی شخص فریاد لے کر آتا تو فوراً انصاف کر دیتے۔" (تاریخ التمدن الاسلامی)

فرزندی سے انکار ایک شخص نے خلیفہ ثانی سے فریاد کی کہ میری ماں میری فرزندی سے انکار کرتی ہے خلیفہ نے اس کی ماں کو طلب کیا۔ ماں نے قطعاً انکار کیا اور اپنے ثبوت میں چالیس گواہ پیش کئے۔ ضرور تھا کہ اب مدعی جھوٹا قرار دیا جاتا۔

معاملہ اب حضرت علیؑ کے سپرد ہوا۔ حضرت علیؑ نے عورت سے سوال کیا:۔

"کیا یہ تیرا لڑکا نہیں ہے؟ جواب دیا۔ نہیں۔ پوچھا، مجھے اپنا ولی مقرر کرتی ہے۔ عورت راضی ہو گئی۔

حضرت علیؑ نے اب خادم قنبر کو بلایا اور غالباً بلند آواز سے عورت کو سنا کر کہا:۔

"چار سو درہم لے آ کہ اس عورت کا مہر دے کر اس جوان سے عقد کر دوں"

قنبرؓ چار سو درہم لے آیا۔ حضرت علیؑ نے روپیہ جوان کو دے دیا اور حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے اس عورت کا مستغیث سے چار سو درہم پر عقد کیا۔ تم گواہ رہنا اور مستغیث کو حکم دیا کہ عورت کا ہاتھ پکڑ اور فلاں کمرہ میں لے جا۔ تجھے بہ حیثیت زن و شو کے پوری آزادی حاصل ہے۔ جوان غالباً نہایت گھبراہٹ اور شرم سے (جو اس کے فرزند ہونے کا ثبوت ہو گا) کہنے لگا:۔

"یا علیؑ۔ مجھ سے یہ نہ ہو گا۔"

سختی سے۔ اور غالباً اشاروں میں سمجھاتے ہوئے۔ "جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کر"

مستغیث نے مجبوراً ہاتھ پکڑا۔ اور حجرے کی طرف چلا۔ مدعا علیہا۔ مدعی کی آمادگی اور دل کی سختی سے سمجھ گئی کہ یہ دکھانے کی باتیں نہیں ہیں۔ جب اسے یقین ہو گیا تو شور مچانے لگی:۔

"برائے خدا مجھے رسوا نہ کرو، یہ میرا بیٹا ہے کیونکر اس سے عقد کروں۔ میرے بھائیوں نے مجھے صلاح دی تھی کہ اسے علیحدہ کر دوں تو وہ اپنے باپ کی میراث طلب کرے گا۔" مقدمہ فیصل ہو گیا۔ گواہوں کو حد لگائی گئی۔

کون غلام تھا

دو شخصوں میں یہ نزاع تھی کہ ایک دوسرے کو اپنا غلام کہہ رہا ہے اور جو واقعی غلام تھا وہ اپنے آقا ہونے کے ثبوت میں دو اور غلاموں کی گواہی دے رہا تھا۔ مالک نے بھی گواہی دی۔ لیکن کسی طرف عدالت کی رائے قائم نہ ہوئی۔ حضرت علیؑ بلائے گئے۔ انہوں نے حکم دیا کہ دارالشرع کی کھڑکی سے دونوں کے سر باہر نکال دیئے۔ یہ دونوں اسی طرح کھڑے رہے۔ حضرت علیؑ نے اپنی تلوار قنبر کو دی اور حکم دیا کہ:۔

"غلام کا سر اڑا دے"

قنبر کیا جانے کہ آقا اور غلام کون ہے لیکن شائد اُسے زور سے لپکنے کا حکم ہوا ہو گا۔ ادھر غلام نے خوف سے گردن کھینچ لی اور سب کو معلوم ہو گیا کہ ڈرنے والا ملزم نفس تھا۔ یہ اپنے آقا کے حوالے کر دیا گیا۔

کس کا لڑکا تھا

دو شخص مسافرانہ وارد ہوئے ان میں سے ایک کی بی بی کی گود میں ایک مہینہ کا لڑکا تھا کہ دوسری نے وضع حمل کیا۔ اتفاقاً ایک مہینہ کا لڑکا مر گیا۔ زن پسر مردہ نے نوزائیدہ لڑکا مانگ لیا اور اس کی

پرورش کرنے لگی۔ کچھ دنوں کے بعد اسے انس ہو گیا اور جب ماں نے مانگا تو اس نے کہا تو کون ہوتی ہے میں خود اس لڑکے کی ماں ہوں۔ مقدمہ خلیفہ ثانی کے پاس گیا۔ انہوں نے حضرت علیؑ کے حوالے کیا۔ حضرت علیؑ نے مقدمہ سن کر اپنے خادم کو ایک آرہ لانے کا حکم دیا اور کہا میں اس لڑکے کو چیر کر تقسیم کر دیتا ہوں کہ جھگڑا ہی باقی نہ رہے۔ والدہ رضاعی خاموش رہی لیکن مادر حقیقی نے کہا:۔

"یا علیؑ میں اقرار کرتی ہوں کہ یہ لڑکا اسی کا ہے۔ آرہ سے دو ٹکڑے نہ کیجئے اس کو دے دیجئے" جہاں رہے زندہ رہے"۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے اس سے کہا:۔

"یہ لڑکا تیرا ہی ہے تو اسے لے جا"

یہ سن کر لوگ کہنے لگے:۔

یا علیؑ! یہ اس کا لڑکا کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اول الذکر سے محبت کرتا ہے اور اس کے گواہ بھی ہیں"۔

حضرتؑ نے فرمایا:۔

"یہ بہت ظاہر امر ہے کہ مہر مادری اسے اجازت نہیں دیتی کہ یہ لڑکے کے دو ٹکڑے ہونے پر راضی ہو۔ اور جس کا لڑکا نہیں ہے وہ خاموش اور بے پرواہ ہے"۔ آخر میں جھوٹا دعویٰ کرنے والی عورت نے اپنے دروغ کا اقرار کیا

انعام کی تقسیم ایک مرتبہ دو شخص ہمسفر تھے۔ جب منزل پر پہنچے تو ایک نے پانچ روٹیاں نکالیں اور دوسرے نے تین۔ ابھی کھانا شروع نہیں کیا تھا کہ ایک تیسرا شخص آیا۔ اس نے بھی شرکت کی خواہش کی۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو تیسرے شخص نے آٹھ درہم دیئے اور چلا گیا۔ تین روٹی والے نے پانچ روٹی والے سے کہا کہ درہم برابر تقسیم کر لو۔ لیکن پانچ روٹی والے نے کہا کہ پانچ ہم لیں اور تین تم لو۔ کوئی کسی کی شرط پر راضی نہ ہوا اور مقدمہ حضرت علیؑ کے پاس آیا۔ انہوں نے کم حصہ دار سے کہا کہ جو کچھ دوسرا کہہ رہا ہے اسے قبول کر لے۔ لیکن وہ نہ مانا اور کہا کہ جو فیصلہ کیجئے گا میں اسے منظور کروں گا۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ اگر تو صلح پر راضی نہیں ہے تو تجھے ایک درہم ملنا چاہئے اس وجہ سے کہ سب ملا کر آٹھ روٹیاں تھیں جو تین آدمیوں پر تقسیم ہوئیں ان کے چوبیس ٹکڑے برابر ہوئے۔ ہر شخص نے آٹھ آٹھ کھائے اور تیری روٹیوں کے نو ٹکڑے تھے تو نے آٹھ کھائے اور ایک بچایا۔ پانچ روٹی والے نے آٹھ کھائے اور اس کے سات ٹکڑے بچائے۔ درہم والے نے سات ٹکڑے اس کے کھائے اس لئے آٹھ درہم میں سے ایک تجھے اور سات اسے ملنے چاہئیں۔

فیصلہ کی اپیل ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت علیؑ کے پاس قاضی شریح کے فیصلے کی اپیل کی اور کہا:۔

یا امیر المومنینؑ میرا باپ فلاں فلاں شخص کے ساتھ سفر میں گیا تھا۔ وہ لوگ آ گئے مگر میرا باپ نہ آیا جب میں نے ان سے حال پوچھا تو ان لوگوں نے کہا وہ مر گیا جب میں نے اس کا مال و اسباب پوچھا تو جواب دیا کہ اس کے پاس کچھ نہ تھا حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مالدار تھا۔ قاضی نے مدعا علیہ کا انکار سن کر مجھ سے گواہ طلب کئے میرے پاس ثبوت نہ تھا۔ قاضی نے ان لوگوں کو حلف دیا اور ان لوگوں نے حلف لیا۔"

یہ سن کر امیر المومنین نے مدعی اور مدعا علیہما کو دارالقضا میں طلب کیا اور اپنے سرداران لشکر کو بھی حاضری کا حکم بھیجا۔ جب سرداران لشکر حاضر ہوئے تو انہیں فریقین مقدمہ میں سے ایک ایک پر تعینات کرکے دور دور ایک ستون کے پاس بٹھا دیا اور سروں پر چادر ڈلوادی۔ ابو رافع منشی اظہار لکھتا تھا۔ جو لوگ قریب تھے انہیں حکم دیا کہ جب میں تکبیر کہوں تو تم لوگ بھی میرا ساتھ دینا۔ اس اہتمام کے بعد ایک مدعا علیہ کا منہ کھولا اور اس سے حسب ذیل سوالات کئے گئے

"تم کس روز گھر سے چلے؟ کب سے اس کا باپ تمہارے ساتھ تھا؟ جب مدعی کا باپ مرا تو تم کس جگہ تھے؟ کونسا مہینہ تھا؟ کس کے مکان پر مرا؟ کیا بیمار تھا؟ تیمارداری کس نے کی؟ کس نے غسل دیا؟ کس روز مرا؟ نماز کس نے پڑھائی؟ کس نے قبر میں اتارا؟" اس نے ہر ایک کا جواب دیا۔

اس کے اظہار ختم ہونے پر حضرت علیؑ نے تکبیر کہی اور لوگوں نے تکبیر کہنے میں ساتھ دیا۔ باقی لوگوں نے خیال کیا کہ شاید پہلے شخص نے اقرار کیا۔ حضرت علیؑ نے اب اسے حراست میں بھیج دیا اور دوسرے کو طلب کیا۔ جب یہ حاضر ہوا تو اس نے کہا:-

"تمہیں خیال تھا کہ مجھے صورت واقعہ کی اطلاع نہیں ہے۔ بتاؤ کہ اس کے باپ کے ساتھ کیا کیا؟"

اس نے کہا:-

یا امیر المومنینؑ ان لوگوں نے اسے قتل کیا میرا صرف ساتھ رہنے کا قصور ہے"

اس کے اظہار ختم ہونے پر تکبیر کہی گئی اور تیسرا بلایا گیا۔ اس نے کہا کہ دوسرا بھی شریک تھا اور اسباب انہیں لوگوں کے پاس ہے۔ چوتھا بلایا گیا اس نے بھی تصدیق کی۔ اب پہلا شخص دوبارہ طلب کیا گیا۔ اسے اپنے ساتھیوں کا اقرار جرم معلوم ہوا۔ اب اسے بھی انکار کی جرأت نہ رہی، جرم ثابت ہو گیا۔

ایک جرم کی سزا دو دفعہ نہیں دی جا سکتی

ایک شخص نے کسی کے لڑکے کو قتل کر ڈالا۔ استغاثہ پر خلیفہ ثانی نے قاتل کو مقتول کے باپ کے سپرد کیا۔ اس نے قاتل کو تلوار سے کئی زخم لگائے۔ جب یقین ہو گیا کہ اب دم نہیں ہے تو چھوڑ دیا۔ اتفاق سے اس میں جان باقی تھی اور

جب لاش لے جانے والوں کو معلوم ہوا کہ ابھی جان باقی ہے تو مرہم پٹی ہوئی اور کچھ روز کے بعد اچھا ہو گیا۔ جب یہ باہر نکلا تو اولیائے مقتول نے اسے پھر پکڑا۔ خلیفہ نے پھر حوالہ کرنا چاہا۔ حضرت علیؑ نے اس حکم کی وجہ پوچھی اور جب جواب میں جان کا بدلہ جان کہا گیا تو حضرت علیؑ نے اولیائے مقتول سے پوچھا:۔

"کیا تم لوگوں نے ایک مرتبہ اسے قتل نہیں کیا"

"ہاں کیا۔ لیکن یہ زندہ رہ گیا"

"تو کیا اب دوبارہ قتل کرو گے؟"

"تو کیا ہمارے لڑکے کا خون ضائع ہو گا؟"

"اب اگر تم لوگوں کو اس پر خون کا دعویٰ ہے تو اسے بھی ضربوں کا دعویٰ ہے تم لوگوں نے جس قدر ناحق اسے مارے ہیں اسے بھی مار نے دو، اگر زندہ بچ جاؤ تو اسے قتل کرو، جس طرح تمہیں اس پر حق ہے اسی طرح اسے تم پر ہے"، مقتول کا باپ کہنے لگا:۔

"میں خون سے باز آیا"

"وہ بھی ضربیں لگانے سے باز آیا"

اس پر عہد نامہ لکھا گیا اور کہا گیا ہے کہ شکریہ میں خلیفہ ثانی نے کہا "لولا علی لھلک عمر"

کوئی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں

خلیفہ ثانی کے عہد میں ایک عورت لائی گئی جسے حرام کا حمل تھا اس کے رجم کا حکم دیا گیا لیکن حضرت علیؑ نے کہا حکم خدا ہے۔ "لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ" کسی کو دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہ بنانا چاہیے۔ اگر ماں نے گناہ کیا ہے تو بچہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ بے گناہ ہے جب تک وہ بچہ نہ جن لے اور اس لڑکے کا کوئی کفیل نہ ہو اس وقت تک عورت سے تعرض نہ کرو"

مسئلہ دیناریہ

ایک عورت جناب امیرؑ کے پاس حاضر ہوئی۔ حضرت دولت سرائے سے برآمد ہو کر سوار ہو رہے تھے ایک پاؤں رکاب میں رکھا تھا کہ اس عورت نے کہا:۔

یا امیر المومنین۔ میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرا مگر لوگوں نے مجھے صرف ایک دینار دیا ہے۔ میں آپ سے اپنا حق اور انصاف چاہتی ہوں۔ حضرت نے فی الفور جواب دیا کہ تیرے بھائی کی دو بیٹیاں رہی ہوں گی اس نے کہا ہاں فرمایا۔ دو ثلث یعنی چار سو دینار تو ان کے ہوئے۔ پھر فرمایا تیرے بھائی کی ماں بھی ہو گی اس نے کہا ہاں فرمایا اسے چھٹا حصہ یعنی سو دینار پہنچے اور زوجہ بھی ہو گی اسے ثمن یعنی پچھتر دینار ملے اور تیرے بارہ بھائی ہیں

عورت نے تسلیم کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ دو دو دینار بھائیوں کو ملے ایک دینار تیرا حق ہے تو اپنا حق پا چکی لوٹ جا" (سوانح عمری)

مسئلہ منبریہ، بہو کا حصہ وراثت

ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا امیرالمومنینؑ! میری لڑکی کا خاوند مر گیا ہے اور اس کا ترکہ میں آٹھواں حصہ ہے اور میرے داماد کے وارث اس کو نواں حصہ دیتے ہیں۔ میں انصاف چاہتا ہوں۔ جنابؑ نے فرمایا کہ تیرا داماد دو بیٹیاں چھوڑ کر مرا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ بجا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے ماں باپ بھی زندہ ہیں۔ اس نے تسلیم کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تیری لڑکی کا آٹھواں حصہ اب نواں حصہ ہو گیا۔ اس سے زیادہ اب مت طلب کر" (سوانح عمری)

ارکیمیڈیس اور علیؑ

حضرت کے فیصلہ کئے ہوئے قضایا میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ انہوں نے ایک غلام کے پیر کی زنجیر اتارے بغیر وزن کر دی۔ ہم اسے نہیں لکھتے کیونکہ قدیم زمانہ میں ردمتہ الکبریٰ کے منزل میں ارکیمیڈیس نے بھی قریب قریب اسی طرح فیصلہ کیا تھا۔ کہا جائے گا کہ علیؑ کے تصفیہ میں کوئی نیا پن نہ تھا اگر چہ نیا پن نہ ہونے میں بھی یہ تعریف کی بات تھی کہ حضرت علیؑ واقف تھے۔ ہم اس پر بھی زور دے سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو پیشتر کے طریقہ حل کا علم نہ تھا اور ان کے دماغ نے بھی وہی فیصلہ کیا جو ارکیمیڈیس نے کیا ہو گا۔

روائتیں

گستاخ غلام کے ساتھ عنایت

ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے اپنے غلام کو پکارا اور باوجودیکہ وہ سن رہا تھا مگر اس نے جواب نہ دیا۔ جب حضرت کو اس کی موجودگی معلوم ہوئی اور اس کی اس گستاخی کا سبب پوچھا تو اس نے کہا:-

میں دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ خفا ہوتے ہیں یا نہیں" حضرت نے اسے آزاد کر دیا اور فرمایا:-

"میں جب تک زندہ رہوں گا تیری اسی طرح کفالت کروں گا جس طرح اب تک کرتا رہا"

علیؑ کی غذا

ہمیشہ جو کا آٹا تناول فرماتے اور جب لوگ عمدہ کھانا نوش فرمانے کے لئے کہتے تو جواب دیتے تھے:-

"اس کا خیال کرتا ہوں کہ کہیں میں سیر ہوں اور دوسرا بھوکا رہ جائے۔"

علیؑ کا لباس

ایک مرتبہ جمعہ کے دن بہت سے پیوند دار لباس پہنے تھے جب لوگوں نے اس بات کی استدعا کی کہ بحیثیت امیرالمومنینؑ کے عمدہ لباس زیب بدن فرمائیں تو جواب دیا:-

"مجھے بھی پیوند لگانے والے سے بار بار کہتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن علیؑ کو لذات دنیا سے کیا کام ہے یہ سب بہت

ہی قلیل مدت کے لئے ہے۔ میں کس طرح شکم سیر ہو کر کھاؤں۔ جب مجھے اس کا خیال ہے کہ ولایت حجاز میں بہت سے بھوکے ہوں گے۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ لوگ مجھے اپنا امیر کہیں اور میں ان کی حالتوں کا شریک نہ بنوں،،

غلام کی پسند کو ترجیح دیتے ہیں

ایک مرتبہ حضرت کے پاس دو کپڑے تھے انہوں نے اپنے پسند کرنے کے پہلے قنبر سے فرمایا کہ ان میں سے ایک تو پسند کرلے باقی دوسرے کو خود زیب جسم فرمایا۔ اس کی آستینیں کچھ بڑی تھیں اسے چاک کر ڈالا (اس وقت غالباً آستین کا بڑا ہونا شان میں داخل تھا)

شان کے غلاموں کے لئے

ایک مرتبہ ابن عباس نے عمدہ کپڑا نہ پہننے کا سبب پوچھا۔ فرمایا:۔ ''حکم خدا ہے کہ مسلمانوں کے امیر سب سے کم حیثیت رعیت کے حال سے بسر کریں کہ امرا ان کی اقتدا کریں اور غربا کو اپنی مفلوک الحالی پر صدمہ نہ ہو،،

بخشش کا وقت اور معاملت

ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے اہل وعیال پر تین فاقے گزر گئے اور اسباب خورد و نوش میسا نہ ہوا۔ تیسرے دن چھ درہم پر گھر کی چادر فروخت ہوئی۔ دام لے کر گھر واپس آ رہے تھے کہ کچھ غربا افلاس سے فریاد کرتے ہوئے ملے۔ حضرت علیؑ نے روپیہ ان میں تقسیم کر دیا۔ اس اثنا میں ایک اعرابی ایک اونٹ لے کر آیا۔ حضرت علیؑ نے اسے سو درہم پر قرض خرید لیا۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک خریدار نے ایک سو ساٹھ درہم کو نقد خرید لیا۔

آمدنی اور طرز معیشت

حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو اپنی املاک سے بہت بیش قرار آمدنی ہوتی تھی جو وہ سب کی سب فقیروں کو دے ڈالتے تھے اور اپنا گذارہ اسی قناعت اور صبر کی روش پر کرتے تھے (تمدن اسلام)

سونے اور چاندی کو مخاطب کرتے ہیں

ایک مرتبہ بیت المال میں حضرت علیؑ نے سونے اور چاندی کو مخاطب کر کے کہا:۔ اے سونے میرا گھر خالی کر۔ اے چاندی نکل بیت المال سے۔ فریب اور غرور سوائے میرے اور کسی کو دینا۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے،،

علی بحیثیت مدعی

ایک مرتبہ حضرت علیؑ کی زرہ چوری ہوگئی اور کچھ روز کے بعد ایک نصرانی کے پاس پائی گئی۔ حضرت علیؑ اسے لے کر قاضی شریح کے پاس گئے اور ایک طرف یہ کہتے ہوئے بیٹھے ''کہ اگر مدعا علیہ بھی اہل ایمان ہوتا تو میں اس کے برابر کھڑا ہوتا،، قاضی نے حضرت علیؑ سے گواہ طلب کئے۔ حضرت علیؑ کے پاس اپنی ملکیت ثابت کرنے اور چوری کے ثبوت میں کوئی گواہ نہ تھا۔ حضرت علیؑ مدعا علیہ کے انکار پر مسکراتے رہے۔ قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا۔ اجلاس سے مدعی اور مدعا علیہ کچھ دور گئے تھے کہ مدعا علیہ پر حضرت علیؑ کی سچائی اور دادخواہی کا باوجود خلیفہ ہونے کے اثر پڑا اس نے وہ زرہ حوالے کر دی اور ان کا مطیع ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے اب زرہ کے ساتھ اسے ایک گھوڑا بھی عنایت کیا۔ وہ نصرانی تمام عمر

حضرت علیؑ کے ساتھ رہا۔

علیؑ بازاروں میں

کوفہ کے بازاروں میں اکثر جاتے رہتے تھے اور جہاں بیع و شرا کی مشغولیت سے لوگ دیکھتے تھے تو نہایت نرمی سے کہتے تھے "اپنے امیر کو راہ دو"۔ یہ سن کر لوگ ادب سے ہٹ جاتے تھے اور آپ آگے بڑھ جاتے تھے۔

عیال کے لئے محنت گوارا کرنا ذلت نہیں ہے

ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے بازار سے کچھ خریدا اور خود لے کر چلے تھے کہ کسی نے کہا:۔

"یہ بار ہمیں دیجئے کہ ہم لے چلیں" فرمایا "صاحب عیال کو سزاوار ہے کہ اسے خود اٹھائے" کہا "لیکن آپ خلیفہ وقت ہیں۔ آپ کے مناسب شان نہیں ہے۔" فرمایا "آدمی کا کمال کم نہیں ہوتا اگر وہ کوئی بوجھ اپنے عیال کے لئے اٹھاتا ہے"

علیؑ سردی سے کانپتے تھے

"ہارون ابن عمرہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں قصر خورنق میں حضرت علیؑ کے پاس گیا۔ وہ سردی سے کانپ رہے تھے ایک پرانا کپڑا جسم پر تھا۔ میں نے کہا کہ بیت المال میں اللہ نے آپ کا حصہ رکھا ہے آپ اس سے اپنی ضروریات پوری کریں۔ جواب دیا:۔ "میں تمہارے مالوں میں سے کوئی چیز پسند نہیں کرتا۔ واللہ یہ میرا وہی کھیس ہے جسے میں مدینہ سے لایا ہوں"

بازاروں میں علیؑ کی ہدایت

حسن ابن جرموز اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے جناب امیرؑ کو مسجد کوفہ سے نکلتے ہوئے دیکھا کہ ان پر دو چادریں ہیں ایک سے تہ بند باندھے ہوئے ہیں اور ایک اوڑھے ہوئے ہیں ان کا تہ بند نصف ساق تک ہے وہ بازاروں میں پھر رہے ہیں۔ ان کے پاس دُرّہ ہے اور لوگوں کو خدا کے خوف، سچ بولنے، کھرا سودا بیچنے، پیمانے کے پورا کرنے اور ترازو کے برابر رکھنے کا حکم دے رہے ہیں

علیؑ تلوار فروخت کرتے ہیں

"ابن حسام التیمی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت علیؑ منبر پر سے کہہ رہے تھے" کوئی ہے جو میری تلوار خریدے اگر میرے پاس تہ بند کی قیمت ہوتی تو اسے ہرگز فروخت نہ کرتا۔ (علیؑ اس وقت تمام اسلامی دنیا کے مالک تھے)

عادت

"حبہ عربی سے منقول ہے کہ ایک روز علیؑ کے سامنے فالودہ رکھا گیا علیؑ نے دیکھ کر کہا "واللہ تیری بو بہت خوش ہے۔ تیرا رنگ بہت بھاتا ہے۔ تیرا مزا اچھا ہے لیکن مجھے کراہت ہے کہ اپنے نفس کو ایسی شے کی عادت ڈالوں جس کا وہ خوگر نہیں"

"سوید ابن غفلہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ دارالامارہ میں تشریف رکھتے تھے ان کے سامنے ایک پیالہ دودھ اور جو کی روٹی ایسی خشک رکھی تھی کہ کبھی ہاتھ سے اور کبھی زانو سے توڑتے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر نہایت تاسف ہوا اور فضہ سے کہا تو اس بزرگ پر رحم نہیں کرتی اور ان کے لئے جو چھان کر روٹی نہیں پکاتی اس میں بھوسی لگی ہوئی ہے اور توڑنے میں مشقت ہوتی ہے۔ فضہ نے جواب دیا کہ کیا وجہ ہے کہ ان کو تو ابر ملے اور ہم گنہگار مریں۔ ہم سے عہد لیا ہے کہ روٹی چھان کر نہ پکائیں۔ اب حضرت علیؑ میرے طرف مخاطب ہوئے اور وجہ گفتگو دریافت کی۔ میں نے گفتگو بیان کی اور کہا:۔ امیرالمومنینؑ اپنے اوپر رحم فرمایئے اور اتنی مشقت نہ اٹھایئے۔ فرمایا:۔

علیؑ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں

اے سوید تجھ پر افسوس ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل وعیال نے تین روز برابر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی ایک دفعہ مدینہ میں سخت بھوکا تھا۔ مزدوری کرنے کو نکلا۔ ایک عورت مٹی کے ڈھیلوں کو جمع کرکے بھگویا چاہتی تھی۔ میں نے فی ڈول ایک کھجور اجرت طے کی۔ سولہ ڈول کھینچ کر اس کی مٹی کو بھگویا۔ حتیٰ کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ میں وہ کھجوریں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقعہ بیان کیا اور آپ نے بھی خرمے نوش فرمائے"

حضرت کی غذا

"ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ ہمیشہ سرکہ اور نمک سے روٹی کھاتے تھے جب ترقی کی تو ترکاری...... اس سے بڑھ کر اونٹنی کا دودھ..... گوشت نہیں کھاتے تھے مگر بہت کم۔ فرماتے تھے اپنے پیٹ کو جانوروں کا مقبرہ نہ بناؤ۔"

علیؑ اور فاطمہؑ کی مشقت

حضرت علیؑ نے ایک روز حضرت فاطمہ زہراؑ سے کہا۔ واللہ اس قدر پانی کھینچا ہے کہ سینہ درد کر رہا ہے۔ خدا نے تمہارے والد کو اسیروں پر اختیار دیا ہے ایک اسیر طلب کرو۔ فاطمہؑ کہنے لگیں۔ میں نے آٹا اس قدر پیسا ہے کہ میرے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے ہیں"

بازاروں میں علیؑ کے کام

زاذان سے مروی ہے کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو دیکھا کہ بازاروں میں درہ ہاتھ میں لئے ٹہل رہے ہیں لوگوں کو درہ سے ہٹاتے ہیں۔ راہ بھولے ہوئے کو راستہ بتاتے ہیں۔ بوجھ اٹھانے والے کو مدد دیتے ہیں اور یہ آیت پڑھتے ہیں (یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین پر غرور و فساد نہیں کرتے اور عاقبت ڈرانے والے کے لئے ہے) پھر جناب فرماتے ہیں کہ یہ آیت صاحبان قدرت کے لئے ہے۔"

علیؑ کی نفس کشی اور ان کی خوشی

ایک مرتبہ کسی کی لونڈی نے کھجور خریدی مالک نے واپس کر دی لیکن دکاندار نے

واپس لینے سے انکار کیا - لونڈی رونے لگی - اسے دیکھ کر حضرت علیؑ نے کھجور والے سے کہا - بھائی واپس لے لے یہ خدمتگار ہے اس نے یہ سن کر آپ کو دھکا دیا - اس کی یہ حرکت دیکھ کر لوگوں نے کہا ارے! جانتا ہے کہ تو نے کس کو دھکا دیا - کہا نہیں - کہا یہ حضرت علیؑ ہیں - اس نے لونڈی کا درہم واپس کر دیا اور حضرت علیؑ سے کہا اب آپ خوش ہوئے آپ نے فرمایا - مجھے تجھ سے کوئی چیز خوش نہیں کر سکتی مگر یہ کہ تو لوگوں کا حق ادا کرے۔"

علی کی عالی ہمتی

"علامہ کفوی نقل کرتے ہیں کہ کسی جنگ میں ایک شخص مقابلے کے لئے آیا اور حضرت علی سے تلوار دیکھنے کو مانگی - جب حضرت علیؑ نے حوالے کر دی تو وہ کہنے لگا کہ اب کیسے بچو گے حضرت علیؑ نے جواب دیا: - جب تو نے بھیک مانگنے والوں کی طرح ہاتھ بڑھایا تو مروت نے تقاضا نہ کیا کہ بھیک مانگنے والے کا ہاتھ رد کیا جائے وہ دشمن یہ سن کر مسلمان ہو گیا۔"

علیؑ سے خوشی کی وجہ

معاویہ نے خالد بن معمر سے دریافت کیا کہ تم حضرت علیؑ سے اس قدر خوش کیوں تھے؟ خالد نے جواب دیا:-

" اس وجہ سے کہ وہ غصہ میں حلم کو راہ دیتے تھے - سچ بولتے تھے اور عدل پر حکم کرتے تھے۔" (سوانح عمری)

خوش طبعی

تم میرے بغیر لا ہو

ایک مرتبہ حضرت علیؑ ابا حفصہ اور ابن ابی قحافہ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے یہ دونوں آدمی قد میں حضرت علیؑ سے نکلے ہوئے تھے ان میں سے کسی نے کہا:-

" یا علیؑ تم ہم میں اس طرح ہو جیسے لنا میں نون ہوتا ہے۔"

" اگر میں نہ ہوں تو تم لا ہو جاؤ"

ایک مرتبہ دو شخص لڑتے لڑتے آئے ان میں سے ایک نے کہا:-

سائے پر کوڑے

یا امیر المومنین! اس نے میری توہین کی ہے اور کہتا ہے کہ شب کو تیری ماں کے ساتھ محتلم ہوا ہوں۔" فرمایا " اچھا مدعا علیہ کو دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے سائے پر کوڑے مار۔"

لیکن مدعا علیہ کو سمجھا دیا کہ اب اگر رنج دینے کے لئے اعادہ کرے گا تو سزا دی جائے گی۔

خرمے زیادہ کس نے کھائے

ایک مرتبہ حضرت علی علیہ السلام اور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خرمے نوش فرما رہے تھے رسولِ خدا گٹھلیاں حضرت علیؑ کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور حضرت علیؑ اپنی گٹھلیاں جمع کرتے جاتے تھے۔ دغالباً

پاس ادب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پھینک نہ سکتے تھے، کھانے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزاحاً حضرت علیؑ سے فرمایا :۔

یا علیؑ تم بہت سے خرمے کھا گئے ؟

مگر یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پاس تو گٹھلیاں بھی نہیں ہیں،،

بعض مؤرخین کے نزدیک حضرت علیؑ کو خلافت نہ سپرد کرنے کی وجہ ان کی خوش طبعی بتاتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب کے نزدیک یہ بات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر تھی اور اس کے بعد ابا حفصہ کے اس گمان کی تردید مصنوعی متانت لفظی کا ایک دوسرا لطیفہ ہے۔

ایک شخص جو بباطن حضرت علیؑ سے عداوت رکھتا تھا ایک روز آپ کے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ خدا آپ کی قوت مستحکم کر دے حضرت علیؑ نے فرمایا تیرے دل پر۔

خضوع وخشوع جب نماز کا وقت آتا تھا تو حضرت علیؑ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور اگر کوئی شخص اس تغیر کا سبب پوچھتا تھا تو کہتے تھے :۔

" ایک ایسی امانت کا وقت آیا ہے جس کے تحمّل کی قوت زمین و آسمان کو نہ تھی ۔ ،،

نماز پڑھتے وقت کمال حضور قلب کی وجہ سے حضرت کا جسم ایسا بے حس ہو جاتا تھا کہ لوگ انہیں بے جان سمجھنے لگتے تھے کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں ہزار رکعتیں پڑھتے تھے۔

ذمّی حضرت کے کسی عامل نے کسی مجوس سے بے التفاتی کی، اس کی شکایت ہوئی۔ اس پر حضرت نے حسب ذیل فرمان بھیجا :۔

" تیری ولایت کے دیہات والے تیری سنگدلی اور درشت خوئی کی شکایت کرتے ہیں۔ میں نے ان کے بارے میں فکر کی تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے شرک کی وجہ سے مزید اکرام کے سزاوار ہوں نہ انہیں اس قابل دیکھا کہ انہیں دور کر دیا جائے یا ان پر ظلم وستم کیا جائے کیونکہ ان سے عہد ہو چکا ہے وہ ذمی ہیں لہٰذا تو ان کے لئے نرمی کا لباس پہن لے جس کے ایک ٹکڑے میں سختی کی بھی آمیزش ہو۔ ان کے ساتھ سختی اور نرمی کے درمیان برتاؤ کر۔ تقرب اور نزدیکی دوری اور راندگی کو ان کے ساتھ مخلوط وممزوج کر دے ۔ ،،

افسران فوج کو حکم تھا :۔

" میں اس سے سخت بیزار ہوں کہ یہ سپاہی اہل ذمہ کو اذیت پہنچائیں ۔،،

"جو لوگ ذمی ہو چکے ان کا خون ہمارا خون ہے اور ان کا خون بہا ہمارا خون بہا ہے" (رسالہ شبلی، سیرٹ آف اسلام)

حضرت علی علیہ السلام کو یہ موقع خود بھی پیش آیا اور انہوں نے صاف حکم دے دیا کہ قاتل (جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا تھا) جو مسلمان ہے قتل کر دیا جائے اس سے بڑھ کر یہ کہ جب مقتول کے وارثوں نے آکر عرض کیا کہ ہم نے خون معاف کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ تم پر کچھ دباؤ تو نہیں ڈالا گیا"۔ (زیلعی از رسائل شبلی)

ایک نادر خط روسی اخبار ترجمان کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ اردبیل میں حضرت علی علیہ السلام کا ایک خط امان خط کوفی میں پایا گیا ہے اور اس کا ترجمہ تمام روسی اخبارات میں شائع ہو گیا ہے اور ہر طرف سے اسلام کی خوبی کا اعتراف ہونے لگا ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد حمد و صلوٰۃ آنکہ چونکہ اہل ارمن نے جن کا شمار چالیس ہے۔ سرحد اسلام پر مسلمانوں کی فتح میں مدد کی اور مجھ سے امان نامہ مانگا ہے۔ جس کے ذریعہ ان کی جان و مال، عزت و آبرو، ننگ و ناموس ہمیشہ کے لئے ذمہ اسلام میں محفوظ و مصئون رہے۔ میں ان کی اس درخواست کو بخوشی منظور کر کے ادنیٰ و اعلیٰ تک تمام مسلمانوں کو اپنے اس عہد نامہ کے احترام و عزت کا حکم دیتا ہوں اور بحیثیت خلیفہ ہونے کے ہدایت کرتا ہوں کہ میری حیات میں اور بعد وفات میری اس تحریر سے سرمو انحراف نہ کریں۔ نہ عہد شکنی کا خیال کبھی دل میں لائیں اور نہ اس میں کمی و بیشی کا ارادہ کریں اور یہ بھی خیال رکھیں کہ یہی امان نامہ ان تمام نصاریٰ کی جان و مال ننگ و ناموس کی حفاظت کو بھی شامل ہے جو ذمۂ اسلام میں آ گئے ہیں۔ جب تک وہ معاملات میں مسلمانوں کے ساتھ یک جہت رہیں اور مروت انسانیت اور صدق و اخلاص کا برتاؤ کریں۔ اگر ان پر کوئی جبر و ظلم ہو تو اس عہد نامہ کو نکال کر مسلمانوں کو دکھلائیں اس وقت امرائے اسلام کا فرض ہے کہ ذات البین کی اصلاح کرا دیں۔ ذمی نصاریٰ کو امان دینے سے میری یہ غرض ہے کہ مختلف مذاہب کی رعایا میں درستی و اتحاد بڑھے اور اختلاف و ظلم و جبر درمیان سے اٹھ جائے جیسے کہ اسلام کی ہدایت ہے۔ ذمیوں میں اگر کوئی عہد نامہ کے خلاف امانت اسلام کی جرأت کرے گا تو وہ دنیاوی سزا کے علاوہ مستوجب قہر الٰہی ہو گا۔

میں یہ بھی حکم دیتا ہوں کہ آنے والے حکام لگان و محاصل کی ان شرحوں سے جو میں نے مقرر کر دی ہے، زیادہ نہ کریں اور مسلمان اپنے نصرانی بھائیوں کو ذلت و حقارت کی نگاہوں سے نہ دیکھیں اور ان کو ان کے وطن اور گھروں سے نہ نکالیں نہ انہیں سخت و سست کہیں ورنہ ان پر خدا کا قہر نازل ہو گا۔ راہبوں اور اسقفوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کریں اور کسی نوع کی انہیں تکلیف نہ دیں انہیں وعظ و پند اور مذہبی تعلیم و تلقین سے بھی نہ روکیں اور ان کی عبادت گاہوں کی تعمیر کے

کے سدِّ راہ ہوں۔ جو شخص میرے اس عہد کے خلاف کرے گا وہ غضب الٰہی کا مستوجب ہوگا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ عیسائیوں سے مل جل کر زندگی بسر کریں تاکہ لوگ راحت و آرام پائیں اور جب ضرورت ہو تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے مسلمانوں کو عام کاروبار میں بھی عیسائیوں کی مدد کرنی چاہیئے اگر وہ عبادت خانے بنائیں، بنانے دیں اگر انہیں حاجت ہو تو زمین بھی دیں۔ خاص کر وہ زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو اور پڑت پڑی ہو۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کو مل جل کر امن و امان میں زندگی بسر کرنا اور میری اس تحریر کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے۔[1]

(الحکم بابت ماہ فروری ۱۹۰۶ء جلد ۲ ص ۴۷ - منقول از شیعہ)

حقوق عباد اور سچائی

"وہ جو اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر دوسروں کے فرائض کو بھول جاتا ہے۔ وہ خدا کا سب سے کمزور اور برا بندہ ہے" "وہ شخص تم میں سب سے زیادہ عقلمند ہے جو ان کے فرائض ادا کرتا ہے جن کے حقوق اس کے ذمہ ہیں"

"عبادتِ خدا بغیر انسانی احسان شناسی کے ریگستان صحرا کی آب پاشی ہے"

"کوئی شخص سچائی کے پورے مفہوم میں سچا نہیں ہے مگر جو قول، فعل اور خیال میں سچا ہے"

"سچا وہ ہے جو اپنے حاضر و غائب بھائی کی حفاظت کرتا ہے" (دا ایتھکس آف اسلام)

اَقوال

مال خواہشات کا سرچشمہ ہے۔

بخشش وہ ہے کہ بغیر سوال کئے دے۔ مانگنے کے بعد دینا شرم و لحاظ ہے اور ندامت سے احتراز سخاوت نہیں ہے

جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو کلام کم ہو جاتا ہے۔

بوڑھے کی عقل و تدبیر میرے نزدیک جوان کی شجاعت سے بہتر ہے۔

خود پسندی ترقی سے روکتی ہے "تصنّع تقویٰ کی ہلاکت ہے" (ایتھکس ......)

طمع ہمیشہ کی غلامی ہے۔

عفت، غربت کی اور شکر امارت کی زینت ہے۔

بہترین کمالات انسانی حسن خلق ہے۔

---

[1] مؤلف کے زمانہ میں خصوصاً الکرار کی تالیف کے وقت روزنامہ اخبارات کی یہ خبر طرفہ اور خلاعام لوگوں کے لئے نادر تھا۔

فرض کی انجام دہی سے زیادہ کوئی اچھی عبادت نہیں ہے۔ کوئی شرف علم سے زیادہ نہیں ہے وہ نہیں مرتا جو علم کے لئے جان دیتا ہے۔ اپنی اولاد کو کتابت سکھاؤ۔ کیونکہ اس سے بادشاہوں کی ہمت اور توجہ تمہاری طرف ہوگی۔

" وقت ضائع کرنے سے رنج ہوتا ہے "

" وہ جو بغیر دولت کے امیر، بلا رئیت کے تری، بے مالک کا رعایا، بننا چاہے وہ ترک گناہ اور عبادت خدا کرے "

• میں نے تیری عبادت خوف جہنم یا بہشت کے لالچ سے نہیں کی بلکہ تجھے عبادت کے لائق پایا اس لئے عبادت کی۔

" میں نے اپنے ارادوں کے نسخ ہونے سے خدا کو پہچانا۔ "

خدا کا ارادہ انسان کے ارادہ پر غالب ہے۔

جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے خدا کو پہچانا۔

علم پیغمبر دل کا ترکہ ہے اور مال ارث قارون ہے۔ علم تیرا نگہبان ہے اور مال کا تو نگہبان ہے۔ صاحب مال کے بہت سے دشمن ہیں اور عالم کے سب دوست ہیں۔ علم سے دل روشن ہوتا ہے اور مال کی ہوس سے سیاہ۔ صاحب مال غرور سے فرعون کی طرح دعوائے خدائی کرتا ہے۔ اور صاحب علم کہتا ہے کہ میں نے تیری عبادت ویسی نہیں کی جو عبادت کا حق تھا۔ آدمی کی شناخت صحبت سے ہوتی ہے۔ ایک چیز کو دوسرے سے مشابہت ہے۔ دل کی حالت اس وقت معلوم ہوتی ہے۔ جب وہ ملتے ہیں۔ "

" اپنا راز دوسرے سے نہ کہہ کیونکہ ہر راز کا دوسرا رازدار ہوگا۔ ہم نے بہت سے غلطی کرنے والوں کو دیکھا ہے۔ جنہیں عزت کے اعلیٰ خیال کا حوصلہ نہیں ہوتا۔" (تاریخ الخلفا)

علامہ جلال الدین سبط الاشجعی کی مسند سے لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے کچھ شعر کہے جن کا مطلب یہ تھا:۔

جس وقت دل میں رنج ہوتا ہے اور وسیع سینہ بھر جاتا ہے۔ افکار گھر کر لیتے ہیں اور غم مسکن بنا لیتے ہیں۔ کوئی ان کا اٹھانے والا دکھائی نہیں دیتا اور تیز طبیعت کی کوششیں بے کار ہوتی ہیں۔ اس وقت ناامیدی میں تیرا مددگار آئیگا مجیب الدعوات جو قریب ہے مدد کرے گا۔ جب رنج کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو اس کے سلسلہ میں آنے والی خوشی رہتی ہے

اَتَحْسَبُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ   وَفِيْكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْاَكْبَرُ

تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے اور حالت یہ ہے کہ تجھ میں ایک بڑا عالم سمایا ہوا ہے۔!

دنیا کے دو حال ہیں۔ سختی اور نرمی دو بھرے ہوئے ڈولوں کی طرح ایک نعمت ہے دوسری بلا ہے۔ جوانمردیا ہر صاحب عقل کے ساتھ جب زمانہ خیانت کرتا ہے اور مصیبت میں مبتلا کرتا ہے تو صبر اس سے خیانت نہیں کرتا

اگر مجھ پر بلا نازل ہوتی ہے تو میں ان آفتوں میں سخت پتھر ہو جاتا ہوں مجھے بلا کا علم ہے اور آزمائش نے بتایا ہے کہ رنج وراحت ہمیشہ کے لئے نہیں ہے۔ اکتساب علم دہر سے باز رہنا ایک مرض ہے۔

بلاؤں میں مبتلا ہو جانے والا عقوبت رسیدہ نہیں۔ امور واحکام، قضا وقدر کے تابع رہتے ہیں، حتیٰ کہ تدابیر میں موت آجائے۔

- کسی شخص نے محبت وعداوت کو دل میں پوشیدہ نہیں کیا مگر یہ کہ وہ اس کی زبان، غفلتوں اور چہرے کے بشرے میں ظاہر ہو گئی۔
- مثل اور شبیہ مماثل اور مشابہ کی طرف راہنما ہوتی ہے۔
- عاقل کی زبان اس کے قلب کی آڑ میں ہے اور احمق کا قلب اس کی زبان کے پیچھے۔
- جس شخص نے امامت کے لئے لوگوں کے سامنے اپنے نفس کو قائم کر دیا تو اسے لازم ہے کہ اپنے غیر کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے نفس کو عقلمند بنانے کی ابتدا کرے اور قبل اس کے کہ اپنی زبان سے لوگوں کو تادیب کرے۔ اپنی رفتار سے ادب سکھائے۔
- کامل اور پورا فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو خدا کی رحمت سے ناامید نہ کرے۔
- وہ برائیاں جو تجھے نادم اور پشیمان کرتی ہیں خدا کے نزدیک ان نیکیوں سے بہتر ہیں جو تجھے تکبر وغرور میں مبتلا کر دیں
- عورت کا جہاد یہ ہے کہ وہ شوہر سے اچھی طرح پیش آئے۔
- خلقت کے ساتھ دوستی کرنا آدھی دانش مندی ہے۔ حزن واندوہ میں مبتلا رہنا آدھا بڑھاپا ہے۔
- حسد نہ کرنے کی وجہ سے جسم کی صحت قائم رہتی ہے۔
- بہترین توانگری یہ ہے کہ آرزوؤں کو ترک کیا جائے۔
- ایک گروہ حصول ثواب کے لئے خدا کی عبادت کرتا ہے۔ یہ عبادت تاجروں کی سی عبادت ہے ایک جماعت عذاب الٰہی سے ڈر کر عبادت الٰہی میں مصروف ہے۔ یہ عبادت غلاموں کی عبادت ہے۔ ایک قوم ایسی ہے جو شکر ادا کرنے کے لئے اس کی عبادت کر رہی ہے یہ بندگی آزادوں کی سی بندگی ہے۔

اگر خداوند عالم اپنی نافرمانی کے سبب سے عذاب وعقوبت کا وعدہ نہ بھی کرتا تو بھی یہی واجب تھا کہ اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی بنا پر اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

- آدمی دنیا کے بیٹے ہیں اگر مرد اپنی ماں سے محبت کرے تو اسے ملامت نہیں کی جاتی۔

و غیرت دار آدمی کبھی زنا نہیں کرتا۔

و وہ واجبات جو خدا نے تم پر واجب کئے ہیں ان میں نہایت قلیل یہ ہے کہ اس کی نعمتوں سے اس کی نافرمانی پر اعانت کے طلب گار نہ ہو۔

و جب تک اہل علم سے خداوند عالم نے تعلیم دینے کا عہد نہیں لیا جاہلوں سے تعلیم حاصل کرنے کا بیان نہیں لیا۔

و "دنیا تاریکی ہے۔ علم اس کی روشنی ہے علم بغیر سچائی کے محض سایہ کی مثال ہے۔" (اتھیکس)

قضا و قدر

کسی شخص نے قضا و قدر کے معنی پوچھے۔ فرمایا: - یہ ایک تاریک راستہ ہے اس پر نہ چلو۔ ایک گہرا سمندر ہے اس میں غوطہ نہ لگاؤ۔ یہ ایک خدا کا بھید ہے اس کے حاصل کرنے میں تکلیف نہ اٹھاؤ۔

و جبر کے ماننے والوں سے اثر نہ لے بلکہ ایک پُر قوت روح کا تصور کر۔ خدا کا اعتقاد کر۔ انسانی ترقیوں پر اعتبار کر جو افراد کی کوششوں پر مبنی ہیں۔ اور انسانی جذبات سے پیدا ہوتی ہیں۔

و اول الذکر (قضا) کے معنی اطاعت حکم خدا اور گناہ سے محفوظ رہنا۔ آخر الذکر (قدر) کا منشا پاک زندگی بسر کرنے کی قابلیت اور ایسا عمل کرنا جس سے انسان کو قربت خدا حاصل ہو اور اس کا ترک جو اس کی تکمیل سے ہٹا دے نہ یہ کہ انسان مجبور ہے کیونکہ اس سے خدا کو ظلم سے منسوب کرنا ہے۔ نہ یہ کہ انسان کو پورا شعور ہے (حق و باطل کا) بلکہ یہ کہ ہماری کوششوں میں اس کی رحمت اور مدد سے آسانی ہوتی ہے کہ ایمان داری سے عمل کر سکیں۔ اور ہم لوگ اس کے حکم خدا کی غفلت سے گناہ کرتے ہیں۔" (اسپرٹ آف اسلام)

و ایک شخص عتبہ بن ربیعہ نے حضرت علیؑ سے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کے معنی پوچھے جس کا انہوں نے جواب دیا:۔ "یہ کہ ہم کو اس کے غضب سے خوف نہیں ہے بلکہ اس کی عظمت سے ڈرتے ہیں نہ ہم میں یہ قوت ہے کہ اس کے احکام بجا لا سکیں بلکہ ہماری قوت اس کی امداد سے ہے۔"

و "خدا نے ہمیں دنیا میں پیدا کیا ہے کہ ہر شخص کو موافق اس کی قوت کے آزمائے۔"
اس کے ذیل میں دیگر آیات قرآنی کا تذکرہ کر کے:۔

لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ ...... ہم تمہارا ضرور امتحان کریں گے کہ کون تم میں سے مجاہدین (سچائی اور عصمت) میں سے ہے اور کون برداشت (صبر کرنے والا) ہے تاکہ ان کو دیکھ لیں اور تمہارے حالات جانچ لیں۔

"قرآن کی اس آیت کو بیان کر کے کہ "خدا جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔"

"اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ برائی یا بھلائی کے لیے مجبور کرتا ہے یا وہ اپنی مشیت کے بموجب انکار کرتا یا اذن دیتا ہے کیونکہ اس سے انسان کی ذمہ داری اپنے اعمال کی نسبت جاتی رہے گی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا راہ مستقیم دکھاتا ہے اس کے بعد انسان کو اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے پسند کرے۔" (احتجاج طبرسی از اسپرٹ آف اسلام)

انسانی ذمہ داری

● قبل اس کے کہ تمہارے اعمال کے ترلنے کا وقت آئے تم اپنے نفس کو خود تول لو۔ تم خود اپنا حساب کرلو قبل اس کے کہ تمہارے اعمال کا حساب ہو۔ اس زندگی میں اچھے اور پاک کاموں کی طرف متوجہ ہو قبل اس کے کہ تمہاری روح پیکر خاکی سے نکل جائے۔ یقیناً اگر تم اپنے کو آگاہ اور اپنی رہنمائی نہ کرو گے تو کوئی دوسرا تمہیں راہ پر نہیں لاسکتا۔ میں تمہیں اس خدا کی عبادت کے لیے حلف دیتا ہوں جو پاک و پاکیزہ ہے اس نے تمہیں مغفرت کا راستہ اور دنیا کی فریب دینے والی چیزیں دکھادیں۔ برائیوں سے پرہیز کرو، وہ کیسی ہی دلچسپ کیوں نہ ہوں۔ نجاست سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ وہ کیسی ہی خوشنما کیوں نہ ہوں۔"

● اے بندہ خدا ان فرائض کو ادا کر جو تیرے حوالے کئے گئے ہیں ان کی غفلت سے ذلت ہے۔ صرف تیرے نیک کام کی راہ کو آسان کردیں گے۔ یاد رکھ کہ ہر گناہ قرض کو زیادہ کرتا ہے اور اس زنجیر (جو تجھے جکڑے ہے) کو بھاری کرتا جاتا ہے پیغام رحمت نازل ہوا ہے اور سچائی کا راستہ صاف ہے۔ ان احکام کی اطاعت کر جو تجھے دیئے گئے ہیں۔ راستی اختیار کر اور تقویٰ پر عمل کر۔ خدا سے اپنی کوششوں میں امداد اور اپنے گذشتہ عصیاں کے عفو کی دعا مانگ۔"

"تواضع اور صبر کو اپنا شعار کر۔ سچائی اور تقویٰ کو اختیار کر۔ اپنے نفس سے اپنے اعمال کا حساب کر۔ کیونکہ جو اعمال کو شمار کرتا ہے وہ بڑے انعام کا مستحق ہوتا ہے اور جو غفلت کرتا ہے وہ بڑا نقصان اٹھاتا ہے۔ جو تقویٰ پر عمل کرتا ہے اپنی روح کو آرام دیتا ہے۔ جو نصیحت سنتا ہے وہ سچائی کو سمجھتا ہے اور جو اسے سمجھتا ہے وہی علم کامل حاصل کرتا ہے۔" (اسپرٹ آف اسلام)

● ایک مرتبہ ابی ابن کعب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ "اسبغ علیکم نعمہ" کو آخر تک پڑھ کر پوچھا کہ وہ کونسی نعمتیں ہیں جنہیں خدا نے فرمایا ہے کہ تم پر تمام کردیں۔ اس سوال پر لوگوں نے فرزند جاہ و مال وغیرہ کا تذکرہ کیا لیکن رسول اللہ نے کسی کو قبول نہ فرمایا اور باب علم کی طرف مخاطب ہو کر تفسیر کا حکم دیا۔ امیر المومنین ع نے فرمایا:۔

"خدا کی نعمت یہ ہے کہ وہ ہمیں عدم سے وجود میں لایا حالانکہ اس کے پیشتر نہ تھے اور ہمیں امانتیں حوالے کیں

یہ کہ ہمیں بہترین صورت میں خلق کیا۔ دنیا کی چیزوں کو ہمارے لئے مسخر کیا۔ ہمیں عقل سلیم عطا کی تاکہ اس کی قدرت پر غور کریں جس سے ثواب ہو اور اس کا شکر کریں۔ ہمیں مملوک نہیں بنایا بلکہ مالک بنایا۔ ہمیں غلام نہیں بنایا۔ ہمیں مرد بنایا، عورت نہیں بنایا۔ مردوں کی سی قوت اور جفاکشی عطا کی نہ عورتوں کی سی نرمی۔ کوئی شخص اس کی نعمتوں کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔"

ایجاد علم نحو

ابوالاسود الدوئلی سے روایت ہے کہ میں ایک دن جناب امیرؑ کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ آپ گردن جھکائے فکر میں ہیں۔ سبب پوچھا تو ارشاد کیا میں نے تمھارے اس شہر میں لوگوں کو عربی زبان میں غلطی کرتے دیکھا ہے اس لئے ارادہ ہے کہ ایک کتاب عربی زبان میں مرتب کروں۔ میں نے کہا کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو ہم لوگوں میں روح تازہ آجائے گی اور یہ ہم لوگوں میں قائم رہے گی۔ تین دن کے بعد پھر میں گیا اور انہوں نے ایک پرچہ میرے حوالے کیا۔ جس میں بسم اللہ سے ابتدا تھی اور لکھا تھا:

کلام تین قسم پر ہے۔ اسم۔ فعل۔ حرف۔ اسم وہ چیز ہے کہ اپنے مسمّے سے خبر دے اور فعل وہ ہے جو اپنے مسمے کی حرکت سے خبر دے اور حرف وہ چیز ہے کہ اسے ایسے معنی سے خبر دے جو نہ اسم ہو نہ فعل۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ اس کا تتبع کرو اور جو کچھ مناسب معلوم ہو اس میں بڑھا دو اور آگاہ ہو۔ اے ابوالاسود کہ سب اشیا تین قسم پر ہیں۔ ایک ظاہر، ایک مضمر اور ایک ایسی ہے جو نہ ظاہر ہے نہ مضمر۔ ابوالاسود کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی چیزیں اس قاعدہ سے ترتیب دیں اور جناب امیرؑ کو سنائیں۔ ان میں کلمات ماضیہ کا بھی بیان تھا۔ ان میں سے اِنّ اور اَنّ، لیت، لعل اور کاَنّ کا ذکر کیا مگر لکن کا ذکر نہ کیا۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ اسے کیوں چھوڑ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس کو کلمات ماضیہ سے نہیں جانتا۔ فرمایا وہ بھی ہے۔ (سوانح عمری و تاریخ الخلفا)

نجوم

یونس ابن عبدالرحمٰن سے منقول ہے کہ میں نے ابو عبداللہؑ سے علم نجوم کی نسبت دریافت کیا کہ اس کی اصلیت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ علم دنیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت علیؑ اس علم کو کیسا جانتے تھے انہوں نے فرمایا کہ وہ اس علم کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ (سوانح عمری)

رجز

وہ شیر غضب ناک ہوں جو غصہ کی وجہ سے دشمن کو کنکھیوں سے دیکھتا ہے وہ شیر دلیر ہوں جو کچھار میں تھوڑی دیر استراحت کرتا ہے اور جب معرکۂ جنگ کا سامنا ہوتا ہے تو فوراً لڑائی شروع کر دیتا ہے اور جس وقت لڑائی طرفین کی صفوں کو استوار و محکم کر دے اور آدمیوں کی سانس پھولنے لگے اس وقت نیزوں کے وار سے بہادر آدمی کبھی نہیں ڈرتا۔

و اے نذیر....... میں اس خدائے برتر کی مدد سے حملہ کرتا ہوں جو رات کی سیاہی کو دن سے بدلتا ہے۔ تمام دنیا کو روشن اور منور کرتا ہے اور مالک مسجد حرام ہے۔ میں علیؑ ہوں اور اس مقدس نبیؐ کا ابن عم ہوں کہ جو ہادیٔ برحق ہے۔

و خدا نے مجھے یہ عزت بخشی ہے کہ میری تلوار کے قریب آکر مبارز آواز گریہ بلند کرتے ہیں۔ میں کسی کے حملہ سے نہیں ڈرتا۔ میں خود حملہ آور ہوتا ہوں۔ میں کبھی کسی دشمن کے سامنے سے نہیں ہٹتا۔ وہ میرا ہی حریف ہے جو کبھی تلوار سے مارا جاتا ہے اور کبھی وہ خود خوف کھا کر میرے مقابلے سے بھاگ جاتا ہے (اتحاف اہل اسلام)

علیؑ کو قوت نفس کے اثر کا علم

کسی کے اس سوال پر کہ آپ نے اپنے ہمسروں کو کیسے مغلوب کیا۔ فرمایا۔ میں کسی شخص سے ملاقی نہیں ہوا مگر یہ کہ اس نے اپنے نفس پر قبضہ دینے کے لئے میری مدد اور اعانت کی۔"

دُنیا

اس مکان کی کیا توصیف کروں جس کے اول میں تو رنج و تعب ہے اور آخر میں فنا۔ اس کی حلال چیزوں کے استعمال میں حساب کا سامنا ہوتا ہے اور اس کے محرمات میں عذاب کا جو اس میں رہ کر غنی اور مستغنی ہو گیا۔ وہ مفتون ہے۔ معرض امتحان میں مبتلا ہے اور جو اس میں نقیر ہے۔ حزن والم میں گرفتار رہے۔ جس نے اس دنیا کو گہری نظر سے دیکھا۔ دنیا نے اسے بینا اور آگاہ کر دیا اور جس کی نگاہیں اس کی زینتوں اور آرائشوں میں الجھ کر رہ گئیں اسے اس نے اندھا کر دیا۔

خود پسندی اور غرور سے روکا ہے

دنیا کی عزتوں میں دنیا کے فخر میں دل نہ لگاؤ اس کی نعمتوں، اس کے زیور کے سبب سے عجب و کبر اختیار نہ کرو۔ دنیا کی مضرتوں اور سختیوں میں مبتلا ہو کر جزع و فزع نہ کرو۔ کیونکہ اس کی عزتیں اس کے فخر قطع ہونے والے ہیں۔ اس کی آرائشیں قریب بہ زوال ہیں۔ دنیا کی ہر ایک مسرت انتہا کو پہنچنے والی ہے۔ کیا آثار اولین سے تمہیں بصیرت حاصل نہیں ہوتی۔ کیا تمہارے گزر جانے والے آباؤ اجداد کے حالات میں تمہارے لئے مقام عبرت نہیں۔ ہاں ضرور ہے بشرطیکہ تم عقل سے کام لو آگاہ ہو، جب تم اعمال قبیح کے لئے جلد جلد اٹھو تو اسے یاد کرو جو لذتوں کو برباد کرنے والا اور آرزوؤں کا قطع کرنے والا ہے

و دنیا کی ہر ایک چیز سننے کی حالت میں دیکھنے سے بزرگ تر ہے اور آخرت کی ہر ایک چیز کا معائنہ اوصاف شنیدنی سے بہت بالا ہے۔

و دنیا تمہارے ہمیشہ کے قیام کے لئے نہیں پیدا کی گئی یہ ایک گزرگاہ ہے تاکہ اس دنیا میں رہ کر آخرت کے

توشے، اعمال کو مہیا کر لو۔

و خواہش ہائے نفسانیہ میں ان کا سفر ہوتا ہے ان کے نزدیک عمدہ اور مستحسن وہی ہے جو ان کی طبیعت کے موافق ہو اگرچہ شرع اس کی قباحت کا فتویٰ لگائے اور امر بد و فعل قبیح وہی ہے جسے ان کی طبیعتیں قبیح تجویز کریں۔

کچھ بندے

پروردگار کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جن کے پردہ دل سے وہ راز کی باتیں کرتا ہے ان کی عقلوں کے باطن میں وہ ان سے کلام کرتا ہے وہ کبھی اپنے کانوں میں کبھی اپنے دلوں میں اس کے نور کی تجلیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ گویا وہ ایک مدت دراز تک عالم برزخ میں رہ کر اہل برزخ کے پوشیدہ اسرار سے مطلع ہو گئے اور قیامت نے اپنے وعدوں کو ان پر ثابت و محقق کر دیا ہے گویا وہ ایسی اشیا کو دیکھ رہے ہیں۔ جنہیں اور لوگ نہیں دیکھتے۔"

فکر و تدبر

بندگانِ خدا! بندوں میں سب سے زیادہ پروردگار کے نزدیک وہی محبوب ہے جس کے نفس پر پروردگا نے اس کی اعانت کی ہو......... اس شخص کے دل میں ہدایت کی شمع روشن ہے اس نے غور و فکر کی نظر ڈالی اور حقیقت امر کو دیکھ لیا۔ اپنے انوم کو یاد کیا اور اس کی معرفت میں عاجزی سے کام لیا وہ اس آب خوشگوار و شیریں سے سیراب ہو گیا کہ معرفت کے سبب سے جس پر اترنے کی راہیں اس پر آسان ہیں۔ اس نے شراب کا فور مزاج کو پی لیا اور نہایت ہی اطمینان اور سکون قلب کی حالت میں راہ ہائے ہموار پر سالک ہوا۔ اس نے شہوات نفسانیہ کا پیراہن اتار دیا اور تمام ہموم و آلام سے علیحدہ ہو گیا۔ فقط ایک غم اپنے لئے خاص کر لیا کہ قرب خداوندی دائمی نصیب ہو۔ اس نے عروۃ الوثقیٰ اور ان مضبوط رسیوں کو تھام لیا جو خالق و مخلوق کے درمیان سلسلہ ارتباط ہیں۔ اس نے بلند ترین امور میں ہر ایک وارد ہونے والے کے واسطے حکم صادر کرنے کے لئے اور ہر ایک فرع کو اس کی اصل کی طرف پہنچانے کے لئے محض اللہ کے واسطے اپنی ذات اور نفس کو قائم اور نصب کر دیا۔ ایسا شخص دین خدا کی اصل ہے اور زمین خدا کے لئے میخ۔ اس نے عدل کو اپنے نفس کے لئے واجب و لازم کر دیا۔ وہ کسی عمل خیر کو نہیں چھوڑتا مگر یہ کہ اس کا ارادہ کرتا ہے۔

و بندگانِ خدا اپنے نفس کو نصیحت کرنے والا، سب سے زیادہ اپنے پروردگار کا مطیع ہے اور اپنے نفس کو فریب دینے والا سب سے بڑھ کر اپنے رب کا گنہگار رہے۔

سچائی اور نجات

سچ بولنے والا نجات، رستگاری اور کرامت کے کنارے پر بیٹھا ہوا ہے۔

حسد و بغض

تم آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو کیونکہ حسد ایمان کو اس طرح کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو تم آپس میں بغض اختیار نہ کرو کیونکہ بغض، ایک تیز اور سر اڑا دینے والی تلوار ہے۔

امید عقل پر اثر ڈالتی ہے۔ رحم اور پردہ پوشی

تم خوب جان لو کہ آرزو اور امید عقل کو سہو میں گرفتار کرتی ہوئی یاد آخرت کو بھلا دیتی ہے۔
گناہوں سے بچنے والے اور وہ لوگ جن پر سلامتی از گناہ کا احسان کیا گیا ہے ان کے لئے بھی سزاوار ہے کہ صاحبان گناہ ومعصیت پر رحم کریں کیا وہ خداوند عالم کی پردہ پوشی کو یاد نہیں کرتے! اگر کبیرہ میں خدا کی نافرمانی نہیں کی اور فقط صغیرہ میں کی ہے تو ہر آئینہ لوگوں کی عیب جوئی پر جرأت کرنی اس گناہ سے بزرگ تر ہے۔ اے بندۂ خدا۔ کسی کے گناہ کے سبب سے کسی کی عیب جوئی نہ کر شاید وہ بخش دیا گیا ہو۔

نسبی فخر کا ترک

اپنے حسبی ونسبی فخر ومباہات کو چھوڑ کر اپنی کبر وبزرگی الگ کر ڈال۔ اپنی قبر کو یاد کر۔ قبر کو کیونکہ یہی تیری گزرگاہ ہے۔ یاد رکھ جیسی جزا دے گا ویسی ہی جزا پائے گا۔ جو کچھ بوئے گا وہی کاٹے گا۔

بیشک خداوند عالم نے راہ حق تمہارے لئے واضح اور آشکار کر دیا ہے اس کے طریقے روشن کر دیئے ہیں کہ یہ شقاوت اور یہ سعادت دائمی ہے۔

- بندگان خدا، خوب جان لو کہ تمہارے نفس ہی تمہاری نگہبانی کر رہے ہیں۔
- بندگان خدا تم اس طرح ڈرو جیسے اپنے نفس امّارہ پر غالب آنے والا اپنی خواہشات کو روکنے والا اور عقل وہوش کے ساتھ نگاہ کرنے والا ڈر رہا ہے۔
- مومن کی زبان اس کے قلب کے پیچھے ہے اور منافق کا قلب اس کی زبان کے پیچھے۔

منافق

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میں اپنی امت پر کسی مومن اور مشرک کے سبب سے نہیں ڈرتا کیونکہ مومن کو اس کے ایمان کی وجہ سے پروردگار عالم عذاب سے بچالے گا اور مشرک کا اس کے شرک کی وجہ سے قلع قمع کر دے گا۔ لیکن میں ہر ایک منافق سے تم پر خوف کرتا ہوں جو عالم زبان ہو۔ وہ بات کہے جو تمہارے نزدیک معروف اور وہ افعال بجالائے، جنہیں تم قبیح سمجھتے ہو۔

احادیث کی قسمیں

ایک منافقین کی زبانی ہیں۔ جنہیں لوگ بظاہر مسلمان دیکھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا مگر اسے یاد نہ رکھا جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ تیسرے ایک شخص نے حکم سنا مگر اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ منسوخ کر دیا گیا۔
بعض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم خاص اور عام میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ بعض ایسے تھے جو سب سے زیادہ واقف تھے۔

حضرات

راستی پیوند زمین ہوگی۔ کذب اور دروغ کے دریا لہریں لیں گے۔ دلوں میں آتش عداوت مشتعل ہوگی۔ زنا کی اولاد پھیلے گی عصمت وعفت کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا جاوے گا اور اسلام کا لباس اس طرح پہنا جاوے گا۔ جیسے دیوانے الٹی پوستین پہنتے ہیں۔

اس پرآشوب زمانے میں سوائے اس مومن کے کسی کو نجات میسّر نہیں ہوسکتی جو بالکل گمنام و نشان ہو جانے اگر کسی مجلس میں حاضر ہو تو کوئی اسے نہ پہچانے۔ اگر غائب ہو تو کوئی اسے دریافت نہ کرے۔ ایسے مومن ہدایت کے چراغ اور شب تاریک میں روشن نشان ہیں۔ وہ فتنہ وفساد پھیلانے کے لئے خلقت میں گشت نہیں کرتے اور نہ سفاہت اور بیہودہ گوئی کے ساتھ کسی کے عیب کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں۔

تحصیلِ علم

تم علم حاصل کرنے میں جلدی کرو۔ قبل اس کے کہ گلشن علم پر خزاں آجائے اور قبل اس کے کہ تم اپنی خواہش نفسانی میں مشغول ہو کر چیدہ اور عمدہ علوم سے انحراف کرو اور اہل علم سے روگرداں ہو جاؤ۔ اور منکر سے ایک دوسرے کو منع کرو اور خود بھی اس سے باز رہو۔ کیونکہ تمہیں بھی حکم ہے اور تم اس پر مامور ہو کہ ارتکاب مناہی سے تائب ہونے کے بعد لوگوں کو منہیات سے باز رکھنے کی کوشش کرو۔

پہلے عمل پھر نصیحت

ایہا الناس! میں نے کبھی تمہیں اطاعت خداوندی کی رغبت نہیں دلائی مگر یہ کہ خود میں نے سب سے پہلے اس کی طرف سبقت کی۔ میں نے کسی معصیت سے نہیں روکا مگر یہ کہ تم سے پہلے خود میں نے پرہیز کیا۔

اہل دانش کی کمی

اہل عراق میں سے بعض کوتاہ نظر نے جن میں حضرت کے پر معنی اور تصوّر خیز الفاظ کے سمجھنے کی قابلیت نہ تھی۔ غالباً کمال سیاہ قلبی اور سفلہ مزاجانہ مزاح سے ان کو دروغ گو کہا۔ یہ سن کر حضرت نے ایک روز فرمایا:۔

مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم مجھے دروغ گو کہتے ہو۔ بتاؤ تو میں نے کس کی نسبت جھوٹا اتہام کیا۔ میں نے کسی کی نسبت جھوٹ نہیں بولا۔ ہاں میرا ایک خاص لہجہ ہے اور ڈھلے ہوئے الفاظ میرے منہ سے نکلتے ہیں۔ جس کی سمجھ اور ادراک سے تم بہت دور ہو۔ تم اس کے اہل ہی نہیں ہو۔ تم میری گفتگو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ میں تو پیمانے بھر بھر کرا یسے بخشش دول جس کی قیمت کا بھی طالب نہیں بشر طیکہ اس کا ظرف ہو۔

فرشتہ

یہ فرشتے بیر قہائے سفید کے مانند ہیں کہ مقامات شگاف فضا میں نفوذ کئے ہیں۔ خواہشات و شہوات کے فریب ان کی ہمتوں میں تیر اندازی نہیں کر سکتے۔

نہ انہوں نے پشت پدر میں قرار لیا نہ رحم مادر میں مکیں ہوئے نہ قطرہ ناچیز سے ان کی خلقت ہوئی نہ حادثاتِ زمانہ نے انہیں متفرق کیا۔

موت

موت سے فرار ممکن نہیں۔ ہر شخص کی مدت عمر اس کے نفس کو موت کی طرف ہنکانے کا مقام ہے۔ موت سے بھاگنا عین اتصالِ مرگ ہے۔ میں نے اپنی عمر کا ایک ایک روز اسی تفحص اور تجسس میں گزار دیا کہ شاید اسی میں وہ امر مخفی ہو مگر پروردگار عالم نے انکار کیا۔ اسے پوشیدہ ہی رکھا۔ وہ ایک علم مخزون ہے اور سوا اس کے کوئی اس پر مطلع نہیں

و بظاہر اس کے حواس بیکار ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ مرا نہیں ہے اور ہم میں سے جو شخص اس موت طبعی کے باعث بیکار و کہنہ ہو جاتا ہے وہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔

و اگر ہم اس لغزش گاہ میں ثابت قدم رہے تو فہو المراد اگر ہمارا پاؤں پھسل گیا تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ہم شاخوں کے سایہ میں تھے۔ ہواؤں کے چلنے کی جگہ میں تھے جو فضا سے آسمان میں ایک دوسرے سے پیوستہ تھے اور جن کے سایہ کے نشانات بالکل محو ہیں

وداع

سوا اس کے کچھ نہیں کہ میں تمہارا ایک ہمسایہ تھا۔ میرے بدن نے چند روز تمہاری مجاورت میں بسر کئے۔ انجام کار تم اسے روح سے خالی پاؤ گے یہ متحرک شے ساکن ہو جائے گی۔ یہ گویا زبان بالکل خاموش ہو گی۔ میری یہ سیرت، میری یہ حالت خاموشی کے ساتھ میرا سر در گریبان ہو جانا۔ میری یہ سب حالتیں تمہیں نصیحت کرنے والی ہیں اگر تم سمجھو۔ اب میں تمہیں وداع کرتا ہوں۔ اس شخص کے مانند وداع کرتا ہوں۔ جس کی ملاقات کا کہیں انتظار کیا جا رہا ہے تم نے میرا زمانہ دیکھ لیا ہے۔ میرے اسرار بیان اور خواہشات تم پر کھلے ہوتے ہیں۔ اب میری جگہ خالی ہو جائے گی اس وقت میری قدر و منزلت پہچانو گے اور جب کوئی غیر حاکم بن بیٹھے پھر مجھے یاد کرو گے۔

مرنے کے بعد جینا

دوسرے عالم کی حیات ممکن ہی نہیں جب تک کہ اس عالم میں موت نہ واقع ہو۔

حشر و نشر

یہاں تک کہ حشر و نشر قریب ہو..... پروردگار عالم تمام انسانوں کو ان کی قبر کے سوراخوں، طائروں کے آشیانوں، درندوں کے مسکنوں اور ان مکانوں سے باہر نکالے گا جہاں وہ ہلاک ہوئے ہوں وہ حکم پروردگار کی طرف نہایت تیز روی کے ساتھ روانہ ہوں گے ان پر خاموشی کا عالم طاری ہو گا اور صف باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے۔ فروتنی، مسکینی اور اطاعت اور ذلت کا لباس انہیں ڈھانکے ہو گا۔ وہاں حیلے اور تدبیریں زائل ہو جائیں گی۔ آرزوئیں، امیدیں اور حسرتیں قطع ہوں گی۔ آوازیں نہایت ہی پستی کے عالم میں لرز جائیں گی۔ ان کا خوف و بیم خدا سے زیادہ ہو گا

و خدا رحم کرے اس شخص پر جو اپنے نفس کے لئے بھلائی کا انتظام کرے اور اپنی خواب گاہ کے لئے آمادہ رہے اور جانے

کہ کہاں سے آیا ہے، کہاں ہے اور کہاں جائے گا "۔ منجم اور طبیب دونوں یہ کہنے لگے کہ مرد ے کبھی زندہ نہ کئے جائیں گے تو میں نے انہیں جواب دیا کہ بس الگ رہو اگر تمھاری بات صحیح بھی ہو گی تو میرا کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ اور اگر میرا کہنا صحیح نکل آیا تو تم دونوں کو ضرور نقصان اٹھانا پڑے گا "۔ (سائنس اور اسلام)

وجہ خلقت

"کسی غرض سے اس نے خلقت کو پیدا نہیں کیا بلکہ محض اپنے فیض و فضل وجود و کرم کے سبب سے اپنے کمالات کے اظہار کو اچھا سمجھا۔"

- "خلقت کو اپنے رب مطلق ہونے کی وجہ سے پیدا کیا اس نے کسی چیز میں حلول نہیں کیا اور نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس چیز میں موجود ہے۔"

عورت

تم شریر عورتوں سے تو بچو، مگر نیک عورتوں سے بھی حذر کرتے رہو۔ کسی نیک امر میں بھی ان کی اطاعت نہ کرو مبادا کسی امر میں تمھارے مطیع کرنے کی در پے ہوں اور از راہ فریب کسی نیک امر کی جھلک دکھا کر بدی میں گرفتار نہ کر دیں۔

- عورتوں کے مشورہ سے بچنا رہ، تو انہیں پردہ میں رکھ۔ ان کو نامحرموں کے دیکھنے سے باز رکھ۔ کیونکہ پردہ کی سختی ان کی عصمت و عفت کو باقی رکھنے والی ہے اور ان کا پردہ سے نکلنا کسی ایسے شخص کے ان کے پاس آنے سے سخت تر نہیں جس پر تجھے بھروسہ نہ ہو۔ عورتوں کو ان کے امور اور اشغال پر اس قدر مسلط نہ کر کہ اپنے مرتبہ سے ترقی کر جانے کی ہوس کریں۔ یہ عورتیں خوشبو ہیں۔ یہ تو اسی کام کی ہیں کہ انہیں سونگھ لیا جائے نہ کہ مردوں کی قائم مقام ہو کر فرمانروائی کرنے لگیں۔ جو امور ان کی ذات سے متعلق ہیں ان کو عزیز رکھنے سے تجاوز نہ کر۔ اس امر سے پرہیز کر کہ تو انہیں جوش و حمیت کی منزل میں جا گزیں کرے کیونکہ یہ امر زن عضیفہ صحیحہ کو عیب کی بیماری اور فواحشات سے الگ رہنے والی کو فاحشہ ہونے کی طرف دعوت کرتا ہے۔

خدمت گار

اپنے خدمت گاروں میں سے ہر ایک کے لئے ایک کام متعین کر دے۔ جس کے تعین کے سبب سے تو ان سے مواخذہ کر سکے کیونکہ یہ تقرر و تعین اس سے بہتر ہے کہ ان میں سے ہر ایک تیری خدمت کو دوسرے پر چھوڑ دے۔

رعایا اور بادشاہ

خوب سمجھ لو کہ حکام کے بغیر رعایا کی اصلاح نہیں ہوا کرتی اور نہ رعایا کی استقامت اور راستی بغیر بادشاہوں کے کام اصلاح پذیر ہو سکتے ہیں۔ اب جس وقت کہ رعایا نے اپنے حاکم کا حق ادا کر دیا اور حاکم اپنی رعایا کے حق سے سبکدوش ہو گیا تو لوگوں کے درمیان حق کا غلبہ ہو گیا۔ دین کے راستے قائم اور عدالت کی علامتیں سیدھی

ہوں گی۔ اس غلبہ حق کے ساتھ زمانے کی اصلاح ہوگی۔ بقائے دولت میں قرار اور دشمنوں کی حرص مایوس ہو کر رہ جائے گی اور جس وقت رعیت اپنے حاکم پر غلبہ کرے، اس سے سرکشی اختیار کرے یا حاکم اپنی رعایا کے ساتھ ظلم کرے تو تدبیریں اور رائیں مختلف ہو جائیں گی ظلم و ستم کی نشانیاں ظاہر اور احکام و فرمان معطل ہو جائیں گے۔"

اس وقت ایک صحابی نے طویل تقریر میں حضرت کی تعریف کی۔ حضرت نے فرمایا:-

عاجزی تم ہرگز میری تعریف نہ کرو۔ تم مجھ سے اس طرح کلام نہ کرو۔ جیسا کہ ظالم بادشاہوں کے سامنے کلام کرتے ہو۔ تم کبھی میرے سامنے ان الفاظ سے اپنے نفس کی حفاظت نہ کرو۔ جن سے غضب ناک اور صاحب سطوت بادشاہوں کے سامنے حفاظت کیا کرتے ہیں۔ چاپلوسی، تصنع اور نفاق کے ساتھ مجھ سے نہ ملو، خیال بھی نہ کرو کہ میں اپنے نفس کے لئے بزرگی اور عظمت کا طالب ہوں۔ ہرگز قول حق اور منصفانہ مشورہ[1] سے میرے سامنے خاموشی پر عملدرآمد نہ کرو۔ کیونکہ میں آداب بندگی خدا کی بنا پر جانتا ہوں کہ میرا نفس خطاؤں سے بہرا نہیں نہ میرا فعل خطا سے امن میں ہے۔

محصل زکوٰۃ کو حکم

کسی مسلمان کو حزن داندوہ میں نہ ڈال، نہ ایسی حالت میں ان پر گزر کر کہ وہ تیرے گزرنے کو مکروہ سمجھتا ہو۔ اس کے مال میں خداوند تعالیٰ کا جو حق ہے اس سے زیادہ نہ لے اگر تو کسی قبیلے کے پاس پہنچے تو ان کی آب گاہ پر اتر۔ بغیر اس کے کہ تو ان کے گھروں میں داخل ہو۔ پھر نہایت سکون و وقار کے ساتھ ان کے پاس جا حتیٰ کہ تو ان کے درمیان مقیم ہو جائے۔ اب انہیں سلام کر۔ ان کی تعظیم میں ذرہ بھی کوتاہی کو عمل میں نہ لا۔ اس کے بعد ان سے کہہ کہ بندگانِ خدا مجھے خدا کے ولی اور اس کے خلیفہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تمہارے مال میں جو کچھ خدا کا حق ہے اسے حاصل کروں۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ "نہیں"، تو اس کو بار بار نہ چھیڑ اور اگر کوئی اقرار کرنے والا تیرے سامنے اقرار کرے تو اس کے ساتھ روانہ ہو، بغیر اس کے کہ تو اسے ڈرائے یا کسی سزا سے دھمکائے یا اس پر ظلم کرے۔ پھر جو درہم و دینار وہ تجھے عطا کرے اس سے لے لے۔ اگر اس کے پاس گائے، بکریاں یا اونٹ ہوں تو بغیر اذن مالک کے اس کے گلہ میں داخل نہ ہو۔ کیونکہ ان میں سے زیادہ حصہ کا وہی مالک ہے۔ ان چوپاؤں کو ادھر ادھر منتشر نہ کر۔ انہیں فریاد بلند کرنے کے لئے آمادہ نہ بنا۔ مالک کو ان کے بارے میں بدحال اور رنجیدہ نہ بنا۔ اس مال کے دو حصے کر دے اور مالک کو اختیار دیدے، برابر یہی عمل بجا لا حتیٰ کہ اس کے مال میں سے وہ شے باقی رہ جاوے جس میں خداوند تعالیٰ کا حق پورا ہو سکتا ہے اس وقت حق خداوندی پر قبضہ کرلے۔ اگر وہ تیری اس تقسیم کو باطل سمجھے تو پھر اسی

[1] حضرت مشورہ میں آزادی دیتے ہوئے اطمینان دلاتے ہیں کہ میری عصمت تم پر مسلط نہیں ہوگی یہ مبنی ہے اس سیرت نبی پر جس میں حضور شاورہم فی الامر کے مطابق مشورے لیتے تھے اور خود دیتے تھے۔

مال کو مخلوط کر دے اور پھر وہی عمل کر جو پہلے کر چکا ہے۔

کسی لمبی عمر والے اونٹ، بیکار، نیز پاشکستہ یا مریض دلاغر کو قبول نہ کر اور ان پر سوائے اس شخص کے کسی کو امین نہ کر جس کے دین پر تجھے اعتماد ہو اور وہ مسلمانوں کے مال پر مہربان ہو۔ حتیٰ کہ تو اس مال مسلمین کو اس کے ولی اور حاکم تک پہنچا دے اور وہ اس کے مال کو ان کے درمیان تقسیم کر دے۔ ان اموال پر کسی کو مؤکل نہ کر۔ سوا اس کے جو ناصح ہو، شفیق ہو، امین ہو، حفاظت کرنے والا ہو، درشت خو نہ ہو، ستمگر نہ ہو، نہ انہیں تھکائے نہ انہیں ایذا پہنچائے۔ اسے وصیت کر کہ وہ اونٹنی اور اس کے بچے کے درمیان حائل نہ ہو۔ اس کا دودھ زیادہ نہ نکالے۔ مبادا کہ اس کے بچے کو ضرر پہنچے۔ نہ سوار ہونے کے سبب سے اسے ایذا میں گرفتار کر دے اور ان اونٹوں کے درمیان نہایت ہی عادلانہ طریقے کو اختیار کرے جو سواری دے چکے ہوں اور جنہوں نے سواری نہیں دی ہے۔ ہاں اس مؤکل کو وصیت کرنا کہ وہ تھکے ہوئے اونٹ پر راہ پیمائی کو آسان کر دے پیچھے رہ جانے والے شتر لنگ و خارش دار کا انتظار کرے۔ ان کی گزرگاہوں میں پانی کے چشموں پر انہیں وارد کرے انہیں چراگاہوں سے چٹیل اور صاف راستوں کی طرف نہ لے جائے۔ انہیں چند ساعت وہاں راحت پہنچائے۔ آب گاہوں اور سبزہ زاروں میں انہیں ٹھہرنے کی مہلت دے۔ حتیٰ کہ نہایت پاکیزگی اور فربہی کی حالت میں ہمارے پاس لے آئے نہ انہوں نے کوئی زحمت اٹھائی ہو اور نہ کسی قسم کی مشقت اور تکلیف برداشت کی ہو۔

عاملانِ خراج

لوگوں کو طلب خراج کی بابت مجبور نہ کر۔ ادائے خراج کے لئے انہیں اس قدر مضطر نہ بناؤ کہ وہ اپنے گرمی اور جاڑے کے لباسوں اور غلاموں کو بیچ کر خراج ادا کریں یا ادائے خراج کے لئے اپنے چوپایوں کو فروخت کر ڈالیں۔ جس سے وہ اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔ کسی شخص کا مال نہ چھوؤ، خواہ نماز گزار مسلمان کا ہو۔ خواہ کافر ذمی کا۔ ہاں اگر آخر الذکر گروہ کے گھوڑے اور آلات حرب جن سے وہ اہل اسلام پر ظلم و تعدی کرتے ہیں لے لو تو مضائقہ نہیں۔ لشکروں کو حسن سیرت کے حصول کا حکم دو"۔

طریقہ خراج

"مصعب بن یزید انصاری عامل قریات مدائن، بہقارات، نہر سیر، نہر جور، نہر الملک وغیرہ کہتے ہے مجھے حکم تھا کہ زراعت غلیظ و گنجان پر ڈیڑھ درہم فی جریب، میانہ پر ایک، رقیق پر دو ثلث درہم فی جریب، باغ انگور و نخلستان پر دس درہم۔ درخت ہائے معز جو قریات میں علیٰحدہ ہوں، حساب میں نہ لاؤں، تاکہ راہ گیر منتفع ہوں۔ ترکی گھوڑے پر سوار ہونے والے اور سونے کی انگوٹھی پہننے والوں سے اڑتالیس درہم۔ مردم میانہ و اہل تجارت سے ۲۴ درہم۔ نفرا سے بارہ درہم سالانہ۔ اس صورت سے ایک کروڑ اسی ہزار درہم وصول ہوئے"

(تہذیب المتین فی ذکر امیر المومنین)

رفاہ عامہ
ابن شہر آشوب میں حضرت کے اکثر ان کاموں کا تذکرہ ہے جو اس زمانے میں پبلک ورکس کیے جاتے ہیں بن میں مکہ اور کوفہ کی راہ میں کنوئیں بنوانا، خود مدینہ میں کنوئیں کھدوانا، میقات میں اس کمی کو پورا کرنا، ینبع میں علین و چشمہ غالباً بادلی) نکلوانا اور مکہ کی راہ درست کرانا منقول ہے۔

علامہ نے ایک ایسے مکان کا بھی ذکر کیا ہے جہاں مویشی محفوظ کر دیئے جاتے تھے اور بیت المال سے ان کے چارے کا انتظام کیا جاتا تھا یہ اس وقت کے کانجی ہاؤس مویشی خانہ سے مشابہ تھا۔

دفتر
"خلافت کے کاغذات کے محفوظ رکھنے کے لئے ایک دفتر قائم کیا"۔ (تاریخ اسلام از مولوی سید امیر علی صاحب)

صاحب الشرطہ
"پولیس کا از سر نو انتظام کیا اس کے فرائض سے متعلق ضابطہ بنا دیا۔........ حضرت عمر نے چوکیداری اور پہرہ کی رسم جاری کی۔ مگر باضابطہ پولیس حضرت علیؑ کے عہد میں قائم ہوئی۔ جنہوں نے مقامی محافظ بھرتی کئے جن کو شرطہ کہتے تھے اور پولیس افسر کو صاحب الشرطہ کہتے تھے (تاریخ اسلام از مولوی سید امیر علی صاحب)

ہم اوّل و مقدّم ہیں
تمام عوالم عقلی و نفسی و طبیعی میں ہم السابقون الاولون ہیں۔ جن کا ذکر کلام مجید میں آیا ہے...... میں عنان و قدرت و توانائی مجاہدہ و محاربہ فی سبیل اللہ کے ساتھ اٹھا۔ اپنے مقام سے نہایت ہی سبک روی کے ساتھ جنبش کی اور اس میدان ریاضت تک جانے والوں میں بالکل تنہا تھا اور خالص رہ گیا ہیں اس مجاہدہ میں اس پہاڑ کی طرح قائم رہا۔ جسے نہ کوئی درختوں کو توڑ دینے والی تند و تیز ہوا جنبش دے سکتی ہے نہ آندھیاں اسے اس کی جگہ سے ہلا سکتی ہیں۔ کسی شخص کو میری عیب گیری کی قدرت ہی نہ تھی..... مجھ میں کوئی دھبہ ہی نہ تھا۔ کمال وجودیت نے امکان کے نقص و عیب کو اس طرح مغلوب و مجبور کر لیا ہے کہ اب اس کا اثر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ ہر ایک ذلیل میرے نزدیک عزیز ہے تا وقتیکہ میں اس کے غیر سے اس کا حق لے لوں۔ ہر ایک قوی میرے نزدیک ضعیف ہے۔ حتیٰ کہ مستحق کا حق اس سے دلایا جائے۔ ہر شخص جو اپنی قوت غضبیہ کا پابند ہو کر کسی کا حق چھین رہا ہے۔ میری عقل اور میری عدالت اُسے مغلوب و مقہور کر سکتی ہے۔"

ایفائے وعدہ صداقت اور راستی کا ہمزاد ہے۔ میں کسی سپر کو نہیں دیکھتا جو وفائے عہد سے زیادہ حفاظت کرنے والی ہو۔

جنگ سے گریز کی وجہ
جنگ میں توقف کے اعتراض پر :۔ میں کسی دن لڑائی سے باز نہیں رہتا مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ شاید کوئی گروہ ہمارے ساتھ ملاقات کر کے ہدایت پا جائے اور جہالت کی تاریکیوں سے میری روشن ہدایت کی طرف چلا آئے کیونکہ یہ ہدایت میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں گمراہ کو اس کی ضلالت کے عالم میں قتل کر دوں۔"

دعا پروردگارا! میرے اس گناہ کو بخش دے، جسے تو مجھ سے بہتر جانتا ہے اگر میں گناہ کی طرف عود کروں تو اپنی بخشش و مغفرت کے ساتھ میری طرف عود کر۔ خداوندا، تو اس وعدے کو بخش دے جو میں نے اپنے نفس سے کیا ہے اور تو نے میری طرف سے اس کو وفا کو نہیں پایا۔ پروردگارا، میرے اس عمل کو بخش دے جس کی وجہ سے میں نے تیرا تقرب حاصل کیا اور پھر میرے قلب اور عقل نے اس کی مخالفت کی۔ خداوندا، میری کنکھیوں کے اشارے میرے الفاظ کی لغزشوں اور دلی خواہشات کو بخش دے۔

طلب بارش پروردگارا، خشکی کی وجہ سے ہمارے پہاڑ شق ہو گئے۔ ہماری زمین غبار آلود ہو گئی۔ ہمارے چوپائے پیاسے اپنی آب گاہوں میں حیران و سرگردان ہیں۔ زنان پسر مردہ کی طرح فریاد کر رہی ہیں۔ ان کی آب گاہوں میں پانی نایاب ہے اور اس کے سبب سے نڈھال ہوئے جاتے ہیں۔ بارالہا، ہم اس وقت تیری رحمت کی طرف سے اپنے گھروں سے نکلے ہیں۔ جب قحط سالی کے مارے ہوئے اونٹ ہمارے گرد جمع ہو چکے ہیں اور ان مواقع نے ہم سے مخالفت کی ہے جن سے بارش کا گمان تھا۔ اب تو ہی ناامیدوں کے لئے امید بن۔ ہم تجھے اس حالت میں پکار رہے ہیں۔ جب کہ لوگوں پر مایوسی چھا رہی ہے۔ ابر نے بارشوں کو ہم سے موقوف کر دیا ہے۔ چرندے ہلاک ہو چکے ہیں۔ پروردگارا، ہم تجھ سے منت کرتے ہیں۔ ہمارے اعمال پر ہم سے مواخذہ نہ کر تو اپنی رحمت کو ہم پر پھیلا دے۔ برسنے والے بادل ہم پر چھا جائیں۔ برسیں اور خوب برسیں، خوشنما ہریالی چھا جائے۔ ایسی بارش ہو، ایسی بارش ہو کہ وہ چیزیں زندہ ہو جائیں جو قحط آب سے مردہ ہو چکی ہیں اور وہ کھیتیاں سرسبز نظر آئیں جو مرجھا کر ختم ہو گئی ہیں۔ بارالہا! ہم تجھ سے ایسی بارش طلب کرتے ہیں جو زندگی بخش ہو۔ ایک جہاں کو سیراب کر دے، پاک و پاکیزہ ہو برکت والی ہو، خوشگوار ہو، وسعت و فراوانی لانے والی ہو۔ ہری ہری گھاس اگائے۔ شاخوں میں میوے نمودار کر دے پتے سبز و شاداب ہو جائیں۔ ہماری چھوٹی چھوٹی نہریں جاری ہو جائیں اور ان کے سبب سے ہمارے اطراف و جوانب میں بکثرت بارش ہو۔ وہ لوگ جو ہم سے دور رہتے ہیں اس سے نفع اٹھائیں۔ خداوندا، ہم پر وہ بارش نازل ہو، جو سب کچھ نہلا دینے والی ہو۔ برسے، متواتر برسے اور یہاں تک برسے کہ پانی بہہ نکلے۔ ایک ختم نہ ہو، دوسری شروع ہو جائے ایک قطرہ دوسرے قطرہ کا تعاقب کرتا رہے۔ اس کی بجلیاں بارشوں کے بغیر نہ ہوں۔ اس کا ابر متفرق پراگندہ اور بے آب نہ ہو۔ اس کے بادلوں کی پھوار ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ ہو، جو زراعت اور میووں کے لئے مضر نہ ہو۔ تاکہ نباتات کے سبب سے قحط زدہ لوگ فراوانیاں اور خوش حالیاں حاصل کریں۔

بعثت کا زمانہ جس وقت آپؐ مبعوث ہوئے اس وقت یہ کیفیت تھی کہ انسانی گروہ فتنہ و فساد میں مبتلا تھا۔ دین و شریعت

کی رسی قطع ہو گئی تھی۔ ہزاروں بنیادی اختلاف تھے۔ کفر سے باہر نکلنے کی راہیں سخت اور سکڑی ہوئی تھیں۔ رہائی کا سرچشمہ نگاہوں سے غائب تھا۔ ہادی اور روشن ضمیر بالکل گمنام تھے۔ خدا کی نافرمانی پر عملدرآمد تھا۔ ایمان گمنام و گوشہ نشین تھا۔ اس کے ستون گر چکے تھے۔ اس کی روشن اور چمکدار راہیں مٹ چکی تھیں۔ لوگ فتنوں میں سرگرداں و پریشان تھے حق و باطل میں فرق کرنے میں متردد، اپنے خیر و شر، نفع و ضرر میں امتیاز کرنے سے قطعاً معذور تھے۔

اسلام خوب سمجھ لو کہ از روئے دین اسلام تم آپس میں بھائی بھائی ہو۔ تمھیں کوئی شے ایک دوسرے سے متفرق اور جدا نہیں کر سکتی۔ مگر تمھارے دلوں کی پوشیدہ خباثت اور تمھارے قلوب کی برائیاں تمہیں پراگندگیوں پر آمادہ کرتی ہیں۔

اسلام ایسا ستون ہے جس کی جڑوں کو خالق اکبر نے طریقۂ حقہ میں پیوست کر دیا ہے۔ اس کی بنیادیں اس کے واسطے ثابت اور قائم کر دی ہیں۔ ایسے چشمے ہیں کہ جن سے ہزاروں چشمے نکل رہے ہیں۔ ایسے چراغ ہیں جن کی لوئیں چمک رہی ہیں۔ ایسے ستارے ہیں کہ جو اپنے مسافروں کے لئے مقتدا بنے ہوئے ہیں۔ ایسی نشانیاں ہیں کہ ان کے سبب سے ان کے راستوں کا قصد کیا جاتا ہے۔ ایسی آب گاہیں ہیں جو اپنے وارد ہونے والوں کو سیراب کرتی ہیں۔ مضبوط ارکان والا، بلند بنیاد والا، زبان روشن، آتش شعلہ ور، صاحب قہر و غلبہ بادشاہ، ایک بلند نشانی اور گرد و غبار سے پاک ہے۔

و کوئی شرف اسلام سے اعلیٰ نہیں۔

قرآن مجید کی عمدہ طریقوں سے تلاوت کرو۔ اسے سمجھو، اس سے نصیحتیں سیکھو۔ کیونکہ قرآن سب قصوں سے زیادہ نفع دینے والا ہے۔

اصحاب رسولؐ میں نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا ہے۔ تم میں کوئی بھی ان کی نظیر نہیں دکھائی دیتا وہ اس عالم میں صبح کرتے تھے کہ الجھے ہوئے بال، غبار آلود چہرے، ان کی راتیں قیام و سجود میں گزرتی تھیں۔ کبھی ان کی پیشانیاں صرف سجود ہوتی تھیں، کبھی رخسارے، وہ اپنی معاد کے ذکر سے ایسے ہو جاتے تھے جیسے کھجور کے درخت کا سوکھا تنا۔ سجدوں کے طول سے ان کی آنکھوں کے درمیان گھٹے پڑ پڑ کے ایسے ہو گئے تھے جیسے بکریوں کے زانو۔ جب خدا تعالیٰ کا ذکر ہوتا تھا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوتی ہوئی جیب و دامن کو تر کر دیتی تھیں۔ وہ خوف عقوبت اور امید ثواب سے ایسے لرز جاتے تھے جیسے سخت آندھی کے وقت درخت جنبش کیا کرتے ہیں۔

انصار ان لوگوں نے دین اسلام کی پرورش کی۔ جیسا کہ ان کی فصیح زبانوں اور سخی و جواد ہاتھوں کے ساتھ ان کی محنتوں کے سبب سے ایک قیدی پرورش پاتا ہے۔ ۱

حدبندی

میں نے تمہیں اپنے عدل سے عافیت کا لباس پہنا دیا اور قولاً وفعلاً احسان کو تمہارے لئے فرش بنا دیا۔ میں نے اپنے نفس کی جانب سے اعلیٰ اخلاق کے اعلیٰ نمونے تمہارے سامنے پیش کر دیئے۔ تم اس چیز میں عقل اور رائے کو استعمال نہ کرو۔ جس کی کنہ میں بینا آنکھیں بھی نہیں پہنچ سکتیں اور نہ فکر و تامل اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ معارف و احکام الٰہیہ شرعیہ جن میں عقل اور ادراک سے کام نہیں لے سکتی۔ ان کی طرف اپنی رائے اور استحسانات عقلی کی بنا پر اقدام نہ کرو۔ کیوں کہ معارف الٰہیہ کی معرفت بغیر الہام و وحی ممکن نہیں ہے اور وحی و الہام انہیں نفوس قدسیہ کے لیے مختص ہے جو مؤید من اللہ ہیں۔ پس معارف و احکام میں سوائے نفوس قدسیہ کے دوسرے کی طرف رجوع کرنا یقیناً گمراہی اور ضلالت ہے۔

رسول اللہ

خداوند سبحانہ و تعالیٰ نے کبھی اپنی مخلوق کو نبی مرسل یا نازل شدہ کتاب یا حجت لازمہ رسالت یا شاہراہ عقل سے خالی نہیں رکھا۔

وہ طفلی میں بہترین مردم تھے وہ سن کہولت میں برترین خلائق تھے۔

• پروردگار عالم نے پیغمبر آخر الزمان کو اس وقت مبعوث فرمایا۔ جب کہ ایک عرصے سے بعثت انبیاء موقوف تھی۔ امتیں مدت دراز سے خواب غفلت میں پڑی تھیں اور گزشتہ امتوں کی شریعتوں کے محکم احکام بالکل شکستہ ہو رہے تھے.......

حق و باطل میں فیصلہ کرنے والے احکامات کو آپ کے سبب سے آشکار کر دیا۔

سرور دو عالم کی خدمات

• کبھی گوشہ چشم عاریتہً بھی اس کے دنیا سپرد نہیں کیا۔

• پروردگارا اپنی تکریمات اور تحیات شریفہ اور برکات روز افزوں کو اپنے بندے اور رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے قائم اور برقرار کر دے جو خاتم الانبیاء ہیں۔ علوم سربستہ کے فاتح اور نہایت سچائی اور حق کے ساتھ امر حق کا اعلان کرنے والے ہیں۔ جو باطلوں کے جوش کے دافع اور بڑے بڑے سطوت و جبروت والے گمراہوں کا مغز پاش پاش کرنے والے ہیں۔ پروردگارا تو بھی اس نبی پر درود بھیج۔ جیسا کہ انہوں نے رسالت کے سنگین بوجھ کو اٹھایا۔ تیرے حکم پر قائم رہے۔ تیری مرضی اور خوشنودی کی طرف پیش قدمی کرتے رہے۔ انہوں نے قدم بندگی پیچھے نہیں ہٹائے انہوں نے ادائے رسالت میں سستی اور تساہل نہیں برتا۔ وہ تیری وحی کے محافظ رہے۔ تیرے عہد و پیمان کو قائم رکھا اور تیرے اجرائے احکام پر گزر گئے۔ حتیٰ کہ متعلم کے لئے آتش علم کے شعلوں کو ظاہر کر دیا اور مخبوط او رغلط کاروں کے لئے ہدایت کے راستے روشن کر دیئے۔ وہ قلوب جو فتنہ و فساد اور گناہوں میں غرقاب تھے ان کی بدولت ظاہر اور واضح نشانیاں اور روشن احکام کی معرفت ہدایت پا گئے۔ وہ تیرے امین ہیں اور تو نے انہیں امین مقرر کیا ہے۔ وہ تیرے پوشیدہ اور پنہاں علوم کے جامع ہیں" (نیرنگ فصاحت)

و "رسولؐ کے پاس ہر شخص کا بیٹھنا ہر شخص کی مصاحبت سے اچھا تھا۔ ان کا لہجہ سب سے زیادہ درست تھا۔ وہ اپنے عہد و پیمان پر سب سے زیادہ وفا کرتے تھے۔ پہلی پہلی ملاقات سے ان کی ہیبت دل پر اثر کرتی تھی اور جس قدر ان سے معاشرت بڑھتی جاتی تھی ان کی محبت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔" (حیات القلوب)

معرفتِ خدا

اگر میرے سامنے سے پردے اٹھ بھی جائیں تو میرا یقین بڑھ نہ جائے گا۔

و ایک یہودی حضرت علیؑ کے پاس حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ خدا کا وجود کب سے ہے۔ اس سوال پر حضرت علیؑ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور جواب دیا، خلقت نہ تھی اور وہ تھا وہ اس وقت تھا جب کہ کسی کا وجود نہ تھا۔ وہ بلا سبب کے موجود تھا۔ اس کی طرف نہایت کا انقطاع ہوتا ہے وہ ہر نہایت کی حد ہے اور اپنے علم کی وجہ سے ہر شے کو لئے ہوئے ہے" (تاریخ الخلفا و سوانح عمری)

و ایک شخص جس کا نام ذعلب تھا۔ حضرت علیؑ کے سامنے حاضر ہوا اور پوچھنے لگا:۔

"یا امیرالمومنین، کیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے؟"

فرمایا:۔ "تو کیا جانتا ہے کہ میں ایسے کی پرستش کرتا ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہے؟"

"کیسے دیکھا ہے"

اسے کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی بلکہ دلِ قلب جو ایمان والے ہیں اسے دیکھتے ہیں" (اعجاز التنزیل و نہج البلاغہ)

و وہ پروردگار بغیر دیکھے پہچانا گیا ہے وہ بغیر فکر و تامل کے ایجاد کرنے والا ہے۔ وہ ہمیشہ سے اور اس وقت سے قائم ہے جب نہ برجوں والے آسمان تھے، نہ بڑے بڑے دروازوں والے حجاب، نہ اندھیری اور تاریک راہیں تھیں، نہ ایستادہ اور رکے ہوئے سمندر۔ نہ گھاٹیوں والے پہاڑ تھے نہ وسیع و فراخ اور ٹیڑھے راستے، نہ بچھی ہوئی زمین تھی نہ صاحب قوت و قدرت مخلوق۔ یہ ذات واجب الوجود، ادراکِ عقول، اوہام سے دور رہنے والی مخترع اور موجدِ خلق ہے اور اس کی وارث ہے یہی ذات معبود و مقصود خلق ہے اور رزق عطا کرنے والی۔ چاند اور سورج اس کے ارادے کے موافق دورہ کر رہے ہیں ہر ایک نئی شے کو جامہ کہنگی پہنا رہے ہیں اور ہر مادہ ممکنہ کو وجود سے نزدیک کئے دیتے ہیں۔

و امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک شخص امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ خدا کی ان صفات سے آگاہی دیجئے جن کا ادراک حسِ ظاہری سے ہو سکتا ہے۔ حضرت نے خدا کی جود و بخشش کا تذکرہ کیا، معاش کے لئے راستوں کا کھولنا اور اس چیز میں کرم و بخشش کا ظاہر ہونا بیان کیا۔ جس کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ پھر فرمایا:۔

"وہ ہر ایک شخص کی احتیاج سے واقف ہے اس کے یہاں یہ بات نہیں کہ جس چیز کا سوال کیا جائے وہی ملے نہیں

بندے کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ خود بخود اس کے لئے مہیا کر دیتا ہے۔ وہ نظار در مردمک چشم کو لوٹا دینے والا ہے کہ وہ اس تک پہنچ جائیں اس کو نگاہ سے ادراک کر سکیں۔ وہ قاہر ہے، کسی ادراک اور احساس سے مفہوم نہیں ہو سکتا۔ کوئی قوت مدرکہ اسے مغلوب و مطیع نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے زمانے کا اختلاف ضرر رساں نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اس کی حالتیں بھی متغیر ہو جائیں۔ داس کے بعد مختلف قسم کی نعمتوں کو یاد دلایا ہے اور جس طرح قرآن نے صفات الٰہی سے مطلع کیا ہے اس پر کفایت کی خواہش کی ہے اور فرمایا کہ راسخ فی العلم وہی ہیں جنہیں اقرار توحید و رسالت نے پڑے ہوئے پردوں میں شدت و سختی سے داخل ہونے سے بے نیاز کر دیا ہے اور جن امور غیب و مشہود کی تفسیر انہیں معلوم نہیں اس کا مجملاً ہی اعتقاد کرتے ہیں۔ اس لئے پروردگار عالم نے ان کی مدح کی ہے اور جس چیز کی کنہ حقیقت کے دریافت کرنے کی انہیں تکلیف نہیں دی گئی اس کے پیچھے نہیں پڑتے) اب اے نادان سائل تو بھی اس بات پر اختصار کر۔ عقل آرائی نہ کر تو پروردگار کی بزرگی و عظمت اور اس کی صفات کمال کی مقدار کو اپنی عقل کے موافق نہ سمجھ، ورنہ تو ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائے گا۔

بس وہ ایسا قادر اور قدرت والا ہے کہ اگر وہم و گمان نظر و فکر کے تیروں سے تیر اندازی کریں اس کی انتہائے طاقت و دریافت کرنے کے لئے اگر قوت متفکرہ وساوس شیطانی سے بری ہوتے ہوئے اس کی سلطنت کے اسرار غائب کی گہرائیوں تک پہنچنے کا ارادہ کرے۔ اگر قلوب مشتاق نہایت ہی شدت کے ساتھ اس کی صفات کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے مائل ہوں۔ اگر عقلوں کی راہیں اس کی ذات کا علم حاصل کرنے کے لئے اس قدر باریک اور دقیق ہو جائیں جن سے زیادہ ممکن نہیں تو وہ قادر مطلق ان اوہام و عقول کو لوٹا دے گا۔ حالانکہ یہ قوت فہم سے خالی اور تاریکیوں کے مقامات کو اس حالت میں طے کر چکے ہیں کہ غیر خدا سے منہ پھرائے اس کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں اور انہوں نے خود بھی اعتراف کر لیا ہے کہ بیشک سختی اور درشتی سے اس کی کنہ معرفت تک رسائی نہیں ہو سکتی اور نہ صاحبان فکر کے دل میں اس کی قدر و عظمت اور جلالت و غلبہ کے انداز کرنے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ ایسا خالق کامل ہے جس نے کسی مثال سے سبق حاصل کئے بغیر خلقت کا میدان ایجاد میں رکھ دیا۔

اس نے ہمیں اپنی قوت و تسلط کو دکھا دیا۔ وہ عجیب صنعتیں دکھا دیں جو اس کی حکمت کی زندہ اور بولنے والی علامتیں ہیں اس نے دکھا دیا کہ خلق اس احتیاج کا اعتراف کر رہی ہے کہ وہی اسے اپنی قوت و قدرت سے تھامے رہے۔ یہاں تک کہ وہ حجت اور برہان اضطراریہ کے ساتھ اپنی معرفت و تصدیق وجود کے لئے رہنما ہو گیا۔ وہ عجیب و غریب صنعتیں جنہیں اس نے پیدا کیا۔ اس کی حکمت کی علامتیں ہیں۔ اس کی صنعت کی نشانیاں ہیں۔ ہر ایک مخلوق اس کے وجود کے لئے ایک زبردست حجت اور بجائے خود دلیل ہے۔ اگرچہ وہ مخلوق بے زبان ہے مگر اس کی حجت تدبر کے ساتھ ناطق ہے۔

و پروردگارا! میں شہادت دیتا ہوں کہ جس شخص نے تجھے تیرے مخلوق سے تشبیہ دی........ اس کے دلی اسرار نے ہرگز تیری معرفت کا اعتقاد نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ تیرے لئے مثل اور مانند نہیں......... وہ حق سے عدول کرنے والے ہیں جو تجھے تیری مخلوق سے مشابہت دیتے ہیں...... اور اپنی خراب عقلوں کے باعث مخلوقات بزرگ و کوتاہ کی مثال پر تیری مقدار مقرر کر رہے ہیں کہ چھوٹا ہے یا بڑا ہے۔

ان دلائل نقلیہ کے ساتھ جن پر تیری آیاتِ محکمات نازل ہیں اور ان براہین عقلیہ کے ساتھ جن پر تیری حجتیں اور شواہد زبانِ نطق سے گویا ہیں۔ تو ایسا خدا ہے۔ جس کی کنہ اور نہایت عقل میں نہیں سما سکتی۔ فکروں کی جائز پروازیں تو تکییف نہیں ہو سکتا۔ قوائے ادراکیہ تیرے لئے کوئی کیفیت ذہنی تجویز نہیں کر سکتیں اور نہ وساوس قلوب تجھے محدود کر سکتے ہیں۔

خالق کا عرفان

حمد اور تعریف اس خدا کے لئے سزاوار ہے جو اپنے مخلوقات کے سبب سے خلقت میں جانا پہچانا ہوا ہے جو اپنے حجج و براہین کے سبب سے خلقت کے دلوں پر ظاہر ہو رہا ہے۔ اس نے بغیر فکر و تفکر کے خلقت کو پیدا کیا۔ کیونکہ افکار صاحبانِ ضمیر کے ہی لائق ہیں اور خداوند تعالیٰ فی نفسہ صاحب الضمیر نہیں۔ اس کے علم نے پردہ ہائے غیب کے باطن کو شگافتہ کر دیا۔ اس کا علم دل کے بھیدوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

و ہر مرنے والا اسی کی طرف پلٹ کر جائے گا۔

حمد و ثنا

تو نے اپنی وحشت و تنہائی کے دور کرنے کے لئے خلقت کو پیدا نہیں کیا۔ نہ اپنی کسی غرض اور منفعت کے لئے عمل و اثر کیا....... جو شخص تیری نافرمانی کرے۔ اس کے اس فعل سے تیری بادشاہت میں نقص نہیں آتا اور جو شخص تیری اطاعت کرے اس کی فرمانبرداری سے تیرا ملک زیادہ نہیں ہوتا۔ جو شخص تیرے حکم کو دشمن سمجھتا ہے وہ اسے رد نہیں کر سکتا اور جو شخص تیرے فرمان سے روگردانی کرے وہ تجھ سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک شے کے لئے تو ہی پناہ گاہ ہے...... تیری ہی طرف ہر نفس کی بازگشت ہے۔

و میں اس کی نعمتوں پر بھی اس کی ویسی ہی حمد و ثنا کرتا ہوں جیسا کہ اس کی بلاؤں پر۔

و میں اس پر اس طرح ایمان لایا ہوں اس کے وجود کا اس شخص کی مانند اعتقاد کر رہا ہوں۔ جس نے غائبانہ چیزوں کا آنکھوں سے معائنہ کیا ہو۔

عدل

میں پروردگار عالم کی اس لئے حمد کرتا ہوں کہ اس نے قابل مواخذہ سے مواخذہ کیا اور مستحق کرامت کو اپنی کرامت عطا فرمائی۔

حمد اور تعریف اس پروردگار عالم کے لئے مختص ہے۔ جس کی خلق اس کے وجود پر ایک دلیل ہے جس کی ازلیت کے لئے

یہ برہان کافی ہے کہ اس کی خلقت حادث ہے اور ایک ابتدا رکھتی ہے۔ مدرکات میں سے کوئی قوت مدرکہ اس کا احساس و ادراک نہیں کر سکتی۔ کیونکہ صانع اور مصنوع، حاد اور محدود، رب اور مربوب میں بڑا فرق ہے۔ وہ احد ہے۔ صفت وحدت کے ساتھ متصف ہے۔ مگر وہ وحدت نہیں جو اعداد کی طرف راجع ہو، بلکہ وحدت غیر عددی وہ مخلوق کا ایجاد کرنے والا ہے مگر یہ ایجاد اس معنی میں نہیں کہ اسے اس کے سبب سے کوئی حرکت لاحق ہوتی۔ وہ ہر ایک آواز کو سنتا ہے وہ کل امور کو دیکھتا ہے مگر وہ اس سماعت و بصارت میں کسی آلہ کا محتاج نہیں وہ ہر جگہ موجود ہے۔ مگر ملاقات عقلی وحسی کے ساتھ نہیں، وہ ہر ایک چیز سے جدا ہے مگر نہ ایسی مسافت کے ساتھ جسے عقل و حس معلوم کر سکے۔ وہ ظاہر ہے مگر کسی رویت عقلی وحسی کے ساتھ آشکار نہیں۔ وہ پوشیدہ ہے مگر اپنی لطافت و خفاء ذاتی کے سبب سے پنہاں نہیں۔ وہ ہر ایک شے سے جدا ہے کیونکہ اسے ان اشیاء پر غلبہ حاصل ہے جس شخص نے صفات زائدہ بر ذات کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا تو گویا اس نے ایک حد مقرر کر دی اور جس نے حد قائم کی اس نے گویا شمار کر لیا اور جس شخص نے اسے شمار کر لیا تو گویا اس نے اس کی ازلیت کو باطل کر دیا۔ جس شخص نے سوال کیا کہ وہ کیوں کر ہے، کس حالت میں ہے؟ تو وہ صفات زائدہ کے ساتھ اس کے وصف کا طلب گار ہوا اور جس شخص نے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے تو گویا اس کے لیے ایک مکان مقرر کر دیا۔ وہ پروردگار عالم ہے اور کسی کو معلوم نہیں۔

● وہ ہر ایک چیز سے زیادہ واضح اور بین ہے جسے آنکھ دیکھ سکتی ہے۔

ہم تیری مخلوقات میں سے کس کس چیز کو دیکھیں اس کی عجیب و غریب صفتوں پر جو تیری قدرت سے واضح ہوئیں، کہاں تک تعجب کریں حالانکہ اس مخلوق میں سے بہت سی چیزیں ہماری نظروں سے غائب ہیں۔ ہماری آنکھیں ان کے دیکھنے سے قاصر ہیں۔ ہماری عقلیں اس کے ادراک کے پہلے ہی عاجز ہو چکی ہیں۔ ہمارے اور ان کے درمیان پوشیدگیوں کے پردے حائل ہیں اور وہ اشیاء ان سے زیادہ بزرگ اور عظیم القدر ہیں جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں۔

مخلوق کا ذکر رحم مادر سے پیدائش تک فرما کر۔ اب بتا کس شخص نے تجھے تیری ماں کی چھاتیوں سے غذا حاصل کرنے کی ہدایت کی۔ کس ذات نے حاجت کے وقت تجھے تیری خواہش اور تیرے ارادے کے مقامات تعلیم کر دیئے۔ بیشک بیشک شناسائی خالق بہت دور ہے جو شخص اپنے صفات وحالات کے ادراک سے عاجز ہے وہ اپنے خالق کے صفات پہچاننے سے عاجز ہے۔

● عقلیں اس کی صنعتوں اور قدرتوں کا اعتراف کرتی ہوئی اس کی مطیع و فرمانبردار ہو رہی ہیں اس کے وجود کا اقرار کر رہی ہیں اور ہمارے کانوں میں اس کی وحدانیت کی دلیلوں کو نہایت زور و شور سے پھونک دیا ہے۔

رحمت | وہ تیری طرف رخ کر رہا ہے۔ تجھے اپنی معافی کی طرف بلا رہا ہے۔ تیرے گناہوں کو اپنے فضل و کرم کی چادر میں

ڈھانک رکھا ہے اور تو اس سے منہ پھرائے ہے وہ تیری فروتنی پر کس قدر رحم و کرم کرتا ہے پھر تیری دلیری گناہ پر کس قدر بڑھی ہوئی ہے اس نے اپنے فضل و کرم کو تجھ سے روک نہیں لیا۔

۹ بارِ خدایا، مجھے اپنی معافی کے طریقہ پر اٹھا لے اپنی عدالت کے طریقہ پر یاد نہ کر۔

نفیِ رویت و جسمانیت

حدوثِ اشیا کو اپنی ازلیت کے لیے دلیل بنا لیا...... وہ دائم اور ہمیشہ ہے مگر زمانہ دوام کے ساتھ نہیں۔ عقلیں اس سے ملاقات کرتی ہیں مگر مشاہدہ کے ساتھ نہیں۔ تمام موجودات کے آئینے اس کی شہادت دیتے ہیں مگر رویتِ حقیقی کے ساتھ نہیں۔ اوہام و عقول اس کا احاطہ نہیں کر سکتے بلکہ وہ ان کے لیے موجودات کے آئینے میں ظاہر ہوا ہے اوہام و عقول سے اس کا ادراک ممتنع ہے اور خود انہیں کو ان پر حاکم کر دیا ہے۔ وہ خداوند مطلق صاحبِ طول و عرض و عمق نہیں۔ تمام نہایت اس کی طرف کھنچتی ہے تاکہ از روئے تجسیم عقلیں اور وہم اسے بزرگ سمجھ لیں، احمق و کرسیں کہ نہ وہ ایک بزرگ جسم یا ذات ہے نہ صاحب اعضاء و جوارح اور دوست و پا........ دلیل ہے اس شخص کے لیے جو ان کے معین اور مقدر کرنے والے کا انکار کرے ان کے تدبر کے وجود کا منکر ہو، وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ان کی پیدائش روئیدگی کے مانند ہے ان کا کوئی زراعت کرنے والا نہیں نہ ان کی صورتوں کے اختلاف کے لیے کوئی صنعت گر ہے کیا فعل بغیر فاعل کے ہو سکتا ہے۔

تکوین

وجود اشیا کو گردش دیدی جب ان کا وقت آ گیا۔ مختلف اشیا کو ملا دیا۔ اشیاء کی طبیعتوں کے آثار محکم کر دیئے ان کی شناخت کے آثار کو ان کے ساتھ لازم کر دیا۔ پھر اس خالقِ عالم نے فضاؤں کی کشاکش کو ایجاد کیا۔ اطراف ہوا اور ہوا کے بالائی حصے کو شگافتہ کیا اس بالائی حصہ میں پانی کو جاری کر دیا اس پانی کو باد تند اور توڑ دینے والی آندھی پر سوار کر دیا۔ ہوا کو حکم دیا کہ اس پانی کو موجزن کر دے۔ ہوا نے اس پانی کو جنبش دی ..... زمین متزلزل کو پتھروں کی میخوں اور عظیم الشان پہاڑوں سے مضبوط اور ساکن کر دیا۔ پھر خداوند عالم نے زمین سنگلاخ و ہموار و شیریں و شور زار سے ایک قسم کی مٹی جمع کی پھر اس مٹی کی نمی اور تری کے ساتھ آمیزش کی۔ حتیٰ کہ اس میں چپچپاہٹ پیدا ہو گئی۔ پھر ایک صاحب اطراف و پیوستگی و اعضاء و مفاصل و صورت پیدا کی، اسے خشک کیا یہاں تک کہ وہ ایک جمادی صورت میں آ گئی۔ اسے سخت و شفاف کر دیا حتیٰ کہ وہ گندا اور متعفن ہوئی۔ ایک وقت محدود اور زمانہ کے لیے۔ پھر اس میں اپنی روح پھونکی نفخ روح کے بعد وہ تصویر کھڑی ہو گئی اور صاحب ذہن و ذکا انسان پیدا ہو گیا۔ جو قوت ذہنی اور ادراک کو جولانیاں دے رہا تھا اس کے اعضائے ظاہری تھے وہ ان سے خدمت لے رہا تھا وہ آلات باطنی پر قابض تھا انہیں استعمال کر رہا تھا۔

اوقاتِ وعظ

حضرت ہدایت خلق فرمانے میں اسی وقت کے منتظر نہ رہتے تھے کہ لوگ مسجد میں منبر کے سامنے دکھائی دیں بلکہ اکثر راستہ چلتے ہوئے جس مقام پر کچھ لوگوں کو دیکھتے تھے کھڑے ہو جاتے تھے اور وعظ فرمانا شروع کر دیتے تھے عموماً حضرت پشمینے کا جبہ پہنے رہتے خرمے کی چھال کی نیام میں تلوار لٹکی رہتی تھی اور خرمے کی چھال کی نعلین پائے اقدس میں رہتی تھی اس کے علاوہ لوگ اکثر مسائل پر تقریر کی خواہش کرتے تھے جس کے لئے بیشتر تہ کچھ غور کا موقع نہ دیا گیا تھا طبری میں شعبی سے*

---

* روایت کی گئی ہے کہ کوئی خطبہ کہنے والوں میں ایسا نہ تھا کہ جو طول دے اور اس میں خطا نہ ہو یا لوگوں کو برا نہ کہے مگر وہ علیؑ کا خطبہ تھا کہ اس میں خطا نہ ہوتی تھی اور لوگ

باب ہشتم

و بعد شہادت

و ظلم

و اصحاب امیر المومنین کا قتلِ عام
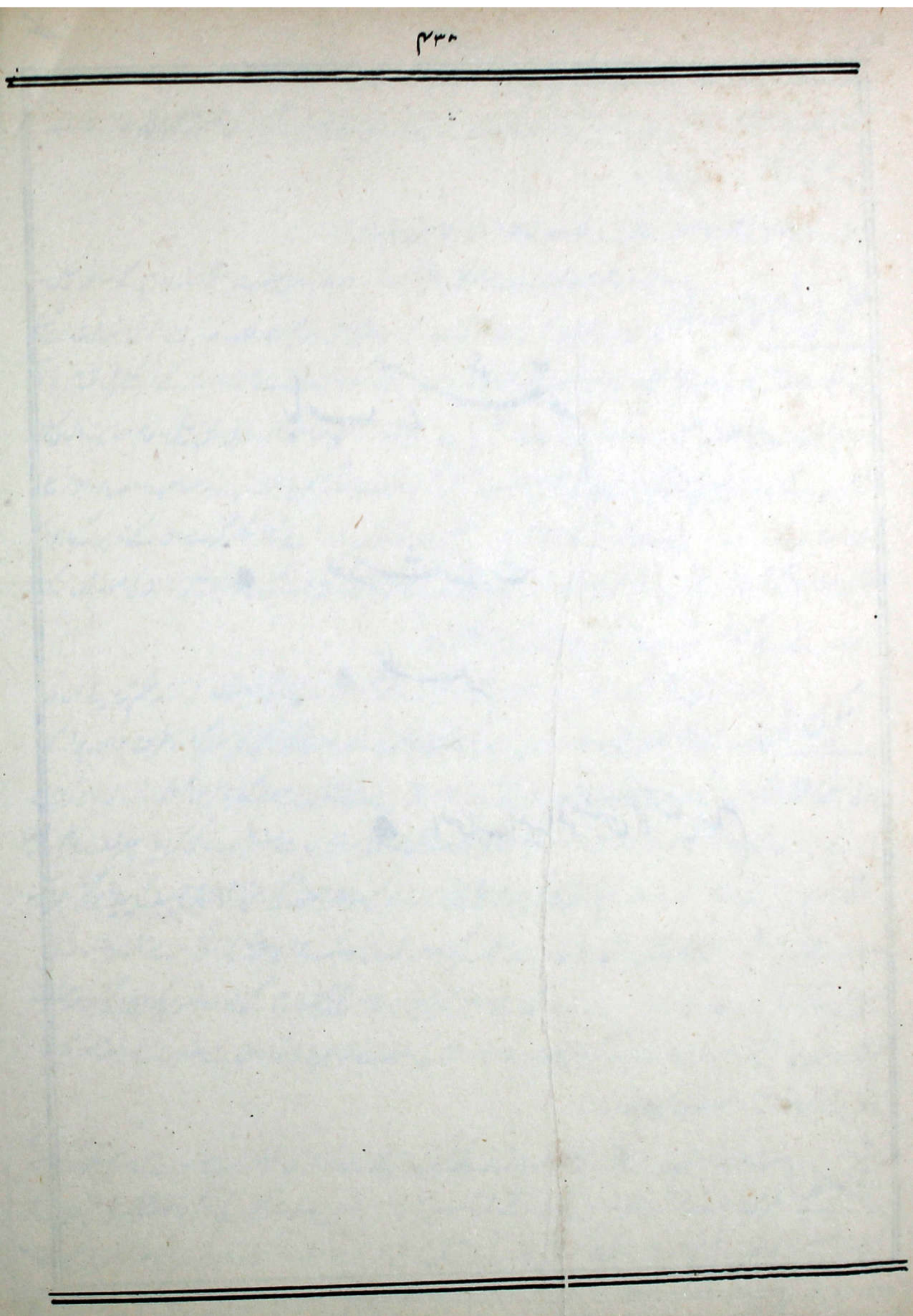
باب ہشتم

اصحاب امیر المومنین کا قتل عام

اس سرخی میں ان مظالم کا بہت طویل تذکرہ کر سکتا تھا جو حضرت علیؑ کے ساتھ ان کی شہادت کے بعد کئے گئے وجوہات لکھے جا سکتے تھے کہ اس کی کیا غرض تھی اور ان مظالم نے آخر میں شیعان علیؑ کو یہاں تک مجبور کیا کہ وہ اپنے کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس شاگرد کا پیرو بھی نہ کہہ سکتے تھے کیونکہ کہنے کی جرأت کا صلہ ناقابل برداشت شدائد تھے۔ جو حکومت کی طرف سے کئے جاتے تھے۔ اس کے متعلق میرے متعلق بہت کچھ خیالات مختصر لفظوں میں مضمون تقیہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ میں شدت کے ساتھ تقیہ کو "متقیانہ فریب" سمجھنے سے انکار کرتا ہوں۔ الکریم کا ناظر اب ان مصالح سے ناواقف نہیں ہے۔ جس نے حضرت علیؑ کے بعد بھی ان کا نام شائع نہ ہونے دیا۔ اس مصلحت کی ایجاد اور سخت عملی ضرورت حضرت علیؑ کی جاندار صفات اور اس کے سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضرت علیؑ کا نام اور ان کے دوست قائم نہیں رہ سکتے تھے۔ اگر عداوت سے محبت کی قوت زیادہ نہ ہوتی۔ میں اس وقت بعض مثالوں پر قناعت کرتا ہوں۔

علیؑ کا اثر ضائع کرنے کی فکریں

ابن عباس کو معاویہ کا حکم تھا کہ تم حضرت علیؑ کی تعریف نہ کرو۔ تاویل قرآن ان لوگوں سے پوچھو جو اہل بیت رسالت سے الگ تاویل کرتے ہوں اور جو کچھ قرآن میں تمہارے لئے ہے اسے نہ کہو۔ عمال کو حکم نامے بھیجے گئے تھے کہ حضرت عثمان کی تعریف میں احادیث تصنیف کرو اور صحابہ کے لئے ویسی ہی حدیثیں بناؤ، جیسی حضرت علیؑ کے لئے ہیں۔ اس کے علاوہ منبروں پر سب علیؑ کرنا۔ عمر ابن عبدالعزیز کے مشہور قصہ تک عام رسم تھی۔

حجر ابن عدی

حجر ابن عدی ابن حاتم طائی گرفتار کئے گئے اور انہیں معاویہ کے پاس زیاد نے روانہ کیا۔ معاویہ نے مصلحت سمجھی کہ وہ لوگ دارالسلطنت میں نہ پہنچنے پائیں۔ پھر لوگ اس حکم کے ساتھ روانہ کئے گئے کہ حجر ابن عدی کو محبت علیؑ سے توبہ کراؤ۔ حجر نے بہ نسبت اس ملعون توبہ کے حضرت علیؑ کی دوستی میں قتل ہونا گوارا کیا اور حضرت علیؑ کے بہادر افسر کا فرزند بے نام و نشان مقام پر تمام کر دیا گیا۔

عمرو ابن حمق اور ان کی بیوی

عمرو ابن حمق الخزاعی جن کا اکثر تعارف ہو چکا ہے وہ شخص تھے جنہیں خدمت رسولؐ کا شرف حاصل تھا اور انہوں نے حضرت علیؑ سے کہے لیے بہت کچھ زبان رسولؐ سے سنا تھا معاویہ نے اب اسے اطاعت کا خط بھیجا۔ جس کی تلوار سے یہ صفین میں احتیاطاً مدّنظر رکھتا تھا۔ خط پاکر یہ موصل روانہ ہو گئے۔ ترک وطن سے بھی جان نہ چھوٹی اور معاویہ کے سواروں نے تعاقب کیا۔ انہوں نے ایک غار میں پناہ لی تھی۔ تلاش کئے گئے، بند بند جدا کیا گیا اور سر معاویہ کے پاس بھیجا گیا۔ معاویہ نے یہ مقدس سر زوجہ عمرو بن حمق کے پاس بھیج دیا۔ جس وقت اس بی بی نے اپنے شوہر کا سر دیکھا تو سر لانے والوں سے کہا:۔

"کہنا معاویہ سے، کہ تو نے اسے قتل کیا جو نہ کسی کا دشمن تھا اور نہ جس سے کسی کو دشمنی تھی۔ وہ بہت دن تک تیرے خوف سے پوشیدہ رہا۔ تو نے ایک پرہیزگار کو مارا اور اس کا سر میرے پاس ہدیہ بھیجا۔"

معاویہ نے بیوہ کو بلایا اور پوچھا:۔

"تو نے یہ پیغام بھیجا ہے؟"

"ہاں۔ نہ ہم انکار کریں گے اور نہ کوئی عذر چاہتے ہیں"

"ہمارے ملک سے چلی جا"

"اچھا۔ قسم خدا کی جلاوطن ہوتی ہوں۔ اب اسے اپنا وطن نہ بناؤں گی اور نہ وہاں بات کروں گی۔ کیونکہ میری بے خوابی کو طول ہو گیا۔ میری غیرت معرض خطر میں ہے۔ میرا قرض زیادہ ہو گیا۔ بلا اس کے کہ کبھی خوشی کا منہ دیکھوں"

ابن ابی سرح نے کہا:۔ "اس منافقہ کو اس کے شوہر کے پاس بھیج دو"

ضعیفہ نے جواب دیا:۔

"وہ منافق ہے جو جھوٹ بولتا ہے اور بندگان خدا کو اذیت دیتا ہے اور اس کا کفر کتاب خدا میں مذکور ہے۔"

ضعیفہ نکلوا دی گئی۔

بصرہ اور کوفہ کا قتل عام

سمرہ ابن جندب والیٔ بصرہ نے جو زیاد کا نائب تھا۔ آٹھ ہزار شیعان علیؑ کو قتل کیا۔ جن میں سینتالیس حافظ قرآن تھے۔ خود کوفہ میں دوستداران علیؑ کا قتل عام تھا۔ آنکھوں سے محروم کئے جاتے تھے۔ ہاتھ پیر کاٹے جاتے تھے۔ درختوں میں لٹکائے جاتے تھے اور یہ لوگ غاروں اور صحراؤں میں چھپتے تھے۔

جندب ابن عبداللہ الازدی

عبیداللہ ابن زیاد نے جندب ابن عبداللہ الازدی کو بلا کر پوچھا:۔

" اے دشمنِ خدا! کیا تو صفین میں علیؑ کے ساتھ نہیں تھا؟ "

" بے شک تھا اور میں ہمیشہ ان کا دوست اور ہوا خواہ تھا، ہوں اور رہوں گا۔ ان کی دوستی کا مجھے فخر ہے اور ہمیشہ تجھ سے اور تیرے باپ سے عداوت رکھتا تھا "

" میں تیرے خون بہانے کو باعث تقرب خدا سمجھتا ہوں۔ "

" میرا قتل باعث غضب خداوندی اور رحمت سے دوری کا سبب ہو گا تیرے ظلم کی مجھے کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ تو مجھے جس قدر ذلت سے قتل کرے گا۔ اسی قدر میری بلندیٔ مرتبہ کا باعث ہو گا۔ ظاہر ہے کہ میری عمر کا بہت کم حصہ رہ گیا ہے۔ تیری دھمکیوں سے خاندان رسالت اور علیؑ مرتضیٰ سے تبرا نہیں کر سکتا۔ تیرا جو دل چاہے کر "

جندب دیوانگی کے الزام میں باہر نکال دیئے گئے۔

رشید ہجری

عبداللہ ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ رشید ہجری حضرت علیؑ کے بڑے مداح ہیں۔ اس نے انہیں بلایا اور کہا:۔

" کچھ علیؑ کا دروغ بیان کر "

" حضرت علیؑ نے کبھی کوئی جھوٹ نہیں کہا "

اس پر ابن زیاد نے ہاتھ پیر کاٹنے اور دار پر چڑھانے کا حکم دیا۔ دوست حق نے نہایت خوشی اور استقلال سے اس ظالمانہ حکم کو برداشت کیا اور حاضرین کو مخاطب کر کے فضائل اہل بیت بیان کرنا شروع کئے۔ ابن زیاد کو خبر دی گئی کہ وہ اس حال میں بھی علیؑ اور اولادِ علیؑ کی خوبیاں بیان کر رہا ہے۔ یہاں یہ پاک عقیدہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا:۔

" جتنی دیر کا مہمان ہوں سن لو "

اس خیال سے کہ یہ مدح نہ کر سکے، زبان کاٹنے کا حکم دیا گیا اور اس ظلم کے ساتھ امیر المومنینؑ کا ایک شائی دوست قتل کیا گیا۔

قنبر

حجاج نے حضرت علیؑ کے مشہور خادم قنبر کو بلا کر کہا:۔

" تو علیؑ کا منکر ہو جا "

" لیکن تو ان کے دین سے کوئی اچھا دین بتا "

" اگر منکر نہ ہو گا تو تجھے قتل کر دوں گا۔ "

" تجھے اختیار ہے "

وفادار خادم قتل کر دیا گیا ۔

المتوکل کا حکم

المتوکل عباسی نے یہ خبر سن کر کہ علیؑ اور مظلوم کربلا کی قبر پر زائروں کا ہجوم رہتا ہے، حکم دیا کہ نشانِ قبر مٹا دیا جائے وہاں فوجی چھاؤنی بنے ۔ زمین پر زراعت کی جائے اور زائروں کو قطعاً ممانعت کر دی جائے

امام نسائی کو جو مستند امام اہل سنت ہیں ۔ حضرت علیؑ کی تعریف کرنے کی سزا میں اس قدر مار پڑی کہ اسی صدمے میں انہوں نے انتقال کیا ۔

" متوکل کے دربار میں مسخرے حضرت علیؑ پر تمسخر کرتے تھے ،، (ابو الفدا)

دوستانِ حضرت علیؑ علیہ السلام تلواروں کے سایہ میں دنیا سے سفر کرتے رہے ۔ بنی امیہ ، بنی عباس ، تغلق اور مغل جب بھی موقع پاتے ۔ دشمنانِ علیؑ کو خوش کر کے اپنی حکومت علی منہاج معاویہ کا ئم بنا لیتے ۔ عوام کو عہد معاویہ کی گڑھی ہوئی روایتوں اور قصے کہانیوں میں الجھا کر حضرت علیؑ سے دور ان کے دوستوں سے نفور اور ان کی سیرت و فضیلت سے بے خبر رکھا جاتا ہے ۔

وہ علیؑ جو قدرت و حکمت الٰہی کا آئینہ اور کمال نبوت و ختم رسالتؐ کی دلیل محکم تھے ان کے نام اور کام سے بے خبر رکھنے کی مہم کو تیز تر کرنے کی خاطر ان لوگوں کے فضائل اچھالے جاتے ہیں ، جن سے کبھی میدان خالی تھے جو نہ صاحب سیف و قلم تھے نہ صاحب جاہ و حشم ، نہ صاحب علم و عمل تھے ۔ نہ مالک فضل و شرف نہ عارف تھے نہ فقیہ ، نہ مجاہد تھے نہ شہید ۔ عہد نبوت میں نہ کسی علاقے کے والی تھے نہ کسی شہر کے قاضی ۔ رسول اللہؐ نے ہجرت کے وقت مکے میں اپنی جگہ چھوڑا نہ مدینے میں نہ اپنے امور کا ضامن بنانا پسند کیا ۔ ایسے افراد جن کے نام اپنے تذکروں میں سن کر حضرت علیؑ فرماتے تھے ۔ انزلنی الدھر ثم انزلنی حتیٰ یقال "علیؑ و معاویہ"

دنیا میں مجھے یہاں تک نیچے لانے کی کوشش کی کہ لوگ کہتے ہیں :- علیؑ و معاویہ دونوں ناموں ، دونوں علامتوں ، دونوں کردار میں جو تضاد ہے اسے بھلا دیا گیا ۔ دونوں میں جو فاصلے تھے امیر المومنینؑ کی دشمن نگاہوں نے اسے برداشت نہ کیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فرماتے تھے ۔ " انا وعلی " " ھارون وموسیٰ " " محمد وعلی " یہ اس لئے کہ علیؑ نے وہ سب کچھ کیا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے کہا تھا اور وہ سب کچھ کہا جو حضور انورؐ نے کیا تھا ۔ وہی رحم و شفقت وہی اسلام اور حقانیت وہی اخلاق اور انسان دوستی ۔ ایک عیسائی کہتا ہے :-

" رسول اللہؐ نے راہبوں کے لئے جو حکم دیا تھا ..... حضرت علیؑ نے اسے قائم اور جاری رکھا (ڈیون پورٹ) اس قابل مورخ نے اپنی نادر کتاب " اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن " ریچرڈ پیکوک بشپ آف میتھ کی کتاب " اے ڈسکرپشن آف دی ایسٹ اینڈ کنٹریز " مطبوعہ ۱۷۴۳ء سے ایک دستاویز نقل کی ہے یہ ایک اٹھارہ دفعات کا فرمان تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے راہبوں کی نگہداشت کے لئے لکھوایا تھا اس میں آدل گرامی حضرت علیؑ کی ہے اور آخر میں یہ عبارت خصوصیت سے دیکھنے کے قابل ہے کہ یہ دستاویز ہادیؑ و خلیفہ علیؑ ابن ابی طالب نے لکھی اور رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھ سے نشان کیا تھا یہ دستاویز دوسری ہجری میں لکھی گئی تھی ۔

ا اس قسم کی دستاویزوں کا اعلان حضرت علیؑ کی شخصیت کا اعلان ہے ۔ غیر مسلم رواداری اور ان کے مذہبی حلقوں میں حضرت علی علیہ السلام کی مرتبت اور ان کے احترام کی گواہی ہے ۔ علیؑ نے اقوام و ملل کے ساتھ وہ کیا جس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی اسی لئے حضرت علیؑ کو معجزۂ ختم رسل کہا جاتا ہے ۔

باب نہم

حضرت علیؑ کے کمالات پر آخری نظر

باب نہم

حضرت علیؑ کے کمالات پر آخری نظر

حضرت علی علیہ السلام کی سوانح عمری تمام ہو چکی اب نہ واقعات باقی ہیں جو ناظر کے سامنے پیش کیے جائیں اور نہ ان کی ترتیب ہے بلکہ اس باب سے مؤلف کی یہ غرض ہے کہ علیؑ کے کل واقعات پر مختصر لفظوں میں تبصرہ ہو۔ جس سے وہ کل حالات جلد جلد بہ نگاہ کے سامنے سے گزرتے جائیں۔ واقعات کی یک جائی وہ تاریخی، عقلی، اخلاقی، معاشرتی، دینی، طبعی ہوں یا ملکی بحیثیت مجموعی سمجھنے اور یاد رکھنے میں مدد دے اور جس وقت ناظر کتاب بند کرے تو اس پر دیکھے ہوئے خواب کا عالم طاری رہے۔

لیکن حضرت علیؑ پر تبصرہ ایک تو حضرت علیؑ پر تبصرہ کی حیثیت سے بڑی وسعت نظر کا محتاج ہے دوسرے یہ کہ اس ایک تعجب خیز نمونۂ خلقت الٰہی میں اس قدر خوبیاں ہیں اور ایسی کامل حیثیت سے جمع ہیں۔ جس میں سے کسی ایک بلکہ کسی ایک کے شائبہ پر یورپ کے مؤرخین اور ناقدین نے اپنے ہیروز کو آسمان پر چڑھا دیا ہے۔ اگرچہ ان کی کوششیں کمزوریاں چھپاتی ہوئی معمولی خوبی کو اس قدر پھیلا دیتی ہیں کہ بڑی حد تک اس کی حالت کو ایماندارانہ یقین سے سمجھنا زیادہ تر خوش اعتقادی یا قومی تائید پر موقوف کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علیؑ کی بے انتہا صفات غالباً نہ صرف دنیا کے بڑے لوگوں سے بہت بڑھ کر ہیں بلکہ فطرت کی اُن اعلیٰ مظاہر میں ترقی کے درجہ ظاہر ہیں۔ ان میں سے کوئی وہمی اور خیالی یا مخلصان قوم کی تائید نہیں ہے۔ علیؑ اور علیؑ کے نام نے جن خوفناک وقت اور صدیوں میں دن گزارے ہیں۔ انہیں ایسی کمزور باتیں اثر کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ مخالفت خیز حالت میں نہ بھی ہوں۔ تاہم کمزور خوبیاں، تصنع اور گڑھی ہوئی باتیں فطرتاً مضبوط شخصیت کے سامنے گر جاتی ہیں اور خود ہی نابود ہو جاتی ہیں۔ حضرت علیؑ نے اس دشمنی کے انتہائی نازک وقت میں ہر حالت سے اول، درمیان اور آخر میں بسر کی۔ جس قدر اور جتنی حیثیتوں سے کسی کے ساتھ مخالفت ہو سکتی ہے لیکن فطری عظمت اس سے داد پاتی ہے کہ خود جانی دشمن ان کی صفات کے معترف تھے۔ ان کے اقرار آج جزو تاریخ ہیں اور ان کے مسلسل اور ناقابل برداشت سزاؤں میں بسر کرنے والے

دوستوں کے لئے یہ ایک بڑی اور جائز تسکین ہے۔ حضرت علیؑ کے دوست اس پر خوش نہیں ہیں کہ ایشیا میں ان کی قربانیوں کے آثار باقی ہیں۔ وہ اس پر وجد کر رہے ہیں کہ وہ ایک ایسے انسان کی پیروی اور اپنے امام سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جس کا کمال اگر تاریخی حیثیتوں کے لوگوں سے مجموعاً بڑھا ہوا ہے، وہ اپنی اس سخن میں ایک قدم پیچھے ہٹنے کا کمزور وہم بھی نہیں لاتے کہ لاؤ کسی کو جو ہمارے علیؑ کی بعض صفتوں کے مقابل بھی ہو۔ ایک انصاف پسند، مداح اور ممدوح دونوں کی قابل مدح حالت سے انکار کا مشکل سے موقع پائے گا۔ ایک باوجود مخالف کوششوں کے اپنی جگہ ستون الہٰی کی طرح قائم رہا۔ جس میں کسی طرح کی لغزش، سخت اور پیچ کن طوفانوں سے کوئی جنبش نہ پیدا ہوئی۔ طوفان کو اپنے بلند اور شریفانہ انداز تبسم سے دیکھتا رہا۔ حقارت کی متین نگاہوں میں شدت کے ساتھ قوت پیدا ہوتی گئی۔ آخر میں گرجتے ہوئے طوفانوں کی قوت گھٹنے لگی۔ شور کیا۔ ستون کے گرد لپٹا، جھٹکے دیئے لیکن گھٹا، دبا اور آخر میں نیست و نابود ہو گیا لیکن دیکھو ستون اپنی بڑھتی ہوئی عظمت سے اسی خاموشی، سنجیدگی اور متانت سے قائم ہے اس پر طوفان کا کوئی اثر نہیں ہے۔ وہ اپنی قوت کا نشان بنا ہوا خود قائم ہے۔ حضرت علیؑ کے واقعات جاننے والا جانتا ہے کہ یہ شاعرانہ پرپیچ استعارہ نہیں ہے۔ یہ لفظیں موجود نہیں ہیں۔ جن سے علیؑ کے خلاف کوششوں کو طوفان سے زیادہ قوت دار کسی چیز سے تشبیہ دی جائے اور نہ اس جوش عداوت کی تصویر کھینچی جا سکتی ہے جو اس طرح بڑھتا تھا۔ جس طرح بھڑکی ہوئی آگ بجھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن دفعتہً پھر اس سے زیادہ قوت کے ساتھ بھڑک اٹھتی ہے اور دیکھنے والے کو خوف پیدا ہوتا ہے کہ گرد و پیش کی کل چیزوں کو اب بغیر خاک سیاہ کئے نہ رہے گی۔

علیؑ کی مثالی عظمت

طوفان غائب ہو گیا اس کا پُر ہیبت شور اور آواز بازگشت بھی قوت سامعہ کی یاد سے فراموش ہو گئی۔ خوفناک بھڑکتے ہوئے شعلے مدت ہوئی کہ بجھ گئے لیکن علیؑ کی ذات اور صفات کے عناصر کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ آگ جلانے کے لئے نہ بھڑکی تھی۔ شعلے اس لئے بھڑک رہے تھے کہ اس کی خوفناک روشنی میں حضرت علیؑ اور تیز نگاہ سے دیکھے جائیں اور جس قدر سمجھنے والی نگاہ تیز، چبھتی ہوئی، وسیع اور گہری ہوتی جائے اسی قدر حضرت علیؑ کی صاف دلی، صفائی، پاکیزگی، معصومانہ عظمت، آثار الہٰی کی گہرائیوں میں محبت سے سنجیدہ، ڈوبا ہوا تصوّر، بڑائی کا اثر ڈالتی ہوئی ذات اپنی بڑھتی ہوئی بزرگی کا اقرار کراتی جائے اور دیکھنے والا گونگا بنا ہوا خاموشی کے عالم میں اپنے میں وجدان کا متین جزرومد محسوس کرے اور اس کا دل اسی گونگی زبان میں اسے کہتا معلوم ہو کہ علیؑ کا نفس تیرے سمجھنے سے بہت بالا تر ہے

ناظرو! ایک بڑے صاف بہتے ہوئے دریا کا پرسکون منظر، ایک عظیم الشان پہاڑ اور ابر کی کثرت میں ڈوبی ہوئی بلند چوٹی کا نظارہ فطرتاً انسان پر ایک رعب طاری کرتا ہے کیوں! اس لئے کہ یہ آثار فطرت اور نمونۂ قدرت ہیں بے حس، بے حرکت، بے روح، بے نفس جسیم مادی شکلیں ہیں۔ لیکن پھر بھی عنصر کی یکجا زیادتی بہت کچھ کہتی ہے اس کی

خاموشی بولتی ہے۔ اس میں ایک جان پائی جاتی ہے۔ دلکش سنجیدگی کچھ کہتی ہے۔ محوِ حیرت دیکھنے والا کچھ سنتا ہے۔

قابل ذکر انسان کی مثالی شخصیت اس قدر جسیم نہیں ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ عظیم اور کہیں زیادہ بلند ہر مادی حیثیت سے بھی صنعت کا بہترین نمونہ ہے، جسم انسانی تو اس ناقابل بیان رازوں کا ایک لفافہ ہے۔ میں عام روح اور بمقابلہ جسم اس کی لطافت اور حیرت خیز قابلیتوں کے تذکرہ کی طرف بھی نہیں لے جا رہا ہوں، میں ایک "اچھے" آدمی کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

سوچو جب تم اپنے ہوش کے عالم میں ایک ایسے شخص سے مس ہوتے ہو۔ تربیت یافتہ، صاف، پاک، مسائل کی اصل اور اصل مسائل پر پھیلا ہوا تصور، آثار الٰہی اور عظمت خداوندی میں ڈوبتا ہوا نفس، تم اس کے سامنے ہو۔ اسے ہوش کے عالم میں دیکھ رہے ہو۔ اس کی صاف مکاریوں کے انداز سے خالی، بڑی شان کی گویا آنکھ جس میں تصور سمایا ہوا ہے، تمھیں دیکھ رہی ہے اس کا چہرہ اس کے دل کا آئینہ ہے۔ تصنع کا کوئی وجود نہیں ہے اس کے دل نے اس کے چہرے کے انداز کو اس طرح بنایا ہے۔ جیسا وہ ہے اس کے خیالات کے اظہار کے لفظ، اس کا پر خلوص خطاب کسی مقرر کے تراشیدہ اور تولے ہوئے انداز اور فقرات کی بو سے خالی ہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے، کسی کی تصدیق کے پہلے خود اپنا دل کہتا ہے کہ یہ سچ کہتا ہے۔ تم اس میں بچہ کی معصومیت اور سادگی پاتے ہو۔ تم اس میں بادشاہوں کی ایسی شان نہیں دیکھتے لیکن مرعوب ہوتے ہو۔ تمہارا دل کہتا ہے کہ وہ تم سے بڑا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ تم اس سے چھوٹے ہو۔ اگرچہ جسامت میں تم اس سے کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہو۔ تمھیں شرم آتی ہے کہ اس کے سامنے کوئی برا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ تمھیں خوف ہوتا ہے کہ وہ تمہارے کل، خیالات سے باخبر ہو جائے گا تم ظاہر ہو جاؤ گے اس کے سامنے تم اس طرح تھے جیسے کوئی دریا میں غوطہ لگاتے وقت گرد و غبار سے پاک ہو جاتا ہے اور بیرونی غبار کا خوف نہیں ہوتا۔ اس کا نفس تمہارے نفس پر چھایا ہوا تھا۔ تم اپنے کو کثرت میں غرق پاتے تھے۔ تم کانپتے تھے تمہارے لفظ غیر مرتب تمہارے خیال پاشان ہوئے جاتے تھے۔ تمہارے دل میں حرکت ہو رہی تھی۔ وہ خاموش تھا لیکن تم سمجھتے تھے کہ وہ بڑی گرج دار آواز سے کچھ کہہ رہا ہے۔ تم حیرت زدہ ہوتے ہو، دیکھتے ہو کہ وہ کچھ نہیں کہتا۔ لیکن پھر اس کی پیاری صورت اور صاف نفس تمھیں تسکین بھی دیتا ہے۔

جب وہ تمھیں دیکھتا ہے تم سمجھتے ہو کہ تمہارے تاریک گوشہ کو اس کی نگاہوں نے روشن کر دیا۔ اس سے تمہارا کوئی خیال پوشیدہ نہیں رہا۔ جب وہ کچھ کہتا ہے تو تم دبے جاتے ہو۔ سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے دل کی بڑی گہری بات پر تمھیں متنبہ کر رہا ہے۔ تمہارا راز اس کے سامنے راز نہیں ہے۔ تمہاری طبیعت اس کے لیے وہ پُراسرار چیز نہیں ہے جسے تم تہہ در تہہ سمجھتے تھے اور کرتے جاتے تھے وہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تم کوئی غبار نہیں پاتے اور جس میں تم اپنے کو صاف صاف دیکھ رہے ہو، کیوں؟

وہ خود کو بڑا دیکھنے والا تھا۔ وہ انسان کو خوب سمجھتا تھا اس کی کمزوریوں سے واقف تھا وہ فطرت کے مسائل نامکمل الحل پر اپنی توجہ اور وقت صرف کر چکا تھا تم ایسے نہ تھے جو اس سے چھپ جاتے، کیسے چھپ جاتے۔ بچہ اور تجربہ کار برابر نہیں ہو سکتا۔ تم نے تاریکی کو دیکھ کر آنکھ بند کر لی تھی اور ادھر سے اپنا منہ پھیر لیا تھا۔ اس نے تاریکی میں راہ ٹٹول لی تھی اور اسے تاریک سمجھ چکا تھا اس کے راستوں سے بہت کچھ واقف ہو گیا تھا۔ گھٹنوں چلنے والا دوڑنے والے کی برابری نہیں کر سکتا اندھا دیکھنے والے کے برابر نہیں ہے۔

یہ سب اور بہت کچھ ناقابل بیان، لفظوں کے دائرے سے دور تصوّر کی لذت اور وسعت سے نزدیک بشرطیکہ تصوّر اپنی ہیئت اور وسعت میں قربت کے مدارج سے وابستگی کا شایان ہو، قربت کے قابل ہو۔

کیا کبھی اپاہج ہاتھ پیر ہلانے والے کے مقابلے کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ ایک اپنی طبیعت اور اس کی قابل لغزش قابلیتوں کو نہ قابل تربیت سمجھتا ہے نہ تربیت کا خیال اور کوشش کرتا ہے۔ دوسرا ہر حس اور ہر حرکت، ہر افراد ہر ہوا پر چوکنا ہوتا ہے۔ دیکھتا ہے کمال ہوش، کمال انصاف اور کمال بے نفسی سے اپنے کو قوت دیتا ہے، دیتا جاتا ہے اور مقابلہ کرتا ہے، عادت ڈالتا ہے، خوگر ہوتا ہے اور آخر میں دیکھتا ہے کہ اب کمزور اور خطا کار حالتوں کی طرف نفس کی کوئی حرکت ہونا، خیال کا بُری اور غلط راہ جانا مسدود ہو گیا۔ تقویٰ کیا کوئی لقمۂ لطیف ہے کہ ایک تہ حلق کے نیچے اتار لیا جائے اور بس؟ تقویٰ کیا کسی دریا میں ایک مرتبہ غوطہ لگا لینا ہے کہ میل صاف کر دے؟ نہیں ایک عمل ہے، سخت عمل ہے۔ قابلیت خطا اور اس سے بچنے کی کوشش کی مسلسل اور سخت جنگ ہے، لغزشوں سے بچ نہیں سکتا اگر ان سے بچنے کی قابلیت بہم نہیں پہنچائی۔ ذرا اس حصہ کتاب کو پھر پڑھ لو۔ جو حضرت علیؑ کا خود اور اس کی تربیت کی سرخی سے لکھا گیا ہے۔ علیؑ نے اس میں اس سخت مجاہدہ کی تاریخ بیان کی ہے۔ مشکل، کوشش، کامیابی اور اطمینان اور اس کے بعد طبیعت کا استقرار دکھایا ہے۔ تم نے حضرت علیؑ کے استادؐ کا اثر باذان عامل یمن اور اس کے سفیروں کی زبانی سنا ہو گا۔ مغرور شخصی اور ایک قدیم سلطنت کے سفیر غریب رسولؐ کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ "ہم نے کسی بادشاہ میں یہ رعب نہیں دیکھا" اگرچہ ان کے پاس جانبازوں کا کوئی دستہ نہ تھا "تم نے بدوی عرب کا حال بھی سنا ہو گا کہ وہ سادہ مزاج جنگلی کس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر کانپنے لگا اس کے منہ سے بات نہ نکلتی تھی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا کر فرماتے تھے کہ اے بھائی بے خوف بات کر تو کسی بادشاہ کے سامنے نہیں ہے۔"

علیؑ کا مصوّر

شاگرد کی حالت ضرار کے لفظوں میں بیان ہوئی "مسکینوں کو اپنے پاس بٹھاتے تھے ان کے خوف سے کوئی زبردست اپنی بیہودگی کی خواہش دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ باوجود ان کے قرب کے ہیبت کی وجہ

سے ان سے کلام نہیں کر سکتے تھے ،، اگرچہ " وہ ہم میں ہمارے جیسے تھے ،، وہی جنہیں یہ تیز نظر لیکن بیان کرنے کی کوشش کرنے والا عرب اپنی کمی تربیت اور پرواز کی پستی کی وجہ سے لفظوں کی کمی دیکھ کر " بڑی قوتوں والے ،، کہہ دیتا ہے۔ گو نگا شرح طلب لفظ ہے۔ ضرار کی زبان کمی کر رہی تھی اس کی نظر اس لفظ سے زیادہ وسیع نہ تھی لیکن اس کا اثر ظاہر ہے۔ متعجب سرب کی حیرت، اخلاص، قدردانی، مدح سب کچھ ان لفظوں میں موجود ہے۔ ضرار پر اس لفظ کے اختصار کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ بیشک حضرت علیؑ میں قوتوں کا زبردست نمو ایسا اور اس قدر تھا کہ اس پر کتابیں لکھنے کے بعد بھی اکتفا نہیں کی جا سکتی۔ ضرار کا یہ اختصار بہت ہی تفصیل خیز ہے، مناسب لفظ ہے جو وسعت کی راہ میں مانع نہیں ہے اور سوچنے والا اشارہ پاتا ہے، وقت نہ تھا کہ وہ قوتوں کی فہرست بیان کرتا اور دفعتاً بیان کرتا جب کہ مضمون نہایت مشکل تھا۔ بیان شام کی تنگ فضا میں بلند ہو رہا تھا اور خاص سننے والا امیر شام تھا۔

لیکن پھر بھی ضرار کے بیہوشانہ جوش نے بہت سی باتوں پر انتہائی تیز روشنی ڈالی ہے مجھے یہ خیال آتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کا خود اندازہ نہیں کر رہا تھا لیکن جو کچھ کہہ رہا ہے اس کی مجبوری میں ایک فطری شان پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اس طرح رو رہا ہے۔ جس طرح کوئی پرسہ دینے والے سے اپنے عزیز کے حالات اور انتقال کے حالات بیان کرتا ہے۔

معاویہ پرسہ دینے والا نہ تھا اس نے ضرار پر اور بے چینی طاری کی ہوگی لیکن وقت نہ تھا کہ چیخ دیتا۔ سانس بہت بھاری لیکن انتہائی قوت سے دبائی گئی ہوگی۔ معاویہ رو دیا تھا۔ ہم نہیں جانتے کہ ضرار کی آنکھ روک سکی یا آنسو ہی ٹپک پڑا۔ اس کی آواز گرفتہ تھی یا نہ تھی۔ لیکن بیان کرنے کے وقت اس کا عالم اس کے اس فقرے سے سمجھ میں آنے لگا کہ ،، ایسا رنج جس طرح کسی عورت کی گود میں اس کا بچہ ذبح کر دیا جائے۔ ،،

دیکھو تو ضرار کی اس مصوری میں کیسا درد بھرا ہے۔ جہاں وہ فطرت کے اثر خیز منظر میں حضرت علیؑ کو لاتا ہے تمہاری نگاہوں کے سامنے حضرت علیؑ کی صورت پھر جائے گی ،، میں نے ان کو بعض (ایک سے زیادہ) مقامات پر دیکھا۔ جب کہ رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ستارے سیاہی میں ڈوبے ہوئے تھے وہ اپنی ریش مبارک کو پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے اور نرم آواز سے رو رہے تھے اور فرماتے تھے ...... ،، غور کرو کہ اس سنجیدہ خاموشی اور عظمت خیز سناٹے میں حضرت علیؑ کی تصویر کس طرح بڑھتی ہوئی سامنے آتی ہے اور جب جھلملاتی ہوئی ٹھہرتی ہے تو تم کیا دیکھتے ہو۔ تصور میں ڈوبی ہوئی ایک جلالت خیز صورت جو تم پر رعب اور ہیبت طاری کرنے کے لئے تمہاری آنکھ اور دل میں اپنی نگاہوں سے نشتر نہیں دیتی، نہیں اس کے لئے تو دن کا وقت اور مجمع موزوں ہوتا۔ اس وقت تو رات کی تاریکی، خاموشی اور تنہائی تھی ــ حضرت علیؑ دنیا اور دنیا کی خوبیوں سے گریز کرتے تھے۔ اندھیری رات اور وحشت سے مانوس تھے ،، حضرت علیؑ کو بولتی ہوئی

زبان اور اس کی آواز سننے کا شوق تھا۔ ایسی جگہ چاہتے تھے جہاں کوئی آنکھ انہیں نہ دیکھے، غیر متعلق آوازیں نہ سنائی دیں۔ ان کا دل بولتا رہے اور قدرت کے آثار جواب دیتے رہیں۔ ان کے "دور دراز فکر میں ڈوبے ہوئے" دماغ کو خاموشی کا نرم ترانہ تسکین دے کسل میں نرم تھپکیاں معلوم ہوں۔ چپ اور خاموش ہو جائیں۔ رک جائیں اور رحمت کے چشمے ان کے مصفا نفس پر اپنے دھارے بہا دیں اور یہ کیفیت لطف میں بجز اپنے کے کسی کو مخل نہ دیکھیں۔ دیکھیں اور اور بڑے ہوں، بڑے ہوں۔ کمال سے قربت ہوتی جائے کمال کی غرض پوری ہو۔ حضرت علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے "دار السلام اور دار الاقامہ" فرمایا ہے۔ امن اور عافیت کو حضرت علیؑ سمجھتے تھے۔ اسلام کا یہ درجہ ان کے لئے تھا۔ علیؑ اسلام کے ساتھ تھے، اسلام علیؑ کے ساتھ۔ اسلام کو بغیر علیؑ کے سمجھنا اسلام کے ساتھ سرقہ ہے۔ حکیم کہتا ہے:۔

مرا، مرا باور نمی آید ز رد سے اعتقاد   حق حیدر بردن و دین پیمبر داشتن

تم نے اس عبارت کو غور سے پڑھا ہو گا۔

علی اور تقویٰ

تمام عوالم عقلی و نفسی و طبعی میں ...... جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ اڑا ...... اس میدان میں ریاضت یہاں تک جانے والوں میں بالکل تنہا تھا اور خالص رہ گیا۔ میں اس مجاہدے میں اس پہاڑ کی طرح قائم رہا جسے ......

بیشک نہایت عظیم الشان تنہائی تھی۔ بلاشبہ یہ تنہائی عام انسانوں کی سمجھ اور گرفت کی حد سے بہت بالاتر ہے۔ بیشک یہ تنہائی لامکان تھی۔ فضا اور اس کی کثرت اس کے سما جانے کے لئے کچھ بہت بڑی نہ تھی۔ حضرت علیؑ کا خود کیا اس کے عقلی و امکانی بڑائی اور چھوٹائی میں محدود تھا؟ نہیں۔ قوتوں والا نفس اس سے کہیں بڑا تھا کہ وہ اس میں الجھ رہا ہو۔ بڑھا، بسیط ہوا، پھیلا، پھیلا، یہاں تک پھیلا کہ مرکز کثرت میں غرق ہو گیا۔ اس "تنہا" کی بلاغت، اس کا احساس، اندازہ، اس کی ہیبت خیز خاموشی کا لفظوں کی صورت میں سمجھا دینا میرے امکان سے باہر ہے۔ ڈاکٹر کوک اور کپتان پیری کی قطب شمالی کی تنہائی سمجھانے کے لئے مشکل سے مثال میں لائے جا سکتے تھے، انہیں ان کی تنہائی میں ایک عالم گھیرے تھا۔ ایک عالم پھیلا رہا تھا۔ حضرت علیؑ تنہا اور خالص تھے، دار السلام میں تھے۔ کوئی انتشار نہ تھا۔ یہاں پہنچتے پہنچتے حضرت علیؑ کے خیال سے چیزیں گر گئی تھیں۔ کوک اور پیری کی اس تنہائی میں تسلسل خیال، پرفخر حوصلہ سے چیزیں نگاہ کے سامنے لاتا جاتا تھا، "خالص"، اس سے کسی طرح کم حیثیت کا لفظ نہیں ہے جو تنہائی کے بعد استعمال کیا گیا ہے۔ کیسا تنہا؟ جو خالص رہ گیا۔ یہ دونوں لفظ مل کر اس بڑے مجاہدہ کا نتیجہ، اس کی صورت گری کرتے ہیں۔ جسے حضرت علیؑ نے نہایت فصاحت سے بلیغ استعارہ میں بیان کیا ہے۔ "یتطہر کم تطہیرا" کچھ سمجھا تا ہے نتھر گئے، صاف و پاک ہو گئے؟ ہاں کیسے پاک؟ نہیں جانتے لیکن سوچنے میں مزا آتا ہے، کس قدر پاک؟ کمزوری، خیال اور تربیت کی کمی گم ہو جاتی ہے۔ حد بندی اور درجہ ہمارے امکان خیال سے دور، بہت دور رہے

شرم آتی ہے، پیروی اور کوشش کرنے کے خیال میں تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہ کہنے کی جرأت پیدا نہیں ہوتی کہ ممکن ہے رسولؐ اور علیؑ کے لئے مثال پیدا ہوئے تھے۔ علیؑ اپنے بعد کے لوگوں کی ترقی کے لئے مثال ہیں۔

دور کے کام والے...... بزرگی سے بات کرتے۔ علم کا دریا ان کے دل سے موجزن تھا۔ حکمت ان کی زبان سے بولتی تھی۔

فکر بلند حضرت علیؑ اس سے بہت دور سوچتے تھے، جہاں لوگ الجھے رہتے تھے۔ مغز، اصلیت اور نتیجہ پر پہنچنے میں ان کے فیصلے کی سرعت رکتی نہ تھی۔ لوگ حیرت زدہ ہوتے تھے اور ان کے فیصلوں کو اکثر کند ذہن یا تو قبول کرنے میں تردد کرتے ہوں گے یا کند ذہنی کے ساتھ تعصب اور چھپی ہوئی عداوت بھی ہے تو سخت نامعقول پر پرزے کے ساتھ غلط مفہوم اور ناشائستگی سے مشہور کرتے ہوں گے۔ حضرت علیؑ کام کرنے کے لئے جو راستہ اختیار کرتے ہوں گے وہ سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے قابل اعتراض ہوتا ہوگا اور غلط، غیر مفید اثر پھیلائے جانے کی کوششیں ہوتی ہوں گی۔ حسرت کے ساتھ حضرت علیؑ نے اس کے متعلق اپنے خیال ظاہر کئے ہیں، "دروغ گو کہتے ہو...... کسی کی نسبت جھوٹا اتہام لگایا۔ میرا خاص لہجہ ہے جس کی سمجھ اور ادراک سے تم بہت دور ہو۔ تم اس کے اہل ہی نہیں ہو۔ پیمانے بخش دول...... بشرطیکہ ظرف ہو"، "تم نے اپنے عصیاں اور نافرمانیوں کی وجہ سے میری رائے اور تدبیر کو بھی فاسد کر دیا.............. رائے اور تدبیر اس شخص کے لئے سود مند نہیں جو اس پر عمل کرنے والا نہیں"، "یہ نہایت محکم رائے تھی مگر میں کس طرح ایسا حکم دیتا، کس کے بھروسہ پر یہ فرمان نافذ کرتا۔ میرا ارادہ تھا کہ امت کی ضلالت کے امراض کا تمہارے ساتھ علاج کروں۔ مگر تم تو خود میری نافرمانی کے درد میں گرفتار ہو۔ نوکِ خار سے کیوں کر خار نکلے...... گمان غالب ہے کہ اس کی نوک بھی ٹوٹ کر بدن میں پیوست ہو جائے۔"

قرینہ غالب ہے کہ حضرتؑ نے بعض یا اکثر لوگوں کی تادیب یا اصلاح کی غرض سے کچھ فرمایا ہوگا، گہرے ڈوبتے ہوئے چبھ جانے والے الفاظ جنہیں سن کر نہ سمجھنے والا بھی ہل جائے۔ سننے والے جنہیں اپنے خصائل کی کمزوری پر تنبہ نہ ہوگا وہ یا تو اس باریک سلسلے کو سمجھ نہ سکے ہوں گے یا ان میں کسی زیادہ ذی حس نے چوٹ کھا کر بجائے اپنی اصلاح کے ناصح کی دشمنی پر کمر باندھ لی ہوگی۔ خلاف واقعہ بیانوں سے ذلیل انتقام لیا ہوگا۔ حضرت علیؑ کے کانوں تک خبر پہنچی ہوگی اور انہوں نے مجمع کو مخاطب فرما کر کمال صفائی قلب سے اپنا غم اور غصہ ظاہر فرمایا ہوگا جو اس حسرت میں ڈوبا ہوگا کہ نبی نوع کی اصلاح کی کوشش اور اس کے صلے میں ہیں یہ القاب دیئے جاتے ہیں۔ یاد دہانی کے لئے بعض فقرات کا نمونہ پھر پیش کرنا ہوگا، "موقع مل گیا کہ شدت سے خیانت کرے۔ حملہ کرنے کے لئے جست کرنے میں تعجیل سے کام لیا

وہ اموال جن کی بیوہ عورتوں اور یتیموں کے لئے محافظت .... اس طرح لے گیا جس طرح خون خوار بھیڑیا بکری کے معذور بچے کو....... اس وقت تیرا سینہ کشادہ تھا۔ بار کرتے وقت خوش حالی تیرے چہرے سے ٹپکی پڑتی تھی۔ تجھے اس گناہ کے برداشت کرنے میں کسی قسم کا خوف نہ تھا،" "مجھے امید ہے کہ میں تیرے لئے بدترین حاکم ثابت نہ ہوں گا" "میرے گمان شائستہ کے قریب رہ" "ان اشیاء کو کھالیا جو تیرے دست تصرف میں تھے" "خراج کو ان لوگوں میں تقسیم کیا جو تیری قوم کے افراد۔ اگر خبر سچ تو........ اہانت و تذلیل لازم سمجھ لے" "دعوت قبول کرے گا جن کا فرد محتاج دعوت سے محروم ہو" "دشمن کے لئے پل بن گیا کہ وہ عبور کرتے ہوئے دوستوں کو غارت کریں" "اہل کوفہ کی" "بوسیدہ کپڑے" سے مثال دی ہے جس کی اگر ایک طرف سے مرمت مکمل ہوئی تو دوسری طرف سے مرمت کے قابل ہو جاتا ہے" "زخمی کوہان اونٹ" "ابطال باطل میں اتنی کوشش بھی نہیں کر سکتے، جتنی حق کے چھپانے کے لئے دعمل میں لاتے ہو" "مثل غائب کے حاضر" "صبح کو سیدھا کرتا ہوں، شام کے وقت ٹیڑھی کمان کی پشت کی طرح سامنے آتے ہو" "نہ دوستوں کی ملاقات کے وقت مردان راست گو اور آزاد ہو۔ بلاؤں کے وقت معتمد بھائی" "رازداری کے وقت بے خیانت دوست ثابت نہیں ہوتے۔"

"اے مرد صورتو" "اے خواب ہائے اطفال" "اے عقول زنانہ حجلہ نشین" یا اور وہ معجزانہ فقرات جو حضرت علی نے روحانیت اور انسانی کمزوریوں کے متعلق یا اسباب ترقی کی نسبت فرماتے ہیں۔ دیکھو کہ حضرت علیؑ کس لئے اور کس جگہ انسان کو کس طرح چھوتے ہیں۔ یہ حالت بہت آسانی سے سمجھ میں آئے گی جب اس وقت کا لحاظ کیا جائے جب کہ ایک پڑھا لکھا مفکر، مغز پسند، چنے ہوئے شائستہ الفاظ استعمال کرنے والا مقرر مجمع کو مخاطب کرتا ہے اور بہت سے نافہم، جاہل، ذلیل ہنسی اور تمسخر سے اپنے ہی ایسے لوگوں کو مخاطب کرتے ہیں۔ آنکھوں کے اشارے سے منہ بنانا وغیرہ وغیرہ ان کا شغل ہوتا ہے اور تقریر کے بعد وہ مہمل اور خلاف واقعہ غلط بیانی کرتے ہیں جنہیں دوسرا سمجھدار سننے والا حقارت سے لوٹا دیتا مگر بہت سے اسی طرح کے مزاج کے لوگ اسے اس طرح قبول کر لیتے ہیں کہ گویا روایت کرنے والا اس کے سامنے آسمان سے اتر آیا ہے۔

ہر شخص جسے کچھ بھی علمی دلچسپی ہے وہ مثال میں پیش کئے ہوئے الفاظ اور فقرات کو کبھی سرسری نگاہ سے نہ دیکھے گا بلکہ اس کی توجہ رُک جائے گی۔ ان کی ساخت، فصاحت، لہجہ، معنی خیزی، مصوری، وسعت بیان، گہرائی پر سمجھنے والی نگاہ ڈالے گا۔ یہ وہ اظہار و بیان ہیں، جن کا کسی زبان میں ہونا اس کا افتخار ہے۔

امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ بالو اور ریت بھرے دماغ کا زیادہ تر عرب جس پر ان اسباب سے جن کا بہت پیشتر

سے پیچ در پیچ اور گہرا اثر پڑا ہوا تھا، توجہ کرنے کا خیال بھی کرے گا۔ اگرچہ وہ جواہرات ہی کیوں نہ ہوں، جو گرے پڑے ہوں، مفت لٹائے گئے ہوں کیونکہ لٹانے والا قیمت کا طالب نہ تھا۔ لیکن سب ایسے نہ تھے۔ مثالی دوست بھی تھے یہ کہنے والے بھی تھے کہ "حکمت ان کی زبان سے بولتی تھی۔ علم کا دریا ان کے دل سے موجزن تھا۔"

علیؑ چپ کیوں نہ رہے؟ چپ نہیں رہ سکتے تھے، کیسے چپ رہتے جب وہ اس ذمہ داری کے قائل تھے کہ "جب تک اہل علم سے خداوند عالم نے تعلیم دینے کا عہد نہیں لیا۔ جاہلوں سے تعلیم حاصل کرنے کا پیمان نہیں لیا"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود ان سختیوں کے چپ نہیں ہوئے۔ شاگرد بھی چند خباثت خیز نفسوں کے اتہام پر چپ نہیں رہ سکتا تھا، کہا۔ کہنے کے لئے تیار ہونے کی طرح تیار ہوئے۔ لفظوں میں وہ گہرائیاں سمجھائی تھیں ان بڑے خیالات اور نتائج پر روشنی ڈالنا تھی، جس کے سمجھنے کے لئے خود ایک ایک لفظ صرف کیا تھا۔ انہیں سمجھانا تھا جن میں سے زیادہ تر لوگ سمجھنے کے لئے پائے لنگ بھی نہیں بڑھانا چاہتے تھے۔ علیؑ بلیغ استعاروں میں بات کرتے تھے، چھچلے، کمزور، ہوائی الفاظ نہ تھے، بے معنی لفظوں کا ڈھیر نہیں کرتے تھے، بے معنی لفظوں سے کھیلتے نہ تھے۔ لفظ اور فقروں میں اپنے گہرے خیالات کو پیش کرتے تھے وہ خیالات جن کا ایک تربیت یافتہ دماغ سے نمو ہوا تھا۔ جنہیں ایک بڑی ذات نے درست راستے پر لگایا تھا، جنہیں ایک ایسے بڑے نفس نے جو "پہاڑ کی طرح قائم رہتا تھا اور جسے تیز و تند ہوا جنبش نہ دے سکتی تھی"، مناسب اور ترقی خیز جگہ رکھا۔ استاد دنیا کا سب سے بڑا اوریجنل (ORIGNAL) تھنکر تھا۔ اس کی بڑی کوشش یہ تھی کہ شاگرد بجائے عامل اور کند ذہن پیرو کے خود بھی ان بڑے آثار اور خود بھی ویسا ہی اوریجنل تھنکر بن جائے۔ استاد اپنی خواہش اور شاگرد اپنی کوشش میں کامیاب ہوا۔ حضرت علیؑ کے خیالات پڑھنے والا اور ان پر غور کرنے والا بجز اس کے اور کچھ سوچ نہیں سکتا کہ علیؑ نے تالیف تعلیمی سے تالیف فکری و عقلی تک ترقی کی۔ ولیم پول نے انگریزی میں حضرت علیؑ کے فقرات کا ترجمہ کیا جس کا واشنگٹن اروینگ کے لفظوں میں "بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہوا"، لاطینی میں دیوان کا ترجمہ ہوا۔ لیکن ہمیں خیال ہوتا ہے کہ نہج البلاغہ کا کسی زبان میں ترجمہ نہیں ہوا[1]۔ ہونا چاہیئے یورپ اور اس کے مؤرخین حضرت علیؑ کی صفات کے معترف ہیں۔ یورپ کے ذوق علم اور قدردانی کے شایان شان ہوگا کہ وہ اس کتاب کو دیکھے۔ لیکن اس کے توجہ کے پہلے ہمارا کام ہوگا کہ اس تک پہنچائیں۔ میں زمانۂ حال کی اکثر اسٹرچول میگزین اور کتابوں کے اکثر فقرات اور خیالات پر رکا ہوں۔ مجھے خیال ہوا ہے کہ مصنف نے علیؑ کے خیالات سے اقتباس کیا ہے۔ بعض فقرے صحیح صحیح ترجمہ معلوم ہوتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں کہاں تک صحیح سمجھا ہوں یا زمانۂ حال کی روحانی تشنگی اور ذوق نے اتفاقاً اسی خیال سے کیوں کر تسکین پائی۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاگرد تیرہ سو برس پیشتر ظاہر کر گیا تھا۔

[1] اب نہج البلاغہ کا انگریزی ترجمہ مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

ہو سکتا ہے کہ خیالات کی یک جہتی اتفاقی ہو۔ کاش یہ اتفاق حضرت علیؑ پر غور کرنے کی طرف توجہ دلائے۔ حضرت علیؑ کا "ساعہ باطنی" کچھ اور عکس ڈالے۔ مسائل لاینحل پر سوچنے کی راہیں صاف ہوں، خیالات کی لغزشیں کم ہوتی جائیں۔

نہج البلاغہ

نہج البلاغہ کے متعلق ملا یعقوب لاہوری نے خود کچھ کہنے کی تکلیف گوارا نہ کی بلکہ ایک کند فقرہ سے کام تمام کر دیا کہ "بعض بلیغوں کا یہ مقولہ ہے کہ حضرت کا کلام تحت کلام خالق و فوق کلام مخلوق ہے۔" ہیبت زدہ، گنگ اور ہمت ہارا ہوا فقرہ ہے جس میں کہنے والا انسانی کوشش سے ایک بات کہہ کر چپ ہو گیا ہے۔ تعریف انتہائی ہے جو ایک مسلمان کر سکتا ہے۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں:۔ "...... ایک طرح کا پانی، ایک نفس، ایک اسلوب مشابہ اس جسم بسیط کے جس کے بعض اجزاء دوسرے اجزاء کے نہیں ...... ایک روانی، ایک لحن، ایک ہی دل و زبان کی کہی ہوئی باتیں جن میں کہیں سے تضاد نہیں مصر کے فاضل شیخ محمد عبدہ اپنی شرح نہج البلاغہ میں کہتے ہیں"۔ حالانکہ اس وقت بہت سے ترددات و اشتغال کا مجھ پر ہجوم تھا اس کتاب کو میں نے ہموم میں باعث تسلی پایا...... جب بعض عبارات کو مختلف مقاموں سے دیکھا تو یہ خیال ہوتا تھا کہ لڑائیوں کی آگ بھڑکی ہوئی ہے...... اور یہ معلوم ہوا کہ علم بلاغت کے لئے دولت ہے اور فصاحت کے لئے صولت ہے اور اوہام و شک کے لئے مدارا ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ فن خطابت کے لشکر...... اس لڑائی میں دیکھ رہا ہوں کہ حق غالب ہوا چاہتا ہے و باطل کو شکست...... شکوک و اوہام بجھتے جلتے ہیں...... جب میں ایک عبارت سے دوسری عبارت تک پہنچتا تھا تو حسی طور پر دیکھتا تھا کہ یہاں کا عالم ہی دوسرا ہے وہاں کا جلوہ ہی نیا ہے ......

ایک عالم ملتا ہے کہ ارواح عالیہ معانی اسے آباد کر رہی ہیں اور وہ خوشنما لباسوں سے نفوس ذاکیہ پر دورہ کرتے ہیں اور قلوب صافیہ سے مل جل رہے ہیں جو گویا دعا کرتے ہیں ان کی طرف صلاح و رشاد کو اور راہ خطا و لغزش سے بچا رہے ہیں اور فضل و کمال کی راہیں بتا رہے ہیں...... کبھی یہ مشاہدہ کرتا ہوں کہ ایک عقل نورانی ہے جو کسی شے جسمانی سے مشابہ نہیں لشکر الٰہی سے جدا ہو کر روح انسانی سے متصل ہوئے اور کدورت طبعی نے اسے پاک و صاف کر کے طرف ملکوت اعلیٰ کے لے گئے اور مشہد اعلائے نور پہ کھینچ دیا۔ اس عالم سے پلٹتا ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطیب حکمت ندا کر رہا ہے اور اولیا امر امت کو راہ حق و صواب بتا رہا ہے۔ مواضع شک و ارتیاب سے بچا رہا ہے اور قواعد سیاست مدن و آداب فہم و فراست کی تعلیم دے رہا ہے۔ جس سے وہ منصب ریاست پر فائز ہوں اور بلندی تدبیر و پر پہنچ کر حسن عاقبت مصیر سے کامیاب ہوں......

کوئی غرض اس سے نہ رہی جو اس کتاب کی بدولت پوری نہ ہوئی ہو اور نہ قوت فکر کے لئے کوئی راہ باقی ہے جس کی اس نے رہنمائی

نہ کی ہو (مختصر شرح کا قصد کرتے ہوئے) مطلب صرف اسی قدر ہے کہ دکھا دوں۔ معانی عالیہ کو عبارات رفیعہ میں کس طرح ادا کیا ہے۔"

(از مقدمہ نہج البلاغہ)

البیان ایک مصری اخبار سے وکیل امرتسر نے توحید اور اسلام کی خوبیوں کے متعلق ایک مضمون نقل کیا تھا۔ جس میں مولانا علی ابن ابی طالب علیہ السلام سابق ترین حکمائے اسلام مانے گئے ہیں اور دکھایا گیا ہے کہ کیسے مشاہیر علمائے اسلام نے نہج البلاغہ کی تدوین اور درس سے فائدہ اٹھایا۔ میرا خیال ہے کہ نہج البلاغہ (کلام جناب امیرؑ) کی تعریف کے لئے علیؑ کی زبان، الفاظ، فقرات، جوش، گرماگرمی، فصاحت، بلاغت، نکتہ رسی، معنی خیزی اور تصویر ریزی کی ضرورت ہے یا خود کسی کوشش کرنے والے کو انہیں کے خیالات اور الفاظ قرض لینے ہوں گے۔

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ علیؑ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے اس درجہ ترقی کی کہ وہ بجائے اس کے کہ صرف آنکھیں بند کر کے عمل کرنے والے ہوتے اپنی فکر میں بغیر کسی مدد دینے والے کے صراط مستقیم کے رہنما ہو گئے یہ آزادی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے سہارے تھی، جیسے میں "علیؑ کے ممتاز اشتغال" کے ذیل میں لکھ آیا ہوں، لکھ آیا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں حضرت علیؑ کو حکمت نظری پر توجہ دلائی اور کیوں ضرورت تھی حضرت علیؑ کے زمانے میں، اور اس وقت سے آج تک کتنے نکتہ رس، تیز فہم اور باریک بین بھی ہوں گے۔ جنہیں صرف رسومات کی پابندی اور جو اس ظاہر کی مشقت سے تسکین نہ ہوتی ہوگی۔ وہ اس سے زیادہ لطیف اور روح افزا غذا کی اشتہا سے بے چین ہوں گے۔ انہیں تلاش ہوتی ہوگی۔ ان کی نگاہیں جماعتوں اور افراد کو دیکھتی ہوں گی۔ تخت نشین اور خاک نشین دونوں پر سے ان کی نگاہیں ہوتی ہوئی آتی ہوں گی اور انہیں امتیاز کا موقع ملتا ہوگا کہ اسلام میں نفس اور روح کے متعلق کہاں سے اشارے ملتے ہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضرت علیؑ کی ایسی ذات جس نے ہر طرح کے زمانے کا تجربہ کیا اور جس نے تمام دنیائے اسلام میں قبل خلیفہ و سلطان ہونے کے وقعت قائم کی اور جس نے ملکی نظم و نسق کے زمانہ میں علمی اشتغال اور مدارج عرفان کو بلا کسی کی مدد کے معراج تک پہنچایا۔ اس کی قائم شدہ منزلتوں کو اس علیحدگی کے زمانہ نے ایسا بھلا دیا ہو کہ علمی اور روحانی مدارج سے محبت رکھنے والے انہیں تلاش نہ کرتے ہوں۔ ضرور تلاش کرتے ہوں گے اگرچہ خود یہ تلاش کرنے والے اپنے ملکی مصروفیات میں آلودۂ حکومت لوگوں کو کیوں نہ تلاش کرتے ہوں۔

علیؑ کی تعلیم کا اثر

بقول فخر قوم مولوی السید امیر علی صاحب "جب اسلام کا سکہ اس طرح دور دراز ملکوں میں بیٹھ رہا تھا حضرت علیؑ مدینہ میں عربوں کی نو ترقی یافتہ قوم کو علمی روشنی دے رہے تھے۔ مدینہ کی جامع مسجد میں حضرت علیؑ اور ان کے چچازاد بھائی عبداللہ ابن عباس فلسفہ، منطق، تاریخ علم کلام اور قانون پر منضبط لکچر دیا کرتے تھے، یہ تھی تمہید اسی علمی ذوق اور تحریک کی جس کی جھلک بعد میں بغداد میں نظر آئی

"جب مفکرین علیؑ کے "علم و فضل" کا اقرار کر لیتے تھے تو یہ سوچنا آسان ہے کہ عوام کو اور بھی کم تردد ہوگا اور مشتاق زحمتوں کی تکلیف گوارا کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہوں گے۔

دیکھو حضرت علیؑ کی بے چینی کو کوئی جگہ ہو، کچھ لوگ دکھائی دیتے ہوں جن سے سننے کی امید کی جائے، کھڑے ہو گئے۔ درس دینے لگے پھر بولنے میں تردد نہیں۔ توحید پر گہری ڈوبی ہوئی تقریریں ہیں۔ تمام تقاریر جواہرات ہیں۔ کہیں سے سرگرمی، جوش اور خلوص میں کمی نہیں ہے۔ دل امڈا آتا ہے۔ چاہتے ہیں کہ اسی حرارت اور گرمی کو سننے والے کے دل اور خیال میں جاری ساری کر دیں۔ تقریریں ایک ایسی جسم لطیف ہیں۔ جن میں زندگی، روشنی اور عقل نفوذ کئے ہے۔ غور کرنے سے ایک لطف کیفیت، وجد اور عظمت آفریں عالم نظر آتا ہے۔ سننے والے کہتے ہیں کہ سنتے جاؤ۔ کہیں سے نہ ان کی تقریر میں شکستگی ہے نہ سننے والے کی توجہ بھٹکتی ہے۔ محو ہو گیا۔ لفظوں نے کھینچ لیا۔ توجہ کی کنجی معلوم تھی۔ نہ سمجھو لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ نہ سنو سنتے جاؤ، اس وقت تم ہمارے اثر میں ہو، کوئی سننے والا نہیں ہے۔ کوئی تنہا ہے۔ مثلاً کمیل ابن زیاد، علیؑ کے دل کی کیفیت اور اس وقت کے نا قابل بیان حالات پر غور کرو۔ کمیل کو اپنے ساتھ صحرا کی طرف لئے جاتے ہیں دسقیفہ کی طرف نہیں (غریب، محوحیرت، بے خیال۔ کمیل سوچتے ہوں گے کہ کوئی نہایت مفید ملکی راز کہنے کے لئے تنہائی تلاش کر رہے ہیں۔ ایک بڑا راز سننے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہے ہوں گے۔ راز کی احتیاط کے لئے آمادہ ہوتے ہوں گے۔ کیسا ملک؟ کمزور حکومت اور حوصلہ ان کی اعلیٰ خیالی سے بہت دور ہوگا۔ کبھی گوشہ چشم عاریتہً بھی نذر نہیں کیا۔ سیڈلیٹ کے لفظوں میں علیؑ کی شان "ایسی خاص، ایسی عظیم" تھی۔ جس میں عاریت کی شان کی آلودگی کہیں سے گنجائش نہ تھی۔ کوئی راز کہنا نہ تھا۔ علم کی خوبیاں اور انسان کی بے توجہی بیان کرنا تھی اور اس کے بعد انہیں رخصت کرنا تھا۔

روح کی بالیدگی

مولوی السید امیر علی صاحب نے بڑی عمدہ بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ "ارسطو کے فلسفہ اخلاق کے دلدادہ علیؑ کے ان خطبات کو جو اپنے فرزند سے فرماتے ہیں بغرض استفادہ پڑھ سکتے ہیں" برائیوں سے بچانے اور بھلائیوں کی طرف رغبت دلانے کے لئے ایسی نکتہ رسی سے ہدایتیں کی ہیں جس کے مطالعہ ہی سے مزا آتا ہے، چہ جائیکہ عمل کرنا اور اس کے بعد کی مسرتوں کا حاصل کرنا۔ استاد نے اپنی وجہ بنیت تکمیل اخلاق بنائی ہے۔ شاگرد نے اقرار کیا تھا کہ "بہترین کمالات انسانی حسن خلق ہیں"، غیر کی تعلیم کے پہلے اپنے نفس کی تربیت اور زبان سے تادیب کے پہلے اپنی رفتار سے ادب سکھلانے کی ہدایت کی۔ عبادت اس لئے کرتے تھے کہ خدا کو عبادت کا شایان سمجھتے تھے۔ کوئی خوف، لالچ نہ تھا۔ ان کے نزدیک ادائے شکر کے لئے عبادت کرنا آزادوں کی سی بندگی تھی۔ لالچ یا خوف سے عبادت کا خیال تاجر یا غلاموں کی سی بندگی فرمائی ہے کہیں انابت سکھائی ہے، کہیں

غیبت و بدگوئی سے روکا ہے۔ کہیں غرور اور حسد سے منع کیا ہے۔ کہیں اتفاقات اور مواخات کے فوائد بیان کئے ہیں کہیں علم و ہنر سے باز رہنا مرض بتایا ہے۔ کہیں سچ بولنے والے کی گراں قدر لفظوں میں تعریف کی ہے۔ کہیں دور دراز کا اور بیجا امیدوں سے روکا ہے۔ کہیں نکتہ چینیوں اور گنہگاروں پر رحم کرنے کی سفارش کی ہے۔ کہیں بیجا حسبی اور نسبی فخر کو کاٹ دیا ہے اور اعمال یاد دلائے ہیں اور کہیں ایفائے عہد پر زور دیا ہے۔

اصلاح اپنے انتہائی وسیع مفہوم میں

ذرا اس چھوٹی سی بڑی نصیحت کو یاد کرو کہ " اپنی ذات اور اپنے گروہ کی اصلاح تمام روزہ، نماز سے افضل ہے"، زہر آلود تلوار کھانے کے بعد عام احتضار میں انہیں یہ فرض ادا کرنا ابھی باقی تھا۔ غور کرو تو تمہیں " اپنی ذات" اور " اصلاح " میں ایک عالم سمایا ہوا ملے گا۔ تمام عوالم عقلی و نفسی و طبعی و اخلاقی اپنی عظیم متانت سے اس میں موجود ہوں گے۔ اصلاح وہ اصل ہوگی جس کی نمائش روزہ و نماز ہے۔ سقراط نے احتضار میں خلق کا کچھ کام کیا تھا۔ قابل تعریف اطمینان اور تشکر کے شایان فرض تھا جو ادا کر رہا تھا۔ زہر کا ہیجان معمولی نہیں ہوتا۔ لیکن زخم پر زہر آلود تلوار سے دوسرا زخم لگنا، دماغ پر لگنا اور پھر "فزت برب الکعبہ" کہنا بے مثال نفس اور اس کے ویسے ہی اطمینان کا کام تھا۔ تیار تھے، نفس نہ گھبرانے اور اطمینان کا خوگر ہو گیا تھا۔ وہی "کمال وجود نے امکان کے نقص کو مغلوب کر لیا تھا"، اس وقت بھی " اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تھا"، تلوار کھانا موت کا وار حضرت علیؑ کے لئے " نصرت" تھی مر جانا ان کی فتح تھی۔ لامعلوم، ناممکن البیان پُر راز، ہیبت خیز موت، نہیں معلوم " ہم" کہاں جاتے ہیں۔ جس نے بہت سے بے دیکھے ہوئے اچھے اور برے کام کئے ہیں۔ جس کے تجسس میں حضرت علیؑ نے ایک ایک دن گزارا تھا"، لیکن اس کا یقین تھا کہ " دوسرے عالم کی حیات ممکن ہی نہیں، جب تک کہ اس عالم میں موت نہ واقع ہو" یہ سمجھے ہوئے تھے کہ " ہر ایک آنے والا اسی طرح منقلب ہوتا ہے"، مادی عالم بھی جس کا روحانی عالم پر مدار ہے۔ انسان کی سمجھ اور بیان کے باہر ہے۔ روحانی عالم وسیع، کشادہ، کثافت سے پاک، جہاں خبیث نفسوں اور ان کے اثر سے مس ہونے کا اندیشہ نہیں۔ باقی روح اب اپنے پیروں پر کھڑی ہوتی ہے جو اس نے اپنے لئے بنائے تھے اور اب اسے ایک بڑی جولانگاہ اور ترقیوں کے لئے بڑا میدان دکھائی دیتا ہے۔ قطرے کو دریا سے قربت ہوتی جاتی ہے ایک مادی رکاوٹ دور ہو گئی۔ یہاں اتنی ہی مسرت ہے جس قدر مسرت کے لئے سامان فراہم کئے گئے تھے اور اسی قدر تکلیف ہے۔ جس قدر آلودگی جائز رکھی گئی۔ بچی ہوئی محفوظ نتھری ہوئی روح پریشانی کی کوئی وجہ نہیں پاتی۔ نسبتاً اس کے اندازہ سے بڑا اطمینان ہے۔ آلات سے معرا، آلودہ کرنے مادی لذتوں سے کنارہ کش ہو کر صرف اس عالم میں اپنے کو پاتی ہے جو اس سے متعلق تھا۔ وہم، خوف، وحشت جیسے

ویسی ہی ناروحیلیں اور متوحش کرتی ہوں گی۔ اطمینان اور امن دور۔ لذتوں کی بھوک بڑھی ہوئی بغیر ساما نوں کے، دنیا میں تم مجازاً پیدا کئے گئے ہو کہ اس میں رہ کر آخرت کے توشہ اعمال کو مہیا کر لو، مہیا کیا۔ دائمی مسرتوں کی راہ نکل گئی۔ بھولے رہے، لذات جسمانی کے حصول کے لئے نفس کا برا مصرف کرتے رہے۔ خوف اس سے کہیں زیادہ ہوا، جس قدر بھول جانے والی لذتیں ملی تھیں اس سے زیادہ وقت کے لئے ہوا جس میں تمہیں مادی خوشی ہوئی تھی۔

مؤلف کے پاس ذخیرہ الفاظ نہیں ہے

کیوں کر " فزت برب الکعبہ " نہ کہتا وہ شخص جو ایسے لوگوں کے حال اور کچھ بندوں کا ذکر کرتا ہے جو گویا " ایک مدت دراز تک عالم برزخ میں رہ کر اہل برزخ کے پوشیدہ اسرار سے مطلع ہو گئے .... گویا وہ ایسی اشیاء کو دیکھ رہے ہیں۔ جنہیں اور لوگ نہیں دیکھتے "، "یہ وہی لوگ ہیں" جن کے پردۂ دل سے پروردگار باتیں کرتا ہے ان کی عقلوں کے باطن میں ان سے وہ کلام کرتا ہے۔ وہ کبھی اپنے کانوں میں، کبھی اپنی آنکھوں میں، کبھی اپنے دلوں میں اس کے نور کے جلوے کرتے ہیں "، اس لئے کہ اس نے یا ایسے لوگوں نے درغور و فکر کی نظر ڈالی اور حقیقت امر کو دیکھ لیا "، وہ تمام آلام سے علیحدہ ہو گئے .... اس نے ان مضبوط رسیوں کو تھام لیا جو خالق و مخلوق کے درمیان سلسلہ ارتباط ہیں .....

ہر ایک فرع کو اصل کی طرف پہنچانے کے لئے محض اللہ کے واسطے اپنی ذات اور نفس کو قائم کر دیا۔ ایسا شخص دین خدا کی اصل ہے "، علی ع قدرت کی زبان سے بول رہے تھے، نیچر بول رہا تھا۔ علی ع چیزوں کی تہہ میں رہتے تھے۔ علی ع کا دل اپنے اس گوشے سے بولنے کے لئے حرکت کرتا تھا۔ جہاں اور بولنے والے دھمک بھی محسوس نہیں کرتے تھے ان کی متجسس عقل اپنی عظمت کا اثر ڈالتی ہے۔ علی ع کے لفظوں سے ان کی آواز بازگشت زیادہ عظیم ہے۔ ایسی جھنجھوڑنے والی، ایسی اثر خیز، ایسی تصویریں ڈبو دینے والی، ایسی اپنی کمزوریاں دکھانے اور اچھا بننے کی حوصلہ دلانے والی، ایسی انفرادی اور قومی خصائل کا ہیولے بنانے والی، ایسی فطرت میں جاری ہو چلنے والی، جس سے زیادہ دعویٰ کرنا یہ کہنا ہے کہ ہم ایک ایسے شخص کو سامنے لا رہے ہیں جو علی ع کی طرح ایک افضل الناس اور دنیا کی سب سے بڑی عقل کی زیر نگرانی اس درجے پر پہنچا ہے۔ جس کی خود کوششیں ایسی ہیں۔ جو ان امتحان خیز اتفاقات میں بسر کر چکا ہے جو ایسا خالص اور محفوظ رہا۔ جس سے ان مشکل ترقیوں میں وہ شان ظاہر ہوئی جو علی ع سے اور جو اپنی تنہائی اور نگاہوں سے دور بھی ویسا ہی عظیم رہا جیسا لوگوں کی نگاہ کے سامنے، جس کے واقعات سے چشم پوشی نہیں کی گئی ہے یا جس کے واقعات نے کمزوریوں کے ہونے سے انکار کیا ہے۔ مختصر لفظوں میں جو ایسا جامع صفات ہو، جیسے علی ع تھے اور جیسے علی ع کی تاریخ کہتی ہے جو دوستوں کی بنائی ہوئی یا لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ سخت ترین ملکی اور اصولی دشمنوں کی نگاہ، قلم، دل اور خیال سے گزرتی ہوئی

آئی ہے۔ جو تیرہ سو برس اس حالت میں رہی اور جواب بھی بہت کچھ ان کے ساتھ ان کی حقوق کی ناانصافی کے اشارے سے خالی نہیں ہے اگرچہ ان کی صفات کی معترف ہے لیکن کمین گاہ سے حملہ کرنے اور چاند پر لعاب دہن پھینکنے کی سعی رائیگاں میں مصروف ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کوئی انہیں اور صرف انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جائز حقدار سمجھتا ہے یا نہیں۔ ہمیں تو اس سے بحث ہے کہ علی "کیسے" تھے؛ ہم ضرور اس پر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علیؑ کے بیچ میں اور کسی کو لانے سے پہلے اس شخص کی قابلیت اور جرأت کو تول لو۔ اپنی فکر و نظر کا زنگ اور اس شخص کا مصنوعی رنگ تو دور کر لو۔

جزئیات نگاری

صرف یہی نہیں ہے کہ علیؑ نے اپنی توجہ ان بڑے مسائل پر صرف کی اور ان کی اصلیت سمجھنے اور سمجھانے کا شوق دلایا جو ایسے بڑے سوچنے والے سوچتے رہے۔ سرگرمی سے سوچتے رہے۔ گویا ان پر غور کرنا ہی ان کا فرض تھا۔ یا اپنے عمل اور خیالات کو فرد اور قوم میں جاری کرنے پر مطمئن ہوں۔ نہیں چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی بغیر ان کی توجہ کے گذر نہیں گئیں کہیں بڑے شوق کے کچھ آثار پائے گئے اور علیؑ محو ہو گئے۔ خیال نے لپٹنا چاہا۔ زبان نے لفظوں میں ادا کرنا چاہا۔ کہیں وہ طاؤس کی خوب صورتی اور اس کے نقش و نگار کو پر مسرت شوق سے دیکھ رہے ہیں۔ کہیں چیونٹیوں کی محنت، کوشش اور ساخت پر غور کر رہے ہیں۔ کبھی لڑائی پر جانے کے وقت فطری منظر اور دلکش سماں سے خوش ہو جاتے ہیں اور یہ باتیں ان سے کہلواتی ہیں کہ "مخلوق میں سے بہت سی چیزیں ہماری نظروں سے غائب ہیں۔ ہماری نگاہیں ان کے دیکھنے سے قاصر ہیں" کبھی انتہائی وجد اور پر غور حیرت میں کہہ اٹھتے ہیں کہ عجیب و غریب صنعتوں پر جو تیری قدرت سے واضح ہیں، کہاں تک تعجب کریں!" عجب بے کسل حیرت پائی تھی علیؑ نے۔ غالباً فلسفے کا ماخذ حیرت ہی ہے۔ اپنے آخری وقت یہ بھی کرنا تھا کہ صبح کے جلالت خیز نظارۂ فطرت کو دیکھ لیتے۔

معرفتِ خدا

علیؑ کبھی عقل کی ترقی پر غور کرتے ہیں۔ کبھی وقت کے ضائع نہ کرنے کے فوائد بیان کرتے ہیں۔ کبھی ارادوں کے نسخ ہو جانے سے ایک ایسی قوت کا خیال کرتے ہیں جس کا ارادہ ان سے قوی تر ہے یا جس کے اختیار میں ہونا یا نہ ہونا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ جس نے "اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا"، زمانہ گزر چکا تھا کہ قدیم یونانی بجائے انسان کے اس عالم کو زیادہ استعجاب سے دیکھتے تھے اور اسے یا اس کے قوانین اور نسبتوں کو ہمارے اندر کی چھوٹی سی دنیا سے ملاتے تھے۔ وہ وقت بھی گذر چکا تھا کہ دونوں میں دلفریب وابستگی کی کوشش کی جائے۔ مسیحیت نے (غالباً پال اور جان نے جو افلاطون کے دلدادہ تھے) اپنی تعلیم اور عقل میں ربط کی کوشش کی۔ آخر میں سائنس کی ترقی نے ایسی تعلیم اور عقل میں، "ضروری نہیں ہے کہ موافق ہو"، کا اٹرنگا لگا دیا عقل نے اپنے کو آزاد کر لیا۔ موجودہ فلسفہ کی بنیاد پڑی انسان مرکز توجہ ہو گیا اور یہ سمجھا گیا کہ انسان کے سمجھنے کے لئے خود انسان ہے۔ "ڈے کارٹ نے نفس انسانی

سے ابتدائی اور اس کے بعد فطرت اور خدا کی طرف بڑھا،، سوچو اور دیکھو کہ حضرت علیؑ کے خیالات آج کے فلسفہ کے اندر کتنے ہیں۔ ان کے خدا پر غور کرو۔ ان کی تعریفوں پر توجہ کرو تو وجدانی جوش سے علیحدہ ہو کر تمہیں عقل کا بے انتہا مصرف معلوم ہوگا۔ کہیں وہ اپنی تنہا شان میں اس وقت موجود ہے جب کسی شے کا نمود نہیں ہوا تھا۔ وہ قدیم ہے۔ وہ علت العلل ہے، وہ نہایت کی حد ہے اور ہر شے کو لئے ہوئے ہے کہیں وہ "صانع" اپنے مصنوعات کے سبب سے خلقت میں مشہور ہے۔ اپنے حجج و براہین کے سبب سے خلقت کے دلوں پر ظاہر ہو رہا ہے ،، وہ فکروں کی جائز پروازیں مکیف نہیں ہو سکتا ،، کہیں ،، صنعت اس کی حکمت کی بولنے والی علامتیں ہیں " اور عقل اس کے سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ علیؑ کا رہبر کہہ چکا تھا کہ ،، میں نے تجھے اس طرح نہیں پہچانا جو پہچاننے کا حق تھا" اس کا علم ،، احاطہ کئے ہوئے ہے ،، وہ تمام روح اور نفس کا خزانہ ہے۔ کسی کی عبادت کرنے سے اس کی بادشاہت میں زیادتی یا انکار سے نقص نہیں پیدا ہوتا۔ کہیں وہ عادل ہے اور علیؑ اس کی حمد کر رہے ہیں۔ کہیں اس کے قوانین جاری ہیں " ہر ایک نئی شے کو جامہ کہنگی پہنا رہے ہیں اور ہر مادہ ممکنہ کو وجود سے نزدیک کئے دیتے ہیں۔ "

عدل

ضرورت تھی کہ علیؑ کا خدا عادل ہوتا۔ سخت ضرورت تھی کہ وہ انسانی ذمہ داری پر بار بار شدت کے ساتھ زور دیتے جو گزشتہ کی اصلاح اور آئندہ زمانے کے لئے اس مسئلے سے جس میں ملکی سیاست میں فائدہ اٹھایا گیا، ایک آگاہی ہوتی۔ حکومت اپنی کمزوریوں کو ،، خدا کی مرضی " کے سر تھوپتی رہی اور انسان وہ کاٹھ کا پتلا ہوتا جس کے افعال تقدیر کے ہاتھوں ناچتے رہتے۔ ہم خوش ہیں کہ وہ قومیں جو مسلمانوں کو تمسخر سے فیٹالسٹ (معتقد تقدیر) کہتی ہیں وہ ہم پر اعتراض نہیں کرتیں۔ وہ ہم سے اور ہمارے خیالات سے واقف نہیں ہیں، نہیں تو عام مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہوئے حد بندی کرنا ان کا دلچسپ مشغلہ ہوتا۔

خیال کرو ان مثالوں پر کہ " یہ نہ کہہ کر انسان مجبور ہے کیونکہ اس سے خدا کو ظلم سے منسوب کرتا ہے، خدا راہ مستقیم دکھاتا ہے اس کے بعد انسان کو اختیار ہے کہ جسے چاہے پسند کرے " " اپنے نفس سے اپنے اعمال کا حساب کر " اپنے نفس کو نصیحت کرنے والا اپنے پروردگار کا مطیع اور اپنے نفس کو فریب دینے والا سب سے بڑا گنہگار ہے "، جیسی جزا دے گا ویسی ہی جزا پائے گا۔ جو کچھ بوئے گا وہی کاٹے گا " ،، خوب جان لو کہ تمہارے نفس ہی نگہبانی کر رہے ہیں " اور پھر سوچو کہ ،، بندگان خدا، تم اس طرح ڈرو جیسے اپنے نفس پر غالب آنے والا اپنی خواہشات کو رد کرنے والا اور عقل و ہوش کے ساتھ نگاہ کرنے والا ڈر رہا ہے " اور پھر دیکھو نادار السنہ کمزوریوں کے متعلق ان حکمت خیز نقروں کو کہ " اگر ہم اس لغزش گاہ میں ثابت قدم رہے تو منہو المراد اور اگر ہمارا پاؤں پھسل گیا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ہواؤں کی چلنے کی جگہ میں تھے، ایسے بادلوں کے سایہ میں تھے جس کے

سائے کے نشانات محو ہیں"۔ بیشک ایسی تسکین کی ضرورت تھی، پیشتر کہہ چکے تھے کہ کامل اور پورا فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو خدا کی رحمت سے ناامید نہ کرے "

صحیفہ علویہ

ان سب کے بعد حضرت علیؑ کی دعاؤں کو پوری توجہ سے پڑھو جس میں علیؑ لطیف کمزوریوں کے امکان کو خیال میں لا رہے ہیں ۔ خدا، ذات پاک سے مخاطب ہیں ۔ راز و نیاز ہے ۔ سینہ کھول دیا ہے کچھ چھپا نہیں رہے ہیں ۔ معصومانہ التجا ہے ۔ علیؑ عجز و انکسار کر رہے ہیں، سمجھ رہے ہیں کہ ہم اس سے کہہ رہے ہیں جو غفلت سے مبرا ہے ۔ ہم کہہ رہے ہیں "جس کا نفس خطاؤں سے مبرا نہیں ہے جس کا فعل غلط سے امن میں نہیں" امکان ہے ۔ سوچو علیؑ کی عظمت کو، سوچو علیؑ کے خدا کو، سوچو علیؑ کی اس لطیف بلندی کو، اور بندگی کی شان کو!۔

رسول اللہ کا تذکرہ

اپنے استاد کی تاریخ ان مختصر لفظوں میں کیسی جامع بیان کی ہے کہ وہ "طفلی میں بہترین مردم تھے اور سن کہولت میں برترین خلائق " بہترین اور برترین نہایت ہی وسیع المعنی الفاظ ہیں ۔ اسی طرح احکامات کی کیسی وسیع شرح ہے کہ جو، "حق و باطل میں فیصلہ کرنے والے تھے"، کس قدر غنی اور دنیاوی حوصلے کو حقارت سے دیکھنے والی تصویر اس جملے نے دکھائی ہے کہ "کبھی گوشۂ چشم عاریتہً بھی اس کے سپرد نہیں کیا" اس زمانے کی تاریخ مذاہب اور ان کی سچی حالت نہایت عمدہ اور منصفانہ لفظوں میں بیان کی ہے کہ "ملل ماضیہ کی شریعتوں کے محکم احکام بالکل شکستہ ہو رہے تھے"، یہ فقرہ وہ شخص نہیں کہہ سکتا جو اپنے زمانے کے مذاہب سے واقف نہ ہو ۔ ان کی خوبیوں کو پسندیدگی سے نہ دیکھا ہو اور ان کی تباہ حالت اور زوال پیران کے پیروؤں کی ابتر حالت اور خلاف ورزیوں پر ترحم نہ کیا ہو ۔ اپنے استادؐ کو صرف "باطل کا دافع نہیں فرماتے بلکہ "باطل کے جوش کا دافع" کہہ کر بے انتہا قوت دیتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کا جوش اور اس کی قوت دکھاتے ہیں ۔ رسالت کے سنگین بوجھ کو اٹھایا، حق پر قائم رہے ۔ تیری مرضی اور خوشنودی کی طرف پیش قدمی کرتے رہے، بندگی سے قدم پیچھے نہیں ہٹایا ۔ ادائے رسالت میں تساہل نہیں کیا، تیرے اجرائے احکام پر گزر کی ۔ ان سطروں میں معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ خود رسول اللہؐ کو بوجھ اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہیں ۔ بوجھ کی گرانی کا اندازہ کرتے ہیں ۔ گرانی کے ساتھ اٹھانے والے کی ہمت اور گھبرا نہ جانے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے بعد قائم رہنے پر ان کی مداحانہ حیرت ترقی کرتی جاتی ہے ۔ وہ محسوس کر رہے ہیں کہ خدا کی مرضی اور خوشنودی کا یہ ذریعہ ہو مگر یہ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشقدمی نہ کی ہو ۔ شاید ان کے اس خیال کا حل ان کے اس فقرے میں ہو کہ " وہ کسی مظنۂ خیر کو نہیں چھوڑتے مگر یہ کہ اس کا ارادہ کرتے ہیں "، کبھی نہیں ہوا کہ اطاعت خدا میں مشکلات کے خوف سے قدم پیچھے ہٹایا ہو ۔ قدم ہمیشہ بڑھنے پر تیار تھے ۔ قوانین الٰہی پر چلانے کے لئے ہمیشہ مستعد تھے، کبھی تساہل نہیں کیا ۔ یہی وہ فرض تھا جسے وہ اپنی تخلیق کی غرض

جانتے تھے۔ بعثت کی غرض ہی یہ تھی۔ علیؑ یہ سب کچھ کہہ رہے تھے لیکن اس کے علاوہ مجھے ان الفاظ میں غم کی ایک سرد آہ بھی محسوس ہوتی ہے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ان ناقابل بیان مصیبتوں کا مرثیہ کہہ رہے تھے۔ جو طلبائے تاریخ کو معلوم ہیں۔ اشاعت اسلام کی تکلیفیں جو ہادیٔ عالم کو برداشت کرنی پڑیں، فکر میں تھرتھراہٹ پیدا کرتی ہیں۔ ایک ذات اور تمام عالم! ایک نفس اور اس کی تمام قوم دشمن اور اس پر نہ ڈگمگانے والی ہمت، بڑھتا ہوا جوش، خوف سے لاپرواہ اور غیر متاثر جوش۔ علیؑ کے استاد ہی کا کام تھا! علیؑ کا استاد ہی خدا کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور علیؑ ہی نے اس کا احیا کیا۔

ان سب کوششوں، تکلیفوں اور استقلال کا نتیجہ یہ ہوا کہ "متعلم کے لئے آتش علم کے شعلوں کو ظاہر کر دیا اور مضبوط اور غلط کاروں کے لئے ہدایت کے راستے روشن کر دیئے۔ وہ قلوب جو فتنہ و فساد اور گناہوں میں غرقاب تھے اس کی بدولت ظاہر اور واضح نشانیوں اور روشن احکام کی طرف ہدایت پا گئے۔ بیشک اس وقت کی تاریخ یہی کہتی ہے کہ لوگ نہ صرف روحانی حیثیت سے مخبوط تھے بلکہ ان کی معاشرتی اور تمدنی حالت بھی نہایت ہی گری ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرین عقل، مبنی بہ شعور اور منصفانہ احکام اور اس کے پرامن نتائج نے اسلام میں نہ داخل ہونے والوں کو مخاطب کیا۔ اسلام کے قوی تر اصول نے انہیں اپنی طرف کھینچا۔ اسلام کی محبت، اخوت، جوش، انصاف، عقل اور روحانیت نے دیکھنے والوں میں بھی ایک لذت پیدا کی۔ دیکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی اور عملی اور تربیت انفرادی اور قومی خصائل کے ڈھالنے اور ترقی خیز بنانے میں معجزہ دکھاتی رہی۔ کچھ فطری اور جاہلانہ تعصب سے لاپرواہ رہے۔ کچھ نے آنکھ کھول کر دیکھا اور لاپرواہ ہو گئے۔ کچھ بڑھے اور پھر رک گئے۔ کچھ بڑھے اور محو حیرت ہو کر دیکھتے رہے اور دیکھتے دیکھتے بڑے جوش اور خلوص سے اسلام کی آغوش میں آ گئے۔ جس سے وہ جہالت اور غلط رفتاری سے دور رہے تھے۔ "یدخلون فی دین اللہ افواجا" داخل ہونے پر دیکھا کہ اسلام ایک نعمت ہے۔ ایک رحمت ہے انہیں کچھ دیر رُکے رہنے اور وقت ضائع کرنے کا افسوس ہوا۔

اسلام کیا ہے؟

کون اسلام؟ جس کی جڑ طوں کو خالق اکبر نے طریقہ حقہ، میں پیوست کر دیا ہے،، طریقہ حقہ کیا؟ وہ فطری قانون جسے عقل اور انسان کا تجربہ مستحسن سمجھتا ہے۔ جسے نفس قبول کرتا ہے اور عقل اس میں کوئی غلطی اور کمزوری نہیں پاتی۔ بجز اس کے اور کوئی دوسری قابل قبول صورت نہیں پاتی۔ "مضبوط ارکان والا، بلند بنیاد والا، زبان روشن آتش شعلہ در، صاحب قہر و غلبہ بادشاہ، ایک بلند اور گرد و غبار سے پاک نشان" ان محکم، وسیع، بیان خیز منتخب مغز رس لفظوں میں اسلام کی حیثیت عقلی، اس کی معاشرتی، اخلاقی اور عقلی صورت دکھائی گئی۔ اس کا جوش، اس کی روح کی قوت اور ساخت اور اس کی عظمت کی تصویر دکھائی گئی ہے۔ اسلام کے نفس اور اس کی ساخت کو اس سے اچھے پیرایہ

میں بیان کرنا شاید ناممکن ہے۔ ان لفظوں کے ایک یا ایک سے زیادہ پہلو کے سمجھانے کے لئے میں سر ہربرٹ رسلی کی یہ عبارت پیش کرتا ہوں:۔

"اسلام کوہ آتش فشاں کے مثل ایک قوت ہے۔ ایک شعلہ خیز اور جامع قوت ہے جو موافق حالتوں میں قوم بھی بنا سکتی ہے (بناتی رہی)، یہ مختلف قبائل کو گلا دیتی ہے اور اندرونی ڈھانچے اور ساخت کو ایک ہم شکل نمونے میں ڈھال دیتی ہے جس میں گذشتہ رسوم کی باقیات تلاش نہیں کی جا سکتیں۔ بیرونی سطح غائب ہو جاتی ہے اور اس کے باقیات امتیاز پست و بلند کی گرفت سے باہر ہو جاتے ہیں اور قانون کی جسامت اس کی جگہ قبضہ کر لیتی ہے۔"

"کافی ہے۔ بیسویں صدی کی ترقی خیال، تنقیدی نگاہ، الحاد اور مادیت یالا اور یت کے سامنے بھی آج ہم فخریہ حضرت علیؑ کے ان الفاظ اور جاندار اظہار کو دہراتے ہیں۔ انصاف پسند نگاہوں کو مدعو کرتے ہیں کہ "کوئی شرف اسلام سے اعلیٰ نہیں ہے"۔

انصار کی مدح

صورت کھینچنا، مختصر لفظوں میں ایک عالم کو سمو دینا، روح دکھا دینا اور حضرت علیؑ کی تحریر اور تقریر کی سب سے واضح خوبی ہے۔ انصار کے لئے کہتے ہیں "ان لوگوں نے دین کی پرورش کی۔ جیسا کہ ان کی فصیح زبانوں، سخی و جواد ہاتھوں کے ساتھ ان کی محنتوں کے سبب سے ایک قیدی پرورش پاتا ہے"، پرورش فصیح زبان، سخی ہاتھ، محنت، قیدی۔ یہ الفاظ کیا کچھ نہیں کہتے۔ اس کے سمجھنے کے لئے کم سے کم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ پہنچنے سے بنی ہوازن کی تقسیم غنیمت اور انصار سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یادگار مخاطبہ تک کا حال یاد کر لو۔

کہیں تعریف کے انداز سے اصحاب رسولؐ کی عبادت، خوف خدا، دنیا سے بے تعلقی بیان کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا ان پر کیا اثر پڑا۔ اور وہ کیسے دکھائی دینے لگے۔ کہیں قرآن کے سمجھنے کی ترغیب دلاتے ہیں اور اسے سب قصوں سے زیادہ نفع دینے والا بتاتے ہیں۔

علیؑ کی تاریخ

ناظرین! یہ کس کے لاجواب خیالات اور حکیمانہ اقوال پر سرسری نظر تھی۔ یہ کس کے تعجب خیز نفس، یہ کس کی وسیع فکر اور تیز ادراک کا تذکرہ تھا؛ بنت اسد کے فرزند کا، وہی بنت اسد جو خانہ کعبہ کے پاس کھڑی تھیں، وہی بچہ جو خانہ کعبہ میں پیدا ہوا تھا، بھولا بھالا، دلکش، محبت پیدا کرنے والا، جو امین کی گود میں گیا۔ اسی کی گود میں آنکھ کھولی، جسے امین نے غسل دیا، جسے امین نے پالا، جو امین کی تنہائی حرا کے زمانہ میں بھی انہیں دیکھتا تھا اور سوا اس کے کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ جسے ہر روز اخلاق عالیہ کی تعلیم ہوتی تھی اور پیروی کا حکم دیا جاتا تھا اور وہ اس طرح پیروی کرتا تھا جس طرح بچۂ شتر اپنی ماں کی پیروی کرتا ہے اور جو امین کے رسولؐ ہو جانے پر مردوں میں سب سے پہلا

علانیہ مسلمان تھا اور جو مسلمانوں میں پہلا پیدائشی موحد تھا۔ جس نے کبھی بت کی پرستش نہیں کی۔ جو فطرت اسلام پر پیدا ہوا۔ قبل بلوغ اسلام لایا، زمانہ بلوغ یا کچھ ہی روز بعد اسلام کی حمایت کے لئے ایسا دلیرانہ اعلان کیا جو خاندان ہاشم کی مستند شجاعت اور رسولِ عربی کے ایسے صاحب استقلال نفس کے زیر تربیت اور صحبت سے اثر قبول کئے ہوئے نفس ہی کا کام تھا۔ اس اعلان میں جسمانی شجاعت کا غرہ نہ تھا بلکہ اخلاقی اور روحانی شجاعت کا سب سے زیادہ عنصر تھا۔ کمزور احساس نہ تھا شکستہ وجدان نہ تھا۔ بلکہ تربیت یافتہ جوش تھا۔ علیؑ کے موجود ہوتے ہوئے یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ان کا پالنے والا استاد مایوس ہوجاتا۔ استاد کا کلام بغیر کسی امید مدد کے بے توجہی سے سنا جاتا۔ رسالت کا پہلا رسمی اعلان تھا۔ رسالت کے ساتھ وصایت اور وزارت کا بھی پہلا رسمی اعلان تھا۔ استاد کی حیرت خیز ہمت تھی۔ اس نے اپنے منصب کا اعلان کیا اور اس بڑے کام میں مددگار چاہا۔ لیکن اس کمسن نوجوان کی فطری ہمت اور مستقد اعلان سے محبت تھی کہ اس نے ایک بڑے کام کو اپنے ذمہ لے لیا۔ مصلحت اور اس کا عامل رسولؐ اور علیؑ کے سوا اس پرخوف وقت میں تیسرا شخص کوئی نہ تھا۔

عکس رسالت دیکھو اس چھوٹے بچے کو جب یہ اپنے استاد کے سایہ میں عبادت کر رہا ہے۔ چھوٹا سا دل، صاف استاد کی محبت سے بھرا ہوا، قوم کی مذموم عادتوں سے محفوظ، امین کی نگہبانی میں، امین کے جلوؤں میں، صرف یہی دو ہیں، تنہائی ہے، کھردری چٹائیاں ہیں، سناٹا ہے، ایک عبادت بتا رہا ہے، ایک پیروی کر رہا ہے ایک کا نفس کام کر رہا ہے، دوسرے کے معصوم نفس اور خیال پر نقش پڑ رہا ہے۔ کبھی کسی کو بڑے دماغ کی صحبت اور اثر سے اس قدر فائدہ نہ پہنچا ہوگا جس قدر علیؑ کو۔ کیونکہ کسی اور کو اتفاقات نے اس قدر روفات تک اس طرح ساتھ نہ رکھا ہوگا کوئی بڑا شخص اس توجہ سے اپنا ایسا بنانے کا کوشاں نہ ہوگا۔ علیؑ اور رسولؐ میں حیرت خیز مناسبت تھی۔ علیؑ، رسولؐ کی تفسیر تھے علیؑ میں رسولؐ کے کام کرنے والی ایک دوسری صورت تھی۔

اسلام کی امداد کبھی چھوٹے چھوٹے پیروں سے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوڑے جاتے ہیں چھوٹی چھوٹی مٹھیوں میں شریر لڑکوں کا جواب دینے کے لئے سنگریزے بھی لئے رہتے ہوں اسی سے کبھی کسی شریر لڑکے کی سخت گوشمالی کرتے تھے کہ دوسرے خوف سے بھاگ جائیں۔ دھاک قائم کرنے کی چھوٹی سی تدبیر رسولؐ اللہ کو بہت پیاری معلوم ہوتی ہوگی، غور فرماتے ہوں گے، آج سنگریزے لئے ہیں، رسُولِ خدا کی حفاظت کے لئے، کل تلوار لے سکتے ہیں۔ اسلام کا جلالت خیز نشان ان کے ہاتھ میں ہوسکتا ہے۔

باپ نے اپنے بھتیجے کو شعب ابوطالب میں چھپایا ہے۔ جگہ بدلی جاتی ہے۔ شاگرد اپنے استاد کی جگہ لٹایا جاتا ہے استاد اپنی پہلی آرام گاہ سے ہٹایا جاتا ہے۔ علیؑ سوتے ہیں اس لئے کہ رسُول اللہؐ سے دشمن کی توجہ ہٹانے میں خود قربان ہوجائیں

رسولؐ بچ جائیں، استاد زندہ رہے، استاد کی خدمت کرتے ہیں۔ استقلال کا سبق سکھاتے ہیں، سختیوں میں بسر کرتے ہیں۔ لیکن حق اور حفاظت سے باز نہیں آتے، روز قوت آتی جاتی ہے۔

شبِ ہجرت

باپ نے انتقال کیا۔ ذمہ داری بڑھ گئی، کم و بیش بیس برس کے ہو گئے۔ رسول اللہ کا ایک صاحب اثر حفاظت کرنے والا نہ رہا۔ دادا نے باپ کے حوالے کیا تھا۔ باپ کے بعد اب خود محافظ ہیں حق شاگردی اور پرورش الگ ہے۔ دین کا اثر ہے اور پیروی مزید زور ڈالتی ہے۔ مکہ میں نہیں رہ سکتے۔ آج پھر وہی کرنا ہے جو شعب ابوطالب میں کرتے رہے تھے۔ فرق تھا۔ صاحب اثر باپ ایسا نہ تھا، کوئی حفاظت کرنے والا نہ تھا۔ تنہا سونا تھا۔ کفار قریش کی تلواروں میں سونا تھا۔ ڈیون پورٹ کے لفظوں میں " متانت اور تسلیم و رضا سے اس موت کا منتظر (رہنا تھا) جو ان کے سردار کے لئے تجویز کی گئی تھی" ایک اور ذمہ داری تھی۔ امین کے عوض میں امانت ادا کرنی تھی۔ فخریہ و مدحیہ شعر کہتے تھے آئندہ مدد کرنے کا اعلان کرنا تھا۔

علیؑ رسولؐ کے لئے

مکہ سے چلے۔ ہر ہر منزل پر رسول اللہ کی خیر و عافیت اور پتہ پوچھتے ہیں علیؑ کو صحیح و سالم دیکھ کر اب رسولؐ کے خوش ہونے کی باری تھی۔ شفقت کی اور پانچ ہی مہینے کے بعد عقد مواخات میں علیؑ کو اپنا بھائی یا علیؑ کو اپنے لئے تجویز کیا۔ کوئی دوسرا ان دو کے لئے تیسرا نہ تھا۔ دوسرے سال فاطمۃ الزہرا سے استاد نے اپنے شاگرد کا عقد کر دیا۔ فاطمہؑ کا بجز علیؑ کے کوئی کفو نہ تھا۔ ابوتراب کا خطاب دیا۔ علیؑ کو یہ خطاب پسند تھا۔ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہونے لگیں اور علیؑ علمداری کا اعزاز حاصل کرنے لگے۔

بے مثال قربانیاں اور جاں فروشیاں

بدر کی پہلی بڑی لڑائی ہوئی۔ علیؑ نے مؤرخین کی نگاہ میں اس جنگ میں سب سے زیادہ جرأت دکھائی اور دشمن کے بہادر سپاہی نے انہیں "شریف مارنے والا" کہا۔ اُحد کی جنگ ہوئی اسلام کی موت اور زندگی کی خوفناک لڑائی " لافتیٰ کا تمغہ یادگار رہا" جس سے بڑھ کر واقعہ خوانی یا علیؑ کی تعریف غیر ضروری ہے۔ علمدار لشکر کفار کے مقابلے میں حضرت علیؑ کی معجزانہ کریم النفسی سپاہیوں کے لئے سبق ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نے بچالیا۔ حضرت علیؑ کی خدمت اور جانبازی منفرد ہے۔ رسول اللہؐ نے علیؑ کو بغلگیر کیا۔ علیؑ نے سولہ زخم کھائے۔ غزوہ، بنی نضیر اور مصطلق میں شجاعت اور خلوص اسلام کے لئے ممتاز ہوئے اور صلح حدیبیہ میں رسول اللہ کے میر منشی رہے۔ جنگ خندق میں بھی اپنی تنہا ضربت کے لئے مشہور ہوئے "تمام ایمان" کہہ گئے ان کی ضربت تمام امت کی عبادت سے افضل بتائی گئی۔ عمرو ابن عبدود کی بہن نے علیؑ کی تعریف کی، کفو کریم کہا اس وقت اس کی تعریف، تعریف تھی۔ ہم بہادر سپاہی کی بہن کی تعریف کے معترف ہیں۔ حضرت علیؑ کی ہمت نے دس ہزار سپاہیوں کی

ہمت توڑ دی۔ اسلام کی دھاک بیٹھ گئی، خون جاتا رہا۔

شجاعت کا دوسرا رُخ

لیکن ان مشہور لڑائیوں میں وہ احد ہو یا اور کوئی، یہ بات نظر انداز کرنے کی نہیں ہے کہ حضرت علیؑ میں اپنی شہرت سے کوئی ناگوار شان نہیں پیدا ہوئی۔ "لافتیٰ" کہتے پر علیؑ کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور بنی قریظہ کے قلعہ کے سامنے "قاتل عمر" کے ایسے وزنی فقرہ پر اسلام کے ظاہر ہونے میں اور کفر و شرک کے استیصال پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ استاد نے تسلیم و رضا سکھائی تھی۔ رعونت اور انانیت کو ان کے پاس آنے کی گنجائش ہی نہ تھی ان کی شان دوسری تھی۔ بنی سعد سے جنگ کی تیاری ہوئی۔ حضرت علیؑ کی فوجی نقل و حرکت نے تکلیف وہ دشمن کو خون ریزی کا موقع نہ دیا اور مسلمانوں کے لئے بہت سی بکریاں اور اونٹ فراہم کر دیئے۔ خیبر کی مشہور لڑائی ہوئی۔ علیؑ شیر خدا، خداد رسولؐ کے حبیب، کرار غیر فرار کے بڑے خطابوں سے نوازے گئے، قلعہ ان کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ مرحب کے قتل نے دشمنوں کی کمر توڑ دی۔ مرحب کے انتقام نے بوئے شجاعت رکھنے والے چند اور بہادروں کو علیؑ کے مقابل کیا، لیکن وہ بھی علیؑ کے ہاتھ سے جانبر نہ ہوئے۔ قلعہ میں الامان کی صدا بلند ہو گئی۔ وہ بے پناہ ہاتھ جسے مرحب اور حارث نہ روک سکتے تھے، انسان کی اس عاجزانہ التجا سے رک گیا۔ امان دی گئی۔ تم نے علیؑ کی اس شان پر غور کیا ہو گا کہ "کب تک لڑوں" خیبر کی فتح نے مسلمانوں کی رُوح کو قوت دی۔ علیؑ فتح خیبر کے بعد اس سے خوش ہوئے کہ "رضی اللہ عنک و رضیت انا عنک" رو دیئے، گریہ شادی تھا اس لئے آنسو نکل پڑے کہ خدا اور رسولؐ خوش تھے۔

رسولؐ احد میں تلوار دے چکے تھے۔ بادشاہ مصر کے تحفہ میں سے حضرت علیؑ کو دلدل بھی عنایت کیا۔ رسول اللہؐ کی زرہ رحلت کے بعد ورثہ میں ملی۔ اسباب خاصہ میں سے رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد کی بھی لڑائیوں میں یہ کل چیزیں کام آئیں۔

شرکت

اب رسولؐ ایک بڑی مہم کے لئے تیار ہوئے تھے۔ وہ جزیرہ نمائے عرب میں شرک اور کفر کا تخلیہ تھا۔ حاطب ابن ابی بلتعہ نے غضب ہی کیا تھا۔ کفر کی بدنصیبی اور اسلام کی خوش قسمتی تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارہ کی روانگی کی خبر معلوم ہو گئی۔ انشائے راز ہو جاتا اور اس کے ساتھ ہی غیر ضروری جنگ ہوتی۔ کچھ لوگ قتل ہوتے۔ ممکن تھا کہ کفار ایک سخت اور جان توڑ لڑائی لڑتے۔ اسلام کے لئے یہ جوش مہنگا اور مضر ہوتا۔ اس صورت حال کے لئے بھی حضرت علیؑ منتخب ہوئے، قضا و قدر نے منتخب کیا۔ علیؑ کے قابل اعتبار ہونے نے انہیں آگے بڑھا دیا۔ دوسرا شخص اس مفید راز کے قابل قابلیتوں سے مسلح نہ تھا۔ رسول اللہ صلعم جانتے تھے اور خوب جانتے تھے۔ اسی وقت نہیں بلکہ راز کے لئے حضرت علیؑ پر نظر رہتی تھی۔ اس کی مثالیں شاذ نہیں ہیں اور لوگوں کے طنز نے اسے اور واضح کر دیا ہے۔ سارہ نے زبیر اور مقداد کو سمجھا لیا تھا۔ حضرت علیؑ کو نہ سمجھا سکی، کیسے سمجھا سکتی، جب کہ رسول اللہؐ اس کے خلاف سمجھا چکے تھے۔

یادگار علمداری مکہ پر قبضہ ہوا۔ آج کی علمداری اسلام کی تاریخ میں یادگار رہی۔ رسولؐ اور وصیؑ نے کعبہ سے بتوں کے تخلیہ کا فرض اپنے ذمہ لیا۔ کون دوسرا تھا اس لئے کہ انہوں نے خوفناک تنہائی میں خدا کی حکومت قائم کرنے کا فرض اپنے ذمہ لیا تھا۔ رسولؐ اور وصیؑ کی اس وقت کی خوشی دیکھنے اور سوچنے کی ہے اس سے بڑھ کر خوش نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی دن کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔

فتح مکہ کے بعد ابوسفیان علیؑ کے پاس گیا ہے۔ اپنے اور اپنے ہی ایسے لوگوں کے متعلق رسول اللہؐ کا خیال دریافت کر لینا چاہتا ہے لیکن حضرت علیؑ کمال احتیاط سے جواب دیتے ہیں کہ میں اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کر سکتا جس میں رسول اللہؐ نے کچھ قصد کر لیا ہے،، رازدارانہ کند جواب تھا۔ ابوسفیان کچھ نہیں سمجھا ویسا ہی رہا جیسا سوال سے قبل تھا۔ کمی احتیاط ممکن تھا کہ ویسے نتائج پیدا کر دیتی، جیسے ملکی امور میں پیدا کر دیا کرتی ہے۔ رسول اللہؐ کا رازدار ڈپلومیٹک فرض ادا کر رہا تھا، تولے ہوئے الفاظ تھے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ رسول اللہؐ نے کوئی قصد نہ کیا ہو گا، صاف ہو جاتا، کہہ دینا اقرار ہوتا۔ بتا دینا راز کی لاپرواہی، کمی احتیاط اور غفلت ہوتی۔ رسول اللہ کے راز ایسے صندوق میں بند رہتے تھے، جہاں کسی نگاہ کا پہنچنا بھی مشکل تھا۔ اخلاقاً امانت داری تھی۔ امین کے امین تھے۔ اعتبار کے شایان تھے۔ خدا کی شان تھے علی ابن ابی طالب تھے۔

خالد اور بنی خزیمہ کے واقعہ کے بعد حضرت علیؑ کی روانگی پوری اہمیت رکھتی تھی۔ علی نہ ہوتے تو رسول اللہ جاتے۔ غضب ہی ہو گیا تھا۔ خالد کی جاہلانہ حمیت نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت دنوں کے کام پر برا اثر ڈالنے میں کوئی کمی نہ کی تھی اگرچہ اس کی یہ غرض اس وقت نہ بھی ہو، جس کے سمجھنے کے قرائن نہیں ہیں، صرف جوش انتقام تھا لیکن انتقام کی ذراسی تسکین رسول اللہ کے عہد اور حکومت کے اچھے اثر کو خاک میں ملا دیتی۔ آگ لگتی اور پھیلتی۔ علیؑ کے حسن خلق، برتاؤ اور ضروری عنایت کے اظہار نے انہیں راضی کر دیا۔ خوف جاتا رہا۔ حضرت علیؑ نے غلطی اسی حد تک رہنے دی، جس سے ظاہر ہوئی تھی۔ دشمنوں کو اسلام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پھیلانے کا موقعہ نہ دیا۔

حنین کی لڑائی علیؑ کے لئے احد جیسے مظاہرۂ ہمت کا دوبارہ اظہار تھا۔ طائف کی کامیابیاں علیؑ سے تعلق رکھتی ہیں اور قبیلہ طے کے واقعات میں حاتم طائی کی لڑکی کے ساتھ علیؑ جو اچھا برتاؤ کرتے ہیں وہ اس سے ظاہر ہے کہ اگرچہ عدی ابن حاتم موجود نہ تھا لیکن صرف اس برتاؤ کی خبر سن کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ عدی بن حاتم اکثر شورش انگیز وقتوں میں حضرت علیؑ کے ساتھ دکھائی دیا ہے اور حجر ابن عدی اس طرح قتل ہوا کہ اس کے لبوں پر حضرت علی علیہ السلام کا نام تھا۔

عملی نامزدگی غزوۂ تبوک نے اس فرقہ کے وجود اور صحیح قلبی حالت کو ظاہر کر دیا۔ جسے عموماً بنی ہاشم اور خصوصاً

حضرت علیؑ سے بغض وحسد تھا اور اسی غزوہ تبوک نے ذوالعشیرہ میں رسول اللہ کے اعلان کو مبدل بہ عمل اور مثال سے سمجھانے کی تکرار کی۔ رسول اللہ کی شان خطاب کہتی ہے کہ انہیں بھی دشمنوں کی گریہ اور خبیث النفسی کے طنز سے تکلیف پہنچی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر رسول اللہ کے ان استعاروں کو علیؑ کی خلافت کے متعلق کوئی واضح نہ بھی سمجھے۔ تاہم مرحوم امیر عبدالرحمن امیر کابل اور موجودہ فرمانروائے کابل ہز میجسٹی حبیب اللہ خاں سب سے زیادہ سمجھنے کا حق رکھتے ہیں۔ جہاں مرحوم نے اپنے تزک میں بغض ونفاقِ سلطنت کا ذکر کرتے ہوئے ولیعہد کا نام صاف صاف بتادینے سے احتراز کیا ہے۔ اس لئے کہ دشمن ولیعہد کی جان کے پیچھے نہ پڑجائیں۔ لیکن یہ ظاہر کرکے کہ میں نے اختیار سلطنت جسے زیادہ دیئے اور امور سلطنت میں جسے زیادہ دخیل کیا وہی میرا ولیعہد ہوگا۔ واضح کردیا ان کے تزک کو پڑھ کر کوئی شخص کسی دوسرے نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ بجز اس کے کہ ان کی غرض موجودہ امیر کی ولیعہدی سے تھی۔

روایت ودرایت

وہ لوگ جو حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق عبارات کی کمی وضاحت یا لفظوں کے مختلف المعنی اور باضابطہ واضح اعلان کو غیر واضح کہنے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے ہیروز کے ساتھ احسان کرتے اگر ان کے لئے بھی مثالیں پیدا کرتے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی ولیعہدی سے انکار اس وجہ سے ہے کہ علیؑ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ نہ ہونے پائیں اور خوش مذاق عبدالجبار معتزلی کی لفظوں میں "علیؑ کی خلافت کے متعلق رسول اللہ کا کوئی اعلان وہ اعلان غدیر ہی کیوں نہ ہو، روایت ہے اور خلافت ابوبکر درایت تو درایت کے مقابلے میں کوئی عاقل روایت کی کیا وقعت سمجھتا ہے"۔ یہ خیال اس حیثیت سے بہت صحیح ہے کہ اس وقت ہمیں کسی کے قتل کرنے سے اشرفی ملتی ہے جہنم تو اس وقت ملے گا جب ہم مرجائیں گے اور جہنم بھی ایک مذہبی جوش رکھنے والوں کا ایک خیالی دھمکی ہے۔ یہ روایت ہے درانحالیکہ زرد زرد چمکتی ہوئی، بولتی ہوئی اشرفی درایت ہے۔

علیؑ نبی کی آخری امید

وادی الرمل میں علیؑ کی فوج نقل وحرکت بنی سعد کے سریہ کی طرح تھی۔ لیکن اہمیت زیادہ تھی زیادہ اس وجہ سے کہ ہمارے زمانے کے اکثر مسلمانوں کی نگاہ میں وہ لوگ بھیجے جاچکے تھے جو مشہور لوگ تھے۔ حضرت علیؑ کے لئے یہ سریہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا نہ اس میں ان کے نقطۂ نظر سے خیبر یا خندق کی جنگ کی طرح کوئی عظمت تھی، نہ اسلام کے لئے یہ لڑائی بہت مضر یا مفید تھی، لیکن ابھرتی ہوئی سلطنت کے لئے یہ لڑائی بھی اس قدر مفید تھی۔ جس قدر اس وقت بھی دھاک کی ضرورت ہوتی ہے۔

علیؑ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داد دی۔ اس وقت کی داد ایک نئی شان رکھتی تھی۔ اس طرح گود میں نہیں اٹھالیا جس طرح لڑکپن میں لے لیا کرتے تھے نہ خانہ کعبہ کی صفائی کے وقت کی طرح کاندھے پر چڑھالیا۔ اس وقت ان کا

جان نثار بھائی لڑائی فتح کر کے آ رہا تھا۔ فوجی حیثیت کی عزت افزائی منظور نظر تھی۔ استقبال کیا، دیکھنے گئے تھے حالت مشکوٰۃ المصابیح کی اس روایت سے سمجھ میں آ جائے گی۔ "روایت ہے ام عطیہ سے کہ کہلا بھیجا رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر کہ ان میں علیؑ تھے، ام عطیہ نے سنا آنحضرتؐ سے، اس حال میں کہ اٹھانے والے تھے، دونوں ہاتھ اپنے دعا کے لئے فرماتے تھے یعنی وقت پہنچنے ان کے پایہ کہ ان کے آنے کی امید تھی" "یا الٰہی مجھے اس وقت زندہ رکھ کہ دکھا دے علیؑ کو" ان کا آخری ارادہ اور وصیت ظاہر ہے۔ رسول اللہ، علیؑ کو اپنی رحلت کے وقت سلامتی سے دیکھنا چاہتے تھے کیوں، "اس لئے کہ رسول اللہ کے بعد اُمت کا مرکز علیؑ سے بہتر کوئی نہ تھا، علیؑ رسول اللہؐ کی آخری امید تھے۔

علیؑ کو گھوڑے سے اترنے نہ دیا۔ اُمت نے دیکھ لیا کہ رسول اللہؐ کی آنکھوں میں علیؑ کی کیا وقعت ہے اور سچی تائید اور مخلصانہ خدمتوں کی داد دینے میں رسول اللہؐ انصاف کر رہے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایک حدیث سے علیؑ کی ناقابل بیان عظمت قائم کی۔

تبلیغ سورۂ برات

میرے خیال میں ایک مرتبہ ابوبکر کا مکہ معظمہ روانہ کیا جانا اور دوبارہ انہیں واپس بلا لینا اور پھر علیؑ کو روانہ کرنا اس لئے کہ "تبلیغ رسالت رسولؐ کریں یا جو رسولؐ میں سے ہو"، بجز اس کے کچھ اور نہیں بتاتا کہ رسول اللہ نے ابوبکر کی روانگی کے وقت علیؑ کو اپنے پاس رکھنا مصلحت سمجھا ہو گا۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ بجز نہایت ضروری کام کے وہ کبھی علیحدہ نہیں کرتے تھے لیکن خیال ثانوی نے بجائے اس کے کہ وہ علیؑ کو اپنے پاس رکھیں اور ایک دوسرے شخص کو روانہ کر دیں، جس سے اسے آئندہ دعوے کرنے کا موقع ملے، یہ زیادہ مفید سمجھا کہ کچھ روز علیؑ کی غیر موجودگی پر صبر کیا جائے اور آئندہ بجز علیؑ کے تبلیغ رسالت یا کسی ایسے ہی مفید کام کی بجا آوری کا فخر حضرت علیؑ کے لئے مختص رہے، جس طرح اب تک ہوا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ابو قحافہ کو اپنی واپسی کے حکم پر فطرتاً کبیدگی ہوئی ہو گی۔ لیکن رسول اللہ کی نگاہ میں اس وقت کسی کا خفیف تکلیف وہ احساس برداشت کرنا آسان تھا، بہ نسبت اس کے کہ زمانہ آئندہ میں دعویٰ کو اس طرح پیش کرتا جس سے رسول اللہؐ کے اشارے اور عمل مشتبہ کر دیئے جاتے۔

مؤلف کا استفہام

رسولؐ کی تنہائی میں ان کا عزیز وعدۂ مدد کرے۔ میدان جنگ کی تنہائی میں وہ اپنے سینے کو سپر بنا دے۔ تبلیغ رسالت وہ کرے۔ خوف کے مواقع پر اپنی جان تصدق کرنے کے لئے وہ لئے رہے کیوں؟ اس لئے کہ وہ عزیز ہے لیکن خلافت؟

ذات علیؑ کی بے مثالی

مباہلہ کے لئے قرآن میں نفس رسولؐ کہا جانا نہ صرف لغوی حیثیت سے قابل وقعت ہے بلکہ تاریخی عظمت بھی عطا کرتا ہے اور علیؑ کے نفس کی تاریخ نے بھی بتا دیا کہ وہ مظہر اتم

نفس رسُول" ہیں۔

یمن علیؑ کی بدولت ایمان لایا۔ قبیلہ ہمدان کو حضرت علیؑ نے اس کے خلوص کے صلے میں آئندہ صفین کی لڑائیوں میں اپنا "جوشن" کہا اور یہی قبیلہ امام حسنؑ کا ان کی خلافت کی آخری گھڑیوں میں نگہبان رہا۔ اس کا خلوص کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے کس طرح ہدایت کی ہوگی۔ جس طرح نہ صرف انہوں نے مذہب بدل لیا بلکہ آئندہ بھی حضرت علیؑ کے لئے سرفروشی کرتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خوش ہوئے۔

واقعہ غدیر سے جوشِ مخالفت کی تشریح

جس جوش سے حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل نہ سمجھنے والے واقعہ غدیر کی خلاف واقعہ تاویل (نفی نہیں) پر گزشتہ صدیوں میں مستعد رہے۔ ایک بے غرض اور حرکات نفس پر غور کرنے والے کو خواہ مخواہ مخاطب کرتا ہے اور وہ ان مبہم معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر واقعہ غدیر سے رحلت رسولؐ تک کے زمانے پر نظر ڈالتا ہے کہ آیا اس میں مخالفت کرنے والوں کی تائید کے لئے اوچھا مضمون بھی ملتا ہے۔ مضبوط نہ سہی، لیکن بجائے اس کے کہ واقعات حضرت علیؑ کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال کو کمزور کریں اور قوت دیتے جاتے ہیں اور لوگوں کی بدمزاجیاں ظاہر ہوتی جاتی ہیں اور وہ دیکھتے ہیں انہیں یاس ہوجاتی ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمیں اب اپنی جماعت یا اپنے صاحب اختیار بنانے کا کوئی بہانہ نہ رہا۔ درانحالیکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علیؑ کے ساتھ مزید اخلاص اور توجہ کا ثبوت دیئے جاتے ہیں۔ رحلت رسُول کے بعد بھی عبدالرحمٰن ابن عوف ہوں یا ابوعبیدہ جراح انہوں نے نفی نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے تصفیہ کو رسُولؐ کے اعلان اور عمل پر ترجیح دی، یہی خلافت کے لئے دلیل تھی۔

اسباب نزول آیہ "یطعمون الطعام......" اہل بیت رسُولؐ اور خصوصاً علیؑ کی عملی ہمدردی کا بہترین ثبوت ہے۔

کچھ اور دلائل

آخری زمانے میں دروازوں کے بند کردینے کا اہتمام اور علیؑ کے لئے خاص اجازت۔ تمام اصحاب کو اسامہ کے لشکر کے ساتھ کوچ کرنے کا حکم اور علیؑ کو تیمارداری کے لئے رکھنا، آخری وقت اسباب خاصہ سپرد کرنا۔ اسامہ کے لشکر کی تیاری کے فرض ادا کرنے کی وصیت اور یہ فرمانا کہ "میرے بعد بہت سے مکروہات تمہیں پہنچیں گے۔ تم دل تنگ نہ ہونا اور صبر کرنا۔ جب دیکھو کہ لوگوں نے دنیا کو اختیار کیا، چاہیئے کہ تم آخرت کو اختیار کرو"۔ اس وقت کا سب کچھ حال کہہ دیتا ہے۔

کیا عرب میں اس وقت کفار تھے؟ نہیں! تھے بھی تو کیا اس طرح تھے جس طرح ابتدائی دعوت اسلام میں تھے؟ نہیں۔ کیا آل ہاشم اس وقت نسبتاً قوی نہ تھے؟ تھے۔ پھر علیؑ کو کس سے مکروہات پہنچتے؟ ان سے جو دنیا کی طرف مشغول ہو جاتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک گویا یہ حالت صاف صاف دکھائی دے رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو اس وقت بھی دین کا خیال تھا۔ علیؑ کو اس وقت بھی خصوصیت سے دین پسرد کیا تھا۔ علیؑ نے فرض ادا کیا۔ دنیا سے گزرتے ہوئے اپنے ہادی کی آخری خدمت یہ بھی کہ عکاشہ کے تازیانہ کے لئے رسولؐ کے عوض میں برہنہ پشت کرتے۔

بعد واقعات جاننے والے کے سوالات

کوئی شخص جس نے نمود اسلام اور نموءِ اسلام کی تاریخ، رحلتِ رسولؐ تک پڑھی ہے اور رحلتِ رسول کے بعد کے واقعات نہیں جانتا۔ وہ بجز اس کے کوئی نتیجہ نکال ہی نہیں سکتا کہ علیؑ خلیفۂ رسولؐ ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ پہلے پہل جب وہ سنے گا کہ رسولؐ کے بعد علیؑ خلیفہ نہیں ہوئے تو وہ بہت سے سوال کر سکتا ہے۔ یہ کہ کیا علیؑ بھی رسولؐ کے ساتھ دنیا سے گزر گئے تھے؟ کیا آخر وقت رسولؐ نے وصیت کر دی تھی کہ میرے بعد کسی وصی کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا علیؑ کے سوا کسی دوسرے کو رسولؐ اللہ نے خلیفہ مقرر کیا تھا؟ وہ کون تھا؟ وہ کہاں سے آ گیا؟ اس نے رسولؐ اور اسلام کے ساتھ کیا کیا تھا؟ کیا علیؑ نے خلافت سے انکار کر دیا تھا؟ کیا مسلمانوں کے سوا کسی دوسری قوم نے رسولؐ اللہ کے ساتھ مقبوضات پر قبضہ کر لیا تھا جس سے رسولؐ اللہ کا دلیعہد خلیفہ نہ ہو سکا؟ کیا عام مسلمانوں نے علیؑ کے مقابلے میں کسی دوسرے کو خلیفہ قبول کیا؟

ظاہر ہے کہ ان کل تنقیحات کا جواب نفی نہیں ہے۔ کوئی مستفسر آخری تنقیح قائم کرنے کا خیال ہی نہیں کر سکتا تھا لیکن افسوس کہ واقعہ یہی ہے اور ان مسلمانوں کا عمل ہے جس کے وجود کو ہم مسلمانوں کی جماعت کی مختلف تقسیم میں دکھا چکے ہیں اور جو واقعہ کمالی غلطی سے عام مسلمانوں کی آزادانہ رائے سمجھی جاتی ہے۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ کیوں کر علیؑ خلیفہ نہیں ہوئے۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ جیسا کہ کوئی خلیفہ ہو گیا اس ہونے کے مقابلے میں علیؑ کا نہ ہونا ہزار درجہ زیادہ قابل وقعت ہے۔ لیکن اس کا افسوس ہے کہ اسلام کے تفرقہ کا وہی سیاہ دن ہے۔ اسلام کے اتحاد کا اسی روز قیمہ کیا گیا۔ اسی روز ٹھوس اسلام میں گھن لگا اور ذاتی خواہشوں کے تحت وہ پس پشت ڈال دیا گیا۔ اسلام کی پالیسی میں اس وقت سے تغیر ہوا۔ جو آخر میں لاعلاج ہو گیا۔ رسولؐ اللہ کی تعمیرانہ مصلحت میں انہدام شروع ہو گیا۔

وفات نبیؐ کا نقصان

رسولؐ کی رحلت علیؑ کے لئے خصوصاً ایک ایسا نقصان تھا جس کی تلافی ممکن نہ تھی اس لئے کہ اس نقصان کا اندازہ کرنے کے لئے علیؑ سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ علیؑ پر سے بڑا سایہ اٹھ گیا۔ علیؑ کی ہر حیثیت کی تسکین اٹھ گئی۔ علیؑ کی تنہائی شروع ہو گئی۔ اب تک وہ وقت تھا۔ خدمت رسولؐ سے بڑے ہو رہے تھے اب وہ وقت شروع ہو گیا کہ تنہائی میں بڑے ہوتے۔ گرد و پیش کی یہ حالتیں تو ہیں۔ جسے دیکھ کر دم گھٹتا۔ روح فرسا فضا میں بسر کرتے۔ ناگوار اتفاقات پر صبر کرتے۔ سوچنے والا سوچ سکتا ہے کہ رحلت رسولؐ سے اپنی شہادت تک حضرت علیؑ کبھی خوش نہ ہوئے ہوں گے۔

رسولؐ کی وصیت پر عمل کا نتیجہ

علیؑ کی تسکین کا اب ایک ذریعہ باقی تھا اور وہ یہ کہ اب بھی اس سلسلہ خیال اور

وصیت پر عمل کرتے۔ جس کی نسبت تفصیل سے ہم لکھ چکے۔ اس مشغولیت کا نتیجہ تھا کہ "اسرار دین" کے عالم اور دین کو فلسفہ آدابِ حکمت سے مطابقت دینے والے کہے گئے۔ دین، بعثت، حیات اور حیات بعد الموت، خودی اور اس کی تربیت، قضا و قدر، جبر و اختیار اللہ، اس کی عظمت، صنعت، شعور، مظاہر، وجود کو اس طرح سمجھایا جس طرح کوئی لفظوں میں سمجھا سکتا تھا۔ لیکن لفظوں میں جو محبت اور خلوص کی آمیزش ہوتی ہے۔ جو جوش اور گرمی پائی جاتی ہے۔ وہ ویسی ہے جیسی الہام پذیر لفظوں میں ہونی چاہیئے۔ جیسے صاف، مضبوط، چمکتی ہوئی تیز روشنی کی عقل معلوم ہوتی ہے۔ الفاظ جیسے دھوئے ہوئے، پاک اور صاف کئے ہوئے ہیں ان سے نفس کی جو طہارت معلوم ہوتی ہے۔ وہ ایک غور اور اندازہ کرنے والے پر بغیر اثر ڈالے ہوئے نہیں گزر سکتے۔ علیؑ اس کے دماغ میں وہ جگہ پاتے ہیں جو پانی چاہیئے اور اس شخص کی حیرت میں لطف کا وزن بڑھتا جاتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ مقابلے میں وہ اشخاص ہیں جن کے سوانح پر سے ذہن سادگی کے ساتھ گزرا تھا وہ حافظہ سے گر گئے وہ سرعت سے گذر گیا۔ معلومات اور حافظہ افزا کوشش کرتا جاتا ہے۔ دماغ کی وہ قوت جو کمزور اور ناقابل پسند چیز کو خارج کرتی جاتی ہے عمل کر رہی ہے۔ علیؑ بلند ہوتے جاتے ہیں۔ گرنے اور بلند ہونے کا یہ تماشہ شاید مؤرخین اور خصائل پر بے تعصبانہ متین نگاہ ڈالنے والوں کے لئے زیادہ پرلطف ہے۔

اظہارِ خیال

اسلام کا درد تھا کہ حضرت علیؑ مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے مخالف تھے۔ صلاح دے چکے کوئی قبول کرتا یا نہ کرتا۔ وہ اپنی ذمہ داری ادا کر چکے تھے کوئی انہیں ذمہ دار سمجھتا یا نہ سمجھتا۔ حضرت علیؑ کا خیال آج ہم تک پہنچ گیا۔ دنیا نے دیکھ اور سمجھ لیا۔ ماننا یا نہ ماننا دوسری بات ہے۔

امتحانی وقت

ایسے شخص کے لئے جس کا مؤقف علیؑ کا سا ہو۔ ابوسفیان کی مدد کا وعدہ نہایت ہی آزمائش کا وقت تھا۔ علیؑ نے میدان جنگ میں نشو و نما پائی تھی۔ اسلام کی حفاظت اور تائید کے لئے ہمیشہ شمشیر بکف رہتے تھے اس کے بعد یہ دیکھنا کہ ہم محروم کئے گئے اور ایک دوسرے شخص نے ہماری جگہ لے لی نہ اس وجہ سے کہ اسے "حق" (کسی مفہوم میں) مرجح یا مساوی حاصل نہ تھا بلکہ ان وجوہات اور اسباب سے جن کا ذکر کیا گیا تو اس میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہم بزور شمشیر اپنا حق حاصل کریں۔ در اسحالیکہ اسے حق (ہر مفہوم میں) مرجح حاصل تھا۔ حق حاصل کرنے کی قابلیتوں سے مسلح تھے۔

جنگ ہوتی، جنگ کے لئے مخلصین چاہیئے تھے۔ تھوڑے سے مخلصین کے ساتھ بہت سے نافہم، حوصلہ مند ساتھ دینے والوں کے کھینچنے کے لئے اسباب چاہیئے تھے۔ یہ سب اس کے مقابلے میں چاہیئے تھا جو صاحب اقتدار ہو چکا۔ نافہم حوصلہ مندوں کی نگاہیں فوائد کی امید سے اس کی طرف پھر چکیں۔ جسے رحلت رسولؐ کے بعد ہی رسول اللہ کا گھر جلانے کے

لئے ہزاروں آدمی مل گئے۔ کیا دنیا کا کوئی سمجھدار ذہنی رجحان کی اس شان کو فوری کہہ سکتا ہے؟ نہیں بلکہ یہ پیشتر کی اس طرح کی تیاری کا نمود تھا۔ رسولؐ کی حیات میں طبیعتیں اس طرح کی تھیں جو ان کے گھر اور اولاد کے ساتھ یہ بھی کر سکتیں۔ خود عقبہ میں رسول اللہؐ کی جان کے درپے ہوئیں!

انہیں کیا غم تھا کہ کوئی حقدار محروم کیا گیا یا نہیں۔ انہیں کیا فکر تھی کہ کوئی بے حق صاحب اختیار ہو گیا یا نہیں۔ انہیں وہ چاہیے تھا جو ان کی امیدیں پوری کر سکتا۔ یہ مخدوش جماعت کسی وقت میں علیؑ سے اپنی امید وابستہ نہیں کر سکتی۔ یہ جماعت بڑی تعداد میں تھی۔ کم سے کم اس سے زیادہ تھی جس قدر علیؑ کے دوست تھے۔

ہو سکتا تھا کہ علیؑ جنگ کے لئے تیار ہو جاتے۔ صرف ایک فتح اور سب علیؑ کے ساتھ ہوتے۔ لیکن صرف ایک شکست اور پھر؟ اس اسلام کا کوئی نام بھی نہ سنتا جو علیؑ کے ہاتھوں کمال تک پہنچا۔ ان کی سوانح عمری رحلت رسولؐ تک ملتی اور بس اس کے بعد یہ لکھا ہوتا کہ وہ خلافت طلبی کی خلال جنگ میں قتل ہوئے۔ ان کی ہر حیثیت کی وہ سوانح عمری جو ہم تک آج پہنچی ہے، مفقود ہوتی۔ ان کی تعلیم، ان کی مثال، ان کا عمل آج ہمارے لئے معدوم ہوتا۔ ہم رسولؐ اور اسلام کو اس طرح سمجھتے جس طرح خلافت کی سیاست ہمیں سمجھاتی۔ دوستوں کی کمی اور دشمنوں کی زیادتی میں کامیاب نہ ہونے کا قرینہ غالب ہوتا۔ نہ بھی یہی جنگ ہوتی جو یہی لیکن بہت سے نافہم بھی خلیفہ کے ساتھ ہوتے اور خلافت پر سے قربان کئے جانے کے لئے میار رکھے جاتے۔ وہی نافہم مسلمان جو علیؑ کی جانبازیوں اور ثبات سے مسلمان بنے تھے، حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے آج علیؑ انہیں اس لئے قتل کرتے کہ وہ انہیں خلیفہ کیوں نہیں سمجھتے؟ یہی غرض تھی کہ اگر وہ انہیں خلیفۂ رسولؐ سمجھ کر پیروی کریں گے تو ہدایت پائیں گے ہم ہدایت کریں گے۔ لیکن زبان خلق کون روکتا کہ علیؑ نے خلافت (حکومت دنیاوی) کے لئے جنگ کی۔ مسلمانوں کو قتل کیا وہ بغیر خلیفۂ ظاہری ہونے کے بھی ہدایت کر سکتے تھے۔ ضرور ہے کہ خلافت دین اور دنیا اگر دونوں ساتھ چلتیں تو زیادہ کار آمد ہوتیں اور زیادہ مفید اثر پڑتا۔ کیونکہ معاملہ مختلف قسم کی طبائع سے تھا لیکن دنیاوی حکومت کا نہ ہونا دینی ہدایت کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کر سکتا تھا۔ علیؑ اب بھی اپنا فرض ادا کر سکتے تھے کوئی انہیں ذمہ دار سمجھے یا نہ سمجھے۔ حکومت علیؑ اور لوگوں کے درمیان آڑے آجائے، ہوا کرے۔ مثالیں دی گئیں کہ آزادانہ ذمہ داری کے نہ ہونے پر بھی مقصد اسلام کو علیؑ نے کیا مدد دی۔ بڑی لطافت شناس ذات تھی! جس نے اپنی اس قابلیت کا اکثر موقع پر ثبوت دیا۔ کوئی مسلمانوں کو قتل کر کے اسلام پر احسان کر رہا تھا۔ علیؑ باوجود حق اور امید مدد کے ایسے مسلمانوں سے جنگ کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ جاہل مخلوق الٰہی پر رحم کر رہے تھے انہوں نے اپنے حق کو بالاعلان ظاہر کر دیا تھا۔ حکومت اسلام میں ملکی حوصلے لڑتے رہے لیکن علیؑ نے نازک اور امتحان خیز وقت میں اپنے کو بچا کر ابدالآباد تک مسلمانوں اور اسلام پر احسان کیا۔ اگر اسلام پر سے سقیفہ بنی ساعدہ کا سیاہ دن نہ

گذرا ہوتا تو کم سے کم ہزاروں مانعین زکوٰۃ قتل نہ ہوتے۔ قتل تو اس لئے ہوئے کہ وہ اسے نہ دینا چاہتے۔ جو ان کی دانست میں خلیفہ رسولؐ ہونے کا کوئی حق نہ رکھتا تھا۔ مسلمان پہلے پہل مسلمانوں ہی پر تلوار نہ آزماتے۔ اس سیاست کی ایجاد نہ ہوتی۔ جس نے سب سے زیادہ آلِ رسولؐ پر بُرا اثر کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت اور دین میں اس وقت تک جنگ ہوتی رہی جب تک کہ اس نے تباہ کن عوامل کو حد تک نہ پہنچا دیا۔ علیؑ کا خلیفہ ہونا یہ اسباب ہی نہ پیدا کرتا۔ اسلام کا ٹھوس جسم اپنی اسی حد پر قائم رہتا، جس طرح رسولؐ اللہ چھوڑ گئے تھے۔ بڑھتا اپنی جانداری سے بڑھتا اسلام کی تاریخ آج دوسری ہوتی۔

رسولؐ کی رحلت سے مسلمانوں پر سے رہنما وجود کا مقدس سایہ اٹھ گیا تھا۔ جو ایک زمانے سے قوم کے جسم کی ہدایت اور اور تربیت کر رہا تھا۔ یہ جما ہوا جسم ایک کے پیچھے چل رہا تھا۔ ضرور تھا کہ اس ایک جسم میں مختلف عناصر تھے۔ مختلف خیال تھے لیکن اس کی ترکیب میں کوئی انتشار نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ اس سے کوئی انکار نہیں کرتا کہ اس میں ایسے عناصر داخل ہو گئے تھے، مرکب کرنے والا واقف تھا اور آخر میں ان عناصر کی طرف سے خوف کی حد تک داخل ہو گیا تھا۔ رسولؐ کیا کرتے اس مخالف عنصر کو اب نکال دینا قریب قریب ناممکن ہو گیا تھا۔ جو کچھ ممکن تھا وہ یہی تھا کہ اس کی قوت کو مرکز قائم کرنے اور اس پر زور دینے کی مصلحت سے کمزور کریں مرکز کو قوت دیتے جائیں۔ مخالف عنصر کی نسبت ناپسندیدگی ظاہر کر کے اس کی طرف سے لوگوں کے خیال پھیرتے جائیں اور پھیر کر اس طرف لے جائیں۔ جو اسلام اور اس کی اصلی مقصدیت کو قائم رکھے اس مرکز کی طرف جسے یہ قائم کر رہے تھے اور جس کا قائم کرنا ہر مفہوم میں اچھا تھا۔

مخالف عناصر کو بیان کئے ہوئے وجوہات نے مدد دی۔ رسولؐ اللہ کا مرکز نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ یہ آوازیں آنے لگیں کہ اگر رسولؐ کا عزیز ان کا خلیفہ نہیں ہو سکتا تو پھر ہم کیوں نہ ہوں۔ یعنی ایک ناجائز جذبے نے عام جذبہ پیدا کر دیا اب یہ ہوا کہ زبردست نے کمزور کو دبا کر اپنے موافق کر لیا۔ یعنی عام جذبے کا گلا گھونٹ دیا۔ صدا آئی، موقوف ہو گئی لیکن نہ بولنا نہ سوچنا نہیں ہے۔ دماغ اپنا عمل کرتا رہا اور وہ خیال ہر ایسے وقت میں ظاہر ہوا جب حکومت میں کمزوری دکھائی دی۔ مملکت اسلام کی لاش کے ٹکڑے اس کا بہترین ثبوت ہیں۔ مسلمانوں کے ملک کو مسلمانوں کے حوصلے نے تباہ کیا۔ "ہم کیوں نہ ہوں،، ان کا تنہا خیال ہو گیا اس نے کسی کو نہ رکھا۔ مسلمانوں نے اسلامی حکومت کو تباہ کیا۔ رائٹ آنریبل سیّد امیر علی صاحب اپنی تاریخ اسلام میں رحلت رسولؐ کے بعد بہت صحیح فرماتے ہیں کہ "ذاتی طمع نساد اسلام کے خوف پر غالب آ گئی اور بعد کے زمانے میں اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں اور اسلام میں رخنہ پڑ گیا۔ اگر اس وقت حضرت علیؑ خلیفہ و حکمران مان لئے جاتے تو مسلمانوں میں تباہی خیز خوں ریزیاں ظہور میں نہ آتیں،، ہم دکھا چکے ہیں کہ سیڈیلٹ کا بھی یہی خیال ہے۔

کبھی کبھی شگفتی کا تقدس کام میں لائے جانے کی کوششیں ہوئیں لیکن اس میں ذاتی دلکشی نہ تھی۔ زیادہ تر یہ ہوا کہ جو بادشاہ ہوا

اس نے وقت کو غنیمت سمجھا۔ کچھ نے لذات جسمانی کو حاصل نہ کرنا بیوقوفی تصور کی اور آخر میں مسلمان بادشاہ کہنا عیاشی کا اوتار سمجھا جانے لگا۔ اس نے قومی خصوصیات پر اثر کیا۔ درانحالیکہ یکجہتی ٹوٹ چکی تھی۔ بغض، حسد، نفاق، ناجائز جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ قوم کے لائق مورخ السید حسن بلگرامی کے لفظوں میں "حکومت ضائع ہونے سے پہلے ہماری خوبیاں ضائع ہو چکی تھیں۔"

مجھے اس وقت عروج و زوال اسلام پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ اگر رسول اللہ کی تعمیری خواہش ان کے شاگرد کے ہاتھ میں رہتی تو عبرت خیز منظر نہ دکھائی دیتا۔ اس سوال سے کسی کو باز رکھنا مشکل ہے کہ آیا اس انہدام کے روکنے کی علیؑ نے کوئی فکر کی؟ کی، اگرچہ عوام نے دوسرے کو طوعاً و کرہاً خلیفہ رسولؐ سمجھ کر علیؑ کو اس انہدام سے روکنے کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا تھا نسبت پر غور کیجئے ایک طرف ایک بیشمار جماعت ہے، ایک طرف علیؑ ہیں اس طرح ہیں کہ ہر وقت جان و آبرو کا خوف ہے۔ یہی غنیمت ہے کہ خودداری کی شان قائم رکھنے پر تصفیہ ہوا ہے۔ نہ یہ بیعت کریں نہ یہ بیعت کا زور دیں۔ آیا ایسے وقت میں یہ آسانی سے ممکن تھا کہ علیؑ ایک بیشمار جماعت کی رفتار کو بدل دیتے؟ لیکن اگر بدل نہیں دیا تو اس سوچنے سے بھی روک دیا کہ اسلام اور اس کی مصلحت وہ نہیں ہے جو تم صاحب اختیار شخص کے پاس تلاش کر رہے ہو۔ علیؑ کے ایک ایسے شخص کا ایک طرف ہونا اگرچہ وہ تنہا ہی کیوں نہ ہوں۔ حکومت اور اس کی دلفریبیوں میں آلودہ لوگوں کے دماغ میں ایک سخت تموج پیدا کرنے کا بڑا زبردست ذریعہ تھا۔ سوچو کہ علیؑ نے کس زبردست بوجھ کو اٹھانے کی ہمت کی تھی۔ ایسا بوجھ جسے خیبر کے دروازے سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ کوئی کاندھا نہیں دکھائی دیتا جو اس بوجھ کے اٹھانے کے لئے بڑھا ہو۔ صرف یہ حضرت علیؑ کی تنہا جرأت تھی، اگرچہ وہ تنہا تھے۔

قوائے باطنی کے عمل کی محض یہ مثال شاید اکثر لوگوں کے لئے تشفی بخش اور ظاہر نہ ہو۔ اگرچہ وہ بعض کے نزدیک کیسی ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ مادی مثال ہم دے چکے کہ غالباً حضرت علیؑ وہ پہلے شخص تھے۔ جنہوں نے خلیفہ کو مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے سے باز رکھنا چاہا۔ کیا حضرت علیؑ کا یہ فعل خیالات پر ایک زبردست جھٹکا لگاتے ہوئے گزر گیا ہوگا اپنے زمانے میں ان کل ذرائع سے جو سمجھانے کے ہو سکتے ہیں۔ ایسے سخت ترین دشمنوں کو فہمائش کی اور انہیں صلح اور صفائی معاملت سکھائی۔ لیکن ظاہر یہ ہوا کہ وہ جو مانعین زکوٰۃ سے جنگ کر سکتا تھا اور وہ جو علیؑ سے صلح نہ کر سکتے تھے، اپنی منفعتوں میں متفق تھے۔ شکست سے انہیں کوئی نقصان نہ تھا۔ عارضی نفع جاتا رہتا۔ مخلوق الٰہی کتنی ہی کیوں نہ قتل ہوتی اور کتنے ہی ناگوار خیالات تفرقہ و فساد کی جڑ کیوں نہ مضبوط ہوتی۔ درانحالیکہ فتح ان کا علین مقصود تھا، ان کی امیدیں پوری ہوئیں۔

حضرت علیؑ کا یہ قول کہ "خوب سمجھ لو کہ از روئے دین اسلام تم آپس میں بھائی ہو، تمہیں کوئی شے ایک دوسرے سے متفرق اور جدا نہیں کر سکتی۔ مگر تمہارے دلوں کی پوشیدہ خباثت اور تمہارے دلوں کی برائیاں تمہیں پراگندگی پر آمادہ کرتی ہیں" بجز اس کے اور کیا سکھاتا ہے کہ پہلے وہ اخوت اسلامی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ توحید کا سبق یاد دلاتے ہیں۔ لطف کی طرف

کھینچتے ہیں۔ یقین دلاتے ہیں کہ اس کا خیال تمہیں متفرق نہیں کر سکتا اور اس کے بعد ان اسباب کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جن سے پراگندگی ہو سکتی ہے۔ جو عین واقعہ تھا۔ نکھار نے اور ایک کرنے کی ایک ایسی سنجیدہ متین دھمکی اور دوسری طرف محبت اور یکجہتی کے لطف کا ذکر کیا۔ قومی خصائل بنانے کے علاوہ کوئی اور معنی رکھتا ہے۔ اسلام کی روح، قوت، شفقت، اخوت اور یکجہتی کا اس وقت نباہ کرتے تھے اور یاد دلاتے تھے۔ جس وقت انتقام انہیں سختیوں پر آمادہ کر سکتا تھا۔ جس وقت سختی کرنے کی قوت بھی لیکن وہ ہر وقت اصلاح کے لئے آمادہ تھے۔ موقع دیتے تھے۔ اسلام ان کا مقصود تھا۔ جماعتوں میں پریشانی پیدا کرنا ان کی غرض سے بہت دور تھا۔ وہ لڑتے لڑتے اس خیال سے رک جاتے تھے کہ شاید کوئی ہدایت پا جائے

جنگ جمل کی ابتدا اور انتہا حضرت علیؑ کی کوششیں اور ایسے دشمنوں کے ساتھ حیرت خیز نرمی کا برتاؤ۔ صفین کی ابتدائی اور درمیانی کوششیں، مسلمانوں کے قتل سے متاثر ہو کر معاویہ کو تصفیہ کے لئے بلانا، یہ سب حضرت علیؑ کی کوششوں کی بہت ہی واضح مثالیں ہیں۔ چاہتے تھے کہ بات بجائے عام مسلمانوں میں پھیلنے کے محدود دائرہ میں طے ہو جائے۔ خلیفۂ ثالث کے زمانہ کے واقعات اور حضرت علیؑ کی اصلاحی کوششیں جلی حروف میں لکھی ہوئی ہیں۔ اپنی خلافت کے زمانہ کے اکثر خطبات اور ان کے خیالات اس کی کوشش ہے کہ قوم اور افراد وہ قوم اور فرد بن جائے جو رسول اللہؐ کی خواہش تھی۔ جتی الوسع قتال اور نقص امن ہو مساوات، انسانیت اور مفتوح کے ساتھ برتاؤ کی مثالیں گزر چکیں کہ اپنے خلیفہ ہونے پر اعلان کرتے ہیں کہ بیت المال کی تقسیم سے "کوئی اہل اسلام آزاد ہو یا غلام عجمی یا عربی محروم نہیں رہے گا"۔ کبھی اپنے فوجی افسر جاریہ ابن قدامہ کو حکم دیتے ہیں کہ "کافر کسی کے آزار اور ظلم رسانی کے باعث نہ ہونا"، اور کبھی ذمّی کے خون کو اپنا خون بتاتے ہیں۔ بس میں مترجم ابن خلدون کے اس فقرہ پر قناعت کرتا ہوں کہ "اگر اندرونی مخمصے پیش نہ آجاتے تو آپ ایک عالم کو علیٰ منہاج النبوت چلا دیتے"، مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ اور ان کے علاوہ حدود پامال ہو چکے تھے۔

کیا خلفاء علیؑ کو اپنا ہم خیال سمجھتے ہیں

ابھی یہ سوال باقی ہے کہ وہ لوگ جنہیں ہم رسول اللہؐ کی تعمیری مقاصد کے انہدام کا الزام دیتے ہیں۔ آیا وہ اس سے واقف تھے یا نہ تھے کہ علیؑ ہمارے ہم خیال نہیں ہیں؟ آیا قوم واقف تھی یا نہ تھی؟ البتہ واقف تھے! خلیفہ اول کے عقل کل کی یہ پر قوت صلاح کہ علیؑ کو کوئی فوجی کام سپرد نہ کیا جائے اس لئے "کہ وہ کمال احتیاط کرتے ہیں اگر خدا نا کردہ وہ نہ گئے یا ان لوگوں کے کفر و اسلام میں توقف کیا تو پھر کوئی نہ لڑنے جائے گا مگر مجبوری سے"۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضرت علیؑ انکار کر چکے ہیں اور فوجی افسری قبول نہ کی۔ یہ حضرت علیؑ کا اثر تھا، تنہا اثر۔ اس کے بعد علیؑ کے بیعت نہ کرنے، الگ رہنے اور احتیاط کرنے کا اثر سمجھنا دشوار نہیں ہے۔ رحلت رسولؐ سے اپنی خلافت تک کبھی حضرت علیؑ کو کسی بڑے مفید عہدہ کا سپرد کیا جانا

ملکی مصلحت اور احتیاط کو تو ظاہر کرتا ہی ہے۔ لیکن حضرت علی ع کی طرف سے خیال اور حضرت علی ع کے خیال کو بھی ظاہر کرتا ہے یہیں تک طے نہیں ہے بلکہ معاویہ کے یہ فقرات کہ رسول اللہ کے بعد جو خلیفہ ہوا تو نے اس سے حسد کیا اور اپنی فوقیت ظاہر کی۔ ہم لوگوں نے اس کے اشارے تیرے حرکات وسکنات اور اقوال وافعال میں پائے ہیں ...... تو کراہت سے آتا تھا اور ویسے بیعت نہیں کرتا تھا، شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتے اور اس کے بعد سنت شیخین سے انکار اگرچہ خلافت نہ ملے، مستقل سماعت کے عذر کو قطعاً مرتفع کر دیتا ہے اور اس کے بعد اپنی خلافت کے وقت پھر شرط کر لینا اسے صاف کر دیتا ہے کہ وہ کسی طرح نا واقف نہ تھی اور نہ سنت شیخین پر عمل کرنے کے انکار کی کوئی پرواہ کرتی تھی۔

علی کا عمل

اس ضمن میں مناسب ہوگا کہ میں خطبہ شقشقیہ کے اس حصے کو پھر یاد دلاؤں۔ جہاں آپ دور اول میں اپنی روش ہدایت ظاہر فرماتے ہیں یا دور ثانی میں جہاں آپ فرماتے ہیں کہ "اہل و نااہل دینی اور دنیوی امور میں رائے زنی کرنے لگا اور اس کے نتائج ظاہر فرماتے ہیں یا جہاں دور ثالث میں آپ منتظمین کی صورت دکھاتے ہیں۔ میں اس دوسری وصیت کے آخری الفاظ بھی یاد دلاؤں گا جو حسن ع سے کی گئی تھی کہ "تجھے کتاب اللہ کی تعلیم دوں ...... اس کی تاویل پر عبور کرا دوں ...... اس تعلیم کے غیر کی طرف تجھے تجاوز نہ کرنے دوں ...... مبادا تجھ پر وہ علوم و معارف مشتبہ ہو جائیں جن میں لوگوں نے اپنی نفسانی خواہشوں اور فاسد رایوں کے سبب سے اختلاف کیا ہے۔"

متذکرہ صدر خیالات اس لئے پیش کئے گئے ہیں کہ ایسا نہ تھا کہ نفس اسلام میں تغیر ہوا ہو اور حضرت علی علیہ السلام نے اس پر توجہ نہ کی ہو۔ ورنہ اگر اسلام وہی اسلام ہوتا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ گئے تھے اور اس کی اسپرٹ میں کوئی تغیر نہ ہوا ہوتا تو نہ حضرت علی علیہ السلام کو آہ سرد بھرنے نہ اپنے آخری وقت ایسی باعزیمت وصیت کی ضرورت تھی۔

میں نے رسول ص کی تعمیری مصلحت کے انہدام یا اسباب زوال میں ناظر کا زیادہ وقت لیا اس سے زیادہ جس قدر میں اس وقت ضرورت سمجھا تھا۔ لیکن اس سے بہت کم جس قدر چاہیئے تھا۔ بحث اس قدر دلچسپ ہے۔ جس پر طلبائے تاریخ کو اپنی محنتوں کی داد مل سکتی ہے کون ایسا مسلمان ہے جو اسباب عروج وزوال اسلام پر غور اور توجہ کی نظر نہ ڈالے گا۔

علی امیدوار نہ بنے

میں اپنے ریویو میں رحلت رسول ص تک پہنچا تھا ایک درمیانی مسئلے نے مجھے کئی شالوں تک پہنچا دیا۔ مشکل وقت تھا علی ع کے لئے، ایسی ناکامیوں کے زمانے میں جبکہ رسول اللہ کے بعد خود خلیفہ نہ ہونے اور دوسرے کے صاحب اختیار ہو جانے سے ہو سکتی تھیں، جیسے ایک زبردست امیدوار کو کمزور کر دینے اور بھلا دینے کا سب سے پہلا خیال ہونا تعجب خیز نہ تھا۔ علی ع کا وہ سمجھتے ہوئے قدم اٹھانا جس نے آخر میں ایک شان پیدا کر دی اس وقت جائز حوصلوں کو دبانا۔ اسلام اور انسانیت کا خیال کرنا۔ پختہ امید کو ترک اور چپ ہو جانا

انہیں بہت بڑا دکھاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ ایک فوری اور دفعتہً چوٹ نے حضرت علیؑ کے صبر کو اپنے سے زیادہ پُر قوت پایا۔ حضرت علیؑ تیار نہ تھے۔ مطلق خیال نہ تھا کہ ہم پر اور ہمارے حقوق پر کاری ضرب لگائی جائے گی۔ لیکن دل ایسی کل باتوں کے لئے تیار تھا جن سے مقابلہ ہوا اور دشواریاں انہیں ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح بے جنبش دیکھیں۔ ان کا یہ استقلال احد اور حنین سے کہیں زیادہ قابل تعریف تھا۔

علیؑ نے حق کا دعویٰ کیا

علیؑ کے رجز اور ان کی مردانہ شان اس قدر عام اور زبان زد ہے۔ جس پر توجہ دلانا مجھے اس وقت ضروری نہیں ہے۔ حضرت علیؑ کے رجز کا نام لینے سے اس وقت میری غرض یہ ہے کہ میں وہ وقت یاد دلاؤں کہ حضرت علیؑ غالباً تنہا بغیر کسی قسم کے ہتھیار کے ہزاروں ایسے مسلح لوگوں کے حلقے اور تلواروں کے سایہ میں ہیں جو خلیفہ کے خوش کر دینے کے لئے سب کچھ کر سکتے تھے۔ بیعت کے انکار پر یہ سمجھنا کہ ہم قتل کئے جائیں گے، بڑی تیز فہمی نہ تھی۔ جیسا علیؑ کے ایسے سوال پر ابن خطاب نے ظاہر کرنے کا موقع بھی پایا تھا لیکن اس وقت حضرت علیؑ کا یادگار اور فنا نہ ہونے والا یہ رجز تھا کہ "میں اس امر کا تم لوگوں سے زیادہ سزاوار ہوں، میں تم لوگوں کی بیعت نہ کروں گا۔ تم لوگوں کو میری بیعت کرنی چاہیے"، اس نے ان لوگوں کے حقوق کو جو وقت پاکر علیؑ اور رسول اللہ کے درمیان آنا مناسب سمجھتے تھے ابدالآباد تک کے لئے کمزور کر دیا۔ کب اس میں اخلاقی یا قانونی قوت تھی کہ علیؑ کی اس حالت اور لفظوں کے بعد اس میں جان پائی جانے کی امید کی جاتی۔ چل گئی اس وقت تک جب تک کہ روم اور فارس کی سلطنتوں کے زیر و زبر کر دینے یا مانعین زکوٰۃ کو ذبح کر دینے میں عوام الناس کی توجہ بھٹکی رہی۔ بہرحال حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اظہار حقوق میں کسی طرح کمی نہ کی۔ خود صاحب اختیار لوگوں نے انکار نہ کیا بلکہ الزام قبول کرنے کے بعد صرف یہ خواہش کی کہ جو صورت پیدا ہو گئی تم بھی اس کا ساتھ دو۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس صورت کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ یہ سوچنا ناممکن ہے کہ لوگ اس سے بے خبر ہوں کہ علیؑ کے ساتھ بے انصافی کی گئی۔ ایسے مجمع میں جہاں آپس کے مفادات لڑ رہے تھے۔ حضرت علیؑ کی سفارش کی جاتی ایک دور کے دیکھنے والے سے حضرت علیؑ کے متعلق بہت کچھ کہتی ہے۔

میرے خیال میں اگر آج دنیا میں وہ قرآن موجود ہوتا جو حضرت علیؑ نے اپنی گوشہ نشینی کے زمانے میں جمع کیا تھا تو علاوہ اور فوائد کے قرآن کے متعلق اہل یورپ کے عدم ترتیب کی شکایت سننے میں نہ آتی۔

ذاتی حقوق کی چشم پوشی مفید صلاح سے باز نہ رکھتی تھی

خلیفۂ ثانی کے زمانے کے فتوحات میں وہ دونوں زمانے جس میں رومی و ایرانی سخت لڑائیوں کے لئے آمادہ ہو گئے تھے یا جس پر شام اور ایران کی قسمت کا فیصلہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے قبضہ میں جاتی یا

قدیم حکومتوں کے زیر اثر رہتی۔ بہترین توجہ کے قابل ہے کہ مسلمانوں کے انتشار کے عالم میں حضرت علی علیہ السّلام نے کمال دیانت اور ہمدردی اسلام سے کیسی پختہ صلاح دی۔ جس پر خوش نصیبی سے عمل بھی کیا گیا اور بالنسبہ مسلمانوں کے نام گرامی مقبوضہ ممالک میں امن و امان قائم رہا۔ مفتوحہ موجبات قبضہ میں رہے۔ تخلیہ کی ذلت اور خوف جاتا رہا۔ آئندہ کے لیے راہ کھل گئی۔ نیز بقول سید امیر علی صاحب جو وہ اپنی تاریخ اسلام میں فرماتے ہیں:۔" حضرت عمر نے جو بے شمار رفاہ عام کے کام کئے، سب کے سب حضرت علیؑ کی صلاح و مشورہ سے کئے گئے۔"

اسلامی سنہ پر بھی بجز علیؑ کے دوسرے کا احسان نہیں ہے۔

اگرچہ خلیفہ چننے والی جماعت کو سن کر حضرت علیؑ اپنے خلیفہ نہ ہونے کی پیشین گوئی کر چکے تھے مگر پھر بھی ان وجوہات سے تشریف لے گئے۔ جنہیں ہم زمانہ عثمان میں بیان کر چکے ہیں۔ معاملہ علیؑ اور عوام میں نہ تھا بلکہ کچھ لوگ تھے جو علیؑ اور عوام ایک طرف اور حضرت علیؑ اور خلافت کے درمیان دوسری طرف حائل تھے۔ حضرت علیؑ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے، نہیں ہوئے علیؑ نے اپنے حقوق کے دعوے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث غالباً کسی قدر جوش کے ساتھ بیان کیں۔ سب نے سن لیا اس وقت کے خلیفہ گر یعنی عبدالرحمٰن ابن عوف نے اقرار کیا۔ اقرار نہ کرنا ان لوگوں میں ایک جوش پیدا کر دیتا۔ جن سے حضرت علیؑ تصدیق چاہتے اور اس کے بعد جاننے والوں کا فرض ہوتا کہ چپ نہ رہتے۔ یہ مصلحت کے خلاف اور مضر ہوتا۔

خلافت ثالث میں حضرت علیؑ کو پہلا موقع ملا کہ وہ ایک بے گناہ مقتول کے قصاص کے لئے اسلام کا منصفانہ قانون یاد دلاتے۔ جیسا کہ اس کے قبل اور بعد انہوں نے اکثر خون ناحق اور خلاف قانون قتل سے لوگوں کو بچا چکے تھے۔ جس کی خلاف ورزی کا نتیجہ یہ تھا کہ طبائع پر سے انصاف کی قوت زائل ہو جاتی اور غیر مفید اثر پیدا کرتی۔

میں دوبارہ حضرت علیؑ کی اس تقریر کو یاد دلاؤں گا جو مشایعت ابوذر کے وقت تھی اس تقریر میں اس وقت کی سیاست کی صورت اور ایک تنہا ستم رسیدہ سچے کی طرح علیؑ کی ہمدردی ہے

اصلاح کی سعی

زمانہ عثمان میں حضرت علیؑ کی اصلاحی کوششیں نہایت وسیع فوائد پیدا کرنے کی صلاحیت سے پُر تھیں۔ جہاں وہ چاہتے تھے کہ حکومت کی قابل اعتراض باتیں رفع ہو جائیں۔ وہاں ان کی یہ غرض بھی تھی کہ عامۃ الناس کے خیال اور اس کی قوت پر نظر کی جائے۔ درانحالیکہ ان کا خیال اور اس کی قوت کی بنا کوئی غلط آزادانہ جوش نہ تھا بلکہ سچ مچ ایسا تھا کہ اس کا پیدا نہ ہونا قوم کی بہت سی اچھی صفتوں سے معرا ہونے کا اعلان کرتا۔ وہ بے جان، بے تمیز اور تعجب خیز حد تک بے حس سمجھی جاتی۔ حضرت علیؑ کا دل پسند تصفیہ آپس کے تعلقات کو اس طرح مضبوط کرتا کہ قوم کی خوبیاں مضبوط ہو چکی ہوتیں اور سلطنت مضبوطی اور انصاف پسندانہ طریقہ کی طرف حرکت کرتی اور موقع نہ آتا جو آیا اور

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہانہ ڈھونڈھنے والوں کو اپنی خواہشیں پوری کرنے کا وسیلہ ہاتھ آیا۔ مسلمانوں اور اسلام کا خون دریا کی طرح بہنے لگا۔ حضرت علیؑ کی صلاح کو منظور نہ کرنا بجز خودغرضی کے اور کچھ سمجھنے پر روشنی نہیں ڈالتا۔ حضرت علیؑ کے اس بڑے احسان اور بڑے احسان کی کریم النفسانہ کوشش کی طرف سے منہ پھیر لیا گیا۔

اب علی کیوں انکار کرتے تھے

معجزہ ہوا۔ علیؑ خلیفہ ہو گئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا خلیفہ ہونا تو ایک طبعی بات ہوتی۔ اتنی مدت کے بعد یوں خلیفہ ہو جانا علیؑ کے تربیت یافتہ نفس کی جمی ہوئی عظمت کا معجزہ تھا۔ ہم تفصیل سے دکھلا چکے ہیں کہ حضرت علیؑ کس حالت میں خلیفہ ہوئے۔ اس وقت حضرت علیؑ اپنے مؤقف کو کیسا دیکھتے تھے۔ سات روز تک والے انکار کی یہی کنجی ہے۔ اب مرض لاعلاج ہو گیا تھا۔ ہمت کی۔ میں اپنا فقرہ یاد دلاتا ہوں کہ "ناکامی کو کامیابی سے بدل دینے کے لئے آمادہ ہونا بڑی جرأت تھی۔ طبیعتیں، خیالات، عادتیں مسخ ہو چکی تھیں۔ ان خصائل کو پھر بنانا تھا۔ جس کی رسولؐ تربیت کرتے تھے۔ رسول اللہ کے بعد کام آسان ہوتا۔ اتنی مدت کے بعد بہت مشکل ہو گیا۔ پھر بھی حضرت علیؑ نے اپنی ہمدردی اور تنہا ہمت کی داد پائی حضرت علیؑ کی کوششیں بار آور نظر آنے لگی تھیں۔ طبائع میں معجزنما تغیر ہونے لگا تھا۔ دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہوتا رسولؐ اللہ کی حکومت پھر سے قائم ہوتی۔ لیکن افسوس کہ اپنی فوج کے چند قوت دار مخالفین اور زیادہ تر حصہ کی ناسمجھی نے سب کوششیں خاک میں ملا دیں۔ اسلام کی یہ بہت بڑی فتح سب سے بڑی شکست سے بدل دی گئی۔ حضرت علیؑ کی ذات سے پھر امیدیں تھیں۔ لیکن ان آخری امیدوں کو زہر آلود خنجر سے ذبح کر دیا۔

میرے کان میں خلافت قبول کرنے کے وقت کے ان الفاظ کی صدا گونج رہی ہے کہ "ہم ایسے امر کی طرف رخ کر رہے ہیں جس کی مختلف صورتیں ہیں۔ جس کے مختلف رنگ ہیں۔ حالانکہ دل اس کے لئے قائم نہیں ہوئے اور عقلیں اور رائیں اس پر ثابت و قائم نہیں ہوئیں۔ ابر جہالت آفاق پر چھایا ہوا ہے اور شاہراہیں متروک اور ناپید ہو گئیں۔ خوب جان لو اگر میں تمہاری التماس قبول کروں اور تم سے بیعت لے لوں تو تمہیں احکام خداوندی کا پابند بناؤں گا۔ جنہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ گویا خلافت کی پہلی تقریر تھی اگرچہ اس وقت تک خلیفہ ہونا منظور نہ فرمایا تھا بلکہ خلافت قبول کرنے کے شرائط بیان کر رہے تھے۔ لیکن چونکہ لوگوں نے معمول سے زیادہ افراط کی حد تک اصرار کیا اور حضرت علیؑ نے ان کی گذارش منظور کی اس لئے اسے خلافت کی پہلی تقریر کہنا قابل اعتراض نہیں ہے۔

تغیرات کا مطالعہ

مجھے اب اس وضاحت کی غالباً ضرورت باقی نہیں ہے کہ وہ امر جس کی طرف لوگ اور علیؑ رخ کر رہے تھے وہ خلافت رسول تھی جسے حضرت علیؑ اس امر کی مختلف صورتیں اور مختلف رنگ کہتے ہیں

اس سے یہ سمجھنا ہوگا کہ حضرت علیؑ نے اس منصب کے مختلف تغیرات کا کس قدر قریب سے مطالعہ کیا تھا۔ ایک وقت تھا کہ رسولؐ اللہ حاکم تھے۔ اور لوگ ان کے طرزِ عمل کی تقلید کرتے تھے۔ بلا اعتراض، بلاشبہ اطاعت کرتے تھے۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ ہم اس اطاعت میں خدا اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کر رہے ہیں۔ ہماری طرح اطاعت کرنے والے ہمارے دینی بھائی ہیں۔ کسی کو ہمارے فعل پر جب تک کہ ہم ہادی کے احکام کے موافق عمل کر رہے ہیں، کوئی اعتراض نہیں ہے۔ قوم کی قوم ایک طرح چل رہی ہے اسے ان عادات، خیالات اور عمل کے حاصل کرنے پر فخر ہے جو اسے بتائے جاتے ہیں اسے اعتراض کی جرأت نہیں ہے۔ اعتراض کرنا اپنے کو لوگوں کی نگاہوں میں مخلصانہ حیثیت سے گرا دینا ہے۔ یہ سمجھانا ہے کہ نہ رسولؐ اللہ کے حکم کی باریکی سمجھنے کی قابلیت تھی اور نہ پُرسکون عمل کا یقین۔ رسولؐ اللہ کا ہر لفظ مقدس قانون تھا۔ آئندہ کے لئے ہدایت تھی۔ جس پر ابدالآباد تک مسلمانوں کو عمل کرنا تھا۔ قوم کو رسولؐ اللہ کی عقل، انصاف اور حکم کی عمدگی پر اعتبار تھا بلکہ اعتبار سے بھی کچھ زیادہ تھا۔

رسولؐ اللہ کے بعد کے تغیرات میں اخلاقی قانون یا معاشرتی کوئی قوت نہ تھی۔ اس مرکز در رسولؐ اللہ کی جگہ جس میں انتہائی وزن تھا۔ اب ایک ایسا شخص دکھائی دینے لگا، جسے گزشتہ وزن سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ اس کی قوت حاصل ہونے کا پہلا اتفاق اس کی نسبت اخلاقی، قانونی اور معاشرتی اثر کو اور بھی ہلکا کر رہا تھا۔ لوگوں میں ایسے ہی اتفاق بار بار پیدا ہونے کا مشتاق ہونا فطری امر تھا۔ انہیں صاحب اختیار شخص کی ان کمزوریوں کا طبعی اقرار تھا، لیکن صاحب اختیار ہو جانے کا ظاہری اقرار۔ یہ حالتیں بجائے اس کے کہ خصائل میں پرانے اثر کا وزن قائم رہنے دیتیں، بہت کچھ موجودہ چھپی ہوئی کمزوریوں کے نمود کی طرف ابھار رہی تھیں۔ آپس کے مفادات پر دونوں کا سمجھوتہ ایسا نہ تھا جس پر کسی اقرار نامہ کے لکھنے کی ضرورت ہوتی۔ جنگ گاہ میں بغیر مشورہ کام نہ کئے جانے اور وزارت کا اقرار کافی فراخ، حوصلگی اور فیاضی سے کیا گیا تھا۔ اپنا اپنا موقف دونوں جانتے تھے۔ اس آب و ہوا میں بسر کرنا صحت کردار کے فوائد سے بہت کچھ دور لے جاتا ہے اور لے گیا۔ مثالیں لکھی جا چکیں۔ اب گویا طبیعت ایک دوسری آب و ہوا میں پرورش پانے لگی۔ لوگوں اور حضرت علیؑ کے بیچ میں آرزوئیں پوری کرنے کی چیزیں پھیلا دی گئیں، حائل کر دی گئیں۔

دورِ ثانی میں جو کچھ ہوا اس میں اگرچہ مانعین زکوٰۃ کے قتل عام کی سی شکایت پھر نہیں ہوئی جس کی مخالفت کرنا ہر مسلمان کا اسلامی فرض ہے لیکن دنیا جانتی ہے کہ دورِ اول حضرت عمر کی قوت سیاست سے بہت متاثر تھا۔ درانحالیکہ اس واقعہ جانگزا کے متعلق بھی حضرت عمر کا یہ تصفیہ ہم تک پہنچا ہے کہ "دیکھا میں نے کھول دیا اللہ نے سینۂ ابوبکر کا قتال کے لئے پس جانا میں نے کہ یہی حق ہے"، نیز تاریخ ان آثار سے خالی نہیں ہے کہ انہوں نے غیر عرب مسلمین کے ساتھ اخوت اسلامی کا مساویانہ برتاؤ جاری نہ رکھا۔ یہ ملکی اور مذہبی اثر کے لئے جس قدر مضرت رساں تھا اس کے سمجھانے کے لئے زیادہ کوشش کی ضرورت نہیں ہے۔ خود اپنے زمانہ میں شعائر اللہ (حجر اسود) کے متعلق حضرت عمر نے جو خیال ظاہر کئے وہ اختیار تمیزی کے عمدہ مصرف

کا خیال نہیں دلاتے بلکہ ہم اگر ان کے مؤیدین کے خیال کے موافق تاویلیں قبول ہی کر لیں تو ہم ان سے کمی احتیاط کا الزام اٹھتا ہوا نہیں دیکھتے اس کے علاوہ جناب امیرؑ کا یہ کہنا کہ ”ہر اہل نااہل دینی اور دنیاوی امور میں رائے زنی کرنے لگا“ اس وقت کے دینی امورات کی قدیمی حالت کا اندازہ کراتا ہے۔ ان لوگوں کی رائے دینے کی ضرورت اور اختیار جو اہل نہیں ہے۔ دین کی حالت میں جس قدر مضر ہیں، قبول کرنے کے وقت ویسے ہی مضر ہیں اور ان کی رائے دینے کے بعد قبول کئے جانے پر ویسی ہی نامقبول تحریک کے باعث ہوتے ہیں۔ ان سب باتوں کے اثر کو حضرت علیؑ کے ان لفظوں میں تلاش کیجئے کہ ”ایسے طبیعت والے شخص کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو کبھی بوجھ نہ اٹھانے والے اونٹ پر سوار ہو۔ اگر یہ سوار اس کی مہار کھینچتا ہے تو ناک پارہ پارہ ہوتی ہے اگر چھوڑتا ہے تو خود گرنے کا خوف ہے..... لوگ خبط میں مبتلا ہو گئے ...... متلون مزاجیاں دامنگیر ہو گئیں۔ اعتراضوں کی بوچھاڑ ہونے لگی“، کوئی اسے اس حیثیت سے مانے یا نہ مانے لیکن شاید ان لفظوں اور خیال کے علاوہ اس خوب صورتی سے نقشہ دکھانا میرے خیال میں اگر ناممکن نہیں ہے تو مشکل ضرور ہے۔ سمجھنے والے کے لئے یہ خیالات نہایت ہی مفید اور زبردست کنایہ ہیں خصوصاً جبکہ یہ حضرت علیؑ کے خیالات ہیں۔

دور ثالث کی فیاضانہ بے احتیاطی اس شخص کے لئے تعجب خیز نہیں ہے جو یہ خیال کر سکتا ہے کہ انہیں گزشتہ دو زمانوں کے بعد حکومت کرنا تھا۔ انہیں اشارہ مل چکا تھا لیکن وہ یہ کھیل کھیل رہے تھے جس کے کھیلنے کی ان میں گزشتہ دو خلفاء کی سی بھی قابلیت نہ تھی۔ خلیفہ ثانی اگر عرب وعجم مسلمانوں میں فرق کر سکتے تھے تو خلیفہ ثالث بنی امیہ اور عامہ مسلمین میں کیوں نہ یہی فرق کرتے اور اس کے بعد حضرت علیؑ کے اسلامی مساوات کی مصلحت پر عود کرنے سے فائدہ اٹھانے والے کیوں ناخوش نہ ہوتے؟

مثالی اُمّت بنانے کی سعی

اس قدر تغیرات اصول کے بعد جن کا قومی خصائل پر اثر پڑ چکا تھا اور اب رنگ میں کافی شوخی آگئی تھی۔ حضرت علیؑ سے درخواست کی جا رہی تھی کہ آپ ہماری دینی اور دنیاوی امارت قبول کیجئے اور حضرت علیؑ کہہ رہے ہیں کہ ”ہم ایسے امر کی طرف رُخ کر رہے ہیں کہ جس کی مختلف صورتیں اور رنگ ہیں“ ”تم ہم سے کہتے ہو کہ ہم تمہیں چلائیں لیکن تمہاری عقلیں اور رائیں اس پر ثابت و قائم نہیں ہوئیں“ ”تم سمجھتے ہو کہ مجھے خلیفہ بنانے کے بعد تم اپنے اوپر کونسی ذمہ داریاں واجب کر رہے ہو۔ تم نے اندازہ نہیں کیا ہے کہ میری ماتحتی میں تم کس طرح چلو گے۔ تم نے یہ طے نہیں کر لیا کہ بہر حال ہم ہر حکم اور مصلحت کا ساتھ دیں گے بشرطیکہ وہ خلاف ملک وملت نہ ہو۔ اگرچہ ہمارے ذاتی فوائد کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچتا ہو۔ تم نے مجھے خلیفہ بنانے کا حتمی ارادہ ظاہر کیا۔ جو تمہارے متواتر اصرار سے ظاہر ہے لیکن اس سے مجھے اطمینان نہیں ہے کہ تم مجھے خلیفہ بنا کر میرے عادلانہ برتاؤ اور کھردری روش پر چلنا خوشگوار سمجھو گے تم اس وقت مجھے خلافت قبول کرنے کے لئے ضد کر رہے ہو جس وقت کہ ”ابر جہالت آفاق پر چھایا ہوا ہے اور شاہراہیں متروک اور ناپید ہو گئیں۔

تم اس طرح چلائے گئے ہو جس طرح چلانا حکومت نے اپنی مصلحت کے مناسب سمجھا۔ تم نے اصلیت اور حقیقت روش پر غور نہیں کیا۔ تم غافل رہے تم سمجھائے گئے تھے کہ تمھاری غافلانہ روش ملک اور تمھارے دونوں کے لئے مفید ہے۔ ذاتی مفادات نے تمھاری نگاہوں میں غفلت کو واقفیت اور حق روی پر ترجیح دے دی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "شاہراہیں متروک اور ناپید ہوگئیں" شاہراہیں، اسلام کے اصول اور اصول کی طبعی روش پر چلنے کا سلسلہ جاتا رہا۔ کچھ دنوں تک تو تمھیں راستہ یاد رہا اگر چہ تم اس پہ چلتے نہ تھے اور اس طرح تغافل نے نہ یاد رکھنے کی ضرورت مدنظر رکھی اور نہ شاہراہ کے آثار باقی رہے۔ ناپید ہوگئیں دماغوں سے اس فطری اور طبعی راہ کا نقشہ مٹ گیا۔ عمل سے بعد ہو جانا اور دوسری روش کی عادت ہو جانا پہلی روش کا ناپید ہونا ہے۔

تم نے مجھے اتنے زمانہ کے بعد یاد تو کیا لیکن تمھارا اس وقت مجھے یاد کرنا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے بلکہ ان پیچ در پیچ تغیرات میں میرا خلافت کو قبول کرنا جس سے تمھاری نگہداشت ہو سکے، تمھارے اوپر احسان کرنا ہے۔ ایک زمانے کے بعد تمھیں چونکنے کی فرصت ملی، تم نے دیکھا کہ ملک کے خود غرض حاکم تمھاری توہین کرتے تھے۔ تمھاری فریاد پر کان بند کر لیتے تھے۔ تمھاری عرضداشتوں کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہ تھی تم دیکھ رہے تھے کہ ملک کی آب و ہوا ایسی ہوگئی تھی کہ تمھیں صالح اور سلیم فطرت نادر معلوم ہونے لگی تھی۔ تم کو یاس ہوگئی تھی کہ کوئی ایسا شخص بھی خلافت رسولؐ کا عنان گیر ہو سکتا ہے جو خلافت رسولؐ کو خلافت رسولؐ کے لئے چلائے نہ اسے حکومت کرنے کا شوق ہو نہ دوسرے ایسے ہی جذبہ والے امید میں اسے سنبھالتے ہوں نہ وہ ایسی جماعتیں پیدا کرتا ہو جو اسے اپنی جگہ قائم رہنے میں مدد دیں اور یہ جماعتیں اس چاپلوسی کے صلے میں بمقابلہ عامۂ مسلمین انصاف سے مطلق العنان بننے کی خواہشمند ہوں ان کے خود غرضانہ راز آپس میں محدود رہیں اور تم کو مساوات اسلامی سے ہٹ کر اس قدر امید کرنے کی گنجائش ہو جس قدر حامیان خلافت کی پس اندازی تمھیں دکھائے۔ حالانکہ نہ پہچاننے والی تلوار کی باڑھ پر تم رکھے جاؤ۔ نیزے کی چمکتی ہوئی انی کی قدر دانی کے لئے تمھارے دلوں سے استغاثہ کیا جائے اس وقت ان سب خوفناک مناظر میں اگر تمھیں کسی کی قدر تھی تو اعتبار کی۔ پچیس برس قبل ایک زمانہ تھا کہ رسول اللہؐ مجھ پر سب سے زیادہ اعتبار کیا کرتے تھے۔ کیسا ہی راز ہو لیکن رازداری کے لئے مجھے اس سے زیادہ پاتے تھے۔ تم دیکھتے تھے، جانتے تھے۔ ادھر پچیس برس کا زمانہ گزرا ہے جس میں میرا اعتبار ملکی مصالح اور تجاہل میں دفن پڑا تھا یہ پہلا موقع ہے کہ تم ایک قابل اعتبار شخص تلاش کرنے خود کھڑے ہوئے ہو۔ تمھیں خواہ مخواہ میں یاد آیا۔ میں تمھیں واپس کرتا تھا مگر تم پھر اس طرح آتے تھے کہ گویا تمھیں پہلی درخواست کے بعد اب اور زیادہ اعتبار ہو گیا تھا۔ اعتبار بڑھتا جاتا تھا اگر چہ میں گوشہ نشین ہوں۔ تمھارے معاملات میں بہت کم دخل دیتا ہوں لیکن اس شورش اور انقلاب طبیعت میں اگر چہ تم ہر وقت بہت سی صورتیں دیکھتے ہو لیکن گویا تمھارے دماغ میں میرے سوا کسی کی صورت ہی نہیں بنتی۔ ہر وقت کی دکھائی دینے والی صورتیں تمھارے ذہن سے خارج ہوگئی ہیں۔ ضرورت اور اعتبار کے وقت صرف میرے لئے مداخلت کی جگہ ہے۔

کوئی کمزور طبیعت شخص اور خوشی کے موقع پر حواس باختہ اس عالم میں لڑھکتا پھرتا لیکن میں تمہاری کمزوریوں کو جانتا ہوں۔ میں خیال کرسکتا ہوں کہ وہی تم جو مجھ پر اعتبار کر رہے ہو۔ پھر ویسے ہی غافل ہو جا سکتے ہو، جیسے اس سے قبل تھے۔ اس وقت جس دل سے تم آئے ہو اس وقت بدل جا سکتے ہو۔ جس وقت میں اپنی ذمہ داریاں تم پر نافذ کروں گا۔ تم اس خشک کھردری راہ پر چلنے میں ہر قدم پر لڑکھڑاؤ گے تاوقتیکہ تم دوبارہ اس کے خوگر نہ بنائے جاؤ۔ تم اس مخلصانہ روش کو ایسی بھیانک نگاہ سے دیکھو گے کہ گویا میں تمہیں تمہارے نقصان کے لئے لئے جا رہا ہوں۔ تم ناسمجھی سے اعتراض کرو گے اور مطلق نہ سمجھو گے کہ میں مساوات، انصاف اور حق پرستی سے تمہیں خدا کی مثالی رعایا بنا دوں گا۔ تم سے اسلام ظاہر ہو گا۔ تمہاری اخوت، صلح پسندی، بے غرضی اور ادائے فرائض کے بعد دنیا سے دل برداشتگی کی مثالیں دی جائیں گی۔ تم ایک فوری فائدہ کی طرف منہ کے بل گرو گے۔ میری بچانے والی آواز پر تم غراؤ گے اور یہ نہ سمجھو گے کہ تمہیں معتدل دینی اور دنیاوی فائدے کی طرف لے کر چلتا ہوں اور میری غرض یہ ہے کہ پھر تم کمزوریوں کی طرف رخ ہی نہ کرو۔ تمھاری فطرت میں وہ اصول جاگزیں ہو جائیں، جنہیں میں سکھاؤں اور چلاؤں تم دیکھنے دکھانے کے آدمی نہ ہو بلکہ تمہیں دیکھ کر یہ خیال پیدا ہو کہ تم سے خدا کے رسولؐ اور اس کے خلیفہ کی تعلیم اور روش ظاہر ہے۔

میرے استاد نے یہی کیا تھا۔ دنیا میں اس کی پہلی مثال اور خدا کی حکومت کا نمونہ تمہیں دکھا دیا تھا۔ بہت مشکل کام تھا۔ میں اسی کا شاگرد ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کام درمیانی تعطل سے کس قدر مشکل ہو گیا ہے لیکن میں ہمت نہیں ہارتا۔ تمہاری فریاد سنتا ہوں، اپنے کو ذمہ دار سمجھتا ہوں کہ استغاثہ رد نہ کروں جب کہ مدد کرنا میرے امکان میں ہے لیکن خوب جان لو کہ اگر میں تمہاری التماس قبول کروں اور تم سے بیعت لے لوں تو تمہیں احکام خداوندی کا پابند بناؤں گا جنہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں"

کوئی اس وقت کی مشکلات کا اندازہ کرے یا نہ کرے لیکن مجھے اس وقت جب کہ "حق اپنے مرکز میں آ گیا تھا" ذمہ داری قبول کرنے میں علیؑ کی بے چینی ان کے لہجے سے صاف ظاہر معلوم ہوتی ہے میں سب سے آخری شخص ہوں گا جسے یہ یقین ہو سکے کہ علیؑ نے کامیابی کے یقین کے ساتھ خلافت قبول کی تھی۔ مجھے بجز علیؑ کے کوئی دوسرا نہیں سمجھا سکتا کہ اس عالم کی مصوری اور مشروط خیالات کے کوئی اور معنی بجز بلیش افتادہ مشکلات کے تھے لیکن حضرت علیؑ کو امید تھی اور اس امید کے ساتھ عزیمت تھی۔ بے مثال عزیمت میں تصفیہ کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ ان دو مشکل وقتوں میں کسے زیادہ اہم کہوں۔ ایک جس وقت احد کے میدان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اکیلے ہیں۔ ہر طرف سے حملہ ہے اور ایک علیؑ انہیں بچانے کے لئے سینہ سپر ہیں اور محفوظ کرنے کے لئے پہاڑ پر چڑھتے ہیں۔ ایک اس وقت جب کہ حوصلہ مند مسلمانوں کا خلافت اور حدود اسلام پر ہر طرف سے حملہ ہے اور حضرت علیؑ جان توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ شاید ہی کسی مقصد کے لئے کسی کے مجاہدے کی تاریخ ایسی پر ہیبت عظیم الشان ہو؟ کیوں کہ حضرت علیؑ کو دشواریوں کا سامنا نہ ہوتا۔ جب یہ ہو چکا تھا کہ ایک غیر مستحق نے ایک کے حق اور منصب

پر قبضہ کیا بغیر اس کے کہ اس کے پاس ایسا کرنے کی کوئی مخصوص وجہ ہوتی۔ یہ فعل دوسروں کے لئے ایک مثال تھا۔ وہ کیوں کر روکے جا سکتے تھے۔ خصوصاً اس کے ہاتھوں جس نے ایسا کیا اور اس کے خلیفہ ہونے کی جو دلیل ہے یہی دوسروں کی بے لگام خواہش کی بھی دلیل ہے۔ اب ایسا شخص ضرور سمجھتا ہوگا کہ دوسروں کو روکنے کے لئے کچھ ذرائع استعمال میں لاتا۔ جس سے اپنے فعل کا جواز ہوتا اور دوسروں کو روکے رکھنے کا موقع ملنا ناممکن تھا کہ ان حالتوں میں ایسا شخص قانون کی ناقابل اعتراض تاویل کر سکتا۔

ان باتوں کے اشارہ کے بعد جو پیشتر گذر چکی تھیں اور جن کا حضرت علیؑ کو علم تھا اور وہ سوچ سکتے تھے کہ لوگ خوگر ہو جانے کے سبب سے مجھ سے بھی ایسی ہی رعایتوں کے خواستگار ہوں گے اب شاید میں نے حضرت علیؑ کے اس فقرے کو واضح کر دیا کہ "تمہیں احکام خداوندی کا پابند بناؤں گا جنہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں" غالباً ناظر "پابند بناؤں گا" اور "میں" کی قوت پر غور کر رہا ہے جس خیال کی تکمیل اس عبارت میں ہے کہ اس وقت میں کسی کہنے والے کے قول کی پرواہ نہ کروں گا۔ نہ لوم لائم اور نہ کسی عتاب کرنے والے کا خوف مجھے ہوگا اگر تم مجھے ترک کر دو گے تو اس وقت میں تمہیں میں ایک فرد ہوں" فرق غور کرنے کے قابل ہے۔ ایک صورت یہ تھی کہ ہم خلیفہ رہیں اور تم اپنی خواہشوں سے پر امید رہو۔ ہم تم ایک مناسب سمجھوتہ کریں گے لیکن حضرت علیؑ کی خلافت یہ ہے کہ جب میں تمہیں ان احکام کا پابند بناؤں گا۔ جنہیں میں جانتا ہوں اور جب میں دیکھوں گا کہ تم میری کاروش کے اختیار کرنے سے انحراف کرتے ہو تو یہ نہ ہوگا کہ میں اپنے جاننے اور احکام کو تمہارے انحراف کے موافق گڑھوں بلکہ میں اس وقت اپنے احکام کو لئے ہوئے خلافت سے دستبردار ہو کر تمہاری طرح ہو جاؤں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی ذمہ داری اس طرح ادا کروں جس طرح تم چاہو بلکہ اس طرح جس طرح میں جانتا ہوں۔ حضرت امیر المومنین کی بے نیازی پر غور کرنا ان کے ساتھ انصاف اور مقابلہ میں نتیجہ پر پہنچنے کا ذریعہ ہوگا۔ یہی حضرت علیؑ کی خلافت طلبی کا راز ہے اور اس کے بعد زمانہ خلافت میں طرز معیشت اس کا ثبوت کسی نے نہایت بے تکلف سچی بات کہی تھی علیؑ سے کہ "یا امیر المومنین آپ نے خلافت کو زینت دی لیکن خلافت نے آپ کو زینت نہیں دی۔ آپ نے اسے ممتاز کیا اس نے آپ کو ممتاز نہیں کیا۔ اسے آپ کی بڑی ضرورت تھی بہ نسبت اس کے کہ آپ کو اس کی ضرورت ہوتی"، میں اس شخص کی تیز بینی کے ساتھ علامہ سیوطی کا بھی شکر گزار ہوں۔ بےشک یہ کسی امیدوار انعام شاعر کا اسراف خیال نہ تھا بلکہ سچ تھا جو کسی کی زبان سے جاری ہو گیا تھا۔ ایسا سچ جس سے نسبت دی جانے کے تا جہوش سروں میں آرزو ہونا بھی انہیں بڑا دکھائے گا۔

مثالی اقدام

جو کچھ میں تغیر مصالح کے متعلق اوپر کہہ آیا ہوں اس کی بہت واضح مثال طلحہ و زبیر کی اس شکایت سے ملتی ہے جو وہ مشورہ نہ کرنے کے بارے میں کرتے ہیں اور حضرت علیؑ اس کا ان لفظوں میں جواب دیتے ہیں "مجھے پیروی کتاب و سنت میں ہرگز احتیاج نہیں نہ میں تمہارے کسی غیر کی رائے کا محتاج ہوں کوئی حکم ایسا واقع نہیں ہوا جسے میں نہ جانتا ہوں اور اس کے بارے میں تم سے اور اپنے مسلمان بھائیوں سے مشورہ کروں اگر ایسا واقع ہوتا تو میں تم سے اور تمہارے غیر سے اس معاملے

میں کبھی روگردانی نہ کرتا۔ ہاں۔ یہ مساوات کے بارے میں جو تم ذکر کر رہے ہو تو یہ ایک ایسا امر ہے، جسے میں اور تم دونوں نے اس حکم کو پایا ہے۔ جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے تھے لہٰذا اس امر میں بھی مجھے تمہاری احتیاج نہیں جس کی تعلیم سے خداوند عالم حجت تمام کر چکا ہے" میں جانتا ہوں کہ طلحہ وزبیر اس جواب سے خوش نہ ہوئے ہوں گے۔ جیسے اس سوال کی علت سے خوش نہ ہوئے تھے۔ حضرت عثمان کے زمانہ کے بچے بچائے بیت المال کو جس وقت حضرت علیؑ نے تقسیم کیا تو عامۂ مسلمین کی طرح ان لوگوں کو بھی غالباً تین تین درہم دینے اکثر اصحاب کے پاس اس وقت کس قدر دولت تھی؟ اس کے سمجھنے کے لئے علامہ جرجی زیدان کی تمدن اسلام بہت مدد دے گی۔ اس فراوانی کے عالم میں تین درہم ہاتھ میں لیتے ہوئے انہیں دیکھنا سخت مضحکہ خیز عالم ہوگا اور یہ ایسے ناقابل برداشت ذلت سمجھتے ہوں گے کہ تقسیم بیت المال میں یہ عام مسلمانوں کے برابر ٹھہرائے گئے۔ انہیں اس سے مطلق تسکین نہ ہوئی ہوگی کہ حضرت علیؑ نے بھی اسی قدر لیا اور وہ بھی دوسرے کو دے دیا۔ آخر میں امتیاز کے خوگر نہ رہ سکے اور حضرت علیؑ سے ظاہر ہی کر دیا اور حضرت علیؑ نے وہ جواب دیا جو وہ بحیثیت سچے اور پورے پیرو رسولؐ کے دے سکتے تھے۔ جس میں انہیں مساوات کی روح اپنی اصلی شان میں قائم رکھنی تھی۔ دوبارہ تعمیر شروع ہوئی تھی۔ کیسے رہ سکتے طلحہ وزبیر جب کہ امتیاز اور حکومت کی امید نہ رہی تھی حضرت علیؑ کی اس تقریر میں کتاب وسنت کی واقفیت کا دعویٰ بہترین توجہ کے قابل ہے اس کے بعد یہ بھی کہہ دینا تیز فہم ناظر کے لئے شاید مناسب ہو کہ طلحہ وزبیر کے ایسے خواہشمند اور امیدوار امتیاز اشخاص کو بصرہ و کوفہ کی حکومت میں دے دینا جنہیں مساوات خوشگوار نہ تھی۔ حضرت علیؑ کا اپنے اصول حکومت سے خود ہی مخالفت کرنا تھا اور اس ناپسندیدہ طرز کو حکومت میں پیدا اور داخل کرنا تھا جس سے اپنی روش کے موافق عمل کرنے کی امید نہ تھی۔ تعمیر نو اور اسلام کی اصلی اسپرٹ کو قائم رکھنے کی دوسری کوشش یہ تھی کہ جس قدر دشمن انسانیت اور دشمن اسلام حاکم زمانۂ عثمان میں صوبجات پر مسلط ہو گئے تھے اپنی جگہ سے ہٹائے جاتے اس لئے کہ ظالم کو مسکینوں اور غریبوں کے مال کھانے کی اجازت نہ دی جائے اور مظلوم ظالم کے ستم سے بیگانہ رہے،، اخلاق کا انداز قوی ہو گیا تھا اور وہ لوگ جن کے ہونٹوں پر بیت المال کی روغنی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ سخت اینٹھن اور ناگوار تشنج کے عالم میں اپنی حکومتوں کو چھوڑ چھوڑ کر موقع تلاش کرنے لگے۔ خلافت رسولؐ اور علیؑ اس وقت ہم معنی تھے۔ عثمان کے عمال اور علیؑ ایک وقت میں خلیفہ اور عامل نہیں رہ سکتے تھے۔ اس سے اخذ نتائج میں مدد ملے گی کہ گزشتہ خلفاء کے زمانے میں کیوں حضرت علیؑ کہیں کے عامل نہیں ہو سکتے تھے۔ درانحالیکہ نہایت معمولی اور قابل اعتراض لوگ بھی عامل تھے اس کے بعد گزشتہ سیاست کے حامی ایک طرف اور حضرت علیؑ دوسری طرف دونوں کی مصلحتوں پر غور کرتے جاؤ۔ ہر ایک کی باتیں، معاملت اور عمل کو دیکھو تو تمہیں دیانت اور سچائی کے پالینے میں دقت نہ ہوگی جب کہ تم تعصب یا جاہلانہ عقیدت کے جوش میں کسی ایسی بات کے قائل نہ ہو جاؤ کہ چونکہ دکھائی دینے والے خلفاء نے معاویہ کو حاکم بنایا تھا اور چونکہ عبد اللہ ابن سعد ابن ابی سرح یا ولید ابن عقبہ وغیرہ حضرت عثمان کے حاکم بنائے ہوئے تھے اس لئے جس طرح خلیفہ ہونے سے

تمام دنیا کا خواہ مخواہ تقدس آجاتا ہے اسی طرح اس کے پسندیدہ شخص کی بھی تمام گزشتہ اور آئندہ برائیاں دھل جاتی ہیں ورنہ بات سمجھ میں آنے کی نہیں ہے کہ کیوں تم اپنے کو مسلمان کہہ کر اس بات کی خواہ مخواہ حمایت کرتے ہو۔ جسے ہر قوم کا آدمی معمولی توجہ میں بھی برا سمجھتا ہے اور جسے تم خود برا سمجھو اگر تمہاری یاد سے یہ محو ہو جائے کہ اس کا تعلق ان سے بھی ہے جنہیں تم نے اب تک الزام سے بری کرنے کی کوشش کی ہے اور کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ اس مصلحت کو ٹوٹے ہوئے صدیاں گزر گئیں اور اس بڑے ڈھانچے کے ٹکڑے یہ مختلف بیشمار فرقے ہیں جو ایک دوسرے پر آستین چڑھائے ہیں۔ میری دانست میں نزاعات رفع ہو سکتی ہیں اگر رسولؐ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا اسلام قبول کیا جائے۔ جس پر مجھے یقین ہے کہ کبھی تاریخ، انصاف، عقل اور اخلاق ملامت نہ کریں گے۔

طول ہوتا جاتا ہے، میرا تبصرے کے اختیار کی مصلحت کے فوت ہو جانے کا خوف ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اگر میں ان سب باتوں پر جو الکرار میں حضرت علیؑ سے تعلق رکھتی ہیں، تبصرہ کرنے کی اجازت پاؤں تو غالباً ایسی ہی ضخیم کتاب تیار ہو جائے اور اصل کتاب کا ضمیمہ ہو۔ تبصرے میں نمونہ پیش کر رہا ہوں اگر قوم اسے پسند کرے گی تو ایسی ہی مسلسل ریویو کا تیار کرا لینا مشکل نہ ہوگا۔ اس وقت مجھے خواہ مخواہ نہایت خاص شان اور خاصۂ طبیعت پر قناعت کرنی پڑے گی۔ میں بہ نسبت طوالت پسندوں کے مختصر پسندوں سے زیادہ ڈرتا ہوں اور ان کے منہ بنانے کی مجھے قدر ہے اگرچہ ایسے لوگ شاذ ہی کیوں نہ ہوں۔

اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اس پر ضرور غور کرو کہ حضرت علی علیہ السلام کے پہلے کس طرح خلیفہ ہوئے تھے اور انہوں نے کس طرح خلیفہ بنایا یا بنانا منظور کر لیا تھا اور ذوالعشیرہ یا تبوک یا غدیر کا خلیفہ کس طرح خلیفہ ہوا تھا اور اس نے کس استغنا سے خلافت قبول کی تھی۔ یہ مرقع نبض شناس طبیعت کے لیے نہایت موزوں ہے۔

قطع نظر اس سے کہ امیر المومنین نے اصحاب جمل سے رفع نزاع کے لیے کس قدر صلح پسندانہ گفتگو کی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد اپنے سپاہیوں کو دشمن کے مریض، عورتوں اور بھاگنے والوں یا بچوں پر رحم کرنے کی سب سے پہلی اور مخصوص نصیحت کی یا فتح کے بعد دشمن کے ساتھ کس لاجواب انسانیت کا برتاؤ کیا یا کس برداشت کے بعد کیسی تکلیف سے لڑائی شروع کی۔ کس کس طرح سمجھانے اور رفع شر کے ساعی رہے لیکن میں ہرگز اس انداز کلام اور ان فقرات کے خیال کو بھول نہیں سکتا جس سے

مصلحت اخلاق اور مذہب کی ہم آہنگی

سفیر الٰہی کا یہ تعجب خیز شاگرد اہل کوفہ یا اہل بصرہ کو طلب کرتا ہے یا جب آنے والوں کو مخاطب کرتا ہے نہایت آسان تھا کہ حضرت علیؑ ایسا قادر الکلام مقرر آنے والے اور سننے والوں میں اصحاب جمل کے متعلق جنگ کا جوش دلا دیتا۔ اگر یہ ایسا کرتا ان پر یہ الزام نہ لگتا کہ انہوں نے خلاف واقعہ جوش پیدا کیا لیکن ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ جہاں اہل دنیا خلاف واقعہ جوش پیدا کرتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام عین حق اور مظلوم ہونے کی حالت میں بھی ایسا نہیں کرتے بلکہ رحم دلی سے رفع شر کا خطبہ ادا فرماتے ہیں اور ہر شخص کو سمجھنے کا

موقع دیتے ہیں اگر اس کے معنی انصاف، کمال نیکی، انتہائی رفع شر، انتہائی کمال نفس نہیں ہیں تو کبھی انصاف، کمال نیکی، اور کمال نفس کا دنیا میں وجود ہی نہیں ہوا۔ اور اگر اس کو رفع شر نہیں کہتے تو دنیا میں کبھی بجز فساد کے امن کی صورت نہیں دکھائی دی اگر یہ حسن تصنع تھا تو ایسا جس پر ہزار اصلیتیں صدقے ہیں اور اگر یہ مصلحت ملکی تھی تو کبھی مصلحت اور اخلاق میں ایسی یکجہتی نہیں ہوئی یا مصلحت اور اخلاق کے لحن میں ایسی ہم آہنگی نہیں ہوئی۔ پھر اگر تمہیں کچھ شبہ ہو تو لڑائی شروع کرنے کے پہلے لشکر سے آخری خطاب پر غور کرو کبھی اس کھلے ہوئے سینے سے صلح کی حسرتوں کا ایسا مرثیہ نہیں کہا گیا اور کبھی میدان جنگ میں اپنے ایسے دشمنوں کی غربت اور پیاس پر کسی سپہ سالار نے ہمدردانہ تاسف نہیں کیا اور کبھی کسی سپہ سالار نے میدان جنگ میں یہ کہا کہ "سینے میں ہرگز کچھ بھی دنیا کی باتوں کا خیال نہیں" اور پھر میدان جنگ کے مقتول دشمنوں پر اس قدر رحم سے اظہار تاسف کیا۔ "ید اللہ" کہا جانا "شیر خدا" کا خطاب دیا جانا یا "سیف خدا" کے انعامی لقب سے مشہور ہو جانا اسی کے شایان تھا۔ بیشک خدا کی حکومت قائم کرنے کے لئے خدا کے خلیفہ فی الارض اور رسولؐ کا ایسا ہی سپہ سالار ہونا چاہیئے تھا۔ ایسا شجاع جس کے ہاتھ سے قتل ہونا شجاعان عرب فخر سمجھتے۔ شجاعت کی تعریفیں کرتے۔ تیری شان شجاعت ہے کہ جس پر شعر کہتی ہے تیرے مقتول دشمن کی بہن کی بیقراری حضرت علیؑ کے کارنامہ شجاعت نے ہمیشہ آنے والے زمانے کے لئے شجاعت کو ایک وسیع اور مفید مضمون بنا دیا۔

قاآنی کے بقول :۔

روز روشن خواجۂ ہر شیر مرد	شام تاری خادم ہر پیر زن

فردوسی کے الفاظ میں :۔

بگو کہ بود کہ شد فتح باب خیبر از و	برآمد از پئے اسلام صد ہزار انگشت

شمس تبریز :۔

آن شیر دلاور کہ برائے طمع نفس	برخوان جہاں پنجہ نیالود، علیؑ بود
آن شاہ سرافراز کہ اندر رہ اسلام	تا کار نشد راست نیاسود، علیؑ بود

اور جلال الدین معنوی :۔

از علی آموز اخلاص عمل	شیر حق را داں منزہ از خلل
در غزا بر پہلوانی دست یافت	زود شمشیری برآورد و شتافت
او خیو انداخت بر روئی علیؑ	افتخار ہر نبی و ہر ولی
در زمان انداخت شمشیر آں علیؑ	کرد او اندر غزایش کاہلی

گشت حیراں آں مبارز در عمل	از نمودن عفو و رحم بی محل
گفت بر من تیغ تیز افراشتی	از چہ افگندی ، مرا بگذاشتی ؟
آنچہ دیدی بہتر از پیکار من	تا شدی تو سست در ایں کار من
گفت، من تیغ از پئے حق می زنم	بندۂ حقم نہ مامور تنم ؂
چوں در آمد علتے اندر غزا	تیغ را دیدم نہاں کردن سزا

میدان جنگ میں جوش مبارزت کے وقت ذاتی عداوت اور توہین کے درمیان میں آ جانے کے ساتھ ہی اس خیال سے ہاتھ سے رک جانا کہ میرا اب لڑنا شاید اسلام کی غرض سے نہ ہو، یا نہ سمجھا جائے بلکہ توہین، عداوت اور غصہ سے ہو سکتا ہے احساس، سرعت تصفیہ اور اخلاص عمل کا لا جواب نمونہ تھا۔ مغلوب دشمن بھی متوجہ ہو گیا، اثر پڑا اور اس کے بعد قدر ناشناس ہو گیا

ہمعصر اصحاب کے اشعار علیؑ کی امامت کے تاریخی ثبوت ہیں

میں ان اشعار کے لکھنے کے وقت بر اعظم ایشیا کے مشہور شعرا کے گھر ریز کلام اور ان کے نفیس خیالات میں گھرا ہوں۔ میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کسے نمونہ میں پیش کروں اور کس کے ساتھ بے رحمی اور ناانصافی کروں۔ ہر ایک اپنے وسعت خیال اور طبیعت شناسی کے موافق وہ بوریا نشین ہو یا سریر آرائے حکومت ہمارے فاقہ پسند علیؑ کی محبت میں تعریفیں کر رہا ہے۔ انہوں نے نقابت حق کی، اپنے فرائض ادا کئے۔ حاکم روز جزا ان کے ساتھ انصاف کرے گا۔ حسان ابن ثابت، قیس ابن سعد ابن عبادہ انصاری، خزیمہ ابن ثابت الانصاری ہوں یا فضل ابن عباس۔ یہ مقدس بین الفریقین ہم عصر حضرت علی علیہ السلام کی تعریف کرتے ہیں۔ کوئی "نبیؐ ولی الامر بعد محمدؐ" کوئی "فی کل موطن صاحب"، کوئی "وصی رسولؐ"، کوئی "مولا امام اور ہادی" کہتا ہے ان کے اشعار بہترین تاریخی ثبوت ہیں۔ اس کے بعد ہمیں افسوس ہے کہ ہم علامہ حسین آفندی کے اس خیال کو قبول کرنے کی بمقابلہ ان ہمعصر بزرگواروں کے اظہار خیال کے وجہ نہیں پاتے کہ "نہ اپنی اولاد میں سے کسی کے لئے اپنی خلافت یعنی جانشینی کے لئے وصیت کی بلکہ یہ امر محض مسلمانوں کی رائے پر چھوڑا کہ جس کو مناسب سمجھیں وہ اپنی رائے سے مقرر کریں اور اگر آپ اچاہتے تو اپنی جانشین کے لئے تصریحاً ارشاد فرما دیتے۔ پھر کسی کو قیامت تک بھی آپ کی مخالفت کی جرأت نہ ہوتی"، اس خیال کا قبول کرنا اس وقت کے لوگوں کے خیال کے منافی، بعد کے مؤرخین کی رائے کے مخالف، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی تاریخ کا انکار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے چشم پوشی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی طرف سے لا یہ واہی کا اقرار ہوگا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام سے مخالفت کی۔ مثالیں بھی شاذ نہیں ہیں۔ جس سے علامہ کا یہ نقرہ آسانی سے قبول کر لیا جائے کہ "پھر کسی کو قیامت تک مخالفت کی جرأت نہ ہوتی۔"

حکومت علیٰ منہاج النبوۃ

اس وقت سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار یاسر کے ہم خیال لوگوں کی خوشی اور ان کا تحرک دیکھنے کے قابل ہوگا۔ جب کہ واقعہ جمل کے بعد انہیں یہ یقین ہوگیا ہوگا کہ اب آئندہ دراندازیوں کا خوف نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے عامل اپنے اپنے عمل پر روانہ ہو رہے ہوں گے اور زمانہ اس کا منتظر ہوگا کہ "علیٰ منہاج النبوۃ" چلنے کا دوسرا دور شروع ہوگیا۔ حضرت علی علیہ السلام بھی رفع فساد اور آئندہ فساد کی کمی کی امید سے اور زیادہ خوش ہوتے۔ اگر معاویہ نے تحریک فساد میں اپنے کو ممتاز دکھانا نہ شروع کیا ہوتا۔ لیکن کیسی ہی دشواریاں کیوں نہ ہوں اور کیسے ہی ترددات میں حضرت علی علیہ السلام کیوں نہ گھرے ہوں۔ ان کا چند دنوں کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ دکھائے دیا جانا اس کا باعث ہوگیا کہ انہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سمجھنے میں مدد ملتی۔ اگر قضا و قدر نے مسلمانوں کی تاریخ میں حضرت علی علیہ السلام کو موقع نہ دیا ہوتا۔ تو آج ہمیں بجز سرکاری اسلام کے روحانی اسلام کی تلاش میں ناقابل تصور دشواریاں ہوتیں اور پھر بھی اس کے بعد اس یقین کے ذرائع مفقود ہوتے کہ حقیقتاً ہم صحیح سمجھے یا نہیں سمجھے۔ سوچو دشواریوں کو کہ رحلت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آج تک ایک طرف سلطنت اور اس کے وسیع ذرائع ہیں۔ لوگ ہیں، آنے والی نسلیں ہیں اور پھر زمانے کی عزت کیا ہوا اعتقاد ہے اور ایک طرف حضرت علی علیہ السلام کی زمانہ، رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کارگذاریاں اور صرف چار پانچ برس کی حکومت ہے۔ کون سے ذرائع تھے جو حضرت علی علیہ السلام کے بھلانے اور ان کا نام مٹانے کے لئے نہیں کام میں لائے گئے۔ لیکن پھر بھی یہ دیکھو کہ انسان میں وہ کونسی صفت ہوسکتی ہے جو حضرت علی علیہ السلام سے ظاہر نہیں ہوئی اور ہم تک پہنچ نہ گئی۔ دشمنوں کے ہاتھ سے پہنچی۔ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ قوت تھی ان لوگوں کے صبر میں جو منبروں پر سبّ علیؑ سنتے تھے اور بے چین ہوکر کمال حقارت سے کہنے والوں کو مخاطب کرتے تھے کہ "تم منبروں پر حضرت علی علیہ السلام کی مذمت کرتے ہو۔ درانحالیکہ منبر کی لکڑیاں حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے بنی ہیں"۔ دشمنوں کی غرض سبّ علیؑ اس تقریر سے معلوم ہوگی جو عمر ابن عبدالعزیز اور ان کے باپ میں ہوئی اور جو تاریخوں میں مذکور ہے۔

واقعۂ جمل کے بعد جناب امیر علیہ السلام نے اہل بصرہ کو جو خط بھیجا اس میں معمولاً عادت رحم اور عفو کے علاوہ امن قائم رکھنے کے لئے جن سنجیدہ لفظوں میں دھمکی دی ہے وہ جہاں لوگوں میں جوش انابت پیدا کرتی ہیں اور جو اس میں لانے کی نکریں ہیں۔ وہاں ایک بلند ہمت حاکم کی تیز نگاہیں بھی دکھا دیتے ہیں۔ دھمکی یا عفو اور رحم پیرای

قناعت نہیں کی گئی ہے بلکہ "جو فرمانبردار ہے اس کی فضیلت سے واقف ہوں" میں دہمکی سے بھی زیادہ دلکش ذریعہ اختیار کیا گیا ہے۔ بلند ترین مدبّر کی پوری شان فولاد کا سا سخت اور پانی کا سا نرم۔ عقاب کی سی نگاہیں۔

وہ شخص جو شجاعت کا باپ ہو۔ جس کی عمر بقول اس کے طعن وضرب میں کٹی ہو اور میدان جنگ میں نشوونما پائی ہو کیا اس کی قوت تقریر اور اثر پر تم تعجب کے ساتھ ہمہ تن ہوش ہو کر اس کے اندازہ کے لئے مستعد نہ ہو جاؤ گے؟ اگرچہ اس کا اندازہ تمہارے مدارج تربیت اور ناقابل بیان عمل تربیت کی حد سے باہر ہی کیوں نہ ہو۔ کہ اس میں ایک دوسرے کی ضد خوبیاں کیسے اس کامل حیثیت سے جمع ہو گئیں؟ یہ تو بہت ظاہر بات ہے کہ اس کے قوی ہاتھ کو سر سے کمر تک یا کمر سے دو ٹکڑے کر دینے کا ناقابل خطا ملکہ حاصل ہو گیا تھا۔ یہاں تک حضرت علی علیہ السلام بظاہر کند سپاہی نظر آتے ہیں؟ اس کے بعد ان کی شان شجاعت پر بڑھو تو وہ شجاعوں کے لئے بہترین نمونہ ہیں لیکن تمہیں اس ذی ہوش اور تیز نگاہ سپاہی کی اس قوی حس سے حیرت کے عالم میں غیر مسلح ہو جانا پڑے گا۔ پینترے سے ہٹ جاؤ گے۔ جب تم اسے یہ کہتے سنو گے کہ "میں کسی شخص سے مقابل نہیں ہوا مگر یہ کہ اس نے اپنے نفس پر قبضہ دینے کے لئے میری اعانت اور میری مدد کی" یہاں فاتح سپاہی ایک حرکات شناس فلسفی ہے جسے انسان کی طبیعت اور اس کی کمزوری کا علم ہے نفسیات کا علم ہے اور اس کے ساتھ اس قدر ہوش بھی ہے کہ ایسے وقت اس کا موازنہ بھی کرے۔ ایک مؤقف کا یہی بے تیغ اور بے امان سپاہی تیور بدل رہا ہے۔ نہیں۔ ہر موقع پر اپنے کو اس مؤقف کا بہترین امام دکھا رہا ہے۔ وہ خوف خدا سے کانپ رہا ہے۔ اس کا جسم سن ہو گیا ہے یہی ذی ہوش جسے میدان جنگ کی گرمی میں شہد کی قسم پہچاننے کی فرصت ہے۔ ایک وقت اپنے معبود کی عظمت آفرین کے خیال سے اس قدر مرعوب ہے کہ دور سے دیکھنے والا انہیں بے جان تصور کرتا ہے اور موت کی خبر دینے آتا ہے اس قدر محو عبادت ہے کہ نہ پیکان کا پیوست ہونا یاد ہے اور نہ نکال لینے کی خلش سے کوئی جنبش کرتا ہے۔ تیر حضرت علی علیہ السلام کے پیر میں لگا تھا۔ علیؑ اور خدا کے درمیان حائل نہ ہو گیا تھا۔ علیؑ اس وقت خدا کے سامنے ہیں۔ بزرگ ہے علیؑ کا خدا! زخمی ہادی برحق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہ احد پر اس عالم میں بھی نماز پڑھ کر دکھائی تھی۔ یادگار ہے اظہار سپاس اور عبودیت کا یہ طریقہ! ایک وقت یہی خاموش آنسو بہانے والا اغر بول کا بارکش عابد۔

لبکہ آب از چہ کشیدہ نیم شب
ہر دو پایش را خراشیدہ رسن۔

منبر پر دکھائی دیتا ہے۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ فطرت انسانی کی وہ کنجیاں معلوم ہیں۔ جن کو حرکت دینے سے میدانِ جنگ کے زخموں کے نہ کراہنے اور آہ نہ کرنے والے سپاہی بچوں کی طرح بلبلا کر رو دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تقریر ایک صاف پانی کی ندی ہے جو بلندی سے پستی کی طرف اترتی چلی آرہی ہے۔ گہرے معنی خیز الفاظ کا نغمہ دلوں میں رچ گیا نا شگفتہ کند الفاظ نہ تھے بلکہ علم و ادب کا ناز تھے۔ جن سے نفیس خیالات ظاہر ہوتے تھے۔ ایک خوشبو تھی جس سے فضا بس رہی تھی۔

معاویہ کی مخالفتوں کی متواتر خبر دل پر حضرت کا لوگوں کو مخاطب کرنا اور فرمانا

قومی عروج و زوال کے اصول اولیہ بیان کرتے ہیں

کہ "جب تک بنی آدم ایک دوسرے سے موافقت رکھتے ہیں اور برائی نہیں کرتے۔ اُن کے قبضے سے انتظام اور حکومت نہیں نکلتی۔ جب اس کے خلاف آپس میں نزاع جائز رکھتے ہیں تو کاموں میں خلل پڑتا ہے۔ جس کا نتیجہ تباہی ہے" اس طرف تو متوجہ کرتا ہے کہ حضرت نہایت پختگی سے قوموں کے عروج و زوال کی اصل وجہ پر سامعین کو موثر رہے ہیں لیکن مجھے بے ساختہ خیال آرہا ہے کہ حضرت نہایت قوت سے پیشین گوئی کر رہے تھے یہ ان کے صفائی نفس کی وجہ سے ہوا یا صاف سیاسی نگاہ اور نورانی دماغ کی وجہ سے۔ اس کے بعد معاویہ کو جو خطوط لکھے گئے اس میں وہ بزرگؑ۔ جو بقول سید امیر علی صاحب "انتخابی حق کے پہلو بہ پہلو موروثی حق بھی رکھتا تھا"، خصوصیت کے ساتھ تحریر فرماتا ہے کہ میری بیعت تجھ پر لازم ہے اس لئے کہ جن لوگوں نے ابوبکر و عمر و عثمان سے بیعت کی تھی۔ وہ میری امامت اور خلافت پر راضی اور متفق ہو گئے۔ "میری دانست میں حضرت علی علیہ السلام اپنے اس فقرے میں بہت کچھ کہہ رہے ہیں۔ اگر عوام ہی تھے جنہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کو خلیفہ بنایا تھا اور ان لوگوں یعنی خلفائے ثلاثہ نے خاندان ابوسفیان کو شام میں مضبوط کر دیا تھا تو وہی عوام ہیں۔ جنہوں نے مجھے اپنا خلیفہ تسلیم کیا ہے اس میں یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ حضرت علیؑ الزامی دلائل پیش کر رہے ہیں۔ اسی خط میں حضرت علی علیہ السلام اپنا اصلی منصب ظاہر فرماتے ہیں۔ جہاں وہ لکھتے ہیں کہ "تو عافیت طلبی کے لحاظ سے جنگ سے احتراز کرے گا"، یہ محافظ اسلام "عافیت طلبی" کا فقرہ تحریر فرماتا ہے اور اسلام کا واسطہ نہیں دیتا۔ اگرچہ عافیت اور اسلام کسی وقت مرادف الفاظ کیوں نہ ہوں۔ شاید اس محتاط خیال کی تاویل ان کے لبعد کے ان خیالات کے اندر ہو کہ "معاویہ...... نہ صاحب دین ہے اور نہ صاحب ایمان"، معاویہ کے علبسی قاصد پر حضرت علیؑ کی طبیعت کا اثر توجہ کے قابل ہے۔ اسی طرح احنف ابن قیس اور اس کے گروہ کا ایک زمانے کے غور کے بعد خود سے حاضر ہونا بہت کچھ کہتا ہے۔ اسی طرح

صاحب سیرۃ الفاروق کے بقول عبداللہ ابن عمر کے یہ خیالات بہت واضح روشنی ڈالتے ہیں کہ وہ "اپنے مرنے کے قریب کہا کرتے تھے کہ میں اپنی زندگی میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جس پر افسوس کروں اور اب اس کے کرنے کا موقع نہ رہا ہو۔ بجز اس کے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر باغی گروہ سے لڑائی نہ کی۔" اثنائے سفارت میں کسی فوجی نمائش یا حرکت سے باز رہنا اور کہنا کہ اس وقت مستعد ہو جانا درانحالیکہ میرا قاصد جریر ان کے پاس موجود ہے گویا ان لوگوں کے لئے در حجت بند کر دینا ہے اور گویا میں اہل شام کو اگر وہ اطاعت کا ارادہ رکھتے ہوں، روک رہا ہوں۔" نہ صرف حضرت علیؑ کی راستی معاملت، خواہش اصلاح بلکہ ان کی دوربین سیاسی بصیرت بے مثال کا بھی عمدہ موقع ہے۔ ساتھ ہی ایک بیدار مغز افسر کی احتیاط کا تقاضا ہونا چاہیئے تھا کہ وہ یہ بھی کہہ دیتا کہ "میں تمہاری تیاری جنگ کو برا اور مکروہ نہیں سمجھتا"، حضرت علیؑ کا وہ خط جو انہوں نے عقیل کو لکھا ان کے ارادہ استقلال، غیرت اور محتاط تدبر کا آئینہ ہے۔ جس میں وہ واقف ہیں کہ ان کے چہرے کے اظہار تغیر سے مختلف اثر پڑ سکتا ہے۔ مشورۂ جنگ کے خطبہ میں بھی خصوصیت سے یہ دیکھنے کی بات ہے کہ حضرت علیؑ کو اپنے دشمن کے مؤقف کی اطلاع ہے اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ معاویہ کے ایسے آدمی کو اپنی شکست کی حالت میں قیصر سے مدد مانگنے میں کوئی عار نہ ہوگا اور اگر اسے فتح ہوئی تو ان لوگوں کو جو میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ عراق اور حجاز میں پناہ کی جگہ نہ ملے گی۔ حضرت علیؑ شجاع ہونے کے لئے سچائی لازمی صفت سمجھتے ہیں۔ یقیناً آدمی میں جس قدر سچائی کے یقین کے بعد اپنے مقصد کی محافظت کا مصمم ارادہ ہوتا ہے ویسا باطل کی حفاظت میں نہیں پیدا ہو سکتا۔

قتل عثمان کے متعلق صفائی اور اس کے ہر پہلو کے جواب میں حضرت علیؑ نے کوتاہی نہیں کی۔ اس مضمون پر اس قدر طوالت کی بجز اس کے اور کوئی وجہ نہ تھی کہ جس قدر شام سے جاہل فریبی کی کوشش کی جائے۔ اسی قدر حقیقت حال سے لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے جواب دیئے جائیں جو در صورت خاموشی کے برے نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ اس حالت میں بھی معاویہ کو جمل اور ناقہ میں تمیز نہ کرنے والے لاکھوں مل گئے۔

فوج اور اس کی تربیت

اثنائے سفر میں حضرت علی علیہ السلام نے رعایا کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ انبار کے دہقانوں کی مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ حضرت علیؑ اپنے فوجی افسروں کو نہ صرف انسانیت، فوجی قاعدے اور انتظام سکھاتے تھے بلکہ انہیں ذاتی رکھ رکھاؤ کی تعلیم بھی دیتے تھے ان کی نگاہ اس پر بھی پہنچ رہی تھی کہ اہل لشکر کو "حسن سیرت کے حصول" کا حکم دیا جائے۔ لشکر پر حضرت علیؑ کی تعلیم کا اثر ان کے مشتاق جنگ سرباز مالک اشتر کے اس فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اولوالامور کے اعلان

جنگ کا جواب حضرت علیؑ کے دکھانے کے لئے اپنے پاس رکھ لیتا ہے یا جمل کی لڑائی میں سپاہی دشمن کے تیروں سے گرتے جاتے ہیں مگر بے اجازتِ جنگ جواب نہیں دیتے۔

حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کی جن لفظوں میں تعریف کی ہے۔ وہ ان کی مردم شناس نگاہوں کے سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ ساتھ ہی یہ دیکھنا بھی خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ حضرت علیؑ اپنے افسروں میں کون کونسی باتیں دیکھتے ہیں۔ دشمن کو فتح کیا ہوا پانی بخش دینا، دشمن کے فریب کو ظاہر کر دینا کہ وہ بند نہیں توڑ سکتا۔ اس کے ایسے ہی دھوکوں کو ایسا فریب کہنا جیسے بچے کو پہلے پہل دودھ چھڑانے کے وقت دیا کرتے ہیں، ظاہر کرتا ہے کہ امیر شام کی تمام ایسی کارروائیوں کی حضرت علی علیہ السلام کے سامنے کیا حقیقت تھی۔ بہت سے ناسمجھ تھے جو سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے تھے۔ معاویہ، حضرت علی علیہ السلام کے ناسمجھوں کے ساتھ فریب کر سکتا تھا۔ حضرت علی معاویہ کے ناسمجھوں کے ساتھ خلاف راستی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ اب معاویہ کے ہاتھ خالی تھے کہ وہ اپنے اور علیؑ کے لوگوں پر فریب کی یلغار کر دے۔ حضرت علیؑ کے پاس بجز سمجھانے اور دشمن راستی قوت سے دور کرنے کی کوشش کے اور کوئی صورت نہ تھی۔ حضرت علیؑ کو ان کے ارادے نے کامیاب کیا۔ شام میں بحال رکھنے کی درخواستیں آنے لگیں۔ درانحالیکہ جن حالتوں میں حضرت علیؑ ابتدا سے بسر کر رہے تھے۔ کامیابی کی امید کرنا بھی بڑی جرأت تھی معاویہ کو اس کے فریب نے حضرت علیؑ کے ناسمجھ ساتھیوں پر فتح دی اور حضرت علیؑ کی مشکلات کچھ اور بڑھ گئیں درانحالیکہ صحیح راستوں کی کوشش سے امید تھی کہ مشکلات میں کمی ہو جائے گی اور آئندہ کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا

جذبات پر قابو

میدانِ جنگ کے اذکار میں حضرت علیؑ کو فرصت تھی کہ دم توڑتے ہوئے بوڑھے مجاہد مقدس عمارؓ کا سر اپنے زانو پر لیتے اور مرثیہ کہتے؟ یا دونوں طرف کا کثیر مجمع خوفناک قتل دیکھ کر اس پر آمادہ ہو جاتے کہ خود اور معاویہ میں دست بدست جنگ ہو جائے۔؟

مقدس عمار کی شہادت کے بعد حضرت علیؑ نے میدانِ جنگ میں جن مختصر لیکن وسیع المعنی الفاظ میں سپاہیوں کو مخاطب کیا، وہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے یکساں مفید ہے اس وقت بھی حضرت علیؑ اس اظہار تاسف سے خالی نہیں ہیں کہ "بجز جنگ کے چارہ نہیں"، نہ صرف عجز اور کاہلی کو مذموم قرار دیتے ہیں بلکہ اس کے نتیجے میں ادبار اور رنج سے بھی باخبر کر دیتے ہیں اور اس کے مقابل میں کہتے ہیں کہ مسلسل عمل اور جفاکشی سے نصیب اور اقبال یاوری کرتا ہے۔ صبر اور کامیابی میں قریبی تعلق بتاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کام جو ابتداءً مشکل معلوم ہوتے ہیں تھوڑے ثبات اور وقار سے آسان ہونا شروع ہو تے جاتے ہیں۔ منبر ہو، شاہراہیں ہوں یا میدان جنگ ہر جگہ

مصلح بنی آدم کا یہ جانشین اصلاحِ کردار اور درستی عقائد کا وعظ کہتا ہے۔

وقت آ گیا ہے کہ میں ضرار ابن خطاب کی معاویہ کے سامنے والی تقریر کا یہ جملہ یاد دلادوں جسے وہ حضرت علیؑ کی زبانی ادا کرتا ہے کہ "میرے دکھ بہت بڑے ہیں" اور اثنائے تبصرہ کا اپنا یہ فقرہ یاد دلاؤں کہ "سوچنے والا سوچ سکتا ہے کہ رحلت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنی شہادت تک حضرت علیؑ کبھی خوش نہ ہوئے ہوں گے"۔ کیوں! کیا حضرت علی علیہ السلام کو ان پتھروں کی چوٹ تکلیف دے رہی تھی جو رسول اللہؐ کی حفاظت میں خدیجہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے بیت الشرف میں سینے پر کھائی تھی؟ کیا دعوت ذوالعشیرہ کا تمسخر ہیجان پیدا کر رہا تھا؟ کیا شعب ابوطالب میں برسوں بند رہنے کی تکلیف اور ربیعہ یا حکیم بن حزام وغیرہ کے پاس سے اسباب خورد و نوش لانے کی مشقت یاد آ رہی تھی؟ اور اس سے سناٹا آ گیا تھا۔ کیا تسلیم و رضا کے بہترین امتحان کا دہشت ناک وقت اور تلواروں کا سایہ یاد آ رہا تھا؟ ہجرت والے چھالوں میں اب ٹیس شروع ہوئی تھی؟ میدانِ جنگ کے زخموں میں اب درد ہونے لگا تھا؟ نہیں۔ واللہ علیؑ کے لئے یہ کُل تکلیفیں عین راحت تھیں۔ وہ خود فرما چکے تھے کہ "یہ میں نے ہر چیز سے قطع نظر کر کے محض خدا کے دین کی امداد کی نیت سے کیا"۔ علیؑ کا دکھ ایک فقرے میں سمجھا دینے کے لئے ملہم من اللہ نبی کا یہ فقرہ لکھ دینا بالغ نظر کے لئے کافی ہے کہ "میرے بعد تجھے بہت سے صدمے پہنچیں گے تجھے چاہیئے کہ گھبرا نہ جائے۔" رسول اللہؐ کے ان فقرات میں اپنی روش تحریر کے مافوق العادت ذرائع علم سے قطع نظر کر کے یہ سوچنا ہوگا کہ حضرت علیؑ کے صدمات کے اسباب اس قدر واضح ہو چلے تھے۔ کہ ایسی صاف اور صریح پیشین گوئی ممکن تھی، کھلا ہوا راز تھا۔ اب اس میں یہ بھی دیکھنا بہت دلچسپ ہے کہ رسول اللہؐ نے صرف صدمات ہی کے متعلق پیشین گوئی فرمانے کے بعد خاموشی اختیار نہیں کی تھی بلکہ صدمات کے اسباب کو یہ کہہ کر واضح کر دیا تھا کہ "جب تو دیکھے کہ لوگ دنیا کی طرف مشغول ہو گئے ہیں تو تو آخرت اختیار کرنا"، میں نہ دوبارہ کہنا چاہتا ہوں اور نہ ایسے صاف تاریخی واقعات پر پھر ناظر کو پھر متوجہ کرتا ہوں۔ جسے میں بیان کرتے آیا۔ خصوصاً جب کہ میں رسول اللہؐ کے آخری زمانے میں لوگوں کے انداز اور رحلت رسول اللہؐ کے بعد کے واقعات پر بحث کر چکا ہوں۔

مناسب ہوگا کہ حضرت علیؑ کے فقرات یاد دلانے کے لئے دہرائے جائیں۔ نعش اطہر سے فرماتے ہیں:۔ "آپ مصیبت پہنچانے کے لئے مخصوص ہوئے"۔ ابوعبیدہ سے فرماتے ہیں "وہ بات کہو جو سچ سے علیحدہ نہ ہو خدا نے جو عزت خاندان رسالتؐ کو دی ہے اسے دوسرے کے گھر منتقل نہ کر"، بشیر ابن سعد سے فرماتے ہیں۔ "کیا تو اسے پسند کرے گا کہ میں رسول اللہؐ کی لاش کو بے غسل و کفن چھوڑ کر ریاست کی فکر میں دوڑتا"، خطبے میں فرماتے ہیں "غصہ فرو کرنے کے لئے ایسے ناگوار طریقے سے صبر کیا جو درخت حنظل سے بھی زیادہ تلخ اور تیز چھریوں کی برش سے زیادہ

قلب کو اذیت پہنچانے والا ہے "۔ رسول اللہ کی رحلت کے بعد ہی رسول کے گھر کی وہ عزت دیکھی جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ یادگار رسول کی یہ حالت دیکھ رہے تھے کہ حضرت کی رحلت کے بعد فاطمہ زہرا کو کسی نے ہنستے نہیں دیکھا "

تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ بھی دیکھنا تھا کہ یادگار رسول کا دعویٰ اور اپنی گواہی خلافت کی عدالت میں جھٹلا دیا جائے اور کچھ ہی دنوں بعد رحلت سیدہ سلام اللہ علیہا میں مرثیہ کہنا تھا اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ " یا رسول اللہ آپ کی برگزیدہ دختر کے انتقال سے میرا صبر کم ہوگیا .... میری موجودہ حالت کو ان سے دریافت کیجئے حالانکہ ابھی آپ کے انتقال کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ " "میں نے ان صدمات پر بھی صبر کیا " "وہ تم جانتے ہو لیکن بلحاظ مصالح دینوی اپنے علم سے کام نہیں لیتے "۔ خلیفہ ثالث کا زمانہ اور برتاؤ بھی دیکھنا تھا یہ ناگوار واقعہ بھی پیش آنے والا تھا کہ ازواج رسول میں سے ایک میدان جنگ میں آئیں۔ اور ان سب باتوں کی تلافی کے بعد جب امید قریب بہ یقین تھی کہ اسلام اپنی اصل رُوح سے حرکت کرے گا تو ہزاروں شمشیر بکف آدمیوں میں گھر جانا تھا۔ جو فتح اور امید کو ذبح کر رہے تھے اور مجبور کر رہے تھے۔ اپنے دوستوں کی موت اور اپنی حکومت کے شہروں میں غارت کی خبر سننا تھی۔ کام کرنے والوں کا قحط دیکھنا اور یہ کہنا تھا کہ " اب تو میری دعا ہے ...... کہ پروردگار عالم میرے اور تمہارے درمیان جدائی ڈال دے

شگفتگی

وہ بزرگ جوان دلخراش اسباب غم میں اپنی عمر کا زیادہ حصہ بسر کر چکا ہو اس کی نسبت یہ گمان کرنا بھی زیادتی ہوگی کہ اس میں خوش طبعی کے آثار ملتے ہوں گے مگر ایسا نہ تھا۔ حضرت علی کی زندہ دلی کے آثار مفقود نہیں ہیں۔ ان کے خطبات کے بعض فقرات اور ان کا انعکاس ملوکانہ متانت سے شگفتگی کا اظہار کرتا ہے۔ اس شان طبیعت کے سمجھانے کے لئے یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ منجملہ ان وجوہات کے جن کا پیدا کر دینا حضرت علی کے اقرار حقوق خلافت کے خلاف پسند کیا گیا ہے ایک یہ بھی ہے کہ جناب امیر خوش طبع تھے ہم نہیں جانتے کہ حضرت علی کو خلافت سے دور رکھنے کی کوششیں شمار میں اس تعداد تک پہنچی ہیں یا نہیں۔ جس حد تک کعبہ کو خدا کی خالص عبادت سے دور رکھنے کے لئے بےشمار بتوں کی دیواریں کھڑی کی گئی تھیں

تعمیر قومی میں علیؑ کی عملی شرکت اور نظر

قابلیت تعمیر قومی جس کی ابتدا کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دیکھا اور سمجھا تھا، امور انتظامی میں رسول اللہ نے شریک کیا تھا، رازدار بنایا تھا۔ حضرت علی نے اکثر موقع پر باوجود کافی موقع نہ ملنے کے نہایت پختگی اور دوراندیشی سے ظاہر کی۔ کوئی مصلحت ہو اپنی افتاد کے وقت زیادہ دشوار رہا کرتی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ جس وقت لوگ یا اطاعت کرنے والے اس کے خوگر ہو گئے ہوں اور اس وقت دشواریاں بہت کچھ بڑھ جاتی ہیں جب کہ اتفاقات نے ایک ہی

ہوئی مصلحت کو بگاڑ دیا اور بناؤ کا ذمہ دار پھر اس کے بناؤ کی کوشش کرے۔ اب اس وقت کی کوششیں فی نفسہٖ ذمہ دار کی تحسین یا عدم تعریف کی وجہ ہوتی ہے نہ کہ کامیابی۔ ناکامیاب ان اسباب سے ہونا جن میں ذمہ دار کی کوشش کے علاوہ اسباب بھی شامل ہیں اور جن سے بخطر راست ذمہ دار کو کوئی تعلق نہیں ہے اس ذمہ دار کی کوشش پر کوئی کمزور اثر نہیں ڈالتا۔ ہم کو کامیابی یا ناکامی کے سمجھنے کے لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ ذمہ دار کی مصلحت کو اس سے کیا تعلق ہے۔ یعنی اگر ذمہ دار اپنی منصوبہ بندی میں کامیاب یا ناکامیاب ہوا ہے تو ہم اس کو کامیاب یا ناکامیاب کہیں گے اور اگر کامیابی یا ناکامی ذمہ دار کی منصوبہ بندی کے علاوہ دیگر ذرائع سے ہوئی ہے تو ہمیں ذمہ دار کی تحسین یا عدم تعریف کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی ایک اور حالت نظر میں رکھنا ہوگی کہ اگرچہ ذمہ دار کی منصوبہ بندی سے کامیابی یا ناکامیابی کے اسباب نہ بھی پیدا ہوتے ہوں۔ لیکن اس نے اپنی ذمہ داری کے منصب کے لحاظ سے کامیاب ہونے میں کس قدر شرکت کی اور ناکامیابی کو دور کرنے یا کم کرنے کی کیا کوشش کی۔ اس وقت کی کامیابی دوسرے درجہ کی ہے یعنی اس پایہ کی نہیں ہے جب کہ اس کی منصوبہ بندی سے کامیاب ہوئی ہو۔ اس کے برخلاف ناکامی کو باوجود ذمہ دار ہونے کے اپنی کوششوں سے دفع یا کم کرنے کی کوشش کرنا اگرچہ مخالفت میں اس قدر اسباب جمع ہو گئے ہوں جن سے کامیابی نہ ہو سکے نہایت قابل وقعت ہے۔

واقعۂ بنی خزیمہ کیا کہتا ہے

حضرت علیؑ کا پہلا ڈپلومیٹک مشن واقعۂ بنی خزیمہ تھا ایسے وقت میں لوگوں کی خوشی کے جو آثار تاریخوں میں محفوظ ہیں وہ حضرت علی علیہ السلام کے عمدہ رکھ رکھاؤ، برتاؤ، وجاہت، خوش معاملگی اثر تقریر، اثر ڈالنے والے نفس کا بیّن ثبوت ہیں۔

مکے کا بڑا اعلان اور اس کے پہلو

یوم النحر بھی جب کہ حضرت علیؑ نے عرب کے بیشمار قبائل میں نیم ملکی، نیم مذہبی نہایت مفید اعلان کیا۔ وکالت کی نسبت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ان لفظوں میں زیادہ واضح کرتا ہے کہ "تبلیغ رسالت رسولؐ کرے یا جو رسولؐ میں سے ہو" یہ دیکھنے کے قابل ہوگا کہ رسالت کے معنی تلاش کرنے کے لیے اس وقت برأت نامہ کی عبارت پڑھنی ہوگی جو محض دینی نہیں ہے بلکہ سیاسی امور کے بھی پہلو بہ پہلو ہے۔ عہد ناموں کی توثیق، تجدید یا تنسیخ یقیناً خالص مذہبی امر نہیں ہے نہ قطعاً اخلاقی بلکہ زیادہ تر ملکی ہے۔ اس کے بعد جس نیت اور ارادے سے یہ عہد نامہ ہوا اور اس کا جو اثر عملاً پایا جاتا ہے اس سے اس کی مذہبی اخلاقی اور ملکی حیثیت کو سمجھنا ہوگا۔

بلاشبہ رسول اللہ کا خیال سب سے پہلے تکمیل اخلاق ہے۔ دنیاوی حکومت جن اتفاقات سے رسول اللہ کے پیروں کے نیچے آگئی وہ بغیر کسی ارادے کے تھی۔ رسول اللہ نے دنیا کو دنیا کے مفہوم میں کبھی نہ دیکھا بلکہ ان کی قابل مدح روش یہ تھی کہ دنیا کو اس قدر دین

بنا دیں کہ اس کی دنیاوی شان کی ناگواریت مشکل سے تلاش کی جا سکے۔ دعائے دینِ مسیحی کبھی پوری ہونی چاہیئے تھی چنانچہ مسلمانوں کے رسولؐ کی بدولت پوری ہوئی۔ کسی ملک اور کسی زمانہ کے لئے یہ مایۂ ناز ہے کہ اس ملک اور زمانے کو مخرب اخلاق جرائم نہیں ملتے اور انسانی کمزوری سے جرم کرنے والا اپنی صفائی کے لئے خود سے اقرار گناہ کرتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیاوی حکومت کا راز ہے حقوق عباد کا یہ لحاظ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پشت مبارک برہنہ کر دیتے ہیں اور ان کی یہ سچی قدر محبت اور ہمدردی ہے کہ دوسرا اس کے عوض اپنے کو پیش کرتا ہے۔ اس دنیا پر عالم کے دفتر اخلاق اور مذاہب غور اور مقابلے کی کوشش کریں گے۔

ایسے موقع پر جب کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہیں لے جا سکتے تھے تو ایک ایسے منصب کا اعلان اگر رسولؐ کی حیثیت سے نہیں تو رسولؐ اللہ کی پوری وکالتی حیثیت سے کس کی معرفت انجام پا سکتا تھا۔ ضرورت ہے کہ وہ مدرسۂ نبوت کا شاگرد ہو۔ تربیت اور صحبت میں ممتاز ہو (امتیاز کا خیال واپس بلا لینے اور ایک دوسرے سے بھیجنے سے پیدا ہوتا ہے) فطرتاً ایسا نہ ہو جسے آزاد موقع دیکھ کر تحریف کی پھیریری آئے یا خلاف واقعہ تاویل کرے اور مفہوم اس طرح سمجھائے جو موکل کے منشا سے الگ ہو۔ انداز اور رفتار گفتار غلط فہمی نہ پیدا کرے۔ مختصر لفظوں میں وہ اثر ڈالے جو وکالت کی غرض تھی۔

عہد نامہ کے فریق رسولؐ اللہ اور دیگر قبائل تھے۔ سفارت میں یہ بھی نظر انداز کرنے کی بات نہیں ہے کہ سفیر اپنی ذاتی حیثیت سے صاحب اثر ہو۔ اس کا وزن ہو اور لوگ اس کی منزلت کو خفیف نگاہ سے نہ دیکھتے ہوں۔ کون چنا گیا؟ عرب کے افسر مجلس شوریٰ اور منتظم فوج یعنی ہاشم کا پرپوتا جنہوں نے اپنی قوم کو نہ صرف قحط میں مدد دی بلکہ شام اور یمن سے تجارت کا بھی طریقہ بتایا۔ عبد المطلب یعنی مشہور محبِ وطن اور کعبے کے بچانے والے کا پوتا۔ خانۂ کعبہ کے متولی اور رسولؐ اللہ کے محافظ، سردار قوم کا فرزند، رسولؐ اللہ کا "وصی"، "اخی"، داماد، رازدار، حامیٔ اسلام، سرتاج شجاعانِ عرب۔ مجھے نہیں دکھائی دیتا کہ ایسے مفید اور بڑے موقع کے لئے اس سے اچھا شخص مل سکتا تھا جس کی سفارت میں عرب کے کسی انداز مزاج کو اعتراض کی گنجائش رہی ہو۔ اور وہ سفیر کی کم حیثیتی پر حقارت کی نظر کر سکتا ہو۔ بلکہ محسن قوم اور سردار قوم کا فرزند بھیجا گیا تھا۔ جسے خود رسولؐ اللہ نے بجز اپنے کسی کا بھی ماتحت قرار نہیں دیا۔ مجھے اس قدر اب اور کہہ دینا ہے کہ حضرت علیؑ کامیاب ہوئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشا پورا ہوا۔

یمن کی کامیابی کے لئے مجھے رسولؐ اللہ کا سجدہ اور اسلام یاد دلانا ہوگا اور بس۔

ان مثالوں سے میری غرض یہ تھی کہ یہ نہیں کہ زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کی شرکت صرف نگری ہو اور عملی تعلق نہ ہو۔ یہ وہ وقت تھے جس وقت کہ منصوبہ بندی شروع ہوئی تھی۔ مختلف قبائل اور افراد کے اختیارات ٹوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنہا ذات میں داخل ہو رہے تھے اور ان کا تنہا حکم فرد اور قوم کی تربیت اور تہذیب کا ذمہ دار تھا۔ بگڑے ہوئے فرد اور قبائل کو ہنستے دیکھا تھا اس سے نہ صرف بگڑی اور بنی ہوئی حالت میں تمیز کا عملی نمونہ سامنے آیا بلکہ یہ بھی معلوم تھا کہ قوم کس طرح بگڑ

سکتی ہے۔ جس اصول نے انہیں بنایا تھا۔ اسے بھلا دینا اور اس کے مقابل ایسی ظاہر فریب باتوں کا سامنے لا دینا جن سے وہ پھلے پھولے چل سکیں انہیں گہری تباہی کی طرف لے جاتا تھا۔

ہمارے اس باریک خیال کے وضعدار مخالف عروج اور زوال کے فلسفے پر اس قدر دماغ سوزی جائز رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے جس قدر ہماری تردید کے لئے ہمیں ایران اور شام کی فتوحات آسانی سے دکھا دیتے ہیں ہم فتوحات سے انکار نہیں کرتے لیکن اپنا خیال سمجھانے کے لئے ہم انسائیکلو پیڈیا کے یہ قابل وقعت اور سمجھے ہوئے ریمارک پیش کرتے ہیں۔

قابل غور

"بنائے سلطنت یکجہتی کے خیال پر جس کی مذہب سے نمود ہوئی تھی بلاشبہ نبیؐ کی بڑی کامیابی تھی۔ جماعت مدینہ اور اس کا بہادرانہ اعتقاد وہ قوت تھی۔ جس کے ذریعہ سے اسلام نے وہ نتیجہ حاصل کیا۔ جس نے تاریخ عالم میں اس قدر نمود حاصل کی،، سلطنت اسلام کے بانی ہونے کا فخر عمر کی طرف منتقل نہیں کیا جا سکتا بلکہ بالضرور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے چھوڑا جانا چاہیئے۔ "یہ عمر نہیں تھے جنہوں نے یکجہتی پیدا کی۔ جس سے وہ مثالاً اس قابل ہوئے کہ دفعتہً خالد کے ایسے جنرل کو بلا عذر اور شکایت دوران فتح بلا لیتے۔ معجزۂ قدیم شہر مدینہ ہے نہ یہ کہ ابتدائے زمانہ سے کامیابیوں نے اس میں برف کی ڈھلکتی ہوئی چٹان کی سی قوت پیدا کر دی،، میں کسی شخص کی خود غرضانہ دانشمندی کا منکر نہیں ہوں نہ انصاف یہ چاہتا ہے کہ میں کسی دوسرے کی خوبی کو نوچ کر دوسرے میں چپکا دوں یا مصنوعی پروں کے ساتھ اس قدر مبالغہ کروں کہ اصلی سے بڑھا دوں۔ دانے کا انبار آسانی سے دکھایا جا سکتا ہے بہ نسبت اس گھن کے جو لگا رہا ہے۔ اس پر بھی میں نے انصافاً یہ سمجھنے کی کبھی وجہ نہیں پائی کہ وہ جوش اور خوبیاں جو فاتحین شام اور ایران میں اکثر منفرداً اور مجموعاً پائی گئیں۔ ان میں سے کسی کا شائبہ بھی ان کا پیدا کیا ہوا تھا جن کے زمانے میں یہ فتوحات ہوئیں۔ یہ ہمارا کبھی اصول نہیں ہے کہ کسی کی ایک برائی ہمیں اس کی بقیہ بھلائیوں سے روک دے یا کسی کی بہت سی بھلائیاں کسی کی کم برائی سے اس کی اس قدر بڑی برائی پر نگاہ نہ ڈالنے دے اور اس کے بعد بھلائی اور برائی کے درجے سمجھنے نہ دے آخر وہ کیا بات تھی جو حضرت علیؑ سے یہ کہلوا رہی تھی کہ "شاہراہیں متروک اور ناپید ہو گئی ہیں،، حضرت علیؑ کو خوش ہونا چاہیئے تھا کہ رسول اللہؐ کے بعد اگر خلیفہ ہوتے تو صرف حجاز اور ریگستان عرب پر حکومت ہوتی۔ اب تو خسرو اور قیصر کی حکومت بھی شامل ہو گئی مگر علیؑ اس حکومت کے نہ پانے پر اظہار تاسف کرتے ہیں اور اس وسیع اور زرخیز حکومت کے ملنے۔ خود سے ملنے پر سات روز تک انکار کرتے ہیں۔ افسوس، ہاں علیؑ کا انکار سچا تھا اور اسی طرح ان کی طلب بھی نہایت سچی تھی۔ فرق یہ تھا کہ اس وقت شاہراہیں اس طرح تھیں جس طرح رسول اللہؐ چھوڑ گئے تھے اگرچہ ریت پڑ چلی تھیں مگر اب ناپید ہو گئی تھیں۔ اگرچہ وہ زرخیز زمینوں تک وسیع ہو گئی تھیں۔ حکومت اب علیؑ کے قابل نہ رہی تھی۔ قوم کو انتراق کے مادوں سے اس قدر مملو پاتے تھے کہ انہیں ایک نہیں کر سکتے تھے۔ افراد اب ذروں کی طرح منتشر تھے۔ انہیں جس طرح ایک کرنا ہو گا وہ اس روش سے بالکل علیحدہ ہو گا جس سے شاہراہیں متروک اور ناپید ہو گئیں حضرت علیؑ اس بگڑی ہوئی قوم میں اپنے تجربے کی نگاہ سے وہ بات نہ پاتے تھے جس سے بنی ہوئی تھی اور جس پر کبھی حکومت کرنے کی

انہوں نے خواہش کی تھی۔ اب اس بگڑی ہوئی حالت میں بھی بجز علیؑ کے کوئی دوسرا نہیں بنا سکتا تھا کیونکہ علی کی نگاہ سے بگڑی بنی اور پھر بگڑی ہوئی حالت کے دیکھنے کا کسی کو اتفاق نہیں ہوا تھا۔ علیؑ نے بہت قریب سے دیکھا تھا علیؑ نے بنانے میں شہادت پائی۔ علیؑ نے بنانے کا عام اعلان کیا۔ اگرچہ چند خود غرض مخالفت ہی پر کیوں نہ آمادہ ہو گئے ہوں۔ حضرت علیؑ نے اصلاح کی بنا ڈالی۔ یہ ان کی ذاتی کوشش تھی۔ اس وقت تک بنی رہی جب تک کہ بگاڑنے کے لئے قرآن نیزوں پر نہیں لٹکایا گیا۔ حضرت علیؑ اس بگاڑنے والی ترکیب کو سمجھ گئے اور اس بات کی کوشش کی کہ ان کے سپاہی اس مقدس فریب میں نہ آئیں۔ حضرت علیؑ نے نہ صرف بگڑے ہوئے کو بنایا بلکہ بگڑنے کے نئے آثار دیکھ کر جو دشمنوں کے ذریعے سے پیدا ہو رہے تھے۔ کوشش کی کہ ان کے ساتھی اس سے متاثر نہ ہوں جس سے دشمن اپنی کوشش اور فریب میں شکست کھائے۔ لیکن چند صاحب اثر اور ان کے ساتھ کورانہ تقلید والے بگڑ جانے پر اس قدر مصر ہوئے کہ حضرت علیؑ کی نہ رائی سے مطلق العنانی کی دھمکی دی۔ حضرت علیؑ کی ذات کو دشمن کے سپرد کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؑ اپنی کوششوں کو تباہی کی طرف جاتے ہوئے دیکھتے تھے اور اُف نہ کر سکتے تھے۔ اس گئی گزری حالت میں کیا اس کا موقع تھا کہ حضرت علیؑ خود مع مالک اشتر کے اپنے سابقہ اقدام پر قائم رہتے اور اپنی فوج کے ہاتھوں قتل ہونا یا دشمن کے قبضے میں چلا جانا منظور کر لیتے۔ نہیں، ایسا کرنا مکمل تباہی کو سرعت کے ساتھ جاری کر دینا تھا۔ ابھی حضرت علیؑ کو خاموشی سے کچھ وقت مل رہا تھا اور یہ وہ وقت تھا جس کے بعد قوم کو اپنی غلطی اور جاہلانہ ضد کا علم ہو گا اور وہی ہوا اور پھر وہی لوگ ان سے لڑنے کے لئے بے چین ہو گئے جن کی سفارش میں انہوں نے اسلام کو ایسا خوفناک صدمہ پہنچایا جس کے بعد کبھی اسے اپنی حالت پر عود کرنے کی امید نہ رہی۔ یہی وقت جس میں حضرت علیؑ نے اپنے مخالف دوستوں کے ساتھ باوجود ان کی مخالفت کے رہنا پسند کیا۔ یہ نہ صرف ان کی نوری اصابتِ رائے تھی بلکہ یقینی تباہی کو کچھ اور روکے رہنے کا باعث ہوا۔ قصۂ تحکیم نے معاویہ کے موافق اس قدر اثر پیدا نہیں کیا جس قدر مخالفت کا جوش پیدا کر دیا اور آخر میں حضرت علیؑ اس قابل ہو گئے کہ ایک مرتب فوج کے ساتھ ایک مہینہ کے اندر پھر شام کی طرف روانہ ہو سکتے۔

حضرت کی رحلت کے بعد جو ان کو صاف لفظوں میں ان کی قومی تباہی پر متنبہ کر رہا تھا اب لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ "اس وقت ہم بعینہٖ ان بکریوں کے گلے کی طرح، جس کا کوئی گلہ بان نہ ہو اور بھیڑیے ہر طرف سے لئے جا رہے ہوں"، کیونکہ حضرت علیؑ کے ایک ایک لفظ کو صحیح دیکھ رہے تھے کہ "وہ تمہیں برابر اذیت پہنچاتے رہیں گے یہاں تک کہ ایک شخص کو بھی تم میں ایسا نہ چھوڑیں گے جو انہیں نفع نہ پہنچائے یا ان کے نزدیک اس کا وجود بے مضرت ثابت نہ ہو۔ ان کی بلائیں تم پر مسلط رہیں گی جب تک کہ تم میں سے ایک ایک شخص ان کا غلام اور خدمت گار نہ ہو جائے۔"

حضرت علیؑ کا انتظامی ضابطہ

وہ شخص جو یہ سمجھنا چاہتا ہے کہ حکومت کے مختلف محکمہ جات کے متعلق حضرت علیؑ کو کس قدر واقفیت تھی اور کیا کیا ضروری سمجھا تھا جس کے متعلق اپنے بے مثل دوست مالک اشتر کو ہدایت کرتے وہ مالک اشتر کی تقرری کی نسبت حضرت علیؑ کی ہدایتیں غور سے پڑھے جن میں نہ صرف دیوانی اور فوجداری کے انتظامات کے

متعلق خیالات ظاہر کئے گئے ہیں بلکہ زراعت، صنعت حرفت کی نگہداشت اور ترقی کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ رعایا کے ساتھ برتاؤ بتایا ہے اور "نیک آثار" قائم کرنے کی ہدایت کی ہے۔ حضرت علیؑ پبلک کے خیال کی قوت سے واقف ہیں جہاں وہ نصیحت کرتے کہ رعیت کی بدگمانی رفع کرنے کے لئے عذر کرنا یا جسے پھر وہ دوسرے لفظوں میں کہتے ہیں کہ خواص کی خوشنودی پر عوام کا غصہ غالب ہے اور عوام کی مہربانی خواص کے عذر کو دور کر دیتی ہے۔

حضرت علیؑ نے نہ صرف امور منفعت عامہ کی طرف توجہ کی بلکہ رعایا کی حفاظت کے لئے باضابطہ محکمہ پولیس قائم کیا۔ یہ حاجیوں کے قافلے کے لئے متعین ہوتے تھے۔ جن میں سے اکثر کو ایک مرتبہ ضحاک ابن قیس نے قتل کیا۔ حضرت علیؑ نے صرف پولیس پر قناعت نہیں کی بھی بلکہ ہر عامل کے پاس ان کا ایک جاسوس رہتا تھا جو اس کے عمل کی حضرتؑ کو خبریں دیا کرتا تھا اور آپ اسے متنبہ کرتے تھے اس کی بہت سی مثالیں ہم لکھ آئے ہیں۔ جاسوس صرف دیوانی کے محکمے کے متعلق نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ دشمن کی فوجی نقل وحرکت کی بھی خبریں دیتے تھے اور اسی لئے مقرر کئے جاتے تھے۔

حضرتؑ کو امور منفعت عامہ سے کچھ اپنے ہی زمانہ حکومت میں دلچسپی نہ تھی بلکہ ہم لکھ آئے ہیں کہ خلیفہ ثانی کے زمانے میں بھی اس کے متعلق کیا صلاحیں دیں اور اپنے زمانے میں "خلافت کے کاغذات اور مسلیں محفوظ رکھنے کے لئے دفتر قائم کیا۔"

خراج ادا کرنے والوں کے متعلق حضرت علیؑ کا یہ حکم ہر زمانے میں قابل تقلید ہے کہ "ادائے خراج کے لئے اس قدر مضطر نہ بناؤ کہ وہ اپنے گرمی اور جاڑوں کے لباسوں اور غلاموں کو بیچ کر خراج ادا کریں یا ادائے خراج کے لئے اپنے چوپاؤں کو فروخت کر ڈالیں جس سے وہ اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔" صرف دہقانوں کے ساتھ حضرت علیؑ کا رحم اور حسن سلوک ان کے اس فقرے اور انبار کی مثال سے واضح نہیں ہے بلکہ جانور بھی ان کی رحیمانہ نگاہ سے بے توجہ نہیں گزرے ہیں۔ حضرت علیؑ کی فقر پسندی، جفاکشی، انصاف، سادگی معاشرت، اہل وعیال کی ذمہ داری اور نگہداشت وغیرہ کی کافی مثالیں دی جا چکیں۔ غلاموں کی آزادی کا حضرت علیؑ کو خاص ذوق تھا اور خبریں تو یہاں تک کہتی ہیں کہ ایک باغ اسی لئے لگایا تھا کہ اس کی آمدنی سے غلام آزاد کئے جایا کریں یا یہ کہ حضرت علیؑ نے ایک ہزار غلام اپنی گاڑھی کمائی سے آزاد کئے۔ غلاموں کے ساتھ حضرت علیؑ کے برتاؤ کی نسبت بھی اشارہ کیا جا چکا۔ حضرت علیؑ کی نفس کشی یہ بھی کہ غلاموں کی پسند کو اپنی پسند پر فائق رکھتے تھے۔

غرض کیا تعریف ہو اس کی جو بقول سید امیر علی صاحب "حلیم، فیاض، ہمدرد، کمزور وضعیف کے ملجا اور مظلوم کے ماوا تھے۔" اور "جس نے ساری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کر دی"، یا جیسا مسعودی اپنی تاریخ اسلام میں نقل فرماتے ہیں "اگر سب سے پہلا مسلمان کہلانا، غربت میں رسول اللہ کا ساتھی، دین کے لئے جدوجہد میں آنجناب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاں نثار، زندگی میں آنحضرتؐ کا بے تکلف ہمنشین، رشتہ دار ہونا، ایثار نفس، نفس کشی والنصاف کا کمال اگر دیانت پاکیزگی

اور صداقت کی محبت۔ اگر آنحضرتؐ کی تعلیم اور کتاب اللہ کی پوری آگاہی اور ان پر کلی عمل اور اگر قانون سائینس کی واقفیت کسی شخص کو برتری و بزرگی دے سکتی ہے تو ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ حضرت علی علیہ السلام بڑے پکے مسلمان تھے،، پھر جی چاہتا ہے اُن کے اس فقرے کو دھرانے کو کہ،، تاریخ عالم میں کوئی شخص ایسا شجاع جری و عالی ظرف و بلند ہمت پاک طینت و قدسی صفت نہیں نظر آتا جیسے حضرت علی السلام .... تھے۔،،

علیؑ کے جاننے والوں کا مجمع اور علیؑ

علیؑ کی پُرعظمت خوبیوں نے انہیں زندۂ جاوید کر دیا۔ بقول سید امیر علیؒ،، ان کے کارناموں کا ذکر ابھی تک قاہرہ سے دہلی تک عام بازاروں میں کیا جاتا ہے،، نام لے دو علیؑ کا کسی ایسے مجمع میں جس میں لوگ علیؑ سے واقف ہوں اور تم دیکھو گے کہ مجمع میں ایک زندگی پیدا ہو گئی۔ مسرت، ادب اور محبت کا جوش بلکہ غالب کے لفظوں میں،، با خدا ہشیار مستم با علیؑ دیوانہ ام،، کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بو علی سینا کے لفظوں میں

با جان روان بو علیؑ، مہر علیؑ
چوں شیر و شکر بہم برآمیختہ اند

اچھا انسان اور اثبات وجود باری تعالیٰ

وہ لوگ جو حضرت علیؑ کو فلسفیانہ دلچسپی سے پڑھیں گے جنہوں نے اس پر غور کیا ہے کہ اچھا انسان منجملہ دلائل اثبات وجود باری تعالیٰ کے ایک ہے۔ حضرت علیؑ نہ صرف اس لئے پیدا کئے گئے تھے کہ عرب اور اس کا ہر گوشہ اُن کی نورانی ذات سے روشن ہو جائے بلکہ ان کی زم اور خوشگوار روشنی اور عالم فطرتِ انسانی کے تاریک گوشوں کو بھی منور کر دے۔ حضرت علیؑ کا وجود وہ زبردست ذریعہ ہے۔ جس سے ہمیں حضرت علیؑ کے مظہر صفات باری ہادئ برحق کے سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ رسول اللہ کو بغیر علیؑ کے سمجھنا رائیگاں کوشش ہے علیؑ کی تنہا ذات اس سب کا مجموعہ ہے جو کچھ انسان کو انسان کی نگاہ میں باوقعت بناتا ہے علیؑ کی تنہا ذات اسلام اور اہل اسلام کے فخر کے لئے ہمیشہ کافی ہے۔ قاآنی کے لفظوں میں:۔

" پناہ دین حق، نفس نبی، مقصود حرف کن " " علیؑ آئینۂ ذات خداوند جلیل ہستی "

مبارک ہیں وہ لوگ جن کا مذہب اور جن کی قومیت حضرت علی علیہ السلام کی ذات و صفات سے وابستہ ہے۔

الہام پذیری

ایسے نفس قدسی صدائے باطنی سے واقف ہونا، الہام کی لہروں کے لئے موزوں ہونا، ان لہروں کا احساس اور احساس کو سمجھنا، سمجھنے میں ملکہ اور صلاحیت ذات سے مدد پانا، غلطی کے خوف سے محفوظ ہو جانا، علم کا استعمال جاننا نہ تعجب خیز ہے اور نہ عقل یا تجزیۂ انسانی اور تاریخی کے خلاف۔

ناظرین! ۔ خوب صورت، سرخ بشرے، درمیانی قد والا، جس کی خوب صورت آنکھوں سے رحم و کرم ٹپکتا تھا۔ میری خیالی نگاہوں کے سامنے ہے اس کے نفس عظیم کے سمجھنے سے اقرار عجز کرتا ہوا محو حیرت ہو کر کتاب تمام کرتا ہوں ؎

نہم انسانی چہ داند عزت کار ترا — کافرینش بر نتابد بار مقدار ترا

ختم شد

الکرار پر نظر

الکرار لکھنے کا شوق اس طرح پیدا ہوا تھا کہ اردو کی کوئی مرتب سوانح عمری نہ اس وقت تھی جس وقت یہ کتاب شروع ہوئی اور نہ حضرت علیؑ کے صحیح تاریخی حالات کے متعلق دریافت کرنے پر مجھے کوئی اردو کتاب بتائی گئی۔ یا تو میں غیر اقوام کے افراد کے حالات پر قناعت کرتا اور جاننے والوں کی رائے کا مقلد بن جاتا یا علیؑ کو سمجھنے کے لئے کچھ کوشش کرتا۔ کوشش کی یہی جو آپ کی نظر سے گزری۔ کم و بیش سات برس ہوئے کہ یہ کتاب شروع ہوئی۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ ابتدائی تاریخ ہے، تیار ہوئی اور ہوتی رہی۔ اس درمیان میں اکثر افراد قوم نے مشکور کوششیں کیں اور اب ایسا نہیں ہے کہ جناب امیرؑ کے حالات یکجا نہ پائے جاتے ہوں۔

اکثر موقع پر اظہار خیال کے لئے الفاظ ملنا اور میرا منہ بنا دیکھنے کے قابل تھا۔ میں نے بہت سے خیالات کے اظہار کے لئے خود ساختہ فقرات سے کام لیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ فقرات کہاں تک میرے خیالات ذہن نشین کرا سکیں گے۔ میں اس بحث سے واقف ہوں کہ کس طرح کسی نئی اصطلاح کا پیدا کرنا مشکلات پیدا کرتا ہے اور اس کے عام اور مقبول ہو جانے میں زمانے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس دشواری کے سامنے یہ بھی بالبداہت میرے سامنے تھا کہ مجھے کچھ کہنا ہے جس طرح میں سمجھا سکوں۔

مجھے یہ بھی خیال ہے کہ میرے طرز تحریر پر بہت سی شکائتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً کہیں میں نے مضامین تاریخی کو بہت ہی مختصر لفظوں میں بیان کیا ہے۔ کہیں میں نے بہت مختصر لفظوں سے کام لیا ہے اور چپ ہو گیا ہوں اور کہیں محاورے میں وہ فقرہ اس جگہ استعمال نہیں ہوا کرتا جہاں میں نے استعمال کی ضرورت سمجھی ہے۔ کہیں نہایت سادے الفاظ ہیں، کہیں کچھ مشکل ہیں۔ کسی کی دانست میں عبارت کی عبارت سخت بے معنی، اکھڑی یا الجھی ہوئی ہوگی۔ کسی کی دانست میں کوئی مضمون قطعاً غیر متعلق ہوگا اور بہت سے متعلق مضامین لکھے جا سکتے ہوں گے کوئی کہے گا کہ مضامین تاریخ کا وہ مفہوم لیا گیا جو پیشتر نہیں لیا گیا تھا۔ کسی کی دانست میں یہ ناقابل معافی گناہ کیا ہوگا کہ میں نے عربی عبارت کیوں نہ لکھی اور اس سے تمام کتاب اور اس کے مضمون کی کیسی ہی خوبی اس کی نظروں میں حقیر ہو جائے گی اور اس سے شاخ در شاخ الزامات عائد ہوتے ہوں گے کوئی کہے گا کہ میں نے بجائے قدیم کتابوں کے جدید تصنیفات سے زیادہ مدد لی۔

میں یہ سب تسلیم کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد آسان گلو خلاصی کے لئے یہ عرض کرنے کی اجازت مانگتا ہوں کہ میں اپنے اس کم حیثیت سامان سے حضرت علیؑ کی طرف دیکھ رہا تھا، کہ انہیں سمجھوں۔ ان کل مضامین کی بہمہ وجوہ تکمیل کا بوجھ نہیں پڑ رہا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں سخت احتیاط کی کہ غلط بیانی کا مرتکب نہ ہوں یا اسے درج کروں جسے میں غلط بیانی سمجھوں اور سمجھوں تو یہ نہ کہوں کہ اس کی صحت میں اشتباہ ہے۔ عربی اور اردو دونوں عبارتوں سے کتاب کا حجم دونا کر دینا میری مصلحت کے موافق نہ تھا۔ مجھے تاریخ سے اس قدر بحث نہ تھی جس قدر اس کی روح سے۔ واقعات کا مرتب یا غیر مرتب ڈھیر بھی میری دلی خواہش نہ تھی۔ پھر بھی میں نے اس کی کوشش کی کہ مفید

تاریخی واقعات اوران پر روشنی ڈالنے والے تاریخی اشارے چھوٹ نہ جائیں۔ میری ابتدا سے انتہا تک صرف ایک خواہش تھی وہ یہ کہ حضرت علی ؑ کو سمجھاؤں اور سمجھوں۔ مجھے ایسے تاریخی واقعات سے بحث نہ تھی جو حضرت علی ؑ سے متعلق نہ ہوں۔ کیا اچھا ہوتا کہ حضرت علی ؑ کی حیات مبارک ان ناگوار اذکار سے خالی ہوتی جس کا حذف کرنا ان کے ساتھ بے انصافی ہے اور ذکر کرنا انصاف پسندی کی کمی سے دلچسپی دور کر دیتا ہے۔

میں ان نفیس کتابوں کے مؤلفین کا شکر گزار ہوں۔ جن سے میں نے مضامین تاریخی اخذ کئے یا جن کی زبان سے میں نے کسی حد تک احتیاطاً اپنے خیال ظاہر کئے یا جن کے مضامین پر بوجہ ناموافقت خیال مجھے تنقید کی ضرورت ہوئی۔ فن تنقید بجائے خود ایک نہایت ہی مفید مضمون ہے۔ نقادی کے معنی پسند آنے یا نہ آنے والی چیز کے پسند آنے یا نہ آنے کی وجہ بیان کرنا یا سمجھنا ہے۔ سونے اور کسوٹی کا رابطہ جس طرح سونے کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ تنقید کے معنی خواہ مخواہ مخالفت نہیں ہیں بلکہ حقیقت امر کے سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اگر مخالفت خیال ہو بھی تو اس لئے کہ صحیح طریقے کا سمجھنا ہر انسان کا فرض ہونا چاہیئے یہی ہمارا مسئلہ تولا اور تبرا ہے۔

میں نے آسانی سے دستیاب ہونے والی کتابوں سے زیادہ مدد لی۔ اس مصلحت سے کہ جہاں وہ پرانی کتابوں اور اپنے ماخذ کی وکالت کرتے ہیں وہاں عامۂ ناس کو ان اصل کتاب کے دیکھنے میں آسانی ممکن ہے۔ دوسرے زمانے کے ساتھ ترقی کیا ہوا خیال اور رنگ سمجھنا اس سے زیادہ مفید ہے کہ ہم صدیوں پیشتر کے خیالات سے بات کریں۔

میں نے خلافت پروانوں کے نیچے دبا کے بات نہیں کی اور نہ کھجور کی کوئی ٹہنی ہاتھوں سے مضبوط تھام لی اور اس کے بعد اپنی گرفت کے جواز یا عدم جواز سے بحث کی۔ میں شخص اس کی ذات، خیالات، نفس اور عمل سے بحث کرتا رہا اور ہر موقع کی نمود تربیت کی مثالیں دیتا رہا جہاں تک ممکن ہوا۔

سلام علیکم۔

و ریاض ۱۰ فروری ۱۹۱۱ء روز جمعہ۔ صفر تاریخ ۱۷، ۹ بجے دن

تمت

قطعۂ تاریخ فرمودہ ڈپٹی سید احمد علی صاحب پرسنل اسسٹنٹ ٹو کمشنر مظفر پور

حالِ حیدر ثبت کردہ چوں ریاض
شد حقیقت چون مہِ نو منجلی
نام تاریخی مؤلف چوں بخواست
زد رقم احمد۔ تواریخ علی ؑ
۱۳۲۷ھ

ولہ

سمن باغ سیادت گل لبستان شرف — کہ مسمے بہ ریاض ست و بود نیک شعار
بہر اظہار حقیقت بنمودہ تالیف — سیرت حیدر کرار امام ابرار
حامی دین مبیں ماحی عصیان امم — نائب احمد مختار ولی غفار
مخزن جود و عطا معدن الطاف و کرم — منبع مہر و وفا منہل بذل و ایثار
عیسوی سال زا ایمائے مؤلف گفتم — اسم زیبائے تواریخ۔ علی الکرار
۱۹۱۱